درسی تفسیر

تبیان الفرقان

الخامس

امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
حکیم العصر محدث عصر مخدوم العلماء و محبوب الفضلاء
حضرت اقدس مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ
اردو بازار لاہور ۰۳۳۴-۶۳۷۷۹۲۱
۰۳۲۱-۶۹۰۲۱۱۷

درسی تفسیر

تبیان الفرقان

افادات

امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ
حضرت مولانا عبدالمجید صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی

خلیفہ مجاز حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرہ
شیخ الحدیث جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

الجزء الخامس

سورۃ یونس تا ختم سورۃ الکہف

مکتبہ حلیمیہ رشیدیہ

G/L29، حادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

0321-4102117, 0332-4377621
maktabah.hr@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب .... تبیان الفرقان

افادات .... مولانا عبدالمجید صاحب لدھیانوی

باہتمام .... مولانا انیس احمد صاحب مظاہری زید فضلہ

موضوع .... تفسیر

سن طباعت ۱۴۳۵ھ

تعداد ۸۰۰

ناشر

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ

حافظ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

0332-4377621, 0321-4102117

maktabah.hr@gmail.com

ہر اچھے کتب خانہ سے ہماری کتب باصرار طلب فرمائیں

اسٹاکسٹ

مکتبہ شیخ لدھیانوی

باب العلوم کہروڑ پکا

کتاب کی دستیابی کے مراکز

- مکتبہ رحمانیہ — اردو بازار لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید — اردو بازار لاہور
- مکتبہ قاسمیہ — اردو بازار لاہور
- بیت العلوم — اردو بازار لاہور
- مکتبہ زکریا — اردو بازار لاہور
- مکتبہ الخیر — اردو بازار لاہور
- ادارہ اسلامیات — انارکلی لاہور
- قدیمی کتب خانہ — کراچی
- دار الاشاعت — کراچی
- مکتبہ عمر فاروق — کراچی
- مکتبہ شیخ — بہادر آباد کراچی
- مکتبہ خلیلیہ — بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ امدادیہ — ملتان
- مکتبہ حقانیہ — ملتان
- مکتبۃ العارفی — فیصل آباد
- مکتبہ رشیدیہ — کوئٹہ/لاہور
- مکتبہ علمیہ — اکوڑہ خٹک
- مکتبہ النور — رائیونڈ
- مکتبہ مدینہ — رائیونڈ

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔ پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی پر ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

فہرست

سُوْرَةُ يُوْنُسَ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ الخ

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ الخ

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ الخ

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ الخ

وَ اِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّىۡ عَمَلِىۡ وَلَـكُمۡ عَمَلُكُمۡ الخ

يَـٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ مَّوۡعِظَةٌ الخ

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ الخ

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ الخ

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الخ

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي الخ

سُوْرَۃُ هُوْدٍ

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ الخ

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا الخ

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖۤ اِنِّیۡ لَکُمۡ الخ

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ الخ

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی الخ

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ط الخ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ الخ

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ الخ

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ الخ

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ

فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ط الخ

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ الخ

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ الخ

سُوْرَةُ الرَّعْدِ

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ ؕ الخ

اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى الخ

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ الخ

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ الخ

سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ الخ

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً الخ

سُورَةُ الحِجْرِ

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ الخ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ الخ

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ الخ

سُوْرَةُ النَّحْلِ

اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ الخ

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا الخ

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ فِی الرِّزۡقِ ج الخ

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ الخ

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ فِى الرِّزۡقِ ۚ الخ

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا الخ

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ الخ

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا الخ

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ الخ

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا الخ

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا الخ

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ الخ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ الخ

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ الخ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ الخ

اٰیاتھا ۱۰۹ ۱۰ سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ ۵۱ رکوعاتھا ۱۱

سورۂ یونس مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سونو آیات ہیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝١ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ

الٓرٰ یہ آیات ہیں حکمت والی کتاب کی ① کیا لوگوں کیلئے یہ بات باعث تعجب ہے کہ

اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ

ہم نے وحی کی ان میں سے ایک آدمی کی طرف کہ ڈراؤ لوگوں کو اور بشارت دے دو ان لوگوں کو

اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ

جو ایمان لائے اس بات کی کہ ان کے لئے اچھا مرتبہ ہے ان کے رب کے پاس کہا کافروں نے کہ

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝٢ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

بے شک یہ آدمی صریح جادوگر ہے ② بے شک تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں

وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ

اور زمین کو چھ دنوں میں پھر اس نے قرار پکڑا عرش پر وہ تدبیر کرتا ہے

الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ

ہر کام کی کوئی سفارش کرنے والا نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد یہی اللہ تمہارا رب ہے

فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝٣ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ

پس تم اسی کی عبادت کیا کرو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ③ اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے اللہ نے وعدہ کیا ہے

حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سچا بے شک وہی پیدا کرتا ہے پہلی بار پھر اس کا اعادہ کرے گا تاکہ بدلہ دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ

اللہ پر اور انہوں نے نیک عمل کیے انصاف کے ساتھ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے پانی ہے

حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۴ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ

گرم اور درد ناک عذاب ہے بسبب اس کے کہ وہ کفر کرتے تھے ۝۴ وہی ذات ہے جس نے

الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ

سورج کو روشن بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور بنائی اس کی مختلف منزلیں تاکہ تم جان لو گنتی

السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ

سالوں کی اور حساب۔ نہیں پیدا کیا اللہ نے یہ سب کچھ مگر حق کے ساتھ، وہ کھول کے بیان کرتا ہے

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا

آیات ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں ۝۵ بے شک رات اور دن کے اختلاف میں اور ان چیزوں میں

خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝۶ اِنَّ

جو اللہ نے پیدا کیں آسمانوں میں اور زمینوں میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں ۝۶ بیشک

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا

وہ لوگ جو نہیں اُمید رکھتے ہم سے ملاقات کی اور راضی ہو گئے دنیاوی زندگی کے ساتھ اور اس پر مطمئن ہو گئے

بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ

اور وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں ۝۷ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بسبب ان کاموں کے جو وہ کرتے تھے ۝۸ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے

يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ

پہنچائے گا ان کو ان کا رب منزل مقصود تک ان کے ایمان کی برکت سے ان کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ

خوشحالی کے باغات میں ⑨ ہوگی ان کی پکاران باغات میں کہ اے اللہ! تو پاک ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو دعا

فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

میں سلام ہوگا اور ان کی آخری پکار ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو رب العالمین ہے ⑩

تفسیر

مکی سورتوں کے مضامین:

یہ سورۃ مکی ہے اور آپ کی خدمت میں یہ بات بار ہا ظاہر کی جا چکی ہے کہ مکی سورتوں میں احکام کم ہیں، اس میں زیادہ تر بحث عقائد پر ہوتی ہے کیونکہ مکہ معظمہ میں زیادہ تر زور عقائد پر ہی دیا گیا ہے اور عقیدے کے ساتھ ہی انسان کفر سے نکل کر اسلام میں آتا ہے اعمال کا درجہ بعد میں ہے، احکام زیادہ تر مدنی زندگی میں آئے ہیں، جس وقت ایک اسلامی معاشرہ قائم ہوگیا اور اسلام کے ساتھ ایک جماعت متشکل ہوگئی تو احکام کا نزول ہوا، مکی سورتوں میں زیادہ تر عقائد کا ذکر ہے۔

بنیادی عقائد جن کے ساتھ کوئی شخص مسلمان ہوتا ہے وہ تین ہی ہیں، توحید، رسالت، معاد، توحید کا معنی ہے کہ اللہ کو یکتا جاننا اس کی ذات میں اور صفات میں کسی کو شریک نہ کرنا اور اللہ کی طرف سے آنے والے رسولوں پر ایمان لانا اور نزول قرآن کے وقت خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا رسول ماننا کہ یہ اللہ کی طرف سے اللہ کی مرضیات کے ترجمان ہیں جو کچھ یہ کہیں گے اسی کو مانا جائے گا اور تیسرا بنیادی عقیدہ جس کے ساتھ انسان مسلمان ہوتا ہے وہ ہے معاد یعنی لوٹنے کا عقیدہ کہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندگی کی طرف لوٹنا ہے یہ تین عقیدے ہیں جن پر مذہب کی بنیاد رکھی گئی ہے اور ان تینوں کو اختیار کر کے انسان کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہوتا ہے، مکی سورتوں میں انہی عقیدوں کے متعلق ہی ذکر آیا ہے۔

اور یہ تینوں عقیدے ہی ایسے تھے کہ جو مشرکین کے لیے محل اشکال تھے، وہ نسل در نسل شرک کے عادی تھے اس لیے جب ان کے سامنے توحید کا تذکرہ آتا تو اس پر بھی وہ بدکتے تھے اور یہ بات ان کے ذہن میں ہی نہیں آتی

تھی کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اپنا نمائندہ بنا کے بھیج دے اس لیے رسول اللہ ﷺ کو رسول ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی ان کی سمجھ میں یہ بات آتی تھی کہ جب ایک آدمی مرجاتا ہے، مرنے کے بعد ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے، ہڈیاں اس کی بوسیدہ ہوجاتی ہیں، گرد ذرات میں بکھر جاتا ہے تو ایسی صورت میں دوبارہ اس میں جان کیسے ڈالی جائے گی؟ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی اس لیے ان عقیدوں کے بارے میں ان کے جو اشکالات تھے، ان کے ذہنوں میں جو تردد تھا مکی سورتوں کے اندر ان کو زائل کیا گیا ہے، اثباتی دلائل بھی دیے گئے اور ان کے شبہات کا رد بھی کیا گیا ہے۔

اور پھر ان کے عقیدوں کو ذکر کرتے ہوئے ساتھ ساتھ ترغیب وترہیب بھی ہے، ترغیب وترہیب اخروی عذاب اور نعمتوں کے ساتھ بھی ہے اور دنیاوی حالات کے ساتھ بھی ہے اور پھر اس ترغیب وترہیب کو مثالوں کے ساتھ اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ دیکھو فلاں وقت میں فلاں رسول آئے تھے انہوں نے یہی باتیں اپنی قوم کے سامنے پیش کی تھیں، وہ قوم دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، بعضوں نے مان لیا اور بعضوں نے نہیں مانا تو دنیا کے اندر دونوں کا انجام مختلف ہوا کہ نہ ماننے والے اللہ کے عذاب کا نشانہ بنے، ماننے والے کامیاب ہوگئے اور اللہ کے عذاب سے بچ گئے بالکل آخرت میں جا کے ان کے ساتھ یہی حال ہوگا کہ نہ ماننے والے سخت عذاب میں ہوں گے اور جو ماننے والے ہیں وہ بہت خوشحال ہوں گے تو امتوں کے واقعات ذکر کرکے گویا کہ مثالوں کے ساتھ اس ترغیب وترہیب کو واضح کیا گیا ہے اس قسم کے مضامین مکی سورتوں میں آیا کرتے ہیں اور یہ سورت یونس بھی انہی مضامین پر مشتمل ہے۔

قرآن کریم کی عظمت کا بیان:

پہلی آیات جو آپ کے سامنے ذکر کی گئی ہیں اس میں اس کتاب کے متعلق دعوئی ہوا کہ یہ کتاب جو اس وقت آپ پر اتاری جارہی ہے یہ بہت ہی پُر حکمت ہے اور دانشمندی سے بھری ہوئی ہے، اس کی ہر بات ٹھوس ہے، عقلی دلائل سے مدلل ہے اور نقلی دلائل سے مدلل ہے اس کی لفظی حیثیت بھی مضبوط ہے اور معنوی حیثیت بھی مضبوط ہے، اس کے واقعات بھی سارے کے سارے صدق کے ساتھ موصوف ہیں اور حق کے مطابق ہیں تو لفظ حکیم کے اندر یہ سارے کے سارے مفہوم ہیں یہ تو قرآن کریم کی عظمت ہوئی اور قرآن کریم کی عظمت سے ہی باقی چیزوں

کے ماننے کی بنیاد اٹھتی ہے کہ اگر کوئی یہ بات تسلیم کر لے کہ یہ کتاب بہت ہی پر حکمت ہے اور یہ اللہ کی طرف سے آئی ہے، کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے تو جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہوگا اس کا قبول کرنا اس کے لیے آسان ہو جائے گا "تلك" کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو اتر رہی ہے یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔

"اکان للناس عجباً" کا مفہوم:

اس کے بعد اگلی آیت رسالت کے مسئلہ پر مشتمل ہے، کہا یہ جا رہا ہے کہ اس میں ان کے لیے کونسی حیرانی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ہی کسی پر وحی کر دے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بندے پر وحی آ جانا یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے، ان کے لیے یہ بات باعث تعجب کیوں ہوگئی؟ اگر فرشتہ آتا تو ان کو اچھی طرح سمجھا نہ سکتا کیونکہ وہ ان کا ہم جنس نہیں ہے، بہت سارے کام ایسے ہیں جو انسان کو انسان ہی کر کے دکھا سکتا ہے، فرشتہ انسان کو کر کے نہیں دکھا سکتا، انسان کے جذبات کو انسان ہی اچھی طرح سمجھتا ہے، پھر اگر باہر کا آدمی ان کی طرف بھیجتے جس کے صدق اور صفات سے یہ واقف نہ ہوتے تو اس کو ماننا بھی ان کے لیے مشکل ہو جاتا، یہ ہے بھی ان میں سے جس کے سارے حالات یہ اچھی طرح جانتے ہیں اور پھر جو مضمون وحی کیا گیا ہے وہ مضمون بھی کوئی عجیب نہیں ہے جس پر یہ حیران ہیں یہی تو ہے کہ ماننے والوں کے سامنے اچھا نتیجہ آنے والا ہے اور جو کفر کرنے والے ہیں ان کے سامنے برا نتیجہ آنے والا ہے اس میں کونسی بات حیرانی کی ہے جو ان لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتی ہے، اس آیت میں یہی انداز اختیار کیا گیا ہے، کیا لوگوں کے لیے یہ بات باعث حیرانی ہے، باعث تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ہی کسی آدمی کی طرف وحی کر دی اور وحی میں یہ مضمون پہنچایا کہ لوگوں کو ڈراؤ اور جو لوگ ایمان لے آئے ان کو بشارت دے دو کہ ان کے لیے اچھا مرتبہ ہے ان کے رب کے پاس، یہ باتیں آئیں تو کافروں نے کہا کہ یہ تو صریح جادوگر ہے۔

حضور ﷺ کو جادوگر کہنے کی وجہ:

جادوگر کس اعتبار سے کہتے تھے؟ اصل میں جادو ہوتا ہے شعبدہ بازی اور جادوگر شعبدہ باز ہوتا ہے کہ چیز ہوتی کچھ ہے اور وہ کر کے کچھ دکھاتا ہے، باطل کو حق کا رنگ چڑھا کے لوگوں کو اس سے متاثر کر لیتا ہے اور اس کے تصرف میں اتنا زور ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں دل اور دماغ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے، وہ جب دیکھتے تھے کہ یہ جو کتاب پیش کر رہا ہے، یہ کلام جو پڑھ رہا ہے یہ اتنی مؤثر ہے کہ اچھے بھلے لوگ اس کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں

اوران کا دل اس کے قبضے میں آجاتا ہے پھر یہ معجزہ بھی دکھاتا ہے تو کوئی تاویل ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی سوائے اس کے کہ یہ تو بہت بڑا جادوگر ہے، جادو کے ساتھ ہی یہ اس قسم کے واقعات دکھاتے ہیں اور جادو کے ساتھ ہی ان کی کلام میں یہ اثرات پیدا ہوگئے ہیں کہ جو بھی اس کو سنتا ہے اس کا دل بھی اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے یہ جو اثرات نمایاں ہوتے تھے اس کی تاویل انہوں نے یہ کی۔

حضور ﷺ کی جادو سے کیا نسبت ہے؟

قرآن کریم میں بارہا ذکر کیا جائے گا کہ اس کلام کی کوئی نسبت نہیں ہے جادو کے ساتھ اور سرور کائنات ﷺ کو کوئی نسبت نہیں جادوگروں کے ساتھ، جادوگر شیاطین کی مدد سے چشم بندی کر کے لوگوں کے سامنے شعبدے دکھاتے ہیں، انتہائی گندے ہوتے ہیں، قول کے جھوٹے ہوتے ہیں، ان کی ایک بات سچی نکلتی ہے تو ننانوے جھوٹی نکلتی ہیں، اخلاق اور کردار سے عاری ہوتے ہیں، اس کے مقابلہ میں انبیاء علیہم السلام کے حالات میں غور کرنے سے انسان فرق کر سکتا ہے کہ جادوگر کیا ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کیا ہوتے ہیں؟ وہ خود غرض اور دنیا کمانے والے اور لوگوں کے سامنے شعبدے بازی کر کے اپنے مفاد کو حاصل کرنے والے، کونسی بات ایسی ہے جو اس نبی میں پائی جاتی ہے جس کی بناء پر تم شبہ کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ:

آگے دلائل کا سلسلہ شروع ہوا "ان ربکم اللہ الذی خلق السموٰت والارض" تمہارا رب وہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے، چھ دن میں پیدا کرنے کا ذکر آپ کے سامنے سورۂ اعراف میں آچکا ہے، یہ وقت کا اندازہ ہے، دن سے حقیقی دن مراد نہیں ہیں جو سورج کے غروب اور طلوع کے ساتھ بنتے ہیں کیونکہ جب زمین اور آسمان بنے نہیں تھے، سورج اور چاند بھی نہیں بنے تھے تو دن اور رات بھی نہیں بنے تھے اس لیے چھ دن سے چھ دن کا اندازہ مراد ہے اور پھر ان چھ دنوں سے دنیا کے دن مراد ہیں جو چوبیس گھنٹے کے ہوتے ہیں یا آخرت کا دن مراد ہے جو ایک ہزار سال کے برابر ہوگا یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کونسا وقت مراد ہے؟ اس لیے متعین طور پر ان کو ان دنوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور پھر اس میں بھی اللہ کی حکمت ہے کہ اس نے ان کو تدریجاً بنایا ہے، چاہتا تو ایک ہی لحہ میں موجود کر دیتا لیکن اللہ نے اپنی حکمت کے تحت تدریجاً بنایا ہے جیسے آپ کا وجود بھی

تدریجاً بنتا ہے، درخت ہیں تو وہ بھی تدریجاً بنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی ایک حکمت ہے کہ تدریجاً ہی کسی چیز کو وہ عروج تک پہنچاتا ہے بہر حال یہ وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا ہے اپنے انداز ے کے ساتھ اور پھر عرش پر قرار پکڑ گیا، عرش پر قرار پکڑنے کا ذکر بھی آپ کے سامنے سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔

"استویٰ علی العرش" کا مفہوم:

عرش پر قرار پکڑنے کا ایک معنی تو یہ ہے کہ عرش ایک وجودی چیز ہے جس طرح ایک تخت ہوتا ہے اور استویٰ کا معنی اس کے اوپر درست ہو کے بیٹھ جانا اب یہ لفظوں سے جو مفہوم سمجھ میں آتا ہے ہم اس کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کر سکتے، احادیث سے اتنا معلوم ہوتا ہے عرش ایک وجودی چیز ہے جو آسمان اور زمین کو محیط ہے اور اللہ نے اس کے اوپر قرار کس طرح پکڑا ہم اس کو اپنے لفظوں میں بیان نہیں کر سکتے یہ متشابہات میں سے ہے کیونکہ جس وقت اللہ کی ذات ہمارے سامنے پوری طرح منکشف نہیں تو ہم اس استویٰ کو بھی ذکر نہیں کر سکتے کسی کی صفات اس وقت سمجھ میں آتی ہیں جب پہلے اس کی ذات سمجھ میں آئے جس وقت تک آپ کسی کی حقیقت سے واقف نہ ہوں اس وقت تک آپ اس کی صفات کو سمجھ نہیں سکتے یہ بہت موٹی سی بات ہے۔

مثلاً ایک صفت ہے ''آنا'' لیکن آنے کا کیا مفہوم ہے جس کی طرف آپ نسبت کریں گے اگر اس کی حقیقت کو جانیں گے تو سمجھ سکیں گے کہ آنا کیسے ہوتا ہے مثلاً میں کہتا ہوں کہ بادل آگیا فوراً آپ کے ذہن میں ایک کیفیت آگئی کہ بادل یوں آتا ہے، میں کہتا ہوں کہ بارش آگئی تو آپ بارش کو جانتے ہیں تو اس کا آنا بھی فوراً سمجھ میں آگیا کہ پانی کے قطرے آسمان کی طرف سے زمین پر آرہے ہیں، میں کہتا ہوں کہ گاڑی آگئی، ریل گاڑی آگئی تو اس کی صورت فوراً ذہن میں آگئی، میں کہتا ہوں کہ دھوپ آگئی، سایہ آگیا، نہر میں پانی آگیا، میرے دل میں خیال آیا کہ بخار آگیا، اب ایک ہی لفظ ہے لیکن نسبتوں کے بدلنے کے ساتھ اس کا مفہوم کتنا بدل گیا تو لفظ ''آنا'' ایک ایسا لفظ ہے جس کو آپ اپنی زبان میں استعمال کرتے ہیں لیکن اس کی کیفیت اس کے موصوف کے سمجھ آنے کے ساتھ ہی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جس کے متعلق ہم کہہ رہے ہیں جب تک اس کی حقیقت سمجھ میں نہ آئے ہم اس کے آنے کا تصور نہیں کر سکتے یہ ہمارے روزمرہ کے استعمال کی بات ہے۔

اسی طرح جب اللہ کی ذات کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے چاہے وہ "ید" (ہاتھ) ہے، چاہے وہ

"وجه "(چہرہ) ہے یا"استویٰ "(قرار پکڑنا) ہے چاہے اس کا آنا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس قسم کی جتنی بھی صفات ہیں ان کے متعلق یہی کہا جائے گا"کما یلیق بشا نہ "جیسے اس کی شان کے لائق ہے جب ہم اس کی حقیقت نہیں سمجھتے تو اس کی صفات کی حقیقت بھی نہیں سمجھ سکتے۔

ایک تو یہ اس کی صفت کا مبدأ ہے کہ عرش پہ قرار پکڑ لیا اور ایک ہوتا ہے کہ ہم اس کا اثر بیان کر سکتے ہیں جس طرح دیکھنا ایک صفت ہے کیسے دیکھتا ہے"کما یلیق بشا نہ" ہم دیکھتے ہیں تو ہمارا ایک مبدأ ہے، یہ آنکھ ہے اس کے ذریعہ سے ہم دیکھتے ہیں تو آنکھ مبداء ہے اور اس کا اثر ہے کہ مبصرات ہمارے علم میں آگئیں تو اللہ تعالیٰ بصیر ہیں اس کا یہ اثر تو ہے کہ جتنی مبصرات ہیں وہ سب اللہ کے سامنے ہیں، جو چیزیں دیکھی جاتی ہیں وہ سب اللہ کے علم میں ہیں باقی اس کی آنکھ کیسی ہے، اس کا مبدأ کیا ہے؟ یہ صفت اس کے لیے کس طرح ثابت ہے؟ اس کے متعلق ہم کہیں گے"کما یلیق بشا نہ"۔

اس طرح ایک تو ہے تخت نشین ہونا، تخت پہ بیٹھنا جس طرح میں اونچی جگہ بیٹھا ہوں، یہ بھی ایک مختصر سا تخت ہے ایک تو یہ کیفیت ہے کہ اس طرح کا کوئی تخت ہو اور کوئی دوسرا اس کے اوپر بیٹھے اور ایک اس کا اثر ہوتا ہے کہ جس ملک میں کوئی شخص تخت نشین ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ملک کی حدود میں حکومت اس کی ہے، کوئی دوسرا اس کی حکومت میں شریک نہیں ہے، تخت نشین ہونا حکومت سنبھالنے کے لیے ایک محاورہ ہے، بابر تخت نشین ہوا، اس کے بعد ہمایوں تخت نشین ہوا، اس کے بعد جلال الدین اکبر تخت نشین ہوا، اس کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا، شاہ جہان تخت نشین ہوا، اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایک مرتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ پر بیٹھ جاتا ہے اور حدود مملکت کے اندر اب حکومت اس کی ہوگی اب اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہے تو یہاں زمین اور آسمان کو پیدا کرنے کے بعد اس کائنات کے اندر تخت نشین اللہ ہو گیا یعنی پیدا کرنے والا بھی وہی اور اس کا حاکم بھی وہی، اس کے اوپر حکومت بھی اس کی ہے کسی دوسرے کی نہیں ہے تو تخت نشین ہونے کا یہ مفہوم اپنی جگہ واضح ہے یعنی یہ نہیں کہ بنا کے حکوت کسی دوسرے کے سپرد کر دی، مدرسہ بنایا اور مہتمم کسی دوسرے کو بنا دیا ایسی بات نہیں ہے بلکہ کائنات کو بنایا تو اس کی حکومت بھی اس نے خود سنبھال لی ہے اس کے اندر تخت نشین وہی ہے تو تخت نشین ایک محاورہ ہے، جس طرح آجکل چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے لیے چیئرمین ایک محاورہ ہے، چیئرمین کا معنی ہے کرسی پر بیٹھنے والا مطلب یہ

ہے کہ کرسی اقتدار کی نشانی ہے اور اس کا اقتدار فلاں شخص کو مل گیا ہے تو اس شہر کا فلاں چیئر مین ہے یہی مفہوم ہوتا ہے تخت نشین کا تو تخت نشین اللہ ہو گیا یعنی اس کائنات میں حکومت اس کی ہے۔

شرک کی حقیقت:

اور پھر یہ نہیں کہ تخت نشین تو وہ ہے لیکن نیچے وزیر بنا دیے اور دوسرے کارکن بنا دیے اور خود بادشاہ عیش و عشرت کے لیے بیٹھے ہیں ان کو کسی کام کی کوئی فکر نہیں اس قسم کا بادشاہ نہیں "یدبر الامر" ہر معاملہ کا انتظام بھی اس کی ہاتھ میں ہے، تدبیر بھی اسی کی ہے اور یہی مشرکین کی دکھتی رگ ہے جو قرآن کریم نے پکڑی ہے، قرآن کریم آپ کے سامنے واضح کرے گا کہ جب آپ ان سے پوچھیں گے کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو فوراً کہیں گے اللہ نے پیدا کیے ہیں، اس میں تو ان کو انکار تھا ہی نہیں، اس بات کو تو مشرک مانتے تھے تو یہ کہا جارہا ہے کہ زمین و آسمان کو جس نے پیدا کیا رب وہی ہے زمین آسمان کو جس نے پیدا کیا ان کے اندر مدبر بھی وہی ہے زمین آسمان کو جس نے پیدا کیا ان کے اندر منتظم بھی وہی ہے، یہ باتیں وہ نہیں مانتے تھے وہ کہتے تھے کہ اللہ تو بہت بڑا ہے وہ چھوٹے چھوٹے کام خود نہیں کرتا، اس نے محکمے تقسیم کر دیے ہیں جس طرح بادشاہ محکمے تقسیم کرتا ہے اور ہر کسی کو ایک محکمہ سپرد کر کے اس کو خود مختار کر دیتا ہے کوئی گورنر بنا دیا چاہے اس کو معزول کر سکتا ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن جب سپرد کر دیا تو خود مختار ہے، کوئی گورنر بنا دیا، کوئی کمشنر بنا دیا، کوئی چھوٹا، کوئی بڑا دنیا کا تو دستور یہ ہے کہ جب کسی نے کوئی کام کروانا ہو تو بادشاہ نے محکمے جن کے سپرد کیے ہیں درخواستیں وہاں دی جاتی ہیں اب اگر ہمیں دو سیر یا پانچ سیر چینی چاہیے تو براہ راست صدر مملکت کو تو کوئی درخواست نہیں دیتا، اس نے فوڈ کنٹرول کا ایک محکمہ بنا دیا ہے اور اس میں نیچے سے اوپر تک حکام ہیں اگر آپ کو چینی چاہیے تو اس محکمے میں جا کر درخواست دو اور اگر وہ حاکم تمہیں چینی دے دے تو صدر کو پتہ ہی نہیں ہے کہ دی کہ نہیں دی اور اگر کوئی معاملہ آپ نے پانی کا طے کرنا ہے تو محکمہ انہار موجود ہے وہاں جا کے درخواست دو تو نیچے والے حکام کے سامنے درخواست جائے گی، نیچے والے حکام خوش رہیں گے تو آپ کا کام ہو جائے گا، بڑے کا کوئی واسطے نہیں، بڑا ان کے اوپر بڑا ہے، ہمارا واسطہ ان سے ہے، خط پہنچانا ہے تو ڈاک خانے والوں سے رابطہ کرنا پڑے گا، ان کو دو گے تو یہ آگے پہنچا دیں گے، اگر آپ بیمار ہو گئے تو علاج کے لیے محکمہ صحت موجود ہے، ڈاکٹر کے پاس جاؤ، ہسپتالوں میں جاؤ جو قائم کر دیے گئے ہیں اب اگر کسی کو قبض

ہو جائے اور وہ دوائی کے لیے صدر کو درخواست دے تو یہ کیا عقل والی بات ہے؟

وہ مشرک اللہ تعالیٰ کی یوں حکومت بنائے بیٹھے تھے کہ اللہ تو سب سے بڑا ہے اور اس نے اپنی حکومت کے اندر دوسروں کو شریک کر لیا ہے اور بندوں کے ساتھ تعلق ان نچلوں کا ہے جو ماتحت ہیں اس لیے جب ہمیں درخواست دینے کی ضرورت پیش آئے گی ہم ان کے دروازے پر جائیں گے اور ہمارا معاملہ ان کے ساتھ ہے یہ خوش رہیں گے تو ہمارا کام بنے گا اور اگر یہ ناراض ہو گئے تو اوپر والے کے خوش رہنے یا ناراض ہونے سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا جیسے ہمارے ہاں ہوتا ہے کہ اگر نیچے والے حکام کا آپ کے ساتھ تعلق ٹھیک ہے، یہاں کی پولیس آپ سے مطمئن ہے، یہاں کے حکام آپ سے خوش ہیں تو آپ کی زندگی ٹھیک گزرے گی اوپر سے آپ کو کیا بحث کہ وہ راضی رہے یا ناراض؟ آپ کا واسطہ ان سے ہے اور اگر ہم نے ان کو ناراض کر دیا تو اوپر والا کچھ نہیں کر سکے گا کیونکہ اوپر والے نے جو کچھ کرنا ہے ان کی وساطت سے کرنا ہے اس لیے یہ مشرک سارے کے سارے نچلوں کے سامنے تو جھکتے تھے، نچلوں کے سامنے تو ناک رگڑتے تھے اللہ تعالیٰ کو انہوں نے ایک طرف چھوڑ دیا تھا یہ کہہ کے کہ وہ سب سے بڑا ہے ہمارا اس سے واسطہ نہیں ہے، ہمارا واسطہ ان سے ہے۔

محکمے تقسیم کر دیے، کسی کو بیٹا دینے والا بنا دیا، کسی کو بارش دینے والا بنا دیا، کسی کو رزق دینے والا بنا دیا، کسی کو صحت دینے والا بنا دیا، یہ سارے محکمے تقسیم کر کے اپنا دلی تعلق ان کے ساتھ لگا لیا تھا یہ ہے حقیقت مشرک کی جو شرک کرتے تھے ورنہ مشرک اس بات کو مانتے تھے کہ زمین آسمان اور سورج چاند سب کو بنانے والا اللہ ہے اس میں ان کو کوئی اختلاف نہیں تھا۔

یہاں اس کے خالق ہونے کی خبر دے کے خالق ہونے کا اقرار کروا کے اس کے حاکم اور مدبر ہونے کا اقرار کروانا مقصود ہے اور اس کے رب ہونے کا اثبات کروانا مقصود ہے، رب کا مطلب ہے کہ تمہاری ضرورتیں پوری کرنے والا وہی ہے، اس کائنات کے اندر حکومت اسی کی ہے، اس کائنات کا سارا نظام اسی کے ہاتھ میں ہے اگر تم یہ عقیدہ بنا لو تو تم موحد ہو اور اگر یہ عقیدہ نہیں بناتے، پیدا کرنے والا تو اللہ کو مانتے ہو انتظام اللہ کا نہیں مانتے، حکومت اللہ کی نہیں مانتے بلکہ اس کی حکومت کو دوسروں کے ہاتھ میں بانٹ رکھا ہے تو تم مشرک ہو اتنی سی بات ہے۔

موحد اور مشرک میں فرق:

ہم نے بھی اللہ کے ساتھ کچھ اور کارکن بنائے ہوئے ہیں، آپ کہتے ہیں کہ بارش اتارنے کے لیے میکائیل علیہ السلام متعین ہیں، وحی اتارنے کے لیے جبرائیل علیہ السلام متعین ہیں، روح ڈالنے کے لیے فرشتے آتے ہیں، کارکن تو ہم نے بھی بنائے ہوئے ہیں، ہم بھی ان کو کارکنان قضاء وقدر کہتے ہیں لیکن ہم ان کو حکومت میں شریک نہیں سمجھتے دونوں میں ذرا فرق کر لیجیے! اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت فرشتوں سے کام لیتا ہے، فرشتوں کو اس نے کارکن بنایا ہوا ہے لیکن یہ حکومت میں شریک نہیں ہیں ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ فرق یہ ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ جس طرح علاقہ کا ڈی سی ہے وہ جو کرے اس کی مرضی ہے کسی کو دے یا کسی کو نہ دے یہ خود مختار ہے اب یہ نہیں کہ وہ ہر بار صدر سے پوچھ کے کرے گا، ایک صوبے کی حکومت ایک گورنر کو دے دی چاہے بنانے کا مختار بھی صدر ہے اور ہٹانے کا مختار بھی صدر ہے اتنا صدر کا تصرف اس پر چلتا ہے چاہے گورنر بنا دے چاہے گورنری سے ہٹا دے لیکن جب تک یہ گورنر ہیں اس وقت تک صوبے کے اندر تصرف انہی کا ہوگا، یہ ہر بات کا صدر سے پوچھنے کا محتاج نہیں ہے اور ہر بات کا اس کو اطلاع دینے کا بھی محتاج نہیں ہے جو چاہیں کریں اپنی مرضی سے یہ چلتے ہیں، یہ حکومت میں شریک ہیں اس لیے ان سب کو حکام کہا جاتا ہے یہ اقتدار میں شریک ہیں۔

اور ایک ہوتا ہے ملازم جس طرح چپڑاسی ہوتا ہے، کھڑا وہ بھی وہیں ہے اور جو حکم وہ دیں گے اس نے اس کے مطابق کرنا ہے مثلاً اس نے یہ کہا کہ یہ کاغذ فلاں کو دے کے آ، وہ وہاں جا کے دے کے آئے گا کسی اور کو دینے کا مجاز نہیں ہے چپڑاسی کبھی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ میں بھی حکومت میں شریک ہوں اور حکومت کی فہرست میں میرا نام بھی ہے اور گورنر حکومت میں شریک ہے، جس وقت آپ حکام کا لفظ بولیں گے تو اس میں ڈی سی، کمشنر اور تھانیدار سب اس میں آ جائیں گے یہ حکومت میں شریک ہیں، یہ اقتدار والے ہیں، صاحب اقتدار لوگ ہیں، یہ ایک ہی فہرست میں آتے ہیں، کوئی بڑا اور کوئی چھوٹا لیکن جو ملازم ہوتے ہیں وہ حاکم کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے تو فرشتے اگر کارکن ہیں تو اس قسم کے ہیں جس قسم کے دفتر کے کارکن ہوتے ہیں، حاکم جو انہیں کہے گا انہوں نے وہی کرنا ہے اس کے خلاف نہیں کر سکتے اس لیے ان کو اقتدار میں شریک نہیں کہا جاتا ہے یہ حکام کا گروہ نہیں ہے، حاکم صرف اللہ کی ذات ہے اس کائنات میں کوئی دوسرا اللہ کی ذات میں شریک نہیں ہے، کارکن اگرچہ ہیں اس میں کوئی شک کی

بات نہیں ہے۔

جس طرح یہ علم آپ کی طرف آپ کے اساتذہ کی وساطت سے منتقل ہو رہا ہے لیکن دینے والا اللہ ہے استاد کے اختیار میں کچھ نہیں ہے، ایک شاگرد کے اوپر انتہائی شفقت ہوتی ہے، انسان پوری محنت کرتا ہے لیکن وہ علوم نہیں سیکھ پاتا اور ایک شخص کے اوپر کوئی محنت بھی نہیں کرتا لیکن وہ خود محنت کرتا ہے تو کامیاب ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علم آتا تو براہ راست اللہ کی طرف سے ہے لیکن درمیان میں واسطے ہیں جن میں کوئی کسی قسم کا اختیار نہیں ہے۔

جیسے ایک ڈاکیا آتا ہے اور آپ کو ایک سو روپے کا منی آرڈر پہنچا جاتا ہے، اب پہنچایا تو اس ڈاکیے نے ہے وصول آپ نے اس کے ہاتھ سے کیا ہے لیکن جس وقت آپ اپنے دل دماغ میں غور کرتے ہیں تو کسی وقت بھی خیال نہیں آتا کہ اس نے دیا ہے اگر یہ پیچھے سے چلا ہے تو اس کا باپ بھی پہنچائے گا اگر پیچھے سے نہیں چلا تو چاہے تم اس کو سجدے کرتے رہو، چاہے اس کے سامنے ہاتھ باندھتے رہو، چاہے اس کو ہر روز چائے پلاتے رہو کہ ہمارے لیے منی آرڈر لے آنا تو کیا تمہیں یہ منی آرڈر دے دے گا؟ اس لیے منی آڈر کے آنے پر آپ اپنے ماں باپ کا احسان تو مانیں گے اس کا احسان نہیں مانیں گے یہ تو نوکر ہے یہ تو اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتا۔

اس طرح اگر اللہ تعالیٰ نے کارکن بنائے ہیں تو یہ کارکن ایک پتا کو حرکت نہیں دے سکتے اللہ کی اجازت کے بغیر، اللہ تعالیٰ اپنے تصرفات نمایاں تو انہی کی وساطت سے کرے گا لیکن ان کو اختیار کوئی نہیں ہے اور انہوں نے محکمے تقسیم کر رکھے تھے اس محکمے کا اختیار اس کے پاس ہے جتنی دیر تک یہ ہے اتنی دیر تک یہ دے گا یہی لے گا، جو کچھ کرے گا یہی کرے گا، یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کو بنانا بھی اللہ کے اختیار میں ہے، اقتدار اعلیٰ اس کے ہاتھ میں ہے باقی اقتدار میں یہ سب شریک ہیں اس مثال کے ساتھ آپ کے سامنے مشرک کی حقیقت آ گئی اور اللہ تعالیٰ اس شرک کو مٹاتے ہیں کہ ایسی بات نہیں ہے پیدا کرنے والا بھی وہی ہے، اس کے اندر حاکم بھی وہی اور سارے کا سارا انتظام بھی اسی کے ہاتھ میں ہے، کسی کے ہاتھ میں ہونا تو دور کی بات ہے کوئی شخص اللہ کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر زبان ہلا کے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ تو یہ کام کر اور یہ کام تو نہ کر، اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو زبان ہلانے کی بھی جرأت نہیں ہے، اللہ کی طرف سے اجازت ہوگی تو کوئی اللہ کے سامنے بول سکتا ہے یہ تمہارا عقیدہ غلط ہے کہ یہ منوا

لیتے ہیں اگر یہ ہم پہ خوش ہو گئے تو یہ اوپر سے پاس کروالیں گے، یہ بات بالکل غلط ہے، ساری توحید ان الفاظ میں آ گئی اور اسی میں ان کے عقیدہ کی اصلاح ہے۔

آیت کا ترجمہ:

بے شک تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمینوں کو چھ دن میں پھر قرار پکڑا عرش پر انتظام کرتا ہے امر کا کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے اس کی اجازت کے بغیر یہی اللہ تمہارا رب ہے تم اسی کی پوجا کرو، اسی کی عبادت کرو، بندگی کا تعلق اس کے ساتھ رکھو کوئی دوسرا نہیں کہ جس کے سامنے ناک رگڑا جائے، لجاجت کی جائے یا ذلت کا اظہار کیا جائے، ضرورتیں پوری کرنے والا یہی اللہ ہے جس کی صفات اوپر آئیں عبادت کا تعلق اس کی ساتھ ہی ہونا چاہیے۔

مشرکین اپنے معبودوں کے لیے الٰہ کا لفظ استعمال کرتے تھے:

یہ مثال جو میں نے آپ کو دی ہے کہ وہ اقتدار میں شریک بناتے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے اللہ کو الٰہ کہتے تھے تو باقیوں کے لیے بھی الٰہ کا لفظ استعمال کرتے تھے "اجعل الآلهة الهاً واحداً" کیا اس نے سب آلہہ کو ایک الٰہ بنا دیا ہے تو صراحتاً ان کے لیے الٰہ کا لفظ استعمال کرتے تھے اور الٰہ کا لفظ متعدد جگہ قرآن کریم میں ان کی طرف نسبت کر کے آیا ہے اور وہ جو ان کے ساتھ معاملہ کرتے تھے اس کو وہ عبادت کہتے تھے "ما نعبد هم الا ليقر بو نا الى الله زلفى" (سورۃ زمر، آیت ۳) "اتنهانا نعبد ما يعبد آبا ؤ نا" (سورۃ ہود، آیت ۶۲) جو برتاؤ ان کے ساتھ کرتے تھے اس کو عبادت کہتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو باقاعدہ صاحب اقتدار حاکم سمجھتے تھے اور جیسا معاملہ اللہ کے ساتھ کرتے تھے ویسا ان کے ساتھ کرتے تھے جو مفہوم عبادت کا ہے وہ ان کے افعال پر صادق آتا تھا اور جو مفہوم الٰہ کا ہے وہ اپنے معبودوں پر فٹ کرتے تھے۔ تو "فا عبدو ہ" کا مطلب یہ ہو گیا کہ تم عبادت اسی کی کرو "افلا تذ کرو ن" کیا تم بات کو سمجھتے نہیں ہو؟ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟۔

عقیدہ معاد کا اثبات:

"اليه مر جعكم جميعاً" تم سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے جب اس کے سامنے ہی جانا ہے تو وہ زندگی کے معاملات کا محاسبہ کرے گا، یہ معاد کا عقیدہ آ گیا اور اس کو ایسے ہی نہ سمجھو" و عد الله حقاً" اللہ کے ذمہ

یہ سچا وعدہ ہے، تم نے اس کے سامنے ضرور جانا ہے اگر تم نے اس کی عبادت نہ کی اور غیروں کے سہارے لے کے بیٹھے رہے تو پھر کس منہ سے اس کے سامنے جاؤ گے اور وہ سہارے ہوں گے نہیں "انه يبدء الخلق " اس کی دلیل دی کہ تمہارے ذہن میں جو کیڑا ہے وہ یہ ہے کہ ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد کوئی کیسے اٹھائے گا "من يحي العظام وهي رميم " جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو زندہ کون کرے گا؟ جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا پہلی دفعہ پیدا کرنا مانتے ہو تو جو پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ لوٹانے پر کیوں قادر نہیں؟ یا تو یہ ہے کہ تم یہ کہو کہ ہمیں پہلی دفعہ کسی نے پیدا ہی نہیں کیا ہے، اس کو تم مانتے ہو مشرک اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ ہمارا خالق اللہ ہے، یہ بات مان لینے کے بعد کہ ابتداءً اس نے ہمیں پیدا کیا پھر یہ ماننے میں کیا رکاوٹ ہے کہ دوبارہ بھی بنا سکتا ہے بلکہ اعادہ تو ابتداء کے مقابلہ میں اھون ہوتا ہے، آسان ہوتا ہے، پہلی دفعہ بنانا مشکل ہوتا ہے" انه يبدء الخلق "بے شک وہ پیدا کرنے کی ابتداء کرتا ہے یعنی ابتداءً پیدا وہی کرتا ہے "ثم يعيده " پھر وہی دوبارہ لوٹائے گا اور اس اعادہ کرنے سے مقصد یہ ہوگا" ليجزي الذين أمنوا وعملوا الصالحات " تا کہ بدلہ دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال کیے انصاف کے ساتھ۔ یہ بدلہ انصاف پر مبنی ہوگا۔

لیکن انصاف کی کیا صورت ہے؟ انصاف کا مطلب یہاں یہ ہے کہ بغیر کسی جرم کے کسی کو سزا نہ دے اور معاف کر دے تو یہ رحم ہے، ایک مجرم ایک حاکم کے سامنے چلا گیا جس کے جرم کے سزا تین سال تھی اور جب حاکم کے سامنے پیش ہوا تو حاکم کہتا ہے کہ میں نے تجھے معاف کر دیا اتنا سا اختیار مجھے ہے کہ میں تجھے معاف کر سکتا ہوں وہ کہے کہ حاکم صاحب آپ نے انصاف نہیں کیا، قانون کا تقاضہ تین سال کی سزا ہے آپ کیسے معاف کر سکتے ہیں یہ تو کوئی احمق ہی ہوگا جو یہ کہے گا کہ یہ بات انصاف کے خلاف ہے، کسی جرم پہ سزا نہ دی جائے یہ تو رحم ہے، کسی نے جرم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر سزا نہ دیں بلکہ معاف کر دیں تو یہ اس کا فضل اور رحم ہے، یہ بات انصاف کے خلاف نہیں ہے اور جتنی نیکی آپ نے کی تھی اس کا اجر زیادہ دے دے، آپ کے اندازے سے زیادہ دے دے یہ بھی اس کا فضل ہے یہ بھی انصاف کے خلاف نہیں ہے نیکی کو ضائع کر دیا جائے اور بغیر کسی جرم کے سزا دی جائے اس کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ انصاف کے خلاف ہے۔

"والذين كفروا "اور دوبارہ لانے سے مقصد یہ بھی ہوگا کہ جو کافر ہیں جو نہیں مانتے "لهم شراب من

حمیم "ان کے لیے گرم پانی پینے کے لیے ہوگا" وعذا ب الیم "اوران کے لیے دردناک عذاب ہوگا بسبب اس کے کہ وہ کفر کرتے تھے، کفر کی وجہ سے ان کو دردناک عذاب دیا جائے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتا دیا کہ زندگی گزارنے کے بعد دوبارہ لوٹایا جائے گا، اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہاں جا کے دونوں طبقوں کا انجام اس طرح سامنے آئے گا۔

تمام ادیان سماویہ میں اوقات عبادت کا تعلق چاند کے ساتھ ہی رہا ہے:

"ھو الذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نوراً" یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرفات ظاہر فرمائے ہیں، اللہ تعالیٰ نے سورج بنایا اور اس کو تیز روشنی دی اس روشنی کے اندر گرمی بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے سورج کو ضیاء بنایا یعنی ایسا کہ جس کے اندر تیز روشنی اور گرمی ہے اور اللہ تعالیٰ نے چاند کو نور بنایا ہے "وقدرہ منازل "اور اس کی چال کے لیے منزلیں متعین کیں اور بالکل نمایاں قسم کی منزلیں ہیں تاکہ تم اس کے ذریعہ سے سالوں کا حساب جان لو، سالوں کی گنتی جان لو، اللہ نے ہر سماوی دین کے اندر عبادت کا حساب کتاب چاند کے ساتھ ہی رکھا ہے، تمام عبادتوں کا تعلق چاند کے مہینوں کے ساتھ ہے، سورج بھی سال میں چکر پورا کرتا ہے ایک چکر پورا کرتا ہے تو ایک سال بنتا ہے اور چاند انتیس یا تیس دن کے بعد اپنے پہلے ٹھکانہ پر آجاتا ہے چونکہ آسمانی دین اللہ نے سارے کے سارے آسان رکھے ہیں، فطرت کے قریب تر رکھے ہیں تو چاند کے ساتھ حساب رکھنا آسان ہے کہ اس میں بھولنے کا امکان کم ہے اگر کسی وقت تاریخ بھول بھی جائے کہ آج کونسی تاریخ ہے تو جب نئے سرے سے چاند چڑھے گا پھر پتہ چل جائے گا اور چاند کے بڑے چھوٹے ہونے کے ساتھ بھی لوگ تعیین کر لیتے ہیں کہ اتنے دن ہو گئے اور جس دن سورج کے غروب ہوتے ہی نظر نہیں آئے گا تھوڑے سے وقفے کے ساتھ نکلے گا تو لوگ اندازہ کر لیتے ہیں کہ آج اتنی تاریخ ہے، سورج کے غروب ہوتے ہی نمایاں ہو جاتا ہے اور کامل اور مکمل ہوتا ہے تو لوگ اندازہ کر لیتے ہیں کہ آج چودھویں کی رات ہے تو اس سے حساب رکھنا آسان ہے اس لیے تمام ادیان سماویہ میں اللہ نے عبادت کا نظم چاند کے ساتھ رکھا ہے جیسے ہمارے ہاں ماہِ رمضان میں روزہ کی فرضیت چاند کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، حج چاند کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، زکوٰۃ کی فرضیت چاند کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، طلاق کی صورت میں عدت چاند کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، ان کو شمسی حسابات کے تحت نہیں کیا جاسکتا اگر کوئی شخص شمسی مہینوں کے ساتھ زکوٰۃ کا حساب قائم کرلے

مثلاً یکم جنوری کو زکوٰۃ دیتا ہے تو تینتیس سال گزر جانے کے بعد ایک سال کی مزید زکوٰۃ اس پر آئے گی کیونکہ تینتیس سالوں میں ایک سال کا فرق پڑ جائے گا اور یہ مکلّف ہے شرعی طور پر چاند کے مہینوں کا تو جس وقت تینتیس سال انگریزی گزریں گے تو چاند کے حساب سے چونتیس سال گزر چکے ہوں گے پھر اس کو اس ایک سال کی بھی زکوٰۃ دینی ہوگی اگر یہ اس سال کی زکوٰۃ نہیں دے گا تو یہ ایک سال کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا مجرم ہوگا۔

باقی لین دین کے دیگر حسابات اگر شمسی مہینوں کے اعتبار سے رکھ لیے جائیں تو جائز ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن انبیاء علیہم السلام اور خلفاء کی سنت یہی ہے کہ عام حساب و کتاب کے اندر بھی چاند کے مہینوں کو ہی استعمال کیا جائے اس لیے چاند کے مہینوں کی تاریخ کی حفاظت اس امت کے ذمہ فرض کفایہ ہے اگر سارے ہی اس کو چھوڑ کے بیٹھ جائیں گے تو فرض کے تارک ہیں اور آپ یہ سمجھتے ہیں کہ فرض کفایہ اگرچہ چند آدمیوں کے اداء کرنے کے ساتھ باقی سب کے ذمہ سے اتر جاتا ہے لیکن جو ادا کرتا ہے اس کو فرض ادا کرنے کا ہی ثواب ملتا ہے مثلاً جنازہ فرض کفایہ ہے چند آدمی اگر مل کر جنازہ پڑھ لیں تو مسلم کا حق ادا ہو گیا باقی امت گنہگار نہیں ہوگی لیکن جنہوں نے جنازہ پڑھا ہے، جن کی وجہ سے یہ بوجھ امت کے سر سے اترا ہے ان کو ویسے ہی ثواب ملے گا جیسے فرض ادا کرنے کا ہوتا ہے اس لیے جو لوگ ان چاند کی تاریخوں کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں، اپنے حساب و کتاب میں استعمال کرتے ہیں، خط و کتابت میں استعمال کرتے ہیں تو ان کے لیے ثواب ویسے ہی ہے جیسے کہ فرض کے ادا کرنے کا ہوتا ہے اگرچہ چند آدمیوں کے محفوظ رکھنے سے باقی امت گنہگار نہیں ہے اور اگر سارے ہی چھوڑ کے بیٹھ جائیں گے تو گنہگار رہوں گے اس لیے خط و کتابت میں چاند کی تاریخ کا تذکرہ عام حالات میں بھی باعث ثواب ہے کیونکہ اس کے ساتھ اس فرض کی ادائیگی ہوتی ہے جو مجموعی طور پر امت کے ذمہ ہے سارے مل کے اگر چھوڑ دیں کہ تاریخ خلط ملط ہی ہو جائے اور محرم صفر یاد ہی نہ رہیں تو ساری امت گنہگار رہے کیونکہ اس کے ساتھ ہی حج کا نظم ہے اور اس کے ساتھ ہی باقی عبادات کا تعلق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہاں صرف چاند کی منزلوں کو ذکر کیا گیا، سورج کی منزلوں کا یہاں تذکرہ نہیں ہے اگرچہ سورج کی بھی منزلیں ہیں اور اس کے ساتھ بھی حساب و کتاب ہوتا ہے اس کا جاننا ہر کسی کے بس میں نہیں، حساب دان لوگ ہی جانتے ہیں کہ اس وقت سورج کس منزل میں ہے اور کونسی تاریخ بن گئی اور اس وقت کس منزل میں ہے

اور کونسا مہینہ بن گیا، عام لوگ اس کو پہچان نہیں سکتے جیسے سورج پہ حساب رکھنے والے رات کو بارہ بجے تاریخ بدلتے ہیں ان کی نزدیک اس وقت سورج اس منزل پہ پہنچتا ہے کہ جس کے بعد اس کی دوسری منزل شروع ہوتی ہے اور چاند والے غروب شمس سے ہی تاریخ بدلتے ہیں آپ کی گھڑیوں کا سارا نظم سورج کے ساتھ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مقتضیٰ:

اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں دیں، سورج بنایا، چاند بنایا، اس کے لیے منزلیں متعین کیں، تمہارے لیے سالوں وغیرہ کا حساب آسان کر دیا "ما خلق الله ذلك الا با لحق "نہیں پیدا کیا ان کو اللہ تعالیٰ نے مگر مصلحت کے ساتھ، یہ بے کار نہیں مصلحت کے ساتھ ہیں اور حکمت کے ساتھ ہیں، مصلحت اور حکمت بظاہر ان میں یہی ہے تا کہ انسان اپنی ضروریات کو پورا کرے، ضروریات کو پورا کرنے کے بعد جس نے یہ انعامات کیے ہیں اسی کی عبادت کرے اور اسی کے سامنے جھکے، تذلل کا اظہار کرے، یہ نہیں کہ ان سب نعمتوں سے فائدہ تو اٹھاتا جائے اور اپنے اوپر کسی کی ذمہ داری قبول ہی نہ کرے، کیا اللہ نے اس اشرف الخلوقات کو صرف کھاد فیکٹری ہی بنایا ہے؟ یعنی اگر اس کے سامنے کوئی حساب کتاب نہیں، کسی قاعدہ یا قانون کا یہ پابند نہیں تو پھر اس کی حیثیت اس کے بغیر کیا ہے کہ یہ کھاد فیکٹری ہے، اللہ کی نعمتوں کو کھاتا جائے اور نکالتا جائے، پاکیزہ چیز کھائے اور پلید نکال دے، پھر اس کے بغیر انسان کی زندگی کا کیا حاصل ہے تو جس نے اتنے انتظامات کیے آخر وہ ایک دن تم سے پوچھے گا بھی کہ کھایا پیا تو سب کچھ تھا ذمہ داری کیا ادا کی؟ وہ ذمہ داری یہی عبادت کا قانون ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اوپر لاگو کیا ہے جو اس قانون کی رعایت رکھے گا گویا کہ اس نے اس کھانے کا بھی حق ادا کر دیا اور اگر ذمہ داری کا احساس نہیں کرتا تو اس نے کھا پی سب کچھ لیا ذمہ داری سمجھی نہیں تو آخر یہ دینا پڑ جائے گا، کھایا ہوا ناک کے راستے سے نکلے گا، اللہ تعالیٰ آیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے علم والے لوگوں کے لیے۔

یہ سب اللہ تعالیٰ کے تصرفات اور تدبیر امر ہیں جو آپ کے سامنے واضح کیے جا رہے ہیں، اس کی قدرت، اس کے انعامات ہیں، یہ توحید کی عقیدے کی تقویت کے لیے ہے کہ زمان بھی اللہ کے قبضے میں ہے اور مکان بھی اللہ کے قبضے میں ہے، تمہاری ہر ضرورت اللہ سے متعلق ہے، کسی کے سامنے کوئی درخواست دینے کی ضرورت نہیں ہے بس اتنی سی بات ہے کہ سب سے دل ٹوٹ کے ایک اللہ سے جڑ جائے یہی توحید ہے اور جہاں دوسروں کے سہارے

بنائے ہوئے ہوں گے کہ یہ ہمارا کام بنا سکتا ہے یا بگاڑ سکتا ہے اور اللہ کی طرف دھیان نہ جائے یہی شرک ہے، بہت واضح سی بات ہے اس میں کسی قسم کا کوئی خفا نہیں ہے۔

بے شک رات اور دن کے اختلاف میں، اختلاف کی دونوں صورتیں ہوتی ہیں، ایک تو یہ ہے کہ ایک جاتا ہے دوسرا آتا ہے اس طرح باری باندھ رکھی ہے اور اسی طرح ان کا بڑا چھوٹا ہونا کہ کبھی رات چھوٹی ہوتی اور دن بڑے ہوتے ہیں اور کبھی دن چھوٹے ہوتے ہیں راتیں بڑی ہوتی ہیں، رات کے اجزاء کٹ کے دن کی طرف آتے ہیں، دن اور رات کے اختلاف میں اور اس چیز میں جو کچھ اللہ نے اس آسمان اور زمین میں پیدا کیا نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

کافروں کا انجام:

بے شک وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور اسی دنیوی زندگی پہ خوش ہو گئے، دل میں آخرت کی طلب نہیں، اسی پہ ہی مطمئن ہو گئے اور ہماری آیات سے غافل ہیں یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، جنہوں نے کھاپی تو سب کچھ لیا اور اللہ کی نعمتوں سے فائدہ تو اٹھالیا لیکن جو اللہ کی طرف سے ذمہ داری عائد ہوئی تھی اس کو پورا نہیں کیا یہ ناکام ہوں گے اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا ان کاموں کی وجہ سے جو یہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید نہ رکھنا، دنیاوی زندگی پر مطمئن ہو جانا، اللہ کی آیات سے غافل ہونا یہ چیزیں ہیں جو آخرت کی بربادی کو انسان کے سامنے لاتی ہیں۔

مؤمنین کا انجام:

اور بے شک وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں اللہ ان کو ایمان کی برکت سے منزل مقصود تک پہنچائے گا اور وہ منزل مقصود جنت ہے جس میں ان مکانات کی نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی ان کا آخری انجام یہ ہوگا اور جس وقت وہ وہاں جائیں گے تو ان کی زبان پر یہ لفظ جاری ہوں گے "سبحانك اللهم" جس وقت اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت سامنے آئے گی بلا اختیار زبان پر "سبحان الله سبحان الله" جاری ہو جائے گا اور اسی "سبحان الله" کی برکت سے مزید ان پر اللہ کی عنایات کی بارش ہوگی، زبان سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی صرف "سبحان الله" کے ساتھ ہی ساری نعمت ملتی چلی جائے گی، یہ تو اللہ کی تسبیح پڑھیں گے اور

آپس میں جس وقت ملیں گے تو ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ ان کو جو تحفہ دیا جائے گا وہ سلام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کو سلام کہیں گے "سلام قولاً من رب رحیم" اور فرشتے بھی ان کو سلام کہیں گے گویا کہ ان میں سلامتی ہی سلامتی کی آواز ہوگی، کوئی آفت یا مصیبت نہیں ہوگی، بس سلامتی ہی سلامتی ہوگی اور جب آپس میں ملنے کے بعد مجلس کا اختتام ہوگا، آخر کار جس وقت کلام ختم ہوگی ان کی زبان پر یہی لفظ جاری ہوں گے "الحمد للہ رب العالمین" مجلس کے اختتام پر یہ لفظ آئیں گے اس سے معلوم ہوا کہ اچھے لوگوں کی مجلس کا خاتمہ اس طرح اللہ کے ذکر پر ہونا چاہیے اور اکثر و بیشتر عام حالات میں بھی زبان پر تسبیح اور تحمید جاری ہونی چاہیے یہ جنتی ہونے کی علامت ہے۔

کفارۃ المجلس:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس مجلس کے اختتام پہ زبان سے یہ کلمہ کہہ دیا جائے "سبحانك اللهم و بحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك و اتوب اليك" یا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے "سبحان ربك رب العزت عما يصفون وسلام على المرسلين و الحمد لله رب العالمين" حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس مجلس کے اندر کوئی کسی قسم کا گناہ ہوگیا، منہ سے کوئی کمی بیشی کے الفاظ نکل گئے اللہ تعالیٰ اس ذکر کی برکت سے اس کا کفارہ کردیتے ہیں، اس لیے یہ دعا کفارۃ المجلس کہلاتی ہے تو یہ مجلس کا ادب ہے کہ اس کا اختتام اللہ کی حمد و ثناء پر ہونا چاہیے۔ (دیکھئے ابوداؤد جلد ۲ ص ۳۱۱ باب فی کفارۃ المجلس، تفسیر ابن کثیر، سورۃ صافات کا آخر)

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ

اگر جلدی کرے اللہ لوگوں کیلئے شر کے بھیجنے میں مثل جلدی طلب کرنے ان کے خیر کو تو پوری کردی جائے ان کی طرف

أَجَلُهُمْ ۖ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١﴾

ان کی عمر پس ہم چھوڑتے ہیں ان لوگوں کو جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ان کی سرکشی میں وہ بھٹکتے پھرتے ہیں ⑪

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا ج

اور جب پہنچتا ہے انسان کو نقصان تو وہ پکارتا ہے ہمیں اپنے پہلو پہ لیٹا ہوا یا بیٹھا ہوا یا کھڑا ہوا

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ

پھر جب ہم دور ہٹا دیتے ہیں اس سے اس کی تکلیف کو وہ یوں گزر جاتا ہے گویا کہ نہیں پکارا اس نے ہمیں کسی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی اس طرح

زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ

مزین کردیے گئے حد سے بڑھنے والوں کیلئے وہ کام جو وہ کرتے ہیں ⑫ یہ پکی بات ہے کہ ہم نے ہلاک کیا بہت ساری جماعتوں کو

قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا

تم سے پہلے جب انہوں نے ظلم کیا اور آئے ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر نہیں تھے وہ لوگ

لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ

کہ ایمان لے آئیں اس طرح ہم بدلہ دیتے ہیں جرم کرنے والے لوگوں کو ⑬ پھر ہم نے تمہیں بنادیا

خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾ وَإِذَا

زمین میں خلیفے ان کے بعد تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ⑭ اور جب

تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ

پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری واضح آیات تو کہتے ہیں وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے لے آ

بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ

کوئی قرآن اس کے علاوہ یا اس میں کوئی تبدیلی کردے آپ کہہ دیجئے میرے لئے ممکن ہی نہیں کہ میں اس میں تبدیلی کردوں

تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ

اپنی طرف سے۔ نہیں پیروی کرتا میں مگر اس بات کی جو میری طرف سے وحی کی جاتی ہے میں تو ڈرتا ہوں

عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝١٥ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ

اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی، بڑے دن کے عذاب سے ۝۱۵ آپ کہہ دیجیے اگر اللہ چاہتا تو میں اس کی تلاوت نہ کرتا

عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ

تم پر اور نہ ہی وہ اس کی اطلاع ہی دیتا تحقیق میں ٹھہر چکا تمہارے اندر ایک طویل عرصہ اس سے قبل

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٦ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ

کیا تم سوچتے نہیں ہو ۝۱۶ پھر کون بڑا ظالم ہوگا اس شخص سے جو اللہ پر جھوٹ گھڑے یا

كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝١٧ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

جھٹلائے اس کی آیات کو بے شک بات یہ ہے کہ نہیں کامیاب ہوں گے مجرم لوگ ۝۱۷ اور یہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے علاوہ

اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا

ایسی چیزوں کی جو نہ ان کو کوئی نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ ہی ان کو کوئی نفع پہنچا سکتی ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے سفارشی ہیں

عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي

اللہ کے سامنے آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم خبر دیتے ہو اللہ کو ایسی چیز کی جس کو وہ نہیں جانتا آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝١٨ وَمَا كَانَ النَّاسُ

زمینوں میں اور اللہ پاک ہے اور بلند و بالا ہے ان سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ۝۱۸ اور نہیں تھے لوگ

اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ

مگر ایک ہی جماعت پھر انہوں نے آپس میں اختلاف کیا اگر نہ ہوتی ایک بات جو گزر گئی تیرے رب کی طرف

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝١٩ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ

تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اس چیز میں جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں ۝۱۹ اور یہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتاری جاتی

عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ

اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے آپ کہہ دیجیے غیب اللہ ہی کے لیے ہے پس تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ

مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾

انتظار کرنے والا ہوں ﴿۲۰﴾

تفسیر

ماقبل سے ربط:

پیچھے سے گفتگو مشرکین کے ساتھ چلی آرہی ہے، ترغیب وترہیب کے ساتھ پچھلی آیات میں دونوں کا انجام ذکر کیا گیا تھا آگے بھی اسی قسم کی گفتگو ہے۔

"ولو يعجل الله للناس الشر استعجالهم بالخير" کا مفہوم:

قرآن کریم کی بہت ساری آیات میں یہ بات مذکور ہے کہ جس وقت مشرکین کے سامنے عذاب کا ذکر آتا تو وہ کہتے کہ ہمارے پاس عذاب لے آؤ، وہ کونسا عذاب ہے جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے، جہاں کسی نبی نے کسی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو آگے سے وہ ڈھیٹ ہو کے یہی کہتے تھے کہ کس عذاب کی دھمکی دیتے ہو؟ کیوں نہیں ہمارے اوپر اس قسم کا عذاب آتا؟ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ مخلوق کے ساتھ میرا معاملہ رحمت کا ہے "رحمتي سبقت غضبي "جس وقت اللہ نے مخلوق کو بنایا تھا اسی وقت ہی یہ مرکزی نقطہ متعین کر لیا تھا، یہ عبارت اللہ کے پاس عرش الٰہی پہ لکھی ہوئی ہے (دیکھئے بخاری ۲/۱۱۰۴) گویا کہ اللہ کا معاملہ مخلوق کے ساتھ اس اصول کے تحت ہے" رحمتي سبقت غضبي " میری رحمت میرے غضب پر سابق رہے گی، مخلوق کے ساتھ رحمت کا معاملہ زیادہ ہے غضب کا کم ہے اس لیے جب لوگ اللہ سے خیر طلب کرتے ہیں تو اس کی عام عادت یہ ہے کہ وہ خیر پہنچاتا ہے، زندگی میں آپ دیکھیں گے تو آپ کو نظر آئے گا کہ نافرمانیوں کے باوجود اللہ کی طرف سے نعمتوں کی بوچھاڑ ہے اس طرح لوگ جب شر طلب کرتے ہیں تو شر بھی جلدی پہنچا دیا کرے تو بچے گا کون؟ شر جلدی طلب کرنا یہ بھی ہے کہ جیسے مشرک کہتے تھے کہ لے آ عذاب برسادے ہمارے اوپر پتھر یا آسمان کو ہمارے اوپر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرادے اس طرح وہ عذاب طلب کرتے تھے اور ایسے بھی ہوتا ہے کہ جب انسان اکتا جاتا ہے تو اپنے آپ کو بددعائیں

دینے لگ جاتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو بددعائیں دینے لگ جاتا ہے اور اپنے مال اور اولاد کے متعلق بددعا کے الفاظ کہنے لگ جاتا ہے، کاشتکار جب ہل چلاتے ہیں اور جب بیل سیدھی طرح نہ چلے تو کہتے ہیں اومریں سانپ لڑے اور ایک دوسرے کو غصے میں کہتے ہیں کہ مریں اس قسم کے الفاظ عام طور پر انسان بولتے رہتے ہیں اب اگر اللہ تعالیٰ ان کی اس قسم کی دعائیں پوری کرنا شروع کر دے تو کیا ہم میں سے کوئی موجود رہے گا؟ اپنی ماں باپ کی بددعاؤں سے ہی ختم ہو جاتے تو یہ اللہ کی رحمت ہے کہ کوئی اگر شر طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جلدی نہیں دیتے اس لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ اپنی اولاد کے لیے بددعا نہیں کرنی چاہیے عام طور پر ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتے لیکن کبھی اللہ کی طرف سے ایسا وقت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو مانگو اللہ اسے مان لیتے ہیں تو اگر تمہاری یہ دعا ایسے وقت میں نکل آئی جس میں اللہ نے یہ طے کر لیا کہ جو شخص مانگے گا دوں گا تو زبان سے اپنے مال اور اولاد کے لیے بربادی کیوں مانگتے ہو؟ تو ان کے شبہ کا ازالہ اس میں کیا گیا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو شر جلدی دے دیتا جس وقت یہ طلب کرتے ہیں جس طرح ان کے خیر طلب کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ ان کو خیر جلدی دیتا ہے تو ان کا تو وقت ہی پورا ہو جاتا، ان کی تو عمر ہی ختم ہو گئی ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ اس قسم کے لوگوں کو جو اللہ سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے ہیں ان کو بھی ڈھیل دے دیتا ہے، دینے میں مصلحت یہ ہوتی ہے کہ اگر کسی میں سمجھنے کا جذبہ ہوگا تو سمجھ جائے گا ورنہ ان کی شرارت اور سرکشی اس معیار پہ پہنچ جانی چاہیے کہ جب اللہ کی گرفت ہو تو پھر چھوٹنے کے لیے ان کے پاس بہانہ نہ ہو، ہم چھوڑ دیتے ہیں ان لوگوں کو جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ان کی سرکشی میں وہ بھٹکتے پھرتے ہیں، مہلت دیتے ہیں ہماری یہ عادت ہے یہ بھی ایک قسم کی رحمت کا تقاضا ہے جو اللہ اپنی مخلوق کے ساتھ کرتے ہیں۔

"واذا مس الانسان الضر دعانا" کا مفہوم:

اب انسان کا حال دیکھو! کہ مانگتا تو جلدی جلدی شر ہے اور آگے ہمت پھراتنی ہے، حوصلہ اتنا ہے کہ اللہ کی طرف سے جب کوئی تھپڑ لگ جاتا ہے تو ساری اکڑ فوراً نکل جاتی ہے، جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ "الانسان" کو مطلق ذکر کر دیا یہ قضیہ مہملہ کے درجے میں ہے نہ تو سارے انسان ایسے ہیں اور نہ سارے انسان ایسے ہوتے ہیں بلکہ بعض افراد ایسے ہوتے ہیں لاعلی التعیین اس کو قضیہ مہملہ کے انداز میں ذکر کیا گیا

ہے، افراد متعین نہیں کیے گئے تو جب بھی اس جماعت کے اندر چند افراد بھی اس قسم کے ہوں گے تو بات اپنی جگہ صحیح ہے، جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے پھر وہ ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے، ویسے تو ہم اسے یاد نہیں آتے پھر تو اٹھتے بیٹھتے لیٹے دعائیں کر رہا ہے، یا اللہ! رحم فرما، یا اللہ! یہ تکلیف دور کر دے، پھر تو ہر وقت متوجہ رہتا ہے، لیٹا ہوا ہے تو اسی طرح پکار رہا ہے، بیٹھا ہوا ہے تو اسی طرح پکار رہا ہے، کھڑا ہے تو اسی طرح پکار رہا ہے اور انسان کے اوپر یہی تین حالتیں ہوتی ہیں یا وہ بیٹھا ہوتا ہے یا وہ لیٹا ہوتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے گویا کہ پھر ہر وقت ہمارے سامنے چیخ و پکار کرتا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ انسان کی اس تکلیف کو دور کر دیتے ہیں "فلما کشفنا عنه الضر" جب ہم اس سے تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو پھر یہ ایسے نکل جاتا ہے کہ اس نے کبھی ہمیں کسی تکلیف کے ازالہ کے لیے بلایا ہی نہیں تھا پھر اس کو کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی اور یہ حال انسان کا واقعہ ہے دیکھ لیا کرو جس وقت کوئی انسان بیمار ہو، اس کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس وقت اس کی حالت کیسی ہوتی ہے؟ بڑا اللہ کا نام لیتا ہے، بہت اللہ کے سامنے چیخ و پکار کرتا ہے اور اپنے دل کے اندر اپنے کردار پہ نادم ہوتا ہوا کہتا ہے کہ اللہ! اب شفاء دے دے تو اب نماز پڑھا کروں گا، اب میں یہ کام کیا کروں گا، بڑے وعدے کرتا ہے لیکن جب تکلیف دور ہو جاتی ہے تو جیسا پہلے تھا ویسا پھر ہو جاتا ہے کوئی پروا نہیں ہوتی، یہ انسان کی ایک کمزوری ہے، اللہ تعالیٰ اس کمزوری کا یہاں ذکر کرتے ہیں منہ سے تو تکلیفیں مانگتا ہے لیکن ہمت اتنی سی ہے کہ جب کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو ہر وقت چیختا ہے لیکن پھر احسان فراموش اتنا ہے کہ جب ہم اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو یہ منہ موڑ کے چلا جاتا ہے وعدے بھول جاتا ہے "کذالك زین للمسرفین ما کانو یعملو ن" مسرفین جو حد سے گزرنے والے ہیں ان کے لیے ان کا کردار اسی طرح خوشنما کر دیا گیا، اب ان کو یہی حرکتیں اچھی لگتی ہیں ورنہ جو مسرف نہیں ہیں، معتدل ہیں، حد سے تجاوز کرنے والے نہیں ہیں، اعتدال کے ساتھ چلنے والے ہیں جیسا کہ مؤمن چلتے ہیں وہ تکلیف پہنچے نہ پہنچے اللہ کو یاد کرتے ہیں، تکلیف پہنچتی ہے پھر بھی اللہ کے سامنے گریہ وزاری کرتے ہیں، تکلیف دور ہونے کے بعد بھی اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، تکلیف ہو، راحت ہو ہر وقت ان کی توجہ اللہ کی طرف ہوتی ہے، راحت پہنچے گی تو اللہ کا شکر ادا کریں گے، تکلیف پہنچے گی تو صبر کریں گے اور اللہ سے اس کے ازالہ کی دعا کریں گے، وہ کسی حال میں بھی اللہ کو بھولتے

نہیں ہیں، یہ لوگ جو حد پہ نہیں رہتے بلکہ حد سے تجاوز کرتے ہیں، جب تکلیف پہنچے تو سب سے زیادہ چیخ وپکار یہی لوگ کرتے ہیں اور جب تکلیف دور ہو جائے تو سب سے زیادہ لاپرواہی لوگ ہو جاتے ہیں ان کو اپنا یہی کردار اچھا لگتا ہے، مسرفین کے لیے ان کے کردار کو مزین کر دیا گیا ہے۔

امم سابقہ سے عبرت حاصل کرو:

"ولقد اھلکنا القرون "اب پچھلی تاریخ کا حوالہ دے کے ترہیب کی جا رہی ہے کہ ہم تمہیں سمجھا رہے ہیں کہ اپنے منہ سے اپنی موت نہ مانگو ورنہ تم اگر نمونہ دیکھنا چاہتے ہو کہ تم جیسے لوگوں کا کیا انجام ہوا کرتا ہے تو ذرا پچھلی تاریخ اٹھا کے دیکھو! ہم نے بہت ساری جماعتیں تم سے پہلے ہلاک کر دیں جب وہ اس طرح کفر اور شرک میں مبتلا ہوئیں حالانکہ ان کے رسول ان کے پاس واضح دلائل لے کے آئے لیکن وہ کہاں ماننے والے تھے؟ جب ایک دفعہ ان کے منہ سے "نہ" نکل گئی پھر وہ ہاں سے نہیں بدلی پھر وہ اڑے ہی رہے، ایسے ہی ہم مجرم لوگوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں اس لیے اگر تمہارے اندر اگر اس قسم کا جرم پایا گیا تو تمہیں بھی ایسی ہی سزا ملے گی گویا کہ اپنے آپ کو ان کے اوپر قیاس کر لو جس طرح انہوں نے اپنے جرم کا ارتکاب کیا تھا برباد ہوئے، اللہ کے عذاب کا نشانہ بنے تم بھی اگر اس قسم کا جرم کرو گے تو اللہ تعالیٰ اپنی عادت کے تحت تمہیں بھی برباد کر دے گا اس لیے جلدی بربادی طلب کرنے کی بجائے سوچو، سوچ کر اپنی حالت کو سنوارنے کی کوشش کرو اس میں تمہارا بھلا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہلاک کرنا یا برباد کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

"ثم جعلنا کم خلا ئف فی الا رض "ان کو برباد کرنے کے بعد پھر ہم نے تم کو ان کا جانشین بنا دیا، علاقے خالی ہوئے اور دوسرے لوگ آ کے آباد ہوئے جیسے ایک قوم جاتی ہے تو دوسری قوم آجاتی ہے ان کے پیچھے ہم نے تم کو ان کا جانشین بنا دیا زمین میں" لننظر کیف تعملو ن "تا کہ ہم ظاہری طور پر یہ دیکھیں کہ تم کیا کرتے ہو؟ تو اگر تو جانے والوں کا حال دیکھو گے اور اس سے عبرت حاصل کرو گے تو تمہارا انجام اچھا ہو جائے گا ورنہ وہی طریقہ تم نے اپنا لیا جس قسم کا طریقہ انہوں نے اپنایا تھا تو وہی انجام تمہارا ہو گا جو ان کا ہوا تھا۔

قرآن کریم کے متعلق مشرکین کا حضور ﷺ سے مطالبہ:

"وا ذا تتلیٰ علیھم آیا تنا بینٰت "جب ان پر ہماری واضح واضح آیات پڑھی جاتی ہیں، قرآن کریم کی

آیات جب ان کو ہمارے رسول کی زبانی سنائی جاتی ہیں تو یہ اس قرآن کو اپنی مرضی کے خلاف پاتے ہیں، ان کے نظریات کے خلاف ہے، ان کے آباء واجداد کے طریقہ کے خلاف ہے، اب یہ چاہتے ہیں کہ درمیان میں کوئی مصلحت کر لیں، کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر کہ ہم آپ کی مخالفت چھوڑ دیتے ہیں، ہم آپ کے ساتھ لگ جاتے ہیں لیکن یہ قرآن کریم جس میں ہمارے آباء واجداد کی تحقیر کی جاتی ہے کہ وہ بے وقوف تھے، جاہل تھے، ان کا طریقہ اچھا نہیں تھا، وہ مشرک تھے، وہ جہنم کا ایندھن تھے، اس قسم کی باتیں ہم سے برداشت نہیں ہوتیں، دوسرا یہ ہے کہ ہمارے جو معبود ہیں جن کو ہم باپ دادا سے پوجتے چلے آرہے ہیں ان کو چھوڑنا ہمارے لیے مشکل ہے یا تو کوئی اور کتاب لے آؤ جس میں یہ باتیں نہ ہوں یا اگر اسی کو رکھنا ہے تو یہ باتیں جو ہمارے خیالات اور نظریات سے ٹکرا جاتی ہیں ان کو ختم کردو ہماری آپس میں صلح ہو جائے گی، اختلاف ختم ہو جائے گا یعنی اس طرح اپنے مؤقف کو چھوڑنا نہیں چاہتے اور اللہ کے رسول کو مجبور کرتے ہیں کہ اگر تو نے کوئی کتاب لانی ہے تو کوئی ایسی کتاب بنا اور ان کا یہ مطالبہ اسی نظریہ پہ مبنی تھا کہ گویا کہ یہ کتاب ان کی خود کی بنائی ہوئی ہے کہ ہم تیری مخالفت نہیں کریں گے لیکن کتاب کسی اور طرح کی لے آیا اس میں کوئی ترمیم کردے کہ وہ آیات اس میں سے نکال دے کہ جن سے ہم تکلیف محسوس کرتے ہیں تو اس کے پس منظر میں یہی بات ہے وہ سمجھتے ہیں یہ خود بناتا ہے اس لیے صلح یوں ہو سکتی ہے کہ اس قسم کی باتیں بنانا چھوڑ دے جو پہلے بنا چکا ہے وہ اپنی کتاب میں سے خارج کردے۔

جب ان کے اوپر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے دیکھو! بار بار یہی لفظ آرہا ہے "لا یر جو ن لقا ء نا" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی بدمعاشی، ہر قسم کی شرارت، ہر قسم کا ظلم، ہر قسم کی بدعملی اس کی بنیاد اسی پر ہے کہ کوئی شخص آخرت کا معتقد نہ ہو، آخرت کی غفلت کے ساتھ ہی ہر قسم کی بدعملی انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے ورنہ انسان کے دل میں اگر یہ خیال آجائے کہ میں نے اللہ کے سامنے کھڑا ہو کے حساب دینا ہے اور اللہ سے ملنا ہے تو اس کی حرکات متوازن ہو جاتی ہیں وہ سوچ سوچ کے قدم اٹھائے گا کہ میں ایسا کام کروں کہ جب میں اللہ کے سامنے جاؤں تو مجھے اللہ کے سامنے شرم ساری نہ ہو تو ان کی اصل بیماری یہی تھی کہ ان کا اللہ کے پاس جانے کا یقین ہی نہیں تھا، اس کی ملاقات کی امید نہیں رکھتے تھے، ان کے ہر برے عمل کی بنیاد اس پر رکھی جاتی ہے، جن کو ہمارے ساتھ ملنے کی امید نہیں ہے وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، یہ

بنیاد ساری اسی پر آ رہی ہے تو کہتے ہیں وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آیا اس میں کچھ ترمیم کر دے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب:

"قل ما یکون لی ان ابدله من تلقاء نفسی" مطالبے ان کے دو تھے یا کوئی اور قرآن لے آیا اس میں کوئی تبدیلی کر دے، یہاں جو جواب دیا جا رہا ہے وہ ان کے ایک مطالبہ سے تعلق رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کہہ دیجیے کہ میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی کر دوں تو جب میں اس کی چند آیات کو بدل نہیں سکتا تو اس کی بجائے دوسرا قرآن کہاں سے لا سکتا ہوں؟ اس کی نفی بدرجہ اولیٰ ہو گئی، دو مطالبے تھے جب ان میں سے ادنیٰ کی نفی ہو گئی کہ میرے اختیار میں تو یہ بھی نہیں تو دوسرے سے اختیار کی نفی خود معلوم ہو گئی کہ اور قرآن لانا میرے بس میں کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ میرے لیے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کو بدل دوں اپنی طرف سے۔

"ان اتبع الا ما یوحیٰ الی" نہیں پیروی کرتا میں مگر اسی بات کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے، میرا کوئی بس نہیں، جو اللہ کی طرف سے میرے اوپر وحی کی جاتی ہے میں تو اس کا متبع ہو جاتا ہوں یہ میرا بنایا ہوا نہیں ہے یہ تو اللہ کی طرف سے میرے اوپر وحی آئی ہوئی ہے اس میں ترمیم وغیرہ میں نہیں کر سکتا ہوں "اِنّی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم" تم تو بے فکر ہو لیکن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو میں ڈرتا ہوں بڑے دن کے عذاب سے، بڑے دن سے وہی ملاقات والا دن مراد ہے میرا تو اس پہ یقین ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ جس دن اللہ کے سامنے جانا ہے اگر میں نے اپنی طرف سے اس کے اندر کوئی گڑبڑ کر دی یا میں نے اس میں کوئی تبدیلی کر دی تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے تمہیں بھی ڈرنا چاہیے۔

"قل لو شاء الله ماتلوته" کا مفہوم:

اور آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اللہ کی مشیت کے ساتھ پڑھ رہا ہوں، اللہ نے چاہا کہ میں اس کی تلاوت کروں تو میں اس کی تلاوت کر رہا ہوں اگر اللہ چاہتا کہ میں اس کی تلاوت نہ کروں تو میں اس کی تلاوت نہ کرتا تو یہ اللہ کے

چاہنے کے ساتھ ہی ہے اگر اللہ چاہتا تو میں اس قرآن کو تمہارے اوپر نہ پڑھتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی اطلاع دیتا تو یہ سارے کا سارا اس کے چاہنے کے ساتھ ہی ہو رہا ہے وہ چاہتا ہے تو میرے اوپر کتاب اترتی ہے اور میں تلاوت کرتا ہوں اگر وہ نہ چاہتا تو میں اس کی تلاوت نہ کر سکتا اور اللہ تعالیٰ اس قرآن کی کسی طرح تمہیں اطلاع ہی نہ دیتا میرے بس میں کیا ہے یہ سب تو اللہ کی طرف سے ہے۔

"فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلو ن " کا مفہوم:

اس کے لیے کتنی واضح اور کتنی ہی صاف مشرکین کے سامنے یہ دلیل پیش کی کہ میں تمہارے سامنے باہر سے درآمد نہیں کیا گیا ہوں کہ تمہارے سامنے یکدم آ گیا ہوں اور آ کے اس قسم کے حالات پیدا کر دیے اور اس قسم کی باتیں شروع کر دیں، میں تو تمہارے اندر ہی پیدا ہوا ہوں اور ایک عمر تمہارے اندر گزار چکا ہوں تم میری پچھلی عمر کو دیکھو جو میں نے تمہارے اندر گزاری ہے اس کے بعد تم میری ان باتوں کو سوچو تو تمہیں خود پتہ چل جائے گا کہ میرے بس میں کچھ نہیں ہے، چالیس سال جو میں نے تمہارے اندر گزارے ہیں کبھی تم نے اس بات کو پایا کہ میرے اندر سرداری کی ہوس ہو، بڑا بننے کا شوق ہو یا تم نے کبھی دیکھا کہ میں کسی استاد کے سامنے بیٹھا ہوں اور اس سے میں نے علم اور فضل سیکھا ہو یا کب تم نے میری کسی مجلس میں تقریر سنی تھی جو مجھے تقریر کرنے کی عادت ہے، شاعروں کے ساتھ میری دوستیاں تم نے کبھی دیکھی ہیں؟ کوئی ایک ایسا موقع دکھاؤ کہ جس میں میں نے کوئی بات کہی ہو جس سے تمہیں یہ اندازہ لگا ہو کہ اس کی یہ سوچ اس سے پہلے کی تھی جس کو یہ آج ظاہر کر رہا ہے میری پچھلی زندگی کا کوئی جوڑ ان باتوں کے ساتھ معلوم ہوتا ہے؟ بھائی! بات واضح ہے کہ انسان کے خیالات میں تبدیلی ایک رات میں نہیں آتی، انسان کا کردار ایک ہی رات میں پلٹا نہیں کھاتا، اس کی بنیاد بہت پیچھے سے اٹھا کرتی ہے، ایک بچہ اگر کوئی مقرر بننے والا ہے تو اس کو بچپن ہی سے اس قسم کا شوق ہوگا ابتداء سے ہی بے ڈھنگے سے شعر کہنا شروع کر دے گا آخر ترقی کرتا کرتا وہ علامہ اقبال کی طرح ملک الشعراء بن جاتا ہے لیکن یہ چیزیں بچپن ہی سے شروع ہو جاتی ہیں۔

میرے بچپن کے حالات کو دیکھو! میں نے بچپن تم میں گزارا ہے اور جوانی تم میں گزاری ہے اور میں نے ادھیڑ عمر تم میں گزاری ہے آخر چالیس سال کی عمر میں تم میں پہنچا کوئی بات ایسی بتاؤ کہ یہی سوچ رہا تھا کہ میں نے یوں بننا ہے یا میں نے تقریر کرنے کی، شعر بنانے کی، سجع بندی کرنے کی مجھے پہلے سے عادت تھی،

میری پچھلی عمر کو دیکھو تو سہی پھر اندازہ لگاتا کہ یک دم ایک ہی رات میں یہ انقلاب کس طرح آ گیا؟ اور تمہارے سامنے ایسی باتیں کرنے لگ گیا جس کا لفظی حیثیت سے بھی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، معنوی حیثیت میں بھی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، فصاحت اور بلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہے تو ایک ہی رات میں یہ انقلاب کس طرح آ گیا؟ اگر تم اس انداز سے سوچو گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ یہ میری بنائی ہوئی نہیں ہے یہ تو باہر سے میرے اوپر آ رہی ہے جو میں تمہیں سنا رہا ہوں، ورنہ بغیر مشق کرنے کے یہ کیسے ہو سکتا ہے اور تم اتنے مشاق ہو کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہو کیا تمہیں پتہ نہیں چلتا؟

دوسرا مفہوم:

دوسری بات یہ ہے کہ جو بات میں تمہارے سامنے کہہ رہا ہوں ٹھیک کہہ رہا ہوں، سچ بول رہا ہوں، جھوٹ نہیں بول رہا، میں تمہارا خیر خواہ ہوں، یہ تو امانت ہے جو تمہارے سامنے ادا کر رہا ہوں آج تم مجھے سمجھتے ہو کہ میں نے جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہے، میں کوئی خیانت شروع کر دی، اللہ کے اوپر بہتان باندھنا شروع کر دیا ہے، میں تمہارے سامنے آج ہی تو نہیں آیا ہوں میں نے چالیس سال تمہارے اندر گزارے ہیں، میری چالیس سالہ زندگی کا مطالعہ کرو، کہیں انگلی تو رکھو کہ مجھے جھوٹ بولنے کی عادت ہے، کبھی کسی کی امانت کے اندر خیانت کی ہو اگر میری ساری زندگی اس بات کی شہادت دیتی ہے اور آج سے قبل تم بھی مجھے امین سمجھتے تھے، سچا سمجھتے تھے جیسے پہلے اقرار بھی کروایا تھا "ما جربنا علیك الا صدقا"، ہم نے تو تیرے متعلق صدق ہی آزمایا ہے، (بخاری ۲/۷۰۲) تجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں تو صادق ہے اور امین ہے اس قسم کے الفاظ وہ کہتے تھے تو جو شخص چالیس سال کی عمر تک کبھی جھوٹ بولا نہیں اور کبھی کسی انسان کے اوپر وہ افتراء نہیں کرتا ہے، کسی انسان کے حق کے اندر وہ خلل نہیں ڈالتا ہے تو کیا تم سوچتے نہیں کہ میں نے چالیس سال کوئی جھوٹ نہیں بولا تو کیا آج چالیس سال بعد میں خدا پر ہی جھوٹ بولنے لگ جاؤں گا، اللہ کے متعلق جھوٹ بولنا شروع کر دوں گا جس نے آج تک تمہارے مال میں ایک پیسہ کی خیانت نہ کی وہ آج اپنے رب سے خیانت کرنے لگ جائے گا؟

حضور ﷺ کی صداقت کو دشمنوں نے بھی مانا ہے:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ابوسفیان ایک واقعہ سناتے ہیں جو ان کے ساتھ پیش تو آیا تھا کفر کے زمانہ

میں لیکن وہ سناتے ہیں مسلمان ہونے کے بعد اور اس قسم کی بات حجت ہوتی ہے جس کا تحمل اگر چہ کسی نے کفر کے زمانہ میں کیا ہے لیکن ادا کرتا ہے وہ اسلام میں آنے کے بعد، جب صلح حدیبیہ ہوئی تو اس کے بعد حضور ﷺ نے بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے تھے، شاہ روم کو بھی آپ ﷺ نے خط لکھا تھا، جس وقت قیصر کو حضور ﷺ کا خط پہنچا تو اس نے کہا کہ اس علاقہ کا کوئی آدمی اگر آیا ہو تو اس کو بلاؤ میں اس سے حالات کی تحقیق کرنا چاہتا ہوں، اتفاق ایسا تھا کہ ابوسفیان تجارتی قافلہ لے کر وہاں گیا ہوا تھا اور اسی شہر میں موجود تھا تو ان کو اور ان کے رفقاء کو بلایا گیا دربار میں، قیصر نے سرور کائنات ﷺ کے کچھ حالات معلوم کرنے کے لیے کچھ سوالات کیے، سارے سوالات ذکر کرنا مقصود نہیں ہے اس میں ہرقل کا ایک سوال یہ تھا کہ اس دعویٰ کرنے سے قبل کیا تم نے اس میں کوئی جھوٹ آزمایا؟ کہ اس نے کبھی غلط بیانی کی ہو، کبھی اس نے جھوٹ بولا ہو، ابوسفیان نے جواب دیا تھا کہ ہم نے آج تک اس کے متعلق کبھی بھی جھوٹ نہیں پایا، وہ جھوٹ بولنے والا آدمی نہیں ہے، سارے سوالات کے جوابات لے کر پھر اس نے ان جوابات پر تبصرہ کیا تھا، اس جواب پر ہرقل نے یہ تبصرہ کیا تھا کہ میں نے تجھ سے پوچھا تھا کہ کیا اس نے پہلے جھوٹ بولا تھا تو نے کہا نہیں، میں پہچان گیا کہ جس شخص کو مخلوق میں سے کسی انسان پر جھوٹ بولنے کی عادت نہیں کیسے ہو سکتا ہے کہ مخلوق کو چھوڑ کر اللہ پر جھوٹ باندھنے لگ جائے؟

نبی کی زندگی پر بدترین دشمن بھی انگلی نہیں اٹھا سکتا:

حضور ﷺ نے اپنی چالیس سالہ زندگی دلیل کے طور پر پیش کی کہ کیا تم نے مجھے کبھی جھوٹا پایا، کیا مجھے افتراء کی عادت ہے، غلط بیانی کی عادت ہے، دھوکہ دہی کی عادت ہے اگر چالیس سالہ زندگی اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ میں نے کبھی دھوکہ نہیں کیا، میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، کبھی تمہارے حقوق میں خیانت نہیں کی تو تم سوچتے نہیں کہ آج میں اتنا جھوٹا کیسے ہو گیا؟ اتنے بڑے بڑے جھوٹ بولنے لگ جاؤں کیا تمہیں عقل نہیں ہے؟ کتنی سادی اور کتنی پختہ دلیل ہے جو اس وقت پیش کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی سابقہ عمر اظہار نبوت سے پہلے بھی بے داغ ہوتی ہے کہ بدترین سے بدترین دشمن بھی ان کے کردار پر انگلی نہیں اٹھا سکتا جس کو وہ حجت میں پیش کر کے کہے کہ آج تم اس طرح کی باتیں کرتے ہو پہلے تم کیا تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے دلیل:

دیکھو! ایک بات تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ابتدائی زندگی فرعون کے پاس گزاری تھی اور اس زندگی

کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک کام ہو گیا تھا کہ ایک قبطی کو مکا مارا اور چل بسا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے فرار اختیار کر گئے اور جا کے وقت گزارا مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس اور جب پیغمبر بن کے آئے اور آ کے فرعون کی دربار میں حق کا نعرہ بلند کیا تو فرعون کہتا ہے کہ تو وہی نہیں ہے جو ہمارا ایک آدمی قتل کر گیا تھا اور قتل کر کے بھاگ گیا تھا اس نے فوراً اعتراض کر دیا کیونکہ اس کے خیال کے مطابق یہ ایک نقص تھا گویا کہ انہوں نے ایک جرم کیا تھا اور جرم کرنے کے بعد بھاگ گئے تھے یہ ایک اعتراض ہو سکتا تھا جو فرعون نے فوراً جڑ دیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وضاحت کر دی کہ اس وقت جو کیا تھا، مارا تھا وہ میری غلطی ہے لیکن یہ غلطی ہوئی کیوں؟ وہ غلطی اس بناء پر ہوئی تھی کہ تو نے ساری قوم کو غلام بنا رکھا تھا اور ان کے اوپر ظلم و ستم کرتا تھا اب ساری قوم جس کے ظلم و ستم کے اندر پس رہی ہے اس کا ایک آدمی اگر مر جائے تو یہ کیا جرم ہے جس کو تو میرے سامنے لا رہا ہے؟ ظالم قوم کے ایک فرد کو ظلم سے روکتے ہوئے اگر اس کو ایک مکا لگا ہی دیا اور وہ اتفاقاً مر گیا تو یہ کوئی عیب نہیں ہے جو تو میری طرف منسوب کر رہا ہے پھر بلکہ یہ تو میرے سچے اور حق پہ ہونے کی دلیل ہے کہ ایک وقت میں جب میں ایک عام سا انسان سمجھا جاتا تھا اور میں اللہ کا رسول نہیں بنا تھا اس وقت تو تم سے ڈرتا ہوا بھاگ گیا آج میں کونسی فوج لے کے آیا ہوں جو تمہارے سامنے آ گیا ہوں یعنی اس وقت بھی میں ہی تھا اور میں نے ایک جرم کیا تھا تم سے میں نے ڈر محسوس کیا اور میں بھاگ گیا آج میں کونسی فوجیں لے کے آیا ہوں؟ معلوم ہوا کہ جس وقت میری بات تھی میں بھاگ گیا تھا اب کسی کا بھیجا ہوا آیا ہوا ہوں اب اس کی قوت میری محافظ ہے۔

دیکھو! اپنے خیال کے مطابق وہ کسی بات پر انگلی رکھ سکتا تھا اس نے انگلی رکھ دی کہ تو نے یہ قصور کیا تھا اور انہوں نے مان لیا تھا کہ ہاں میں نے کیا تھا لیکن ان حالات میں کیا تھا اب ان حالات میں سامنے آیا ہوا ہوں تو اس کی صفائی ہو گئی۔

اگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اندر اس قسم کی بات ہوتی، اخلاق کی کمزوری ہوتی، کردار کی کمزوری ہوتی، آپ نے کبھی کوئی جھوٹ بولا ہوتا، کسی کو کوئی دھوکہ دیا ہوتا، کوئی کمزوری قوم کے ہاتھ میں ہوتی تو سامنے کھڑے ہو جاتے کہ آج اس قسم کی باتیں کرتے ہو کل تمہارا یہ حال تھا اب یہ کہنے کا موقع ہی نہیں بلکہ خود اپنی عمر کو پیش کر دیا کہ تم میری عمر کو جانچو اگر پچھلی عمر میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں تو آج بھی کھڑا ہوں اور اگر تم نے پچھلی عمر

میں میرے اندر کوئی غلطی، کوئی فریب پایا ہے پھر آج بھی تم میری بات نہ مانو کتنا بڑا چیلنج ہے اور کتنی واضح دلیل ہے میں تمہارے اندر اس سے قبل ایک عمر گزار چکا ہوں" افلا تعقلو ن" کیا تم سوچتے نہیں ہو۔

"فمن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا" کون بڑا ظالم ہے اس سے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یعنی اگر میں جھوٹ باندھتا ہوں تو میں بہت بڑا ظالم ہوں، کون بڑا ظالم ہے اس سے جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور اگر تم اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہو تو تم بڑے ظالم ہو، مجرم فلاح نہیں پائیں گے دنیا میں یا آخرت میں، برباد ہوں گے یہ میرا عقیدہ ہے اس لیے جب میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجرم فلاح نہیں پائیں گے تو میں خود جرم کس طرح کروں گا؟

عبادت کا معنی اور مفہوم:

"و یعبدو ن من دو ن اللہ ما لا یضر ھم "اب ان کے شرکاء کی وہی حیثیت واضح کی جارہی ہے یہاں" یعبدون " عبادت کا لفظ استعمال کیا ہے کہ یہ عبادت کرتے ہیں، عبادت کا معنی ہوتا ہے غایت تذلل، کسی کے سامنے انتہائی تذلل کا اظہار کرنا، ذلت اختیار کرنا اس کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ اس کو مافوق الاسباب میرے اوپر قدرت حاصل ہے، جس وقت آپ مافوق الاسباب کا عقیدہ نہیں رکھیں گے اس وقت تک کسی کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آنا، انکساری سے پیش آنا عبادت نہیں ہے، چاہے اس کی صورت ویسی ہو جیسی اللہ کی عبادت کی ہوتی ہے، تشہد کی صورت میں آپ اللہ کے سامنے دوزانو ہو کے بیٹھتے ہیں یہ عبادت ہے، آپ اپنے استاد کے سامنے بھی دوزانو ہو کے بیٹھ جاتے ہیں، اللہ کے نام پر آپ صدقہ دیتے ہیں، اللہ کے نام پر آپ خیرات کرتے ہیں تا کہ اللہ خوش ہو جائے، آپ اپنے استاد اور پیر کو بھی ہدیہ دیتے ہیں تا کہ وہ بھی خوش ہو جائے، آپ اللہ کی تعریف کرتے ہیں تو دوسرے لوگوں کی بھی تعریف کرتے ہیں لیکن یہ عبادت نہیں ہے حتیٰ کہ ایک شخص دوسرے کو سجدہ کرتا ہے تو یہ سجدہ کرنا کتنا بڑا فعل ہے لیکن ہر سجدہ عبادت نہیں ہوتا اگر ایک آدمی کسی دوسرے کو سجدہ بھی کرتا ہے تو یہ سجدہ کتنی خالص عبادت کا نشان ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں لیکن یہ سجدہ بھی ہر جگہ عبادت کے لیے نہیں ہوتا کیونکہ سجدہ اگر صرف عبادت کے لیے ہی ہو تو یاد رکھو! شرک کسی امت کے اندر مشروع نہیں رہا اور روایات میں موجود ہے کہ پہلی امتیں تعظیم کے طور پر اپنے بڑوں کو سجدہ بھی کرتی تھیں، تو سجدہ تعظیمی مشروع رہا ہے" خر وا لہ سجدا"، حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرف نسبت کی گئی ہے کہ وہ اس کے سامنے سجدہ میں گر گئے، ہمارے

ابا حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا تھا، تو معلوم ہوا کہ ہر سجدہ عبادت نہیں ہے۔

اس میں فرق کہاں سے پڑا ہے؟ یہ فرق نظریہ سے پڑا جس کو سجدہ کیا جا رہا ہے اگر اس کو آپ قادر مانتے ہیں اور پھر اس کے سامنے اس قسم کا تذلل اختیار کرتے ہیں یہ عبادت ہے اور شرک ہے اور اگر اس قسم کا عقیدہ نہیں ہے تو پھر اس کو عبادت نہیں کہیں گے پھر یہ تعظیم ہوگی، یہ علیحدہ بات ہے کہ تعظیمی سجدہ بھی اس امت میں حرام ٹھہرا دیا گیا ہے لیکن ہر سجدہ شرک نہیں ہے، دیکھنا یہ ہے کہ جس کے سامنے یہ سجدہ کیا جا رہا ہے، جس کے سامنے یہ تحفے دیے جا رہے ہیں، جس کے سامنے آپ دو زانو ہو کے بیٹھتے ہیں، تعظیما جس کے سامنے آپ جھکتے ہیں اس کے متعلق آپ کا نظریہ کیا ہے؟ اگر آپ کا نظریہ یہ ہے کہ یہ محض واسطہ فی الاحسان ہیں ورنہ جو کچھ ہے اللہ کی طرف سے ہے ان کے اختیار میں کچھ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے اور ان کی وساطت سے کیا ہے، پیدا اللہ نے کیا ہے ماں باپ کی وساطت سے پیدا ہوئے " من لم یشکر الناس لم یشکر الله" جو احسان میں واسطہ ہوتا ہے جب انسان ان کا شکر گزار نہیں تو وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں ہے، اللہ کی طرف سے جو احسانات پہنچتے ہیں جن واسطوں سے پہنچتے ہیں ان واسطوں کا ادب، احترام اور ان کی تعظیم یہ ایک شرافت کا تقاضہ ہے، ماں باپ خالق نہیں ہیں، خالق اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس خلق کا ظہور ماں باپ کی وساطت سے ہوا تو ماں باپ کا شکریہ بھی ادا کرو "ان اشکر لی ولو الدیك " میرا بھی شکر ادا کرو اور ماں باپ کا بھی شکر ادا کرو، شکر کے اندر ان کی اطاعت بھی ہے، ان کی تعظیم بھی ہے اور ان کی خدمت بھی ہے۔

اسی طرح علم دیتا اللہ ہے لیکن واسطہ اساتذہ ہیں اللہ چاہے گا تو ملے گا، اساتذہ تو محض واسطہ ہیں ان کے بس میں کچھ نہیں ہیں لیکن اللہ کے اس احسان کا ظہور چونکہ ان کی وساطت سے ہوا ہے اس لیے ان کی تعظیم، ان کی خدمت اور ان کا ادب یہ ایک شرافت کا تقاضہ ہے تو جب ان واسطوں کا ہم ادب اور احترام کریں گے تو یہ بھی ایک اللہ کی شکر گزاری ہے۔

رزق ہمیں اللہ دیتا ہے لیکن والدین کی وساطت سے پہنچا، رزق ہمیں اللہ دیتا ہے لیکن کسی دوست کی وساطت سے پہنچ گیا تو جس کی وساطت سے پہنچا ہے اس کا بھی شکریہ ادا کرو، اس کا بھی احسان تسلیم کرو یہ شرافت کا تقاضا ہے لیکن ہم ہر چیز کی نسبت حقیقت کے اعتبار سے اللہ ہی کی طرف کرتے ہیں ان کو محض ایک واسطہ اور ذریعہ

سمجھتے ہیں اس لیے ذریعہ کا ہم ادب کرتے ہیں، ان کے متعلق ہمارے نفع اور نقصان کا یہ عقیدہ نہیں کہ جس کو چاہیں بگاڑ دیں جس کو چاہیں سنوار دیں اور ان کے متعلق وہی "کن فیکو ن" والا عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار دے دیا ہے، ان کے اشارہ کے ساتھ ہی بنتا ہے، ان کے اشارہ کے ساتھ ہی بگڑتا ہے نسبت ان کی طرف کردی گئی تو اس قسم کے اختیارات کسی کی طرف منسوب کر کے اس کے سامنے تذلل اختیار کرنے کو عبادت کہتے ہیں۔

صحت ہمیں ملتی ہے ڈاکٹر کی وساطت سے لیکن اس طرح کہ وہ اسباب اختیار کرتا ہے، کوئی گولی دے گا، کوئی معجون دے گا، کوئی سیرپ پلائے گا اب اس سے ہمیں صحت ملی اور کوئی کہے کہ ڈاکٹر نے ہمیں صحت دی تو اس میں تاویل یہی ہے کہ اس نے کوشش کی، اسباب اس کی طرف سے پائے گئے جس کی وجہ سے یہ نتیجہ نکل آیا، یہ بات ٹھیک ہے کہ اس طرح اسباب کے تحت کسی کا کوئی کام کر دیا، کسی کو کوئی نقصان پہنچا دیا تو یہ ٹھیک ہے لیکن قطع نظر اسباب کے حقیقت کے اعتبار سے اس فعل کی نسبت اللہ کی طرف ہے، اللہ تعالیٰ اپنے کاموں کے اندر اسباب کا محتاج نہیں ہے، اس نے ارادہ کیا تو اس کے ارادہ کے ساتھ ہی یہ کام ہو گیا، اس طرح مافوق الاسباب کسی کی قدرت مان لی جائے اور پھر اس کے سامنے جو بھی تذلل اختیار کیا جائے چاہے سر جھکایا جائے چاہے دوزانو ہو کے بیٹھیں چاہے اس کے نام پر کوئی مال دیں یہ سارے کام پھر عبادت کہلائیں گے، وہی حرکات اگر آپ اپنے اساتذہ کے ساتھ کرتے ہیں تو یہ عبادت نہیں، اپنے پیروں کے ساتھ کرتے ہیں تو یہ عبادت نہیں، ماں باپ کے ساتھ کرتے ہیں تو یہ عبادت نہیں لیکن اس قسم کا نظریہ اختیار کر لینے کے بعد اگر آپ اس قسم کی حرکت کریں گے چاہے کسی انسان کے متعلق یا کسی جن کے متعلق چاہے کسی نبی کے متعلق چاہے کسی فرشتے کے متعلق پھر یہ حرکات عبادت بن جائیں گی۔

مشرکین نے اپنے ان معبودوں کو اللہ کے سامنے شفعاء بنایا ہوا تھا، شفعاء کا مفہوم یہ تھا کہ وہ شفاعت جبری کے قائل تھے کہ یہ اللہ سے منوا لیتے ہیں بس ان کو خوش رکھنا چاہیے ہمارا کام بن جائے گا، اگر یہ خوش نہ ہوئے تو ہمارا کام نہیں بنے گا یہ علیحدہ بات ہے کہ یہ بھی کراتے اللہ سے ہیں، اللہ نے ان کو اختیار دیا ہوا ہے جس کام کو کرانا چاہیں یہ اللہ سے کرا سکتے ہیں اور اسی لیے ان کے ساتھ ویسے معاملات کرتے تھے جن معاملات کو عربی کے اندر عبادت کہتے ہیں اور صاحب لسان تھے لفظ کا مفہوم سمجھتے تھے تو عبادت ان کا فعل تھا۔

توحید کی بنیاد دو چیزوں پر ہے:

"ویعبدو ن من دو ن الله" اللہ کے علاوہ یہ دوسری چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور وہ چیزیں ایسی ہیں نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ انہیں نفع دے سکتی ہیں اور یہ ہیں شرک کے دونوں دروازے کہ انسان جب بھی کسی کے سامنے جھکتا ہے یا تو وہ نقصان سے ڈر کے جھکتا ہے یا نفع کے لالچ میں جھکتا ہے اور اگر کوئی شخص ان دونوں جذبوں کو اللہ سے متعلق کرلے تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ وہ کسی کے سامنے جھک جائے یا تو انسان کسی کے سامنے اس اندیشہ سے دبتا ہے کہ یہ مجھے کوئی نقصان پہنچا دے گا یا کسی کے سامنے اس لالچ میں دبتا ہے کہ یہ مجھے کوئی نفع پہنچائے گا اور اگر یہ دونوں جذبے مخلوق سے قطع کر کے اللہ کے ساتھ جوڑ لیے جائیں تو یہ صحیح طور پر توحید آگئی۔

قبروں پہ جانے والے دونوں قسم کے جذبات رکھتے ہیں یا تو اس لیے وہاں جا کے ہاتھ پھیلاتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں کہ ہماری اولاد بچی رہے، ہماری یہ کھیتی محفوظ رہے، مصیبت سے بچے رہیں یا نفع کے لالچ میں جاتے ہیں کہ اولاد نہیں ہے مل جائے، کھیتی اچھی ہو جائے، بھینس دودھ نہیں دیتی ہے دودھ دینے لگ جائے، یہ اس قسم کے جذبات ہیں جب یہ دونوں باتیں ہی اللہ سے متعلق ہو جائیں گی کہ نفع نقصان کسی کے اختیار میں نہیں ہیں سوائے اللہ کے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انسان کسی کے سامنے جھکے یا دبے پھر دبنا اور جھکنا اتنا ہی ہوتا ہے جتنا ایک محسن کے ساتھ انسان کا برتاؤ ہوتا ہے۔

آیات کا مفہوم:

یہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے علاوہ ایسی چیزوں کی جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ ہی انہیں نفع پہنچا سکتی ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے شفعاء ہیں اللہ کے سامنے آپ کہہ دیجیے کہ تم اللہ کو ایسی بات بتاتے ہو، ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جس کی وہ خبر نہیں رکھتا، اللہ خبر نہیں رکھتا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہوتی تو اللہ ضرور جانتا، تم کہتے ہو شفعاء۔ میں تو ایک شفیع بھی نہیں جانتا کہ جو زمین میں موجود ہے یا آسمان میں موجود ہے اور اس کا میرے ساتھ یہی معاملہ ہے جو چاہے مجھ سے کروالے یا میں اس کی بات ضرور مانتا ہوں مجھے تو معلوم نہیں کہ کوئی مجھ سے ایسی بات منوا لیتا اب اللہ تعالیٰ اپنے علم کی نفی جو کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیز موجود ہی نہیں ہے اگر موجود ہوتی تو اللہ کے علم میں ضرور ہوتی "سبحانهٗ وتعلیٰ عما یشر کون" اللہ پاک ہے اور بلند و بالا ہے ان چیزوں سے جن

کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

اگلی آیات میں یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ شرک فطرت کا تقاضا بھی نہیں ہے اور ابتداء سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو دین انسانوں کے اندر اتارا ہے وہ دین دینِ توحید ہی ہے، یہ بعد میں لوگوں نے خود ساختہ نظریات بنائے ہیں، یہ باتیں خود ساختہ ہیں، نہیں تھے لوگ مگر ایک ہی جماعت، حضرت آدم علیہ السلام آئے اور انہوں نے اپنی اولاد کو ایک ہی طریقہ سکھایا، سارے ایک ہی نظریہ پر تھے "فاختلفوا" پھر انہوں نے اختلاف کیا، حضرت نوح علیہ السلام تک سب لوگ ایک ہی نظریہ کے تھے بعد میں اختلاف شروع ہوا، سب سے پہلے پیغمبر جو شرک کو مٹانے کے لیے بھیجے گئے قرآن کریم کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام ہی ہیں، اس سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی ساری کی ساری اولاد دین توحید پر تھی، اگر نہ ہوتی ایک بات جو تیرے رب کی طرف سے سبقت لے گئی وہ یہ کہ دنیا کے اندر انسان کو مختار کر دیا، آزاد چھوڑ دیا کہ سوچ سمجھ کے کوئی طریقہ اختیار کرے حساب اب آخرت میں ہوگا، ضروری نہیں کہ ہر حرکت پر دنیا میں ہی عذاب دیا جائے اگر یہ بات اللہ کی طرف سے طے شدہ نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اس چیز کا جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ اپنی عادت یہ بنالی اور یہ فیصلہ شدہ بات ہے کہ اب عذاب آخرت میں ہی ہوگا، دنیا دار الابتلاء ہے اس میں حق اور باطل کچھ مشتبہ سے رہیں گے، ہر کسی کو اختیار دیا ہے کہ اپنی عقل وفہم کے ساتھ سمجھ کے حق کو قبول کرے، باطل سے بچے اس لیے یہاں نقد بنقد فیصلہ نہیں کیا جاتا۔

"ویقولون لولا انزل علیه آیة" اور یہ کافر ومشرک یوں بھی کہتے ہیں کہ اس کے اوپر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی یعنی جس قسم کی نشانی ہم مانگتے ہیں اس کے رب کی طرف سے وہ نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی؟ آپ کہہ دیجئے کہ غیب تو اللہ کے لیے ہے، اللہ جانتا ہے کہ نشانی آئے گی یا نہیں آئے گی، میرے اختیار میں کچھ نہیں "فانتظروا" تم بھی انتظار کرو "انی معکم من المنتظرین" میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ

جب ہم چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچی تھی

اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا

تو اچانک ان کے لیے مکر ہے ہماری آیات میں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ زیادہ جلدی کرنے والا ہے از روئے تدبیر کے بے شک ہمارے رسول

يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿٢١﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ

لکھتے ہیں تمہارے مکر کرنے کو ﴿۲۱﴾ (اللہ) وہ ہے جو تمہیں چلاتا ہے خشکی میں اور سمندر میں،

حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا

حتی کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ چلتی ہیں ان لوگوں کو لے کر عمدہ ہوا کے ساتھ اور وہ خوش ہوتے ہیں ان کشتیوں کے ساتھ

جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا

پھر آتی ہے ان کے پاس توڑنے پھوڑنے والی ہوا اور آتی ہیں ان کے پاس موجیں ہر طرف سے اور وہ گمان کرتے ہیں کہ

اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا

ان کا احاطہ کر لیا گیا تو وہ پکارتے ہیں اللہ کو اس حال میں کہ اس کے لیے خالص کرنے والے ہوتے ہیں عقیدہ، اگر تو نے ہمیں نجات دے دی

مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ

اس مصیبت سے تو ہو جائیں گے ہم شکر گزاروں میں سے ﴿۲۲﴾ جس وقت اللہ ان کو نجات دے دیتا ہے تو اچانک وہ سرکشی کرنے لگ جاتے ہیں

فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ

زمین میں ناحق، اے لوگو! بے شک تمہاری یہ شرارت تمہارے ہی نقصان میں ہے، فائدہ اٹھا لو

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٣﴾

دنیا کی زندگی کا فائدہ پھر ہماری طرف تمہارا لوٹنا ہے پھر ہم تمہیں خبر دیں گے ان کاموں کی جو تم کرتے تھے ﴿۲۳﴾

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۗءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاۗءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ

سوائے اس کے نہیں کہ دنیاوی زندگی کی حالت ایسے ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے پھر گھنی ہو گئیں اس پانی کے ساتھ

نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا یَاۡکُلُ النَّاسُ وَ الۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ

زمین کی نباتات ان میں سے کہ جس کو کھاتے ہیں انسان اور جانور حتی کہ جب اختیار کرلی

الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَہَا وَ ازَّیَّنَتۡ وَ ظَنَّ اَہۡلُہَاۤ اَنَّہُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَیۡہَاۤ ۙ

زمین نے اپنی رونق اور وہ مزین ہوگئی اور سمجھ لیا اس زمین والوں نے کہ وہ اس پر قادر ہیں تو

اَتٰىہَاۤ اَمۡرُنَا لَیۡلًا اَوۡ نَہَارًا فَجَعَلۡنٰہَا حَصِیۡدًا کَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ

آ گیا اس زمین کے پاس ہمارا حکم رات کو یا دن کو پس بنا دیا ہم نے اس نباتات کو کٹی ہوئی کھیتی گویا کہ وہ تھی ہی نہیں

بِالۡاَمۡسِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَ اللّٰہُ یَدۡعُوۡۤا

کل اسی طرح ہم کھول کھول کر بیان کرتے ہیں نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو کہ سوچتے ہیں ﴿۲۴﴾ اللہ تعالیٰ دعوت دیتا ہے

اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِیۡنَ

ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ﴿۲۵﴾ ان لوگوں کے لیے

اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی وَ زِیَادَۃٌ ؕ وَ لَا یَرۡہَقُ وُجُوۡہَہُمۡ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّۃٌ ؕ

جو کہ بھلائی کرتے ہیں بھلائی ہے اور زیادتی ہے، نہیں ڈھانپے گی ان کے چہروں کو سیاہی اور نہ ذلت

اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۶﴾ وَ الَّذِیۡنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ

یہی لوگ جنت والے ہیں، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ﴿۲۶﴾ اور وہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں

جَزَآءُ سَیِّئَۃٍۭ بِمِثۡلِہَا ۙ وَ تَرۡہَقُہُمۡ ذِلَّۃٌ ؕ مَا لَہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ مِنۡ

ان کے لیے برائی کا بدلہ ہے برائی کے برابر اور ان کو ذلت نے ڈھانپا ہوا ہوگا، اللہ کے عذاب سے ان کو کوئی

عَاصِمٍ ۚ کَاَنَّمَاۤ اُغۡشِیَتۡ وُجُوۡہُہُمۡ قِطَعًا مِّنَ الَّیۡلِ مُظۡلِمًا ؕ

بچانے والا نہیں ہوگا گویا کہ طاری کردیے گئے ان کے چہرے رات کے تاریک ٹکڑے

اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۷﴾ وَ یَوۡمَ نَحۡشُرُہُمۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ

یہی لوگ جہنم والے ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ﴿۲۷﴾ اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے پھر

نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ

کہیں گے ہم ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا تھا کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہو تم بھی اور تمہارے شرکاء بھی پھر ہم پھوٹ ڈال دیں گے ان کے درمیان

وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا

اور کہیں گے ان کے شرکاء تم ہماری پوجا نہیں کرتے تھے ﴿۲۸﴾ کافی ہے اللہ گواہ

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا

ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان بے شک بات یہ ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے ﴿۲۹﴾ وہاں آزمالے گا

كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ

ہر نفس اس چیز کو جو اس نے آگے بھیجی اور لوٹائے جائیں گے یہ اللہ کی طرف جو ان کا مولا حقیقی ہے اور گم ہو جائیں گی ان سے

مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾

وہ باتیں جو یہ تراشا کرتے تھے ﴿۳۰﴾

تفسیر

ماقبل سے ربط:

اثبات توحید اور رد شرک پر مختلف انداز سے گفتگو چلی آرہی ہے اور مشرکین کی دلی کیفیت اللہ تعالیٰ سے لاتعلقی کی، احسان فراموشی کی اس کو بھی مختلف عنوانات سے واضح کیا جارہا ہے، پچھلی آیت میں یہ ذکر کیا گیا تھا کہ یہ خود مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے اوپر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں آجاتی، اس نشانی سے ان کی مراد ہوتی تھی منہ مانگا معجزہ کہ جیسی ہم کہتے ہیں ویسی نشانی دکھاؤ، نبی کی طرف سے جواب دلایا گیا کہ کس قسم کی نشانی پیش آنے والی ہے؟ کب پیش آنے والی ہے؟ اس کا تعلق غیب سے ہے اور غیب کا مالک اللہ ہے اور تمہیں جلدی ہے نشانیاں دیکھنے کی تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں مستقبل میں جو کچھ آنے والا ہے وہ تمہارے سامنے آجائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت نہیں تھی کہ اس امت کے سامنے ان کے منہ سے مانگا ہوا معجزہ نمایاں کیا جائے کیونکہ

اللہ تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ جب کوئی اللہ سے معجزہ مانگتا ہے کہ فلاں قسم کا معجزہ دکھاؤ تو ہم مان جائیں گے اور معجزہ ظاہر ہو جائے اور وہ نہ مانیں تو ایسے وقت میں ان کو پھر ہلاک کر دیا جاتا ہے پھر باقی نہیں رکھا جاتا اور سرور کائنات ﷺ کے مخاطبین جو آپ کی امت دعوت تھی ان کو اس طرح ہلاک و برباد کرنا یہ اللہ کی حکمت نہیں تھی اس لیے چھوٹی موٹی نشانیاں اللہ ظاہر کرتے رہے اور اس قسم کی آیات بھی ظاہر کرتے رہے جس سے ان کو تنبیہ ہوتی رہتی تو سعادت مندی تو یہ ہے کہ چھوٹی موٹی تنبیہات کو سمجھیں اور سمجھنے کے بعد بڑے عذاب سے بچ جائیں لیکن ان کا حال یہ ہے کہ جب ان کے اوپر کوئی تنبیہ اتارتے ہیں اور تنبیہ کے طور پر کوئی مصیبت نازل کرتے ہیں تو اس وقت یہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کچھ ان کی اکڑ نکلتی ہے اور جہاں اس تکلیف کو زائل کرنے کے بعد ہم اس کو رحمت بنا دیتے ہیں اور اپنا فضل اور رحم فرما دیتے ہیں تو ایسے وقت میں پھر یہ شرارتیں کرنے لگ جاتے ہیں تو انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ان کی شراتوں کا نقصان انہیں ہی ہوگا ہمارا یہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

مشرکین کا طرز عمل:

جیسے درمیان میں ایک واقعہ ذکر کر دیا گیا ہے جو عام طور پر پیش آتا تھا کہ لوگ تجارت کی غرض سے سمندر میں سفر کرتے تھے، کشتیوں میں جاتے تھے تو کشتیوں میں اس قسم کے حالات پیش آتے ہیں کہ کبھی تو ہوا موافق ہوتی ہے اور نرم رفتار کے ساتھ چلتی ہے تو کشتیاں بہت سکون کے ساتھ چلتی ہیں اور وہ لوگ خوش ہوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں ہمارا سفر بہت اچھا کٹ رہا ہے، بے فکر ہوتے ہیں لیکن پھر ایسا ہوتا ہے کہ طوفانی ہوا آ گئی جس میں جھکڑ ہوتا ہے تو ایسے موقع پر سمندر میں بڑی بڑی موجیں اٹھتی ہیں ہر طرف سے ہلاکت کے اسباب آ جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں اب ہم غرق ہو جائیں گے، ہمیں گھیر لیا گیا تو ایسے موقع پر یہ اللہ کو پکارتے ہیں اور جو انہوں نے اللہ کے ساتھ شرکاء بنا رکھے ہیں ان کو اکثر و بیشتر بھول جاتے ہیں قرآن کریم میں دوسری جگہ یہ لفظ آئے گا "وتنسون ماتشرکون" کہ جب اس قسم کی مصیبت ارد گرد آ جاتی ہے تو پھر جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو سب کو بھول جاتے ہو صرف اللہ ہی کو پکارتے ہو تو جب مصیبت آئی تو تمہارا حال یہ ہوا اور جب مصیبت دور ہوئی تو پھر تمہارا حال ویسا ہی ہو جاتا ہے یہ ان کو ان کا حال ذکر کر کے متنبہ کیا جا رہا ہے کہ یہ تمہارا طرز عمل ہے آخر کب تک تمہیں ڈھیل دی جائے گی؟ کب تک تمہاری شرارتیں برداشت کی جائیں گی؟ تمہاری یہ مکاریاں کب تک چلیں گی؟ آخر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ تم نے

اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور دنیا کے اندر بھی تمہیں برباد کیا جاسکتا ہے۔

دنیاوی زندگی کی مثال:

پھران کو سمجھانے کے لیے ایک دنیاوی زندگی کی مثال بھی دے دی کہ جس دنیا پہ تم فریفتہ ہو اس کی مثال تو ایسے ہے کہ جیسے بارش ہوتی ہے، زمین سرسبز ہو جاتی ہے اور پر رونق ہو جاتی ہے، زمین دار سمجھتے ہیں کہ بڑی اچھی فصل آئے گی اور اپنے دل کے اندر وہ منصوبے بناتے ہیں لیکن اللہ کی طرف سے کوئی عذاب ایسا آتا ہے کہ اولے پڑ جاتے ہیں، سیلاب آجاتا ہے اور فصل تباہ ہو جاتی ہے اور اس کا ایسا حال ہو جاتا ہے کہ جیسے کبھی یہ پیدا بھی نہیں ہوئی تھی جس طرح تم دنیا کے اندر یہ انقلاب دیکھتے رہتے ہو، رات کو کچھ ہوتا ہے اور دن کو کچھ ہوتا ہے تو اس قسم کی فانی دنیا کے اوپر تمہارا مست ہو جانا اور اس میں مشغول ہو کے ہماری آیات کی پروانہ کرنا یہ عقلمندی نہیں ہے، اسی انداز کے ساتھ ان کو ان آیات کے اندر سمجھایا جارہا ہے۔

پہلی آیت کا مفہوم:

جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں یعنی اس کو رحمت دیتے ہیں، اپنا فضل فرماتے ہیں اور عافیت دیتے ہیں بعد اس تکلیف کے جو اس کو پہنچی ("الناس" جیسے میں نے کل عرض کیا تھا کہ یہ قضیہ مہملہ کے انداز میں ہے کہ نہ تو سارے ہی ایسے ہوتے ہیں اور نہ انسانوں کی جماعت اس قسم کے افراد سے خالی ہے) اچانک وہ ہماری آیات میں مکر کرنے لگ جاتا ہے، ہماری آیات میں مختلف تاویلیں کر کے ان کو باطل کرتا ہے، آیات کو باطل کرنے کے لیے چالیں کرنے لگ جاتا ہے اس میں خاص طور پر اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ اللہ کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچی، تکلیف پہنچی تو اس لیے کہ تا کہ یہ متوجہ ہوں پھر اللہ نے کچھ ڈھیل دے دی، ڈھیل دینے کے بعد ان کو کچھ خوش حالی ہوگئی اب چاہیے تو یہ تھا کہ یہ اس گرفت سے متاثر ہوتے، خوشحالی کے اوپر اللہ کا شکر ادا کرتے لیکن یہ یوں تاویلیں کرتے ہیں کہ یہ تو واقعات ہوتے رہتے ہیں، قوموں کے ساتھ بھی ہوتے ہیں، جماعتوں کے ساتھ بھی ہوتے ہیں، کبھی اچھے حال آگئے تو کبھی برے حال آگئے تو یہ جو کہتے ہیں کہ عقیدہ کی بناء پر اس قسم کے حالات آتے ہیں یا کردار کی خرابی کی وجہ سے یہ مصیبتیں آتی ہیں یہ صحیح نہیں ہے ہمارے بڑوں کو بھی اس طرح کے حالات پیش آئے تھے، زمانہ کے تغیرات کے ساتھ کبھی اچھائی ہوتی ہے اور کبھی برائی ہوتی ہے اس قسم کی

باتیں کر کے ہماری نشانیوں کو بے اثر کر دیتے ہیں جیسے سورۃ اعراف میں فرعونیوں کے قصے میں یہ باتیں وضاحت کے ساتھ گزر چکی ہیں۔

آپ کہہ دیجیے کہ اللہ بہت جلدی تدبیر کرنے والا ہے، اللہ کی تدبیر کا پھر توڑ کوئی نہیں ہے جس کا مطلب یہ بھی یہ کہ تمہاری اس قسم کی چالبازیوں کی اللہ بہت جلد سزا دینے والا ہے اور جزاء بصورت عمل ذکر ہوتی رہتی ہے اور تمہاری یہ چالبازیاں ہم سے مخفی نہیں ہیں، ہم بھی جانتے ہیں اور ہمارے فرشتے یہ سارے کا سارا ریکارڈ مرتب کر رہے ہیں "رسلنا" کا مصداق یہاں فرشتے ہیں، ہمارے فرشتے تمہاری شرارتوں کو لکھتے ہیں، تم جو چالبازیاں کرتے ہو وہ لکھتے ہیں۔

دوسری اور تیسری آیت کا مفہوم:

اللہ وہ ہے جو تمہیں چلاتا ہے، چلانے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی کیونکہ جتنے اسباب ہیں جن کے ساتھ چلنے کا سامان مہیا ہوتا ہے وہ سب اللہ کے پیدا کردہ ہیں، کشتیاں اگر بنائی ہیں تو لکڑی سے بنائی ہیں، لوہا استعمال ہوا ہے۔ تو لکڑی کو پیدا کرنے والا اللہ ہے اور لوہے کو پیدا کرنے والا اللہ ہے پھر انسان کو اتنی سمجھ دینے والا اللہ ہے کہ اس طرح اس لکڑی کو چیرا جائے اور پھر اس کو جوڑا جائے تو یہ پانی کے اوپر تیرے گی اور اس کا بوجھ اٹھالے گی تو انسان کو عقل وفہم بھی اللہ نے ہی دی ہے اور جن چیزوں کے ذریعہ سے یہ چلتا ہے وہ سب چیزیں اللہ کی پیدا کردہ ہیں تو انسان کو اللہ ہی چلاتا ہے خشکی میں بھی اور سمندروں میں بھی اور پھر اس میں یہ حال بھی پیش آجاتا ہے کہ جن کشتیوں میں یہ ہوتے ہیں "اذ کنتم" میں تو خطاب ہے اور "جرین بھم" میں انتقال ہے غیب کی طرف کہ اے لوگو! جس وقت تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور آگے غیب کی طرف انتقال ہو گیا تو وہ کشتیاں ان لوگوں کو لے کر عمدہ ہوا کے ساتھ چلتی ہیں اور وہ خوش ہوتے ہیں اس ہوا کے ذریعہ سے یا کشتیوں کی اس رفتار پہ خوش ہوتے ہیں پھر ان کشتیوں کے پاس توڑنے پھوڑنے والی ہوا آجاتی ہے اور ہر طرف سے ان کے پاس موجیں آنے لگ جاتی ہیں، ان کے دل میں خیال آنے لگتا ہے اور یہ وہم آنے لگتا ہے کہ یہ گھیر لیے گئے اور اس عذاب سے چھوٹنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، سمندر کے بیچ میں جب کشتیوں کو ہچکولے لگتے ہیں تو پھر وہ یہی سمجھتے ہیں کہ اب کوئی بچانے والا نہیں ہے جب یہ حال ہوتا ہے "دعوا اللہ مخلصین لہ الدین" پھر اللہ کے متعلق اپنے عقیدے کو خالص کر کے اللہ کو

پکارنے لگ جاتے ہیں اور دوسری جگہ وہی الفاظ ہیں جیسے میں نے پہلے ذکر کیا ہے "و تنسون ما تشرکون" پھر تم ان چیزوں کو بھول جاتے ہو جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، پھر وہ تمہارے ذہن سے نکل جاتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ مصیبت کے وقت فطرت سامنے آجاتی ہے اور دل کی گہرائی میں اگر کسی کے متعلق مشکل کشا ہونے کا عقیدہ ہے تو صرف اللہ کے متعلق ہے کسی دوسرے کے متعلق نہیں ہے پھر مصیبتوں کے اندر آکر یہ آواز اجاگر ہو جاتی ہے، پکارنے لگ جاتے ہیں اللہ کو اس حال میں کہ خالص کرنے والے ہوتے اس کے لیے عقیدہ کو اور پکارتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں نجات دے دی اس مصیبت سے تو ہم البتہ ضرور ہو جائیں گے شکر گزاروں میں سے پھر تیرا شکر کریں گے، تیرے شکر گزار رہیں گے اگر اس مصیبت سے تو نجات دے دے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ انہیں نجات دے دیتا ہے تو زمین میں آکے اور خشکی میں آکے پھر اس طرح بغاوت اور شرارتیں کرنے لگ جاتے ہیں ناحق "بغیر الحق" کا ذکر یہاں بیان واقعہ کے طور پر ہے یعنی ان کی بغاوت اور سرکشی ایسی ہوتی ہے جس کا ان کو حق کوئی نہیں ہے، اے لوگو! تمہاری یہ بغاوت تمہارے ہی نقصان میں ہے، فائدہ اٹھا لو اس دنیاوی زندگی کا جس طرح کہا کرتے ہیں "کر لو جو کرنا ہے آخر پانی انہی پلوں کے نیچے سے گزرنا ہے"، دنیاوی زندگی میں جو مزہ کرنا ہے کر لو، جو نفع اٹھا سکتے ہو اٹھا لو آنا تو ہماری طرف ہی ہے "ثم الینا مرجعکم" پھر ہماری طرف ہی تمہارا لوٹنا ہے ہم تمہیں خبر دیں گے ان کاموں کی جو تم کیا کرتے تھے۔

چوتھی آیت کا مفہوم:

اب دنیا کی محبت اور دنیا کے مزوں میں مبتلاء ہو کے انسان اللہ کا نافرمان ہوتا ہے "حب الدنیا رأس کل خطیئة" (مشکوٰۃ ۲/۴۴۴) اللہ فرماتے ہیں یہ تو فانی چیز ہے، بہت جلد ختم ہونے والی ہے، اس کے ساتھ دل کیا لگاتے ہو، اس کی مثال تو ایسی ہے کہ صبح کچھ اور شام کو کچھ، دن کو کیسے ہوتی ہے اور رات کو کیسے ہوتی ہے، سوائے اس کے نہیں دنیاوی زندگی کا حال تو ایسے ہے کہ جیسے ہم نے آسمان سے پانی اتارا، اس کے ساتھ نباتات خلط ملط ہو کے نکلتی ہیں جو انسان کے کام کی ہیں اور حیوان کے کام کی ہیں اور خوب اچھی طرح فصل اگتی ہے حتیٰ کہ جب زمین اپنی پوری طرح زینت اختیار کر لیتی ہے، مزین ہو جاتی ہے، آراستہ ہو جاتی ہے اور کھیت لہلاتے ہیں، پھل پک جاتے ہیں اور مالک ان کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور کہتے ہیں اب اس کی پیداوار پر ہم قادر ہیں یعنی اس کی پیداوار ہم

حاصل کریں گے، آجاتا ہے اس کے پاس ہمارا حکم دن کو یا رات کو اس سے عذاب مراد ہے کوئی آندھی اس قسم کی آئی جو سارے پھل گرا گئی، اولے پڑ گئے، ژالہ باری ہوگئی، سیلاب آگیا، ٹڈی دل آگیا، بنایا ہم نے اس زمین کو حصید یعنی جس کی فصل کٹی ہوئی تھی ایسی کردی جس کی فصل کاٹ دی گئی ہو یا ان نباتات کو ہم ریزہ ریزہ کردیتے ہیں گویا کہ وہ نباتات کل تھی ہی نہیں یعنی اس طرح ویرانی آجاتی ہے کہ وہاں کھڑے ہوکے آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ کل یہی کھیت تھے جو لہلہا رہے تھے جن کو دیکھ کر کسان خوش ہو رہا تھا اب ایسے ہوگئے کہ گویا کہ کل تھے ہی نہیں، ایسے ہی ہم کھول کھول کے بیان کرتے ہیں نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں، اس مثال کو اگر آپ سامنے رکھیں گے تو دنیا کا حال آپ کو ایسے ہی نظر آئے گا۔

دنیا کے اندر انسان جس کی محبت میں مبتلاء ہوتا ہے وہ یا تو مال ہے یا اولاد ہے، مال میں بھی ایسے ہوتا ہے کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے گا کہ انسان فوراً ہی تہی دست ہوجاتا ہے اور اولاد کے بارے میں ایسے ہی ہوتا ہے کہ بچہ پیدا ہوتا ہے یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ جیسے آسمان سے پانی اترتا ہے اور نسل بھی اسی انداز سے چلتی ہے، بچہ پیدا ہوتا ہے، بڑھتا ہے، آپ اپنے علم کے مطابق اس کو علم اور فضل سکھائیں گے، ہنر سکھائیں گے، جوان ہوگیا، تعلیم یافتہ ہوگیا، انجینئر بن گیا، ڈاکٹر بن گیا اور بہت بڑے عہدے کا مالک بن گیا، ماں باپ خوش ہوتے ہیں کہ اب ہم اس کی کمائی کھائیں گے، اب یہ ہمارے لیے باعث راحت ہوگا، بیسیوں امیدیں باندھ لیتے ہیں، صبح وشام اس طرح کے واقعات پیش آتے ہیں کہ اس قسم کا بچہ جس کے متعلق اس کے والدین نے یہ امیدیں لگائی ہوئی ہوتی ہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ ایک منٹ میں آنکھوں سے غائب ہوجاتا ہے، کسی حادثہ کا شکار ہوگیا، طبعی موت مرگیا، کیا ایسے واقعات پیش نہیں آتے؟ یقیناً پیش آتے ہیں جس طرح نباتات کی حالت ناپائیدار ہے کہ معلوم نہیں اللہ کی طرف سے کب عذاب آجائے اور اس کو صاف کرکے رکھ دے اسی طرح اولاد کے بارے میں یہی بات ہے اور خود اپنے بارے میں بھی تم سوچ لو ایسے ہی ہے، بڑھتے جارہے ہو، عروج کی طرف جارہے ہو، ترقی کی طرف تم جارہے ہو، تم سمجھتے ہو کہ اب ہم نے اس قسم کے فنون حاصل کرلیے ہیں، اس قسم کے اسباب پیدا کرلیے ہیں، اب اگلی زندگی آرام سے گزار سکتے ہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ اللہ ٹانگیں توڑ کے رکھ دیتا ہے، بازو توڑ دیتا ہے، آنکھوں سے اندھا کردیتا ہے، ساری صلاحیتیں ختم کردیتا ہے اور انسان ایک مٹی کا ڈھیر ہوجاتا ہے اس میں کوئی چیز

باقی نہیں رہتی تو دنیا کے اندر کونسی چیز ایسی ہے کہ جس میں صبح وشام ہم انقلاب نہیں دیکھتے یہ نشانیاں کھل کھل کے تمہارے سامنے آرہی ہیں تو پھر اس قسم کی فانی اور ضائع ہونے والی چیز جس پر ایک لمحہ کے لیے بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا اس کے ساتھ محبت لگا کے تم اللہ کے ساتھ بغاوت کرتے ہو یا اس کے مزے کے اندر مبتلاء ہو کے آخرت کی دائمی زندگی سے غفلت برتتے ہو یہ کونسی عقلمندی ہے؟ اس لیے مثالیں دے دے کے سمجھایا جا رہا ہے اگر غور کرو تو رات دن اور صبح وشام اس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں کہ جو انسان کو متنبہ کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں لیکن ان سے فائدہ وہی لوگ اٹھائیں گے جو تفکر کرتے ہیں، جو سوچتے ہیں، غور وخوض کرتے ہیں جب اس قسم کی مثالوں میں غور وخوض کریں گے تو پھر ان کو فنائے دنیا کا یقین آجاتا ہے پھر انسان دنیا کی محبت میں مبتلاء ہو کے اس قسم کی شرارتوں میں مبتلاء نہیں ہوتا۔

پانچویں آیت کا مفہوم:

"واللہ یدعو الیٰ دار السلام" دنیا تو حوادثات کی جگہ ہے، معلوم نہیں انسان کس وقت لٹ پٹ جائے گا لیکن جس زندگی کی نشاندہی اللہ کر رہا ہے کہ تم اس راستہ پر چلو تو تم دار السلام میں پہنچ جاؤ گے وہاں صرف اور صرف امن وسلامتی ہے، کوئی کسی قسم کی مصیبت کا اندیشہ بھی نہیں ہے، دار السلام سے مراد جنت ہے سلامتی کا گھر جس میں ہر طرح سے سلامتی ہوگی اور یہ آفات ومصائب وہاں نہیں ہوں گی، ماضی کا غم اور نہ ہی مستقبل کے متعلق فکر سلامتی کا حاصل یہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کو صراط مستقیم پہ چلاتا ہے اور اللہ کا چاہنا اس کی حکمت کے تحت ہوتا ہے اس میں وضاحت کر دی کہ جو اپنی طرف سے اخلاص برتیں گے، صدق دل کے ساتھ طلب حق کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے دیتا ہے۔

مؤمنین کا انجام:

"للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ" اب آگے دونوں فریقوں کا انجام بیان کیا جا رہا ہے، جو لوگ اچھے کام کرتے ہیں احسان سے احسان فی العبادت اور احسان فی المعاملات مراد ہے کہ ہر معاملہ کو اچھی طرح حل کرنا اور اللہ کی عبادت اس طرح کرنا کہ گویا کہ انسان اللہ کے سامنے ہے ان کے لیے اچھی حالت ہے اور ان کے اوپر زیادتی بھی ہے اور اچھی حالت سے مراد ہے کہ نیکیوں کے برابر اللہ تعالیٰ بدلہ دیں گے اور ساتھ زیادہ بھی دیں

گے "من جاء بالحسنة فله عشر امثالها" اور پھر "عشر امثالها" تک محدود نہیں، سات سو گنا تک بھی بدلہ دیں گے اس سے بھی زائد دیں گے اور زیادت کا مصداق بعض روایات میں حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ کی زیارت بھی نصیب ہوگی یہ گویا کہ اللہ کی طرف سے جنت کی نعمتوں کے مقابلہ میں اضافہ ہے، آبرو والے ہوں گے، اور چہرے کے اوپر رونق ہوگی، کوئی ذلت ان کے اوپر نمایاں نہیں ہوگی، نہیں ڈھانپے گی ان کے چہروں کو تاریکی، اس سے مراد مایوسی والی تاریکی ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ انسان جس وقت خوش ہوتا ہے تو اس کا چہرہ چمکتا ہے اور جس وقت کوئی مایوسی طاری ہو جائے اور کوئی غم طاری ہو جائے تو چہرے کی رونق ختم ہو جاتی ہے یہاں وہی سیاہی مراد ہے، نہیں ڈھانپے گی ان کے چہروں کو کوئی سیاہی اور نہ کوئی ذلت "اولئك اصحاب الجنة" یہی لوگ جنت والے ہیں "هم فيها خالدون" اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

کافروں کا انجام:

اب مقابلہ میں دوسرے لوگوں کا انجام آگیا کہ جو لوگ برائیاں کرتے ہیں، برائی کا بدلہ ہے اس کے برابر وہاں اللہ زیادتی نہیں کرے گا وہاں برائی کا بدلہ برائی کے برابر ملے گا "وترهقهم ذلة" اور ان کو ذلت ڈھانپ لے گی یعنی دیکھتے ہی معلوم ہوگا کہ بڑے ذلیل لوگ ہیں کس طرح ان کے اوپر ذلت طاری ہے اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے بچانے والا ان کو کوئی نہیں ہوگا اور ان کے اوپر سیاہی اس طرح چڑھی ہوئی ہوگی گویا کہ ان کے چہروں کو رات کے ٹکڑوں نے ڈھانپ لیا ہے، تہہ بتہہ ان کے اوپر تاریکی ڈال دی گئی یہ وہی غم اور مایوسی والی سیاہی ہے یہی لوگ جہنم والے ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

مشرکوں سے ان کے شرکاء کا بیزاری کا اعلان:

اور دنیا میں انہوں نے جو سہارے تلاش کر رکھے ہیں جیسے سورۂ عنکبوت کے اندر آئے گا وہ وہاں جا کے نہایت ہی کمزور ثابت ہوں گے، کچھ کام نہیں آئیں گے وہاں مثال آئے گی کہ یہ جو انہوں نے سہارے بنا رکھے ہیں وہ ایسے ہی ہیں جیسے مکڑی کا جالا، مکڑی بھی اپنا گھر بناتی ہے "اوهن البيوت" مکڑی کا گھر ہے اس طرح انہوں نے جو سہارے تلاش کر رکھے ہیں وہ وہاں جا کے ان کے لیے مصیبت بن جائیں گے "يوم نحشرهم جميعاً" جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے اپنی جگہ ٹھہرے رہو تم بھی اور تمہارے

شرکاء بھی پھر ہم ان کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے یعنی ان کی آپس میں لڑائی کروائیں گے، پوجنے والے کہیں گے ہم تمہیں پوجتے تھے آج تم ہمیں اللہ کے عذاب سے بچاؤ، قرآن کریم کی بہت ساری آیات میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ اتباع کرنے والے اپنے متبوعین سے جھگڑیں گے ہم ان کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے، ان کے تعلقات قطع کر دیں گے، کہیں گے شرکاء " ما کنتم ایا نا تعبدو ن " تم ہماری پوجا نہیں کرتے تھے، وہ ان کی عبادت کا سرے سے ہی انکار کر دیں گے۔

"و کفی با للہ شھیدا" یہ لفظ بطور قسم کے ہیں کہ اللہ گواہ کافی ہے ہمارے اور تمہارے درمیان کہ ہم تو تمہاری عبادت سے ویسے ہی بے خبر تھے، ہمیں تو پتہ ہی نہیں تھا کہ تم ہماری عبادت کرتے تھے "ان کنا عن عبادتکم لغافلین" ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے۔

آیت مذکورہ میں شرکاء کا مصداق اور مختلف صورتیں:

اب یہاں شرکاء کا مصداق کیا ہے؟ قرآن کریم کی آیات کو اگر تفصیل کے ساتھ دیکھا جائے تو یہ بات واقعی سامنے آجاتی ہے کہ مشرک قوموں نے صالحین کو پوجا، انبیاء علیہم السلام کی عبادت کی جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پوجا، یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو معبود بنایا انبیاء علیہم السلام کو پوجا، صالحین کو پوجا، ملائکہ کو پوجا، جنات کی پوجا بھی کرتے تھے، لوگوں نے درختوں کو پوجا، سورج کو پوجا، چاند کو پوجا، پتھر کی مورتیوں کو پوجا، جس کی وضاحت آپ کے سامنے ایک مرتبہ کی تھی جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ شرک کی بنیاد اگرچہ اشخاص پرستی سے ہوئی تھی وہ تصویریں اگرچہ انہی اشخاص کی یاددہانی کے لیے بناتے تھے لیکن بعد میں جہالت کی وجہ سے معاملہ اتنا خلط ملط ہوا کہ پھر وہ شخصیات نظروں سے اوجھل ہوگئیں اور یہ مورتیاں ہی سامنے رہ گئیں اور ان مورتیوں کے ساتھ ہی وہ ایسا برتاؤ کرتے تھے جیسا برتاؤ شخصیات کے ساتھ کیا جاتا ہے پھر ان کے سامنے وہ شخصیات نہیں بلکہ پتھر کے بنے ہوئے بت تھے۔

عرض کرنے کا مقصد ہے کہ یہ بے جان چیزوں کو بھی پوجتے تھے اور جاندار چیزوں کو بھی پوجتے تھے، جاندار میں سے مقبولین کو بھی پوجتے تھے اور غیر مقبولین کو بھی پوجتے تھے، روایات کے اندر اس قسم کا ذکر آتا ہے تو یہاں اگر شرکاء سے مراد بے جان چیزیں لی جائیں تو پھر ان کا یہ کہنا کہ تم ہمیں نہیں پوجتے تھے، ان کا یہ بولنا اللہ کی

حکمت کے تحت ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کو بولنے کی طاقت دے دے گا تو پھر یہ اینٹ اور پتھر اور یہ پیتل اور یہ لکڑی وغیرہ سب بولیں گے اور بول کے کہیں گے تم ہماری پوجا نہیں کرتے تھے ہماری پوجا کیسے ہوگئی؟ کیا ہم نے تمہیں کہا تھا؟ کیا ہم تمہاری پوجا پہ راضی تھے؟ ہمیں تو سرے سے خبر ہی نہیں تھی کہ تم ہمیں پوج رہے ہو یہ ان کا بولنا اللہ کی قدرت کے تحت ہوگا، مقصد ہوگا مشرکین کی مایوسی کو بڑھانا کہ جن چیزوں کے ساتھ ہم نے عقیدت لگائی تھی آج انہوں نے ہمیں یہ جواب دے دیا۔

اور اگر وہ جاندار چیزیں تھی مثال کے طور پر ملائکہ تھے یا صالحین تھے وہ بھی اس طرح کہیں گے کہ تم ہماری پوجا نہیں کرتے تھے، ہماری پوجا تو تب سمجھی جائے کہ ہم اس پر راضی ہوتے، ہماری پوجا تو تب ہوتی کہ ہم نے تمہیں کہا ہوتا کہ ہمیں پوجو، اپنے طور پر تم نے ہمارے متعلق عقیدے بنائے اور اپنے خیال کے مطابق تم نے ہمیں پوجا اس کی ذمہ داری ہم پر تو نہیں ہے یہ تو سارے کا سارا شیطانی سلسلہ تھا شیطان نے تمہیں سکھایا تھا چاہے تم نے نام ہمارا لیا، پوجا ہماری کرتے رہے یہ پوجا ہماری نہیں تھی حقیقت کے اعتبار سے شیطان کی پوجا تھی فرشتوں کی طرف سے بھی یہی جواب ہوگا۔

اور پھر ان کا یہ کہنا کہ ہمیں پتہ بھی نہیں تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے اللہ کی طرف سے جن کاموں پہ متعین ہیں وہ اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں انہیں کیا پتہ کون پکار رہا ہے کون نہیں پکار رہا اور اسی طرح یہ انبیاء علیہم السلام ہوں یا صالحین ہوں ان کے متعلق کوئی ثبوت نہیں کہ جہاں سے پکارو، جب پکارو، جو کہو سنتے ہیں اور تمام لوگوں کی تفصیلات ان کے سامنے ہوں کہ فلاں بھی ہماری عبادت کر رہا ہے اور فلاں بھی ہماری عبادت کر رہا ہے اس قسم کی تفصیلات کا انبیاء علیہم السلام کے علم میں آنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے اپنے طور پر لوگوں نے اوہام پرستی کر لی، نام انبیاء علیہم السلام کا لے لیا، اولیاء کا لے لیا اور ملائکہ کا لے لیا پوجا شیطان کی ہے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ تمام تفصیلات ان کے سامنے جاتی ہیں اس لیے اگر وہ قسم کھا کے بھی کہہ دیں کہ ہمیں تمہاری عبادت کی کوئی خبر نہیں ہے کہ تم ہماری عبادت کر رہے تھے یہ بات بھی اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہے کیونکہ وہ عبادت ان کی تھی ہی نہیں وہ شیاطین کی عبادت تھی۔

اور اس کا ایک مطلب یہ بھی ذکر کیا گیا ہے اگر اس سے مراد انبیاء علیہم السلام ہوں تو ان کی طرف سے یہ جواب بھی ملے گا کہ ہمیں کیا خبر تھی کہ تم ہماری عبادت کرنے لگ جاؤ گے ہم جب اپنی زندگی میں تمہارے پاس رہتے تھے

تمہارے اندر موجود تھے اس بات سے بے خبر تھے کہ تم ہماری عبادت کیا کرو گے، ہم نے کب کہا تھا کہ تم ہماری عبادت کرنا؟ یعنی ہم اپنی زندگی کے اندر یہ بات جانتے بھی نہیں تھے کہ تم ہمارا یہ حال کرو گے، ہم تمہاری عبادت سے جو تم نے ہماری کی اپنی زندگی میں بے خبر تھے، اس قسم کا مضمون اس آیت کے اندر بیان کیا گیا ہے حضرت شیخ الاسلام ؒ نے بھی اس موقع پر یہی ساری صورتیں ذکر کی ہیں۔

آیت بالا عدم سماع موتی کے بارے میں قطعی نہیں:

اس تفصیل کے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسئلہ ہے سماع موتی کے بارے میں جو آپ کے سامنے اجمالاً ذکر کیا تھا اور تفصیلی ذکر آگے آئے گا، یہ مسئلہ امت کے اندر مختلف فیہ ہے، دونوں طرف گنجائش ہے، اور آج کل کے جو لوگ ہیں وہ عدم سماع کو قطعی قرار دیتے ہیں اور سماع کا قول کرنے والوں کو مشرک قرار دیتے ہیں وہ اپنی دلیل کے اندر اس آیت کو بھی لاتے ہیں کہ دیکھو! وہ قسمیں کھا کے کہیں گے کہ ہمیں تو تمہاری عبادت کی خبر ہی نہیں تھی جس کا مطلب یہ ہوا کہ لوگ ان کو پکارتے ہیں تو وہ سنتے نہیں ہیں، لوگ ان کے اوپر چڑھاوے چڑھاتے ہیں تو انہیں کوئی خبر نہیں ہے، یہ تفصیل میں نے آپ کے سامنے اس لیے عرض کر دی کہ یہ استدلال ٹھیک نہیں ہے اور اسلاف نے جہاں بھی اس سماع موتی کے مسئلہ کو بیان کیا ہے کسی نے بھی اس آیت سے استدلال نہیں کیا وہ ساری بات "انك لا تسمع الموتى، ما انت بمسمع من في القبور، ان تدعوهم لايسمعوا دعاء كم " ان آیات پر یہ بحث کرتے ہیں، سماع کی کیا صورت ہے کیا صورت نہیں ہے، ان آیات کو سماع کے مسئلہ کے لیے قطعی قرار دینا یہ اسلاف کا مسلک نہیں ہے اور یہ بات متعین ہے کہ کسی کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ ہر بات سنتا ہے ہر وقت سنتا ہے ہر جگہ سنتا ہے یہ بالکل شرک ہے اور مشرکین کا اپنے معبودوں کے متعلق یہی عقیدہ تھا اور سماع کا قول کرنے والوں کا یہ عقیدہ قطعاً نہیں کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے متعلق وہ عقیدہ رکھیں کہ ہر وقت سنتا ہے ہر جگہ سنتا ہے ہر بات سنتا ہے ہر کسی کی سنتا ہے یہ صفت اللہ کے ساتھ خاص ہے اور اللہ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ لگائی جائے گی تو یقیناً ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہوگا، مشرکین کا ایسا ہی عقیدہ تھا اور جو علماء حق سماع کا قول کرتے ہیں ان کا یہ مسلک نہیں، وہ سماع فی الجملہ کے قائل ہیں اس لیے کسی متعین بات کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے سوائے ان چند باتوں کے جو حدیث شریف میں آگئیں ان کے علاوہ ہم کسی بات کے متعلق یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ یہ بھی انہوں نے سن لی ہے، جن کی صراحت

ہے ان کے متعلق ہم سماع کا قول کرتے ہیں جیسے سلام اور پاؤں کی آہٹ کا ذکر صراحتاً روایت میں آ گیا اس کے علاوہ باقی چیزیں اللہ کی مشیت کے تحت ہیں اگر اللہ چاہے تو سنا دے اور وہ سن لے اگر اللہ نہ چاہے تو وہ نہ سن سکیں اللہ کی مشیت کے تحت ہے، ضابطہ نہ نا سننے کا ہے اور نہ سننے کا ہے، امکان کے درجے میں اس بات کو مانتے ہیں، امتناع کے درجے میں یہ بات نہیں کہ ان کا سننا ممتنع ہے، اس مسئلہ میں یہ ہے اہل حق کا عقیدہ، وضاحت ان شاء اللہ پھر کسی موقع پر کریں گے، بہر حال اسلاف نے اس آیت کو پیش کر کے عدم سماع کو قطعی ثابت نہیں کیا یہ موجودہ دور کے متشددین کا اپنا اجتہاد ہے اس میں یہ ساری صورتیں آ گئیں جو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کر دیں کہ جب انہوں نے کہا نہیں، وہ ان کی عبادت پہ خوش نہیں، ان کی طرف متوجہ نہیں کہاں کہاں سے کون کون پکارتا ہے تفصیل یقیناً نہیں جانتے تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ نہ تو یہ ہماری پوجا کرتے تھے اور نہ ہمیں تمہاری پوجا کی خبر تھی کہ تم ہماری عبادت کرتے تھے نہ زندگی میں ہمیں پتہ تھا کہ تم مرنے کے بعد ہماری عبادت شروع کر دو گے اس آیت کا یہ مفہوم ہوگا اور عدم سماع کے بارے میں اس آیت کو قطعی قرار دینا یہ اسلاف کی رائے کے خلاف ہے۔

آخری آیت کا مفہوم:

"ھنالك تبلوا كل نفس ما اسلفت" ہر نفس اس وقت آزمائے گا جو کچھ اس نے آگے بھیجا، آزمانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا نتیجہ اس کے سامنے آ جائے گا کہ ہمارے اعمال کی حقیقت کیا ہے اور اللہ کی طرف ہی یہ لوٹا دیے جائیں گے جو ان کا مولا حقیقی ہے اور جس قسم کی یہ جھوٹی باتیں بنایا کرتے تھے کہ فلاں ہمیں چھڑا لے گا یہ نوبت نہیں آئے گی کہ ہمیں سزا ملے یہ سب باتیں ان سے گم ہو جائیں گی، کوئی بات بھی ان کے سامنے ثابت نہ رہی۔

کشف سے اہل حق کے مسلک کی تائید:

حضرت فضل علی شاہ صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ مسکین پور والے ان کی سوانح میں ایک واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک دفعہ وہ اُچ شریف گئے انہوں نے مراقبہ کیا جب مراقبہ کیا تو دیکھا کہ قبر خالی ہے اور وہاں کچھ بھی نہیں ہے اور کچھ دیر بعد روشنی ہوئی اور وہ بزرگ تھوڑی دیر بعد قبر میں تشریف لے آئے، میں نے پوچھا کہ پہلے کہاں چلے گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب عرس کے دن ہوتے ہیں تو لوگ کثرت کے ساتھ آتے ہیں اور یہاں آ کے بہت ہی بری

بری حرکتیں کرتے ہیں جن سے مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے تو میں یہاں نہیں رہتا میں مدینہ منورہ میں چلا جاتا ہوں اب آپ نے جس وقت مراقبہ کیا تو مجھے اللہ کی طرف سے اطلاع آئی کہ ہمارا ایک ولی آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تو مجھے وہاں سے بھیجا گیا۔

اب یہ ان کا کشف ہے، یہ نیک لوگوں میں سے تھے، بہت ہدایت ان کی وجہ سے پھیلی تو ان کے کشف کا بھی اگر اعتبار کیا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ پچھلے لوگوں کے حالات سے بے خبر رہتے ہیں کہ یہ کیا کرتے ہیں کیا نہیں کرتے، جب ان کو ان سے کوئی دلچسپی ہی نہیں، وہ ان کی حرکات پہ خوش ہی نہیں تو یہ جو چاہیں کرتے رہیں ان کو کیا پتہ یہ کیا کرتے ہیں لیکن اسی کشف سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان کا حال تو ان کو پتہ چل گیا اللہ کے اطلاع دینے کے ساتھ اور وہ آ بھی گئے اور آپس میں ملاقات ہو کے گفتگو بھی ہو گئی اور ساتھ یہ بھی ہے کہ عام لوگوں کے حال کی ان کو کوئی خبر نہیں، وہ اپنی توجہ اللہ کی طرف رکھتے ہیں اس لیے کہہ سکتے ہیں ہمیں کیا پتہ یہ کیا کر رہے ہیں، نہ یہ ہماری مرضی کے مطابق کر رہے ہیں اور نہ ہم ان کے اوپر خوش ہیں اور نہ ہم نے ان کو دعوت دی ہے لیکن اس کے ساتھ دوسرا پہلو بھی نمایاں ہو گیا کہ جب اللہ چاہتا ہے ان کی روحوں کو متوجہ کر دیتا ہے متوجہ ہونے کے ساتھ اہل کشف رابطہ بھی کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے کے حال کی خبر بھی ہو جاتی ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ

آپ پوچھیے کون تمہیں رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے یا کون ہے جو مالک ہے کانوں کا

وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ

اور آنکھوں کا اور کون ہے جو نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے اور نکالتا ہے بے جان کو

مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ

جاندار سے اور کون ہے جو امر کی تدبیر کرتا ہے تو پھر وہ ضرور کہیں گے اللہ آپ کہہ دیجیے کہ

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا

کیا پھر تم شرک کرنے سے بچتے نہیں؟ ﴿۳۱﴾ یہ اللہ تمہارا رب حقیقی ہے، کیا ہے حق کے بعد سوائے

الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى

گمراہی کے پھر تم کدھر پھرے جاتے ہو ﴿۳۲﴾ ایسے ہی ثابت ہوگئی تیرے رب کی بات ان لوگوں پر

الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ

جو نافرمان ہیں کہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۳۳﴾ آپ کہہ دیجیے کہ کیا ہے تمہارے شرکاء میں سے کوئی

مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

جو ابتداء کرتا ہو پیدا کرنے کی پھر لوٹاتا ہو آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی ابتداء کرتا ہے پیدا کرنے کی پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ

پھر تم کدھر لوٹائے جاتے ہو؟ ﴿۳۴﴾ آپ کہہ دیجیے کہ کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ہے جو راہنمائی کرتا ہو حق کی طرف

قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ

آپ کہہ دیجیے کہ اللہ راہنمائی کرتا ہے حق کی طرف، کیا پھر وہ جو راہنمائی کرے حق کی طرف وہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے

اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّهْدٰیۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۳۵

یا وہ شخص جو ہدایت نہیں پاتا مگر یہ کہ اس کو ہدایت دی جائے تمہیں کیا ہو گیا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو ۝۳۵

وَمَا یَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّاؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔاؕ

نہیں پیروی کرتے ان کے اکثر مگر ظن کی بے شک گمانات نہیں مفید ہوتے حق کے ثابت کرنے میں کچھ بھی

اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۝۳۶ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ

بیشک اللہ جاننے والا ہے ان کاموں کو جو یہ کرتے ہیں ۝۳۶ نہیں ہے یہ قرآن کہ

یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ

تراشا جائے اللہ کے علاوہ کی طرف سے لیکن یہ تصدیق ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے گزری

وَتَفْصِیْلَ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۳۷ اَمْ یَقُوْلُوْنَ

اور لکھے ہوئے احکام کی تفصیل ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے یہ رب العالمین کی طرف سے ہے ۝۳۷ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس رسول

افْتَرٰىهُؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ

نے اس کو گھڑ لیا ہے آپ کہہ دیجیے کہ لے آؤ اس جیسی کوئی سورۃ اور بلا لو ان سب کو جن کی تم طاقت رکھتے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۳۸ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا

اللہ کے علاوہ اگر تم سچے ہو ۝۳۸ بلکہ انہوں نے جھٹلایا اس چیز کو جس کا انہوں نے احاطہ نہیں کیا ہے

بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اپنے علم کے ساتھ اور ابھی تک نہیں آیا اس کا انجام، اسی طرح جھٹلایا تھا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے تھے

فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ۝۳۹ وَمِنْهُمْ مَّنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ

پس آپ دیکھیے کیسا انجام ہوا ظالموں کا ۝۳۹ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس قرآن کے ساتھ ایمان لائیں گے

وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٤٠﴾

اور بعض ہیں جو اس کے ساتھ ایمان نہیں لائیں گے اور آپ کا رب خوب جانتا ہے فساد کرنے والوں کو ﴿٤٠﴾

تفسیر

ماقبل سے ربط:

شروع سورۃ سے رد شرک کا مضمون چلا آ رہا ہے اور یہ ساری آیات اسی سے ہی متعلق ہیں۔

پہلی آیت کا مفہوم:

پہلے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ فرمایا ہے اور ان کے مسلمات سے استدلال کیا ہے، یہ پہلے آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا کہ مشرک بھی ساری کائنات کا مالک اور خالق اللہ کو مانتے تھے اور بڑا منتظم اور حاکم اعلیٰ بھی اللہ ہی کو مانتے تھے لیکن اس کے نیچے انہوں نے کچھ شفعاء بنا رکھے تھے جن کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کو بنایا اگرچہ اللہ نے ہے لیکن اب ان کی حیثیت یہ ہے کہ جو معاملات ان کے اختیار میں دے دیے گئے ہیں اب وہ انہی سے مانگنے چاہئیں یہی اس کو دینے کے مختار ہیں اب ان چیزوں کے لیے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ اس کی پوری وضاحت حکومت کی مثال کے ساتھ گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان آیات میں یہی ظاہر فرماتے ہیں کہ ہر قسم کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہے، تمہاری ہر ضرورت وہی پوری کرتا ہے، اللہ نے اپنا کوئی شفیع اور نائب نہیں بنایا کہ جس کو اس قسم کے اختیارات دے دیے ہوں کہ جو چاہے کرے، جس کو چاہے دے جس کو چاہے نہ دے یہ تمہاری غلط بیانی ہے، جب تم اللہ کی قدرت کو مانتے ہو، اس کے خلق کو مانتے ہو تو پھر سارے کا سارا عبادت کا تعلق، عقیدت کا تعلق بھی اسی کے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔

آپ ان سے پوچھیے، پوچھ کر ان کو متوجہ کرنا مقصود ہے کہ تمہیں کون رزق دیتا ہے آسمان سے اور زمین سے؟ یہ رزق جو ہمیں ملتا ہے یہ زمین اور آسمان دونوں طرف سے ہے، بعض چیزیں ایسی ہیں جو رزق مہیا کرنے کے لیے آسمان سے مہیا ہوتی ہیں جیسے بارش، سورج کی گرمی، چاند کی روشنی اور ستاروں کے اثرات جس سے پھل پکتے ہیں اور مٹھاس پیدا ہوتی ہے، پھولوں میں رنگت آتی ہے اور یہ فصل سورج کی گرمی کے ساتھ ہی پکتی ہے یہ سارے اثرات آسمان کی طرف سے آتے ہیں۔

اورزمین سے وہ انگوری اگتی ہے، فصل بڑھتی ہے، یہ ساری چیزیں کس کے اختیار میں ہیں؟ تمہیں آسمان اورزمین سے رزق کون دیتا ہے یعنی آسمان اورزمین کی طرف سے اسباب کون مہیا کرتا ہے؟

یا تمہارے کانوں یا آنکھوں کا مالک کون ہے؟ تمہارے کانوں اور آنکھوں پر کس کا زور چلتا ہے؟ یہ بات بھی ایسی ہے جس کا جواب ان کی طرف سے متعین ہی ہوگا جس طرح پہلی بات کا جواب متعین ہے کیونکہ یہ روزمرہ کے واقعات ہیں کہ ایک بیٹا ماں کے پیٹ سے اگر اندھا پیدا ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے بینائی نہیں دے سکتی، بہرا پیدا ہو جائے تو اس کو کوئی شنوائی نہیں دے سکتا اور سننے والا پیدا ہونے کے بعد، دیکھنے والا پیدا ہونے کے بعد مختلف حالات کے تحت پھر یہ بینائی واپس لے لی جاتی ہے ساری کائنات اس کے مقابلہ میں عاجز ہے، کوئی دوبارہ یہ نعمتیں مہیا نہیں کرسکتا، یہ واقعات روزمرہ سامنے آتے ہیں تو انسان یہ کہنے پر مجبور ہے کہ ان چیزوں پر اختیار اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کا نہیں ہے، یہ کوئی غیبی طاقت ہے جس کے کنٹرول میں ساری چیزیں ہیں، جب چاہے کسی کو آنکھ دے، جب کسی سے چھین لے، جب چاہے کسی کو سننے والا کان دے دے، جب چاہے چھین لے، ان پر بھی اختیار اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

اور ان سے یہ پوچھو کہ زندہ چیز سے بے جان کو کون پیدا کرتا ہے؟ اس کے بھی مشاہدے موجود ہیں جیسے انڈہ ہے اس میں سے بچہ نکل آتا ہے یا بے جان چیز پانی کا قطرہ ہے اس میں سے انسان نکل آتا ہے اور کون نکالتا ہے بے جان چیز کو جاندار چیز سے جیسے مرغی سے انڈہ پیدا ہو گیا انسان سے پانی جو ٹپکا تو وہ بھی بے جان ہوتا ہے یہ تصرفات کہ بے جان سے جاندار کو نکالنا یہ اللہ کی ایک عظیم قدرت ہے جس پر اگر انسان غور کرے تو معلوم ہوگا کہ اللہ اضداد پر کس طرح قدرت رکھتا ہے کہ جب چاہے کسی چیز کو موت دے دے، جب چاہے کسی کو زندگی دے دے، زندگی والی چیز سے ایسی چیز نکال دے جس پر موت کے آثار ہیں، موت والی چیز سے ایسی چیز نکال لے جس پر زندگی کے آثار ہیں تو جب یہ اللہ کی قدرت سمجھ میں آئے گی تو وہ لوگ جو معاد کے بارے میں شک کرتے تھے کہ ان کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد، بے جان ہونے کے بعد ان میں جان کون ڈال سکتا ہے؟ اس قسم کے واقعات میں غور کرنے کے بعد انسان کا ذہن ہموار ہوتا ہے اس عقیدے کو قبول کرنے کے لیے کہ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے کہ بے جان چیز میں اللہ تعالیٰ جان ڈال دے۔

"و من یدبر الامر" اور امر کی تدبیر کون کرتا ہے؟ یعنی اس کائنات کے اندر مدبر اعلیٰ کون ہے؟ تو ان سب کے جواب میں کہیں گے "اللہ" کیونکہ ان چیزوں پر تو ان کا اتفاق ہے، ان چیزوں کو تو وہ مانتے ہیں پھر کونسی ضرورت پیش آگئی جس کی بناء پر تم اللہ کے ساتھ شریک بنانے لگ گئے؟ جب ساری قدرتیں، ساری ضرورتیں اللہ کے اختیار میں ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ تم کسی دوسرے کو شریک مانو؟ پھر تم شرک کرنے سے بچتے کیوں نہیں ہو؟ تمہیں اس بات سے بچنا چاہیے کہ تم اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہراؤ یا یہ کہ ان سب مقدمات کو ماننے کے بعد ان کا نتیجہ تو بالکل واضح ہے اور اس نتیجہ کو تسلیم کرنا چاہیے تو اپنے مسلمات کے خلاف ایک عقیدہ تم تجویز کرتے ہو اور ایک نظریہ رکھتے ہو تو کیا تم اس کے انجام سے ڈرتے نہیں ہو؟ "افلا تتقون" یہ اس کے اوپر تنبیہ ہے کہ ساری بنیادی باتیں مانے بیٹھے ہو پھر اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو عبادت میں شریک نہیں ٹھہرانا چاہیے تو ان سب باتوں کو تسلیم کرنے کے بعد تمہیں شرک والی بات سے بچنا چاہیے اور مشرک کے انجام سے ڈرنا چاہیے۔

دوسری آیت کا مفہوم:

یہی اللہ جس کے یہ سارے کے سارے اختیارات ذکر کیے گئے ہیں یہی تمہارا رب حقیقی ہے، جب حق یہی ہوا کہ یہی تمہارا رب ہے اور یہی تمہاری ضرورتیں پوری کرتا ہے، تمہاری ہر ضرورت اسی سے متعلق ہے جیسے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی کی جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ سے مانگو، تمہیں اگر نمک کی ضرورت ہو تو وہ بھی اللہ سے مانگو (مشکوٰۃ ۱/۱۹۶)، مشرکین کے ذہن کے اندر ایک بات یہ بھی تھی کہ اللہ تو بہت بڑا ہے، اب اس کے سامنے چھوٹی موٹی باتوں کی درخواست دیں یہ تو اللہ کی شان کے خلاف ہے اس کو تو بڑے بڑے کاموں کے لیے پکارنا چاہیے، چھوٹی موٹی باتوں کا اللہ سے سوال کرنا یہ تو اس کی شان کے خلاف ہے اس لیے حضور ﷺ نے دعاؤں کے اندر تاکید کی کہ اگر اللہ سے سونے کا پہاڑ مانگو یا جوتی کا تسمہ مانگو اللہ کی قدرت کے سامنے دونوں برابر ہیں، یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سونے کا پہاڑ دینا مشکل ہے اور جوتی کا تسمہ دینا آسان ہے اس کے لیے تو جیسے نمک کی ایک ڈلی دینی آسان ہے اسی طرح سونے کا پہاڑ بھی اس کے لیے آسان ہے، اس کی قدرت کے سامنے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ تمہیں دے گا وہی جس میں اس کی حکمت ہوگی اور جس کا دینا تمہارے لیے اس کی رحمت کا

تقاضا ہوگا ورنہ اللہ کے سامنے کوئی چیز بڑی اور چھوٹی نہیں ہے اس کے سامنے تو سب ایک ہیں تو یہ ذہن کہ اللہ تعالیٰ سے بڑی چیز مانگنی چاہیے چھوٹی موٹی چیزوں کا اللہ سے سوال کیا کرنا اس کی بنیاد میں یہ بات موجود ہے گویا کہ اللہ کے نزدیک کوئی چیز حقیر ہے اور کوئی چیز عظیم ہے، کسی کا دینا اس کی شان کے لائق ہے، کسی کا دینا اس کی شان کے لائق نہیں ہے یہ بات غلط ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب برابر ہے، بڑی سے بڑی مانگو اس کے لیے ایسے ہی ہے جیسے چھوٹی سے چھوٹی تو یہ تفریق کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے خصوصیت کے ساتھ حضور ﷺ نے متوجہ کیا ہے کہ نمک کی ضرورت ہو تو بھی اللہ سے کہو، اگر جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو بھی اللہ سے کہو تا کہ یہ ذہن ختم ہو کہ اللہ سے بڑی چیز مانگی جا سکتی ہے چھوٹی کے لیے چھوٹے چھوٹے لوگ ہونے چاہئیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

اور جب یہ تمہارا رب ہے اور یہ حق ہے تو پھر اس کے بعد کیا بچ گیا ہے اگر اس کے علاوہ کسی دوسرے کو الٰہ مانو گے، کسی دوسرے کو ضرورتیں پوری کرنے والا سمجھو گے تو سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں ہے "فانّٰی تصرفون" تم کدھر پھرے جاتے ہو؟ یہ سیدھی بات تمہاری عقل میں کیوں نہیں آتی؟

تیسری آیت کا مفہوم:

"کذلك حقت کلمت ربك علی الذین فسقوا انھم لایومنون" اس آیت کا تعلق سرور کائنات ﷺ کی تسلی کے ساتھ ہے کہ آپ اپنی طرف سے کوشش کرتے ہیں یہ نہیں مانتے تو ان کی طرف سے غم نہ کریں یہ فاسق ہیں، یہ نافرمان ہیں، فسق و فجور ان کی طبیعت ثانیہ بن چکا ہے اور جو بھی فاسق لوگ ہوتے ہیں ان کے بارے میں تو اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ مانیں گے نہیں، مانے گا وہی جس کے اندر اطاعت کا جذبہ ہوگا، جس کے دل میں یہ تصور ہو کہ میں کسی کی بات مان لوں اور جس کی فطرت ہی باغی ہوگئی اس کو چاہے جتنا سمجھا لو کسی صورت میں ماننے والا نہیں، ایسے ہی ثابت ہوگیا تیرے رب کا کلمہ یعنی تیرے رب کی بات ان لوگوں پر جو نافرمان ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی اس قسم کے فاسق لوگوں کے لیے یہی اللہ کا فیصلہ ہے۔

چوتھی اور پانچویں آیت کا مفہوم:

آگے پھر ان کے مسلمات کو ذکر کیا جا رہا ہے جیسے پہلے بھی یہ بات گذر چکی ہے، آپ ان سے پوچھیے کہ کوئی ہے تمہارے شرکاء میں سے ایسا کہ جو ابتداءً پیدا کرتا ہو کسی کے متعلق تمہارا عقیدہ ہے؟ جب ابتداء پیدا کرنے

والانہیں تو لوٹانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہے کوئی جو ابتداءً پیدا کرے پھر اس کا اعادہ کرے آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی ابتداءً پیدا کرتا ہے اور پھر اس کے بعد اعادہ بھی وہی کرے گا، جس کے اختیار میں پہلے پیدا کرنا ہے اسی کے اختیار میں بعد میں پیدا کرنا ہے "فانیٰ توفکون" پھر تم کہاں لوٹائے جاتے ہو۔

"قل هل من شرکاء کم من یهدی الی الحق" اس میں یہ بات کہی جارہی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو الٰہ مانتا ہے یا رب مانتا ہے تو یہ محض دل بہلانے والی بات نہیں ہے بلکہ کسی کو رب ماننا یا کسی کو الٰہ ماننا یہ انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے، باقی ضروریات بھی اس سے پوری ہوتی ہیں اور ایک سب سے بڑی بات کہ جو انسان کی زندگی کے اندر راہنمائی کرے، اس کو اچھائی اور برائی کی تمیز دے، یہ بتائے کہ یہ چیز تمہارے لیے نفع مند ہے اور یہ تمہارے لیے نفع مند نہیں ہے یہ بھی ایک ضرورت ہے الٰہ ماننے کی، تو یہ ضرورت کہ انسان کی زندگی کے اندر وہ راہنمائی کا باعث بنے کیا تمہارے معبودوں میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف ہدایت کرے آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے "افمن یهدی الی الحق" کیا پھر وہ شخص جو حق کی طرف ہدایت کرے زیادہ حق دار ہے کہ اس کی اتباع کی جائے یا وہ جو راستہ پاتا ہی نہیں مگر یہ کہ اس کو راستہ دکھایا جاتا ہے یعنی وہ خود راہنمائی کا محتاج ہے جب تک اسے ہدایت نہ دی جائے وہ خود اس وقت تک ہدایت پاتا ہی نہیں اور اس سے آگے کی بات یہ ہے کہ اگر وہ اس قسم کا بے استعداد ہے، بے جان ہے کہ جب تک اس کی کوئی راہنمائی نہ کرے اس کو خود راستے کا پتا نہیں چلتا تو اس کی اتباع کا کیا حق ہوا؟ "فما لکم کیف تحکمون" تمہیں کیا ہو گیا تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ یعنی یہ ضرورت جو الٰہ سے متعلق ہے وہ بھی ان سے پوری نہیں ہوتی وہ بھی اللہ سے پوری ہوتی ہے کہ تمہارے نفع اور نقصان کی بات وہی بتاتا ہے۔

چھٹی آیت کا مفہوم:

" وما یتبع اکثرهم الا ظنا" باقی یہ بات کہ یہ بھی تو عقیدے بنائے بیٹھے ہیں، ان کے عقیدوں کی بنیاد کسی دلیل پر نہیں، نہ عقلی دلیل پر ہے نہ نقلی دلیل پر ہے "ما انزل الله بها من سلطان" جیسا کہ قرآن کریم میں اس قسم کے لفظ بار بار ذکر کیے گئے ہیں کہ اللہ نے اس کے متعلق کوئی دلیل نہیں اتاری " فاتوا برهانکم ان کنتم صادقین " اگر تم اپنے اس دعوے کے اندر سچے ہو تو کوئی دلیل لے آؤ تو جو بات بے بنیاد ہو، جس کے لیے

کوئی صحیح دلیل نہ ہو، نہ عقلی اور نہ نقلی اسے کہا جاتا ہے ظن، جس کا مفہوم ہے اٹکل کی بات، رجم بالغیب بھی جس کو کہہ سکتے ہیں، بن دیکھے نشانے پر چیز ماری جارہی ہے سامنے کوئی چیز نہیں ہے تو بے بنیاد اٹکل کی باتیں یہ ظن کہلاتی ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو ظن کی اتباع کرتے ہیں، ان کی باتیں صرف توہمات ہیں جو انہوں نے اپنے دماغ میں بنالیے ہیں، کوئی کسی قسم کی دلیل نہیں ہے ان کے خیالات اس قسم کے ہیں اور حق کے ثبوت کے لیے اس قسم کی اٹکل کی باتیں کوئی مفید نہیں ہوتیں، ایسے توہمات کے ساتھ حق کو نہیں پایا جاسکتا، حق جب بھی ثابت ہوگا تو دلیل عقلی سے ثابت ہو یا دلیل نقلی سے ثابت ہوگا اور بے بنیاد خیالات حق کو ثابت کرنے کے لیے کوئی مفید نہیں ہیں، یہاں ظن کا معنی یہی ہے۔

لفظ ظن کا معنی و مفہوم:

لفظ ظن اصل میں دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک تو یہی مفہوم جو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا ہے بے بنیاد خیالات دماغ میں آگئے اس کے لیے نہ عقلی دلیل موجود ہے اور نہ نقلی دلیل موجود ہے جنہیں آپ توہمات کہہ سکتے ہیں اور اس کا ایک مطلب یہ ہوتا ہے کہ دلیل تو موجود ہے لیکن اس کے اندر کسی اعتبار سے شبہ آگیا کہ وہ یقین کی بنیاد مہیا نہیں کرتی کہ جس میں جانب مخالف کا احتمال نہ رہے اس قسم کا ظن جو یقین کے قریب ہوتا ہے لیکن جانب مخالف کا احتمال ہونے کی وجہ سے اس پہ یقین کا لفظ نہیں بولا جاتا یہ ظن حق کی قسم ہے، یہ ناحق نہیں ہے، اس قسم کے ظن کی اتباع ضروری ہے، جب دلائل کے سے ایک جانب راجح معلوم ہوجائے اگرچہ کسی درجے میں جانب مخالف کا احتمال بھی ہے اس ظن کے مطابق عمل کرنا واجب ہوتا ہے، اس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ تمام مجتہد فیہ مسائل کو ظنی مسائل کہا جاتا ہے تو ظن کا یہ معنی نہیں کہ اٹکل کی باتیں ہیں، غیر مقلد اکثر اس بارے میں دھوکہ دینے کی کوشش کریں گے وہ کہیں گے کہ خود ہی تو کہتے ہو کہ فقہ ظنی ہے اور فقہ کے تمام مسائل ظن کے طور پر ثابت ہیں اور اللہ تعالیٰ ظن کی اتباع کرنے والوں کی مذمت کرتا ہے تو جن مسائل کو آپ خود ظنی کہتے ہیں تو ان کی اتباع کی مذمت تو قرآن کریم سے نکلتی ہے پھر تم ان کے پیچھے کیوں لگتے ہو؟

یہ ایک مغالطہ لفظ ظن کے اعتبار سے ہے کہ لفظ ظن دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک تو یہی جو آپ سامنے ذکر کیا گیا ہے، دوسرا ظن حق ہی ہوتا ہے اس کی بنیاد دلیل پہ ہوتی ہے چاہے وہ عقلی ہو یا نقلی ہو لیکن اس میں

جانب ثانی کا کسی درجے میں احتمال رہتا ہے جس کی بناء پر اس کے لیے ہم یقین کا لفظ استعمال نہیں کرتے، جو دلیل یقین کا فائدہ دے اور اس میں جانب مخالف کا احتمال باقی نہ رہے اس کا انکار تو کفر ہوتا ہے، عمل کرنا بھی اس پر فرض ہوتا ہے لیکن دلیل میں کسی اعتبار سے سقم آگیا جس کی وجہ سے اس میں جانب ثانی کا احتمال باقی رہ گیا تو اس کے لیے یقین کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ ظن کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اس میں غالب حیثیت صحیح ہونے کی ہوتی ہے عمل کرنا اس کے اوپر واجب ہوتا ہے لیکن انکار کفر نہیں ہوتا۔

اور اس میں صرف فقہ کی بات ہی نہیں کہ فقہ کی باتیں ظنی ہیں، قرآن کریم کی بہت ساری باتیں ایسی ہیں جن کو ہم اصطلاحاً ظنی کہتے ہیں کیونکہ یقین کا فائدہ وہ دلیل دیتی ہے جو قطعی الثبوت بھی ہو اور قطعی الدلالت بھی ہو، قطعی الثبوت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جانب مخالف کا احتمال بالکل نہیں، قرآن کریم سارے کا سارا قطعی الثبوت ہے کہ منجانب اللہ ہے، تواتر کے ساتھ ثابت ہے، ہر قسم کی عقلی اور نقلی دلیل اس پر قائم ہے قطعی الثبوت تو یہ ہے، قطعی الدلالت کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ایک ہی مطلب متعین ہو دوسرے مطلب کی طرف کوئی اشارہ نہ نکلتا ہو اگر تو اس کا ایک ہی مطلب متعین ہے اور دوسرا احتمال اس میں بالکل نہیں تو وہ قطعی الدلالت بھی ہو گیا تو ایسی صورت میں اس کے مطابق عقیدہ رکھنا بھی فرض ہے اور اس کے اوپر عمل کرنا بھی فرض ہے اگر کوئی انکار کرے گا تو کافر ہو جائے گا عملاً اس کو ترک کرے گا تو ایسی صورت میں فاسق کہلائے گا۔

جیسے " اقیموا الصلوٰۃ "یہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے قطعی الثبوت بھی ہے کیونکہ قرآن کریم میں آ گئی اور قطعی الدلالت بھی ہے، تواتر کے ساتھ اس کا مفہوم واضح ہو گیا کہ اس سے یہی پانچ وقت کی نماز مراد ہے یہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہے اس کے متعلق تو عقیدہ بھی فرض ہے، اس کے مطابق عمل بھی فرض ہے اگر کوئی انکار کرے گا کہ نماز فرض نہیں تو کافر اگر کوئی عقیدہ تو رکھتا ہے کہ فرض تو ہے لیکن پڑھتا نہیں ہے تو فاسق، یہ تو ہے یقین کی بات۔

اور بعض آیات اس قسم کی ہوتی ہیں جو قطعی الثبوت تو ہیں جیسے آپ نے اصول الشاشی میں پہلی پہلی مثال پڑھی تھی "یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء" یہ آیت قطعی الثبوت ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ کا فرمان ہے لیکن لفظ" قروء" لغت عرب میں برابر سرابر دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے، یہ طہر کو بھی کہتے ہیں اور حیض کو

بھی کہتے ہیں تو یہ لفظ ایک معنی کے اندر قطعی نہ رہا، ہوسکتا ہے کہ اس سے حیض مراد ہو، ہوسکتا ہے کہ اس سے طہر مراد ہو، اگر طہر مراد لیں تو عدت تین طہر مراد ہوگی کہ عورتیں اپنے آپ کو تین طہر روک کے رکھیں اور اگر حیض مراد لیں تو عدت تین حیض مراد ہوگی کہ عورتیں تین حیض اپنے آپ کو روک رکھیں طلاق کے بعد، اب دونوں معنوں میں اللہ کی مراد کونسی ہے یہ قرائن کے ساتھ متعین کیا جائے گا اگر شوافع نے طہر مراد لے لیا تو کہیں گے کہ طہر کے ساتھ عدت ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ ہمارے سمجھنے کے اندر کوئی غلطی ہوگئی ہو اس میں خطاء کا احتمال موجود ہے جس کی بناء پر وہ اس کے اوپر عمل کریں گے راجح ہونے کی حیثیت سے کہ انہوں نے اپنے طور پر تحقیق کرلی لیکن اس کے خلاف کرنے والے کو نہ فاسق کہیں گے اور نہ کافر کہیں گے۔

اسی طرح اگر ہم حیض والا معنی مراد لیتے ہیں تو قرائن کے ساتھ متعین کرتے ہیں تو ہم جس وقت مسئلہ بتائیں گے تو یہی بتائیں گے کہ عدت تین حیض ہے لیکن اگر کوئی تین طہر کا قول کرتا ہے تو ہم اس پر بھی کسی قسم کوئی فتویٰ نہیں لگائیں گے تو یہ مسئلہ ظنی ہوگیا کہ عدت طہر کے ساتھ ہے یا حیض کے ساتھ ہے، قرآن کریم کے ان الفاظ کی دلالت واضح نہ ہونے کے اعتبار سے تو قرآن کریم سے ثابت ہونے والے مسائل بھی اسی طرح بعض ظنی ہیں کہ جن کے دو دو مطلب بن سکتے ہیں مفہوم ان کا مختلف ہوسکتے ہیں۔

اسی طرح بعض روایات بھی قطعی الثبوت ہوں گی جو تواتر کے طور پر آئیں گی مفہوم اگر ان کا متعین ہو تو قطعی الدلالت بھی ہوسکتی ہیں مثلاً حضور ﷺ نے ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں قطعی الثبوت بھی ہے اور قطعی الدلالت بھی ہے لیکن بعض روایات ایسی بھی ہوں گی جن کے ثبوت میں شبہ بھی ہوسکتا ہے جیسے خبر واحد کی باتیں ہوتیں ہیں یا ان کی دلالت میں شبہ ہوسکتا ہے کہ اس کا مطلب کیا نکلتا ہے تو وہاں جانبین کی گنجائش ہوتی ہے، ان مسائل کو اصطلاح فقہ کے اندر مسائل ظنیہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، یہ صحیح ہوتے ہیں ان کی بنیاد دلیل پہ ہوا کرتی ہے، ان کی اتباع مذموم نہیں ہوتی بلکہ دین کے فرائض میں سے ہے کہ ظنی مسائل کی بھی اتباع کی جاتی ہے کیونکہ اگر ان باتوں کو بھی چھوڑ دیا جائے کہ جن کے ثبوت یا دلالت میں کچھ تھوڑا سا شبہ آجائے تو پھر متواترات تو چند چیزیں ہیں اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں پھر تو سارا دین ہی ہاتھ سے چھوٹ جائے گا تو لفظ کے مفہوم میں اصطلاحاً فرق ہونے کی وجہ سے لوگ عموماً مغالطہ دے دیتے ہیں کہ فقہ ظنی ہے اور لوگ فقہ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، بعض مسائل ظنی ہیں اور یہ

ظن کو مانے ہوئے ہیں حالانکہ قرآن کریم سے اس کی مذمت نکلتی ہے اور ظن کی اتباع کرنے والوں کو تو قرآن اچھا نہیں سمجھتا، ان کے اوپر تنقید کرتا ہے تو یہ مغالطہ صرف لفظی مشارکت کے طور پر آجاتا ہے ورنہ وہاں جو ظن کا لفظ ہے اس کا مفہوم اور ہے اور یہاں جو ظن کا لفظ ہے اس کا مفہوم اور ہے، اس سے مراد ہیں بے اصل خیالات جو کسی دلیل سے ثابت نہیں ہیں اور فقہ کے مسائل دلیل سے ثابت ہیں لیکن درجات کا فرق کرنے کے لیے بعض کو ظنی اور بعض کو یقین کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

ساتویں آیت کا مفہوم:

"وما کان ھٰذا لقرآن ان یفتریٰ من دو ن اللہ "اثبات توحید اور رد شرک کے لیے سب سے بڑی دلیل یہ کتاب اللہ ہے تو اللہ تعالیٰ اسی کی حقانیت ثابت کرتے ہیں کہ جب کتاب اللہ کی حقانیت ثابت ہو جائے گی تو جتنے مسئلے اس کے اندر ذکر کیے گئے ہیں سب کی دلیل مہیا ہو جائے گی، یہ قرآن کریم ایسا نہیں کہ اس کو غیر اللہ کی طرف سے گھڑا جائے، اللہ کے غیر کی طرف سے یہ گھڑا نہیں جا سکتا بلکہ یہ تصدیق ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے اتری یعنی توراۃ، انجیل سب کی یہ تصدیق کرتا ہے، ان کے لیے یہ مصدق ہے، مصدق ہونے کا مفہوم آپ کے سامنے کئی مرتبہ ذکر کیا جا چکا ہے ایک تو مصدق کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن ان کتابوں کو سچا بتلاتا ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ یہ کتابیں بھی اس سے تعلق رکھنے والی ہیں، ان کا آپس میں کوئی تعارض نہیں ہے یا یہ ہے کہ ان کتابوں کے اندر جو پیش گوئیاں ذکر کی گئی ہیں یہ قرآن ان پیش گوئیوں کا مصداق بنتا ہے لہٰذا اس کا آنا ہی ان کتابوں کی تصدیق ہے اگر یہ کتاب نہ اترتی، یہ رسول نہ آتا تو ان کتابوں کی پیش گوئیوں کا مصداق مہیا نہ ہوتا، جب ان کا مصداق مہیا نہ ہوتا تو وہ کتابیں جھوٹی ہو جاتیں، اس کا آنا ہی ان کتابوں کے لیے مصدق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھی ہوئی باتوں کی یہ تفصیل ہے "لا ریب فیہ" اس کے حق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، یہ رب العالمین کی طرف سے آیا ہے۔

آٹھویں آیت کا مفہوم:

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کو اس رسول نے خود گھڑ لیا ہے آپ کہہ دیجیے کہ میں نے اگر گھڑ لیا ہے تو میں ایک عام انسان ہوں کوئی شاعر نہیں، کوئی خطیب نہیں، کسی مدرسہ میں پڑھا نہیں، کسی استاد کے سامنے بیٹھ کے مشق

نہیں کی اور یہ ساری چیزیں تمہیں حاصل ہیں تو تم آؤ، مقابلہ میں اگر ایک سورۃ بھی اس جیسی بنا کے لے آؤ تو سمجھیں گے کہ یہ کسی انسان کا بنا ہوا ہے (اس مضمون کی تفصیل بھی گذر چکی ہے) یہ چیز بدیہی ہے اور تجربہ کے ساتھ خوب اچھی طرح یقین کے اندر آئی ہوئی ہے کہ اگر کوئی چیز انسان بناتا ہے کتنی ہی عجیب وغریب کیوں نہ بنالے اور اس کی صنعت کے اندر کتنی ہی باریکی کیوں نہ ہو دوسرا انسان اس جیسی بنا سکتا ہے، اس کی نقل اتارنا یا اس جیسی بنانا ممتنع نہیں ہے، ایک انسان دوسرے انسان کی بنائی ہوئی چیز جیسی چیز بنالیتا ہے، آئے دن آپ کے سامنے یہ جنگی ہتھیار بنتے رہتے ہیں اگر ایک ملک والے نے ایٹم بم بنایا تو دوسرے ملک والے نے کوشش کر کے اس جیسا بنالیا، ایک نے اگر ہوائی جہاز بنایا تو دوسرے نے بھی اس جیسا ہوائی جہاز بنالیا، جو چیز بھی دنیا کے اندر بنتی ہے دوسرا اس کی نقل اتار کے اس جیسی بنالیتا ہے تو نقل پر قادر ہونا اس بات کی علامت ہے کہ ہماری جیسی مخلوق کی ہی بنائی ہوئی ہے لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو آپ یقین کے درجے میں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی ہی بنائی ہوئی ہیں کسی مخلوق کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے مثلاً سورج کے متعلق کسی کو وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ اس کو کسی انسان نے بنایا ہے، چاند کے متعلق کسی انسان کو وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ کسی انسان کا بنایا ہوا ہے تو آج نہیں جب سے دنیا بنی ہے اس وقت سے لے کر آج تک اور آج سے لے کے قیامت تک انسان سوچ بھی نہیں سکتا کہ ہم اس کی مثل تیار کر سکتے ہیں تو جس کی مثل تیار کرنے سے انسان عاجز آجائے یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ انسان کی قدرت سے باہر ہے بلکہ کسی دوسری طاقت نے اس کو جنم دیا ہے اور دوسری طاقت نے اس کو بنایا ہے اور اگر انسان کا بنایا ہوا ہوتا تو مقابلہ بازی کا جذبہ انسان میں ابھرتا ہے اور کوشش کرنے کے بعد اس جیسی چیز وجود میں لے آتا ہے، دنیا کے اندر مقابلہ اس طرح سے چلا آرہا ہے تو یہ ایک بدیہی اور پختہ دلیل ہے کہ انسان کی بنائی ہوئی جو چیز بھی ہوگی دوسرا انسان اس جیسی بنا سکتا ہے بلکہ اگر دوسرا اس سے زیادہ تجربہ کار ہوا تو وہ اس سے اچھی بنائے گا۔

اور یہاں یہ کہہ دیا گیا کہ تم سارے اکٹھے ہو جاؤ اور سورۂ بقرہ کے اندر یہ تفصیل کر دی گئی تھی قیامت تک کے لیے یہ چیلنج دیا گیا کہ تم ایسا کر ہی نہیں سکتے ہو، آنے والے حالات کے اعتبار سے یہ فیصلہ دے دیا گیا اور یہ بات کھل کے سامنے آگئی کہ قرآن کریم کا وجود کسی انسان کی تخلیق نہیں ہے، انسانی قوت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ورنہ ایک ہی نہیں چند مل کے بنالیں، نہ اب بنا سکتے ہو نہ قیامت تک اس پر کوئی قادر ہوگا تو یہ بالکل بدیہی دلیل ہوگئی کہ جیسے اللہ کے سورج کے مقابلہ میں کوئی دوسرا سورج نہیں بنایا جا سکتا، اللہ کے بنائے ہوئے چاند کی مثل کوئی دوسرا

چاند بھی نہیں بنایا جاسکتا، اسی طرح اس کی کتاب کی بھی کوئی مثل نہیں لائی جاسکتی، نہ لفظی حیثیت میں نہ معنوی حیثیت میں، جس قسم کی فصاحت بلاغت اس کی لفظی حیثیت میں ہے ایسی لفظی حیثیت میں نہیں رکھی جاسکتی اور جو اس کے معنی میں اعتدال ہے اور جو اس کے واقعات میں سچائی ہے اس قسم کی کوئی دوسری کتاب بھی مہیا نہیں کی جاسکتی، آپ کہہ دیجیے کہ لے آؤ ایک سورۃ اور ملالو ان کو جن کی تم طاقت رکھتے ہو اللہ کے علاوہ اگر تم سچے ہو۔

نویں اور دسویں آیت کا مفہوم

"بل کذبوا بمالم یحیطوا بعلمه" دلیل لانے سے یہ عاجز ہیں اور قرآن کریم کو یہ جھٹلا رہے ہیں اصل بات یہ ہے کہ اس کے علم کا انہوں نے احاطہ نہیں کیا، قرآن کریم کے علم کے اوپر ابھی یہ قادر نہیں ہوئے کہ قرآن کریم کی علمی حیثیت کو یہ سمجھ لیتے اور اس کی معلومات کا احاطہ کر لیتے، معلومات ان کے علم میں آجاتیں اور جس قسم کی پیش گوئیاں قرآن کریم نے کی ہیں ان کی حقیقت ابھی ان کے سامنے آئی نہیں اور جس وقت ان پیش گوئیوں کی حقیقت ان کے سامنے آئے گی تو پھر ان کو پتہ چلے گا کہ کتنی سچی کتاب تھی اور اگر اس کو علمی انداز میں سمجھنے کی کوشش کرتے تو بھی اس کی حقانیت کو سمجھ لیتے نہیں احاطہ کیا انہوں نے اس کے علم کا اور اس کی حقیقت ان کے سامنے آئی نہیں، ابھی اس کی پیش گوئیوں کا مصداق مہیا نہیں ہوا، ایسے ہی جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے پھر دیکھ تو کیسے انجام ہوا ظالم لوگوں کا۔

ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جو ایمان لائیں گے اس لیے ہم ان کو مہلت دیتے جارہے ہیں تاکہ ان میں صالح لوگ علیحدہ ہو جائیں اور جو باقی رہ جائیں گے جیسے دودھ میں سے مکھن نکال لیا جائے تو باقی لسی رہ جاتی ہے پھر ان کو باقی رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی پھر اللہ تعالیٰ ان کو برباد کر دیں گے، ابھی ان کو موقع دیا جارہا ہے کہ سمجھنے والے لوگ سمجھ جائیں، ان میں سے بعض اس کے اوپر ایمان لائیں گے اور بعض ایسے ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور تیرا رب خوب جانتا ہے مفسدین کو۔

وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّاۤ

اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے تم لاتعلق ہو اس چیز سے جو

اَعْمَلُ وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۴۱ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ

میں کرتا ہوں اور میں لاتعلق ہوں اس چیز سے جو تم کرتے ہو ۝۴۱ ان میں سے بعض وہ ہیں جو کان لگاتے ہیں آپ کی طرف

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَ لَوْ كَانُوْا لَا یَعْقِلُوْنَ ۝۴۲ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّنْظُرُ اِلَیْكَ

کیا تو سنا سکتا ہے بہروں کو اگرچہ وہ کچھ سمجھتے نہ ہوں ۝۴۲ ان میں سے بعض وہ ہیں جو دیکھتے ہیں آپ کی طرف

اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَ لَوْ كَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ ۝۴۳ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ

کیا تو راستہ دکھا سکتا ہے اندھوں کو اگرچہ وہ بصیرت نہ رکھتے ہوں ۝۴۳ بیشک اللہ ظلم نہیں کرتا

النَّاسَ شَیْـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝۴۴ وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ

لوگوں پر کچھ بھی لیکن لوگ ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں ۝۴۴ اور یاد کرو اس دن کو جس دن اللہ ان کو جمع کرے گا

كَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ ؕ قَدْ

حال یہ ہوگا گویا کہ وہ لوگ نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک گھڑی دن کی آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے تحقیق

خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ۝۴۵ وَ اِمَّا

خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور وہ راستہ پانے والے نہیں تھے ۝۴۵ اور اگر

نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ

ہم دکھا دیں بعض اس چیز کا جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں پھر ہماری طرف ہی ان کا لوٹنا ہے

ثُمَّ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ ۝۴۶ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا

پھر اللہ نگہبان ہے ان کاموں پر جو یہ کرتے ہیں ۝۴۶ ہر جماعت کے لیے ایک رسول ہے جب

جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝٤٧

ان کا رسول ان کے پاس آجاتا ہے تو فیصلہ کر دیا جاتا ہے ان کے درمیان انصاف کے ساتھ اور وہ ظلم نہیں کیے جاتے ۝٤٧

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٤٨ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو ۝٤٨ آپ کہہ دیجیے کہ میں نہیں اختیار رکھتا

لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ

اپنے نفس کے لیے نقصان کو دور ہٹانے کا اور نہ نفع کو حاصل کرنے کا مگر جو اللہ چاہے، ہر امت کے لیے ایک وقت متعین ہے جب آجائے گا

اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝٤٩ قُلْ

ان کا وقت پھر پیچھے نہیں ہٹیں گے ایک گھڑی اور نہ وہ آگے بڑھیں گے ۝٤٩ آپ کہہ دیجیے

اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ

بتلاؤ تم کہ اگر آجائے تمہارے پاس اس کا عذاب رات کو یا دن کے وقت کونسی چیز ہے جس کو جلدی طلب کرتے ہیں

الْمُجْرِمُوْنَ ۝٥٠ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ

مجرم لوگ ۝٥٠ کیا پھر جب وہ عذاب واقع ہو جائے گا تم پھر اس پر ایمان لے آؤ گے، تم اب ایمان لاتے ہو حالانکہ پہلے تم اس کو

تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝٥١ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ

جلدی طلب کرتے تھے ۝٥١ پھر کہا جائے گا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا مزہ چکھو ہمیشگی کے عذاب

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝٥٢ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ

کا نہیں تم بدلہ دیے جاتے مگر اسی کا جو تم کرتے تھے ۝٥٢ آپ سے خبر طلب کرتے ہیں کہ کیا یہ عذاب حق ہے؟

قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚؔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝٥٣ ع وَلَوْ اَنَّ

آپ کہہ دیجیے کہ ہاں میرے رب کی قسم! بے شک یہ حق ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو ۝٥٣ اور اگر

لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا

ہر نفس کے لیے جس نے بھی ظلم کیا وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے تو وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرے گا اس کے بدلہ میں اور وہ چھپائیں گے

النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ
پشیمانی کو جب دیکھیں گے عذاب کو اور فیصلہ کر دیا جائے گا ان کے درمیان انصاف کے ساتھ اور ان پر
لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ
ظلم نہیں کیا جائے گا﴿۵۴﴾ خبردار! اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، خبردار! بے شک اللہ
وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ
کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں﴿۵۵﴾ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے
وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾
اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿۵۶﴾

تفسیر

ماقبل سے ربط:

سورہ یونس چونکہ مکی ہے اور مکہ معظمہ میں ابتداءً آنے والی سورتوں میں سے ہے اس لیے اس میں مشرکین کے ساتھ جو گفتگو ہے وہ ابتدائی انداز کی ہے، پیچھے بارہا عذاب کی دھمکی دی جارہی تھی اور اس پر وہ استہزاء کرتے تھے مذاق اڑاتے تھے اب اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو ایک قسم کی تسلی دیتے ہیں۔

پہلی آیت کا مفہوم:

تسلی کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ سمجھانے کے باوجود سمجھتے نہیں اور آپ کی تکذیب میں اسی طرح لگے رہیں، آپ کی تکذیب سے باز نہ آئیں تو آپ انہیں کہہ دو کہ تم اپنے طریقے پر لگے رہو میں اپنے طریقے پر لگا رہوں گا، تمہارے اعمال کی ذمہ داری مجھ پہ نہیں ہے اور میرے اعمال کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے، اس عمل کا جو نتیجہ ہوگا وہ ہر شخص دیکھ لے گا، یہ جھگڑے کو ختم کرنے والی بات ہوتی ہے کہ ہم نے تو جو کچھ کہنا تھا کہہ لیا، جتنا سمجھانا تھا سمجھا لیا اب اگر تم سمجھتے نہیں تو پھر انتظار کرو، ہر شخص کے سامنے نتیجہ آجائے گا، اگر وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ میرے لیے میرا عمل ہے یعنی میرے اعمال کی ذمہ داری تم پر نہیں "و لکم عملکم "اور تمہارے لیے

تمہارا عمل ہے، میں بری اور لاتعلق ہوں اس چیز سے جو تم کرتے ہو اور تم لاتعلق ہو اس سے جو میں کرتا ہوں مطلب یہ ہے کہ اپنے اپنے طریقے پر لگے رہو، تم اپنے طریقے پر لگے رہو، میں اپنے طریقے پر لگا رہوں گا، انجام جب سامنے آئے گا تو پتہ چل جائے گا کون صحیح ہے اور کون غلط؟

دوسری آیت اور تیسری آیت کا مفہوم:

اگلے الفاظ بھی حضور ﷺ کی تسلی کے لیے ہیں بعض لوگ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، معلوم ایسے ہوتا ہے کہ مان رہے ہیں لیکن چونکہ ان کا سننا عقیدت کے ساتھ نہیں ہے، سمجھنے کے لیے نہیں ہے، طلب حق کے لیے نہیں ہے، یہ انسان کی فطرت ہے کہ اس کے جذبات کا اس کی فہم پر بہت اثر پڑتا ہے، اگر عقیدت مندی کے ساتھ کوئی بات سنی جائے تو سمجھ بھی آتی ہے اور دل میں اتر جاتی ہے اور اگر ابتداء ہی سے سوچ لیا جائے کہ ہم نے اس پر اعتراض کرنا ہے، اس کو جھٹلانا ہی ہے تو سمجھانے والا کتنے ہی اچھے انداز میں سمجھا لے، کتنے ہی مدلل طریقے سے کیوں نہ بیان کر دے لیکن وہ بات دل میں اترتی ہی نہیں تو جب دل سے طلب حق کی استعداد ختم ہو جاتی ہے تو اس وقت نہ آنکھیں حق کو دیکھا کرتی ہیں اور نہ کان حق کو سنا کرتے ہیں اور نہ ہی بات سمجھ میں آیا کرتی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام انبیاء علیہم السلام کے سلسلے میں خطیب الانبیاء کہلاتے ہیں، کتنے واضح طور پر انہوں نے اپنی قوم کے سامنے تبلیغ کی تھی تو قوم آگے سے کہتی تھی" لا نفقه كثيرا مما تقول " کہ تو جو باتیں کہتا ہے ان میں سے اکثر تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں کہ تو کیا کہتا ہے، اصل میں سمجھ کیوں نہیں آتیں کہ دل سے ماننے کا ارادہ نہیں تھا، عقیدت اور طلب حق کے جذبے کے ساتھ اگر سنا جائے تو تب بات سمجھ میں آیا کرتی ہے ورنہ اگر دل کے دروازے بند کر لیے جائیں اور یہ تہیہ کر لیا جائے کہ ہم نے ماننا ہی نہیں بلکہ انکار ہی کرنا ہے تو کتنی ہی صاف بات کیوں نہ ہو انسان کے دل میں آتی ہی نہیں ہے۔

تو ان میں سے بعض آپ کی طرف کان لگاتے ہیں لیکن کیا تو بہروں کو سنا سکتا ہے اگر چہ وہ عقل بھی نہ رکھتے ہوں یعنی اگر عقل ہو تو پھر بھی انسان اشارے سے بات اس کو سمجھا لیتا ہے، جب عقل بھی نہیں ہے تو پھر وہ کس طرح بات کو معلوم کر سکتا ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں کیا تو اندھوں کو راستہ دکھا سکتا ہے اگر چہ وہ بصیرت ہی نہ رکھتے ہوں یعنی اگر اندھا آدمی سمجھ دار ہو تو دل کی بصیرت کے ساتھ کچھ نہ کچھ راستہ

پالیتا ہے لیکن اگر بصیرت قلبی سے بھی محروم ہو گیا اور آنکھوں میں بھی بینائی نہیں ہے تو راستہ معلوم کرنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی تو یہ لوگ چاہے آپ کی باتیں سنتے ہیں لیکن چونکہ طلب حق نہیں اس لیے کانوں سے بہرے ہیں اور عقل سے بھی کام نہیں لیتے، آنکھوں سے اندھے ہیں اور دل میں بھی بصیرت نہیں ہے ان لوگوں کے متعلق توقع نہ رکھیے کہ یہ سمجھ جائیں گے، اس سے حضور ﷺ کو تسلی دینی مقصود ہے کہ اگر یہ نہیں سمجھتے تو اصل بات یہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو برباد کیے بیٹھے ہیں۔

چوتھی آیت کا مفہوم:

اور یہ جو ان کے اوپر بربادی آ گئی تو یہ بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو جو پیدا کرتا ہے اس میں سمجھنے کی، سوچنے کی، سننے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن جب کوئی شخص ان صلاحیتوں سے کام نہ لے تو آہستہ آہستہ وہ استعداد ختم ہو جاتی ہے تو یہ زیادتی انسان خود اپنے اوپر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی زیادتی نہیں ہے، بے شک اللہ نہیں ظلم کرتا لوگوں پر کچھ بھی لیکن لوگ ہی اپنے نفسوں پہ ظلم کرتے ہیں۔

پانچویں آیت کا مفہوم:

جس دن اللہ انہیں اکٹھا کرے گا تو یہ زندگیاں جو آج ان کو لمبی لمبی معلوم ہوتی ہیں اور جس کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے یہاں دنیا سے جانا ہی نہیں ہے لیکن جس وقت اللہ تمہیں اپنے سامنے حاضر کرے گا تو تمہیں دنیا کی زندگی ایسے لگے گی کہ جیسے چند لمحوں میں ہی گزر گئی، قیامت کے دن کا امتداد اور اس کا اشتداد وہ دن لمبا بھی ہوگا اور اس میں سختیاں بھی ہوں گی تو کتنے ہی برس تم نے دنیا کے اندر گزارے ہیں لیکن ایسے معلوم ہوگا کہ جیسے دن کے ایک دو گھنٹے تھے جو گپ شپ میں گزر گئے، اتنا سا وقت معلوم ہوگا کہ گویا کہ نہیں ٹھہرے تھے وہ مگر دن کا ایک حصہ، ایک ساعت دنیاوی زندگی کے متعلق ایسا خیال ہوگا اور خود برزخی زندگی کے متعلق بھی ایسا ہی خیال ہوگا کیونکہ آخرت کے مقابلہ میں ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے صبح و شام کا قصہ تھا اور گزر گیا اور آپس میں یہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے لیکن ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکیں گے اور یہ زیادہ حسرت و افسوس کی بات ہوگی، تحقیق خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور وہ سیدھا راستہ پانے والے نہیں تھے جس دن اللہ تعالیٰ ان کو جمع کرے گا اس دن ان کا خسارہ نمایاں ہو جائے گا۔

خسارہ کا مفہوم:

خسارہ کا مطلب آپ کے سامنے کئی دفعہ گذر چکا ہے، خسارہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی طرف سے کوئی قیمتی چیز دے بیٹھے اور مقابلہ کے اندر کوئی گھٹیا چیز لے لے، سرمایہ ضائع ہوگیا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو دنیا کے اندر بھیجا ہے تو یہ مختلف قسم کی استعدادیں بطور سرمایہ کے دی ہیں، اس سرمایہ کو خرچ کر کے اگر تو آخرت کی نجات حاصل کر لی، اللہ کی رضا حاصل کر لی اور آخرت کی نعمتیں حاصل کر لیں تو یہ تجارت نفع کی ہے اور اگر یہ ساری ضائع کر لیں کچھ بھی نہ کمایا یا الٹا عذاب کما لیا تو اس سے بڑھ کے اور کیا خسارہ ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا یقین کرنا یہ کامیابی کی بنیاد ہے اس سے پھر انسان کوشش کرتا ہے کہ اچھے کام کرے جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت اللہ کی رضا کا باعث بنیں اور جب اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا تو اس نے نیکیوں کی بنیاد کو ہی منہدم کر دیا اس کے بعد پھر اس کے عمل کا رخ صحیح ہو ہی نہیں سکتا۔

چھٹی آیت کا مفہوم:

آگے یہ بتایا جا رہا ہے کہ عذاب ان پر ضرور آئے گا چاہے ہم آپ کی زندگی میں کچھ حصہ لے آئیں اور چاہے ہم آپ کو وفات دے دیں آخر انہوں نے آنا ہمارے پاس ہی ہے، ہمارے پاس سے کہیں بچ کے جا نہیں سکتے ،اگر ہم آپ کو دکھا دیں بعض اس چیز کا جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یعنی اس عذاب کا کچھ حصہ آپ کی زندگی میں واقع کر دیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں کسی صورت میں بھی یہ بچیں گے نہیں ،صورتیں دونوں ہو سکتی ہیں کہ آپ کی زندگی میں عذاب دے دیا جائے یا آپ کو وفات دے دی جائے ان کا لوٹنا ہماری طرف ہی ہے پھر اللہ تعالیٰ گواہ ہے ان سب کاموں پر جو یہ کرتے ہیں، ان کی کاروائیاں اور ان کے کرتوت اللہ کے سامنے ہیں۔

ساتویں آیت کا مفہوم:

"ولکل امۃ رسول" ہر امت کے لیے ایک رسول ہے بھیجا ہوا، چاہے براہ راست اللہ کی طرف سے آیا ہو چاہے اللہ کے رسول کے واسطہ سے آیا ہو، تبلیغ بہر حال ہوتی ہے اور جس وقت کسی جماعت کی طرف اللہ کا رسول آجاتا ہے اور پھر اللہ کی طرف سے احکام واضح کر دیتا ہے اور وہ لوگ نہیں مانتے تو پھر اللہ کی طرف سے فیصلہ کے دن آجاتے ہیں، جہالت تو کسی درجے میں عذر بن سکتی ہے اگر اللہ کا رسول نہ آیا ہو لیکن اگر اللہ کے رسول کے آجانے

کے بعد پھر فیصلہ بہت جلد ہو جاتا ہے، جب ان کا رسول آجاتا ہے تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور وہ ظلم نہیں کیے جاتے۔

آٹھویں اور نویں آیت کا مفہوم:

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا یعنی آئے دن تم جو عذاب کی باتیں کرتے ہو یا قیامت کی بات کرتے ہو اس کے وقوع کا وقت کیا ہے یہ بتاؤ اگر تم سچے ہو، آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے، وہ چاہے خطاب نبی یا اس کے ساتھیوں کو کرتے تھے لیکن جواب نبی کی طرف سے دلایا گیا کہ کسی نقصان کا ہٹا دینا یا کسی نفع کا حاصل کر لینا اس کا تو ہم اپنی ذات پر بھی اختیار نہیں رکھتے یہ تو اللہ کے علم میں ہے کہ کیا نقصان پہنچنے والا ہے، کیا نفع پہنچنے والا ہے؟ نفع اور نقصان اس کے اختیار میں ہے، اللہ ہی جانتا ہے کہ تمہارے لیے کیا ہونے والا ہے اور ہمارے لیے کیا ہونے والا ہے ہم اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے نہیں اختیار رکھتا میں اپنے بارے میں نقصان کو دور ہٹانے کا اور نہ نفع کے حاصل کرنے کا مگر جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے، ہر امت کے لیے ایک وقت متعین ہے اللہ کے علم میں جب ان کا وقت آجائے گا تو یہ نہ پیچھے ہٹیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے بڑھیں گے۔

"لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون" کا مفہوم:

یہی ترکیب غالباً سورۂ اعراف میں بھی آئی تھی وہاں ذکر کیا تھا کہ " اذاجاء اجلھم "جب ان کا وقت مقرر آگیا تو" لایستا خرو ن سا عة " یہ تو ظاہر کے مطابق ہے کہ وہ اس سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے مثال کے طور پر اگر کسی جماعت کے متعلق ہے کہ اس نے فلاں مہینہ کی گیارہ تاریخ کو ہلاک ہونا ہے تو جب گیارہ تاریخ آجائے گی تو وہ پیچھے نہیں ہٹیں گے یعنی ان پر بارہ تاریخ نہیں آئے گی "لا یستقدمو ن" کا معنی یہ ہے کہ اس سے آگے نہیں بڑھیں گے یعنی گیارہ کی بجائے وہ دس کو ہلاک نہیں ہو سکتے جو وقت متعین ہے اس وقت ان کو موت آئے گی لیکن اس میں بظاہر اشکال ہے کہ جب گیارہ تاریخ آگئی تو نہ پیچھے ہٹیں گے کہ بارہ تاریخ کو ہلاک ہوں اور نہ یہ آگے بڑھیں گے کہ دس کو ہلاک ہو جائیں، گیارہ تاریخ کے آجانے کے بعد دس کے آجانے کا تو احتمال ہی نہیں، یہ تو ہو سکتا ہے کہ گیارہ کی بجائے بارہ کو عذاب کو آجائے لیکن یہ تو نہیں ہو سکتا کہ گیارہ تاریخ کے بعد دس کو عذاب آجائے اور وہ ہلاک ہو جائیں تو یہ " لا یستقدمو ن" میں جو نفی کی جا رہی ہے یہ محض تاکید کے طور پر کی جا رہی ہے اگر چہ شق ایک

منفی ہے دوسری شق کا ذکر بطور تاکید کے ہے بارہ تاریخ تک مؤخر ہونا ایسے ہی محال ہے جیسے گیارہ تاریخ آجانے کے بعد دس کا آنا محال ہے یعنی یقینی طور پر وہ اسی تاریخ کو ہی ہلاک ہوں گے جس تاریخ کا اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں تعین کیا ہے۔

جیسے آپ کسی چیز کو خریدتے وقت دوکاندار سے اس کی قیمت پوچھتے ہیں، دوکاندار کہے کہ پانچ روپے تو آپ کہا کرتے ہیں کچھ کمی بیشی حالانکہ کمی کا پوچھنا مقصود ہوتا ہے کہ اس میں کچھ کمی ہوسکتی ہے اور ساتھ بیشی کا لفظ بھی بولتے ہیں حالانکہ دریافت کرنا کمی کو مقصود ہوتا ہے ساتھ محاورۃً بیشی کا لفظ بھی بول دیتے ہیں وہ آگے سے کہتا ہے کہ نہ کمی نہ بیشی ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ جیسے میں آپ سے چھ نہیں مانگ سکتا اسی طرح پانچ کی بجائے چار بھی نہیں مانگ سکتا تو نفی اصل میں چار کی کرنی ہوتی ہے کہ پانچ ہی اس کی قیمت ہے چار نہیں لیکن وہ کہتا ہے کہ نہ کمی نہ بیشی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیش تو یقیناً منفی ہے اس طرح کم کے تصور کو بھی ختم کر دیا تو ایک شق کی نفی کرنی ہوتی ہے دوسری کا ذکر بطور تاکید کے آجاتا ہے، یہاں اصل تو استئخار کی نفی کرنی مقصود ہے کہ یہ اپنے وقت سے ایک گھڑی بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتے، استقدام کی نفی بطور تاکید کے ہے۔

یا دوسرا احتمال یہ ہے کہ "لا یستقدمو ن" کا عطف "اذا جاء اجلھم" کے اوپر کیجیے یہ اذا کے نیچے داخل نہیں ہے "لایستقدمون" یہ اپنے وقت سے مقدم نہیں ہوسکتے اور جب وقت آجائے گا تو مؤخر بھی نہیں ہوسکیں گے لیکن پہلی توجیہ زیادہ اچھی ہے۔

آخری آیات کا مفہوم:

"قل ارئیتم ان اتاکم عذابه بیاتا" آپ ان سے کہہ دیجیے کہ بتاؤ تم اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب رات کو آجائے، چپ چپاتے جب تم غفلت میں سوئے ہوتے ہو یا دن کے وقت آجائے علی الاعلان دونوں صورتوں میں تمہارے پاس بچنے کی کیا صورت ہوگی؟ رات کو آجائے تو تم نہیں بچ سکتے اور دن کو آجائے تو بھی تم نہیں بچ سکتے تو کونسی چیز اس عذاب میں ایسی ہے جس کو تم طلب کر رہے ہو؟ وہ کونسا مرغوب فیہ امر ہے کہ جس کی وجہ سے تم کہہ رہے ہو کہ جلدی جلدی آجائے، اس کو جلدی طلب نہ کرو دن کو آجائے، رات کو آجائے تم اس کو دور نہیں ہٹا سکو گے اور وہ تلخ چیز ہے، کوئی مزیدار چیز نہیں ہے جس کو تم شوق کے ساتھ طلب کر

رہے ہو، یہ جلدی طلب کرنے کی چیز نہیں ہے۔

کیا جب وہ عذاب واقع ہو جائے گا تو ان کو یقین آجائے گا کہ واقعی اللہ کی طرف سے عذاب کی خبر سچی تھی لیکن اس کو سچی سمجھنے کا کیا فائدہ ہوگا پھر اللہ کی طرف سے کہا جائے گا کہ اب ایمان لاتے ہو حالانکہ تم اس عذاب سے پہلے اس کو جلدی طلب کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ پہلے تمہارا جلدی طلب کرنا تکذیب کی بناء پر تھا اب عذاب آجانے کے بعد اگر مان بھی لوگے کہ اللہ کی طرف سے یہ خبر سچی تھی اللہ پر ایمان لے آؤ گے یا اس عذاب پر یقین کرلو گے کہ اس کی خبر صحیح تھی تو اب یقین کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

پھر کہا جائے گا ان لوگوں جنہوں نے ظلم کیا کہ چکھو ہمیشگی کا عذاب نہیں بدلہ دیے جاتے تم مگر انہی کاموں کا جو تم کرتے تھے اور پھر یہ بار بار آپ سے استہزاء اور تنگ کرنے کے طور پر کہتے ہیں کہ کیا یہ عذاب کی خبر سچی ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ ہاں میرے رب کی قسم! یہ حروف ایجاب میں سے ہے یہ نعم کی طرح ہوتا ہے لیکن یہ ہمیشہ قسم کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے، آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب کی قسم! ہاں یہ خبر سچی ہے لیکن جب اللہ کا عذاب آجائے گا تو پھر اس سے بچ نہیں سکو گے اس لیے اپنے انجام کی فکر کرو بار بار اس قسم کی باتیں کرنا تمہارے لیے مفید نہیں، جب خطرے سے آگاہ کیا جا رہا ہے تو اس خطرے سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کیوں نہیں کرتے ہو؟ جب عذاب آجائے گا تو پھر تم اس سے بچ نہیں سکو گے۔

اور پھر کیفیت یہ ہوگی کہ اگر ہر اس نفس کے لیے جس نے ظلم کیا، کفر و شرک کے اندر مبتلاء ہوا، سب چیزیں ہوں جو زمین میں ہیں تمام کے تمام خزانے اس کے پاس ہوں تو وہ سارے خزانے دے کر اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرے گا، آج تم اپنے ذرا سے مفاد کو ختم ہوتا دیکھ کر چڑ جاتے ہو، تڑپ جاتے ہو، تھوڑا سا نقصان برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں لیکن جب وہ عذاب سامنے آجائے گا، اللہ کی گرفت ہو جائے گی تو اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکو گے پھر زمین کے سارے خزانے ہوں گے اور کہو گے کہ یہ لے لو اور ہماری جان چھوڑ دو، ہر نفس فدیہ میں دے کے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرے گا ''واسروا الندامة'' اور دل کے اندر نادم ہوں گے جس وقت کہ عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔

''الا ان للہ ما فی السمٰوات والارض'' یہ پھر توحید کا اثبات ہے کہ خبردار! بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، خبردار! اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ''ھو یحی و یمیت'' زندگی اور موت اسی کے اختیار میں ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ

اے لوگو! تحقیق آگئی تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور شفاء

لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ

اُن چیزوں کیلئے جو سینوں میں ہے اور ہدایت اور رحمت مؤمنین کیلئے ﴿۵۷﴾ آپ کہہ دیجئے کہ یہ اللہ کے فضل

ٱللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِۦ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا۟ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٨﴾

اور اللہ کی رحمت کے ساتھ حاصل ہوئی پس اسی کے ساتھ چاہیے کہ لوگ خوش ہوں وہ بہتر ہے ہر اس چیز سے جس کو لوگ جمع کرتے ہیں ﴿۵۸﴾

قُلْ أَرَءَيْتُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم

آپ کہہ دیجیے کہ بتلاؤ تم جو اتارا اللہ نے رزق تمہارے لیے پھر بنا لیا تم نے

مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَٰلًا قُلْ ءَآللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى ٱللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿٥٩﴾

اس میں سے حلال اور حرام آپ پوچھیے کیا اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے یا تم اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہو ﴿۵۹﴾

وَمَا ظَنُّ ٱلَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ إِنَّ

کیا خیال ہے ان لوگوں کا جو اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں قیامت کے متعلق بے شک

ٱللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى ٱلنَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦٠﴾ وَمَا

اللہ تعالیٰ فضل والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ﴿۶۰﴾ اور نہیں

تَكُونُ فِى شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا۟ مِنْهُ مِن قُرْءَانٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ

ہوتے آپ کسی حال میں اور اس حال میں سے یہ ہے کہ نہیں پڑھتے آپ قرآن کریم اور نہیں کرتے ہو تم کوئی

عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ

عمل مگر ہم تم پر حاضر ہوتے ہیں جبکہ تم اس کام میں لگتے ہو اور نہیں چھپتا

عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ

تیرے رب سے ذرہ کا وزن زمین میں اور نہ آسمان میں

وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۱ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ

اور نہ اس سے چھوٹا اور نہ اس سے بڑا مگر یہ سب ایک واضح کتاب میں ہے ۝۶۱ خبردار! اللہ کے دوست

اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۲ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا

نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم زدہ ہوتے ہیں ۝۶۲ جو ایمان لاتے ہیں

يَتَّقُوْنَ ۝۶۳ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ

اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں ☆ان کے لیے بشارت ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں،

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۶۴ وَلَا يَحْزُنْكَ

نہیں ہے تبدیلی اللہ کے کلمات کے لیے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے ۝۶۴ غم میں نہ ڈالے آپ کو

قَوْلُهُمْ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۵

ان کی بات، بے شک غلبہ اللہ ہی کے لیے ہے سارے کا سارا وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے ۝۶۵

تفسیر

ماقبل سے ربط:

کچھ آیات پہلے قرآن کریم کا تذکرہ آیا تھا، قرآن کریم کی عظمت بیان کی گئی تھی اور لوگوں کو متوجہ کیا گیا تھا کہ اس کو اللہ کی کتاب سمجھو، اللہ کی طرف سے آیا ہوا سمجھو اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرو، یہ کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے اور اس پر واضح دلیل دی گئی تھی کہ اگر یہ انسان کا بنایا ہوا ہوتا تم اس کی مثل لانے پر قادر ہوتے، ایک آدمی اکیلا اس کی مثل تیار نہیں کرسکتا تو سارے مل کر کرلیتے، پورے قرآن کریم کی نقل نہ اتار سکتے تو چلو اس کے مقابلہ میں ایک ہی سورۃ بنا کے لے آتے جب تم اس کی ایک سورۃ بھی نہیں بنا سکتے تو پھر سمجھ لو کہ یہ انسان کی

قدرت سے باہر ہے۔

قرآن کریم کی حقانیت کا اعتقاد انسان کے لیے ہدایت کا دروازہ کھولتا ہے، جب اس کو سمجھ لیا جائے کہ اللہ کی طرف سے ہے تو پھر اس میں جو باتیں کی ہوئی ہوں گی پھر ان کو انسان تسلیم کرے گا، جن باتوں سے روکا ہوا ہوگا ان سے رکے گا، عقیدہ اس کے مطابق رکھے گا تو پھر وہاں سے کلام آگے منتقل ہوگئی تھی ان کے شرک کے رد کی طرف کہ جو باتیں ان کے لیے اس قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے مانع بنتی تھیں ان کے مختلف نظریات کی تردید کی گئی تھی اب ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی عظمت کو بیان فرمارہے ہیں۔

پہلی آیت کا مفہوم:

سب لوگوں کو خطاب کیا گیا اگرچہ براہ راست مخاطب وہی تھے جو نزول قرآن کریم کے وقت موجود تھے لیکن یہ خطاب عام ہے، اے لوگو! تمہارے لیے نصیحت آگئی، قرآن کریم کے لیے یہاں چار الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، موعظہ، شفاء، ھدیٰ اور رحمت، یہ قرآن کریم موعظہ بھی ہے، شفاء بھی ہے، ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی ہے، ان چاروں لفظوں کا فرق سمجھ لیجئے کہ موعظہ کا تعلق اس بات سے ہے کہ یہ تمہیں منہیات سے روکتا ہے، برے کاموں سے روکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے روکتا ہے اس اعتبار سے یہ موعظہ ہے اگر کوئی شخص اس کے وعظ سے متاثر ہو کے برے کاموں سے باز آجاتا ہے تو نتیجہ کے اعتبار سے یہ شفاء لما فی الصدور ثابت ہوگا، اگر اللہ تعالیٰ کی آیات سے متاثر ہو کر بداعمالیوں سے باز آجاؤ گے تو سینے کے روگ دور ہوتے ہیں اور نیکیاں کرنے کے لیے یہ راہنما ہے، ھدیٰ کا تعلق ہوگا اس بات کے ساتھ کہ ایسے کاموں کی راہنمائی کرتا ہے کہ جن کاموں کے ساتھ انسان کو سعادت حاصل ہوتی ہے، اللہ راضی ہوتا ہے، دنیا اور آخرت میں انسان کو نیک بختی حاصل ہوتی ہے، کامیابی حاصل ہوتی ہے اس اعتبار سے یہ ہدایت ہے اور جس وقت کوئی اس سے متاثر ہو کر ایسے اعمال کر لے جو ہدایت کا مصداق ہیں تو نتیجہ میں اس کو رحمت حاصل ہوگی لیکن یہ ساری چیزیں انہی کو حاصل ہوں گی جو پہلے ایمان لائیں کہ یہ واقعی اللہ کی کتاب ہے اور اللہ کے رسول پر اتری ہے، اگر کوئی شخص ایمان نہیں لاتا تو اس کے لیے یہ نہ موعظہ ہے، نہ ہدایت ہے، نہ شفاء ہے اور نہ رحمت ہے، اس نعمت سے فائدہ وہی لوگ اٹھائیں گے جو ایمان لاتے ہیں تو چاروں لفظوں میں اس طرح فرق ہوگیا۔

"شفاء لما فی الصدور" کا مطلب:

اس سے کیا مراد ہے؟ روح کے لیے یہ شفاء کا باعث ہے، روح کی بیماریوں کو دور کرنے کا ذریعہ ہے اور روح ہی اصل کے اعتبار سے انسان ہے جس کی نسبت انسان کے قلب کی طرف ہوتی ہے، روح کا مرکزی تعلق قلب کے ساتھ ہی ہوتا ہے، قلب کی حیات کے ساتھ ہی انسان کی حیات ہے، قلب کے مرنے کے ساتھ ہی انسان کی موت ہے حسی طور پر بھی اور روحانی طور پر بھی، حسی طور پر دل کا دھڑکنا بند ہو جائے تو انسان مر جاتا ہے اور جس وقت تک یہ دل دھڑکتا ہے یہ انسان کی زندگی کی نشانی ہے، انسان اس وقت تک زندہ ہے جس وقت تک اس کا قلب حرکت کر رہا ہے اور جس وقت یہ قلب ٹھہر جائے تو یہ انسان کی موت ہے تو ظاہری بدن کی حیات اور موت کا تعلق بھی اسی قلب کے ساتھ ہی ہے۔

اور اسی طرح روحانی صحت اور مرض، روحانی حیات اور موت کی نسبت بھی قلب کی طرف کی گئی ہے، سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ "الا وان فی الجسد مضغۃ" خبردار! بدن کے اندر ایک گوشت کا ٹکڑا ہے "ان صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسد ت فسد الجسد کلہ" اگر وہ درست ہو جائے تو سارا بدن درست ہوتا ہے اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے "الا و ھی القلب" (بخاری ۱/۱۳) خبردار! وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے اس کے درست ہونے کے ساتھ بدن کی درستگی ہے، اگر قلب کی اصلاح ہو جائے تو سارے بدن کی اصلاح ہو جاتی ہے، اگر قلب کے اندر فساد ہو تو سارے بدن کے اندر فساد ہوتا ہے تو خیر اور شر کا منبع بھی قلب ہے۔

قرآن کریم روحانی بیماریوں کے لیے بھی شفاء کا باعث ہے:

قران کریم کا براہ راست تعلق تو ان بیماریوں کے ساتھ ہے جو روحانی ہیں اور دنیا کے اندر فساد اور امن یہ روحانی صحت اور روحانی بیماری پر ہوتا ہے، قلب کے اندر کفر ہے، شرک کا جذبہ ہے، حسد، بغض، عناد، حب دنیا، غفلت، تکبر، عجب یہ ساری بیماریاں ہیں جو شخص ان امراض سے بیمار ہوتا ہے، ان امراض کا مریض ہوتا ہے تو وہ لوگوں کے لیے کبھی باعث راحت نہیں ہو سکتا، ظاہری دنیا کے اندر بھی وہ فساد کا باعث بنتا ہے، دنیا کے اندر بھی اس قسم کے لوگ دوسروں کے لیے مصیبت کا باعث بنتے ہیں، ان کی وجہ سے دنیا کا امن بھی برباد ہوتا ہے اور جس وقت یہ بیماری دور ہو جاتی ہے، قلب کے اندر درستگی پیدا ہو جاتی ہے تو اس میں ایثار آتا ہے، ہمدردی آتی ہے، محبت آتی

ہے، مخلوق خدا پہ شفقت آتی ہے، خدمت خلق کا جذبہ ابھرتا ہے اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شرکت کا جذبہ ابھرتا ہے، اس کے ساتھ ظاہری دنیا کے اندر بھی امن قائم ہوتا ہے تو" ما فی الصدو ر " سے یہی بیماریاں مراد ہیں جو دل کو لگتی ہیں اصل کے اعتبار سے انسانیت کی بیماریاں یہی ہیں تو جب قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ان کو دور کر دیتا ہے۔

قران کریم بدنی بیماریوں کے لیے بھی باعث شفاء ہے:

اور بعض بیماریاں ایسی بھی ہیں کہ جو انسان کے بدن سے تعلق رکھتی ہیں جیسے بخار چڑھ گیا، دانت میں درد ہو گیا اور سر میں درد ہو گیا ایسی بہت ساری بیماریاں ہیں جو انسان کے بدن کو لگتی ہیں تو اللہ نے اپنی اس کلام کو ان کے لیے بھی باعث شفاء بنا دیا ہے اگر چہ ان الفاظ کا تعلق تو انہی امراض کے ساتھ ہی ہے لیکن تجربہ کے ساتھ سرور کائنات ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ بدنی بیماریوں کے لیے بھی شفاء کا باعث بنتے ہیں اگر چہ وہ اس آیت کا مصداق نہیں۔

جیسے حدیث شریف میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ کا ذکر آتا ہے کہ کہیں جا رہے تھے کہ کسی قبیلہ کے سردار کو سانپ لڑ گیا تھا اور انہوں نے ان سے کہا تھا کہ دم درود کر دو تو پہلے انہوں نے ان سے مہمانی کا مطالبہ کیا تھا انہوں نے مہمانی نہیں کی تھی تو یہ کہنے لگے کہ ہم دم کریں گے لیکن اتنی بکریاں لیں گے، انہوں بکریاں دینے کا وعدہ کر لیا تو ایک صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کے دم کر دیا تو وہ ٹھیک ہو گیا جب بکریاں لے لیں تو پھر شبہ ہوا یہ تو ہم نے اللہ کی کتاب پر اجرت حاصل کر لی، حضور ﷺ کے سامنے یہ مسئلہ بیان ہوا آپ ﷺ نے فرمایا جائز ہے اس لیے مسئلہ یہی ہے کہ دم اور تعویز کے اوپر اجرت لی جا سکتی ہے، بہر حال سورۃ فاتحہ پڑھنے سے اس کو آرام آ گیا، کسی کو جنون تھا سورۃ فاتحہ پڑھ کے دم کیا تو اس کو آرام آ گیا تو علماء امت نے بھی اپنے تجربہ کے طور پر آیات کے خواص لکھے ہیں کہ فلاں آیت کو پڑھنے سے فلاں مرض کو شفاء ملتی ہے، فلاں آیت کے پڑھنے سے فلاں مرض دور ہوتی ہے تو اس قسم کی شفاء بدنی امراض کے لیے بھی ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن قرآن کریم کا نزول اس لیے نہیں یہ تو مزید اللہ کا فضل ہے جو قرآن کریم کی برکت سے حاصل ہوتا ہے کہ بدنی تکلیفیں بھی اس کی برکت سے دور ہو جاتی ہیں لیکن اس کے نزول کا اصل مقصد روحانی شفاء حاصل کرنا ہے کہ قلبی بیماریوں سے انسان نجات پائے، اگر کوئی شخص اس کو تعویذوں کے

لیے رکھ لے تو ٹھیک ہے اس کو بدنی صحت ہو جائے گی لیکن قرآن کریم کے اصل مقصد سے وہ دور ہٹ جائے گا، اصل مقصد یہی ہے کہ اس سے روحانی شفاء حاصل کی جائے اور دل کی بیماریوں سے وہی بیماریاں مراد ہیں جن کی تفصیل تصوف میں کی جاتی ہے تو قرآن کریم پر عمل کرنے سے انسان کے قلب کو روحانی شفاء حاصل ہوتی ہے اور انسان صحیح طور پر صحت مند ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم انسانیت کی تکمیل کا کامل نسخہ ہے:

ہدیٰ اور رحمت کا فرق بھی آ گیا کہ ہدیٰ کا مصداق ہوگا کہ یہ نیکی کے کاموں کی طرف راہنمائی کرتا ہے جیسے موعظۃ کا مصداق بتایا کہ برے کاموں سے روکتا ہے اور جس وقت نیکی کے کاموں کو آپ اپنائیں گے تو ان کے اپنانے کے ساتھ اللہ کی رحمت حاصل ہوگی، آپ کو فوائد پہنچیں گے، آخرت آباد ہوگی گویا کہ ہدیٰ یہ غذا کے معنی میں ہے، رحمت کا حصول ہوگا وہ جو غذا کھانے سے قوت حاصل ہوتی ہے اور اچھے فوائد سامنے آتے ہیں اور موعظہ پرہیز کے درجے میں تھی جس پرہیز کے اختیار کرنے سے ہی بیماری سے شفاء حاصل ہوتی ہے تو مثبت اور منفی دونوں پہلو سامنے آگئے تو انسانیت کی تکمیل کے لیے قرآن کریم ایک کامل نسخہ ہو گیا اس کو اگر پڑھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو انسانیت کو کمال حاصل ہوتا ہے، مؤمنین کا مطلب یہی ہوا کہ فائدہ اس سے وہ ہی اٹھائیں گے جو اس پر ایمان لائیں گے اور اس پر ایمان لائے بغیر اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

دوسری آیت کا مفہوم:

"قل بفضل الله و بر حمته" آپ کہہ دیجیے کہ یہ کتاب اللہ کے فضل اور اللہ کی رحمت سے حاصل ہوئی ہے اور اس کے ساتھ لوگوں کو خوش ہونا چاہیے، اس کے حصول پر خوشی منانی چاہیے کہ اللہ نے یہ کتاب اتار دی اور اس کے تسلیم کرنے کی توفیق دے دی یہ بہت بڑی خوشی کی بات ہے، فرح کہتے ہیں خوش ہونے کو لیکن خوش ہونا دو طرح کا ہوتا ہے، ایک ہے شکر کا جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی نعمت کے حاصل ہو جانے کے بعد یہ تصور حاصل ہو جائے کہ یہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے حاصل ہوئی ہے اس اعتبار سے خوش ہو جائے تو یہ فرح شکر ہے، یہ محمود ہے، اس کا حکم ہے کہ اللہ کی نعمتوں پر خوشی کا اظہار کرو یعنی شکر والی خوشی کہ یہ نعمت ہمیں اللہ کے فضل اور اللہ کی رحمت سے حاصل ہوئی یہ مطلوب ہے۔

اور ایک فرح ہوتا ہے اترانا اور اکڑنا، وہ یہ ہے کہ نعمت فخر اور غرور کا باعث بن جائے یہ ممنوع ہے جیسے قرآن کریم میں دوسری جگہ قارون کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے "لاتفرح ان اللہ لا یحب الفرحین "قارون کا قصہ سورۂ قصص کے آخر میں آئے گا وہاں اللہ تعالیٰ قارون کا کچھ حال بیان فرماتے ہیں "ان قارون کان من قوم موسیٰ" قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا، اس کے خزانوں کی تعریف کی ہے "اٰتینا ہ من الکنوز ما ان مفا تحہ لتنوء بالعصبۃ" ہم نے اس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ اس کے خزانوں کی چابیاں ایک جماعت اٹھا کے چلتی تھی تو وہ بھی بوجھ محسوس کرتی تھی، اس کے خزانوں کی اتنی چابیاں تھیں، اندازہ لگاؤ کہ اس کے خزانے کتنے ہوں گے اور ان میں مال و دولت کتنا ہوگا کہ ان کی چابیاں بھی ایک جماعت کو بوجھ میں ڈال دیتی تھیں اتنے خزانوں کا مالک ہونے کے بعد اللہ کی طرف سے پیغام ملا کہ جو تجھے نعمتیں اللہ کی طرف سے ملی ہیں ان کو اس کی طرف سے سمجھ اور ان کے اوپر اترایا نہ کر، خوشی نہ کر اللہ تعالیٰ خوشی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، یہاں جو فرح ہے جس کی مخالفت آئی ہے کہ خوشی نہ کر یہ فرح فرح بطر ہے یہ فرح شکر نہیں ہے اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ مجھے قابلیت سے حاصل ہوئی ہے، اللہ کی طرف اس کی نسبت باقی نہ رہے جیسے کہ اسی قارون کے قول میں آگے نقل کیا گیا ہے "انما اوتیتہ علی علم عندی" یہ مال اور دولت تو مجھے اس قابلیت کی وجہ سے دیا گیا ہے جو مجھے حاصل ہے، میں نے اس کو اپنی قابلیت کے ساتھ کمایا ہے، اپنے علم و ہنر کے ساتھ کمایا ہے گویا کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور عطیہ نہیں سمجھتا تھا ایسے طور پر جو فرح ہوتی ہے اس کو فرح بطر کہا جاتا ہے اس کی ممانعت ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے پوچھا تھا کہ تیری نعمتوں کے شکر ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ تیری نعمتیں تو اتنی ہیں جو شمار میں نہیں ہوتیں ہم ان کا شکر کس طرح ادا کر سکتے ہیں اور اگر تیرا شکر ادا کرنے کی توفیق ہو ہی جائے تو یہ توفیق شکر ایک مستقل نعمت ہے اس پر بھی شکر ادا ہونا چاہیے تو کیا طریقہ ہے کہ تیرا شکر ادا کر سکیں اور یہ سوال بہت اہم ہے۔

اللہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ اے موسیٰ! یہ بات جان لینا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ میرا ہی دیا ہوا ہے بس یہی میرے شکر کے لیے کافی ہے، جس بندے کے تصور میں یہ بات رہتی ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہے سب اللہ کا دیا ہوا ہے اس میں میرے کمال کا دخل نہیں، میری استعداد کا دخل نہیں اور یہ جذبات اس کے دل میں

ابھرتے ہیں، دماغ میں آتے ہیں کہ جو کچھ ہے اللہ کا دیا ہوا ہے، ہماری قابلیت کا اس میں کوئی دخل نہیں اصل کے اعتبار سے شکر کی بنیاد یہی ہے، وہ آدمی اللہ کا شکرگزار ہے جو ہر نعمت کی نسبت اللہ کی طرف کرتا ہے۔

یہاں بھی وہی بات ہے کہ اللہ کے فضل ورحمت سے یہ نعمت حاصل ہوئی اور اس کے اوپر خوشی مناؤ کہ اللہ نے یہ فضل فرمایا کہ یہ خوشی اور رحمت تمہیں دے دی تو یہ فرح شکر والی فرح ہے۔

"ھو خیر مما یجمعون" کا مفہوم:

جو کچھ تم کرتے ہو، جو کچھ تم جمع کرتے ہو اس کے مقابلہ میں یہ بہتر ہے "مما یجمعون" میں "ما" عام ہے جو کچھ لوگ اکٹھا کرتے ہیں، لوگ کیا اکٹھا کرتے ہیں، کیا جمع کرتے ہیں، سونا کرتے ہیں، چاندی کرتے ہیں، ہر چیز کے مقابلہ میں یہ قرآن کریم بہتر ہے، کتنا قطعی طور پر یہ اعلان کر دیا گیا" ھو خیر مما یجمعون ""ما" کو عام رکھا گیا کسی ایک چیز کے ساتھ اس کا مقابلہ نہیں کیا گیا جو کچھ لوگ جمع کرتے ہیں اس کے مقابلہ یہ قرآن کریم بہتر ہے۔

یہ مقابلہ تو اس سے ظاہر ہو گیا جو میں نے آپ کے سامنے قارون کی بات ذکر کی ہے کہ اتنے خزانوں کا مالک تھا اس سے کہا جا رہا ہے "لا تفرح" کہ یہ خوشی کی بات نہیں ہے، دنیا کی دولت پر خوش ہونا بری بات ہے اور قرآن کریم پر خوش ہونے کا حکم دیا جا رہا ہے تو دنیا کتنی ہی اکٹھی کیوں نہ کر لے اس پر خوش ہونا مطلوب ہی نہیں اور قرآن کریم کے اوپر خوشی مطلوب ہے، یہاں سے بھی مقابلہ ظاہر ہو گیا اور" ما یجمعون " یہ عموم پر دلالت کرتا ہے جس میں یہ بات کہہ دی گئی کہ دنیا کے ساز وسامان کے مقابلہ میں قرآن کریم بہتر ہے۔

مثال نمبر ۱:

اب اس کو یوں سمجھ لیجیے کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ ہفت اقلیم کی بادشاہت دے دے، ساری دنیا کا اس کو بادشاہ بنا دے، جو کچھ دنیا میں حاصل ہو سکتا ہے وہ اس کو حاصل ہو جائے لیکن وہ قرآن کریم کی دولت سے محروم ہے اس کے پاس ایمان نہیں، اللہ پر اعتقاد نہیں رکھتا کیونکہ یہ چیزیں تو قرآن کریم ہی بتائے گا مقابلہ کی صورت تو یہ ہو گی کہ وہ شخص قرآن کریم کی تعلیمات سے غافل ہے ہفت اقلیم کا بادشاہ ہو گیا، دنیا کی ہر نعمت اس کو حاصل ہے لیکن قرآن کریم اس کو حاصل نہیں اور ایک شخص ایسا ہے کہ جو دنیا کی ہر نعمت سے محروم ہے لیکن قرآن کریم کی دولت اس کو

حاصل ہے ان دونوں کا آپ مقابلہ کریں حقیقت پسندی کے ساتھ تو ایک نتیجہ پر آپ پہنچیں گے کہ جہاں تک تو دنیا کے اکٹھے ہونے کا تعلق ہے انسان کے دماغ میں اس کی کمزوری کی بناء پر ایک بات آتی ہے کہ جب وہ اپنے پاس کسی چیز کا ڈھیر لگا ہوا دیکھتا ہے تو دیکھ کے خوش ہوتا ہے حالانکہ جو کچھ وہ اکٹھا کرے گا یہ اس کا نہیں ہے، وہم ہے کہ یہ میرا ہے، اس کا اس میں سے کتنا ہے؟ جتنا یہ کھالے اور اس کے ساتھ اپنی زندگی کو بچانے کا کوئی ذریعہ بنالے، گرمی سردی سے بچنے کے لیے لباس پہن لے، جو اس نے استعمال کر لیا یہ اصل کے اعتبار سے اس کا ہے اور باقی جو کچھ بھی ہے وہ اس کا نہیں اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ اس پر کوئی دلیل دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

جیسے ایک شخص بینک کا منیجر ہے، اس کے پاس الماری کی چابیاں ہیں اور کروڑ ہا روپیہ اس کے اندر پڑا ہوا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ روپے میرے نہیں ہیں کیونکہ میں ان کا محافظ ہوں جس وقت مالک آئے گا ان کو سپرد کرنا ضروری ہے میرا تو اس میں سے وہی ہے جو مہینہ کے بعد مجھے تنخواہ ملے گی، اب ایک شخص اندر سونے کے ڈھیر لگا لے، خزانے بھر لے، تالے لگا کے چابیاں اپنے پاس رکھ لے حقیقت کے اعتبار سے اس میں اور بینک کے منیجر میں کیا فرق ہے؟ یہ مرجائے گا مرنے کے بعد یہ مال جس کا ہے وہ اٹھا کے لے جائے گا، ورثا میں تقسیم ہو جائے گا یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرا ہے حقیقت میں اس کا نہیں ہے اس کا وہ ہے جو اس نے استعمال کر لیا یا پہن لیا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کتنی ہی کیوں نہ اکٹھی ہو جائے اس میں انسان کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا اس نے کھا پی لیا اور پہن لیا اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

اور دوسرے شخص کے پاس خزانے بھرے ہوئے نہیں، کسی ذریعہ کے ساتھ اس کو روٹی ملتی ہے اور وہ بھوکا نہیں مرتا اور سردی اور گرمی سے بچنے کے لیے اس کے پاس کپڑا ہے اور یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ اچھے کھانے پینے سونے کا تعلق صرف زبان کے ساتھ ہے اور حلق سے اتر جانے کے بعد سب ایک ہو جاتا ہے اگر وہ صحیح ہضم ہو گیا اور قوت کا باعث بن گیا تو چنے بھی نعمت ہیں اور اگر کسی نے اعلیٰ سے اعلیٰ اور لذیذ سے لذیذ چیزیں کھائی ہیں تو اس کی زبان نے تو مزہ لے لیا لیکن اندر اترتے ہی یہ صحت کے لیے مضر ثابت ہو گئیں تو یہ نعمت نہیں ہیں، لذت کا تعلق زبان تک ہی ہے حلق سے اترنے کے بعد کوئی لذت نہیں ہے، گرمی سردی سے بچاؤ حاصل کر لیا آپ کا مقصد حاصل ہو گیا چاہے ریشمی کپڑوں سے حاصل کر لیا، چاہے سوتی کپڑوں سے حاصل کر لیا یہ حقیقت کی بات کر رہا ہوں

جو کچھ ہیں انسان کے تو ہمات ہیں ان دونوں کو دنیا کے اندر برابر کا حصہ مل گیا جس کے پاس زیادہ جمع رکھا ہوا ہے وہ حقیقت کے اعتبار سے اس کا نہیں، اس کا وہی ہے جتنا اس نے استعمال کر لیا اور آپ کو اتنا مل گیا جتنی آپ کو ضرورت تھی نتیجہ کے اعتبار سے دونوں آپس میں برابر ہیں، نتیجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

مثال نمبر۲:

اس کو یوں سمجھ لیجیے کہ پیاس لگنے بعد انسان کو پانی چاہیے، پانی چوبیس گھنٹے میں آپ زیادہ سے زیادہ دس گلاس پی لیں گے، دس گلاس پانی انسان کی ضرورت ہے چوبیس گھنٹے کے لیے اب ایک آدمی جو بیٹھا ہے اس کے پاس کوئی نلکا نہیں، ٹیوب ویل نہیں، کنواں نہیں لیکن اس کو چوبیس گھنٹوں میں دس گلاس پانی مل جاتا ہے اور وہ پی لیتا ہے اور ایک آدمی کو سارے سمندر کا مالک بنا دیا جائے، سارے دریاؤں کا مالک بنا دیا جائے، سارے ٹیوب ویل اس کے ہیں اور سارے نلکے اس کے ہیں لیکن پانی تو اس نے بھی چوبیس گھنٹے میں وہی دس گلاس ہی پینا ہے یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ یہ سارا پانی میرا ہے اس نے بھی دس گلاس ہی پینے ہیں آپ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ میرے پاس کوئی کنواں نہیں، کوئی ٹیوب ویل نہیں آپ نے بھی دس گلاس ہی پینے ہیں تو دنیا کے اندر حصہ تو دونوں کا برابر ہے۔

جب پھر یہ دونوں دنیا کو چھوڑیں گے، وہ بھی چھوڑے گا جو ہفت اقلیم کا مالک ہے آپ بھی چھوڑیں گے تو مرنے کے بعد دونوں خالی ہاتھ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے، یہ آنکھوں کے سامنے ہے کہ انجام دونوں کا برابر ہے اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں یہ تو میں آپ کو متوجہ کرنے کے لیے وضاحت کر رہا ہوں ورنہ یہ تو روزمرہ کے قصے ہیں کہ مرنے کے بعد دونوں برابر ہیں اور زندگی کے اندر حصہ دونوں نے برابر پایا، کھانا تو اس کو بھی ملا ہے کہ جس کو آپ درویش اور فقیر کہتے ہیں اور ہفت اقلیم کے بادشاہ کو بھی ملا ظاہری طور پر یہ اپنا وقت گزار گئے اور مرنے کے بعد دونوں برابر ہو گئے۔

لیکن یہ دنیا کا مال و دولت یہاں ہی رہ گیا اور وہ انسان کی آنے والی زندگی کے اندر مصیبت تو بن سکتا ہے مفید نہیں اور ایک شخص کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کی دولت دے دی، یہ دولت ایسی ہے کہ جس کو اپنانے کے ساتھ دنیا کے اندر بھی راحت اور آرام کی زندگی نصیب ہوتی ہے جس کی تفصیل آپ کے سامنے "الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیهم ولا هم یحزنون" کے اندر آ رہی ہے اور مرنے کے بعد جو آخرت کی زندگی ہے وہ تو ہے ہی

قرآن کریم والوں کی۔

اس طرح آپ موازنہ کر کے دیکھیں گے تو آپ کے سامنے یہ بات آئے گی کہ واقعی قرآن کریم ایک ایسی نعمت ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی دولت دولت نہیں ہے، قدر ہونی چاہیے اور انسان اس حقیقت کو اپنے دل کے اندر اتار لے تو انسان کے اوپر یہی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ پھر اس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی دولت دولت نہیں ہوتی۔

مثال نمبر۳:

سمجھانے کے لیے ایک مثال دوں، یہ زمین ہمارے لیے بدن کی ضرورت مہیا کرنے کا ایک ذریعہ ہے، بدن کی ساری ضروریات اسی زمین سے حاصل ہوتی ہیں، لباس اس سے پیدا ہوتا ہے، خوراک اس سے پیدا ہوتی ہے، ادویات اس سے پیدا ہوتی ہیں، آرائش اور زیبائش کا سارا سامان اسی سے حاصل ہوتا ہے، ضرورت کی کوئی چیز ایسی نہیں کہ جو آپ کو اس زمین سے حاصل نہ ہوتی ہو، آپ کی عینک اور گھڑی تک کی ضرورت اس سے حاصل ہوتی ہے۔

اب اس زمین کو اگر آپ دیکھیں، نا تجربہ کار آدمی جس کو زمین کی کوئی قدر و قیمت معلوم نہیں اس کو لے جا کے کسی ایسی زمین کے کنارے پہ کھڑا کر دیا جائے جو ویران پڑی ہو اور اس سے کہا جائے ساری دنیا کی نعمتیں اسی میں ہیں، وہ کہے گا کہ ایسے خواہ مخواہ بکواس کرتے ہیں، ڈھیلے پڑے ہیں، مٹی پڑی ہے، چاٹ کے دیکھو تو کوئی ذائقہ نہیں، منہ میں ڈالو تو منہ خراب ہوتا ہے، بیٹھ جاؤ تو کپڑے خراب ہوتے ہیں، بھلا یہ بھی کوئی قابل قدر چیز ہے؟ بیٹھنے کے یہ قابل نہیں، چاٹنے کے یہ قابل نہیں اور یہ کہتا ہے کہ ساری نعمتیں اس میں ہیں، اب جو غافل ہے، جو حقیقت کو نہیں جانتا وہ تو یہی تصور کرے گا، وہ کہے گا مجھے تو اس میں کوئی نعمت نظر نہیں آرہی ہے، ہم کیلا کھاتے ہیں تم کہتے اس سے نکلتا ہے ہم تو دوربینیں لگا کے دیکھ رہے ہیں ہمیں تو کوئی کیلا نظر نہیں آرہا، اب وہ جھٹلائے گا نہیں تو کیا کرے گا۔

لیکن یہ اس کی اپنی جہالت ہے، اپنی غفلت ہے اس کو پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہی ریت کے ٹیلوں اور مٹی کے ڈھیلوں میں ہر نعمت رکھی ہے، اور جس کو اللہ نے زمین کی قدر دی ہے، جو "طبقات الارض" سے واقفیت رکھتا ہے، کاشتکار ہے، کاشتکار کا بیٹا ہے، خاندانی طور پر وہ زمیندار چلا آرہا ہے ان کو پتہ ہے ہماری ساری خاندانی خوشحالی انہی ڈھیلوں کی برکت سے ہوئی ہے اور ایک ایک انچ کے اوپر وہ اپنی جان دیتے ہیں، آپس میں مرتے ہیں، ایک ایک فٹ پر جان دیتے ہیں کہ کہیں یہ ہمارے ہاتھ سے نکل نہ جائے کیونکہ ان کو پتہ ہے ایک ایک انچ سے

کتنی دولت نکلتی ہے، وہ اس کا قدر دان ہے جب اس کے سامنے آپ کہیں گے کہ گندم بھی اس میں ہے، وہ کہے گا کہ بالکل ہے، کہیں لباس بھی سارا اس سے نکلتا ہے وہ کہے گا بالکل ٹھیک ہے، یہ جتنے فروٹ ہیں اور جتنی نعمتیں ہیں چینی گڑ اور شکر وغیرہ ساری اس میں موجود ہیں وہ کہے گا بالکل ٹھیک ہے، جو قدر دان ہے وہ کہے گا یہ زمین مجھے دے دو اور جب اس کو یہ زمین مل جائے گی وہ یوں سمجھے گا کہ آج میں نے دنیا کی کوئی بہت بڑی دولت حاصل کر لی ہے، اس کے بعد ہماری زندگی خوشحال گزرے گی، ان دونوں کی نظر کا کتنا فرق ہے؟ جو زمین کی قدر و قیمت نہیں جانتا وہ زمین کے متعلق کیا تصور رکھتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ صرف پیشاب یا پاخانے کے لیے ہے اور جس کو زمین کی قدر معلوم ہے وہ سمجھتا ہے کہ جس کو زمین مل گئی اس کو سب کچھ ہی مل گیا تو اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے انسان کے ذہن میں کتنا فرق ہے؟

بالکل اسی طرح سمجھ لیجیے کہ انسانیت کی اصل اس کی روح ہے، روح کے لیے سکون، اطمینان، اور روح کے لیے غذا جتنی بھی ہے وہ سارا سامان اللہ نے اس کتاب کے اندر رکھا ہے لیکن اگر کسی ناقدرے انسان کے سامنے اس کو پیش کریں گے تو وہ کہے گا کیا ہے؟ یہ تو "اساطیر الاولین" پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں اکٹھی کر رکھی ہیں، اس میں کیا چیز رکھی ہے؟ "ایکم زادته هذه ایماناً" اس میں کونسی ایمان کی بات ہے، اس سے کونسا ایمان بڑھتا ہے، کیا اس سے فائدہ ہوتا ہے، مشرکوں اور منافقوں کے جذبات کتاب اللہ کے متعلق ایسے ہی ذکر کیے گئے ہیں لیکن جب کسی قدر دان کے ہاتھ آتی ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اصل انسانیت کی غذاء اور دواء یہی کتاب ہے۔

اسی طرح اس فرق کو سمجھ لیجیے کہ ایمان لا کے جب انسان اس کو استعمال کرتا ہے تو استعمال کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ کتنی بڑی نعمتوں کا مجموعہ ہے، اس کے مقابلہ میں دنیا کی نعمتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اگر ہمیں اس کی قدر معلوم نہیں ہو رہی تو اس لیے نہیں ہو رہی کہ ہم نے اس کو استعمال کر کے نہیں دیکھا، اس کی ہدایات پر عمل کر کے نہیں دیکھا، اگر اس کی ہدایات پر عمل کرتے اور اس کا بتایا ہوا پرہیز استعمال کرتے تو ہمیں پتہ چلتا کہ انسان کے باطن میں کیا باغ و بہار ہوتی ہے اور کیسی کیسی رحمتیں اور نعمتیں انسان کو حاصل ہوتی ہیں جن کے مقابلہ میں دنیا کی نعمتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے، تو یہ اپنے اپنے نقطہ نظر کا فرق ہے اور اپنا اپنا تجربہ ہے، اس کی ہدایات پر عمل کرنے کے بعد جتنا تجربہ ہوتا جائے گا اتنی ہی اس کتاب کی عظمت دل میں بیٹھتی جاتی ہے اور اگر آپ کو معلوم نہیں ہو رہی تو

اس میں قصور آپ کا ہے، جتنا اس سے تعلق پیدا کرو گے اتنی ہی رحمتیں حاصل ہوں گی تو پھر صحیح طور پر انسان کو اس کی قدر معلوم ہوگی، فیصلہ قطعی ہے "خیر مما یجمعو ن" یہ اللہ کے فضل اور رحمت سے حاصل ہونے والی ہے، دنیا میں انسان جو کچھ اکٹھا کرتا ہے، جو کچھ سمیٹتا ہے اس کے مقابلہ میں یہ بہتر ہے، جس کو یہ مل گئی اس کو یوں سمجھو کہ دنیا کی ہر چیز مل گئی اور اس کے مل جانے کے بعد کسی اور چیز کو خاطر میں لانا کہ یہ نہ ہوتی اور وہ ہوتی تو اس سے بڑھ کر انسان کی حماقت اور کوئی نہیں ہے۔

مثال نمبر۴:

جیسے ایک بچہ ہے، اس کے ہاتھ میں آپ سو کا نوٹ دے دیں، اس کے نزدیک کاغذ کے ٹکڑے اور نوٹ میں کوئی فرق نہیں ہے، اس کے ہاتھ میں سو کا نوٹ دے دیں وہی بات ہے، اخبار کا ٹکڑا دے دیں وہی بات ہے تو بچہ ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتا جیسا کاغذ یہ ہے ویسا کاغذ یہ ہے اور دوسرا کوئی شخص اس کو بسکٹ دکھادے اور کہے یہ لو گے یا یہ لو گے تو وہ فوراً کاغذ کو پھینک دے گا اور اس سے ایک بسکٹ لے لے گا اور بسکٹ کے مقابلہ میں سو روپے کے نوٹ کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہے، اس کی عقل کا یہی تقاضہ ہے کہ یہ بسکٹ تو کھانے کی چیز ہے اور کاغذ میں نے کیا کرنا ہے لیکن آپ جیسے سمجھدار جب پاس بیٹھے ہو گے تو کہیں گے کہ دیکھو! اس کا بچپنا اور اس کی حماقت، اس نوٹ کے ساتھ تو ڈھیروں بسکٹ خریدے جاسکتے ہیں جس ایک بسکٹ کے بدلے میں یہ نوٹ پھینک رہا ہے، یہ اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے، صحیح موازنہ وہی کر سکتا ہے جو حقیقت کو جانتا ہے تو جتنا حقیقت سے غافل ہوگا تو غافل ہونے کی صورت میں ایک بسکٹ میں سو تو کیا پانچ سو کا نوٹ دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے یہ حقیقت ناشناسی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی اس کلام میں کسی قسم کے کوئی شبہ کی گنجائش نہیں کہ واقعی دنیا کی ہر نعمت کے مقابلہ میں قرآن کریم خیر ہے۔

تیسری آیت کا مفہوم:

قرآن کریم کی عظمت بیان فرمانے کے بعد اگلی آیت میں یہ واضح کیا جارہا ہے کہ کسی چیز کو حرام ٹھہرانے یا حلال ٹھہرانے کا حق صرف اللہ کا ہے اور وہ اس کی کتاب سے واضح ہوگا، مشرکین کی یہ عادت تھی کہ بعض چیزوں کو وہ اپنے بتوں کی طرف منسوب کر کے حرام ٹھہرا لیتے اور اس کے اندر کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے جیسے آپ

کے سامنے ''سورۃ المائدۃ '' میں تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے اور پھر ان کی یہ جو تحریم تھی اس کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ بتایا ہوا اللہ کا ہے، اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہم عمل کرتے ہیں ''واللہ امرنابھا'' اللہ فرماتے ہیں یہ میرے اوپر افتراء اور جھوٹ ہے، میں نے اس قسم کی تحریم کا کوئی حق ان کو نہیں دیا ہے، یہ میرا بتایا ہوا طریقہ نہیں ہے، اپنی طرف سے باتیں بناتے ہیں اور پھر اللہ پہ لگاتے ہیں، مسئلہ ان کے بارے میں سورۃ المائدہ میں ذکر کر دیا گیا تھا کہ اس قسم کی تحریم کا شرعی طور پر کیا حکم ہے؟ یہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دیے جاتے ہیں وہ چھوڑنے والے کی ملکیت میں باقی رہتے ہیں، جس مرنے والے کی طرف نسبت کر کے چھوڑے جاتے ہیں وہ جانور اس کی ملکیت میں نہیں جاتے کیونکہ مرنے کے بعد انسان میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں رہتی، مالک کی اجازت کے ساتھ جو شخص بھی ''بسم اللہ'' پڑھ کے ان کو ذبح کر کے کھالے وہ کھا سکتا ہے اور مالک خود بھی ان کو ذبح کر کے کھا سکتا ہے، وہ جانور حرام نہیں ہوتے، اس طرح چھوڑنے کے ساتھ جانور میں حرمت نہیں آتی یہاں اللہ تعالیٰ نے یہی تنبیہ فرمائی ہے کہ آپ ان سے پوچھیے کہ اللہ نے جو رزق آپ کے لیے اتارا ہے یعنی آسمان کی طرف سے رزق کے اسباب پیدا ہوتے ہیں اس لیے اس کو انزال سے تعبیر کیا یا پردہ غیب سے جو چیز بھی ظاہر ہوتی ہے وہ چونکہ عرش الٰہی کی طرف سے تکوینی احکام آنے کے بعد ہی ظاہر ہوتی ہے تو اس کو انزال کے لفظ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، جو رزق اللہ نے اتارا پھر اس میں سے تم نے کچھ حلال کر لیا، کچھ حرام کر لیا، یہ چیزیں پیدا تو اللہ تعالیٰ نے کیں پھر تم نے اس میں سے بعض کو حلال ٹھہرایا اور بعض کو حرام ٹھہرایا، ان سے پوچھیے کیا اللہ نے تمہیں اس بات کی اجازت دی ہے کہ تم اس طرح کر لیا کرو یا تم اللہ پر جھوٹ بولتے ہو اور یہ سیدھی بات ہے کہ اللہ نے اجازت دی نہیں ہے، اللہ کی اجازت کا پتہ چلے گا اس کی کتاب سے تو جس چیز کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرایا وہ حرام اور جس کو اللہ نے حلال ٹھہرایا وہ حلال کسی دوسرے کو کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ کے پیدا کردہ رزق کو حلال ٹھہرائے یا حرام ٹھہرائے۔

فقہاء کو احبار و رہبان کی طرح قرار دینا جہالت ہے:

یہ بات بھی آپ کے سامنے سورۃ التوبہ میں آئی تھی ''اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ'' وہاں یہ تفصیل آپ کے سامنے ذکر کی گئی تھی کہ ان کے اتخاذ رب کا یہ مفہوم حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے تحلیل اور تحریم کے اختیارات اپنے علماء کو دے رکھے ہیں، جو کچھ ان کے علماء اور مشائخ کہہ دیں کہ یہ حلال

ہے اس کو وہ حلال جان لیتے ہیں اور جس کو وہ حرام کہہ دیں اس کو وہ حرام مان لیتے ہیں چاہے ان کی یہ ہدایات اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں، اس منصب پر انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو بٹھادیا اسی کو سرور کائنات ﷺ نے فرمایا یہ اتخاذ رب ہے، کسی کو رب بنالینا یہی ہے کہ اس کو تحلیل اور تحریم کے اختیارات دے دیے گئے۔

ہمارے فقہاء رحمہم اللہ بھی بعض چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں اور ان کے حرام قرار دینے کے ساتھ ہم ان کو حرام سمجھتے ہیں، نسبت کرتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حرام ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حرام ہے، یہاں اہل کتاب والی بات نہیں ہے کیونکہ فقہاء رحمہم اللہ کے اقوال وہاں آتے ہیں جہاں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں کوئی حکم صراحتاً موجود نہیں ہے، جو حکم کتاب اللہ میں آگیا اور سنت رسول اللہ میں آگیا وہاں کوئی فقیہ زبان نہیں ہلاسکتا وہ وہی حکم ہے جو اللہ کی کتاب اور سنت رسول میں آگیا اور جو جزئیات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود نہیں ہیں ان کا حکم معلوم کرنے کے لیے یہ قرآن کریم اور حدیث شریف کی روشنی میں غور وفکر کرتے ہیں، تحریمات کے اصول کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے سمجھتے ہیں کہ کس چیز کو حرام ٹھہرانا ہے اور کس کو حلال ٹھہرانا ہے، ان کے کیا اصول ہیں تو پھر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے مستنبط اصولوں کے تحت کسی چیز کا حکم واضح کرتے ہیں، حقیقت میں اس حکم کی نسبت اللہ کی طرف ہی ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر قرآن کریم میں ہے "یحرم علیهم الخبائث" کہ یہ نبی ایسا ہے کہ جو لوگوں پر خبائث کو حرام ٹھہراتا ہے، تحریم خبائث کا اصول قرآن کریم سے نکلا ہے کہ جو خبیث چیز ہے وہ حرام ہے، نبی اس کو حرام ٹھہراتا ہے، اب ہمارے سامنے ایک ایسی چیز آگئی کہ جس کا ذکر نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام، اب فقیہ غور کرے گا کہ یہ چیز جس کا حکم دریافت کرنا مقصود ہے اس میں کسی قسم کا کوئی ظاہری یا باطنی خبث ہے یا نہیں؟ اگر معلوم ہو جائے کہ اس میں واقعی خبث ہے تو جس وقت اس میں خبث معلوم ہوگا تو اب اس چیز کو حرام ٹھہرا دیا جائے گا، اب اس کو حرام یہ فقیہ نہیں قرار دے رہا کہ فقیہ نے اس کو حرام قرار دیا ہے بلکہ تحریم خبائث کا جو اصول قرآن کریم سے نکلا ہے اس اصول کے تحت اس کو داخل کر کے قرآن کریم سے اس کا حکم نکال لیا کہ یہ بھی اللہ کے نزدیک حرام ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی اس کو حرام ٹھہراتے ہیں۔

یا حدیث شریف میں آ گیا سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ہر ذی ناب جو دانتوں سے شکار کر کے کھاتا ہے وہ حرام ہے، اب ایک جانور ہمارے سامنے ایسا آ گیا کہ جس کا ذکر قرآن کریم میں اور حدیث میں صراحتاً نہیں ہے کہ یہ حرام ہے، اب فقیہ غور کرے گا کہ یہ چوپایہ ذی ناب تو نہیں؟ کیا یہ منہ کے ساتھ تو شکار نہیں کرتا؟ اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کے دانت ویسے ہی ہیں جیسے شکاری جانور کے ہوتے ہیں اور یہ بھی منہ کے ساتھ شکار کر کے کھاتا ہے تو "کل ذی ناب" کے تحت داخل ہو کے اس کا بھی حکم واضح ہو جائے گا کہ یہ بھی حرام ہے تو فقیہ کا کام صرف یہی ہوتا ہے کہ قرآن اور حدیث سے جو احکام مستنبط ہوتے ہیں ان کے ساتھ ایسی چیزوں کا حکم واضح کرے کہ جن کی صراحت قرآن اور حدیث میں نہیں ہے، ایک پرندے کا ذکر آ گیا کہ یہ پرندہ حلال ہے یا حرام، قرآن اور حدیث میں صراحتاً اس کا ذکر نہیں آتا تو فقیہ دیکھے گا کہ یہ پنجہ کے ساتھ شکار کرتا ہے یا نہیں، اگر پنجہ کے ساتھ شکار کرتا ہے تو فقیہ کہہ دے گا کہ یہ حرام ہے تو اس حرمت کی نسبت اس حدیث کی طرف ہوگی جس میں پنجہ کے ساتھ شکار کرنے والے جانوروں کو حرام ٹھہرایا گیا ہے، فقیہ اپنی طرف سے حکم نہیں لگایا کرتے۔

آگے جو ان کا اختلاف ہوتا ہے اس کی حیثیت بھی یہی ہے کہ ایک آدمی کی تحقیق یہ ہوگی کہ اس میں خبث نہیں ہے اور ایک آدمی کی تحقیق ہوگی کہ اس میں خبث ہے تو اس قسم کی چیزیں پھر مجتہد فیہ ہو جاتی ہیں پھر ان کا حکم ان سے ادون ہو جاتا ہے جن کے متعلق قرآن کریم میں صراحت آئی ہوئی ہے کہ جن کے حلال ہونے کی صراحت آ گئی وہ تو قطعی طور پر حلال ہو گئے، جن کے حرام ہونے کی صراحت آ گئی وہ تو قطعی طور پر حرام ہو گئے اور جن کا حکم صراحتاً نہیں آیا تو مجتہدین اپنے اجتہاد کے ساتھ اس کو کسی حکم میں داخل کریں گے تو یہاں آگے اختلاف ہو سکتا ہے ایک آدمی کے نزدیک اس حیوان کی اور حیثیت متعین ہے اور ایک کے نزدیک اور متعین ہے تو یہاں اختلاف ہو سکتا ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے اس کا حکم پہلے کے مقابلہ میں ادون ہوگا، اس کا انکار کفر نہیں ہوگا، جس کے نزدیک حلال ہے اس کے نزدیک اس کو حلال جاننا ضروری ہوگا اور اس اختلاف میں وہ تشدد نہیں ہوگا جو تشدد حدیث میں یا قرآن میں صراحتاً مذکور جزئیات کے بارے میں ہوتا ہے اس لیے ہم فقہاء رحمہم اللہ کو حق نہیں دیتے کہ اپنی جانب سے کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرا لیں، اس لیے احبار و رہبان کا طریقہ اور تھا اور ہمارے فقہاء رحمہم اللہ کا طریقہ اور ہے، ان فقہاء رحمہم اللہ کو ان احبار اور رہبان کی طرح قرار دینا یہ جہالت ہے۔

چوتھی آیت کا مفہوم:

آگے ان کے لیے دھمکی اور وعید ہے " وماظن الذین یفترون علی اللہ الکذب یوم القیامۃ "اس استفہام کے اندر تہدید ہے کیا خیال ہے ان لوگوں کا جو اللہ کے متعلق جھوٹ گھڑتے ہیں قیامت کے دن کے بارے میں، انہوں نے قیامت کے دن کو کیا سمجھ رکھا ہے؟ کیا قیامت کے دن جب اللہ کے سامنے پیشی ہوگی تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا نہیں کہ تم نے اس کو حرام کیوں ٹھہرایا تھا، اپنے طور پر کیوں حکم لگالیا تھا، کیا اس دن ان سے پوچھے گا کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربانی کرنے والا ہے کہ ان کے نفع اور نقصان کی چیزیں ان کے سامنے واضح کرتا ہے، آنے والے خطرات کی ان کو اطلاع دیتا ہے "ولکن اکثرھم لا یشکرون "لیکن اکثر لوگ قدردان نہیں، اللہ تعالیٰ کی ان باتوں اور احکام کی قدر نہیں کرتے، قدر کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کو اپنے لیے مفید سمجھتے ہوئے اس کو اپنائیں، شکر کا یہی معنی ہے، شکر اصل میں اطاعت ہی کا نام ہے، کسی کی بات کی دل میں قدر کرنا اور اس کو مان لینا یہی اس کی قدر دانی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی باتوں کی اکثر لوگ قدر نہیں کرتے حالانکہ اللہ کی سب باتیں اپنے بندوں پر مہربانی اور شفقت پر مشتمل ہیں جس میں ان کو ان کے نفع اور نقصان کی اطلاع دی جاتی ہے اور آنے والے خطرات سے آگاہ کیا جاتا ہے لیکن اکثر لوگ قدر نہیں کرتے۔

پانچویں آیت کا مفہوم:

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے علمی احاطہ کو ذکر فرمایا ہے، علمی احاطہ جہاں ذکر کیا جاتا ہے وہاں بھی ترغیب اور ترہیب ہوتی ہے بایں معنی کہ بدکاروں کو تو یہ کہا جارہا ہے کہ تمہارا کوئی عمل مخفی نہیں، ہر کام ہمارے سامنے ہے اس لیے جب موقع ملے گا تو تمہیں سزا ملے گی اس کا محاسبہ کیا جائے گا اور جو فرمانبردار ہیں ان کو یہ کہا جارہا ہے کہ تمہاری فرمانبرداریاں، اور تمہاری وفاداریاں بھی ہم سے مخفی نہیں ہیں، ہم جانتے ہیں تم ہمارے لیے کیا کیا مصیبتیں برداشت کررہے ہو، ہم ان کی قدر کریں گے تمہیں ان کی جزا دیں گے، اس اعتبار سے اللہ کا علم نیکوکاروں کے لیے ایک ترغیب ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی کے لیے وفاداری کرتا ہے، کسی کے لیے جان دیتا ہے جس کے لیے جان دے رہا ہے اس کو پتہ ہی نہ ہو تو بسا اوقات قربانی دینے والے کا حوصلہ ٹوٹ جاتا ہے کہ میں نے ان کے لیے سب کچھ کردیا

ان کو پتہ ہی نہیں کہ میں ان کے لیے کیا کر رہا ہوں اور جب یہ بات آجائے کہ ہم وفادار کی ایک ایک بات کو جانتے ہیں، کوئی حال ہم سے مخفی نہیں اس سے پھر قربانی دینے والے کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے یہ خیال کرتے ہوئے کہ جس کے لیے ہم کر رہے ہیں وہ دیکھ رہا ہے، وہ جانتا ہے تو اس سے ان کے حوصلے بڑھتے ہیں اور یہ مزید نیکی کی کوشش کرتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو جائے اور بدکرداروں کے لیے ایک قسم کی ترہیب ہوتی ہے کہ تمہاری کوئی حرکت ہم سے مخفی نہیں ہم تم سے پوچھیں گے اور ہر بات کی سزا دیں گے۔

"و ما تکو ن فی شا ن " آپ کسی حال میں نہیں ہوتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس حال میں بھی ہوں، یہ نکرہ عموم کے لیے ہے آگے جا کے جیسے " الا" کے ساتھ اثبات والا معنی پیدا ہو جائے گا، آپ کسی حال میں نہیں ہوتے اور اس حال میں سے خصوصیت کے ساتھ یہ ہے کہ آپ قرآن نہیں پڑھتے اور نہ کوئی عمل کرتے ہیں آپ اور آپ کے ساتھی "الا کنا علیکم شھو داً" مگر ہم تم پر شاہد ہوتے ہیں، تم پر گواہ ہوتے ہیں، مشاہدہ کرنے والے ہوتے ہیں، آپ کا کوئی حال ہم سے مخفی نہیں ہے خصوصیت کے ساتھ آپ کا تبلیغ والا حال کیونکہ تبلیغ والے حال میں ہی حضور ﷺ کو زیادہ تکلیف ہوتی تھی، مشقت زیادہ برداشت کرنی پڑتی تھی، منکرین اور کافر آپ کو اس وقت تکلیف پہنچاتے تھے تو اس کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دیا ہے " تعملو ن "میں عموم آ گیا کہ آپ اور آپ کے ساتھی جو عمل بھی کرتے ہیں ہم اس کو دیکھ رہے ہوتے ہیں، اس کا مشاہدہ کرنے والے ہوتے ہیں "تفیضو ن فیہ "یعنی جس وقت اس کام میں لگتے ہو یعنی شروع سے لے کر آخر تک ہم اس کا مشاہدہ کرنے والے ہوتے ہیں، "و ما یعزب "اور یہ صرف آپ لوگوں کے عمل ہی نہیں کہ وہ اللہ کے سامنے حاضر ہیں اور اللہ ان کو دیکھنے والا ہے بلکہ کائنات کے اندر کوئی ذرہ ایسا نہیں کہ جو اللہ کے علم سے مخفی ہو، نہیں چھپتا تیرے رب سے ذرہ یعنی ذرہ کے برابر وزن والی چیز بھی اللہ سے مخفی نہیں، ذرہ یا تو چیونٹی کے بچے کو کہتے ہیں کہ چیونٹی کے برابر بھی کوئی چیز اللہ سے مخفی نہیں ہے یا ذرہ اس کو کہتے ہیں جو روشن دان میں سے دھوپ اندر آتی ہے تو اس میں بہت چھوٹی سی چیز حرکت کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اگر آپ ان کو ہاتھ سے پکڑنا چاہیں تو ہاتھ سے نہیں پکڑ سکتے ان کو ذرات کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ کے علم سے مخفی نہیں ہے، نہیں غائب ہوتا تیرے رب سے ایک ذرہ

کا وزن بھی زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز اس سے بڑی مگر وہ کتاب مبین میں ہے، کتاب مبین یہ بھی اللہ کا ایک صحیفہ ہے جس کو لوح محفوظ سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی یہ چیزیں اللہ کے علم میں بھی ہیں اور اللہ نے اپنی حکمت کے تحت ان کو کتاب مبین میں ضبط بھی کر رکھا ہے۔

آخری آیت کا مفہوم:

"الا ان او لیاء الله لاخو ف علیهم ولاهم یحزنو ن" یہاں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کے لیے بشارت دی ہے، اولیاء کا معنی ہے اللہ کے دوست اور یہ ولی کے جمع ہے، ولی یعنی وہ لوگ جو اللہ سے قرب رکھتے ہیں "لا خوف علیهم ولا هم یحزنون "ان پر نہ کسی قسم کا کوئی غم ہوگا اور نہ کوئی خوف ہوگا" الذین أمنوا وکانوا یتقو ن" یہ اولیاء اللہ کی پہچان ذکر کی ہے کہ جو ایمان لاتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں، ان کے لیے خوشخبری ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ کے وعدوں کی کوئی تبدیلی نہیں ہے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

ولی کسے کہتے ہیں؟:

پہلی بات تو اس میں یہ ہے کہ اولیاء اللہ کسے کہتے ہیں؟ لفظی معنی تو یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے قرب رکھنے والے ہیں، اب ایک قرب تو اللہ کا اپنی مخلوق کے ساتھ یہ ہے کہ جس کی وجہ سے اس مخلوق کو وجود ملا ہے اس کی کیفیت متعین نہیں کی جا سکتی کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے ساتھ ربط کس طرح سے ہے، بغیر کیفیت متعین کرنے کے ہم جانتے ہیں ربط ہے اور اس ربط کی بناء پر مخلوق موجود ہے اور کائنات کا سارا نظام چل رہا ہے، اگر خالق کی طرف سے مخلوق کے ساتھ ربط نہ ہو تو کائنات چل ہی نہیں سکتی اور نہ ہی اپنے وجود کو باقی رکھ سکتی ہے، جس وقت تک اللہ کی توجہ ہے اس وقت تک یہ موجود ہیں اور جب اللہ کی توجہ ختم ہو جائے گی تو کائنات ختم ہو جائے گی، اس کا وجود ہی اللہ کی توجہ کے ساتھ ہے، اس ربط کی کیفیت متعین نہیں کی جا سکتی۔

اور ایک قرب اس سے بڑھ کے ہے جس کو قرب محبت بھی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک بندہ کثرت نوافل کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں، جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں

جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ذریعہ سے وہ چلتا ہے، اس کو قرب نوافل کے ساتھ بھی تعبیر کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے آنکھ، کان بننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ میری رضا میں بالکل فنا ہو جاتا ہے اس کے کان وہی سنتے ہیں جو میں پسند کروں، اس کی آنکھ وہی دیکھتی ہے جس کو میں پسند کروں، تو جب اس کے سارے اعضاء میرے احکام کے تابع ہو گئے تو یوں سمجھو کہ میں ہی اس کا کان ہوں، میں ہی اس کی زبان ہوں، میں ہی اس کا ہاتھ ہوں، میں ہی اس کا پاؤں ہوں، یہ اطاعت میں مستغرق ہو جانے کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی مرضی کے بغیر اس کے کان، ہاتھ، پاؤں، زبان، کوئی دوسرا کام نہیں کرے گی جو میں پسند کروں وہی کرے گی یہ قرب نوافل جب حاصل ہوتا ہے اس کو اصطلاحاً ولی اللہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے اندر انسان اس طرح فناء ہو گیا کہ اس کی ساری خواہشات اللہ کی خواہشات میں فناء ہو گئیں اور اس کا ذہن ہر وقت اللہ کی اطاعت میں مصروف رہتا ہے جس کو یہ قرب نصیب ہوتا ہے اس کو کہا جاتا ہے کہ اس کو ولایت مل گئی اور یہ شخص اللہ کا ولی ہو گیا۔

اور پھر اس کے بھی متعدد درجات ہیں جیسا کہ آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں واضح کر دیا ہے کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں اب یہ دو چیزیں ہیں، ایمان اور تقویٰ، ایمان تو آپ جانتے ہی ہیں کہ عقائد کی درستگی کو کہتے ہیں، صحیح طور پر عقائد اختیار کر لیے اور اس کے مقتضیات پر عمل کرنا شروع کر دیا اور اس کے بھی درجات بنتے چلیں جائیں گے کہ کسی کا ایمان کمزور ہوتا ہے اور کسی کا ایمان قوی ہوتا ہے، اس کے بھی بے شمار درجات ہیں اور تقویٰ کا مفہوم ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یعنی بچ بچ کے چلنا جیسا کہ ایک اثر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ تقویٰ کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا کہ کیا آپ کسی ایسی وادی میں چلے ہیں جس میں خاردار جھاڑیاں ہوں، کانٹے بکھرے ہوئے ہوں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں، پوچھا کہ چلنے کا کیا طریقہ ہے؟ کہا کہ چلنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان دیکھ دیکھ کر پاؤں رکھتا ہے اور دامن کو بچا کے رکھتا ہے کہ کہیں ادھر ادھر پھنس نہ جائے تو کہنے لگے کہ یہی تقویٰ ہے کہ انسان اپنی زندگی اس طرح سوچ سوچ کے گزارے، سوچ سوچ کے کام کرے، سوچ سمجھ کے بات کرے اور ہر وقت اس خیال میں رہے کہ کہیں میرا دامن کسی طرف الجھ نہ جائے، کہیں میرا پاؤں پھسل نہ جائے، کسی قسم کا کوئی کانٹا چبھ نہ جائے اس طرح احتیاط کے ساتھ چلنا اور بچ بچ کے چلنا ہی تقویٰ ہے۔ (یہ اثر تفسیر ابن کثیر سورۃ بقرۃ آیت ۳ کے تحت ہے)

توجب انسان ایمان صحیح حاصل کرے اور پھر اس کے اندر تقویٰ کی صفت پیدا ہو جائے اور تقویٰ اور ایمان ایک معتد بہ درجے میں حاصل ہو جائے صرف ایمان لانے کے ساتھ ہی یا دل میں خیال لانے کے ساتھ ہی کہ میں اب اللہ کے احکام کی پابندی کروں گا یہ ولایت کا ادنیٰ درجہ ہے، ادنیٰ درجہ کی ولایت انسان کو حاصل ہو جاتی ہے "الله ولی الذین امنو" جو بھی ایمان لے آیا اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ تعلق ہو جاتا ہے لیکن جیسے میں عرض کر رہا ہوں درجات کا تفاوت ہے تو درجات کے تفاوت کے ساتھ اس کے بے شمار درجات ہیں مثلاً دس روپے یا بیس روپے بھی مال کا مصداق ہے لیکن اگر کسی پاس دس روپے یا بیس روپے ہوں تو اس کو اصطلاحاً مالدار نہیں کہا جاتا ہے، مالدار وہ ہوتا ہے جس کے پاس مال کی اتنی مقدار ہو جو باقی دوسرے لوگوں کے پاس نہ ہو تب اس کو کہیں گے کہ یہ شخص مالدار ہو گیا اسی طرح ایمان اور تقویٰ ابتدائی درجات کے اعتبار سے اگرچہ ہر مؤمن کو حاصل ہو سکتا ہے لیکن اس کو اصطلاحاً متقی نہیں کہتے، مؤمن کامل نہیں کہتے جب تک کہ ایک معتد بہ درجہ اس کے اندر نہ آجائے، اور یہ درجات متعین نہیں کیے جاسکتے کہ ایمان کے کتنے درجات ہیں اور تقویٰ کے کتنے درجات ہیں، یہ کیفیت جتنی راسخ ہوتی چلی جائے گی انسان کو اتنا ہی اللہ کا قرب حاصل ہوتا جائے گا جس کی علامت یہی ہے کہ انسان ہر وقت اللہ کو یاد کرے، اللہ کے احکام کا دھیان رکھے اور سوچ سوچ کے چلے کہ کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو جائے تو یہ کیفیت ہے جس کو قرب محبت سے تعبیر کرتے ہیں اور اصطلاحاً ولی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اولیاء اللہ کی علامت:

حدیث شریف میں آتا ہے، مشکوٰۃ شریف میں ایک روایت ہے سرور کائنات ﷺ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ نہ تو وہ نبی ہیں اور نہ کوئی شھداء لیکن انبیاء علیہم السلام ان کے حال دیکھ کے غبطہ کریں گے ان کے مرتبہ کی وجہ سے جو اللہ کی طرف سے ان کو حاصل ہوگا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ ہمیں بتائیے کہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو قرآن کریم کی بناء پر آپس میں محبت کرتے ہوں گے، درمیان میں کوئی مالی رشتہ نہیں اور نہ کوئی رشتہ داری ہوگی کہ ایک دوسرے سے لینا دینا ہو خدا کی قسم ان کے چہرے البتہ نور ہوں گے اور وہ بے شک وہ البتہ نور کے ہوں گے نہیں ڈریں گے جس وقت لوگوں کو خوف ہوگا اور نہیں حزن کریں گے جس وقت لوگوں کو حزن ہوگا اور رسول اللہ

ﷺ نے یہ آیت پڑھی "الا ان اولیاء الله لاخوف علیهم ولاهم یحزنون" (مشکوٰۃ ۲/۴۲۶) سرور کائنات ﷺ کا تلاوت کرنا اس آیت کو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے ان کو اولیاء اللہ کہا ہے گویا کہ اولیاء اللہ کی علامات میں سے یہ ایک بات واضح طور پر آ گئی کہ وہ اللہ کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں، اللہ کے لیے آپس میں ان کا تعلق ہے اور پھر قیامت کے دن اتنے اعلیٰ درجے کے ہوں گے کہ انبیاء اور شہداء بھی ان کی حالت کو دیکھ کے غبطہ کریں گے، خوش ہوں گے کہ دیکھو! ان کو اللہ کی طرف سے کیسا مرتبہ مل گیا تو اولیاء اللہ کی علامت کے طور پر ایک بات پر ذکر کی گئی ہے کہ اللہ کے لیے آپس میں تعلق ہو، مخلوق کے ساتھ ہمدردی خالص معنی میں ہو، کسی رشتہ داری یا لین دین کے طور پر تعلق نہیں بلکہ محض اللہ کے ساتھ نسبت کے طور پر آپس میں وہ تعلق رکھتے ہیں اور تلاوت اس آیت کی فرمائی جو اس وقت آپ کے سامنے ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اولیاء اللہ کا مصداق انہی لوگوں کو قرار دیا ہے۔

بہر حال کثرت ذکر اور دوام اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق یہ اولیاء اللہ کی علامات ہیں، ایک روایت میں یہ بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ یاد آ جائے (مشکوٰۃ ۲/۴۱۵)، یہ بھی اولیاء اللہ کی علامت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ظاہری حال اس قسم کا ہوتا ہے کہ ان کے پاس جا کے بیٹھو گے تو بات بات سے اور ہر عمل سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ایک اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ان کے پاس بیٹھو گے تو دل کی غفلت دور ہوگی اور اللہ یاد آئے گا کہ عام حالات میں انسان کا دھیان اللہ کی طرف نہیں رہتا، دوسری چیزوں کی طرف دھیان رہتا ہے اور ان کے پاس بیٹھنے سے باقی طرف سے توجہ ہٹتی ہے اور دل کے اندر نورانیت پیدا ہوتی ہے اور اللہ کی طرف دھیان ہوتا ہے تو جس مجلس میں جا کے انسان کو اللہ یاد آئے، دنیا کی محبت میں کمی آئے، آخرت کی طرف توجہ ہو اور اللہ کی یاد تازہ ہو تو یہ بھی علامت ہوتی ہے کہ یہ اللہ کے نیک بندے ہیں اور اللہ کے ولی ہیں تو یہ علامات ہیں جو حدیث شریف سے معلوم ہوتی ہیں کہ اللہ کے اچھے بندوں کی یہ نشانیاں ہیں۔

باقی کشف و کرامت جو لوگوں نے اللہ کے ولیوں کی علامت بنا لیا ہے، یہ کوئی بات نہیں ہے، ولی سے کشف و کرامت کا ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے، یہ محض اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ ہے اگر کسی کو غیر اختیاری طور پر مل جائے

تو ٹھیک ہے ورنہ اللہ کا مقبول بندہ ہونے کے لیے یہ کوئی ضروری نہیں کہ اس سے کوئی کشف یا کوئی کسی قسم کی کرامت بھی ظاہر ہو، یہ عوام کا معیار ہے، جہلاء کا معیار ہے، ولی کے لیے یہ کوئی ضروری نہیں تو ''الذین امنوا و کانوا یتقون '' یہ گویا کہ ولی کی علامت کے طور پر ذکر کر دیا گیا۔

اولیاء اللہ کو جنت میں نہ خوف ہوگا نہ حزن:

باقی ان کی یہ شان ذکر کی گئی ''لاخوف علیھم ولاھم یحزنون '' اور ان کے لیے بشارت ذکر کی گئی ''لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا '' اس کا مطلب کیا ہے؟ ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ کوئی غم زدہ ہوں گے، دنیا کے اندر رہتے ہوئے آپ دیکھتے ہیں کہ انسان کے لیے پریشانی کے دو پہلو ہیں یا تو کوئی چیز فوت ہوگئی، آپ کے ہاتھوں سے نکل گئی اس کی وجہ سے آپ کے دل میں دکھ ہے اس کو حزن سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آنے والے حالات کا جو خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے اس کو خوف سے تعبیر کیا جاتا ہے، خوف کا تعلق مستقبل سے ہے اور حزن کا تعلق ماضی سے ہے جیسے کوئی بچہ بیمار ہے اس کو اندیشہ ہے کہ کہیں مر نہ جائے اس کے ساتھ طبیعت پر جو غم طاری ہوتا ہے اس کو خوف سے تعبیر کریں گے اور جب مر چکا ہے تو اب اس کے اوپر جو غم آتا ہے اس کو حزن سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اولیاء اللہ پر نہ کوئی حزن ہوتا ہے نہ خوف اگر تو اس کا تعلق آخرت کے ساتھ ہو تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس وقت یہ جنت میں چلے جائیں گے۔

تو جنت میں پہنچنے کے بعد یہی بشارت ہوگی نہ حزن نہ خوف، اتنی کامیابی اس کو مل جائے گی کہ دنیا کے معاملہ کا ان کو حزن نہیں ہوگا اور آنے والے خطرات سارے محفوظ ہو جائیں گے، آنے والا کسی قسم کا کوئی خوف نہیں ہوگا تو جنت میں یہ کیفیت ہو جائے گی یہ مطلب اگر لیا جائے پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جتنے بھی جنت میں جائیں گے سب اولیاء اللہ کا مصداق ہیں چاہے پہلے ان کی زندگی کیسے ہی گزری ہو لیکن وہاں جانے کے بعد وہ اولیاء اللہ کا ہی مصداق ہیں اور یہ چیز ان کو وہاں جا کے حاصل ہو جائے گی اس میں تو کوئی شک نہیں ہے۔

اولیاء اللہ پر برزخ اور قیامت میں کوئی خوف اور حزن نہیں ہوگا:

لیکن اس سے پیچھے ہٹئے میدان قیامت میں بھی اور برزخ میں بھی ان کو اسی قسم کی بشارتیں دی جائیں گی جس طرح لوگوں پر حزن اور خوف طاری ہوگا ان پر حزن اور خوف برزخ میں بھی نہیں ہوگا اور قیامت

میں بھی نہیں ہوگا ہر طرف سے ان کو بشارتیں حاصل ہوں گی جن کی بناء پر ان کو سرور ہوگا، اللہ تعالیٰ کی عظمت کی بناء پر کوئی خوف ہو تو اس کے منافی نہیں بہرحال اس کے بارے میں مطمئن ہوں گے کہ جو زندگی ہم گزار آئے ہیں بالکل ٹھیک گزار آئے ہیں اور آنے والے خطرات سے بھی مطمئن ہوں گے جیسا کہ بعض آیات میں ہے کہ " تتنزل علیهم الملائكة ان لاتخافوا ولا تحزنوا، لا یحزنهم الفزع الاكبر وتتلقاهم الملائكة " اس قسم کے الفاظ جو قرآن کریم میں ذکر کیے گئے ہیں ان میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے کہ جگہ بجگہ فرشتے ان کو بشارتیں دیں گے کوئی غم نہ کرو، کوئی خوف نہ کرو اس طرح ان کو مطمئن کیا جائے گا تو برزخ میں ہوں، جنت میں ہوں یہ ساری چیزیں واقع ہیں۔

اولیاء اللہ دنیا میں بھی حزن اور خوف سے محفوظ ہوتے ہیں:

اور اس سے آگے بڑھے اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے بھی اولیاء اللہ کی شان یہی ہوتی ہے کہ باقی لوگوں کے مقابلہ میں نہ ان کو کوئی حزن ہوتا ہے اور نہ کوئی غم ہوتا ہے اس میں ایک طبعی چیز ہے کہ کوئی چیز فوت ہوگئی، طبعاً صدمہ ہوگیا یہ طبعی کیفیات بہت ہی عارضی ہوتی ہیں جو بہت جلد زائل ہو جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہونے کی وجہ سے ان کے قلب میں اتنا اطمینان ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت پر اتنا اعتماد ہوتا ہے کہ جو واقعہ پیش آ جائے ظاہری طور پر ان کی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ ان کے لیے حزن کا باعث نہیں بنتا اور اپنے مستقبل کے بارے میں بھی قلوب میں اطمینان ہوتا ہے کہ وہ کسی قسم کے خطرات سے پریشان نہیں ہوتے۔ وہ سمجھتے ہیں جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے علم اور حکمت کے تحت ہوتا ہے اور جو کچھ ہوگا وہ بھی اللہ کے علم اور حکمت کے تحت ہوگا، اس کے اوپر ان کے دلوں کو اتنا قرار ہوتا ہے کہ جو واقعہ پیش آ گیا اس پر بھی کوئی غم نہیں اور جو آنے والے خطرات ہیں ان کے بارے میں بھی کوئی پریشانی نہیں ہے، دنیا کے اندر بھی کیفیت یہی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مؤمن کا دل اللہ کے ذکر کی وجہ سے مطمئن رہتا ہے، ان کو اللہ کے ذکر کے ساتھ اتنا اطمینان حاصل ہوتا ہے "الا بذكر الله تطمئن القلوب " خبردار! اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اطمینان کی کیفیت حزن اور خوف کے خلاف ہے جس کو اطمینان کی کیفیت حاصل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حزن اور خوف سے بچا ہوا ہے تو ان لوگوں کو اللہ کے ذکر کے ساتھ اطمینان حاصل ہوتا ہے اور جب اطمینان حاصل ہے تو ماضی اور

مستقبل کا کوئی غم اور فکر نہیں ہوتا۔

لیکن دنیا کے اندر رہتے ہوئے آپ دیکھیں گے کہ بظاہر ان کے اوپر ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اوپر غم بھی ہے اور خوف بھی ہے، ظاہری حالت ایک جیسی ہوتی ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے بڑا فرق ہے، دنیا دار کا صدمہ اور طرح کا ہے اور اور اگر اولیاء اللہ کو بظاہر صدمہ پہنچتا بھی ہے تو اس کی کیفیت اور ہوتی ہے، دل پریشان نہیں ہوتا اگر چہ ظاہری طور پر ان کے اوپر صدمہ کی کیفیت ہوتی ہے لیکن ان کے دل کے اندر ایک قسم کی لذت ہوتی ہے، یہ ایک کیفیت ہے جب تک انسان اس کیفیت سے گزرے نہ اس وقت تک اس کا صحیح ادراک نہیں کر سکتا لیکن سمجھانے کے لیے ایک بات کہی جاسکتی ہے۔

مثال سے وضاحت:

جیسے ایک آدمی ہے اس کو دوسرے کے ساتھ محبت ہے اور محبت کی وجہ سے اس کی ملاقات کے لیے تڑپتا ہے، اس کو جدائی کا صدمہ ہے، متلاشی ہے کہ کہیں وہ دوست ملے اور دل کو چین وقرار حاصل ہو، اس غم میں وہ بیچارہ لاغر اور کمزور بھی ہوگیا ہے، اب وہ کہیں جارہا تھا کہ اچانک اس کا محبوب اس کے سامنے آگیا اور وہ ماشاء اللہ طاقت ور ہے اور وہ آکے اپنے اس دوست کو دبوچ لیتا ہے اور اتنا دبوچتا ہے کہ اس کی پسلیاں بھی کڑکنے لگتی ہیں لیکن اس نے دیکھا نہیں کہ یہ کون ہے اب جس وقت تک اس کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ کون ہے تو اس کے دل کی کیفیت اور ہوگی اور یہ دکھ محسوس کرے گا اور اس مصیبت سے چھٹکارا چاہے گا لیکن اگر یہ دیکھ لے کہ یہ تو وہی ہے کہ جس کے لیے میں تڑپتا پھرتا ہوں اگر چہ پسلیاں اب بھی اس کی ٹوٹ رہی ہوں گی لیکن آپ بتائیں کہ ان دونوں کیفیتوں میں فرق ہے یا نہیں؟ اس دوسری کیفیت میں زبان سے اگر چہ ہائے نکلے گی لیکن اس کے دل میں جو لذت ہے اس کا اندازہ آپ نہیں کر سکتے، اب اگر وہی کہے کہ تجھے چھوڑ دوں اور کسی دوسرے کو بغل میں لے لوں تو وہ کہے گا نہیں جیسے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو یوں سمجھاتے ہیں کہ دشمن کو یہ بات نصیب نہ ہو کہ وہ تیری تلوار سے ہلاک ہو جائے، تیری خنجر آزمائی کے لیے دوستوں کے سر موجود ہیں۔

ان دونوں صورتوں میں فرق سمجھ لیجئے کہ ایک ہے دشمن کا دبانا، ایسی صورت میں دب جانا کہ دبانے والے کا کوئی پتہ بھی نہیں اس میں انسان کے دل میں کیا پریشانی ہوتی ہے اور اس مصیبت سے چھوٹنے کے لیے کتنا بے

چین ہوتا ہے اور ایک ہے اپنے محبوب اور دوست کا دبالینا، پتہ چل گیا کہ دبانے والا وہی ہے جس کے لیے میں تڑپتا پھر رہا تھا اس وقت قلب کی کیفیت کیا ہوا کرتی ہے گویا کہ محبت کی چوٹ اور ہے اور دشمن کی مار اور ہے، دونوں میں اتنا فرق ہے کہ جس کو ہر باذوق آدمی سمجھ سکتا ہے اس میں کسی قسم کا کوئی خفاء نہیں اسی طرح سمجھ لیجیے کہ اللہ کی طرف سے مصیبت یا خلاف مزاج واقعہ دنیادار کے ساتھ جو پیش آتا ہے یہ ایسے ہے کہ جیسے کوئی آدمی کسی دشمن کے گھٹنے کے نیچے آجائے اور اس قسم کے خلاف مزاج واقعات پیش آتے ہیں اولیاء اللہ کو بھی لیکن ان کے دل کی کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ جیسے کسی انسان کو دوست کی طرف سے دبوچا جاتا ہے یا اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی جاتی ہے اس قسم کا یہاں فرق ہے۔

اس لیے جو واقعات اولیاء اللہ کو پیش آیا کرتے ہیں ظاہری صورت ان کی اگر چہ دوسروں کے ساتھ ملتی جلتی ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی ان کی کیفیت یہی ہوتی ہے "لا خوف علیهم ولاهم یحزنون" آنے والے حالات کے متعلق بھی مطمئن ہوتے ہیں چاہے ظاہری طور پر ان کے منہ سے ہائے بھی نکلے گا، چاہے ظاہری طور پر ان کی آنکھوں سے آنسوں بھی نکلیں گے لیکن قلبی طور پر پریشانی نہیں ہوگی اور دنیادار آدمی خطرات سے بھی بدکتا رہتا ہے اور کوئی واقعہ یاد آجائے تو اس کو بھی یاد کر کے روتا ہے۔

اولیاء اللہ کے اطمینان اور کفار کی پریشانی کی وجہ:

آج یورپ کو اگر چہ ہر قسم کی آسائش حاصل ہے، دیکھنے میں کوئی ایسی راحت کی چیز نہیں ہے جو ان کو حاصل نہ ہو لیکن ان کے قلوب انتہائی پریشان ہیں، اس درجہ پریشان ہیں کہ وہ لوگ جانتے نہیں کہ چین اور سکون ہوتا کیا ہے؟ اس لیے بڑے بڑے لوگ خودکشیاں کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شاید موت کے ساتھ ہی سکون آجائے اور پریشانی کی دو ہی باتیں ہیں ایک تو آنے والے خطرات ان کو چین نہیں لینے دیتے کہ جنگ لگ گئی تو کیا ہوگا، یہ کاروبار خراب ہو گیا تو کیا ہوگا؟ یہ فکر ان کو پریشان کرتی ہیں دوسرا موجودہ حالت میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی نہیں رہی، ایک دوسرے کے ساتھ محبت نہیں رہی اس نے بھی ان کے دلوں کو ویران کر دیا ہے اور اللہ کی طرف سے اس کے جو نیک بندے ہوا کرتے ہیں ان کو یہ نعمت نصیب ہوتی ہے کہ آنے والے خطرات سے بھی محفوظ

ہوتے ہیں اور دل کے اندر اطمینان اور سکون کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا تعلق یہ مستقل ایک سکون کی چیز ہے، اللہ کے ساتھ محبت ہوگی تو اللہ کی طرف سے پیش آمدہ واقعات ان کو پریشان نہیں کریں گے اور مخلوق کے ساتھ محبت ہوگی تو ایسی صورت میں بھی انسان کو راحت اور سکون نصیب ہوتا ہے۔

سورۂ مریم کے آخر میں ایک آیت آئے گی "ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمٰن ودًا" جو لوگ ایمان لاتے اور نیک عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لیے محبت بنا دیتا ہے اس "و د" کا کیا مصداق ہے؟ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرنے لگ جاتا ہے جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک آدمی جب نیکی کرتا ہے تو اللہ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بتاتے ہیں اور وہ پھر آسمانوں میں اعلان کرتے ہیں اور پھر وہی محبت زمین پہ اتار دی جاتی ہے (مشکوٰۃ ۲/۴۲۵) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اللہ کی محبت بھی نصیب ہوگئی، ملائکہ کی محبت بھی ان کو نصیب ہوگئی اور مخلوق کی محبت بھی اس کے لیے ہو جاتی ہے تو یہ بن جائے گا محبوب کائنات تو پھر راحت ہی راحت ہے، اس طرح اللہ ان کے دل میں اپنی محبت بھی ڈال دیتا ہے تو اللہ کی طرف سے جو واقعات پیش آئیں گے سب لذیذ بن جاتے ہیں ان کے دل میں اللہ تعالیٰ مخلوق کی محبت بھی ڈال دیتا ہے تو مخلوق کے ساتھ یہ صحیح معنی میں محبت کرتے ہیں اور مخلوق ان کے ساتھ صحیح معنی میں محبت کرتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف سے انسان کو لذت پہنچتی ہے کیونکہ محبت کے ساتھ تلخیاں بھی شیریں ہو جایا کرتی ہیں تو اس طرح انسان کے دل میں محبت کی بناء پر لذت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ خوف اور حزن کے خلاف ہے۔

اس کیفیت کو سمجھانے کے لیے میں ایک کوشش کر رہا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس وقت تک انسان کو یہ کیفیت حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک ان کیفیات کو سمجھنا مشکل ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم ہو جانے کے بعد انسان خوف اور حزن سے دنیا کے اندر بھی محفوظ ہو جاتا ہے باقی اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت یہ تو اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم نعمت ہے اس کی نفی مقصود نہیں وہ خوف پریشانی کا باعث نہیں ہوتا وہ تو انسان کے لیے بہت ہی لذیذ چیز ہے اور روحانی ترقیات کا باعث ہے جس طرح دنیا دار پریشان ہوتا ہے اور اس کے اوپر غم کی کیفیت طاری ہوتی ہے وہ کیفیت اہل اللہ کی نہیں ہوتی۔

"لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا و فی الآخرۃ" کا مفہوم:

ان کو دنیا و آخرت میں بشارتیں ملتی ہیں، بشارت کا ایک مصداق یہ ہے جیسے سرور کائنات ﷺ نے اپنی زندگی میں بشارت دے دی "ابو بکر فی الجنۃ عمر فی الجنۃ عثمان فی الجنۃ علی فی الجنۃ" صحابہ کرام کو بشارتیں دے دیں اور اہل بیت کے لیے بشارتیں ہو گئیں، عام صحابہ کے لیے بشارتیں ہو گئیں یہ دنیا کی زندگی میں بشارتیں ہیں اور آخرت کی بشارتیں تو ہیں ہی کہ آخرت میں یہ ہوگا اور جب آخرت میں جائیں گے تو فرشتے ان کو جگہ جگہ بشارتیں دیں گے "لھم البشریٰ" کا ایک مصداق یہ بھی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے اولیاء اللہ کو بشارتیں ملیں گی، نام بنام بھی ملیں اور کلی ضابطوں کے تحت بھی ملیں اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس بشریٰ کا مصداق یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے انسان کو خواب میں اس کے اچھے انجام کی اطلاع ملتی ہے، کوئی شخص اپنے متعلق اچھا خواب دیکھتا ہے یہ بھی اس کے لیے بشریٰ من اللہ ہے اور اس کے متعلق کوئی دوسرا شخص خواب دیکھتا ہے تو یہ بھی بشریٰ من اللہ ہے تو رؤیاء صالحہ کو بھی اللہ کی طرف سے بشارت قرار دیا گیا ہے لیکن ان کا پہچاننا بہت مشکل ہے کہ اپنے ہی خیالات ہیں یا واقعی اللہ کی طرف سے ہے اس لیے ہر خواب قابل اعتماد نہیں ہوا کرتا، خواب اللہ کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور شیطان کی طرف سے وسوسہ بھی ہوتا ہے، اپنے نفسانی خیالات بھی ہوتے ہیں، سچا خواب اللہ کی طرف سے بشارت ہے چاہے مؤمن اپنے متعلق دیکھے یا کوئی دوسرا اس کے متعلق دیکھے تو یہ خواب بھی بشریٰ کا مصداق ہو سکتے ہیں۔

"لا تبدیل لکلمات اللہ" میں ان سب چیزوں کو گویا کہ رجسٹرڈ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ جس قسم کے وعدے کرتا ہے ان میں کوئی کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے وعدے پورے ہو کر رہیں گے "لا تبدیل لکلمات اللہ" اللہ کے کلمات سے مراد اللہ کے وعدے ہیں، اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے لیے کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، کوئی دوسرا بھی ان کو نہیں بدل سکتا اور اللہ خود بھی ان کو نہیں بدلے گا، جو وعدے اولیاء اللہ کے ساتھ کیے جا رہے ہیں وہ پورے ہو کر رہیں گے "ذٰلك هو الفوز العظیم" اور یہ مرتبہ حاصل ہو جانا یہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب کسی کو حاصل ہو جائے جس کے نتیجہ میں خوف اور حزن سے محفوظ ہو جائے دنیا میں بھی اور برزخ میں بھی اور محشر میں بھی اور جنت میں جانے کے بعد بھی اور دنیا میں اور آخرت میں اس کو بشارتیں ملنے لگ جائیں، ایمان اور تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو جائے اصل کامیابی یہ ہے "ذٰلك هو الفوز العظیم" یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ

خبر دار! اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ

کس چیز کی اتباع کرتے ہیں وہ لوگ جو اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں شرکاء کو، وہ نہیں اتباع کرتے

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ

مگر وہم کی اور نہیں وہ مگر اٹکل چلاتے ﴿۶۶﴾ اللہ وہ ہے جس نے بنایا تمہارے لیے

لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

رات کو تاریک تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن اس میں البتہ نشانیاں ہیں

يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِىُّ ؕ لَهٗ

ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں ﴿۶۷﴾ یہ لوگ کہتے ہیں اختیار کرلی اللہ نے اولاد، اللہ پاک ہے وہ بے نیاز ہے

مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ

اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، نہیں ہے تمہارے پاس

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ

کوئی دلیل اس بات کی کیا تم بولتے ہو اللہ پر ایسی بات جو تم نہیں جانتے ﴿۶۸﴾ آپ کہہ دیجیے کہ جو لوگ

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِى الدُّنْيَا

اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ لوگ کامیاب نہیں ہوں گے ﴿۶۹﴾ تھوڑا سا سامان ہے

ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ

دنیا میں پھر ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے ان کو سخت عذاب

بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوحٍ ۘ إِذْ قَالَ

بسبب اس کے کہ وہ کفر کرتے تھے ﴿۷۰﴾ تلاوت کیجیے ان پر نوح علیہ السلام کے واقعہ کی

لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِي وَتَذْكِيرِي بِاٰيٰتِ

جبکہ کہا انہوں نے اپنی قوم سے اے میری قوم! اگر گراں گزرتا ہے تم پر میرا کھڑا ہونا اور میرا نصیحت کرنا

اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ

اللہ کی آیات کے ساتھ تو میرا اللہ پر بھروسہ ہے پس تم پختہ کرلو اپنی تدبیر کو اپنے شرکاء کے ساتھ مل کر

اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٧١﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

پھر نہ ہو تمہارا امر تمہارے لیے تردد کا باعث پھر تم جاری کردو اس کو میری طرف اور تم مجھے مہلت نہ دو ﴿۷۱﴾ پھر اگر

فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ

تم نے پیٹھ پھیری نہیں میں نے مانگی تم سے کوئی اجرت، نہیں ہے میرا اجر مگر اللہ کے ذمہ اور میں

اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي

حکم دیا گیا ہوں کہ میں ہو جاؤں فرمانبرداروں میں سے ﴿۷۲﴾ پس انہوں نے اس کو جھٹلایا پھر ہم نے نجات دی ان کو

الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

اور جو کشتی میں اس کے ساتھ تھے اور بنا دیا ہم نے ان کو جانشین اور ڈبو دیا ہم نے ان کو جنہوں نے جھٹلایا تھا

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ

ہماری آیات کو، پھر تو دیکھ کیسے انجام ہوا ڈرائے ہوؤں کا ﴿۷۳﴾ پھر ہم نے بھیجے ان کے بعد

رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا

کئی رسول ان کی قوم کی طرف پھر وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کے آئے۔ نہیں تھے وہ لوگ کہ ایمان لے آئیں اس چیز کے

كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

ساتھ جس کو انہوں نے پہلی بار جھٹلا دیا اسی طرح ہم مہر کر دیتے ہیں حد سے گزرنے والوں کے قلوب پر ﴿۷۴﴾

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

پھر ہم نے بھیجا موسیٰ اور ہارون کو ان کے بعد فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف

بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ

اپنی نشانیوں کے ساتھ پس انہوں نے بھی تکبر کیا اور تھے وہ لوگ جرم کرنے والے ﴿۷۵﴾ پھر جب آ گئی ان کے پاس

مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ

سچی بات ہماری طرف سے تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے ﴿۷۶﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم حق کے بارے میں

لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۖ اَسِحْرٌ هٰذَا ۖ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا

کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آ گیا کیا یہ جادو ہے؟ نہیں فلاح پاتے جادوگر ﴿۷۷﴾ انہوں نے کہا

اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ

کہ کیا تو آیا ہے ہمارے پاس اس لیے تاکہ تو ہٹا دے ہمیں اس چیز سے جس پر پایا ہم نے اپنے آباء واجداد کو

فِى الْاَرْضِ ۖ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ

اور تاکہ ہو جائے بڑائی تم دونوں کی زمین میں، نہیں ہیں ہم تمہارے لیے ایمان لانے والے ﴿۷۸﴾ فرعون نے کہا

بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا

کہ لے آؤ میرے پاس ہر علم والا جادوگر ﴿۷۹﴾ جس وقت جادوگر آ گئے تو کہا موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے کہ ڈالو

مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ

جو تم ڈالنے والے ہو ﴿۸۰﴾ جب انہوں نے ڈال دیا تو کہا موسیٰ علیہ السلام نے جو تم لائے ہو یہ تو جادو ہے

السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

بے شک اللہ اس کو جلد ہی باطل کر دے گا بے شک اللہ نہیں درست کرتا فسادیوں کے عمل کو ﴿۸۱﴾

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور ثابت کرتا ہے اللہ حق کو اپنے احکام کے ساتھ اگرچہ مجرموں کو یہ بات ناگوار ہی گزرے ﴿۸۲﴾

تفسیر

پہلی آیت کا مفہوم:

پہلی آیت کا تعلق حضور ﷺ کی تسلی کے ساتھ ہے کہ آپ پر جو یہ آوازیں کستے ہیں یہ آپ کو غم میں نہ ڈالیں یہ آوازیں ایسی باتوں پر کستے تھے جن میں رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے لیے غلبہ کی بات کرتے تھے اور اپنے ماننے والوں کو بشارتیں سناتے تھے کہ انجام تمہارا ہی اچھا ہے، یہ لوگ آخر کار خسارے میں جائیں گے، دنیا میں شکست کھائیں گے، ذلیل ہوں گے، اللہ تعالیٰ تمہیں عزت دے گا، یہ بشارتیں رسول اللہ ﷺ سناتے تھے تو وہ آگے سے مذاق اڑاتے تھے کہ یہ لوگ عجیب قسم کی باتیں کرتے ہیں، کھانے کو روٹی نہیں اور تن ڈھانپنے کو کپڑا میسر نہیں، ہر طرف سے دھکے پڑتے ہیں اور یہ خواب دیکھتے ہیں کہ ایک وقت میں ہم سب پر غالب آجائیں گے، اس قسم کی باتیں وہ استہزاء کے طور پر کرتے تھے، اللہ فرماتے ہیں اس قسم کی باتیں آپ کے لیے غم کا باعث نہ ہوں، غلبہ سب اللہ کے لیے ہے اور جب غلبہ اللہ کے لیے ہے تو ساری کی ساری عزت بھی اللہ کے لیے ہے، اللہ جسے چاہے گا دے گا ”وتعز من تشاء و تذل من تشاء“ عزت دینا بھی اس کے ہاتھ میں ہے اور ذلت دینا بھی اس کے ہاتھ میں ہے تو عزت ساری کی ساری اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے گا اسے ملے گی اور سورۃ المنافقون میں ہے کہ عزت اللہ کے لیے ہے اور اللہ کے رسول کے لیے ہے اور مؤمنین کے لیے ہے یعنی اصل اللہ کے لیے ہے اور اللہ کی طرف سے پھر رسول کے لیے ہے پھر اس کے ساتھ تعلق ہونے کی وجہ سے مؤمنین کے لیے ہے لیکن یہ کافر اور منافق لوگ اس بات کو سمجھتے نہیں، یہ تسلی ہے سرور کائنات ﷺ کے لیے ”هو السميع العليم“ اللہ تعالیٰ سب کی باتوں کو سنتا ہے اور سب کے حالات کو جانتا ہے۔

اثبات توحید اور رد شرک:

آگے پھر وہی اثبات توحید اور رد شرک ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کے لیے ہے یہ جو لوگ شرکاء بنائے بیٹھے ہیں یہ شرکاء کی اتباع نہیں کرتے شرکاء کی اتباع کرنا تو تب سمجھا جائے گا کہ جب واقعتاً شرکاء کا وجود بھی ہو جب شرکاء کا وجود ہی نہیں تو پھر یہ لوگ شرکاء کے متبع کیسے ہوئے؟ اپنے خیالات اور توہمات میں لگے ہوئے ہیں، اٹکل کے تیر چلاتے ہیں، کوئی ان کے پاس دلیل اور ثبوت نہیں ہے، دوسرا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شرکاء کو پکارتے ہیں خدا جانے کس چیز کو پکارتے ہیں، اللہ جانے کس چیز کے پیچھے لگے ہوئے ہیں یعنی کوئی اس قسم کی چیز تو نہیں کہ جس کو یہ اپنا متبوع قرار دے کے اس کے پیچھے لگے ہیں پس محض ان کے دماغی خیالات ہیں، اٹکل کے تیر ہیں جو انہوں نے بنا رکھے ہیں " ان یتبعو ن الا الظن وان ھم الا یخرصو ن "۔

دلیل توحید:

آگے جو الفاظ آ رہے ہیں ان کو دلیل توحید کہہ لیجیے یا انعام واحسان کہہ لیجیے کہ اللہ نے رات کو بنایا تاریک تا کہ تم اس میں آرام کر سکو اور دن کو بنایا روشن تا کہ تم اس میں کام کر سکو جس میں اللہ کی قدرت نمایاں ہے، اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ان تصرفات کو دیکھ کے اللہ تعالیٰ کی توحید اختیار کرتے ہیں۔

رد شرک:

اور یہ لوگ کہتے ہیں اللہ نے اولاد اختیار کی ہے، یہود و نصاریٰ نے اللہ کی طرف ابن کی نسبت کی اور مشرکین نے ملائکہ کو بنات اللہ کہا، سب کے لیے ہی یہ تردید ہے " سبحانہ " اللہ پاک ہے اولاد کے اختیار کرنے سے، اللہ کی طرف اولاد کی نسبت عیب ہے، عیب کیوں ہے؟ جب اس بات کو سوچیں گے کہ اولاد کے جتنے بھی فوائد ہیں سب کے اندر یہ بات پائی جاتی ہے کہ انسان کے اندر احتیاج ہے اور یہ اس احتیاج کی وجہ سے اولاد چاہتا ہے احتیاج کیسے ہے؟ مثلاً ایک شخص کا کاروبار وسیع ہے اس کو کام کرنے کے لیے کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ پرایوں پر اعتماد کرنے کی بجائے میرا بیٹا ہی ایسا ہو جائے کہ جو اس کاروبار میں میرا ہاتھ بٹائے تو اس میں بھی احتیاج ہے اور اگر اس کا خیال یہ ہے کہ میں نے تو ایک دن مر جانا ہے اگر میری اولاد نہ ہوئی تو پرائے

میری جائیداد کے وارث بن جائیں گے اس میں بھی احتیاج کا مفہوم ہے۔

اور اگر اس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ آج تو میں صحت مند ہوں، تندرست ہوں، کماتا ہوں اور کھاتا ہوں اور آخر ایک وقت ایسا آئے گا اگر عمر طویل ہوئی بوڑھا ہو جاؤں گا، اٹھنے بیٹھنے سے عاجز آجاؤں گا، اولاد ہوگی تو سنبھالے گی، اولاد نہیں ہوگی تو کون خدمت کرے گا اس میں بھی سراسر احتیاج ہے۔

جس پہلو سے بھی دیکھیں اولاد کی طرف انسان کا دھیان احتیاج کی بناء پر ہے اور "وھو الغنی" میں سب چیزوں کو ختم کر دیا کہ وہ بے نیاز ہے، وہ تو محتاج نہیں ہے نہ اس کو یہ ضرورت کہ اس کے کاروبار میں کوئی ہاتھ بٹائے، اکیلے سے اتنی بڑی خدائی سنبھالی نہیں جاتی، نہ اس کو یہ احتمال کہ میرے بعد کون اس کو سنبھالے گا، اس لیے کوئی اپنا ہونا چاہیے جو اس کا مالک بنے اور نہ آنے والے وقت میں بڑھاپے کا احتمال، نہ کوئی کسی قسم کی کمزوری کا احتمال کہ جس کی وجہ سے خدمتگار کی ضرورت ہو تو پھر اللہ اولاد کیوں بنائے؟ اولاد کا ہونا تو عیب ہے، ہم جنس آئے گی تو یہ شریک ہے اور جنس کے خلاف آئے گی تو یہ عیب ہے تو کسی صورت میں بھی اللہ کی طرف اولاد کی نسبت نہیں ہے اولاد کا نظریہ اللہ تعالیٰ کے اوپر عیب لگانے والی بات ہے اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے وہ بے نیاز ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں، ساری کی ساری چیزیں جو آسمان اور زمین میں موجود ہیں سب اللہ کی مخلوق ہیں، وہ سب کا مالک ہے، تمہارے پاس تمہارے اس نظریہ کی کوئی دلیل نہیں ہے کیا تم اللہ پر ایسی باتیں بناتے ہو جن کو تم خود بھی نہیں جانتے۔

ایک اہم سوال کا جواب:

آپ کہہ دیجیے کہ جو اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے، جب یہ آگیا کہ فلاح نہیں پائیں گے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ فلاح کیوں نہیں پائیں گے؟ وہ تو بڑے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ اپنا وقت گزارتے ہیں، اس قسم کے خیالات اختیار کرنے والے بظاہر خوش نظر آتے ہیں، کاریں ہیں، موٹریں ہیں، کوٹھیاں ہیں، آپ کہتے ہیں کہ یہ فلاح نہیں پائیں گے، یہ کہتے ہیں ہم کامیاب ہیں دوسرا کوئی کامیاب نہیں ہے تو ساتھ ہی اس کا جواب آگیا "متاع فی الدنیا" یہ تو تھوڑا سا دنیا کے اندر برتنے کا سامان ہے "ثم الینا مرجعھم" پھر ان سب نے ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے "ثم نذیقھم العذاب الشدید" پھر ہم انہیں سخت عذاب چکھائیں گے ان کے کفر کے سبب سے۔

سب سے پہلے قوم نوح کا ذکر کرنے کی وجہ:

آگے کچھ واقعات کا سلسلہ آ گیا یہ واقعات آپ کے سامنے بالتفصیل سورۃ اعراف میں گزر چکے ہیں اس لیے ان سب باتوں کو دھرانے کی کوئی ضرورت نہیں اور آگے سورۃ ہود کے اندر بھی مفصل آ رہے ہیں۔

قوموں کی تاریخ میں سب سے پہلے عذاب کا نشانہ قوم نوح بنی اور حضرت نوح علیہ السلام ہی پہلے پیغمبر ہیں جو سب سے پہلے اللہ کی طرف سے جہاد کرنے کے لیے کفر اور ردشرک کے مقابلہ میں آئے ہیں، اس سے پہلے کفرو شرک موجود نہیں تھا، حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سارے کے سارے لوگ ایک ہی نظریہ کے تھے، یہ نوح علیہ السلام کی قوم ہے جس میں سب سے پہلے شرک نے جنم لیا ہے اور شرک مٹانے کے لیے حضرت نوح علیہ السلام ہی سب سے پہلے مامور ہوئے اس لیے قوموں کے سلسلے میں پہلا تذکرہ انہی کا ہی کیا جاتا ہے۔

امم سابقہ کے تذکرے کا مقصد:

ان کو نوح علیہ السلام کا واقعہ سنایئے، جب نوح علیہ السلام کا واقعہ ان کے سامنے آئے گا اور یہ اپنے حال کو ان پر منطبق کر کے دیکھیں گے تو سوائے اس کے کہ رسول کا نام ہے وہاں نوح علیہ السلام ہے او یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور محل وقوع ان کا اور تھا اور ان کا محل وقوع اور ہے لیکن جہاں تک نظریات اور خیالات کا تعلق ہے ان میں سو فیصد مطابقت ہے جب خیالات میں مطابقت ہے تو پھر انجام میں بھی مطابقت ہوگی اور جو مانیں گے وہ کامیاب ہوں گے اور جو نہیں مانیں گے وہ اللہ کی گرفت میں آجائیں گے، واقعات ذکر کرنے کا مقصد یہی ہوتا ہے چونکہ سب انبیاء علیہم السلام نے توحید ہی پیش کی تو ان کے ذکر کے ساتھ توحید کی دلیل بھی سامنے آئے گی کہ نقلی طور پر ابتداء سے یہی بات چلی آ رہی ہے اور انہوں نے شرک کی تردید کی، آخرت کی یاد دلائی یہ سب باتیں انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہیں تو واقعات بیان کر کے اسی چیز کو قوت پہنچانا مقصود ہے، ترغیب اور ترہیب کا پہلو تو اس میں ہوتا ہی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا حال:

قابل ذکر ہے وہ وقت جب انہوں نے اپنی قوم کو کہا کہ میرا یہاں ٹھہرنا وعظ و نصیحت کے لیے اگر تمہیں ناگوار گزرتا ہے تو گزرتا رہے میں تو اپنا فرض منصبی ادا کروں گا، باقی رہی یہ بات کہ میں اس سے باز کیوں نہیں آتا؟ دو چیزیں ہوتی ہیں جس سے انسان دبتا ہے، ایک یہ ہے کہ میں ڈر کے یہ کام چھوڑ دوں اور ایک یہ ہے کہ میں کسی

لالچ کی بناء پر نیچا پڑ جاؤں، دونوں باتیں میرے اندر نہیں ہیں، میرا اللہ پر بھروسہ ہے اور اللہ پر اعتماد ہے تم سے جو ہوسکتا ہے تم کرلو تم ہی نہیں بلکہ سارے خداؤں کو بھی ملالو، اب ایک شخص اکیلا اپنی قوم کے سامنے کھڑا ہو جائے اور اس طرح کلام کرے کہ تم سب اکٹھے ہو جاؤ اور جن کو تم نے اپنا کارساز بنا رکھا ہے ان سب کو ساتھ لے لو اور پھر آپس میں مشورہ کرو کہ نوح کے ساتھ یوں کرنا ہے اور اس کو اس طرح ہلاک کرنا ہے، اس کو اس طرح تکلیف پہنچانی ہے اور اپنے امر کو پختہ کرلو اور اس طرح مطمئن کرلو کہ اس بارے میں تمہیں کوئی تردد نہ رہے، اس طرح ایک تدبیر کرلو اور پھر یہ نہیں کہ پہلے مجھے چیلنج دو، مجھے مہلت بھی نہ دو اپنی طرف سے پوری کاروائی تم میرے اوپر جاری کردو پھر تم دیکھ لو کہ تم میرا کیا بگاڑ لو گے، میں پھر بھی نصیحت کروں گا، نصیحت سے باز نہیں آؤں گا اس کا مطلب یہ ہے میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں، میں پھر بھی اسی طرح اللہ کا پیغام پہنچاتا رہوں گا، میں تم سے ڈر کے اس بات چھوڑ نہیں سکتا ہوں۔

اور یہ بات کہ میری باتیں تمہیں ناگوار گزرتی ہیں تو میرا کھانا پینا بند کردو گے یہ بات بھی نہیں ہے میں تم سے کوئی تنخواہ نہیں مانگتا، کوئی روٹی نہیں مانگتا، کوئی وظیفہ نہیں مانگتا تو مجھے کیا لالچ ہے کہ میں تمہاری رعایت رکھوں، میں تو اللہ کی طرف سے مامور ہوں اور اللہ کا رسول ہوں جو اس کی طرف سے حکم ہے اس کو کرتا رہوں گا، نہ مجھے کوئی لالچ ہے اور نہ کوئی خوف ہے، سمجھانے کے لیے آیا ہوں اور سمجھ جاؤ گے تو تمہارے لیے فائدہ ہے ورنہ میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں، تم سے جو ہوتا ہے تم کرلو گویا کہ نہ مجھے کوئی خوف ہے اور نہ مجھے کوئی لالچ ہے، میں تمہارے سامنے کیوں دبوں؟

اس بارے میں تمام انبیاء علیہم السلام کا طرز کلام ایک ہے، انبیاء علیہم السلام کے وعظ میں جو یہ بات آتی ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں تمہاری رعایت کیوں رکھوں؟ میں نے کوئی تم سے وظیفہ لینا ہے یا مجھے تمہاری طرف سے کوئی خوف اور اندیشہ ہے اس لیے ہم تو اللہ کی طرف سے آئے ہیں، اللہ ہمارا محافظ ہے، اللہ پر ہمارا اعتماد ہے، جو اس کا حکم ہوگا ہم تو اس کو کہتے رہیں گے تم ڈراؤ یا دھمکاؤ تب بھی ہم نہیں ہٹیں گے اور تم کسی چیز کا لالچ دو تب بھی ہم نہیں ہٹیں گے، نہ لالچ سے متاثر ہوں، نہ خوف سے متاثر ہوں اس لیے ہم اپنی کارروائی جاری رکھیں گے تم سے جو ہوتا ہے کرلو، یہ طرز عمل انبیاء علیہم السلام کا ایک معجزہ ہوتا ہے کہ ایک شخص پوری قوم کے سامنے ڈٹ کے کھڑا ہو جاتا ہے، حق کے اوپر جم جاتا ہے کہ نہ خوف سے متاثر ہوتا ہے اور نہ لالچ سے انبیاء علیہم السلام کا یہ طرز عمل ایک مستقل معجزہ ہوتا ہے۔

"فکذبوہ" ان لوگوں نے اس کی تکذیب کی اور ہم نے نجات دی ان کو اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں اور بنادیا جانشین اور ہم نے غرق کردیا ان لوگوں کو جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی، دیکھو! تو کیسے ہوا انجام ڈرائے ہوؤں کا، جن کو اللہ کی طرف سے ڈرایا گیا اور وہ انذار سے متاثر نہیں ہوئے تو دیکھ لو ان کا کیسا انجام ہوا؟ یہ اس قوم کو سنانا مقصود ہے کہ تم بھی کان کھول کے سن لو، تم بھی اب منذرین ہو، اب اللہ کی طرف سے تمہیں بھی انذار ہوگیا، اب اگر تم باز نہیں آؤ گے تو تمہارا انجام بھی وہی ہوگا جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ہوا تھا۔

انبیاء سابقین اور ان کی قوموں کا اجمالی ذکر:

پھر ان کے بعد ہم نے بہت سارے رسول بھیجے جن کے واقعات سورۂ اعراف میں آپ کے سامنے آئے ہیں حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور آگے سورۂ ہود کے اندر بھی واقعات آرہے ہیں اور وہ واضح دلائل لے کے آئے، وہ لوگ جس کو پہلی مرتبہ جھٹلا چکے پھر اس پر ایمان نہ لائے پس ایک دفعہ تکذیب جو کردی، ایک دفعہ نہ جو کردی وہ اپنی جگہ سے نہیں بدلی، ایسے ہی ہم مہر کردیا کرتے ہیں حد سے نکلنے والے لوگوں کے دلوں پر، جو اعتداء کی عادت ڈال لیں، حد سے نکلنے کی عادت پڑ جائے تو ان کے قلوب میں ماننے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی اس طرح انہوں نے بھی مخالفت کرکے یہ صلاحیت ختم کرلی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلہ میں:

پھر اس کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بھیجا فرعون اور اس کے معززین کی طرف اپنی آیات دے کر، آیات سے معجزات مراد ہیں، ان لوگوں نے بھی تکبر کیا اور اللہ کی آیات کو قبول نہیں کیا، اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگ گئے، یہ لوگ مجرم تھے، جرم کرنے کے عادی تھے جب ان کے سامنے حق آگیا، واضح بات آگئی، ثابت شدہ حقیقت آگئی تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا تم حق کے متعلق کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آگیا کہ یہ جادو ہے "ولا یفلح الساحرون" جادوگر تو فلاح نہیں پایا کرتے، کامیاب نہیں ہوتے، وہ تو وقتی طور پر شعبدہ بازی ہوتی ہے، ان سے کوئی پائیدار نتائج نہیں نکلا کرتا۔

تو فرعونی جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں مرعوب ہوئے تو ذہنی طور پر ان کی اسرائیلیوں کے ساتھ کشاکشی تو پہلے ہی سے تھی بایں معنی کہ یہ حکومت قبطیوں کی تھی جو کہ اصل باشندے تھے اور بنی اسرائیل جو

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں وہاں جاکے آباد ہوئے تھے یہ سبطی کہلاتے تھے گویا کہ مصر کے اندر دو قومیں آباد تھیں ایک قبطی جو حاکم تھے اور دوسرے سبطی جو محکوم تھے، خطرہ ان کو یہ رہتا تھا کہ کہیں یہ سبطی زور نہ پکڑ لیں، ان کی تعداد بڑھ جائے تو تعداد کے بڑھ جانے کی صورت میں یہ قبطیوں پر غالب آجائیں گے اور حکومت قبطیوں سے چھن جائے اور سبطی لے جائیں اور یہ بنی اسرائیل ان کے لیے زوال کا باعث بن جائیں اس طرح حکومت کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے رقیب تھے اور فرعون نے جو اسرائیلیوں کے بچوں کو قتل کرنے کی سکیم چلائی تھی وہ بھی اسی لیے تھی کہ ان کی قوت پیدا نہ ہو، یہ کمزور رہیں اور ہمارے تابع ہو کر رہیں، ہم ان کو غلام بنا کر رکھیں اس لیے اس نے یہ سارا سلسلہ شروع کیا تھا تو یہ ذہنی تقابل چلا آرہا تھا، اب فرعونیوں کو اس بات کی ضرورت تھی کہ اپنی قوم کی عصبیت کو بھڑکائیں تاکہ وہ کہیں ان سے متاثر نہ ہو جائیں، یہ اسرائیلی تو ایک طرف اکٹھے ہو ہی جائیں گے اور اگر اپنی قوم میں بھی پھوٹ پڑ گئی اور اپنے لوگ بھی ان سے متاثر ہو گئے تو اکثریت ان کی ہو جائے گی اور پھر ہماری کرسی گئی تو یہ کرسی کا مزاج بھی ابتداء ہی سے ایسے ہی کچھ چلا آرہا ہے کہ اگر کوئی شخص حق بات کہتا ہے تو صاحب اقتدار لوگ اس کو فوراً سیاسی رنگ دے دیتے ہیں۔

کہنے لگے ہاں ہم سمجھ گئے تم اس لیے آئے ہو کہ ایک تو ہمارے آباء واجداد کا طریقہ بدل دو اور دوسری بات یہ ہے کہ تم ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہو، بڑا بننا چاہتے ہو، تمہاری یہ ساری تحریک بڑا بننے کے لیے ہے، اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے ہے اور یہ دو ہی باتیں تھیں جن پر فرعون نے اپنی قوم کو بھڑکایا تھا کہ ایک تو تمہارا دین بدل کے رکھ دے گا، تمہارا طریقہ بدل دے گا اور دوسرا یہ ہے کہ تمہیں ملک سے باہر نکال دے گا اور اقتدار خود لے لے گا اور تم محکوم بن جاؤ گے تو پھر جس طرح تم نے ان کے اوپر زیادتیاں کی ہیں یہ تم سے انتقام لیں گے، اس طرح اپنی قوم کو اکٹھا کیا، اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے انہوں نے یہ چال چلی کہنے لگے کیا تو آیا ہے ہمارے پاس (یہ خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہے کیونکہ گفتگو میں اصل موسیٰ علیہ السلام ہی تھے حضرت ہارون علیہ السلام ان کے وزیر تھے) تاکہ تو ہمیں ہٹا دے اس طریقہ سے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا اور تاکہ ہو جائے تمہارے لیے کبریائی اس علاقہ میں، ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔

فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا کہ چونکہ یہ جادوگر ہے اس لیے اس کا مقابلہ جادوگروں سے کرواؤ،

اب اگر چہ جادوگر اور نبی میں دن اور رات کا فرق ہوتا ہے، اخلاق میں، کردار میں، حالات میں، گفتگو کے زور سے ایک پیشہ ور آدمی روٹی کمانے کے لیے کس قسم کی کمینی اور ذلیل حرکتیں کرتا ہے اور کس طرح بڑے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، ان میں کوئی کسی قسم کی شرافت نمایاں نہیں ہوتی اور انبیاء علیہم السلام کی ایک ایک بات معجزہ ہوتی ہے، لیکن جس وقت آدمی ارادہ کر لے کہ میں نے ایک حقیقت کو نہیں ماننا تو پھر اس کو ہزار حیلے اور بہانے کرنے پڑتے ہیں، جھوٹی تدبیریں کرنی پڑتی ہیں، یہاں فرعون کی عقل پر بھی پردہ پڑا، مقصد یہ تھا کہ قوم کو الو بنانے کے لیے جادوگروں سے ان کا مقابلہ کرواؤ، کچھ کرتب وہ دکھائیں گے کچھ کرتب یہ دکھائے گا تو یہاں بات چلانی آسان ہو جائے گی کہ جیسے وہ جادوگر ہیں ایسے یہ بھی جادوگر ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگروں کی صف میں کھڑا کرنے کے لیے یہ سارا طریقہ اختیار کیا کہ جادوگروں کو اکٹھا کرو، وہ بھی آجائیں گے یہ بھی آجائے گا، یہ بھی کرتب دکھائے گا وہ بھی کرتب دکھائیں گے، حقیقت خلط ملط ہو جائے گی، لوگ سمجھیں گے جیسے یہ ہیں وہ بھی ویسا ہی ہے تو اس کے پیچھے نہیں لگیں گے، حقیقت کو خلط ملط کرنے کے لیے یہ سکیم بنالی، لے آؤ میرے پاس ہر علم والا جادوگر۔

جادوگر آ گئے تو انہوں نے آتے ہی سوال کیا تھا "ان لنا لاجراً ان کنا نحن الغالبین" تو پہلے قدم پر ہی فیصلہ ہو گیا کہ جادوگر کون ہے اور نبی کون ہے؟ آتے ہی کہتے ہیں پہلے یہ تو بتاؤ کہ اگر ہم جیت گئے تو کچھ انعام بھی ملے گا؟ نبی پہلے قدم پر اعلان کرتا ہے کہ میں نے لینا دینا کچھ نہیں ہے، میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور اس نے آگے لالچ بھی یہی دی کہ انعام بھی ملے گا اور دربار میں کرسی بھی ملے گی، تم میرے مقرب بن جاؤ گے یہ بھی ساتھ ہی ہوس دلادی تاکہ خوب اچھی طرح شوق سے کام کریں، جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ تم ڈالو جو تم ڈالتے ہو یہ بھی ایک قسم کا استغناء ہے کہ مجھے کوئی خوف نہیں ہے کہ ان کا وار چل جائے گا ورنہ ہر شخص یہ چاہا کرتا ہے کہ میرا وار پہلے چلے کہ دوسرے کو میں سنبھلنے کا موقع ہی نہ دوں اور اس کو جلدی چت کر دوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ اللہ پر اعتماد تھا تو ان کو اس جیسے ڈھنگ استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اس لیے پورے اعتماد کے ساتھ کہا کہ جو وار کرنا ہے کر لو اور "القوا" کا لفظ اس لیے بولا کہ موسیٰ علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ یہ بھی وہی لاٹھیاں لیے کھڑے ہیں اور انہوں نے سنا ہوا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام لاٹھی کا سانپ بناتے ہیں تو انہوں نے اس پر ایک اضافہ اور بھی کیا کہ ساتھ رسی بھی لے آئے کہ وہ صرف لاٹھی کو سانپ بنائے گا اور ہم دونوں کو سانپ بنائیں گے تو لوگ کہیں گے یہ تو اس سے بھی بڑے جادوگر ہیں یوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیثیت خلط ملط سی ہو جائے گی۔

"فلما القوا" جب انہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا "ما جئتم به السحر" جو تم لائے ہو یہ جادو ہے جو میرے پاس ہے وہ جادو نہیں ہے "ان الله سيبطله" بے شک اللہ جلد ہی اس کو بے اثر کر دے گا، اللہ تعالیٰ مفسدین کے عمل کی اصلاح نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ ثابت کرے گا حق کو اپنے کلمات کے ساتھ، کلمات سے وعدے مراد ہیں جو حق کو غالب کرنے کے لیے اللہ نے کر رکھے ہیں، اگرچہ مجرموں کو یہ بات ناگوار ہی گزرے۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ

پھر ایمان نہ لائے موسیٰ علیہ السلام کے لیے مگر چند جوان موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے باوجود فرعون

وَ مَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ

اوراس کے سرداروں سے خوف کے کہ وہ ان کو فتنہ میں ڈالے گا اور بے شک فرعون بلندی والا تھا سلطنت میں

وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ

اور بے شک وہ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا ﴿۸۳﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! اگر تم ایمان

اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا

رکھتے ہو اللہ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم فرمانبردار ہو ﴿۸۴﴾ انہوں نے کہا

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ ۙ وَنَجِّنَا

کہ ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا، اے ہمارے رب! ہمیں نہ بنا فتنہ ظالم لوگوں کے لیے ﴿۸۵﴾ اور ہمیں نجات

بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ

دے اپنی رحمت کے ساتھ کافر لوگوں سے ﴿۸۶﴾ اور ہم نے وحی کی موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی

اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا

کی طرف کہ تیار کرو تم دونوں مصر میں اپنی قوم کے لیے گھر اور بنا لو اپنے گھروں کو قبلہ

الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ

اور نماز قائم کرو اور مؤمنین کو بشارت دو ﴿۸۷﴾ اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے اے ہمارے رب! بے شک دی تو نے

وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ

فرعون اور اس کے سرداروں کو زینت اور اموال کثیرہ دنیاوی زندگی میں، اے ہمارے پروردگار!

سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

وہ گمراہ کرنے لگ گئے تیرے راستہ سے، اے ہمارے رب! اب تو مٹا دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے

فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۸۸ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ

ان کے دلوں کو پھر وہ ایمان نہ لائیں جب تک وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب ۝۸۸ اللہ نے فرمایا کہ تحقیق قبول کر لی

دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸۹

گئی تم دونوں کی دعا پس تم استقامت اختیار کیے رہو اور پیروی نہ کرو ان لوگوں کے راستہ کی جو جانتے نہیں ہیں ۝۸۹

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ

ہم نے گزار دیا اسرائیل کو سمندر سے پھر ان کا پیچھا کیا فرعون نے اور اس کے لشکر نے

بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ

ظلم اور تعدی کرتے ہوئے حتیٰ کہ جب پالیا فرعون کو غرق ہونے نے تو کہا فرعون نے میں ایمان لایا اس بات پر

اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۹۰

کہ کوئی معبود نہیں مگر وہی جس پر ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں ۝۹۰

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۹۱ فَالْيَوْمَ

اب! حالانکہ تو نے نافرمانی کی ہے اس سے پہلے اور تو فسادیوں میں سے تھا ۝۹۱ آج ہم

نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

نجات دیں گے تجھے تیرے بدن سے تاکہ ہو جائے تو آنے والے لوگوں کے لیے نشانی اور بے شک البتہ

النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝۹۲ؑ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ

بہت سارے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں ۝۹۲ اور البتہ تحقیق ہم نے ٹھکانہ دیا بنی اسرائیل کو بہترین

صِدْقٍ وَّ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ

ٹھکانہ اور ہم نے ان کو دیا رزق پاکیزہ چیزوں سے پھر انہوں نے اختلاف کیا یہاں تک

الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا

کہ ان کے پاس علم آگیا بے شک تیرا رب فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن

فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

ان باتوں میں جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ ﴿۹۳﴾

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ چلا آرہا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم کو دعوت دی اور جادوگروں کے ساتھ مقابلہ کیا جس کا ذکر پچھلی آیات میں آگیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر آپ کی قوم میں سے کچھ لوگ متبع ہوگئے" ذرية من قو مه" کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل سارے غلام تھے اور فرعونیوں کا ان کے اوپر رعب بہت زیادہ تھا اور پھر جو غلام قوم ہوتی ہے اس کے حالات بھی کچھ عجیب قسم کے ہوجاتے ہیں، حاکم قوم ہمیشہ غلام قوم کے افراد میں سے ہی منتخب کر کے کچھ لوگوں کو قوم پر مسلط کرتے ہیں اور ان کو ذریعہ بناتے ہیں غلام قوم کو تکلیف پہنچانے کا اور کچھ غدار اور کچھ لالچی قسم کے لوگ حکومت کے ہاتھ آجایا کرتے ہیں، جس طرح جب انگریزوں کی ہندوستان پر حکومت تھی تو حاکم سارے کے سارے انگریز ہی نہیں تھے بلکہ ہندوؤں میں سے، سکھوں میں سے اور مسلمانوں میں سے بہت سارے لوگ ایسے تھے جو انگریز کے حامی تھے اور ان کی حکومت کی مضبوطی کے لیے اپنی ہر قسم کی قربانیاں دیے ہوئے تھے اور ان کے اوپر انگریزوں کی نوازشات تھیں، ان کو جاگیریں دے رکھی تھیں، ان کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے تھے تو یہ ہوتے غلام قوم کے ہی ہیں لیکن اس قوم کے اوپر ان آقاؤں کی حکومت کو مضبوط کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں، قوم کو عذاب میں مبتلاء رکھنے کا باعث بنتے ہیں اس قسم کے لوگ بھی درمیان سے منتخب ہوجایا کرتے ہیں۔

اور اگر اس قسم کے لوگ منتخب نہ بھی ہوں تو ویسے بھی کچھ لوگ بزدل ہو جاتے ہیں، جن میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ حاکم قوم کا مقابلہ کیا جائے اور ان کے ساتھ آنکھ لڑائی جائے، ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اپنا وقت گزارو اور حکومت کی مخالفت مول نہ لو اگر حکومت کی مخالفت کرو گے تو حکومت سزا دے گی، جیلوں میں ڈال دے گی اور تمہیں تکلیفیں پہنچائے گی اور تکلیفیں برداشت کرنا یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے اس لیے عافیت اسی میں ہے کہ جس طرح زندگی گزرتی ہے گزارتے چلے جاؤ، حکومت کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھاؤ کچھ اس قسم کے بزدل لوگ بھی ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس وقت فرعون کے مقابلہ میں یہ نعرہ بلند کیا تو اس قوم کی آزادی بھی طلب کی تھی "ارسل معنا بنی اسرائیل" میرے ساتھ بنی اسرائیل کو چھوڑ دے، ان کو لے کے میں کسی دوسرے ملک میں چلا جاؤں گا، ایمان کی دعوت بھی تھی، توحید کی دعوت بھی تھی اور اپنی قوم کو غلامی سے چھڑانا بھی مقصود تھا تو ان لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقابلہ میں لوگ چاہے دلی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہی ہوں کیونکہ اس قسم کے فرد تھے اور اس قسم کی آزادی چاہتے تھے یعنی اکثریت ان لوگوں کی ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہی ہمدردی رکھتے ہوں اور ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوں، ان کے حق میں آواز بلند کرتے ہوں وہ کچھ نوجوان ہی تھے جنہوں نے یہ جرات کی فرعون سے ڈرنے کے باوجود یعنی فرعون کا خوف بھی تھا کہ وہ سزا نہ دے دے لیکن اس کے باوجود کچھ نوجوانوں نے جرات کر لی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اردگرد جمع ہو گئے اور نمایاں ہو گئے کہ یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے باغی ہیں اور اس کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے، قوم کی آزادی چاہتے ہیں تو یہ نوجوان بھی اس طرح نمایاں ہو گئے۔

اس تقریر سے " ملائھم "میں جو " ھم "کی طرف " ملاء "کی نسبت کی گئی ہے اس کا مصداق بھی آسانی سے سمجھ میں آ گیا کہ اس کا مصداق وہ اسرائیلی بھی ہو سکتے ہیں کہ جن کو حکومت نے اپنے کام کے لیے استعمال کرتے ہوئے بعض علاقوں کی اور جگہوں کی سرداری دے رکھی ہو جس طرح انگریز کی حکومت میں مسلمان بڑے بڑے عہدوں پر تھے جب وہ عہدوں پر ہوتے ہیں تو وہ بھی اس طرح حکومت کی منشاء کے مطابق قوم کو قابو رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر کوئی باشندہ حکومت کا باغی ہوتا ہے تو وہ بھی اس کو اسی طرح سزا دیتے ہیں جس طرح حاکم قوم ہوتی

ہے تو "ملا ئھم" سے مراد اسرائیلی سردار ہو سکتے ہیں اور "ھم" کی طرف نسبت اس طرح ہوگی کہ چونکہ وہ حاکم تھے اور ان کے اوپر مسلط تھے، فرعون اور اپنے سرداروں سے ڈرنے کے باوجود نوجوانوں کا ایک طبقہ موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے لگ گیا اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات مان لی۔

"و ان فرعون لعال" ان لفظوں کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا ڈرنا بھی بجا تھا اگر ان کے اوپر خوف مسلط تھا تو یہ خوف بھی بے معنی نہیں تھا، فرعون بہت سر چڑھا ہوا تھا، اس کو اس علاقہ کے اندر بہت برتری حاصل تھی اور پھر وہ کسی کے حق کی رعایت رکھنے والا نہیں تھا، مسرفین میں سے تھا اپنی خواہش کے مطابق حد سے نکل جاتا تھا، کسی کے حقوق کی پروا نہیں کرتا تھا تو جب حاکم ایسا ظالم ہو تو ایسے وقت میں خوف کا مسلط ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے، بے شک فرعون البتہ علاقہ میں عالی تھا، اس کو علو حاصل تھا اور وہ سر چڑھا تھا اور مسرفین میں سے تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو کیونکہ یہ سارے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور انہی میں حضرت یوسف علیہ السلام بھی پہلے آ چکے تھے اور علم کا چرچہ کسی نہ کسی درجے میں ان میں تھا اس لیے اللہ کو یہ لوگ مانتے تھے، اس میں کوئی شک نہیں کہ فرعون سے متاثر ہو کر بعض لوگ فرعون کو بھی رب کہتے تھے، یہ کوئی بات نہیں ہے لیکن عمومی طور پر اس قوم کے اندر ایمان کی تحریک تھی۔ یہ سارے کے سارے لوگ کافر نہیں ہو گئے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے وجہ سے ان کے اندر توحید کا چرچا تھا اگر چہ غلام ہونے کی وجہ سے کچھ اپنی قوم سے متاثر ہو گئے ہوں گے تو موسیٰ علیہ السلام ان کو یاد دلاتے ہیں کہ اگر اللہ پر تمہارا ایمان ہے تو تمہیں اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے، اگر تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں تو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

قوم کی دعا:

وہ کہنے لگے کہ ہمارا اللہ پر ہی بھروسہ ہے اور وہ پھر یہ دعا کرتے تھے کہ یا اللہ! ہمیں ظالم لوگوں کے لیے فتنہ نہ بنا، ظالم لوگوں کے لیے فتنہ نہ بنا اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ فتنہ بمعنی آزمائش یعنی ہمیں ظالم لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنا کہ اگر ہم ان کے سامنے دبے رہے اور غلبہ انہی کو حاصل رہا، ہمیں غلبہ نہ ہوا یا وہ اسی طرح ہمیں سزا

دیتے رہے تو وہ لوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے کہ دیکھو! اگر یہ حق والے ہوتے تو یہ ہمیشہ ہمارے سامنے ذلیل کیوں ہوتے؟ ہمیں ان کے اوپر غلبہ کیوں حاصل ہوتا؟ تو یہ بات ان کے لیے مزید آزمائش کا باعث بن جائے گی اور وہ مزید فتنے میں پڑیں گے، ہمیں ان لوگوں کے لیے آزمائش گاہ نہ بنا اور اگر فتنہ کا معنی عذاب لے لیا جائے تو پھر معنی ہوگا کہ موقع فتنہ جس کا ترجمہ مفسرین نے عام طور پر کیا ہے کہ ہمیں ان کے لیے تختہ مشق نہ بنا، ہمیں ان کے عذاب کا نشانہ نہ بنا۔

"واوحينا الى موسىٰ واخيه" کا مفہوم:

یہ اسی کشمکش کے دور کی باتیں ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی طرف ہم نے وحی کی، اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے آسمانی دین جتنے بھی آئے ہیں ان کے اندر نماز کی صورت موجود تھی کہ اللہ کی عبادت کی جائے جس کو صلوٰۃ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور پہلی قوموں میں یہ خصوصیت تھی کہ ان کی عبادت صرف عبادت خانوں میں ہوتی تھی، گھروں میں وہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، جو عبادت خانہ وہ اپنے لیے بنا لیتے اس میں وہ عبادت کرتے تھے جیسے کہ روایات صحیح سے معلوم ہوتا ہے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھے اللہ تعالیٰ نے خصوصیات عطا کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ نے ہمارے لیے اس زمین کو مسجد اور طہور بنا دیا "جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً" (بخاری ۱/ ۴۸) زمین کو میرے لیے طہور بھی بنا دیا گیا کہ جس وقت پانی موجود نہ ہو تو اس زمین سے ہم طہارت بھی حاصل کر سکتے ہیں جیسے تیمم کیا جاتا ہے اور مسجد بھی بنا دیا گیا کہ جہاں بھی نماز کا موقع آ جائے نماز پڑھ لی جائے تو نماز ادا ہو جاتی ہے جگہ پاک ہونی چاہیے اور دوسرے عوارض نہیں ہونے چاہئیں جن کی تفصیل فقہ اور حدیث شریف میں ہے پاک صاف ماحول ہو، اچھا ماحول ہو جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے وہاں نماز پڑھی جا سکتی ہے، مسجد کی حاضری ادائیگی نماز کے لیے شرط نہیں ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ جن کو کوئی عذر نہ ہو جیسے جب کوئی آدمی بیمار نہیں ہے، مسافر نہیں ہے، آبادی میں رہتا ہے تو پھر مسجد میں جا کر با جماعت نماز سنت مؤکدہ ہے بعض کے نزدیک واجب ہے بہر حال بلا عذر ترک کرنے پر حدیث شریف میں بہت وعیدیں ہیں لیکن اگر کوئی عذر ہے تو آبادی میں بھی انسان گھر کے اندر نماز پڑھ سکتا ہے یہ اس امت کی خصوصیت میں سے ہے اور پہلے لوگ صرف اپنے عبادت خانہ میں ہی نماز پڑھتے تھے۔

اب جس وقت فرعونیوں کی اور بنی اسرائیلیوں کی آپس میں کشاکشی شروع ہوئی تو مفسرین لکھتے ہیں کہ فرعونیوں نے ان کی مسجدیں گرادیں، ان کی عبادت گاہیں ویران کردیں اور جو لوگ جمع ہوتے تھے ان کو سزا دیتے تھے، پکڑ دھکڑ ہوتی تھی تو علی الاعلان جمع ہوکر نماز پڑھنے کی گنجائش نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو ہدایت دی کہ مصر کے اندر اپنے گھروں کو ٹھکانہ بناؤ اور اپنے گھروں کو ہی قبلہ کی طرف کرلو یعنی گھروں کو مصلی بنالو اور انہی کے اندر قبلہ رو ہو کے نماز پڑھ لیا کرو جس وقت تک حالات سازگار نہیں ہوتے تو اس مجبوری کی بناء پر نمازیں گھروں میں ادا کرنے کی تلقین کردی گئی اور پھر ایسا ہوگا کہ جو جگہ گھروں میں متعین کی ہوگی اس میں پڑھنی پڑتی ہوگی، ہر جگہ پھر بھی نہیں پڑھتے ہوں گے، وحی کی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف کہ بنائے رکھو تم مصر میں اپنی قوم کے لیے گھر اور بنالو اپنے گھروں کو قبلہ اور نماز کو قائم کرو یعنی ان ناسازگار حالات میں بھی نماز کو چھوڑنا نہیں کیونکہ نماز ہی ایک ایسی چیز ہے جو اہل حق کے لیے اللہ کی نصرت حاصل کرنے کا ذریعہ بنتی ہے، اسی سے دل اور دماغ کو سکون حاصل ہوتا ہے، قلوب میں قوت پیدا ہوتی ہے، اللہ کی نصرت آتی ہے جیسے ہمارے ہاں بھی "و استعینوا بالصبر والصلوٰۃ" خصوصیت کے ساتھ استعانت کا ذکر ہے "و بشر المؤمنین" اور جو لوگ ایمان لانے والے ہیں ان کو خوشخبریاں سناؤ، اچھے انجام کی اطلاعات دے کر ان کو مطمئن رکھو تا کہ ان کا حوصلہ ٹوٹنے نہ پائے، مؤمنین کو بشارتیں دو کہ یہ تکلیفیں عنقریب دور ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ نجات دے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے سامنے دعا کی، اس کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ! تو نے ان کو زیب و زینت بہت دی، اموال بہت دیئے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ تو نے یہ زیب و زینت اس لیے دی ہو کہ جس طرح کافروں کی رسی ڈھیلی کی جاتی ہے تا کہ یہ گمراہی میں پڑیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں اب یہ مقصد پورا ہوگیا، یہ پورا زور لگا کے لوگوں کو گمراہ کرچکے، اب ان کے پاس مال و دولت کو باقی رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لیے ان کے مال مٹادے اور ان کو بے سروسامان کردے پھر بددعا کا حاصل یہ ہوگا کہ تو نے دیے اس لیے تھے جس طرح کافروں کو ڈھیل دی جاتی ہے تا کہ وہ خود گمراہ ہوں اور دوسروں کو گمراہ کریں اور وہ یہ کام کرچکے خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرچکے،

اب ان کی ہدایت کی توقع نہیں رہی اس لیے اب ان سے یہ نعمتیں چھین لے اور ان کے اموال کو مٹادے اور اگر اس کو لام عاقبت بنائیں تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ دیے تو اس لیے تھے کہ تیرے شکر گزار ہوں اور تیری نعمتوں سے متاثر ہو کے تیرے عبادت گزار بنیں لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ یہی مال ان کے لیے گمراہی کا سبب بن گیا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کا سبب بن گیا اس لیے اب ان کے مال تلف کردے، ان کی خوشحالی ختم ہونی چاہیے اور ان کے دلوں کو سخت کردے دلوں کے سخت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت معجزہ کے طور پر کوئی عذاب رونما ہوتا تو یہ فوراً ڈھیلے ہو جاتے کہتے تھے موسیٰ! دعا کر یہ عذاب ٹل جائے ہم فوراً تجھ پہ ایمان لے آئیں گے اور نرمی دکھانے لگ جاتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے عذاب ٹل جاتا تو پھر اسی طرح اڑ جاتے، ان کے دلوں کو سخت کردے کہ صورتاً بھی ایمان نہ لائیں جو عذاب کے ٹلنے کا باعث بن جائے اس لیے عذاب الیم ان کے سامنے آجائے جب عذاب الیم آجائے گا پھر یہ مانیں اور یہ ماننا نہ ماننے کے برابر ہوگا اس ماننے کا پھر کوئی فائدہ نہیں ہوگا جیسا کہ اس دعا کا نتیجہ ظاہر ہوا کہ فرعون جب غرق ہوا تو وہ ایمان لایا لیکن اس کا ایمان لانا کوئی معتبر نہ ہوا۔

یہ ہدایت سے مایوس ہونے کے بعد کی دعا ہے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کے لیے دعا کی تھی جب وہ اپنی قوم سے مایوس ہو گئے تھے، جنہوں نے ماننا تھا انہوں نے مان لیا اب اور ماننے والے نہیں ہیں تو پھر اللہ سے درخواست کی کہ اب ان کو ختم کر دیا جائے کہ اب یہ فاسق اور فاجر ہوں گے ان سے اچھائی کی کوئی توقع نہیں ہے۔

اللہ کی طرف سے جواب:

اللہ نے جواب دیا کہ تمہاری دعا قبول ہوگئی اب ان کے اوپر بربادی آجائے گی، تم استقامت اختیار کرو جس حال پہ لگے ہوئے اس حال پہ لگے رہو استقامت کا معنی یہ ہوتا ہے کہ ناسازگار حالات کو دیکھ کر ہمت نہ ہارنا، ڈٹے رہو اپنے مسلک پر، اسی طرح تبلیغ کرتے رہو اور ان لوگوں کے راستے کی پیروی نہ کرو جو جانتے نہیں ہیں، بے علموں کے راستے پہ نہ چلنا جن کو یہ پتہ نہیں کہ اللہ کی طرف سے کافروں کو ڈھیل دی جاتی ہے، دعا کی قبولیت پر فوراً اثر مرتب ہو جانا کوئی ضروری نہیں، جو اس قسم کی حکمتیں نہیں جانتے ان لوگوں کے راستے پر نہ چلنا کہ جلدی مچانے لگ جائیں کہ ان کے اوپر تباہی جلدی کیوں نہیں آتی بلکہ علم والے لوگوں کے راستے پر چلو کہ جو سمجھتے ہیں کہ اللہ

کی طرف سے جو واقعہ پیش آتا ہے وہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے، اللہ کی حکمت کی تحت جتنی ڈھیل ان کو ملنی چاہیے وہ ان کو مل کے ہی رہے گی اور جب اللہ کی حکمت ہوگی اس وقت آثار نمایاں ہو جائیں گے، جلدی نمایاں ہونا کوئی ضروری نہیں تمہارے جذبات اس قسم کے ہونے چاہئیں۔

فرعون کا انجام:

آخر ایک وقت آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر چل پڑے آگے پھر سمندر آ گیا تو ہم نے گزار دیا بنی اسرائیل کو سمندر سے اور ان کے پیچھے لگ گئے فرعون اور اس کے لشکر ظلم اور زیادتی کے ساتھ، ظلم اور زیادتی کرنی مقصود تھی، شرارت اور زیادتی کرتے ہوئے ان کے پیچھے لگ گئے حتیٰ کہ جب فرعون کو غرق ہونے نے پالیا یعنی وہ اسرائیلی تو آگے نکل گئے اور یہ ان کے پیچھے لگا جا رہا تھا جب سمندر کے وسط میں گیا تو پانی مل گیا جب ڈوبنے لگا تو کہنے لگا میں ایمان لایا اس بات پر کہ کوئی معبود نہیں مگر وہی جس پر بنی اسرئیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، جب ناک میں پانی پڑا تو سارا نشہ اتر گیا اور فوراً ڈھیلا ہو گیا، لگا کلمہ پڑھنے اور اللہ کی طرف سے تنبیہ ہوئی کہ اب ایمان لاتے ہو یا اب چھوٹنے کی تمنا کرتے ہو حالانکہ تو نے نافرمانی کی اس سے قبل اور تو فسادیوں میں سے تھا، ساری زندگی تو عصیان میں گزار دی، مفسد رہا اور اب ڈھیلے ہو رہے ہو، اب کلمہ پڑھتے ہو یا اب نجات چاہتے ہو آج ہم تجھے نجات دیں گے تیرے بدن کے ساتھ، تیری لاش بچ جائے گی تاکہ تو ہو جائے اپنے پچھلوں کے لیے نشانی۔

تفاسیر میں لکھا ہے کہ فرعون کی لاش تیرتی ہوئی سمندر کے کنارے پہ آ گئی اور اس کو دیکھ کر اسرائیلیوں نے یقین کر لیا کہ اب یہ غرق ہو گیا ہے ورنہ اس کی ہیبت اتنی تھی کہ لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ فرعون بھی ڈوب گیا ہے پھر وہ لاش وہاں سے پکڑی گئی، کہتے ہیں اس وقت بھی مصر میں قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے اگرچہ یہ قطعی بات نہیں ہے کہ یہ اس فرعون کی لاش ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدمقابل تھا تو آج تک وہ محفوظ ہے تاکہ تو پچھلوں کے لیے نشانی بن جائے، نشانی بننے کا مطلب یہ ہے تاکہ ان کو پتہ چل جائے کہ اللہ کی مخالفت مہنگی پڑتی ہے اور دنیا میں کتنا ہی جاہ و جلال حاصل کیوں نہ ہو لیکن جب اللہ کی طرف سے پکڑ آ جاتی ہے تو پھر کوئی چھوٹ نہیں سکتا" وان كثيراً من الناس عن اٰيٰتنا لغافلون "اور ہماری آیات سے بہت سارے لوگ غافل ہیں وہ اس قسم کی چیزوں

کو دیکھ عبرت حاصل نہیں کرتے۔

بنی اسرائیل پر انعام اوران کو دھمکی:

اور ہم نے ٹھکانہ دیا بنی اسرئیل کو بہت اچھا، اس ٹھکانہ سے شام اور ارد گرد کا علاقہ مراد ہے جہاں جا کے یہ لوگ آباد ہوئے تھے، پاکیزہ چیزوں سے ہم نے ان کو رزق دیا، وسعت دی پھر انہوں نے اختلاف نہ کیا حتی کہ ان کے پاس علم آ گیا یعنی علم کے باوجود انہوں نے دینی راستے میں اختلاف کیا کہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کتاب ان کے پاس موجود تھی اور اس میں ہدایت تھی لیکن پھر انہوں نے اختلاف کیا، بے شک تیرا رب ان کے درمیان فیصلہ کرے گا قیامت کے دن ان باتوں میں جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ

پس اگر تو شک میں ہے اس چیز میں جو ہم نے اتاری آپ کی طرف تو پوچھ لیجیے ان لوگوں سے

يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ

جو پڑھتے ہیں ایسی کتاب جو آپ سے پہلے اتاری گئی تحقیق آ گیا آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق

رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ

تو نہ ہو ہرگز شک کرنے والوں میں سے ﴿۹۴﴾ اور ہرگز نہ ہو تو ان لوگوں میں سے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ

جو جھٹلاتے ہیں اللہ کی آیات کو پس ہو جائے گا تو خسارہ پانے والوں میں سے ﴿۹۵﴾ بے شک وہ لوگ جن پر

عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ

ثابت ہو گئی تیرے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۹۶﴾ اگرچہ آجائے ان کے پاس نشانی

حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ

جب تک وہ نہ دیکھ لیں عذاب الیم کو ﴿۹۷﴾ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا

فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۗ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ

اس کو نفع دیتا مگر یونس علیہ السلام کی قوم، جب یہ لوگ ایمان لائے ہم نے دور ہٹا دیا ان سے

عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

رسوائی کا عذاب دنیا وی زندگی میں اور ہم نے ان کو نفع دیا ایک وقت تک ﴿۹۸﴾

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۗ اَفَاَنْتَ

اگر چاہتا تیرا رب تو ایمان لے آتے دنیا میں سارے لوگ جو زمین میں ہیں کیا آپ

تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ

مجبور کر سکتے ہیں لوگوں کو حتی کہ وہ ایمان لانے والے ہو جائیں ﴿٩٩﴾ کسی نفس کے لیے نہیں ہے

تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ

کہ وہ ایمان لے آئے مگر اللہ کی اجازت کے ساتھ اور وہ کر دیتا ہے پلیدی کو ان لوگوں پر

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا

جو سوچتے نہیں ﴿١٠٠﴾ آپ کہہ دیجیے کہ دیکھو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، نہیں

تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ

فائدہ دیتیں نشانیاں اور ڈرا وے ان لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے ﴿١٠١﴾ پس وہ نہیں

يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ

انتظار کرتے مگر ان دنوں کی مثل جو گزر رہے ہیں ان سے پہلوں پر پس تم

فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا

انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ﴿١٠٢﴾ پھر ہم نجات دیتے ہیں اپنے رسولوں کو

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾

اور ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں ایسے ہی، حق ہے ہم پر کہ ہم نجات دیتے ہیں مؤمنین کو ﴿١٠٣﴾

تفسیر

کتاب اللہ کی حقانیت کے ثبوت کا طریقہ:

ان آیات میں زیادہ تر حضور ﷺ کے لیے تسلی ہے اور مخالفین کے لیے کچھ تہدید ہے، پہلے تو آپ پر اتارے گئے دین کی حقانیت کو بیان کیا گیا ہے اور بیان کرنے کے لیے طرز ایسا اپنایا گیا جو بہت ہی واضح ہے، سرور کائنات ﷺ جن پر یہ کتاب اتری تھی آپ کو اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ یہ اللہ کی جانب سے نہیں

ہے، سرور کائنات ﷺ یقین سے جانتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور ایسا خیال بھی نہیں آسکتا کہ اللہ کی طرف سے نہ ہو لیکن دوسرے لوگ اس قسم کے شک اور شبہ میں مبتلاء تھے کہ یہ کتاب اللہ کی جانب سے نہیں ہے تو اللہ سرور کائنات ﷺ کو خطاب کر کے اس شک کے ازالہ کا طریقہ بیان فرماتے ہیں اور سنانا دوسروں کو مقصود ہے، یہی وجہ ہے کہ جب یہ آیات اتریں تو فرمایا کہ مجھے تو اس بارے میں کوئی شک نہیں ہے اور نہ کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہے، آپ ﷺ نے تو اپنے اطمینان کو اس طرح واضح فرما دیا لیکن آپ ﷺ کو خطاب کر کے جو طریقہ بیان کیا گیا ہے دوسرے لوگ اچھی طرح اس طریقہ کے ساتھ اپنے شک کو دور کر سکتے ہیں، آپ ﷺ کو خطاب کر کر کہا جا رہا ہے کہ اگر آپ کو کوئی شک ہے جو ہم نے آپ پر اتارا ہے، شک بایں معنی کہ یہ اللہ کی جانب سے نہیں آئی تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجیے جو آپ سے پہلے اتاری ہوئی کتابوں کو پڑھتے ہیں، اب ان لوگوں کا مصداق ہیں اہل کتاب جو توراۃ اور انجیل کو پڑھتے تھے ان سے پوچھو گے تو وہ تائید کر دیں گے، اس آیت سے یہ معلوم ہوا لیکن یہ واقعہ ہے کہ توراۃ انجیل پڑھنے والے لوگ دو قسم کے تھے بعض منصف مزاج اور حق پرست تھے جس وقت ان کے سامنے آپ کی نبوت کا تذکرہ ہوا اور اس کتاب کا تذکرہ ہوا تو انہوں نے فوراً تصدیق کر دی کہ واقعی یہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کتاب ہے اور ہماری کتاب میں اس کے متعلق پیش گوئیاں موجود ہیں۔

اور ایک طبقہ ایسا تھا کہ جو انکار کرنے والا تھا باوجود توراۃ پڑھنے کے آپ کا مکذب تھا اور باوجود انجیل پڑھنے کے آپ کا مکذب تھا" الذین یقرء ون الکتاب " کا مطلب یہ ہے کہ جو توراۃ کو پڑھتے ہیں اور اس میں تحریف نہیں کرتے ہیں "یقرء ون حق تلاوتہ " اپنی جانب سے اس میں کوئی تحریف نہیں کرتے، غلط بیانی نہیں کرتے اور اس کو مسخ کرنے کی کوشش نہیں کرتے، وہ لوگ اللہ کی کتاب کو اللہ کی کتاب ہونے کی حیثیت سے پڑھ لیں تو اس سے یہ بات واقعی ثابت ہو جائے گی کہ آخر وقت میں ایک نبی آنے والا ہے اور اس کا ذکر اس کتاب میں موجود ہے اور اس کے اوپر اس قسم کی کتاب اتاری جائے گی اور اس کے ساتھ آپ کی تائید ہو جائے گی تو جو اہل کتاب ہیں جو آپ کے مکذب ہیں یوں سمجھو کہ وہ کتاب کو نہیں پڑھتے جو اللہ کی طرف سے اتری ہے بلکہ وہ اپنے خیالات اس میں شامل کر کے ان خیالات کو پڑھتے ہیں، اس کتاب میں غلط مضامین شامل کر کے اس کی تحریف کرتے ہیں وہ مصداق نہیں ہیں اور جو کتاب کو صحیح طور پر پڑھتے ہیں جس کو دوسری جگہ " یتلو نہ حق تلا و تہ"

کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اس میں اپنے خیالات کو شامل نہیں کرتے، تحریف نہیں کرتے، حق پوشی نہیں کرتے جس وقت بھی آپ کا نام سنیں گے تو فوراً تائید کردیں گے، ایسے ہی ہوا شاہ نجاشی انجیل پڑنے والوں میں سے تھا جب اس نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زبان سے حضور ﷺ کے حالات سنے تو فوراً تائید کردی اور اس کے ساتھ اور بھی اہل حق کا گروہ تھا جس کا ذکر آپ کے سامنے ساتویں پارہ کی ابتداء میں آیا تھا اور مدینہ منورہ میں یہود میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کا سامنا جب رسول اللہ ﷺ سے ہوا اور تذکرہ سنا تو فوراً تائید کردی اور مان گئے، یہ لوگ تھے جو اللہ کی کتاب کو صحیح طور پر پڑھتے تھے۔

یہاں اللہ تعالیٰ یہی کہتے ہیں اگر آپ کو کوئی شک ہو تو ان لوگوں سے پوچھ لو، وہ اہل علم لوگ ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اللہ کی کتاب کا مزاج کیسا ہے اور اللہ کی کتاب میں کیسی باتیں آیا کرتی ہیں وہ ان مضامین کی بھی تائید کریں گے جو توحید کے بارے میں ذکر کیے گئے ہیں اور شرک کی تردید میں ذکر کیے گئے ہیں، مسئلہ رسالت کی بھی تائید کریں گے کہ پہلے بھی اس طرح کے رسول آتے رہے ہیں اور وہ خود بھی رسولوں کو ماننے والے ہیں، نزول کتاب کی بھی تصدیق کریں گے کہ اللہ کی طرف سے کتاب اترتی رہتی ہے اور پھر خصوصیت کے ساتھ اس پیغمبر کے متعلق بھی بتا سکتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں ایسی پیش گوئیاں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے پیغمبر ہیں اور یہ کتاب اللہ کی جانب سے آئی ہے تو ان اہل علم سے پوچھنے کے ساتھ تمہارا تردد اور شک دور ہو جائے گا یہ طریقہ بتایا جا رہا ہے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے لیکن مقصود دوسروں کو سنانا ہے کہ اگر تمہیں اس بارے میں شک ہے تو ان اہل علم سے پوچھ لو پوچھنے کے ساتھ تمہارا ہر قسم کا تردد دور ہو جائے گا۔

"لقد جاء ك الحق" یہ بات بالکل صحیح ہے، یہ پکی بات ہے کہ آپ کے پاس حق آیا آپ کے رب کی طرف سے، یہ سچی باتیں ہیں، واقع کے مطابق ہیں " فلا تکن من الممترین " آپ شک کرنے والوں میں سے بالکل نہ ہوں، جب شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں تو تکذیب کرنا تو اس سے بڑھ کے ہے اور آپ ہرگز نہ ہونا ان لوگوں میں سے جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں پھر ہو جائیں گے آپ خسارہ پانے والوں میں سے تو معلوم ہوا کہ اللہ کی آیات کی تکذیب خسارہ کا باعث بنتی ہے، آپ ﷺ کو خطاب کر کے سنا یا دوسروں کو جا رہا ہے کہ یہ بات سچ اور حق ہے جو آپ پر اتاری گئی اب جو لوگ مانتے نہیں آپ ان کے پیچھے زیادہ نہ پڑیں وہ لوگ جن کے

اور پر تیرے رب کی بات ثابت ہوگئی یعنی ان کی قسمت کا یوں ہی فیصلہ ہوا کہ یہ جہنم میں جائیں گے وہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی اس وقت جو ضد کر رہے ہیں وہ جہنم میں جانے والے ہیں۔

عذاب دیکھنے کے بعد ایمان کا کوئی اعتبار نہیں:

"و لو جاء تھم کل آیۃ" یہ ایمان نہیں لائیں گے اگر چہ آجائے ان کے پاس ہر قسم کی نشانی، یہ جو آئے دن مطالبہ کرتے رہتے ہیں کہ ہمیں فلاں چیز دکھادو، ہمیں فلاں معجزہ دکھادو تو ہم مان جائیں گے تو ان کی اس قسم کی باتیں بھی محض ضد کے طور پر ہیں ورنہ یہ ماننے والے نہیں ہیں، ہاں ایک صورت ہوگی کہ جب دردناک عذاب ان کے سامنے آجائے گا، حقیقت منکشف ہوجائے گی جیسے موت کے وقت غرغرہ کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے تو عالم آخرت منکشف ہوجاتا ہے یا اللہ کی طرف سے عذاب آگیا اور اس میں مبتلاء ہوگئے ایسے وقت میں پھر یہ ایمان لائیں گے اور وہ ایمان لانا نفع نہیں دے گا جیسے فرعون ساری زندگی تو اڑا رہا جس وقت ناک میں پانی پڑا اور عالم آخرت منکشف ہوا تو ایمان لایا لیکن ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا یہ بھی جس وقت تک عذاب الیم نہیں دیکھیں گے اس وقت تک نہیں مانیں گے اور عذاب الیم کے دیکھنے کے بعد اب ماننے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

"فلولا کانت قریۃ أمنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس" کا مفہوم:

قریہ سے ایسی بستیاں مراد ہیں جو پہلے عذاب میں ہلاک ہوچکیں جن کا ذکر قرآن مجید میں متعدد بار آیا، ان بستیوں میں سے کوئی بستی یعنی جو پہلے ہلاک ہوئیں ان بستیوں میں سے کوئی ایمان نہ لائی یعنی نہیں نفع دیا ان کو ایمان لانے نے، آخر وقت تک پیغمبر سمجھاتے رہے لیکن وہ نہیں مانے، برباد ہوگئے ہاں قوم یونس البتہ ایسی تھی کہ ایمان لائی اور ایمان لانا نافع ہوا جب وہ ایمان لائے تو ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب ہٹادیا دنیاوی زندگی میں اور ہم نے ان کو نفع دیا ایک وقت تک، اس وقت سے موت کا وقت مراد ہے کہ عافیت اور خیر وخوبی کے ساتھ ہم نے ان کو زندہ رکھا یعنی ان کو ایسی ڈھیل نہیں دی تھی جیسے کافروں کو دی جاتی ہے تاکہ مزید شرارت کریں اور عذاب کے مستحق ہوجائیں بلکہ یہ فائدہ اٹھانا ایسے تھا کہ جیسے مؤمنین وصالحین کو برکات عطا کر کے دنیا میں زندہ رکھا جاتا ہے ہم نے پھر انہیں اس طرح زندہ رکھا۔

"ولو شاء ربك لأمن من فی الارض" کا مفہوم:

اگر تیرا رب چاہتا ان کو زبردستی مؤمن بناتا، اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی کہ سارے کے سارے مسلمان ہو جائیں تو سارے کے سارے لوگ ہی ایمان لاتے لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا نہیں ہے کہ لوگوں کو اس طریقہ پر زبردستی چلایا جائے بلکہ اللہ کی مشیت یہی ہے کہ لوگوں کو ابتلاء میں ڈالا جائے، عقل، ہوش، فہم اور ارادہ دے دیا ہے اب جو شخص طلب حق کے ساتھ صحیح کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ایمان لانے کی توفیق دے دیتا ہے اور جو سوچنے کی، سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے وہ کفر اور شرک کی گندگی میں پڑے رہتے ہیں، اس دنیا میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کسی کے اوپر کوئی زبردستی نہیں کرتے تو جب اللہ کی مشیت نہیں ہے کہ سب کو سیدھے راستے پر لے آئے تو آپ کیسے مجبور کر سکتے ہیں کہ سب مان جائیں یہ بھی بظاہر خطاب آپ کو ہے اور لیکن ناراضگی کا اظہار ان لوگوں کے لیے ہے جو نہیں مانتے ہیں جیسے ایک آدمی دوسرے کو نصیحت کرتا ہے، بار بار نصیحت کرتا ہے، اب نصیحت کرنے والے کی طرف رخ کر کے ایک آدمی کہتا ہے کہ یار چھوڑ کیا تو اس کے پیچھے پڑا ہے کیا تو اس کو زبردستی سیدھے راستے کی طرف لے کے آئے گا تو یہ بظاہر عتاب تو اس پر ہو رہا ہے جو اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے لیکن حقیقت میں اسے ڈانٹنا مقصود ہے کہ جو بار بار کہنے کے باوجود سمجھتا نہیں ہے۔ اگر مجبور کرنا ہوتا اللہ کی مشیت ایسے ہوتی تو پھر سارے کے سارے مسلمان ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دار الابتلاء بنایا ہے جو عقل سے کام لیتا ہے، جن میں طلب حق ہوتی ہے اور اپنی استعداد کو استعمال کرتے ہیں اللہ کے اذن اور اس کی توفیق کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اور جو عقل سے کام نہیں لیتے شہوات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اپنی اغراض کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، ضد میں آجاتے ہیں تو کفر وشرک کی نجاست میں پڑے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اوپر کفر کی نجاست ڈال دیتا ہے، آپ کا فرض تو سمجھانا ہے جب آپ نے سمجھا دیا تو اب آپ کا کام یہ نہیں ہے کہ ان کے پیچھے پڑ جائیں اور اس غم میں مبتلاء نہ ہوں کہ یہ ایمان کیوں نہیں لاتے اگر تیرا رب چاہتا تو لے آتے ایمان سارے وہ لوگ جو زمین میں ہیں کیا تو مجبور کر سکتا ہے لوگوں کو کہ ہو جائیں سارے ایمان لانے والے، کسی نفس کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ ایمان لائے مگر اللہ کی توفیق کے ساتھ اور اللہ کا اذن ہوتا ہے ان لوگوں کیلئے جو سمجھتے ہیں، ڈال دیتا ہے اللہ پلیدی ان لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیتے، جو سوچتے نہیں ہیں بلکہ شہوات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اغراض کے غلام ہوتے ہیں وہ حق کو کبھی نہیں پاتے۔

آخری آیات کا مفہوم:

آپ فرما دیجیے کہ دیکھو کیا کچھ ہے آسمان میں اور زمین میں یعنی اس میں بہت ساری نشانیاں ہیں اللہ کی قدرت کی اور اللہ کی وحدانیت کی لیکن جو لوگ ایمان نہیں لاتے اور انہوں نے قصد ہی کر لیا کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے تو ان کو نہ تو کوئی نشانیاں فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ کوئی ڈراوے، نہ ڈراوؤں سے متاثر ہوں اور نہ دھمکیوں سے متاثر ہوں یا نہ ان کو زمین اور آسمان کی نشانیاں فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ ہی وہ رسولوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اس وقت "نذر" نذیر کی جمع ہو گی بمعنی ڈرانے والے، ڈرانے والے بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور دوسری نشانیاں بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی ہیں۔

پھر نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر انہی لوگوں کے دنوں کا جو ان سے پہلے گزرے گئے ہیں جیسے دن ان کے اوپر اللہ کے عذاب کے آئے ایسے ہی دنوں کا یہ انتظار کر رہے ہیں یعنی ان کے حالات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے، یہ نہیں کہ چاہتے ہیں کہ واقعی ایسے دن آجائیں بلکہ ان کا حال ایسا ہے کہ جو دلائل سے سمجھتے نہیں گویا کہ وہ اس قسم کے دنوں کے منتظر ہیں جس قسم کے دن پہلی امتوں پر آئے تھے، آپ کہہ دیجیے کہ تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں، اگر اللہ کی حکمت ہوگی کہ تم پر اس دنیا میں عذاب آئے تو وہ دن بھی آجائیں گے اور جب وہ دن آجاتے ہیں تو پھر ہم کافروں کو ہلاک کرتے ہیں اور ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں، یہ ماضی کے واقعہ کو حال کے انداز میں ذکر کیا جا رہا ہے، پھر ہم نجات دیتے ہیں رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو رسولوں پر ایمان لاتے ہیں، ایسے ہی ہم نجات دیتے ہیں مؤمنین کو اور مؤمنین کو نجات دینا ہمارے ذمہ ہے یعنی ہم نے اپنی مہربانی کے ساتھ ان کو نجات دینا لازم کر لیا ہے کہ جب ایسا عذاب آتا ہے ہلاک کرنے والا تو ہم اپنے رسولوں کو بھی نجات دیتے ہیں اور مؤمنین کو بھی نجات دیتے ہیں ان اور یہ حق تفضلی ہے یعنی ہم نے اپنی رحمت کے ساتھ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے ورنہ حق وجوبی اللہ پر نہیں آتا اس کو حق تفضلی کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

قوم یونس کا علاقہ اور ان کی آبادی:

ان آیات میں حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس سورۃ میں اس واقعہ کی تفصیل نہیں ذکر کی گئی صرف اتنا ہی ظاہر کیا گیا ہے کہ قوم یونس ایمان لائی تھی اور اس کو اس کے ایمان لانے نے فائدہ دیا

تھا اور وہ عذاب اس قوم سے دور ہٹ گیا تھا اور اس کے حالات کیا تھے اور حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا اس کی زیادہ تفصیل سورۂ صافات میں ہے لیکن مفسرین نے چونکہ یہاں بھی تھوڑا سا واقعہ ذکر کیا ہے تو میں بھی تھوڑا سا عرض کر دوں۔

عراق کے علاقہ میں ایک شہر ہے جس کا نام لکھا ہے ''نینوا'' اور یہ شہر موجودہ موصل شہر سے مشرقی جانب دریا کے پار آباد تھا اور اب اس کے کھنڈرات ہیں اور کھنڈرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دور کا بہت بڑا شہر تھا حضرت مفتی شفیع عثمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کے اثرات تقریباً ساٹھ میل کے ایریا میں پھیلے ہوئے ہیں تو اندازہ کیجیے کہ اس وقت وہ کتنا بڑا شہر ہوگا اور اس شہر کے بارے میں قرآن کریم میں اشارہ موجود ہے ''وارسلناہ الی مائة الف اویزیدون'' ایک لاکھ افراد یا اس بھی کچھ زیادہ، زیادہ کا لفظ محاورہ کے طور پر کہہ دیا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ لاکھ سوا لاکھ یا یہ ہے کہ مکلفین ایک لاکھ تھے اور غیر مکلفین کو ساتھ ملا لیا جائے تو بڑھ جاتے ہیں بہر حال ایک محاورہ ہے جو ایک کلام کو نقل کرتے ہوئے کہہ دیا جاتا ہے کہ لاکھ سوا لاکھ لوگ تھے جن کی طرف ہم نے ان کو بھیجا تھا اس شہر کی آبادی اتنی تھی۔

قوم یونس کا واقعہ:

اور ان کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً سات آٹھ سو سال قبل کا ہے تو حضرت یونس علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام میں سے ہی تھے، اس شہر کی طرف یہ مبعوث ہوئے ہیں اور یہاں تقریباً سات سال تک حضرت یونس علیہ السلام نے تبلیغ کی ہے لیکن وہ جس وقت نہ مانے تو پھر جس طرح اللہ کی عادت ہے کہ آخر میں عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے تو حضرت یونس علیہ السلام کی زبان سے یہ دھمکی دی گئی کہ اگر تم نہیں مانو گے تو تم پر تین دن بعد عذاب آجائے گا اور اللہ کی عادت ہے جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ صراحتاً مذکور ہے جس وقت عذاب آنے والا ہوتا ہے تو نبی کو حکم دے دیا جاتا ہے کہ یہاں سے اب ہٹ جاؤ تاکہ بستی جب برباد ہو تو اللہ کا رسول اور جو اس کو ماننے والا ہوگا وہ پھر وہاں سے نکل جائیں اور باقی بستی برباد ہو جایا کرتی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام بھی اس قسم کی دھمکی دے کر اس بستی سے نکل گئے اور وہ قوم متنبہ ہوگئی کہ آج تک یونس علیہ السلام نے جھوٹ نہیں بولا اور ان کا جھوٹ ہم نے کبھی آزمایا نہیں ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی بات سچی نکل آئے

تو ان کے سمجھدار لوگ کہنے لگے کہ تین دن کے بعد آخری رات جو آئے گی تو دیکھنا اگر تو یونس علیہ السلام اس بستی میں موجود ہوئے پھر تو عذاب نہیں آئے گا یہ ایسے ہی ان کی دھمکیاں ہیں اگر وہ یہاں نہ ہوئے تو پھر واقعی عذاب آجائے گا، پھر محتاط ہو جاؤ، رات کے وقت حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا گیا تو آپ وہاں موجود نہیں تھے اور عذاب کے کچھ آثار نمایاں ہوئے جس سے یہ سمجھنے لگے اب تو عذاب آجائے گا تو حضرت یونس علیہ السلام تو نہ ملے کہ جن کے ہاتھ پر جا کے توبہ کر لیتے تو سارے بچے اور بوڑھے باہر نکل آئے اور بہت ہی اللہ کے سامنے گڑگڑائے چونکہ حضرت یونس علیہ السلام کا وعظ تو سنا ہوا تھا وہ جانتے تھے کہ کس چیز پر ایمان لانا ہے اور کس طرح ایمان لانا ہے اب وہ اس طرح اللہ کے سامنے گڑگڑائے، توبہ کی تو اللہ نے ان کا ایمان قبول کر لیا کیونکہ ابھی وہ عذاب میں مبتلاء نہیں ہوئے تھے، جب عذاب واقع ہو جاتا ہے اور آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے پھر اس وقت ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا جیسے فرعون ڈوب رہا تھا اور غرق ہو رہا تھا تو ایمان لایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، قوم یونس عذاب میں مبتلاء نہیں ہوئی تھی، عذاب کے آثار نمایاں ہوئے تھے اور ان آثار کے نمایاں ہونے کے ساتھ ہی وہ متنبہ ہو گئے اور انہوں نے توبہ استغفار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا ایمان قبول کر لیا اور وہ عذاب ٹل گیا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ:

حضرت یونس علیہ السلام شہر سے دور تھے، ان کے سامنے قوم کے ایمان کا تذکرہ نہیں ہوا کہ وہ قوم ایمان لے آئی ہے اور ان سے عذاب ٹل گیا ہے اور انہوں نے سمجھا کہ تین دن گزر گئے اور عذاب آیا نہیں اب اگر میں قوم کی طرف جاؤں گا تو قوم مجھے جھٹلائے گی اور جیسے روایات میں آتا ہے کہ اس قوم کا دستور یہ تھا کہ اگر کوئی شخص جھوٹ بولے اور اپنی بات کا واضح ثبوت نہ دے تو اس کو قتل کر دیتے تھے، حضرت یونس علیہ السلام کے سامنے بھی اللہ کی طرف سے حکمت کے ساتھ بھی کوئی دلیل نہ آئی اور انہوں نے یہ خیال کیا کیا وجہ ہے کہ عذاب کیوں نہیں آیا؟ اب اگر میں واپس جاؤں گا تو لوگ مجھے جھٹلائیں گے تو ایسی صورت میں انہوں نے سوچ لیا کہ میں اب بستی میں نہیں جاتا میں اس علاقہ سے ہجرت کر کے کسی دوسرے علاقہ میں چلا جاتا ہوں نہ قوم کے سامنے جاؤں اور نہ قوم مجھے جھٹلائے۔

یہاں حضرت یونس علیہ السلام سے وہ لغزش ہوئی جہاں اللہ کی طرف سے گرفت ہوئی کہ آپ نے اجازت کے بغیر اس علاقہ سے ہجرت کی، وہاں سے چل دیے اور آگے دریا آ گیا، دریا کے کنارے کشتی کھڑی تھی جس میں لوگ

سوار ہورہے تھے دوسرے کنارے تک جانے کے لیے حضرت یونس علیہ السلام بھی سوار ہو گئے اوران لوگوں نے بزرگ شخصیت دیکھ کر سوار کر لیا اور کرایہ بھی نہ لیا، جب وہ کشتی دریا کے وسط میں گئی تو وہاں جا کے پھنس گئی، ہچکولے کھانے لگی تو لوگ کہنے لگے کہ لگتا ہے کہ کوئی اس میں بھگوڑا غلام ہے اگر اس کو اتار کر دریا میں نہیں پھینکا گیا تو سارے ہی ڈوبیں گے تو حضرت یونس علیہ السلام بول پڑے کہ میں ہی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر آیا ہوں اور میں ہی بھاگا ہوا ہوں مجھے دریا میں پھینک دو تا کہ باقی لوگ بچ جائیں، اب ان کی شکل دیکھ کر لوگ کیسے یقین کریں کی یہ شخص نافرمان ہے جس کی وجہ سے ہم پر یہ مصیبت آرہی ہے تو انہوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور کسی کے متعلق تحقیق نہیں ہوئی تو پھر یہ انداز اختیار کیا گیا کہ قرعہ ڈالو جس کے نام کا قرعہ نکلے گا اس کو اٹھا کے دریا میں پھینک دیا جائے گا پھر قرعہ اندازی میں شریک ہو گئے اور قرعہ میں بھی آپ کا نام نکل آیا تو پھر آپ کو دریا کے اندر اتار دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت نیچے مچھلی منتظر تھی اس نے فوراً اپنا لقمہ بنا لیا اور فوراً لے کے نیچے دریا کی تہہ میں چلی گئی۔

حضرت یونس علیہ السلام کو تنبہ ہو ہی گیا تھا تو وہ مچھلی کے پیٹ میں استغفار کرتے رہے "لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین" حضرت یونس علیہ السلام کا استغفار یہی کلمہ ہے کہ تیرے بغیر کوئی معبود نہیں تو ہر چیز سے پاک ہے اور میں ہی قصورواروں میں سے ہوں، یہ ان کے استغفار کا کلمہ ہے اللہ نے یہ توبہ قبول کی اور مچھلی کو حکم دیا کہ اس کو دریا کے کنارے جا کے اُگل دے، اب مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے بدن میں ضعف آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی صحت کی حفاظت کے لیے وہاں کدو کی بیل اُگائی جس کے پتوں کا سایہ آپ پر ہوا اور کدو کے پتوں کی خصوصیت یہ بتاتے ہیں کہ اس پر مکھی نہیں آتی اور کوئی پہاڑی بکری یا کوئی پہاڑی ہرنی آ کے دودھ پلا جاتی تھی جب صحت مند ہو گئے تو پھر اپنی قوم کی طرف آئے تو دیکھا کہ قوم تو ساری کی ساری ایمان لا چکی ہے یہ واقعہ ہے جو قرآن کریم کے اشارات اور احادیث سے سمجھ آتا ہے۔

مودودی صاحب کی چالبازی:

اب اس واقعہ کو اس مقام پر ذکر کرتے ہوئے مودودی صاحب کچھ زیادہ تیز ہو گئے، مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ "تاہم قرآن کریم کے اشارات اور صحیفہ یونس کی تفصیلات پر غور کرنے سے وہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے جو مفسرین قرآن نے بیان کی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام چونکہ عذاب کی اطلاع دینے کے بعد اللہ کی اجازت کے بغیر اپنا

مستقر چھوڑ کے چلے گئے تھے اس لیے آثار عذاب دیکھ کر جب عاشوریوں نے توبہ استغفار کی تو اللہ نے انہیں معاف کر دیا، قرآن مجید میں خدائی دستور کے جو اصول اور کلیات بیان کیے گئے ہیں ان میں ایک مستقل دفعہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک اس پر اپنی حجت پوری نہیں کر لیتا پس جب نبی نے اس قوم کی مہلت کے آخری لمحے تک نصیحت کا سلسلہ جاری نہ رکھا اور اللہ کے مقررہ وقت سے پہلے خود ہی وہ ہجرت کر گیا تو اللہ کے انصاف نے اس قوم کو عذاب دینا گوارہ نہ کیا کیونکہ اس پر اتمام حجت کی شرائط پوری نہیں ہوئیں تھیں'' یہ عبارت ہے تفہیم القرآن میں لیکن اعتراض کرنے والے مودودی صاحب کی جو عبارت نقل کرتے ہیں وہ کچھ اور طرح سے ہے، معارف القرآن میں حضرت مفتی صاحب نے جو عبارت نقل کی ہے وہ یہ ہے اب ان دونوں عبارتوں میں کیا فرق ہے؟ دیکھیے مفتی صاحب نقل کرتے ہیں اگرچہ انہوں نے جو کتاب کا حوالہ دیا ہے وہ ہے تفہیم القرآن جلد دوم ص ۳۰۲ اور یہی صفحہ میں کھولے بیٹھا ہوں۔

''قرآن کے اشارات اور صحیفہ یونس کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت ادا کرنے میں کچھ کوتاہیاں ہو گئیں تھیں (اور یہ عبارت اب تفہیم میں موجود نہیں ہے فرق دکھانے کے لیے دونوں کتابوں کی عبارت آپ کے سامنے پڑھ رہا ہوں) اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر چھوڑ دیا اس لیے جب آثار عذاب دیکھ کر عاشوریوں نے توبہ اور استغفار کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا قرآن کریم میں خدائی دستور کے جو اصول اور کلیات بیان کیے گئے ہیں ان میں ایک مستقل دفعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک کہ اس پر اپنی حجت پوری نہیں کر دیتا پس جب نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کر گیا اور اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے ہی اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اللہ تعالیٰ کے انصاف نے اس قوم کو عذاب دینا گوارہ نہ کیا'' (تفہیم القرآن مولانا مودودی) اور یہ کتاب جو میں آپ کے سامنے لیے بیٹھا ہوں یہ بھی تفہیم القرآن جلد دوم ہے، دونوں عبارتوں کے درمیان فرق دیکھو! کتنا فرق ہے اور اصل بات یہ ہے کہ جو مفتی صاحب نے عبارت نقل کی ہے یہی عبارت اصل ہے جس وقت تفہیم القرآن پر گرفت کی گئی تھی تو یہی عبارت تھی اب جو نسخہ میرے سامنے رکھا ہے یہ اس کتاب کا دسواں ایڈیشن ہے پہلے ایڈیشنوں میں عبارت وہی ہے اور نئے ایڈیشن میں خاموشی کے ساتھ عبارت بدل دی یعنی یہ ذکر نہیں کیا کہ پہلے الفاظ اس قسم کے تھے اور اب تبدیل

کیے جارہے ہیں، اب اس کا اثر یہ پڑے گا کہ آنے والی نسل جو نیا ایڈیشن خرید ے گی وہ دیکھے گی کہ جس قسم کے حوالے دے کے مودودی صاحب پر جو اعتراض کیا جارہا ہے وہ حوالہ تو ان کتابوں میں موجود نہیں ہے اور اس طرح دوسرے بزرگوں پر وہ کیچڑ اچھالیں گے اور کہیں گے غلط باتوں کی نسبت کر کے وہ اعتراض کرتے ہیں جو حقیقت کے خلاف ہیں اور یہ ان لوگوں کی چالبازی ہے کہ جس عبارت کے اوپر اعتراض ہوتا ہے دوسرے ایڈیشن میں وہ عبارت ہی غائب کر دیتے ہیں۔

اب ہمارے بزرگوں نے جو گرفت کی تھی وہ اس بات پر کی تھی کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت ادا کرنے میں کچھ کوتاہیاں ہوگئیں تھیں، بے صبر ہو کے وقت سے پہلے ہی نکل گئے تھے، جب نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کر گیا اور اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے ہی اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اللہ تعالیٰ کے انصاف نے اس قوم کو عذاب دینا گوارہ نہیں کیا، یہ جو کوتاہیاں کا لفظ تھا وہ نئے ایڈیشن سے اڑا دیا گیا اب دونوں کتابوں کو ملا کے دیکھو گے تو قابل اعتراض جو الفاظ تھے وہ اس کتاب میں موجود نہیں ہیں اور میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے بزرگوں کی کتابوں میں یہ الفاظ دیکھو گے اور وہ الفاظ تفہیم میں موجود نہیں ہیں یہ حقیقت آپ کے سامنے نمایاں کرنا مقصود ہے کہ یہ پہلے ایڈیشن کی عبارت ہے اور یہ نیا ایڈیشن ہے۔

مودودی صاحب پر فاضلانہ گرفت:

اصل بات یہ ہے کہ یہاں مودودی صاحب نے جو بھی لکھا ہے وہ سب مفروضے ہیں، قرآن کریم میں کوئی ایسا اشارہ موجود نہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ رسالت کے ادا کرنے میں کوتاہی کر گئے تھے، قرآن کریم میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نکلنے کا کوئی وقت متعین کیا ہوا تھا او وہ اس سے پہلے ہی نکل گئے ہوں اور نہ قرآن کریم میں یہ لفظ ہے کہ یونس علیہ السلام کی قوم سے عذاب اس لیے ہٹا تھا کہ نبی نے ان کو پوری طرح انذار نہیں کیا تھا اور ان کے اوپر اتمام حجت نہیں کی تھی تو اللہ کے انصاف سے یہ بات بعید تھی کہ ان کو عذاب دیتا، قران کریم میں تو ظاہری طور پر یہی وجہ بیان کی ہے کہ ان پر عذاب آنے والا تھا کہ وہ ایمان لے آئے "لما آمنوا کشفنا" جب وہ ایمان لائے تو ایمان لانے کی وجہ سے ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا باقی یونس علیہ السلام کی کونسی ایسی بات تھی جس پر اللہ نے گرفت کی؟ وہ ان کی شان کے خلاف ایک امر کا ظہور تھا کیونکہ بڑے آدمی کی چھوٹی سے

چھوٹی لغزش پر بھی بڑی گرفت ہوا کرتی ہے اور اس کا ذکر آگے سورۃ الصافات میں آئے گا یہ ان کا قبل از وقت ہجرت کرنا ہے، شہر سے جدا تو وہ عذاب کی دھمکی کے آجانے کے بعد ہی ہو گئے تھے لیکن آگے اس علاقہ کو چھوڑ کے بایں طور پر چلے جانا کہ اس علاقہ سے ہی چلے جائیں کہ اس علاقہ سے ہی ہجرت کر جائیں اس کی صراحتاً ان کو اجازت نہیں ملی تھی ورنہ عذاب کی دھمکی اللہ کی اطلاع کے ساتھ دی گئی اور تمام واقعات میں حضرت یونس علیہ السلام حق پر تھے، اپنا فریضہ انہوں نے پوری طرح ادا کر لیا تھا اس میں کوئی کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوئی، انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ مستقل عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اور گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ اس کی تفصیل میں تو اختلافات ہوں گے کہ کبیرہ اور صغیرہ دونوں سے معصوم ہیں یا صرف کبیرہ سے معصوم ہیں اور رسول بن جانے کے بعد ہیں یا رسول بننے سے پہلے بھی، اس قسم کے کچھ اختلافات درمیان میں موجود ہوں گے لیکن جہاں تک رسالت کی ذمہ داریوں کے اداء کرنے کی بات ہے اس کے اندر نبی قطعاً کوتاہی نہیں کر سکتا ورنہ اللہ کی طرف سے تو انتخاب ہی غلط ہو گیا کہ ایک شخص کو ذمہ داری سونپ دی کہ جس کے ادا کرنے کا وہ اہل ہی نہیں ہے، منصب رسالت میں کوتاہی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اس پر امت کا اجماع ہے کہ نبی اداءِ رسالت میں کوتاہی نہیں کر سکتا، حضرت یونس علیہ السلام کی طرف جو نسبت کی گئی ہے یہ ان کی شان کے خلاف ہے اور یہ گستاخی ہے جس کے اوپر ہمارے حضرات نے یہ گرفت کی تھی، فریضہ رسالت صحیح ادا کیا، سات سال تک مسلسل قوم کو سمجھاتے رہے، کونسی کسر باقی رہ گئی تھی جو اور سمجھاتے اور پھر عذاب کی دھمکی جو دی گئی تھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع کے ساتھ ہی دی گئی تھی اور ان سے عذاب جو ٹلا تھا تو ان کو یوں معذور قرار دے کے نہیں ٹالا گیا کہ ان کو پوری طرح سے انذار نہیں کیا گیا، یونس علیہ السلام نے ان کو صحیح طور پر سمجھایا نہیں گویا کہ کوتاہی حضرت یونس علیہ السلام کی تھی، قوم کی کوئی کوتاہی نہیں تھی اور قوم معذور قرار پائی ایسی بات نہیں ہے، یونس علیہ السلام کی کوتاہی نہیں، کوتاہی قوم کی تھی جس کی وجہ سے ان پر عذاب آنے لگا تھا اور جب انہوں نے اپنی اس کوتاہی کی تلافی کر لی تو عذاب ٹل گیا تو مودودی صاحب کا یہ بیان حضرت یونس علیہ السلام کی شان کے خلاف ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ

آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! اگر تم کسی تردد میں ہو میرے دین کے بارے میں تو میں تمہیں بتلاتا ہوں نہیں میں عبادت کرتا

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ

ان کی جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے علاوہ اور لیکن میں عبادت کرتا ہوں اس کی جو تم کو موت دیتا ہے

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۴ۙ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ

اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں ہو جاؤں مؤمنین میں سے ۝۱۰۴ اور یہ کہ تو سیدھا رکھ اپنا چہرہ

لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۵ وَلَا تَدْعُ مِنْ

دین کے لیے اس حال میں کہ یکسوئی اختیار کرنے والا ہو اور نہ ہو تو مشرکین میں سے ۝۱۰۵ اور نہ تو پکار

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ

اللہ کے علاوہ ان چیزوں کو جو تجھے نفع نہیں دے سکتیں اور نہ تجھے نقصان پہنچا سکتی ہیں پھر اگر تو ایسا کرے گا تب تو ہو جائے گا

الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۶ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ

ظالموں میں سے ۝۱۰۶ اگر پہنچا دے تجھے اللہ کوئی تکلیف تو اس کو کوئی دور ہٹانے والا نہیں سوائے اس کے اور اگر وہ

يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ

تیرے ساتھ ارادہ کرے بھلائی کا تو کوئی رد کرنے والا نہیں اس کے فضل کو، وہ پہنچاتا ہے اپنا فضل جس کو وہ چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۰۷ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ

وہ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے ۝۱۰۷ آپ کہہ دیجیے اے لوگو! تحقیق آ گیا تمہارے پاس حق

رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

تمہارے رب کی طرف سے پس جو ہدایت حاصل کرے گا سوائے اس کے نہیں کہ وہ ہدایت حاصل کرے گا اپنے ہی نفع کے لیے

فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝١٠٨ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى

اور جو بھٹک جائے گا تو سوائے اس کے نہیں وہ بھٹکے گا اپنے نقصان پر اور نہیں ہوں میں تم پر نگران ۝١٠٨ تو پیروی کر اس چیز کی جو

اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝١٠٩

وحی کی گئی تیری طرف اور ثابت قدم رہ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ۝١٠٩

تفسیر

ماقبل سے ربط:

ابتداء ہی سے اس سورۃ میں اصول بیان کیے گئے ہیں خاص طور پر مسئلہ توحید، مسئلہ رسالت، اثبات توحید اور ردشرک، اثبات رسالت اور قرآن کریم کی حقانیت، اثبات معاد یہ تمام اصولی باتیں اس سورۃ کے اندر مختلف پیرائیوں سے ذکر کی گئی ہیں اب یہ سورۃ اختتام تک پہنچ گئی تو آخر آخر میں دین کے خلاصہ کے طور پر چند باتوں کا اعلان کیا گیا ہے۔

پہلی آیت کا مفہوم:

ساری بات ترجمہ سے ہی واضح ہے، آپ کہہ دو، دین کو صاف ستھرا کر کے، نکھار کے ان کے سامنے رکھ دو، کسی کو یہ اشتباہ نہ رہے کہ جس دین کی طرف بلا رہے ہیں وہ ہے کیا چیز؟ اے لوگو! تمہیں میرے دین کے بارے میں کوئی شک ہے، کوئی تردد ہے کہ میرا طریقہ کیا ہے؟ میرا دین کیا ہے؟ میرا مذہب کیا ہے؟ میرا عقیدہ کیا ہے؟ تو سن لو میں تمہارے سامنے وضاحت کر دیتا ہوں، اس میں تمہیں کوئی شک اور کوئی تردد نہیں رہنا چاہیے، میرے طریقہ کا حاصل یہ ہے کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے علاوہ، جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے علاوہ میں ان کی عبادت نہیں کرتا، لفظ عبادت آپ کے سامنے بارہا گذر چکا ہے عبادت اسی تعظیم کو کہا جاتا ہے کہ جو کسی کے متعلق اس قسم کا عقیدہ رکھ کے کی جائے کہ اس کو مافوق الاسباب ہمارے نفع اور نقصان پہ قدرت حاصل ہے اور وہ لوگ جن کو شرکاء اور شفعاء بنائے ہوئے تھے ان کے اندر الوہیت کا معنی بنائے ہوئے تھے اور الوہیت کا معنی مان کر جو تعظیم کی جاتی ہے وہ عبادت ہے تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا، میں ان کو نہیں پوجتا اور نہ میں ان کو ایسا سمجھتا ہوں کیونکہ جب

تک ان کو الٰہ سمجھا نہیں جائے گا اس وقت ان کی تعظیم عبادت نہیں کہلائے گی، میں پوجا نہیں کرتا ان کی جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے علاوہ لیکن میں تو عبادت کرتا ہوں اس کی جو تمہیں وفات دیتا ہے۔

"الذی یتو فکم" میں وفات کا ذکر کر دیا، اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہے کیونکہ موت ایک ایسی چیز ہے کہ جو ہر انسان کو آنے والی ہے، جن کے متعلق وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فلاں بھی اللہ کا شریک ہے، فلاں بھی اللہ کا شریک ہے ان کے متعلق مانتے تھے کہ ان کو موت آئی اور وفات بھی وہ پا گئے تھے تو اس طرح اللہ کی قدرت تمام انسانوں پر حاوی معلوم ہوتی ہے کہ اسی کے ہاتھ میں حیات ہے اور اسی کے ہاتھ میں وفات ہے اور جو شخص اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا، اپنی زندگی اس کے اپنے اختیار میں نہیں ہے تو کونسا دوسرا کمال ہے جو اس کے اپنے اختیار میں ہے کیونکہ حیات منبع کمالات ہے، سب سے پہلے زندگی حاصل ہوتی ہے اس کے بعد کمالات ثابت ہوتے ہیں اگر کسی چیز کے اندر حیات ہی نہیں ہے اس کے اندر دیگر کمالات کیا ہوں گے تو جب کسی کی حیات اس کے اپنے اختیار میں نہیں ہے تو دیگر کمالات اس میں کیسے ہوں گے تو موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ سارے کے سارے اللہ کے سامنے بے بس ہیں جس کو وہ چاہے زندگی دے جس سے چاہے چھین لے اور یہ زندگی کمالات کی اصل ہے تو کسی کے اندر کوئی ایسا کمال نہیں جس کو آپ یہ کہیں کہ یہ اللہ کے مقابلہ میں ہے یا اس بارے میں اللہ سے مستغنی ہے تو وفات کا ذکر کر کے اللہ کی قدرت قاہرہ کا ذکر کر دیا کہ میں اسی کو پوجتا ہوں اور اسی کو اپنے پر مختار سمجھتا ہوں اور مالک مانتا ہوں جو تمہیں وفات دیتا ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں مؤمنین میں سے ہو جاؤں، ایمان لانے والوں میں سے ہو جاؤں۔

دوسری آیت کا مفہوم:

اور اسی طرح مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ تو اپنے چہرے کو دین کی طرف سیدھا رکھ، دین سے وہی دین مراد ہے جس کی تفصیل پیچھے آ چکی ہے کہ اللہ کی عبادت کی جائے، غیر اللہ کی عبادت نہ کی جائے اس کے اوپر بالکل مستقیم رہو، اس میں افراط تفریط نہ آنے پائے اور "و اقم وجهك للدين" کا جو مفہوم ہے حنیفا ایک قسم کی تاکید ہے کیونکہ حنیف کا مفہوم بھی یہی ہے کہ ہر غیر کے طریقہ سے ہٹ کر ایک حق طریقہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ، یکسو ہو کر اخلاص کے ساتھ ایک طریقہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور دوسروں کے طریقوں کی طرف کوئی رجحان نہ رہے تو یہ اسی

مفہوم کی تاکید ہے اوراس کی مزید وضاحت کردی کہ مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو یعنی جب غیر اللہ کی عبادت نہیں کرنی تو شرک بھی نہیں ہوگا اس کی تاکید آ گئی کہ مشرکوں میں سے نہ ہونا جو کسی بھی قسم کا شرک کرتے ہیں چاہے وہ ذات میں کریں یا وہ صفات میں کریں چاہے تصرف میں کریں اوراسی طرح شرک جلی اور شرک خفی سب اس کے اندر آ گیا، موحد بن کے رہو، مشرکوں میں سے نہ ہونا جو شرک کرنے والے ہیں ان کے ساتھ تمہارا کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں ہونا چاہیے، ان کے ساتھ تمہاری کسی کام میں شمولیت نہیں ہونی چاہیے۔

تیسری آیت کا مفہوم:

"ولا تدع من دون الله ما لا ینفعك" یہ بھی اسی کی تاکید ہے دوسرے انداز کے ساتھ کہ جو چیز تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی یعنی اگر تم اس کی عبادت کرو اور وہ تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی اور اس کی عبادت نہ کرو اور وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی تو اس کو مت پکارو، اس کے سامنے کوئی فریاد نہ کرو، اس کے سامنے دعا نہ کرو، ان کے اختیار میں کچھ نہیں ہے نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور آپ کی خدمت یہ بات بارہا ذکر کی جا چکی ہے کہ شرک اصل میں انہی دونوں دروازوں سے آتا ہے یا انسان کسی سے امید متعلق کر لیتا ہے کہ اس سے میرا نفع متعلق ہے اس لیے اس کے سامنے عاجزی اور نیازمندی ظاہر کرتا ہے یا انسان کسی نقصان سے ڈرتا ہوا اس کے سامنے دبتا ہے کہ اگر میں اس کی تعظیم نہیں کروں گا تو یہ مجھے نقصان پہنچائے گا، آج بھی لوگ اگر قبروں پہ جاتے ہیں تو اولاد حاصل کرنے کے لیے جاتے ہیں یا حاصل شدہ اولاد کی صحت کے لیے جاتے ہیں، یہ خطرہ ہوتا ہے کہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہمارا بچہ مر جائے گا، ہماری بھینس دودھ نہیں دے گی اگر ہم ایسا کریں گے تو ہمیں یہ فائدہ مل جائے گا، یہ دو ہی جذبے ہیں جو کسی انسان کو دوسرے کے دروازے پر لے جاتے ہیں اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بار بار یہ وضاحت کی ہے کہ نفع اور نقصان اللہ کے اختیار میں ہے کسی دوسرے کے کنٹرول میں نہیں ہے یا کسی دوسرے کے بس میں نہیں ہے کہ نہ تمہارا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ تمہارا کچھ بنا سکتے ہیں تو جب یہ بنانا کسی کے اختیار میں نہیں ہے تو نہ کسی کے سامنے ڈر کے جھکو اور نہ کسی کے سامنے لالچ کے تحت اس کے سامنے کوئی فریاد کرو تو یہ "ما لاینفعك ولا یضرك" یہ شرک کی تردید کے لیے ہے ایک دلیل یہ بھی ہے اگر تو نے ایسا کیا یہ حضور ﷺ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے اور دوسروں کو سنایا جا رہا ہے اگر تم ایسی بے اختیار چیزوں کو پکارو گے تو ظالموں میں سے

ہو جاؤ گے اور اس طریقہ پر چلو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے کسی کا کیا بگاڑو گے "انك من الظالمین" کے اندر یہ سارے مفہوم ہیں، یہ تو غیر کے متعلق آ گیا کہ وہ نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

چوتھی آیت کا مفہوم:

اور آگے دوسرے پہلو کو واضح کیا جا رہا ہے کہ نفع اور نقصان صرف اللہ کے اختیار میں ہے، آتا بھی اس کی طرف سے ہے اور جاتا بھی اس کی طرف سے ہے، اسی مضمون کی دوسرے انداز میں وضاحت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نقصان پہنچا دے تو کوئی دوسرا نہیں ہے جو ہٹا دے اللہ کے علاوہ، تکلیف آئے گی بھی اس کی طرف سے اور زائل بھی وہی کرے گا ایسا نہیں کہ وہ پہنچا دے اور کوئی دوسرا اس کو زائل کرے اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچا دے "فلا راد لفضله" تو کوئی شخص اس کے فضل کو رد کرنے والا نہیں، اللہ کسی کو فائدہ پہنچانا چاہے ساری مخلوق مل کے اسے روک نہیں سکتی اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کو مصیبت میں مبتلاء کر دے ساری مخلوق مل کے اس کو چھڑا نہیں سکتی "یصیب به من یشاء من عباده" وہ پہنچاتا ہے اپنا فضل جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور جس کو پہنچائے کوئی دوسرا اس کو روک نہیں سکتا ہے "وهو الغفور الرحیم" اور وہی بخشنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے۔

پانچویں آیت کا مفہوم:

اور لوگوں کے سامنے یہ بھی اعلان کر دیجیے "یا ایها الناس" اے لوگو!" قد جاء کم الحق من ربکم" تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق بات آ گئی، سچی بات آ گئی، قرآن کریم کی شکل میں حق کا مجموعہ آ گیا، جو کوئی راہ پائے گا، اس حق کو قبول کرے گا، سیدھے راستے پر آ جائے گا تو اس کا اپنا ہی فائدہ ہے "فانما یهتدی لنفسه" وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے کرے گا اور جو کوئی بھٹک گیا، اس کی ہدایت سے فائدہ حاصل نہیں کرتا تو اس کی ضلالت کا نقصان اسی کے اوپر پڑے گا، گمراہ ہونے کا نقصان اسی کو ہو گا وہ اپنے ہی نقصان اور ضرر میں بھٹکے گا "وما انا علیکم بوکیل" اور میں تم پر کوئی متعین کیا ہوا نہیں ہوں، ذمہ دار ٹھہرایا ہوا نہیں ہوں کہ تمہاری ضلالت سے مجھے کوئی نقصان پہنچے ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں نے سمجھا دیا اور ہدایت تمہارے سامنے کر دی، سمجھو گے تو تمہارا فائدہ ہے اور نہیں سمجھو گے تو تمہارا نقصان ہو گا، تمہارے گمراہ رہنے سے میرا کوئی نقصان نہیں ہے، میں تم پر کوئی ذمہ دار ٹھہرایا ہوا نہیں ہوں۔

چھٹی آیت کا مفہوم:

اور آخر میں آپ ﷺ کے لیے ایک تسلی ہے کہ آپ کے پاس جو طریقہ آ گیا آپ بس اس کی اتباع کریں لوگ بہکانے کی کوشش کریں، بھٹکانے کی کوشش کریں آپ ان کی بات بالکل نہ مانیں اور صبر و استقلال کے ساتھ رہیے، صبر کا معنی ہوتا ہے کہ اس راستہ میں مشکلات برداشت کرو جو طریقہ آپ کو بتایا گیا اسی کے اوپر جمے رہو یعنی آپ کو اس راستے میں تکلیفیں پیش آئیں آپ اس پر مستقیم رہیے، سب تکلیفیں برداشت کیجیے "حتی یحکم الله" یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے، اللہ کا فیصلہ سامنے آجائے گا تو پتہ چل جائے گا کون گمراہ ہے اور کون صحیح راستے پر چلنے والا ہے "و هو خیر الحا کمین" وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں سے بہترین فیصلہ کرنے والا ہے گویا کہ توحید اور رسالت کا خلاصہ جو ہے اس کو آخری آیت میں بیان کر دیا گیا اور دین اسلام کو واضح طور پر ذکر کر دیا گیا کہ توحید کو اختیار کیا جائے اور شرک سے بچا جائے، نفع نقصان کا مالک اللہ کو سمجھا جائے اور مصیبت کا دور کرنے والا اسی کو سمجھا جائے اور اللہ کی طرف سے جو فیصلہ آجائے مخلوق میں سے کسی میں یہ ہمت نہیں کہ اس کو رد کر سکے اس لیے ہر قسم کی نیازمندی اور عبادت کا تعلق اللہ ہی سے ہونا چاہیے، بس یہ ہے اس دین کا خلاصہ جو اس سورۃ میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایاتها ۱۲۳ ۱۱ سُوْرَةُ هُوْدٍ مَکِّيَّةٌ ۵۲ رکوعاتها ۱۰

سورۃ ھود مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سو تئیس آیات ہیں اور اس کے دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ ①

الٓرٰ، یہ کتاب ہے پختہ کی گئی ہیں اس کی آیتیں پھر تفصیل کی گئی ہے حکمت والے خبر دینے والے کی طرف سے ①

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ ۙ ② وَّ اَنِ

یہ کہ تم نہ عبادت کرو مگر اللہ کی بے شک میں تمہارے لیے اس اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں ② اور یہ کہ

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا

تم استغفار کرو اپنے رب سے پھر اس کی طرف متوجہ رہو تو وہ تمہیں فائدہ پہنچائے گا اچھا فائدہ

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَ اِنْ

وقت متعین تک اور دے گا ہر زیادتی والے کو زیادتی یعنی جو زیادہ عمل کرے گا اس کو زیادہ ثواب دے گا اور اگر

تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ③ اِلَى اللّٰهِ

تم نے پیٹھ پھیری پس پھر میں تم پر اندیشہ کرتا ہوں بڑے دن کے عذاب کا ③ اللہ ہی کی طرف

مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ④ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ

تم سب کا لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے ④ خبردار! وہ لوگ موڑتے ہیں

صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ

اپنے سینوں کو تاکہ اللہ تعالیٰ سے چھپ جائیں خبردار! جس وقت وہ لپیٹتے ہیں اپنے اوپر اپنے کپڑے

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤

وہ جانتا ہے ان باتوں کو جن کو وہ چھپاتے ہیں اور جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کو ⑤

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ

نہیں ہے کوئی چلنے پھرنے والی چیزیں زمین میں مگر اللہ کے ذمہ ہے اس کی روزی اور وہ جانتا ہے

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝٦ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ

اس کے مستقر کو بھی اس کے مستودع کو بھی، ہر چیز کتاب مبین میں ہے ⑥ اور اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ

آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں اور اس کا عرش پانی پر تھا

لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَّبْعُوثُونَ مِنْ

تا کہ آزمائے تمہیں کہ تم میں سے کون اچھا عمل کرنے والا ہے اور اگر تو کہے تم لوگ اٹھائے جاؤ گے

بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝٧

موت کے بعد تو البتہ ضرور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نہیں ہے یہ مگر صریح جادو ⑦

وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰٓ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَّيَقُولُنَّ مَا

اور اگر ہم دور ہٹا دیں ان سے عذاب کو کچھ معلوم مدت تک تو البتہ ضرور کہیں گے یہی لوگ کونسی چیز اس عذاب کو

يَحْبِسُهُ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ

روکے ہوئے ہے خبردار! جس دن وہ عذاب ان کے پاس آجائے گا تو وہ ان سے ہٹایا ہوا نہیں ہوگا اور گھیر لے گی ان کو

مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝٨

وہ چیز جس کے ساتھ یہ استہزاء کرتے تھے ⑧

لغوی صرفی ونحوی تحقیق:

الٓرٰ، یہ حروف مقطعات ہیں "اللہ اعلم بمرادہ بذالك" اور بعض حضرات کے نزدیک یہ سورۃ کا نام ہوتا ہے، "کتاب احکمت ایٰتہ" اس سے پہلے ھذا محذوف ہے ھذا مبتداء اور کتاب خبر ہے "کتاب ایٰتہ" پختہ

کی گئی ہیں اس کی آیات، احکمت احکام سے ہے پختہ کرنا "ثم فصلت" پھر تفصیل کی گئی ہے "من لدن حکیم خبیر" حکمت والے خبردار کی طرف سے، اور "من لد ن" کو احکمت کے متعلق بھی کر سکتے ہیں کہ حکیم خبیر کی طرف سے ہے اس کی آیات کو پختہ کیا گیا ہے اور اس کو فصلت کے متعلق بھی کر سکتے ہیں کہ حکیم خبیر کی طرف سے اس کی آیات کی تفصیل کی گئی ہے۔

"الا تعبدو ا الا الله "اس کے شروع میں جو "اَنْ" ہے یہ تفسیر یہ ہے اور فصلت کے اندر قول والا معنی جس کی یہ تفسیر کر رہا ہے یعنی ان آیات میں کیا چیز کھول کھول کے بیان کی گئی ہے، ان آیات کے ضمن میں کیا کہا گیا تو "ان" یہ اس کی تفسیر ہے "الا تعبدو ا لاالله "یعنی ان باتوں میں سب زیادہ اہم بات یہ ہے کہ تم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو اور اگر " لا م "کو مقدر مان لیا جائے تو بھی ترجمہ ہو سکتا ہے "لا ن لا تعبدو ا الا الله " یہ کتاب جس کی آیات کو پختہ کیا گیا ہے کھول کھول کے بیان کیا گیا ہے یہ حکیم خبیر کی طرف سے ہے اس لیے تاکہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو۔

"اننی لکم منه نذیر و بشیر "بے شک میں تمہارے لیے اس اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں، انذار اس ڈرانے کو کہتے ہیں جو شفقت پر مشتمل ہوتا ہے جیسے والدین اپنی اولاد کو بری عادت کا برا نتیجہ ذکر کر کے ڈراتے ہیں کہ اس عادت کو چھوڑ دو ورنہ بہت پچھتاؤ گے تو یہ ڈرانا شفقت کے معنی پر مشتمل ہوتا ہے۔

"و ان استغفرو ا ربکم "اس کا عطف "الا تعبدو ا" کے اوپر ہو گیا، یہ "ان" بھی اس طرح تفسیر یہ ہو گیا اس کتاب میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ تم استغفار کرو اپنے رب سے "ثم توبو ا الیه" پھر اس کی طرف تم متوجہ رہو استغفار کا معنی ہوتا ہے مغفرت اور بخشش طلب کرنا اور توبوا توبہ سے ہے اس کا معنی ہے رجوع کرنا اور اللہ کی طرف متوجہ رہو، اللہ کی طرف تم رجوع کرو، توبہ اور استغفار کے درمیان فرق اس طرح کر دیا جاتا ہے کہ زبان سے اپنی غلطی کا اقرار کر کر کے معافی مانگنا یہ تو استغفار ہے اور دل کے اندر ندامت محسوس کرنا یہ توبہ ہے تو توبہ و استغفار دونوں اس طرح ہیں جس طرح ایمان میں اقرار اور تصدیق بالقلب دونوں ہوتے ہیں، زبان سے اقرار کیا جاتا ہے دل سے تصدیق کی جاتی ہے اس طرح یہاں بھی دل سے ندامت کا اظہار کیا جاتا ہے اور زبان سے غلطی کا اعتراف

کر کے معافی مانگی جائے تو توبہ استغفار کی حقیقت متحقق ہوگئی۔

یا یوں فرق کر دیا گیا ہے کہ استغفار تو ہو گیا گزشتہ گناہ، پر جو غلطی ہو چکی اس پر اللہ سے معافی مانگو اور "توبوا" کا مطلب یہ ہوگا کہ آئندہ اطاعت کے ساتھ اللہ سے رجوع رکھو کیونکہ گناہ کے معاف ہونے کے لیے یہ دو باتیں ہی ہیں کہ ایک گزشتہ غلطی پر معافی مانگی جائے اور آئندہ کے لیے یہ قصد کیا جائے کہ میں غلطی نہیں کروں گا جس وقت تک اس سے آئندہ کے لیے بچنے کا عزم نہ ہو اس وقت تک توبہ کی حقیقت متحقق نہیں ہوتی، اور اگر انسان کے دل میں یہی ہے کہ میں توبہ کر رہا ہوں لیکن میں نے آئندہ یہ کام چھوڑنا تو نہیں ہے اس کے اندر توبہ کی حقیقت نہیں پائی گئی اور نہ ہی یہ گناہ معاف ہونے کے لیے کافی ہے آئندہ کے لیے عزم ہو کہ میں اللہ کی عبادت کروں گا، نافرمانی نہیں کروں گا اور پچھلے پر معافی مانگی جائے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی مجھے معاف کر دیا جائے تو یہ دو پہلو ہو گئے پچھلے پر ندامت کا اظہار اور زبان سے معافی اور آئندہ کے لیے اللہ کی اطاعت کی طرف متوجہ رہنا اللہ کی طرف متوجہ ہونا اللہ کی اطاعت کے ساتھ، دونوں باتیں پائی جائیں گی تو توبہ استغفار متحقق ہوگا۔

"یمتعکم متاعاً حسنا" یہ جواب امر کی بناء مجزوم ہے یعنی اگر تم توبہ استغفار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں فائدہ پہنچائے گا اچھا فائدہ وقت متعین تک "متاعا" یہ "یمتعکم" کا مفعول مطلق ہو جائے گا "یمتعکم تمتیعاً حسناً" و یوءت کل ذی فضل فضلہ "فضل زیادتی کے معنی میں ہے اور دے گا ہر زیادتی والے کو اس کی زیادتی یعنی جو زیادہ عمل کرے گا اس کو زیادہ ثواب ملے گا ہر زیادتی والے کو اپنا فضل ملے گا فضل کی ضمیر دونوں طرف لوٹ سکتی ہے "و ان تولو" "اگر تم نے پیٹھ پھیری، روگردانی کی "فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر" پھر بیشک میں تم پر اندیشہ کرتا ہوں بڑے دن کے عذاب کا۔

"الی اللہ مرجعکم" اللہ کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے، مرجع مصدر میمی ہے" و ھو علی کل شئی قدیر "اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

الا حرف تنبیہ ہے خبردار! توجہ سے سن لو! حضرت الشیخ اس محاورہ کے مطابق ترجمہ کرتے ہیں، سنتا ہے یہ اسی پر تنبیہ کرنا مقصود ہے توجہ سے سنو خبردار! "الا انھم یثنون صدورھم" "ثنا یثنی" موڑنا بے شک وہ لوگ موڑتے ہیں اپنے سینوں کو "لیستخفوا منہ" تاکہ اللہ سے چھپ جائیں "الا حین یَسْتَغْشُوْنَ ثیابھم" خبردار!

وہ جس وقت لپیٹتے ہیں اپنے اوپر کپڑے "یعلم ما یسرو ن وما یعلنو ن "تو اللہ تعالی جانتے ہیں ان باتوں کو جو وہ چھپاتے ہیں اور وہ جو ظاہر کرتے ہیں "انه علیم بذات الصدو ر" بے شک وہ اللہ جانتا ہے دلوں کی باتوں کو صدور صدر کی جمع ہے اور سینہ بول کر دل مراد ہوتا ہے سینہ کا راز، دل کا بھید دونوں کا ایک ہی مصداق ہے" باقوال ذات الصدو ر "یا" با مو ر ذات الصدو ر "اللہ تعالی جانتا ہے دلوں کی باتوں کو۔

"و ما من دا بة في ا لا رض الا علی الله رز قها " نہیں ہے کوئی دابہ زمین میں۔ دابہ چلنے پھرنے والی چیز، نہیں ہے کوئی چیز چلنے پھرنے والی زمین میں" الا علی الله رز قها" علی وجوب کے لیے آتا ہے، مگر اللہ کے ذمہ ہے اس کی روزی یعنی اللہ تعالی نے فضل ومہربانی کے ساتھ اپنے ذمہ لگا رکھی ہے جس طرح کسی کے ذمہ کوئی حق لگ جاتا ہے۔

"و یعلم مستقر ها و مستو د عها " اور جانتا ہے اللہ اس دابہ کے مستقر کو اور اس کے مستودع کو۔ مستقر ٹھہرنے کی جگہ کو اور مستودع ودیعت رکھنے کی جگہ کو کہتے ہیں مستقر سے مراد دنیا کی زندگی ہے اور مستودع سے برزخ کی زندگی ہے جہاں قبر میں جا کے ٹھہرے گا یا مستقر سے مراد رحم اور مستودع سے مراد باپ کی پشت ہے یا مستقر سے مراد ہے جہاں انسان مستقل ٹھکانہ رکھتا ہے اور مستودع سے مراد جہاں عارضی طور پر ٹھہرتا ہے بہر حال اس میں علم کا احاطہ کرنا مقصود ہے کہ وہ دابہ کہیں بھی ٹھہرا ہوا ہو تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرا ہو ہو یا زیادہ دیر کے لیے ٹھہرا ہوا ہو، باپ کی پشت میں ہو یا ماں کے رحم میں ہو زمین کے اوپر ہو یا زمین کے اندر ہو اللہ تعالی ہر چیز کو جانتا ہے، مستقر کو بھی جانتا ہے اور مستودع کو بھی جانتا ہے" کل في کتا ب مبین "ہر چیز کتاب مبین میں ہے۔

اور اللہ ہے وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمان کو اور زمین کو چھ دن میں" و کان عر شه علی الما ء "اور اس کا عرش پانی پر تھا" لیبلو کم ایکم احسن عملا " تا کہ آزمائے تم میں سے کون اچھا عمل کرنے والا ہے، کون احسن ہے از روئے عمل کے،" و لئن قلت انکم مبعو ثو ن "اور اگر تو کہے کہ تم لوگ اٹھائے جاؤ گے من بعد الموت موت کے بعد "لیقو لن الذین کفر و "تو البتہ ضرور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا "ان هذا الاسحر مبین "" نہیں ہے یہ مگر صریح جادو ہذا کا اشارہ اس کتاب کی طرف جس میں باتیں مذکور ہیں، یہ تو صریح جادو ہے یا آپ کی باتوں کو وہ صریح جادو کہتے ہیں یعنی جس طرح جادو میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی صرف اس میں ایک اثر پیدا

ہو جاتا ہے تو وہ بھی حقیقت سمجھتے ہیں لیکن چونکہ وہ باتیں اثر انداز ہوتی ہیں اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں جادو جیسا اثر ہے۔

"و لئن اخر نا عنھم العذاب" اور اگر ہم ان سے دور ہٹا دیں عذاب کو "الی امۃ معدودۃ" امۃ سے مدت مراد ہے یعنی "جماعۃ من الاوقات" وقت کا ایک حصہ معدودہ شمار کیا ہوا یعنی تھوڑی سی، جو شمار کی ہوئی مدت ہوتی ہے وہ معلوم ہوتی ہے اس لیے معلوم کا ترجمہ معدودہ کے ساتھ کر دیا گیا، اگر ہم کچھ دنوں تک جو گنے ہوئے ہیں، کچھ دنوں تک جو معلوم ہیں اس عذاب کو اس سے مؤخر کر دیں "لیقولن" البتہ ضرور کہیں گے یہی لوگ پیچھے "لیقولن" واحد کا صیغہ آیا تھا کیونکہ "الذین کفروا" فاعل ظاہر تھا جب فاعل ظاہر ہوا اگرچہ جمع ہی ہو فعل کا صیغہ مفرد ہوتا ہے اور لیقولن میں فاعل ضمیر ہے اس لیے صیغہ جمع کا آ گیا البتہ ضرور کہیں گے وہ لوگ "ما یحبسہ" کونسی چیز اس کو روکے ہوئے ہے "الا یوم یأتیھم" خبردار جس دن وہ عذاب ان کے پاس آ جائے گا لیس مصروفاً عنھم "وہ ان سے ہٹایا ہوا نہیں ہوگا" و حاق بھم ما کانو بہ یستھزؤن "جس چیز کے ساتھ یہ استھزاء کرتے تھے وہ چیز ان کو گھیر لے گی، مراد وہی عذاب ہے، گھیر لے گی ان کو وہ چیز جس کا یہ مذاق اڑاتے تھے۔

تفسیر

ما قبل سے ربط:

سورۃ ہود بھی سورۃ یونس کی طرح مکی ہے اور مکی سورتوں کے متعلق آپ کی خدمت میں بارہا ذکر کر دیا گیا ہے کہ ان میں زیادہ تر اصول کا ذکر ہے، احکام ان میں برائے نام ہیں، چونکہ اس وقت لوگوں کو عقائد سکھائے جاتے تھے، عقائد کی تصحیح کی جاتی تھی اس لیے ان کے اندر زیادہ تر عقائد ہی مذکور ہیں اور ان عقیدوں میں بنیادی عقیدہ توحید کا ہے، اور رسالت کا ہے، اور معاد کا ہے، اور ان سب چیزوں کی تعلیم چونکہ قرآن مجید دیتا ہے تو قرآن کریم کی حقانیت کو بھی ان سورتوں کے اندر مختلف انداز سے واضح کیا گیا ہے م، اور پھر ترغیب اور ترہیب کے مضامین بھی ہیں آخرت کے عذاب اور آخرت کی بشارت کے ساتھ جنت دوزخ کے تذکرے کے ساتھ آخرت کا ذکر کیا گیا ہے، دنیاوی عذاب کے ساتھ دنیاوی ترہیب بھی ہے اور دنیا میں کامیابی حاصل کر کے ترغیب بھی ہے، سورۃ یونس کے مقابلہ میں اس سورۃ میں امم سابقہ کے واقعات بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں، اُس میں اجمالی ذکر آیا تھا اس سورۃ کے اندر تفصیل ہے۔

مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کردیا:

چونکہ پہلی امتوں کی ہلاکت اس میں بہت کثرت کے ساتھ ذکر کی گئی ہے اس لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ کی ریش مبارک میں جب چند بال سفید ہوئے تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! "قد شبت" آپ تو بوڑھے ہوگئے آپ نے فرمایا کہ مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کردیا (مشکوٰۃ ۲/ ۴۵۸) سورہ ہود کی طرف جو نسبت کی اس کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ اس میں امتوں کی ہلاکت کا بہت تذکرہ آیا تھا سرور کائنات ﷺ کو اپنی امت کی بہت فکر ہوتی تھی، اپنی امت کا غم تھا کہ یہ بھی نافرمانی میں مبتلاء نہ ہوجائے اور ان پر بھی ایسا عذاب نہ آجائے جس قسم کا پہلی امتوں پر آیا تھا تو اس فکر نے رسول اللہ نے حضور ﷺ پر ضعف کو طاری کردیا کیونکہ ضعف اور کمزوری جتنی غم اور فکر کے ساتھ آیا کرتی ہے اتنی کسی دوسری چیز کے ساتھ نہیں آیا کرتی۔

کتاب اللہ کی عظمت:

یہ ابتدائی آیات جو آپ کے سامنے پڑھی گئی ہیں ان کے اندر وہی بنیادی چیزیں ہیں، سب سے پہلے تو قرآن کریم کی عظمت کو ذکر کردیا اور قرآن کریم کی عظمت اگر ذہن کے اندر آجائے اور انسان کو سمجھ میں آجائے کہ واقعی یہ اللہ کی کتاب ہے تو پھر ہر چیز اس کی سمجھ میں آسکتی ہے، اگلے رکوع کے اندر اس طرح چیلنج کیا جائے گا جس طرح سورہ یونس کے اندر بھی آیا تھا اگر قرآن کریم کے بارے میں تمہیں شک ہے کہ یہ اللہ کی کتاب نہیں تو پھر اس جیسی کوئی سورہ بنا کے لے آؤ، پوری کتاب نہیں لاسکتے دس سورتیں لے آؤ اور سورہ بقرہ میں آیا تھا کہ ایک سورۃ لے آؤ اور ساتھ کہہ دیا گیا تھا کہ ہرگز ایسا نہیں کرسکتے تو قرآن کریم کو اللہ کی کلام سمجھ لیا جائے کہ یہ اللہ کی طرف سے اتری ہوئی ہے تو پھر توحید و رسالت معاد یا جو کچھ اس میں ذکر کیا گیا ہے اس کا قبول کرنا آسان ہوجائے گا، اس لیے سب سے پہلے تو اس کی عظمت مذکور ہے۔

"کتاب احکمت" اس کی آیات کو محکم کیا گیا ہے، پختہ کیا گیا ہے، پختہ لفظی حیثیت میں بھی ہیں کہ فصاحت و بلاغت کے پورے معیار پر ہیں، اس میں کسی قسم کا لفظی طور پر کوئی نقص نہیں ہے اور اس کی معنوی حیثیت بھی مضبوط ہے کہ اس کے معنی میں کوئی تضاد نہیں ہے، واقعات کے حیثیت سے بھی مضبوط ہے کہ سب واقعات بالکل سچے ہیں اور پکے ہیں، کوئی واقعہ خلاف حقیقت نہیں، اس میں کوئی کسی قسم کا کذب نہیں ہے، اس کے احکام بھی

پختہ ہیں کہ منسوخ ہونے والے نہیں ہے اللہ کی طرف سے یہ محکم ہے عدل وانصاف پر مبنی ہیں کوئی کسی قسم کی کمزوری نہیں تو ہر حیثیت سے یہ کتاب محکم ہے۔

اور عام طور پر جو چیز محکم ہو اس میں پیچیدگی آجاتی ہے سمجھنا آسان نہیں ہوتا لیکن یہ اللہ تعالی کی کتاب ہے کہ محکم ہونے کے ساتھ مفصل بھی ہے، ہر بات بالکل صاف اور واضح ہے جس کا سمجھنا بھی آسان ہے یہ کتاب حکیم و خبیر کی طرف سے ہے، احکام بھی اس کے حکیم اور خبیر کی طرف سے اور تفصیل بھی اس کی حکیم اور خبیر کی طرف سے ہے اور اگر یوں کہہ لیا جائے کہ یہ کتاب حکیم اور خبیر کی طرف سے ہے تو بھی یہ بات اپنی جگہ ٹھیک ہے، وہ حکمت والا ہے اس لیے اس کی کتاب پر حکمت ہے اور خبردار ہے اس لیے اس کے سب واقعات معلومات کے مطابق ہیں۔

کتاب اللہ کے مقاصد:

اور کتاب کے مقاصد میں سب سے بڑا مقصد توحید کی تعلیم ہے، یہ کہہ دیا کہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت نہ کرو، اس کتاب کے اندر یہ بات کہی گئی ہے تو ''فصلت'' کے اندر جو قول والا معنی ہے یہ'' ان'' اس کی تفصیل ہے، مقاصد میں سے بڑا مقصد کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو، یہ کتاب گویا کہ مخلوق سے توڑ کے خالق سے جوڑنے کے لیے اتاری گئی ہے تو آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ کی حیثیت نذیر و بشیر کی ہے، برے انجام سے تمہیں ڈراتے ہیں اور اچھے انجام کی خوشخبری دیتے ہیں۔

اور کتاب کے مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ تم اپنی غلطیوں کی تلافی کرو اور آئندہ کے لیے اللہ کی طرف متوجہ رہو عبادت کے ساتھ پہلے جو کچھ ہو گیا اس پر استغفار کرو، آئندہ کے لیے اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی طرف متوجہ رہو اس کا فائدہ یہ ہو گا اللہ تعالی دنیا میں خیر و عافیت کی زندگی دے گا ''متاع حسن'' میں ابتلاء کا پہلو نہیں، کافر کو دنیا میں دولت ملتی ہے، صحت ملتی ہے، کھاتا پیتا ہے لیکن اس کو متاع حسن نہیں کہہ سکتے وہ اس کے لیے عذاب ہے، آج کا کھایا ہوا کل کو ناک کے راستے سے نکل جائے گا اور آئے دن جو اس کو عیش وعشرت ملتی ہے وہ اس کے لیے عذاب میں اضافہ کا سبب بنتی ہے لیکن توبہ استغفار کرنے والوں کو اللہ تعالی دنیا میں اگر راحت دیں گے تو یہ متاع حسن کا مصداق ہے جس کا انجام برا نہیں ہے جس طرح قرآن کریم میں دوسری جگہ مذکور ہے ''لنحیینه حیاۃ طیبه'' ہم ان کو پاکیزہ زندگی دیں گے، اور پاکیزہ زندگی جو یہاں پر سکون ہو گی اور اس کا انجام آخرت میں بھی

اچھا ہوگا اس لیے اس کو متاع حسن کے ساتھ تعبیر کیا ہے ورنہ موت تک تو کافر بھی کھاتا پیتا ہے، دنیا میں عیش وعشرت کرتا ہے لیکن اس کے عیش وعشرت کو متاع حسن کے ساتھ تعبیر نہیں کیا ہے وہ پرخطر ہے، ظاہر طور پر وہ اس کے لیے عیش ہے لیکن حقیقت کے لحاظ سے وہ اس کے لیے عذاب ہے۔

"و یؤت کل ذی فضل فضله" اور ہر فضل والے کو اللہ اپنا فضل دے گا یعنی جو جتنی زیادہ عبادت کرے گا اللہ اتنا ہی زیادہ اس کو ثواب عطا کریں گے، یہ بھی ایمان اور توبہ استغفار کے نتیجہ میں ہوگا کیونکہ اگر کوئی شخص توبہ نہیں کرتا ہے اور استغفار نہیں کرتا، کفر وشرک سے ایمان نہیں لاتا تو اس کی عملی زندگی کا اللہ کے ہاں کوئی اعتبار نہیں، کتنے ہی اچھے عمل کرلے اللہ تعالی اس پر ثواب نہیں دیں گے "حبطت اعما لھم" ان لوگوں کے اعمال ضائع ہیں، عملی زندگی کے اوپر ثواب اس وقت مرتب ہوتا ہے جب انسان کفر وشرک سے توبہ کرلے ایمان لاؤ گے، تو بہ استغفار کرو گے پھر جتنا عمل کرو گے اللہ تعالی اتنا ہی زیادہ ثواب دیں گے اور اگر تم پیٹھ پھیرو اور توبہ استغفار نہ کرو اللہ کی عبادت نہ کرو تو پھر اس میں میرا کوئی نقصان نہیں، میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں 'انی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر" اس میں اشارہ اس بات کی طرف کردیا کہ "و ان تو لو تعذ بو" اگر تم پیٹھ پھیرو گے تو عذاب میں مبتلاء ہوجاؤ گے، بے شک میں تم پر اندیشہ کرتا ہوں بڑے دن کے عذاب کا، بڑے دن سے وہی قیامت کا دن مراد ہے۔

کافر کسی صورت میں بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے:

"الی الله مر جعکم" تم چھوٹ نہیں سکتے یعنی ایک آدمی کوئی جرم کرتا ہے تو اس کے بچنے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو حاکم کو پتہ نہیں ہے یا پتہ ہے لیکن مجرم بھاگ کر کہیں چھپ سکتا ہے اور حاکم اس کو پکڑنے پر قادر نہیں ہے یا جو سزا اس نے اپنے قانون کے اندر نافذ کر رکھی ہے اس میں مختلف قسم کی رکاوٹیں ہیں وہ سزا جاری نہیں کرسکتا ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ قانون کے اندر ایک جرم کی سزا لکھی ہوئی ہے لیکن مجرم زور آور ہے اس کو سزا دینے پر قادر نہیں ہے یا وہ پکڑا نہیں گیا، کہیں بھاگ کر چھپ گیا ہے یا اس کے جرم کی تفصیل حاکم کے سامنے نہیں یہی باتیں ہوتی ہیں جن کی بناء پر مجرم سزاء سے بچ سکتا ہے لیکن اللہ تعالی کا مجرم ان سب باتوں میں سے کسی کے ذریعے نہیں بچ سکتا نہ تو ایسا ہے کہ وہ پکڑا نہ جائے "الی الله مر جعکم" نہ ایسا ہے کہ جو قانون اللہ نے بنایا ہے وہ اس کے مطابق سزا نہ دے "و ھو علی کل شئی قدیر" نہ ایسا ہے کہ مجرم کے جرم کی تفصیل معلوم نہیں ہے آگے علمی

احاطہ ذکر کیا ہوا ہے تو یہ لوگ کتنے ہی چھپ چھپ کے، اور جھک جھک کے، موڑ موڑ کے اسلام اور اللہ کے رسول کے خلاف باتیں کریں لیکن اللہ سب جانتا ہے یہ اگر چہ کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو اس وقت پیش آیا ہوگا جیسے منافقین کی عادت تھی کے وہ چھپ چھپ کے سرگوشی کرتے تھے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی بات کرنی ہوتی تو چھپ چھپ کے سرگوشیاں کرتے تھے اگر چہ ان کا مقصد اللہ سے چھپانا نہیں لیکن اللہ کے رسول کے خلاف سازشیں کرنا یہ تبھی ممکن ہے جب وہ یہ سمجھیں کہ اللہ ان کو اطلاع نہیں دے گا یا اللہ کو ہماری سازشوں کا پتہ نہیں ہے ورنہ اگر ان کو سب پتہ ہو کہ اللہ کو سب پتہ ہے اور اللہ اپنے رسول کو خبر دیتا ہے تو پھر اس طرح چھپ چھپ کر باتیں کرنے کی کیا ضرورت ہے، تو پھر جو بات علی الاعلان نہ کرسکیں وہ چھپ کر بھی نہیں کہہ سکتے جب ان کو پتہ ہے اللہ کے علم میں ہے اللہ ان کو اطلاع دے گا تو یہ ایک ان کی حالت کے اوپر انکار ہے اور انکار کے ضمن میں اللہ کے علمی احاطہ کو ذکر کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس طرح محیط ہے خبردار! بے شک وہ لوگ موڑتے ہیں اپنے سینوں کو اور اوڑھتے ہیں اپنے اوپر کپڑوں کو یہ بات مقابلۃً سمجھ آئے گی جیسے آگے الفاظ آرہے ہیں سینوں کو موڑ موڑ کے اور کپڑوں کو اوڑھ اوڑھ کے باتیں کرتے ہیں تاکہ اللہ سے چھپ جائیں خبردار! جس وقت پنے اوپر کپڑے اوڑھتے ہیں اور اپنے سینوں کو موڑتے ہیں یہاں وہ مفہوم ساتھ ذکر کیا جائے گا جانتا ہے اللہ ہر اس چیز کو جس کو یہ چھپاتے ہیں اور جس چیز کو یہ ظاہر کرتے ہیں، تو اس طرح یہ اللہ تعالیٰ سے اپنی باتیں چھپا نہیں سکتے، وہ تو سینوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے، جو ابھی کہی نہیں، جو زبان پر نہیں آئیں، جو دل کے اندر خیالات آتے ہیں اللہ تعالیٰ تو ان کو بھی جانتا ہے۔

موت اور رزق براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر ہیں:

اگلی آیات اللہ تعالیٰ کے علمی احاطہ پر بھی دلالت کرتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا احسان بھی مذکور ہے کہ دنیا کے اندر رہتے ہوئے انسان کو سب سے زیادہ فکر کو اپنی روزی کی ہے، اپنے پیٹ کی فکر سب سے زیادہ ہے اور بسا اوقات انسان غلط راستے اختیار کرتا ہے، اسی پیٹ کی وجہ سے ہی کرتا ہے، کھائیں گے کہاں سے؟ یہ ایک بہت بڑا سوال ہے جو انسانی زندگی میں آتا ہے اور اسی کھانے کے لیے ہی انسان مختلف قسم کے راستے اختیار کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی بارے میں سب سے زیادہ اطمینان دلاتے ہیں، دنیا میں رہتے ہوئے دو ہی چیزیں انسان کو فکر مند کرتی ہیں ایک زندگی، موت سے بچنے کے لیے انسان ہزاروں کوششیں کرتا ہے اور دوسرا روزی کمانے

کے لیے اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں کو اپنی کتاب کے اندر کھول کھول کے بیان کیا ہے کہ نہ کوئی شخص موت سے بچ سکتا ہے چاہے کتنے ہی جتن کر لے "این ما تکونوا یدرککم الموت و لو کنتم فی بروج مشیدہ" جہاں بھی تم ہو گے موت تمہیں پالے گی اگر چہ تم کتنے ہی مضبوط قلعوں میں چلے جاؤ، قلعوں کے اندر چھپ کے بھی تم موت سے نہیں بچ سکتے اور یہ واقعہ ہے کہ جس طرح جھونپڑیوں سے جنازے اٹھتے ہیں اسی طرح قلعوں سے بھی نکلتے ہیں اور اس طرح بادشاہوں کے محلات سے بھی نکلتے ہیں تو جب موت یقینی ہے اور براہ راست اللہ کی طرف سے آتی ہے نہ کوئی شخص اس کا فوجوں سے دفاع کر سکتا ہے نہ خزانوں سے اس کا دفاع کر سکتا ہے، نہ کسی فن اور ہنر سے اس کا دفاع کر سکتا ہے، نہ مضبوط عمارتوں سے اس کا دفاع کر سکتا ہے، یہ بہر حال اپنے وقت پر ہی آتی ہے۔

اس طرح اللہ فرماتے ہیں رزق جو مقدر ہے اتنا ہی ملے گا اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی، " ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقھا" (مشکوٰۃ ۲/۴۵۲) کسی نفس کو موت آتی ہی نہیں کہ جب تک وہ اپنا رزق مقدر پورا نہ کر لے، اس کا مقدر اس کو ملتا ہے ہر حال میں ملتا ہے یہ دو ہی باتیں ہیں جس کا انسان سب سے زیادہ فکر کرتا ہے اور دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ اپنی کتاب کے اندر سنا دیا لیکن یقین نہ ہونے کے وجہ سے انسان پھر پریشان رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کوئی دابہ نہیں زمین میں، جو پانی میں ہیں وہ بھی ایک قسم کے زمین پر ہیں اور جو ہوا میں اڑتے ہیں آخر کار ان کا قرار بھی زمین پر ہی ہے، پرندے ہوں چینوٹیاں ہوں پانی کے اندر مچھلیاں ہوں خشکی کے اوپر چلنے والے حیوانات ہوں، درندے ہوں، انسان ہوں سب دابہ کا مصداق ہیں کوئی دابہ نہیں زمین میں مگر اللہ کے ذمہ ہے اس کی روزی اور روزی سے مراد اس کی ضروریات کا پورا کرنا اس کی روزی اللہ کے ذمہ ہے اس لیے جتنی روزی اللہ نے اپنے ذمہ لے لی جس کے لیے لے لی اتنی ہی اس کو ملے گی، ایسا نہیں ہو گا کہ جتنا بھی رزق اللہ نے اس کے لیے مقدر کیا ہے وہ اس کو نہ ملے یا انسان کوشش کر کے اس سے زیادہ کما لے ایسی بات نہیں ہے۔

اللہ اس کے مستقر کو بھی جانتا ہے اور اس کے مستودع کو بھی جانتا ہے جو انسان جہاں کہیں بھی ٹھہرتا ہے عارضی طور پر یا مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سب کچھ ہے " کل فی کتٰب مبین "اور اس نے ہر چیز کتاب مبین میں لکھ دی ہے، اللہ تعالیٰ کے دفتر میں بھی ضبط ہے۔

اللہ کی طرف سے رزق ملنے کے مختلف انداز:

اب آگے اللہ تعالیٰ کے روزی دینے کے طریقے مختلف ہیں کہ اس وعدے کو اللہ تعالیٰ کس طرح پورا کرتا ہے؟ بس یہی نکتہ سمجھنے کا ہے کسی کو تو اللہ تعالیٰ نے روزی دی کماؤ اور کھاؤ کسی کو اللہ نے دکان دے دی اس میں بیٹھو تجارت کرو اور کھاؤ کسی کو صنعت دے دی دستکاری کے ذریعہ سے کھاتے رہو روزی دینے کے یہ مختلف انداز ہیں کسی کو ملازمت دے دی اور اس کو ملازمت کے ذریعہ سے روزی حاصل ہوتی ہے، کیونکہ جتنے کام بھی انسان کرتا ہے اس میں جو کچھ استعمال ہوتا ہے دیا ہوا اللہ کا ہے۔ توجہ کریں سمجھنے کی بات ہے کہ ایک آدمی کسی انداز سے کمائے چاہے وہ کاشتکاری کے ذریعہ سے کمائے، چاہے تجارت کے ذریعہ سے کمائے، چاہے صنعت سے کمائے، چاہے ملازمت سے کمائے، کمانے کے جو ذرائع ہیں سب اللہ کے دیے ہوئے ہیں، کمانے میں آپ اپنی آنکھوں کو استعمال کریں گے بعض کام ایسے ہیں اگر آنکھ نہ ہوتی تو انسان کام کر ہی نہیں سکتا، ٹانگوں کو استعمال کریں گے کیونکہ بعض کام ایسے ہیں اگر ٹانگیں نہ ہوں تو وہ کام نہیں ہو سکتا، ہاتھوں سے کمائیں گے کیونکہ بہت سارے کام ایسے ہیں اگر ہاتھ نہ ہوتے تو وہ کام نہیں ہو سکتے ہیں، عقل کے ذریعہ سے کمائیں گے کیونکہ بہت سارے کام ایسے ہیں جو عقل کے سوا نہیں ہو سکتے ہیں تو کمانے کے لیے آنکھ استعمال ہو گی ناک استعمال ہو گا زبان استعمال ہو گی ٹانگیں استعمال ہوں گی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عقل استعمال ہو گی سوال یہ ہے کہ ساری کی ساری چیزیں کس کی دی ہوئی ہیں؟ کیا یہ آپ اپنے گھر سے لائے ہیں یا اللہ نے آپ کو دی ہیں؟ یہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہیں، اور ہمارے بس میں کچھ نہیں ہے، اس لیے بعض بچے ماں کے پیٹ سے ہی بغیر پاؤں کے آجاتے ہیں وہ ٹانگ کسی صورت میں آپ حاصل نہیں کر سکتے ہیں بعض بے آنکھ پیدا ہو جاتے ہیں، آنکھوں والے پیدا ہو کے نابینا ہو جاتے ہیں، بعض گونگے پیدا ہوتے ہیں کانوں سے بہرے ہوتے ہیں اور بعض بچے آتے ہیں تو ان کے پاس عقل نہیں ہوتی، دماغ نہیں ہوتا، پاگل پیدا ہوتے ہیں بعض صحیح سالم پیدا ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ بعد میں یہ نعمتیں چھین لیتا ہے ان باتوں میں اگر کوغور کریں گے تو آپ کی سمجھ میں یہ بات آئے گی کہ واقعی یہ براہ راست اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، انسان اپنے طور پر نہ آنکھ حاصل کر سکتا ہے، نہ ٹانگیں، نہ زبان، نہ عقل، نہ دماغ، کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا، جب کمانے کے سارے کے سارے ذرائع یہی ہیں اور یہ سب اللہ نے دیے ہیں تو پھر کیسے کہہ سکتے ہیں روزی آپ کو اللہ نے نہیں دی آپ نے خود بنائی ہے۔

مثال سے وضاحت:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند اس کو ایک مثال کے ساتھ سمجھایا کرتے تھے کہ ایک کھیت سے گندم پیدا ہوئی، کھیت والا اپنے کھیت کے متعلق کسی سے پوچھے کہ یہ کھیت کس کا ہے، وہ کہے کہ آپ کا، پھر پوچھے اس کو پانی کس نے دیا تو وہ کہے آپ نے، کاٹا کس نے آپ نے، پیداوار کس کے لیے؟ وہ کہے کہ میرے لیے اس سے زیادہ اور حماقت کیا ہو سکتی ہے کہ ہر چیز کی نسبت دوسرے کی طرف اور پیداوار کی نسبت اپنے لیے تو سیدھی بات ہے کہ جس کے لیے سب کچھ ہے پیداوار بھی اس کے لیے ہے تو اس طرح ان اعضاء کے ساتھ کماتے ہیں اور ان صلاحیتوں کے ساتھ کماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دی ہیں اور آپ اقرار بھی کرتے ہیں آپ نے ان کو اپنی کوشش کے ساتھ حاصل نہیں کیا تو پھر ان کے ذریعہ سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آپ کا کیسے؟ وہ بھی تو اللہ ہی کا ہے اس لیے دکاندار اگر کھاتا ہے تو وہ بھی اللہ کا دیا ہوا کھاتا ہے، کاشتکار بھی اللہ کا دیا ہوا کھاتا ہے صنعت کار بھی اللہ کا دیا ہوا کھاتا ہے تو جن ذرائع سے یہ دولت کمائی جاتی ہے وہ سب اللہ کے دیے ہوئے ہیں۔

معذورین کو رزق دینے کا طریقہ:

اور پھر ایک شخص ایسا بھی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان سب صلاحیتوں سے محروم کر دیا زمین نہیں دی دکان نہیں دی، کوئی دوسری چیز نہیں دی یا وہ معذور ہے اب اس کو اللہ تعالیٰ کس طرح روزی پہنچاتے ہیں؟ وعدہ تو اس کے ساتھ بھی ہے اس پہنچانے کے لیے یہ سلسلہ شروع کر دیا کہ جن کو دیا ہے اپنی حکمت کے طور پر ان پر اپنا ایک حصہ متعین کر دیا کہ تمہارے مال میں میرا اتنا حصہ ہے، اپنا حصہ رکھ لیا، زکوٰۃ کی صورت میں رکھ لیا، قربانی کی صورت میں رکھ دیا، یہ اپنے حصے اللہ تعالیٰ نے مالداروں کے مال میں متعین کر دیے کہ یہ میں دے تمہیں رہا ہوں، یہ میرا دیا ہوا ہے لیکن اس میں سے اتنا استعمال کرنے کی اجازت ہے اور اتنا میرے لیے ہے اور جن کو میں کہوں ان کو تم نے اپنے ہاتھ کے ساتھ دینا ہے، اللہ کی طرف سے یہ حکم ہوگا کہ میں نے جو کچھ تمہیں دیا یہ سارا تمہارا نہیں ہے اس میں تم اتنا استعمال کر سکتے ہو اور اس میں سے اتنا ایسا ہے کہ جہاں میں کہوں گا وہاں خرچ کرنا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے فقرا محتاج اور مساکین جو براہ راست ان چیزوں کو حاصل نہیں کر سکتے پھر ان کے ذریعہ سے ان کو روزی پہنچاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ دیتے ہیں یہ فقراء پر احسان نہیں کرتے، یہ مسکین پر احسان نہیں کرتے، یہ تو اللہ کے

نام پہ دیتے ہیں، آپ جانتے ہیں احسان جتلانے کے ساتھ الٹا سارا ثواب ہی ضائع ہو جاتا ہے، ثواب ضائع ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ ثواب تمہیں اس لیے ملے گا کہ تم نے اللہ کو دیا اور اللہ تمہیں اجر دے گا اور احسان جتلانے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اس فقیر کو دیا، تو اجر بھی اسی سے لینا، احسان تب ہی جتلاؤ گے جب تم سمجھو گے کہ میں نے اس کو دیا ہے تو جب احسان جتلا دیا تو پھر اجر بھی اس سے لے لیجیے پھر اللہ کیوں ثواب دے گا اور اللہ تعالیٰ تب ہی ثواب دے گا جب تمہارا ذہن یہ ہوگا کہ ہم نے اللہ کو دیا ہے تو تم نے اللہ کا مال اللہ کے حکم کے تحت ان لوگوں تک پہنچا دیا جن کو اللہ تعالیٰ نے روزی کمانے کے اور ذرائع نہیں دیے یہ بھی اللہ کی طرف سے اس وعدے کا ایفاء ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ اللہ نے تمہیں مال دیا تھا کہ تم نے اس مال میں سے اتنا حصہ میرے فلاں فلاں بندے کو دینا ہے اور تم اس کو بھی دبا کے کھا جاؤ تو پھر تم ہو گئے غاصب پھر یہ حساب تم سے قیامت کے دن لیا جائے گا کہ جتنا میں نے تمہارے لیے دیا تھا وہ تو تمہارا ہوا اور میں نے جو تمہیں امانت دی تھی کہ تم نے اس کو آگے منتقل کرنا ہے، وہ تم نے آگے کیوں نہیں دیا، وہ بھی کھا گئے تو یہ بھی دوسرے کا حق کھانے والی بات ہے پھر اللہ تعالیٰ اس پر گرفت کرے گا اور اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مال خرچ کرتے رہو تو ایسی صورت میں تم نے وہ حق اداء کر دیا اس طرح اللہ تعالیٰ دوسروں کو روزی پہنچا دیتا ہے۔

اہل مدارس قومی خزانے سے کیوں نہیں کھا سکتے؟

آپ حضرات یا آپ جیسے ہزاروں لوگ جو دین کے کام میں لگے ہوئے ہوتے ہیں روزی ان کی بھی اللہ کے ذمہ ہے، اپنی بے وقوفی کے ساتھ لوگ ان کی حیثیت کو صحیح نہیں پہچانتے۔ کہتے ہیں مفت میں کھاتے ہیں، یہ فارغ بیٹھے ہیں اور مفت میں کھاتے ہیں، عام طور پر لوگوں کے دماغ میں یہ آتا ہے اور ہم لوگ بھی بسا اوقات غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ شاید ہم مفت ہی کھاتے ہیں یا ہماری روزی پاکیزہ روزی نہیں ہے، کوئی گھٹیا قسم کی روزی ہے جو ہمیں ملتی ہے اس قسم کی حماقتیں اور شیطانی وسوسے ہمارے ذہن میں بھی آجاتے ہیں جبکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے، طالب علم یا علماء جس کام میں لگے ہوئے ہیں سب سے پہلے تو سوچنے کی بات یہ ہے، کہ ان عقل مندوں سے کوئی پوچھے جن کو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ مولوی اور علماء مفت میں بیٹھ کے کھاتے ہیں کہ مذہب ایک قومی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہیں کہ ضرورت ہی نہیں تو وہ کافر ٹھہرے ان کے ساتھ تو ہماری گفتگو ہی نہیں، ان کو ہم پر اعتراض

کرنے کی کیا ضرورت ہے اور ہم ان کے اعتراض سے کیوں متاثر ہوں اور اگر وہ کہیں ایک ضرورت ہے، بہت ہی اہم ضرورت ہے مسلمان قوم کا تشخص اسی مذہب کے ساتھ ہے، انسان مسلمان تب ہی بنتا ہے جب مذہب ہو تو جس طرح باقی قومی ضرورتیں ہیں ان میں سے سب سے اہم ضرورت یہی ٹھہری تو اگر باقی ضرورتوں میں لگے ہوئے لوگ جس طرح سکولوں میں حساب پڑھانے والے، جغرافیہ، تاریخ پڑھانے والے، سائنس پڑھانے والے، اور انگریزی سکھانے والے اور اس قسم کی دوسری ضرورتیں پوری کرنے والے یا حاکم جو قومی ضرورت کے تحت اپنے اوقات دیے ہوئے ہیں اگر وہ سارے کے سارے اس قوم کے خزانے سے کھانے کے مستحق ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ جو مذہبی ضرورت کو پورا کر رہا ہے، جو مذہب کو محفوظ رکھے ہوئے ہے، جو مذہب کی اشاعت کر رہا ہے، تمہارے لیے تمہارے مسلمان ہونے کی ضمانت مہیا کیے ہوئے ہے وہ قومی خزانے میں سے کھانے کا کیوں مستحق نہیں؟ یہ تو اس قوم کے ذمہ فرض ہے کہ ان کی ضروریات کو پورا کریں جس طرح دوسرے لوگ ان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں ان کی ضروریات پورا کرتے ہیں اس طرح ان کے اخراجات پورا کرنا بھی ان کے ذمہ ہے۔

سب سے پاکیزہ رزق اہل مدارس کو ملتا ہے:

لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس طرح پاکیزہ رزق دیا ہے کہ اُن کو حکومت کے خزانے سے تنخواہ ملتی ہے وہ بھی اس قوم کا سرمایہ ہے، وہ سارے قوم کا پیسہ ہی کھاتے ہیں چاہے کوئی بڑا افسر ہے چاہے کوئی چھوٹا افسر ہے، بمع صدر مملکت کے سب اس قوم کے خزانے سے کھاتے ہیں لیکن یہ خزانہ ہے اس میں حلال اور حرام دونوں جمع ہے، رنڈیوں کا ٹیکس اس میں جاتا ہے، سینموں کا ٹیکس اس میں جاتا ہے، شراب کا ٹیکس اس میں جاتا ہے، ظلم اور تعدی سے جو لوگ حاصل کرتے ہیں وہ سب اس میں آجاتا ہے اور اس میں سے ان کو حصہ ملتا ہے تو یہ سمجھتے ہیں ہم حلال کھا رہے ہیں اور ان کی گردن اونچی ہے کہ ہم جو کچھ کھا رہے ہیں وہ ہم اپنی محنت کا عوض کھا رہے ہیں۔

اور ہم نے اپنا معاملہ براہ راست اللہ کے ساتھ رکھا ہے، ہمیں ضیاء الحق وصول کر کے نہیں دیتا ہے اور نہ ہی ہمیں کوئی تھانے دار وصول کر کے دیتا ہے اور نہ ہی ہم کسی متعین آدمی کے سامنے اپنی ضرورت کو پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا حصہ جو لوگوں پر متعین کیا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم تکوینی کے ساتھ وہ لوگ چل کے آتے ہیں اور خود پہنچا کے جاتے ہیں، یہ ہمارا حصہ ہے جو ان مالوں میں پڑا ہے قوم کے بچوں کی خدمت کی جاتی ہے، قوم کی ضرورت پوری کی

جاتی ہے تو یہ اخراجات مہیا کرنا بھی قوم کے ذمہ ہی ہے لیکن یہاں حکومت کا ڈنڈا درمیان میں واسطہ نہیں ہے، یہاں لوگ خوشدلی کے ساتھ آ کے دیتے ہیں تو جس کو حکومت کے ڈنڈے کے ساتھ وصول کیا جائے وہ تو ان کے لیے حلال اور لوگ خوشدلی کے ساتھ آ کے دیں حلال نہیں، یہ کتنی بڑی بے وقوفی والی بات ہے اگر حرام کا شبہ ہو سکتا ہے تو اس میں ہو سکتا ہے جو سرکاری ملازمین حکومت کے خزانے سے لیتے ہیں، ہمارے پاس تو جو کچھ آتا ہے لوگ خوشدلی کے ساتھ دیتے ہیں اور اس تصور کے ساتھ دیتے ہیں کہ ہم اللہ کو دے رہے ہیں باقی اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ یہ گندہ ہے تو پھر یہ ذہن میں رکھو کہ ہمارے پاس جو بھی آئے چاہے وہ گندہ ہی کیوں نہ ہو ہمیں وہ بھی منظور ہے۔

لوگ کہتے ہیں ان کے پاس میل کچیل وغیرہ سب کچھ اکٹھا ہو کے آتا ہے تو ان کے تصور کے مطابق مدرسہ گندے پانی کا ایک تالاب ہے جس میں لوگوں کی ساری میل کچیل جمع ہوتی ہے اور اس کو کھا کے پڑھنے والے حافظ اور مولوی فرشتوں سے بھی افضل ہیں فرشتے ان کے پاؤں کے نیچے پر بچھاتے ہیں یعنی اس قسم کی گندی چیزوں کو کھا کے یہ بن گئے فرشتوں سے افضل، دیکھ لو جوڑ کیسا لگاتے ہیں، ہم تو سمجھتے ہیں الله طيب لا يقبل الا طيبا [۲] اللہ خود پاکیزہ ہے اور اللہ کے نام پہ جو دیا جائے اللہ تعالیٰ پاکیزہ چیز کو قبول کرتے ہیں، گندی چیز کو قبول نہیں کرتے اس لیے جس چیز کو اللہ تعالیٰ قبول کر رہے ہیں اس کو تم دھوکہ دے کے گندی چیز دے رہے ہو تو یہ تمہارا معاملہ اس کے ساتھ ہے، ہمارا رزق تو اللہ کے ذمہ ہے، اللہ جس طرح پہنچاتا ہے ہم کھاتے ہیں اس لیے ہمارا تصور تو یہ ہے کہ سب سے پاکیزہ روزی ہماری ہے اور براہ راست اللہ کی طرف سے آنے والی ہے، ہم کسی کے زیر احسان نہیں ہیں کہ کوئی کہے کہ ہم نے تمہیں روزی دی ہے، ہم کہتے ہیں نہ دو، اللہ تعالیٰ نے جو حصہ متعین کیا ہے تم نے اللہ کو دینا ہے اللہ نے ہمارے پاس پہنچا دیا، کوئی متعین آدمی ہم پر احسان نہیں جتلا سکتا اور نہ ہی ہم کسی کے زیر احسان ہیں اور قوم کے کام میں لگے ہوئے ہیں، قومی ضرورت میں لگے ہوئے ہیں اور ایسی ضرورت میں لگے ہوئے ہیں جو براہ راست اللہ کی طرف سے ڈیوٹی سپرد کی گئی ہے اور یہ کام براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والا ہے اس لیے قوم کے ذمہ فرض ہے کہ طالب علموں اور علماء کو اخراجات مہیا کریں اگر نہیں کریں گے تو اللہ کے پاس مار کھائیں گے، جس طرح حکومت کا خزانہ خالی ہو جائے تو حکومت ڈنڈے سے اس کو بھرتی ہے تاکہ اس کے ملازمین کی ضرورت پوری ہو تو یہ کبھی ذہن میں نہیں آنا چاہیے کہ ہم مفت کھاتے ہیں یا گھٹیا کھاتے ہیں، سب سے اچھے لوگ آپ حضرات ہیں اور

اللہ تعالیٰ نے آپ کا رزق اپنے ذمہ لیا ہوا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ بغیر کسی کوشش کے لوگ آتے ہیں اور خوشدلی کے ساتھ دے کے جاتے ہیں اور حکومت کے خزانوں میں جو کچھ جاتا ہے اس میں جبر واکراہ سب کچھ ہوتا ہے اس لیے اگر شبہ ہوسکتا ہے تو ان کے مال میں ہوسکتا ہے جو مال ہمارے پاس ہے اس میں کوئی شبہ کی بات نہیں ہے۔

صدر مملکت سے لے کر حکومت کا چھوٹے سے چھوٹا ملازم چاہے وہ سکول میں ہے، چاہے وہ کالج میں ہے اور چاہے وہ عدالتوں میں ہے، مجسٹریٹ ہیں، بڑے حکام ہیں، ڈی سی ہے، کمشنر ہے، گورنر ہے جو کچھ ہے، جتنی فوج ہے پولیس ہے سب قوم کا کھاتے ہیں اور اسی دلیل سے کھاتے ہیں کہ وہ قوم کے کام میں لگے ہوئے ہیں تو ہم بھی تو آخر قوم کا ہی کام کر رہے ہیں، مسلم قوم کے لیے دین سب سے بڑی ضرورت ہے، اسلام سب سے بڑی ضرورت ہے تو جو شخص اس میں لگا ہوا ہے وہ سب سے زیادہ مستحق ہے کہ قوم اس کی خدمت کرے۔

دلیل قدرت اور معاد کا ذکر:

"و ھو الذی خلق السموٰت والارض" یہ آگے دلیل قدرت ہے اور یہ بارہا آپ کے سامنے گزر چکا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا ہے اور اس کا عرش پانی پر تھا یعنی آسمان وزمین سے پہلے اللہ نے عرش کو پیدا کیا پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ یہ ساری کائنات بن گئی اور ان کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ تمہیں دیکھے، آزمائے کہ تم میں سے اچھا عمل کون کرنے والا ہے، اچھا عمل وہی ہوتا ہے جس میں اخلاص ہو، یہاں حسن عمل کا ذکر آیا ہے کسی عمل میں اتنی کثرت مطلوب نہیں جتنا کہ اس میں حسن میں مطلوب ہے، ایک آدمی اگر اخلاص کے ساتھ دو رکعتیں پڑھتا ہے تو وہ اس شخص کے مقابلہ میں بہت افضل ہے جو پڑھتا تو سو رکعت ہے لیکن اس میں اخلاص نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے پاس حسن عمل کی قدر ہے، احسان کی قدر ہے اور احسان یہی ہے کہ "ان تعبد اللہ کانک تراہ" اس طرح عبادت کرو گویا کہ اللہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

"و لئن قلت انکم مبعوثون" یہ معاد کا ذکر آ گیا کہ اگر آپ ان کو کہتے ہو تم موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو البتہ ضرور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ یہ تو جادو کی باتیں ہیں یعنی اثر انداز ہوتی ہیں لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں لیکن حقیقت اس میں کچھ نہیں یا یہ کتاب کو کہیں گے یہ سحر مبین ہے، اگر ہم ان سے کچھ دنوں تک

ان سے عذاب کو مؤخر کر دیتے ہیں تو یہ مذاق اڑاتے ہیں البتہ ضرور کہیں گے کہ کس چیز نے روک رکھا ہے اس عذاب کو، وہ آتا کیوں نہیں، خبردار! جب وہ عذاب ان کے پاس آجائے گا تو ان سے ہٹایا نہیں جائے گا اور گھیر لے گی ان کو وہ چیز جس کا یہ مذاق اڑاتے ہیں، اس سے وہی عذاب مراد ہے جس کا یہ مذاق اڑاتے ہیں وہ ان کو اس طرح گھیرے گا کہ پھر یہ اس کے گھیرے سے نکل نہیں سکیں گے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ

اگر ہم چکھادیں انسان کو اپنی طرف سے رحمت پھر ہم چھین لیں اس سے وہ رحمت

اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۞ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ

تو بے شک وہ بہت مایوس اور بہت ناشکرا ہوجاتا ہے ⑨ اور اگر ہم اس کو چکھادیں خوشحالی تکلیف کے بعد

مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۞ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ

جو اس کو پہنچی ہے تو وہ ضرور کہے گا مجھ سے سختیاں دور ہوگئیں بے شک وہ البتہ اترنے والا ہے اور فخر کرنے والا ہے ⑩ مگر وہ لوگ

صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۞

جنہوں نے صبر کیا اور اعمال کیے نیک یہی لوگ ہیں ان کیلئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے ⑪

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ

پس شاید کہ آپ چھوڑنے والے ہیں اس چیز کا بعض جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے اور تنگ ہونے والا ہے آپ کا سینہ اس بات سے

يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَاۗءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ

کہ یہ کہیں گے کیوں نہیں اتارا گیا اس پر کوئی خزانہ یا کیوں نہیں آیا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ، اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں

وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۞ۭ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا

اور اللہ ہر چیز کے اوپر ذمہ دار ہے ⑫ یا یہ کہتے ہیں اس رسول نے اس کتاب کو گھڑ لیا ہے آپ کہہ دیجیے کہ لے آؤ

بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ

تم اس جیسی دس سورتیں جو گھڑی ہوئی ہوں اور بلاؤ ان سب کو جن کو تم بلانے کی طاقت رکھتے ہو اللہ کے علاوہ

اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ

اگر تم سچے ہو ⑬ پھر اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں پھر تم یقین کرلو کہ یہ قرآن

اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۞

اتارا گیا ہے اللہ کے علم کے ساتھ اور اس کے بغیر کوئی معبود نہیں ہے پھر کیا تم فرمانبردار ہو ⑭

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ

جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیاوی زندگی کا اور اس کی زینت کا پورا کر دیتے ہیں ہم ان کی طرف ان کے اعمال

فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي

اسی دنیا میں اور وہ اس دنیا میں کمی نہیں کیے جاتے ﴿۱۵﴾ یہی لوگ ہیں نہیں ہے ان کے لیے

الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

آخرت میں کچھ بھی سوائے آگ کے اور ضائع ہو جائے گا جو کچھ انہوں نے کیا ہے اور باطل ہو جائیگا جو کچھ یہ کرتے ہیں ﴿۱۶﴾

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ

کیا وہ شخص جو واضح دلیل پر ہو اپنے رب کی طرف سے اور اس قرآن کے پیچھے گواہ ہو اسی قرآن سے اور اس سے

قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ

پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب جو کہ امام اور رحمت ہے، یہی صحیح طور پر اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں

وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ

اور جو شخص اس کا انکار کرے گروہوں میں سے پس جہنم اس کا ٹھکانہ ہے پس تو شک میں نہ ہو

مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

اس کی طرف سے بے شک یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ﴿۱۷﴾

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ

کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جو اللہ پر جھوٹ گھڑے، یہی لوگ پیش کیے جائیں گے

عَلٰى رَبِّهِمْ وَ يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ

اپنے رب پر اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے جھوٹ بولا اپنے رب پر

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

خبردار! اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر ﴿۱۸﴾ جو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے

اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ⑲ اُولٰٓئِكَ لَمْ

اور اس میں کجیاں تلاش کرتے ہیں اور آخرت کا انکار کرنے والے ہیں ⑲ یہی لوگ ہیں

يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

جو زمین میں عاجز کرنے والے نہیں اور نہیں ہے ان کے لیے اللہ کے علاوہ کوئی

اَوْلِيَاۗءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ

کارساز دگنا کیا جائے گا ان کے لیے عذاب، نہ یہ طاقت رکھتے تھے سننے کی

وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ⑳ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ

اور نہ ہی یہ دیکھتے تھے ⑳ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا ہے اور گم ہو گئیں

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ㉑ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ

ان سے وہ باتیں جن کو یہ تراشتے تھے ㉑ یہ بات پکی ہے کہ یہ لوگ آخرت میں

الْاَخْسَرُوْنَ ㉒ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا

خسارہ پانے والے ہوں گے ㉒ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور انہوں نے عاجزی کی

اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ㉓ مَثَلُ

اپنے رب کی طرف یہی لوگ جنت والے ہیں، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ㉓ مثال

الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ

دونوں فریقوں کی ایسے ہے جیسے اندھا اور بہرا اور دیکھنے والا اور سننے والا، کیا یہ دونوں فریق برابر ہیں؟

مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ㉔ ع

مثال کے اعتبار سے، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ㉔

تفسیر

ماقبل سے ربط:

پچھلے رکوع کی آخری آیت میں جو ذکر کیا گیا تھا کہ یہ کافر لوگ جو اپنی بدکاریوں کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہیں اگر اللہ اپنی حکمت کے تحت کچھ دنوں تک عذاب کو مؤخر کر دیتا ہے تو یہ اس کا استھزاء کرتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں کہ عذاب آیا کیوں نہیں، اس کو کونسی چیز روکتی ہے تو اللہ نے تنبیہ فرمائی کہ جتنے دن ڈھیل ملی ہوئی ہے اس کو غنیمت سمجھو، جب وہ عذاب آجائے گا پھر تم سے ہٹے گا نہیں، اس کو پھر ہٹایا نہیں جاسکے گا اور جس چیز کا یہ استھزاء کرتے ہیں وہ ان کو گھیر لے گی عذاب ان کو محیط ہو جائے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت فرمائی کہ انسان عام طور پر بہت ہی عجلت پسند اور موجودہ حال میں مست رہنے والا ہے نہ یہ ماضی کو یاد کرتا ہے اور نہ ہی یہ مستقبل کے متعلق سوچتا ہے عام طور پر انسان کا حال ایسے ہی ہے البتہ جن کو اللہ تعالیٰ صبر واستقامت دیتے ہیں، وہ ایمان لاتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں، اور ان کا حال ایسا نہیں ہوتا۔

انسان کی موجود پرستی کی شکایت:

انسان کی موجود پرستی اس طرح ہے کہ ہم ان کو اگر اپنی طرف سے کوئی رحمت چکھا دیتے ہیں، رحمت سے مراد ایسی حالت جو اس کی منشاء اور مرضی کے مطابق ہے مثلاً اس کو صحت دے دی، دولت دے دی، اولاد دے دی، عزت اور جاہ حاصل ہو گیا اور حالات اس کی مرضی کے مطابق ہو گئے یہ رحمت کا مصداق ہیں، "اذقنا" کا مطلب یہ ہے کہ مزہ چکھا دیا تھوڑے وقت کے لیے، عارضی طور پر جیسے انسان کو کوئی چیز دے دی جاتی ہے اگر ہم انسان کو مزہ چکھا دیں اپنی طرف سے رحمت کا پھر ہم وہ رحمت اس سے چھین لیں، کچھ جھلک دکھلا کے واپس لے لیں تو "انہ لیؤس کفور" پھر یہ مایوس ہو جاتا ہے اور ناشکرا ہو جاتا ہے یعنی مستقبل سے مایوس اور جو نعمت پہلے حاصل تھی اس کے متعلق ناشکرا حالات کی ناسازگاری سے دل اتنا توڑ بیٹھتا ہے، اتنی ہمت ہار بیٹھتا ہے کہ کہتا ہے کہ میں اب تو برباد ہو گیا اب تو سنبھلنے اور سنورنے کی کوئی توقع نہیں ہے، پھر وہ اللہ کی رحمت کی امید نہیں رکھتا، اللہ کے اوپر بھروسہ نہیں کرتا پھر تو وہ ایسے ہے جیسے وہ آس توڑ کے بیٹھ گیا اور جو نعمت اس کو دی تھی وہ اس کو یاد ہی نہیں کہ اللہ کا کبھی میرے اوپر کوئی احسان بھی ہوا تھا اس لیے انتہائی درجے کا ناشکرا ہو جاتا ہے پچھلے جو فوائد پہنچے تھے ان پر کوئی

شکر گزار نہیں ہوتا۔

اور اگر ایسا ہو جائے ہم اس کو تکلیف کے بعد خوشحالی دے دیں، تو یہاں بھی اذقنا کا لفظ ہے کہ پہلے وہ تکلیف میں مبتلاء تھا جیسے بدنی تکلیف ہے مالی تنگی اور حالات ناسازگار ہیں "ضراء" کا مصداق سارے ہو سکتے ہیں اس کے بعد ہم نے اس کو خوشحالی دے دی " لیقو لن ذھب السیئات عنی "تو پھر وہ یہ نہیں سوچتا کہ پہلے جو تکلیف اللہ کی طرف سے آئی تھی اور اب اللہ کی رحمت سے خوشحالی حاصل ہو گئی تو اللہ کی قدرت باقی ہے، تکلیف دوبارہ بھی آسکتی ہے اللہ کی گرفت پھر بھی ہو سکتی ہے اللہ کی قدرتیں ختم نہیں ہو گئیں لیکن اس کو یہ بات یاد نہیں رہتی، وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھ سے سختیاں ختم ہو گئیں اور پھر وہ اترانے لگ جاتا ہے اکڑنے لگ جاتا ہے، اور فخر کرنے لگ جاتا ہے، اس کو یہ یاد ہی نہیں رہتا کہ پہلے جس کی طرف سے تکلیف آئی تھی اس کی طرف سے پھر بھی آسکتی ہے، یہ خوشحالی جو اللہ نے دی ہے یہ بھی زائل ہو سکتی ہے، یہ باتیں اس کو یاد نہیں رہتیں یہی ہے کہ نہ ماضی کو یاد رکھا اور نہ مستقبل کے متعلق کوئی فکر کیا، جو حال موجود ہے اس پر اپنی توجہ کو مرکوز کر کے یہ بے صبرا ہو جاتا ہے اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔

اور اصل کامیاب انسان وہی ہوا کرتا ہے جو حال ہی کو یاد نہیں کرتا ہے بلکہ وہ ماضی کے متعلق اور مستقبل کے متعلق فکر کرتا ہے، اگر موجودہ وقت میں اللہ کی طرف سے کوئی رحمت حاصل ہے، اس کی مرضی کے مطابق عزت ہے، دولت ہے، شہرت ہے، اولاد ہے، جاہ ہے، خوشحالی کے حالات ہیں تو اس انسان کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں اللہ کی گرفت میں آکر یہ چیزیں زائل نہ ہو جائیں، تو جس وقت وہ اس فکر میں رہے گا کہ یہ اللہ کی طرف سے زائل نہ ہو جائیں تو پھر وہ اترائے گا نہیں بلکہ اللہ کا شکر ادا کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف نیازمندی سے پیش آئے گا۔

اور ایسے ہی اگر کوئی تکلیف پہنچ گئی تو اس میں یہ توقع رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو زائل کر دے گا، اللہ کی طرف سے یہ آزمائش ہے تو صبر کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے تو ماضی اور مستقبل کے متعلق اگر اس طرح کے جذبات ہوں تو پھر انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی رہ جائے گا اور ماضی کو یاد رکھنا کہ پہلے کوئی تکلیف پہنچی تھی اب اس کو بھول گئے تو کیا یہ دوبارہ آ ہی نہیں سکتی، اس طرح مستقبل کے متعلق مایوس ہو جانا اور وقتی حالات سے متاثر رہنا یہ اللہ کے ساتھ عدم تعلق کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ یہاں یہی شکایت کرتے ہیں۔

مستثنیٰ لوگ:

آگے مستثنیٰ کیا ہے" الا الذین صبروا و عملوا الصالحات " ہاں البتہ جو صبر کرتے ہیں، جنہوں نے صبر کی خصلت حاصل کر لی اور صبر کا مفہوم آپ کے سامنے کئی دفعہ ذکر کیا گیا ہے اصل میں اس کا مطلب ہوتا ہے "حبس النفس علی ما تکرہ" کہ نفس کو اس کی ناگواریوں پر پابند کرنا، یہ بہت عام مفہوم ہے، گناہ کی طرف نفس رغبت کرتا ہے اور اس کو چھوڑنا ناگوار ہوتا ہے تو نفس کو پابند کر کے رکھو کہ وہ گناہ نہ کرنے پائے نیکیوں کا کرنا ناگوار ہوتا ہے تو اس کو پابند کرو کہ وہ نیکی کرے مصیبت کا سہنا ناگوار ہوتا ہے، شکوہ شکایت کرنے کو دل چاہتا ہے، اس کو پابند کر کے رکھو کہ وہ شکوہ شکایت نہ کرے اتنے عام مفہوم کے ساتھ جب آپ سوچیں گے تو صبر ساری شریعت کے کاموں کو شامل ہو جاتا ہے تو جن کو یہ صبر کی خصلت حاصل ہوگئی اور جو نیک عمل کرتے ہیں یہ نہ تو "لیئوس کفور" کا مصداق ہیں، اور نہ ہی یہ " فرح فخور" کا مصداق ہیں مایوس بھی نہیں ہوتے ہیں، اور ناشکری بھی نہیں کرتے ہیں اور اللہ کی رحمت کے حاصل ہونے کے بعد اتراتے بھی نہیں ہیں اور اکڑتے بھی نہیں ہیں بلکہ ان کی کیفیت صبر و شکر والی ہوتی ہے کہ تکلیف آگئی تو صبر کرتے ہیں اور اگر راحت حاصل ہوگئی تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں دونوں صورتوں میں ہی اللہ کے ساتھ امید کا پہلو رکھتے ہیں ان کو اللہ کی طرف سے آئندہ بھی رحمت حاصل ہوتی رہے گی اور جو تکلیف ہے وہ دور ہو جائے گی اس طرح اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو لگائے رکھتے ہیں یہ ہیں "الذین صبروا و عملوا الصالحات" کا مصداق انہی کے لیے مغفرت ہے اور انہی کے لیے اجر عظیم ہے۔

فلعلك تارك بعض ما یوحیٰ الیك کا مفہوم:

اگلی آیات کا تعلق آپ ﷺ کی تسلی کے ساتھ ہے بایں معنیٰ کہ مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے آپ کے سامنے وہ ماحول ہے کہ ساری دنیا باطل پہ ڈٹی ہوئی تھی اور آپ ﷺ بے یار و مددگار اللہ کی آواز کو بلند کیے ہوئے تھے، سہارا اگر تھا تو اسی باطنی قوت کا تھا اللہ کی طرف سے باقی ظاہری طور کوئی اسباب موافق نہیں تھے اور مشرکین کی طرف سے انتہائی تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں ایسے وقت میں کبھی دل میں یہ خیال آسکتا ہے کہ اللہ کی طرف سے اگر ان کے بتوں کی اتنی مذمت نہ آئے یا یہ جس قسم کے معجزات مانگتے ہیں اور فرمائشیں کر کے مجھے یہ پریشان کرتے ہیں اگر اس قسم کی فرمائشیں پوری کر دی جائیں تو شاید یہ لوگ سیدھے ہو جائیں دل میں ایسا خیال آسکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ

کو یہ تاکید کی کہ آپ اپنے مسلک میں ڈھیلے نہ ہوں یعنی ڈھیلے ہونے کا اندیشہ نہیں پھر بھی تاکید کی ہے جس میں دوسروں کو سنا کر ان کو مایوس کرنا مقصود ہے کہ تم یہ توقع ہی نہ رکھو کہ یہ میرا رسول ڈھیلا ہو جائے گا جب اللہ کی طرف سے قبل از وقت ہی اس قسم کی تاکید آجائے گی تو دوسروں کی امید ختم ہو جاتی ہے۔

شاید آپ چھوڑنے والے ہیں مایوحی کے بعض کو جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے جن میں ایک بڑا حکم تبلیغ اور توحید بھی ہے کہ توحید کی تبلیغ کیجیے ایسا تو نہیں کہ کسی وقت آپ اس کو چھوڑ ہی بیٹھیں گے اور اس کی وجہ سے آپ کا دل ہی تنگ ہو جائے گا بایں معنی کہ ان کی وجہ سے سختی زیادہ ہوتی ہے، مخالفت زیادہ مول لینی پڑتی ہے یہ مطلب اس وقت ہو گا جب بہ کی ضمیر مایوحی کی طرف لوٹائی جائے اور یہ مطلب بھی صحیح ہے اگر بہ کی ضمیر کو مبہم رکھا جائے اور "یقولوا" کو اس کا بیان بنالیا جائے تو ترجمہ ہو گا کہ تنگ ہونے والا ہے آپ کا سینہ اس بات سے کہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا ان کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں آتا، وہ سمجھتے تھے کہ جس طرح دنیا کے اندر کوئی بادشاہ ہوتا ہے وہ اپنی سکیم تب ہی کامیاب کر سکتا ہے جب اس کے پاس خرچ کرنے کے لیے خزانہ ہو تو یہ اگر اللہ کی طرف سے نمائندہ بن کے آئے ہیں تو ان کے پاس بھی بہت بڑا خزانہ ہونا چاہیے کہ لوگوں پر خرچ کر کے اپنی جماعت منظم بنائے یا کوئی باطنی قوت ان کے ساتھ ہو کہ کوئی فرشتہ آئے اور لوگوں کو ڈرائے دھمکائے اور لوگوں کے سامنے شہادت دے اور کہے کہ اگر تم نہیں مانو گے تو عذاب آجائے گا تو ان کے ساتھ یہ فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ ان کے اوپر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ یہ باتیں بھی کہیں آپ کے لیے دل کی تنگی کا باعث نہ بن جائیں ترجمہ دونوں طرح ٹھیک ہے۔ آپ تو نذیر ہیں آپ کا منصب یہ ہے کہ آپ ڈراتے رہیے اللہ کی طرف سے جو احکام آئیں ان کو پہنچاتے رہیے، ہر چیز کے اوپر ذمہ دار تو اللہ ہے، آپ متعین کیے ہوئے وکیل نہیں ہیں کہ اگر یہ نہیں مانیں گے تو آپ پر گرفت ہو جائے یا ان کو سیدھے راستے پر لانا آپ کے ذمہ ٹھہرا دیا گیا ہو ایسی بات نہیں ہے۔

قرآن کریم کا کھلا چیلنج:

اور آگے قرآن کریم کی حقانیت کو بیان کیا گیا ہے جو سرور کائنات ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے کئی دفعہ یہ مضمون آپ کے سامنے آگیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں اس قرآن کریم کو تو نے خود گھڑ لیا ہے آپ فرما دیجیے کہ اگر یہ گھڑا ہوا ہے تو تم بھی تو گھڑ سکتے ہو اور دس سورتیں جو اس جیسی بنائی ہوئی ہوں اور ساتھ ان سب کو بلا لو جن کو تم اللہ

کے علاوہ کی تم طاقت رکھتے ہو یعنی اپنے معبودوں کو اپنے شرکاء کو اور اپنے شفعاء کو جن کو تم نے اپنا فریاد رس اور مشکل کشا سمجھا ہوا ہے ان کو بھی بلالو" ان کنتم صادقین "اس کا مفہوم دو طرح سے ہو سکتا ہے اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ قرآن میرا بنایا ہوا ہے تو اس جیسی دس سورتیں لے آؤ یا اس بات میں سچے ہو کہ یہ شرکاء اور تمہارے شفعاء جو تمہارے کام آسکتے ہیں مشکل کے وقت میں تمہارا ہاتھ بٹا سکتے ہیں اگر تم اس دعوے میں سچے ہو تو ان کو بھی ساتھ شامل کرلو بلالو اور ان کو ساتھ شامل ہونا چاہیے کیونکہ اس قرآن کے آنے کے ساتھ سب سے زیادہ خطرہ تو ان کے شرکاء اور شفعاء کو ہے کہ ان کی خدائی ختم ہو جائے گی اور ان پر زوال آجائے گا، جس طرح تم زور لگا رہے ہو تو ان کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلو، وہ بھی تمہارے ساتھ شامل ہو جائیں۔

"فان لم یستجیبو لکم "اگر یہ تمہاری اس بات کو قبول نہ کریں یعنی تمہاری بات کے مطابق یہ سورتیں بنا کے نہ لائیں تو پھر تم انہیں کہہ دو کہ تم یقین کرلو کہ یہ اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے اس قرآن کے اندر کسی انسان کے علم یا اس کی قدرت کا دخل نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کے ساتھ اتارا گیا ہے اور اس بات کا یقین بھی کرلو کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں " فھل انتم مسلمو ن " یہ تنبیہ کے لیے ہے تو پھر کیا تم فرمانبردار بنتے ہو؟ یعنی واضح دلیل آجانے کے بعد بھی تم فرمانبردار بنتے ہو یا نہیں بنتے ؟۔

من کان یر ید الحیو ۃ الدنیا وزینتھا نو ف الیھم اعما لھم کا مفہوم:

جو شخص دنیاوی زندگی کا ارادہ کرتا ہے اور دنیاوی زیب و زینت چاہتا ہے یعنی اس کی ساری کاروائی اور اس کی کوشش اس کے لیے ہے تا کہ دنیاوی زندگی میں اس کو زیب و زینت حاصل ہو جائے"نو ف الیھم اعما لھم" تو ہم ان کو ان کے پورے ہی اعمال دیتے ہیں اس دنیا میں یعنی جو کچھ کرتے ہیں ان کا ثمرہ ان کو دنیا میں ہی مل جاتا ہے اور اس میں وہ کمی نہیں کیے جاتے، اللہ کی حکمت کے تحت جو جزاء ان کے لیے ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ ان کو عزت یا رزق کی صورت میں دے دیتے ہیں اور ان کے لیے پھر آخرت میں آگ کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا اور جو کاروائیاں یہ کرتے ہیں آخرت میں یہ سب ضائع ہو جائیں گی اور اس وقت بھی یہ باطل اور بے اثر ہیں ان کے اندر کوئی چیز نہیں کیونکہ خلوص نہیں، نیک نیتی نہیں ہے عمل کے اندر جان پڑتی ہے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ پڑتی ہے اللہ کی رضاء کے جذبے کے ساتھ پڑتی ہے جب اللہ کے رضا کا جذبہ نہیں، خلوص نہیں تو ایسی صورت میں وہ

اعمال فی الحال بھی حق نہیں، باطل ہی ہیں۔

"من کان یرید الحیوۃ الدنیا" سے مراد کفار بھی ہیں جو آخرت کے قائل ہی نہیں، کفار بھی بعض نیکیاں کرتے ہیں یتیم پروری، اور غریب پروری، اور صلہ رحمی اور اس قسم کے دوسرے نیک کام اور اس سے ان کا مقصود ہوتا ہے دنیا میں عزت حاصل کرنا، جاہ حاصل کرنا تو اللہ فرماتے ہیں ان کے یہ اعمال دنیا میں پورے کردیے جاتے ہیں اور آخرت میں یہ سارے کے سارے ضائع ہو جائیں گے اور دنیا میں جو کچھ اللہ نے ان کو دینا ہے وہ ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں کمی نہیں کرتے۔ جو ان کے لیے مقدر ہوتا ہے وہ پورا پورا ان کو دے دیا جاتا ہے تو اس کا مصداق کافر بھی ہو سکتے ہیں۔

اور اس کا مصداق ریاکار مسلمان بھی ہو سکتے ہیں تفسیر کے اندر یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ نیکی تو کرتا ہے لیکن اس سے اللہ کی رضاء حاصل کرنا مطلوب نہیں بلکہ وہ دنیا کے فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے جس طرح حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی اللہ کے سامنے پیش ہوں گے جن میں ایک مجاہد اور ایک قاری اور ایک سخی ہے تو اللہ تعالیٰ مجاہد سے کہیں گے میں نے تجھے اتنی نعمتیں دیں تو نے میرے لیے کیا عمل کیا، وہ کہے گا میں نے تیرے راستہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ میں شہید ہو گیا اللہ فرمائیں گے جھوٹ کہتا ہے تو تو اس لیے لڑتا تھا کہ لوگوں میں تیرا چرچا ہو اور بہادری کا چرچا ہو جو تیرا مقصد تھا وہ تجھے حاصل ہو گیا شہرت چاہتا تھا وہ حاصل ہو گئی اب تیرے لیے یہاں کچھ بھی نہیں حکم دیا جائے گا کہ اس کو اٹھا کے جہنم میں پھینک دو۔ قاری قرآن سے پوچھا جائے گا کہ تجھے اتنی نعمتیں دیں تو نے میرے لیے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ اللہ! میں نے تیرا قرآن پڑھا، اور پڑھایا، اور لوگوں کو سکھایا اللہ فرمائیں گے تو نے میرے لیے کچھ بھی نہیں کیا، تو تو قاری مشہور ہونا چاہتا تھا شہرت چاہتا تھا تجھے تیرا مقصود مل گیا پھر اس کو بھی جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور یہی صورت سخی کے ساتھ پیش آئے گی وہ کہے گا جہاں مجھے پتہ چلتا تھا کہ تجھے خرچ کرنا پسند ہے میں وہیں خرچ کرتا تھا تو اللہ فرمائیں گے تو نے میری رضاء تو چاہی ہی نہیں تو تو یہ مشہور ہونا چاہتا تھا کہ فلاں بہت سخی ہے شہرت چاہتا تھا شہرت تجھے مل گئی اور پھر اس کو بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (دیکھیے مشکوٰۃ ۱/۳۳)

اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نیت کے اندر اخلاص نہیں تو ظاہری صورت میں کتنا ہی اچھا عمل

کیوں نہ ہو آخرت میں اس پر ثواب مرتب نہیں ہوگا بلکہ وہ عمل ضائع ہو جائے گا جیسا کہ متفق علیہ روایت ہے آپ نے مشکوٰۃ شریف میں پڑھی " انما الا عما ل با النیا ت "اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے کہ نیت اچھی ہوگی تو اللہ کے ہاں اجر وثواب ملے گا اگر نیت اچھی نہیں تو اجر وثواب نہیں ملے گا تو ریا کار مسلمان کے لیے بھی یہ مذمت آسکتی ہے۔

ہاں البتہ فرق یہ ہوگا کہ یہاں آیا" اولئك الذ ین لیس لهم فی الآ خرة الا النار"، کافروں کے لیے یہ نار دائمی ہوگی اور ریا کار کے لیے بھی ہوگی تو سہی لیکن اگر اللہ چاہیں اپنی رحمت کے ساتھ معاف کر دیں تو ایسا بھی ہوسکتا ہے اور اگر معاف نہ کریں جہنم میں جانا پڑ ہی گیا تو کچھ عرصے کے بعد نجات ہو جائے گی جیسا کہ قرآن کریم کی بہت ساری آیات اور بہت ساری روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مؤمن آخر کار نجات پا جائے گا کافر کے لیے آگ دائمی ہوگی۔

افمن کا ن علی بینة من ربه کا مفہوم:

اب یہاں دونوں فریقوں کا فرق بیان کیا جارہا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے صحیح راستہ پایا اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے صحیح راستہ نہیں پایا تو "افمن کا ن" کے مدمقابل دوسرا محذوف نکال لیا جائے گا کیا یہ شخص اس کی طرح ہے جو ایسا نہیں یعنی دونوں کا حال ایک جیسا نہیں ہے جیسا کہ رکوع کے آخر میں آئے گا، "بینه" کے دو مصداق ہیں یا تو بینہ سے وہ صاف راستہ مراد ہے کہ وہ واضح راستہ جو فطرت صحیحہ سے انسان معلوم کرتا ہے اور اس کے اوپر اللہ کی طرف سے گواہ آگیا قرآن کریم اور اس پر اس سے پہلے کتاب موسیٰ بھی اس بات پر دال ہے تو جو اس فطری راستہ پر ہیں اور پھر قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب سے تائید حاصل کرتے ہیں تو یہی ہیں اس قرآن پر صحیح طور پر ایمان لانے والے۔

اور " بینه "کا مصداق قرآن کریم بھی ہوسکتا ہے پھر شاہد کا معنی ہوگا کہ قرآن کریم سے خود ہی گواہ موجود ہے یعنی اس کے حق ہونے کی گواہی ایک تو خود اس میں موجود ہے جیسے کہتے ہیں کہ آفتاب آمد دلیل آفتاب کہ سورج خود اپنی دلیل آپ ہے تو یہ قرآن کریم بھی اپنے حق ہونے کی دلیل آپ ہے، اس کے اندر اللہ نے اعجاز کی صفت رکھی ہے اس اعجاز کی صفت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ واقعی یہ اللہ کی کتاب ہے اور جس راستہ پر دلالت کرتی ہے وہ

واضح راستہ ہے اور اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب جو امام اور رحمت کا مصداق ہے وہ بھی اس کتاب اللہ کے حق ہونے کی دلیل ہے تو جو لوگ اس بینہ پر قائم ہیں وہی لوگ اس پر صحیح طور پر ایمان رکھتے ہیں اور احزاب میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے گا تو جہنم اس کا ٹھکانہ ہے، احزاب کو یہاں عام ذکر کر دیا گیا جس میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے آنے کے بعد اور اس کتاب کے نازل ہو جانے کے بعد اب دوسرا کوئی طریقہ نجات نہیں، اب چاہے کوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننے والا ہو چاہے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والا ہو یا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنے والا ہو جتنے یہ احزاب ہیں جب تک یہ اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے اور اس موجودہ رسول کو نہیں مانیں گے ان کے لیے نجات نہیں ہے، احادیث کے اندر اس مضمون کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے

" فلا تکن فی مریۃ منه "، یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، لیکن سنانا دوسروں کو مقصود ہے آپ اس قرآن کریم کی طرف سے شک میں نہ ہوں، یہ بالکل سچی بات ہے، تیرے رب کی طرف سے آئی ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں۔

اہل جہنم کا ذکر:

کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جو اللہ پر جھوٹ گھڑتا ہے کہ اللہ کی بات نہ ہو اور اللہ کی طرف منسوب کردی جائے یہی لوگ ہیں جو اللہ کے اوپر افتراء کرتے ہیں، قرآن کریم کو مانتے نہیں، پیش کیے جائیں گے اپنے رب کے سامنے اور گواہ کہیں گے، اس سے انبیاء بھی مراد ہو سکتے ہیں، اور کاتب الاعمال فرشتے بھی مراد ہو سکتے ہیں، وہ کہیں گے یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا، خبردار! اللہ کی لعنت ہو ظالم لوگوں پر اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اللہ کے راستے میں کجیاں تلاش کرتے ہیں، اعتراض پیدا کرتے ہیں، لوگوں کے سامنے ٹیڑھ پیدا کرتے ہیں یعنی اعتراض کی باتیں تلاش کر کے لوگوں کے سامنے ذکر کرتے ہیں کہ دیکھو! اس میں یہ غلطی ہے، یہ غلطی ہے اور اس طرح گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔

یہ لوگ عاجز کرنے والے نہیں ہیں اور نہیں ہے ان کے لیے اللہ کے علاوہ کوئی مددگار، ان کے لیے عذاب کو بڑھایا جائے گا یعنی ایک تو کفر کا عذاب اور دوسرا "صد عن سبیل اللہ " کا عذاب (یعنی اللہ کے راستے سے

روکنے کا عذاب) جیسے جیسے ان کا یہ گمراہ کرنے کا سلسلہ بڑھے گا اسی طرح ان کے عذاب میں بھی اضافہ ہوگا، یہ نہ سننے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ یہ دیکھنے کی طاقت رکھتے تھے یعنی ان میں ضد اور عناد اتنا تھا کہ ان میں حق بات سننے کی طاقت نہیں تھی یوں استعداد ضائع کر بیٹھے تھے اور نہ یہ حق دیکھتے تھے، یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا ہے اور گم ہوگئیں ان سے وہ باتیں جو وہ کرتے تھے اپنی حقانیت کی جو وہ بڑی دلیلیں دیا کرتے تھے کہ یہ اللہ کے شرکاء ہیں اور ہمارے شفعاء ہیں جتنی باتیں کرتے تھے سب ان سے گم ہوگئیں۔

"لا جرم" یہ پکی بات ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں یہ لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ پانے والے ہیں۔

اہل ایمان کا ذکر:

آگے فریق ثانی کا ذکر کردیا جیسا کہ کتاب اللہ کی عادت ہے کہ جب ایک فریق کا ذکر ہوتا ہے ساتھ ساتھ دوسرے کا ذکر کردیا جاتا ہے کیونکہ ضد کے سامنے آنے کے ساتھ چیز کی حقیقت کھلتی ہے" تعرف الا شیاء باضدادھا"، بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے رب کے سامنے جھک گئے، رب کی طرف مائل ہوگئے، ایمان بھی حاصل ہوگیا، اور اخلاص بھی حاصل ہوگیا، اخبات کے اندر اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ تو یہی لوگ جنت والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، دونوں فریقوں کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص تو اندھا ہے اور بہرہ ہے جو نہ دیکھتا ہے اور نہ سنتا ہے اور دوسرا سمیع اور بصیر ہے جس نے حق کو پالیا، اور صحیح راستہ پر آگیا تو وہ سمیع اور بصیر کی طرح ہے اور جس نے حق کو نہیں پایا وہ اندھے اور بہرے کی طرح ہے تو کیا حال کے اعتبار سے دونوں فریق برابر ہوسکتے ہیں یعنی بالکل نہیں ہوسکتے "افلا تذ کرون" کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾

بے شک ہم نے بھیجا نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف، بے شک میں تمہارے لیے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں ﴿۲۵﴾

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾

یہ کہ تم نہ عبادت کرو مگر اللہ کی بے شک میں اندیشہ کرتا ہوں تم پر دردناک دن عذاب کا ﴿۲۶﴾

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا

کہا ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا نوح علیہ السلام کی قوم میں سے کہ نہیں دیکھتے ہم تجھے مگر اپنے جیسا انسان

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ

اور نہیں دیکھتے ہم تجھے کہ پیروی کی ہو تیری مگر ان لوگوں نے جو ہم میں سے گھٹیا ہیں سرسری رائے میں،

وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾

اور نہیں دیکھتے ہم تمہارے لیے اپنے پر کوئی فضیلت بلکہ ہم تجھے جھوٹا سمجھتے ہیں ﴿۲۷﴾

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ

نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے میری قوم تم یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر قائم ہوں اور مجھے عطاء کی ہے

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا

رحمت اس نے اپنے پاس سے اور وہ مخفی رکھی گئی ہو تم پر کیا وہ رحمت ہم تم پر چمٹا دیں حالانکہ تم

كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَیٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى

اس سے نفرت کرنے والے ہو ﴿۲۸﴾ اے میری قوم میں تم سے مطالبہ نہیں کرتا اس تبلیغ پر مال کا۔ نہیں ہے میرا اجر مگر

اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْۤ

اللہ پر اور نہیں ہوں میں دھتکارنے والا ان لوگوں کو جو ایمان لائے بے شک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں لیکن

اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ

میں تمہیں دیکھتا ہوں ان لوگوں میں جو جہالت کرتے ہیں ﴿۲۹﴾ اے میری قوم! کون میری مدد کرے گا اللہ کے مقابلہ میں اگر

طَرَدْتُّهُمْ ۚ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ

میں نے ان کو دور ہٹا دیا کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿۳۰﴾ اور میں نہیں کہتا تمہیں کہ میرے پاس خزانے ہیں

اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ

اللہ کے اور نہ میں غائب کو جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہیں کہتا میں ان لوگوں کو

تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ

جن کو تمہاری آنکھیں حقیر سمجھتی ہیں کہ ان کو اللہ ہرگز نہیں دے گا کوئی بھلائی، اللہ بہتر جانتا ہے جو کچھ ہے

اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا

ان لوگوں کے دلوں میں میں تب ظالموں میں سے ہو جاؤں گا ﴿۳۱﴾ وہ کہنے لگے اے نوح! بے شک تو نے ہمارے ساتھ جھگڑا کیا ہے

فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

پھر تو نے بہت جھگڑا کیا ہے پس لے آ وہ چیز جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے ﴿۳۲﴾

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾

نوح علیہ السلام نے کہا کہ لائے گا تمہارے پاس اس عذاب کو اللہ اگر چاہے گا تو اور تم اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو ﴿۳۳﴾

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ

اور نہیں نفع دے گی تمہیں میری خیر خواہی اگر میں ارادہ کروں کہ میں تم سے خیر خواہی کروں اگر اللہ تعالیٰ کا

يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

ارادہ یہ ہو کہ تمہیں گمراہی میں ڈال دے، وہ تمہارا رب ہے، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿۳۴﴾ یا یہ لوگ کہتے ہیں

افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا

اس کو اس نے گھڑ لیا ہے آپ کہہ دیجیے کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو اس کا جرم مجھ پہ ہی واقع ہوگا اور میں لاتعلق ہوں اس سے

تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ

جو وہ جرم کرتے ہیں ﴿۳۵﴾ وحی کردی گئی نوح علیہ السلام کی طرف کہ بے شک بات یہ ہے کہ ہرگز ایمان نہیں لائے گا تیری قوم میں سے

اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ اصْنَعِ

مگر جو ایمان لاچکے پس تو غمگین نہ ہو ان کاموں کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں ﴿۳۶﴾ بنالے

الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ

کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کی مطابق اور مجھے نہ خطاب کرنا ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا

اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ يَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ

بے شک وہ لوگ غرق کیے جائیں گے ﴿۳۷﴾ وہ کشتی بناتے تھے اور جب بھی گزرتے تھے ان پر

قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ

ان کی قوم کے سردار تو وہ ان سے مذاق کرتے تھے نوح علیہ السلام فرماتے اگر تم ہم سے مذاق کرتے ہو تو ہم بھی تم سے مذاق کرتے ہیں

كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ؕ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ

جیسے تم مذاق کرتے ہو ﴿۳۸﴾ پس عنقریب تم جان لوگے کون ہے وہ شخص جس کے پاس عذاب آجائے گا جو اس کو رسوا کردے گا

وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ

اور اتر پڑے گا اس پر دائمی عذاب ﴿۳۹﴾ حتیٰ کہ جب آگیا ہمارا حکم اور جوش مارا

التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ

تنور نے ہم نے کہا اٹھالے اس کشتی میں ہر چیز کے دو جوڑے اور اپنے گھر والوں کو

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ

سوائے اس کے جس پر تیرے رب کی بات سبقت لے گئی اور اٹھالے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نہیں ایمان لائے اس کے ساتھ

اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ

مگر تھوڑے سے لوگ ﴿۴۰﴾ اور نوح نے کہا کہ سوار ہو جاؤ اس کشتی میں۔ اللہ کے نام کے ساتھ اس کا چلنا ہے اور کا ٹھہرنا ہے

اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَ هِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫

بے شک میرا رب البتہ بخشنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے ﴿۴۱﴾ وہ کشتی چلتی تھی ان لوگوں کے ساتھ ایسی موجوں میں جو پہاڑوں کی طرح تھیں

وَنَادٰی نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا

آواز دی نوح نے اپنے بیٹے کو اور وہ ایک جدا جگہ میں تھے اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا

وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ

اور تو کافروں کے ساتھ نہ رہ ﴿۴۲﴾ وہ بولا میں عنقریب ٹھکانہ پالوں گا پہاڑ کی طرف وہ مجھے بچالے گا

مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ

پانی سے، نوح علیہ السلام نے کہا کہ آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ کے حکم سے مگر وہ جس پر اللہ رحم کرے

وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ

پس حائل ہوگئی ان کے درمیان موج پس وہ غرق کیے ہوئے لوگوں میں سے ہوگیا ﴿۴۳﴾ کہہ دیا گیا کہ اے زمین

ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ

نگل لے اپنا پانی اور اے آسمان رک جا اور پانی خشک کردیا گیا معاملہ پورا ہوگیا

وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾

اور وہ کشتی ٹھہر گئی جو دی پہاڑ پر اور کہہ دیا گیا ظالم لوگوں کے لیے دوری ہے ﴿۴۴﴾

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ

اور پکارا نوح علیہ السلام نے اور کہا میرے رب! میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ

الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ

سچا ہے اور تو ہی تمام حکم دینے والوں میں سے سب سے بڑا حکم دینے والا ہے ﴿۴۵﴾ اللہ نے فرمایا کہ اے نوح! وہ تیرے اہل میں سے نہیں

اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖۗ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

بے شک اس کا کردار اچھا نہیں ہے مجھ سے سوال نہ کر ایسی چیز کے متعلق جس کا تجھے علم نہیں

اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ

بے شک میں تجھے نصیحت کرتا ہوں اس بات سے کہ تو ہو جائے نادانوں میں سے ﴿۴۶﴾ نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے رب! میں پناہ پکڑتا ہوں تیری

اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَ تَرْحَمْنِيْۤ اَكُنْ مِّنَ

کہ میں پوچھوں ایسی چیز کے متعلق جس کا مجھے علم نہیں اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں ہو جاؤں گا

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ

خسارہ پانے والوں میں سے ﴿۴۷﴾ کہہ دیا کہ اترو سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکات کے ساتھ تجھ پر بھی اور ان جماعتوں پر بھی

مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ

جو ان لوگوں میں سے ہیں جو تیرے ساتھ ہیں اور کچھ جماعتوں کو ہم فائدہ پہنچائیں گے پھر پہنچے گا انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب ﴿۴۸﴾ یہ

مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَاۤ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ

غیب کی خبروں میں سے ہے ہم ان خبروں کو آپ کی طرف وحی کرتے ہیں نہیں جانتے تھے اس سے

مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ ع

پہلے آپ اور نہ آپ کی قوم پس آپ بھی مستقل مزاج رہیے، اور بے شک اچھا انجام متقین کے لیے ہی ہے ﴿۴۹﴾

تفسیر

گزشتہ امتوں کے واقعات ذکر کرنے کا مقصد:

یہ دو رکوع حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ پر مشتمل ہیں اور اسی سورت میں آگے جو رکوع آرہے ہیں ان میں بھی مختلف قوموں کے واقعات ہیں جو انبیاء کے ساتھ پیش آئے اور ان واقعات کو پیش کرنے سے مخاطبین کو تنبیہ کرنا مقصود ہے اور موافقین کے لیے تسلی کا پہلو ہے کیونکہ انبیاء جو آئے اور کافر قوموں کے ساتھ ان کا واسطہ پڑا تو جس قسم کے حالات پیش آئے تھے بعینہٖ اس قسم کے واقعات کا سامنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا ۔ تو جب ایک واقعہ ذکر کیا جائے اور اس قوم کے حالات اس موجودہ دور میں موجود ہیں تو مخالفین کے لیے اس واقعہ میں تنبیہ کا پہلو ہوگا اور موافقین کے لیے یہی واقعات ہمت افزائی کا ذریعہ بن جائیں گے۔

تمام انبیاء کے مشترکہ احوال:

سب سے پہلے تو یہ بات آئے گی کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے صرف یہی

نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی یہ سلسلہ چلا آرہا ہے جیسا کہ آپ کے سامنے سورۃ احقاف میں آئے گا" ما کنت بد عا من الر سل " کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں مجھ سے پہلے بھی رسول آئے ہیں، یہ سلسلہ اللہ کی طرف سے جاری ہے تو ارسلنا نو حا کے اندر اسی سلسلہ رسالت کا ذکر تو ہو ہی جائے گا پھر آنے والے پیغمبر نے چونکہ قوم کے سامنے توحید کی ہی دعوت دی تو عقیدہ توحید کے متعلق بھی پتہ چل جائے گا کہ یہ مسلسل ہے جیسا کہ سورہ انبیاء میں آپ کے سامنے یہ الفاظ آئیں گے" و ما ارسلنا من قبلك من رسول الا نو حی الیه انه لا اله الا انا فا عبدو ن " جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بات ذکر کردی کہ " لا اله الا انا فا عبدو ن "یہ تمام انبیاء کا متفق علیہ فتوی ہے، یہ کسی ایک کی بات نہیں ہے، تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم کا نکتہ یہی تھا کہ " لا اله الا انا فا عبدو ن "ان کے پاس یہی چیز وحی کی گئی تھی تو اس سے مسئلہ توحید کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے اور اس عقیدہ کا تسلسل واضح ہوتا ہے کہ انبیاء کسی علاقہ میں آئے، کسی قوم میں آئے، کسی زبان میں آئے یہ مضمون ان کے درمیان مشترک ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی ہے تو سرور کائنات ﷺ بھی یہی بات کہہ رہے ہیں تو آپ بھی اسی سلسلے کے ایک فرد ہیں اس سے آپ کی تبلیغ اور عقیدہ کا تسلسل معلوم ہوگا تو واقعہ کے ضمن میں یہ بات بھی آجائے گی۔

اور پھر ہر نبی نے اپنی قوم کو برے انجام سے ڈرایا کہ اگر یہ عقیدہ نہیں اپناؤ گے اور اس قسم کی تعلیم حاصل نہیں کرو گے جو آپ کو دی جارہی ہے تو اللہ کی طرف سے عذاب آنے کا اندیشہ ہے بالکل بعینہ اس قسم کی گفتگو انبیاء کرام علیہم السلام فرماتے تھے جیسے مشکوۃ شریف میں کتاب الایمان ص ۲۸ میں آپ نے پڑھا آپ نے فرمایا کہ "انی انا النذیر العریان" (مشکوۃ ج ۱ ص ۲۸، بخاری ج ۲ ص ۹۶۰) میں تمہارے لیے بالکل ننگا ڈرانے والا ہوں جس طرح اس زمانہ میں عادت ہوتی تھی کہ خطرہ کے وقت لوگ اپنی قوم کو بہت شدت کے ساتھ ڈراتے تھے اور کپڑے اتار کے ہوا میں لہرانے لگ جاتے تھے تو اس طرح میں بھی واضح طور پر ڈرانے والا ہوں تو اس روایت میں "النذیر العریان" کا جو لفظ آیا ہے تو اس میں اس شدت کی طرف اشارہ ہے کہ کتنا شدید خطرہ ہے جو انبیاء محسوس کرتے ہیں کہ ہم تو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ عذاب آرہا ہے اور اس طرح بے چینی کے ساتھ اپنی قوم کو ڈراتے ہیں۔

ان حالات کے اندر بالکل تسلسل ہے جیسے حالات سرور کائنات ﷺ کے ساتھ پیش آرہے تھے ایسے ہی حالات پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی پیش آئے ہیں اور قوم نے آگے سے جو کچھ کہا وہ بھی کوئی نئی بات نہیں تھی بلکہ

پہلے بھی یہی حالات تھے۔

یہ آگے اشکال ہے جو قوم کو وڈیروں کی طرف سے پیش آیا، اس کا مطلب یہ ہے سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کی مخالفت کرنے والے یہی لوگ ہوتے ہیں جو وقت کے چوہدری اور وڈیرے ہوتے ہیں انبیاء علیہم السلام کا رخ بھی پہلے انہی کی طرف ہوتا ہے اور سب سے زیادہ ٹکرائے بھی یہی ہیں اور ان کے ٹکرانے کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ یہ اقتدار میں ہوتے ہیں، مال کی وسعت ان کو ہوتی ہے خواہشات کے بندے ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم بالکل اس کے برعکس آتی ہے، ان کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ اگر ہم یہ بات مانتے ہیں تو ہماری خواہشات ختم ہوتی ہیں، جس قسم کے مزے اور لذتیں ہم اڑا رہے ہیں ان کے اوپر پابندی لگتی ہے، آج ہم سردار ہیں اگر اس کا کلمہ پڑھ لیں گے تو کل یہ سردار بن جائے گا، ہمارا اقتدار چھن جائے گا تو اقتدار جاتا ہوا نظر آتا ہے، خواہشات پہ پابندی لگتی ہے اور یہی مشکل ہے جس کی بناء پر وہ انکار کرتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں جو غرباء اور مساکین کا طبقہ ہوتا ہے ایک تو ان کو عیش کے اتنے اسباب حاصل نہیں ہوتے ہیں کہ دعوت حق قبول کرنے کی وجہ سے ان کے چھوٹنے کا اندیشہ ہو، ان کو کوئی اقتدار حاصل نہیں ہوتا، صاحب اقتدار اور سردار نہیں ہوتے کہ ان کو یہ خطرہ ہو کہ ہمارا اقتدار چھن جائے گا اس لیے یہ موانع جب ان میں نہیں پائے جاتے ہیں تو حق بات جب ان کے سامنے آتی ہے تو رکاوٹیں موجود نہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ فطری طور پر وہ متواضع ہوتے ہیں، ان کے اندر تکبر نہیں ہوتا تو اس حقیقت کو قبول کر لیتے ہیں۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ ابتداء سے انبیاء کے ساتھ معاملہ ایسا ہی ہوا ہے کہ انہوں نے خطاب سب سے پہلے سرداروں اور وڈیروں کو کیا ہے اور وہی سردار اور وڈیرے ہی ٹکرائے اور ان کی تعلیمات کو قبول کرنے والا سب سے پہلا طبقہ ضعفاء کا ہوتا ہے، وہ کثرت کے ساتھ اس دعوت پہ لبیک کہتے ہیں کیونکہ ان کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں آپ پڑھیں گے، ایک لمبی روایت آئے گی ہرقل کے بارے میں جب اس نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کے حالات کی کچھ تحقیق کرنا چاہی تو اس میں اس نے ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ ان پر ایمان کیسے لوگ لائے ہیں، شرفاء ایمان لائے یا ضعفاء ایمان لائے؟ تو حضرت ابوسفیان نے جواب دیا تھا کہ ضعفاء قسم کے لوگ ایمان لائے ہیں جو کہ کمزور سمجھے جاتے ہیں تو ہرقل نے اس کے جواب پہ تبصرہ یہی کیا تھا کہ تاریخ یہی بتاتی ہے کہ انبیاء کی اتباع کرنے والے اکثر یہی لوگ ہوتے ہیں۔

اور پھر ضعفاء ماننے والے تھے اور مشرکین آپ ﷺ کے سامنے یہی اشکال کرتے تھے کہ یہ مجلس میں بیٹھے ہوں تو ہم ان کے ساتھ آ کے بیٹھ نہیں سکتے، اگر ہم آپ کو مانتے ہیں تو ہمیں ان لوگوں میں شامل ہونا پڑے گا جب کہ ان کے ساتھ شامل ہونا اور ان کے ساتھ مل کے بیٹھنا ہم اپنی توہین سمجھتے ہیں اس لیے جب ہم آئیں تو آپ ان کو مجلس سے اٹھا دیا کرو تب ہم آپ کی بات سن سکتے ہیں ورنہ جہاں یہ مساکین بیٹھے ہوں گے تو وہاں ہم بیٹھ کے بات نہیں سن سکتے۔ یہ ہماری حیثیت کے خلاف ہے کہ ہم ان کے ساتھ شامل ہو کے بیٹھیں مشرکین نے حضور ﷺ سے یہ مطالبہ بھی کیا تھا جیسے قرآن کریم کی بہت ساری آیات میں اس مضمون کا ذکر کیا گیا ہے " و ا صبر نفسك مع ا لذین ید عو ن ربھم با لغدا ۃ و العشي " اور اس طرح سورہ انعام میں بھی آیا تھا " ولا تطر د الذ ین ید عو ن ربھم " تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے رؤساء بھی اس قسم کے مطالبات کرتے تھے۔

اور ان کے اشکالات میں یہ اشکال بھی عام ذکر کیا گیا ہے " ابعث الله بشر ا رسو لا " کیا بشر کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا دیا؟ اس بشر میں کیا خصوصیت ہے کہ جس کی بناء پر اس کو رسول بنا کر بھیج دیا گیا ہے، سرور کائنات ﷺ کے مخاطبین جو مشرک تھے وہ بھی بالکل اس قسم کے اعتراضات کرتے تھے اور یہی اعتراض قوم نوح نے کیے تھے اور نوح علیہ السلام نے ان کو جواب دیا تھا تو قوم نوح کی طرف سے اعتراضات کا نقل کرنا اور پھر نوح علیہ السلام کی طرف سے جوابات کا آنا یہ گویا کہ ان واقعات کے مطابق بھی سرور کائنات ﷺ کی تائید ہے کہ پہلے کافروں اور مشرکوں نے بھی ایسے اشکالات کیے تھے اور ان کو انبیاء علیہم السلام نے جوابات دیے تھے تو آپ بھی یہی جواب دیجئے اگلی آیات کے اندر اس قسم کے اشکالات کا ذکر آیا ہوا ہے۔

قوم نوح کے سرداروں کے اعتراضات:

تو اس قوم میں سے جو کافر تھے ان وڈیروں نے کہا کہ نہیں دیکھتے ہم تجھے مگر اپنے جیسا ہی بشر تو بشر اللہ کا رسول کیسے ہو گیا یعنی وہ حضرت نوح علیہ السلام کو بشر مانتے تھے اور رسالت کا انکار کرتے تھے کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا گویا کہ ان کے ذہن میں منافات تھی اب کوئی کہے کہ رسول تو ہیں لیکن بشر نہیں چاہے یہ معاملہ الٹ کر دیا کہ وہ کہتے تھے کہ بشر ہے رسول نہیں اور اگر اب کوئی کہے بشر ہے رسول نہیں بظاہر تو یہ معاملہ مشرکین سے برعکس معلوم ہوتا ہے لیکن ذہن ایک ہے جس طرح وہ بشر اور رسالت میں منافات سمجھتے تھے یہ بھی بشر اور رسالت میں منافات سمجھتے

ہیں کہ اللہ کا رسول ہو اور بشر ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے چاہے ادھر سے بات کر لو چاہے ادھر سے بات کر لو بات ایک جیسی ہے کہ جیسے وہ سمجھتے تھے کہ بشر ہو کے اللہ کا رسول نہیں ہو سکتا یعنی درمیان میں مرکزی بات ایک ہی ہے کہ دونوں کے درمیان منافات سمجھتے تھے تو انہوں نے یہ اشکال کیا کہ ہم تو انہیں اپنے جیسا بشر دیکھتے ہیں۔

اور پھر جو پیچھے لگنے والے ہیں وہ سارے کے سارے ایسے لوگ ہیں جو ہم میں سب سے گھٹیا سمجھے جاتے ہیں، محنت مزدوری کرنے والے جو ہمارے گھروں میں کام کرتے ہیں، جن کو ڈھنگ کا کھانا میسر نہیں، پہننا میسر نہیں، رہنے کے لیے محلات نہیں، دنیا کی عیش و عشرت حاصل نہیں اس قسم کے چار آدمی اگر پیچھے لگ گئے تو یہ بھی صداقت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ تو ایسے ہیں جن کو دنیا کے معاملات کی سوجھ بوجھ نہیں ہوتی، غور و فکر کر کے بھی یہ صحیح بات معلوم نہیں کر سکتے چہ جائے کہ بغیر سوچے سمجھے کسی کے پیچھے لگ گئے۔ ایک آدمی نے دعویٰ کیا تو اس قسم کے چار آدمیوں نے اس کی تائید کر دی تو اس سے آپ کی حقانیت کس طرح ثابت ہوتی ہے؟ ان آیات میں آپ یہ بات دیکھیں کہ انبیاء کو ماننے والے اور دین کو قبول کرنے والے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہی دن سے ہی ایسے لوگ ہیں جن کو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ گھٹیا اور کمی قسم کے لوگ ہیں، پہلے ہی سے اس قسم کا ذہن چلا آ رہا ہے اور آج بھی حالات اس قسم کے ہیں کہ اللہ کا دین صحیح معنی میں موجود ہے اور اس کو قبول کرنے والے اکثر و بیشتر مساکین قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ دولت انہی کے حصے میں رکھی ہے تو اس میں کوئی غم اور فکر کی کوئی بات نہیں، پہلے ہی سے رواج اسی طرح چلا آ رہا ہے اور کافر جن کے دل میں نبی کی قدر نہیں ہوتی ہے نبی کے دین کی قدر نہیں ہوتی ہے وہ ہمیشہ ان کو تحقیر کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور آج بھی اگر تحقیر کریں تو عین تاریخ کے مطابق ہے کوئی نیا واقعہ نہیں ہے کہ اس دین کو قبول کرنے والے اکثر و بیشتر مساکین ہوتے ہیں اور سردار قسم کے لوگ اس دین سے دور دین داروں کا مذاق اڑانا ان پر آوازیں کسنا آج بھی اس طرح جاری اور ساری ہے۔

تو یہ تاریخی تسلسل ہے اس لیے اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو دین قبول کرنے کی توفیق دے دی تو لوگوں کے طعن و تشنیع سے گھبرانے کی کوئی بات نہیں، یہ دیکھو! کہ کب سے دنیا بنی ہے اور کب سے یہ نظام چلا آ رہا ہے "ما نری لکم علینا من فضل" ہم تمہارے لیے اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے تو ہم تجھے کس طرح اللہ کا رسول مان لیں؟ "بل نظنکم کاذبین" بلکہ ہم تو تجھے جھوٹا سمجھتے ہیں کہ ایسے ہی رعب بنانے کے لیے اس قسم کے دعوے

کرر ہاہے بڑا بننا چاہتے ہو اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہو اس لیے اس قسم کی باتیں کرنی شروع کر دیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے جواب:

حضرت نوح علیہ السلام کہتے ہیں اے میری قوم! مجھے اللہ کی طرف سے بینہ حاصل ہے، میں اپنے دعوے پر دلیل رکھتا ہوں، میرے پاس معجزہ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت عطا کی ہے تم یہ سوچو یہ چیزیں میرے پاس موجود ہوں کہ میں واضح راستہ پر ہوں، اور میرے پاس اپنے مسلک کو واضح کرنے کے لیے ایک واضح دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی مجھے حاصل ہے لیکن تم ہی اندھے ہو گئے اور یہ چیزیں تم پر مخفی ہو گئیں، تم ان کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے ہو تو میں زبردستی کیسے مسلط کر دوں تمہیں ذرا دھیان کر کے اور آنکھیں کھول کے آؤ تو سہی ان باتوں کو سمجھنے کی کوشش تو کرو طلب حق اگر تمہارے اندر ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں سب کچھ سمجھا دے گا لیکن اگر تم ہی آنکھیں بند کر لو نہ دلیل پر توجہ دو، بس یہ بات آ گئی کہ گھٹیا لوگوں نے مان لیا اور یہ بات کہ تم بھی ہماری طرح انسان ہو بھائی جو بات میں کہہ رہا ہوں جس حق کا دعویٰ کر رہا ہوں نہ بشریت اس کے منافی ہے اور نہ گھٹیا قسم کے لوگوں کا اس کو ماننا اس کے منافی ہے اور نہ ہمارے اندر اس قسم کی فضیلت کا ہونا ضروری ہے کہ جس قسم کا تم کہتے ہو فرشتے ہوتے یا تمہارے پاس خزانے ہوتے یہ سب باتیں غیر ضروری ہیں، دلیل کے ساتھ بات سمجھنے کی کوشش کرو توجہ کرو گے تو بات سمجھ میں آ جائے گی اگر تم توجہ نہیں کرو گے تو میں زبردستی تم پر مسلط نہیں کر سکتا۔

اور پھر یہ بھی سوچو کہ میں نے جو اس قسم کی باتیں کرنا شروع کر دیں میرا مقصد کیا ہے؟ تم یہی خیال کرو گے کہ میں کوئی مال کمانا چاہتا ہوں تو میں تم سے کوئی کسی قسم کی اجرت نہیں مانگتا کہ میں تمہاری خدمت کرتا ہوں تبلیغ کرتا ہوں تم مجھے پیسے دو اے میری قوم! میں تم پر کسی اجرت کا اس پر کوئی سوال نہیں کرتا ہوں میرا اجر اللہ کے ذمہ ہے یہ میرے اخلاص کی علامت ہے کہ مجھے کوئی پیسے نہیں چاہئیں اور اور کوئی اجرت نہیں مانگتا جو بات کہہ رہا ہوں خیر خواہی سے کر رہا ہوں اگر میرا درمیان میں کوئی مطلب ہوتا کہ میں اس کا معاوضہ لینا چاہتا ہوں تو تم کہہ سکتے تھے کہ دولت اکٹھی کرنے کے لالچ میں سب کچھ کرنا شروع کر دیا ہے۔

باقی رہی یہ بات یہ کہ گھٹیا قسم کے لوگ ہیں، اگلے لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطالبہ تھا کہ ان کو پاس نہ بیٹھنے دیا کرو بس جب ہم آئیں تو یہ لوگ مجلس میں نہ بیٹھیں اس کا جواب اگلے الفاظ میں دیا گیا ہے کہ یہ ایمان

لانے والے لوگ ہیں اور میں ان کو دور نہیں ہٹا سکتا، میرے پاس برتری ایمان اور نیکی کی وجہ سے ہے، میں کسی کے مال اور دولت سے متاثر ہو کر کسی کو برتر سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوں میں تو اپنے پاس انہی کو بٹھاؤں گا جو ایمان لائے ہیں، میں ان کو دور ہٹانے والا نہیں ہوں یہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں، یہ تو شاہی لوگ ہیں، جب یہ شاہی لوگ ہیں اپنے رب کے پاس جائیں گے، اگر میں نے ان کے ساتھ کوئی اس قسم کا برا سلوک کیا تو وہاں جا کے میری شکایت کریں گے تم جاہل لوگ ہو، اور تم یہ سمجھتے ہو کہ مال و دولت ہی سب کچھ برتری کی علامت ہے ایسی بات نہیں، اللہ کے ہاں برتری کی علامت ایمان ہے جو ایمان لاتا ہے وہ اللہ کے ہاں اشراف میں سے سمجھا جاتا ہے، یہ دنیا کے سامان پر فخر کرنا اور اپنے آپ کو برتر سمجھنا یہ تمہاری جہالت ہے، میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہلانہ باتیں کرتے ہو جاہلانہ حرکتیں کرتے ہو، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ جس مجلس میں غریب شخص بیٹھا ہو ہم اس میں بیٹھنے کے لیے تیار نہیں، اتنا غرور، اور اتنا تکبر یہ سب جہالت ہے اور اگر میں ان کو ہٹاؤں جیسا کہ تمہارا مطالبہ ہے تو میں اللہ کی گرفت میں آجاؤں گا تو اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے میری مدد کون کرے گا؟" افلا تذکرون" کیا تم اس بات کو سمجھتے نہیں ہو؟

اور میں تمہیں یہ بات نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں عالم الغیب ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں واقعی میں ایک بشر ہوں جیسا کہ تم سمجھتے ہو اور نہ میں ان لوگوں متعلق کہتا ہوں جن کو تمہاری آنکھیں حقیر سمجھتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو کوئی بھلائی نہیں دے گا، اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اگر میں ان کے متعلق ایسی باتیں کروں گا یا تمہارے کہنے کے مطابق ان کو مجلس سے اٹھا دوں گا تو میں بے انصاف لوگوں میں سے ہو جاؤں گا میں تو ظالم بن جاؤں گا اس لیے میں ایسی حرکتیں نہیں کر سکتا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم سے آخری مکالمہ:

دلیل کے ساتھ ان لوگوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا آخر وہی جاہلیت والی بات کہنے لگے اے نوح علیہ السلام تو نے ہم سے جھگڑا کر لیا اور بہت جھگڑا کر لیا، ہمارے ساتھ جھگڑا کرتے ہوئے بہت دن ہو گئے۔ لے آ ہمارے پاس وہ چیز جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے۔ آئے دن ڈراتے رہتے ہو کہ عذاب آجائے گا عذاب آجائے گا، اگر تو سچا ہے تو لے آ اس عذاب کو۔ جب کوئی قوم اس حد تک پہنچ جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوتا

ہے کہ اب یہ قوم نہیں مانے گی اب یہ اللہ کی گرفت میں آ کر ہی رہیں گے لیکن نوح علیہ السلام نے پھر یہی جواب دیا کہ تم جو کہتے ہو کہ لے آ، یہ لانا میرے اختیار میں نہیں ہے میں تو وہی بات کہتا ہوں کہ جو اللہ کی طرف سے معلوم ہوتی ہے اگر اللہ چاہے گا تو عذاب کو لے آئے گا اگر چاہے گا تو۔ اور پھر تم عاجز نہیں کر سکو گے اور میں تمہارے ساتھ خیر خواہی کر رہا ہوں لیکن میری خیر خواہی تمہیں کوئی نفع نہیں دے گی اگر میں ارادہ کروں تمہارے ساتھ خیر خواہی کرنے کا اگر اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ وہ تمہیں گمراہی میں ڈالے تو وہ تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے تمہارا یہ معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، میں اپنے طور پر خیر خواہی میں کمی نہیں کر رہا ہوں لیکن میری خیر خواہی تمہارے کس کام آئے گی جب تم اللہ کے سامنے تواضع نہیں کرتے اللہ کے سامنے جھکتے نہیں اور تمہاری اکڑ کے نتیجہ میں اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ تمہیں گمراہی میں ڈال دے تو میں تمہارے سامنے جتنی مرضی جگر سوزی کروں تمہارے ساتھ خیر خواہی کروں یہ تمہارے کسی کام نہیں آئے گی۔

ام یقولون افتراہ کا مفہوم:

اس میں دونوں احتمال ہیں کہ یہ سرور کائنات ﷺ کے متعلق ہے یا حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق۔ کیا یہ کہتے ہیں اس کو اللہ کے رسول نے گھڑ لیا، آپ کہہ دیجیے کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو میرا جرم کرنا مجھ پہ واقع ہو گا اور میں لاتعلق ہوں ان جرموں سے جو تم کرتے ہو تمہارا جرم مجھ پہ واقع ہونے والا نہیں ہے یا نوح کے متعلق وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ باتیں اس نے خود تراش لیں ہیں جو کچھ یہ کہتا ہے یہ سب اس کی تراشی ہوئی باتیں ہیں تو نوح علیہ السلام سے کہا جا رہا ہے کہ آپ انہیں کہہ دیجیے کہ اگر میں نے خود تراشی ہے تو اس کا وبال مجھ پہ ہی پڑے گا اور جو جرم تم کرتے ہو اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں پیغمبر ہونے کی حیثیت سے ساڑھے نو سو سال ٹھہرے " فلبث فیھم الف سنة الا خمسین عاما " ہزار میں سے پچاس نکال کے ساڑھے نو سو سال حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ٹھہرے اور سمجھانے کے جتنے طریقے بھی عقلاً ممکن تھے ان طریقوں کے ساتھ انہوں نے قوم کو سمجھایا جس کی تفصیل آپ کے سامنے انتیس ویں پارے میں سورۃ نوح کے اندر آئے گی لیکن قوم مقابلہ میں ڈٹی رہی اور ان کے پانچ معبود تھے جن کا ذکر اس سورت میں ہے، ان کے بڑے اپنی قوم کو کہتے تھے کہ ان پانچ بتوں کو چھوڑنا نہیں ہے انہوں نے تہیہ کر

لیا کہ ان پانچ کو چھوڑنا نہیں ہے یہ پانچ ان کے معبود تھے جن کے بارے میں بخاری شریف میں آتا ہے کہ یہ اصل کے اعتبار سے نیک آدمی تھے جب یہ مر گئے تو یادداشت کے طور پر ان کی تصویریں تراش کے رکھ لیں اور پھر آہستہ آہستہ انہی کو ہی معبود بنالیا۔

قوم نوح کے انجام کی خبر:

حضرت نوح علیہ السلام نے بہت تبلیغ کی لیکن آخر اللہ تعالی کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ اطلاع دے دی گئی جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی کر دی گئی کہ ہرگز نہیں ایمان لائے گا اور کوئی تیری قوم میں سے مگر جو ایمان لا چکے ہیں یعنی "من قد آمن "جو لوگ ایمان لا چکے اب ان کے علاوہ کوئی اور ایمان نہیں لائے گا جب یہ اطلاع ہو گئی تو اس قوم میں سے جو کام کے لوگ تھے وہ منتخب ہو گئے اور باقی قوم سے اب توقع نہیں ہے تب حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالی کے سامنے بددعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اس بددعا کا ذکر بھی اس سورت میں ہے" لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا "اے رب! تو نہ چھوڑ زمین میں کوئی کافر کیونکہ اگر کوئی کافر چھوڑ دے گا تو آئندہ یہ کافر اور فاجر ہی جنیں گے، جب اللہ تعالی کی طرف سے یہ اطلاع آگئی کہ اب اس قوم میں سے کوئی اور ایمان نہیں لانے والا تو آئندہ جو ان کی نسل چلے گی تو اس میں بھی فاسق اور فاجر ہی ہوں گے تو اس قسم کے گندے عنصر کو باقی رکھنے کی کیا ضرورت ہے اب انہیں ختم کر دے اور ایسے ہی حضرت نوح علیہ السلام کا بددعا یہ جملہ سورت قمر میں بھی ہے" انی مغلوب فانتصر " اے اللہ میں ان کے سامنے مغلوب ہو گیا، میں ان کے مقابلہ میں ہار گیا تو ہی ان سے انتقام لے، تو ہی ان سے بدلہ لے تو جس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے بددعائیں کیں اور یہ نوبت اس وقت آئی کہ اب تیری قوم میں سے کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے تو پھر اللہ تعالی کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ کہا گیا کہ آپ غم نہ کیجیے، آپ اپنے کام میں لگے رہیے، ظالموں کے غرق ہونے کا وقت آ گیا ہے اس لیے جب یہ غرق ہونے لگیں گے تو پھر مجھے ان کے بارے میں خطاب نہ کرنا اب ان کا معاملہ طے ہو گیا اب یہ ڈبو دیے جائیں گے۔

صنعت کا علم بھی وحی کے ذریعہ سے نازل ہوا:

اور جس وقت یہ طوفان آئے گا، مغرقون کے اندر یہ بتا دیا گیا کہ اب یہ ڈبو دیے جائیں گے تو حضرت

نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچانے کے لیے ظاہری سبب کی تلقین فرمائی کہ کشتی تیار کرلو ہماری حفاظت میں ہماری آنکھوں کے سامنے، اور ہماری ہدایت کے مطابق، کہتے ہیں کہ یہ پہلی کشتی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام نے بنائی تھی، کشتی کی صنعت کی ابتداء حضرت نوح علیہ السلام سے ہوئی ہے، وہ کشتی بہت لمبی چوڑی تھی، اور اس کی دو تین منزلیں تھیں جیسا کہ تفاسیر میں مذکور ہے کہ پھر اس میں حیوانات بھی سوار کے لیے اور مؤمنین بھی سوار کر لیے تو یہ صنعت حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوئی ہے جیسا کہ حضرت مفتی شفیع صاحب نے لکھا ہے کہ یہ جتنی بھی گاڑیاں ہیں ان سب کا دارومدار پہیے اور دھرے پر ہے کہ ایک دھرا ڈال کے اس میں پہیے چلتے ہیں چاہے وہ کار ہے، چاہے وہ بس ہے، چاہے وہ ٹرک ہے، چاہے وہ موٹر سائیکل ہے، ریل گاڑی ہے، سائیکل ہے ان سب کا دارومدار پہیے اور دھرے پر ہے کہتے ہیں کہ کمال تو اس شخص کا ہے جس نے سب سے پہلے پہیے اور دھرے کو ایجاد کیا جس سے آگے ترقی کرتے ہوئے چاہے کتنی ہی بڑی بڑی سواریاں بن گئیں لیکن اس سے استغناء نہیں ہو سکتی کہ آپ کے بحری جہاز بھی ابتداءً پہیے پر ہی چلتے ہیں اور یہ پہیہ اور دھرا حضرت آدم علیہ السلام کی ایجاد ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے بوجھ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے اس کو ایجاد کیا جس کے ساتھ بوجھ کا منتقل کرنا آسان ہو گیا اسی طرح یہ کشتی والی صنعت حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ابتداءً ہدایات وحی کے ذریعہ سے دی ہیں، یہاں بھی وحی کے ذریعہ سے کشتی کی تلقین کی ہے اور کہا کہ ہماری حفاظت میں اور ہماری ہدایات کے مطابق کشتی تیار کیجیے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا کشتی بنانا اور کافروں کا مذاق اڑانا:

حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنانے لگ گئے یا بنوانے لگ گئے مفسرین نے دونوں باتیں لکھیں ہیں خود بناتے ہوں تو بھی ٹھیک ہے کہ لکڑیاں کاٹیں پھر ان کو تراشا پھر ان کو جوڑا کیونکہ قرآن کریم میں کشتی کو جو ہیئت ذکر کی گئی ہے وہ ہے "ذات الواح" وہ تختیوں والی میخوں والی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میخوں کا تصور بھی آ گیا تھا لوہے کا کام بھی شروع ہو گیا تھا اور پھر لکڑی کے تختے بنانے کے لیے جس قسم کے اوزار کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی اس وقت آ گئے تھے لکڑیاں چیر چیر کے میخیں لگا لگا کے کشتی بنالی۔

جس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنانی شروع کی یا اپنی نگرانی میں بنوانی شروع کر دی تو وہ لوگ پاس

سے گزرتے اور جب بھی پاس سے گزرتے تو مذاق کرتے کہ لو جی پیغمبری کرتے کرتے اب درکھانوں کا کام شروع کر دیا ہے، پانی کہیں ملتا نہیں، لوگ پینے کو ترس رہے ہیں بارش ہو نہیں رہی اور ان کو ڈوبنے کا اندیشہ ہو رہا ہے، یہ کشتی بنا رہے ہیں اب ریت کے ٹیلوں پر بھی کشتی چلے گی اس قسم کے فقرے بول کے مذاق اڑاتے ہوں گے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے جواب ملتا کہ آج تم ہنس لو بہت قریب وقت آرہا ہے کہ جب تمہاری حالت مضحکہ خیز ہو گی یا یہ ہے کہ تم ہم پر ہنس رہے ہو اور ہم تم پر ہنس رہے ہیں کہ کیسے بیوقوف لوگ ہیں اللہ کا عذاب سر پہ آ گیا اور ان کو مستیاں سوجھ رہی ہیں۔

حضرت نوح کو ہدایت:

تو کشتی تیار ہونے کے بعد اللہ کی طرف سے یہ اطلاع آ گئی کہ جس وقت عذاب کی ابتداء ہو گی اور تنور میں سے پانی نکلنے لگا یا تو اس سے یہی روٹیاں پکانے والا تندور مراد ہے مطلب یہ ہے کہ جب یہاں سے پانی ابلنے لگے تو سمجھ لینا کہ اب عذاب آرہا ہے تو اس وقت اپنے گھر والوں کو اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کو اور جتنی تمہاری ضرورت کے حیوانات ہیں ان میں سے دو دو یعنی ان میں سے ایک مذکر اور ایک مؤنث جوڑا یعنی دو دو فرد اور ایک مذکر اور ایک مؤنث کشتی کے اندر سوار کر لینا اور اہل کے ساتھ یہ لفظ آ گیا" الا من سبق علیه القو ل " جس پر قول سبقت لے گیا اس قول سے مراد یہی ہے " انھم مغرقو ن "جن کے متعلق غرق ہونا مقدر ہو گیا ان کو چھوڑ کے باقیوں کو سوار کر لینا۔

قوم نوح پر عذاب:

وقت آ گیا، عذاب کی ابتدائی ہوئی حضرت نوح علیہ السلام، نے اللہ کی ہدایات کے مطابق ان سب کو کشتی میں سوار کر لیا، آسمان کی طرف سے بارش شروع ہو گئی ایسے تھا جیسے دہانے کھل گئے ہیں اور ادھر زمین کی طرف سے بھی پھوٹنے لگا، نیچے سے بھی پانی اور اوپر سے بھی پانی، سیلاب دونوں طرف سے آ گیا، جب سیلاب دونوں طرف سے آ گیا تو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی تیرنے لگ گئی اور باقی قوم درجہ بدرجہ ڈوبنے لگ گئی باقی بھی ڈوبے لیکن ان کی ڈوبنے کی یہاں کوئی تفصیل نہیں کی گئی خصوصیت کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب یہ کشتی پانی میں تیرنے لگی تو بیٹا کہیں سامنے ہی کھڑا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اسے آخری وقت میں یہی دعوت دی کہ بیٹا

آج کافروں کے ساتھ نہ رہ، کافروں کی معیت اختیار نہ کر، میرے ساتھ تو سوار ہو جا لیکن وہ بیٹا نہ سمجھا کہ عذاب کی نوعیت کیا ہے، وہ سمجھا کہ کوئی بات نہیں بارش ہوتی ہے، پانی جمع ہو جاتا ہے کسی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا تو وہاں تک تو پانی نہیں پہنچے گا" ساوی الی جبل یعصمنی من الماء " کسی پہاڑ پر ٹھکانہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا لیکن حضرت نوح علیہ السلام نے متنبہ کیا کہ یہ اللہ کا عذاب ہے یہ معمول کے مطابق بارش نہیں ہے، جب یہ اللہ کا عذاب ہے تو پہاڑ بھی نہیں بچا سکیں گے، بچے گا وہی جس کو اللہ بچائے گا تو یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی پانی کی جو موجیں اٹھ رہی تھیں وہ باپ اور بیٹے کے درمیان میں حائل ہو گئیں اور وہ بیٹا پھر بھی مغرقین میں سے ہو گیا۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر جا کے ٹھہر گئی، آج کے جغرافیہ کی حیثیت سے بھی ایک پہاڑ ہے جس کا نام جودی ہے عراق کے علاقہ میں واقع ہے تو اس جودی پہاڑ کی چوٹی پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی آ کے ٹھہر گئی، بخاری شریف میں بھی ایک روایت موجود ہے اس امت کے اوائل (پہلے لوگوں نے) اس کشتی کے بعض آثار دیکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ آٹھویں صدی عیسوی تک اس پہاڑ پر ایک معبد (عبادت خانہ) بھی بنا ہوا تھا بہر حال قدیم زمانہ سے لوگوں کے اندر یہ بات چلی آ رہی تھی کہ نوح علیہ السلام کی کشتی اس پہاڑ کے اوپر آ کے ٹھہری تھی وہاں سے پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا نیچے اترنے کے متعلق اور پھر اللہ نے ان کے اوپر اپنی رحمت کا ذکر کیا اور کہا کہ آخر تمہاری قوم میں ایسی جماعتیں آ جائیں گی جو میری رحمت سے دور ہوں گی میں ان کو تھوڑی دیر کے لیے فائدہ پہنچاؤں گا پھر عذاب میں مبتلاء کر دوں گا اس پر اختتام ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے درمیان میں ایک اہم چیز ذکر کی گئی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کے متعلق دعا اور اللہ تعالیٰ کا جواب:

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بیٹے کے متعلق درخواست کی، یہ درخواست کب کی تھی؟ غرق ہونے سے پہلے یا غرق ہونے کے بعد اور یہ درخواست جو کی تھی تو کیا بیٹے کو مؤمن سمجھتے ہوئے کی تھی یا کافر سمجھتے ہوئے کی تھی؟ مفسرین نے یہ سارے احتمالات لکھے ہیں بہر حال اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اہل کے لفظ سے فائدہ اٹھانا چاہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اپنے اہل کو سوار کر لے جس میں اشارہ اس طرف تھا کہ تیرا اہل بچ جائے گا اور " سبق علیه القول "یہ ایک مہمل سی بات تھی کہ کس کے بارے میں طے ہو گیا اور کس بارے میں نہیں ہوا اور " من آمن "کو علیحدہ ذکر کیا ہوا تھا، " من آمن " وہ ہوئے جو اہل میں نہیں ہوئے تھے، جو آپ کے اہل

میں نہیں ہیں ان کو بھی سوار کر لو وہ "من آ من" میں آ گئے اور اہل کا ذکر مستقل کیا ہوا ہے اب " من سبق علیه القول" میں اجمال ہے اور اس کے اطوار کو دیکھتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کا خیال ہوگا کہ یہ مؤمن ہے جیسے منافقانہ اطوار ہوتے ہیں، باپ کے سامنے آتا ہوگا تو اس قسم کی باتیں کرتا ہوگا کہ جس سے حضرت نوح علیہ السلام یہ سمجھتے ہوں گے کہ اس کا عقیدہ صحیح ہے اگرچہ اپنی یاری باشی کی وجہ سے کافروں سے ملتا جلتا رہتا ہوگا اس قسم کے حالات سے حضرت نوح علیہ السلام اسے مؤمن سمجھ رہے تھے یا حضرت نوح علیہ السلام نے یہ درخواست بایں معنی کی یا اللہ اس کو ایمان دے دے اور پھر اس کو ایمان دے کے کشتی میں سوار ہونے کی توفیق دے دے اور وہ جو کہا تھا کہ تیری قوم میں سے ایمان نہیں لائے گا کوئی بھی۔ تو ہوسکتا ہے کہ " اهلك" کو خصوصی محبت اور شفقت کی بناء پر اس سے مستثنیٰ سمجھتے ہوں اس قسم کی باتوں سے متاثر ہو کر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کر دی کہ یا اللہ یہ میرے اہل میں سے ہے ڈوبنے سے پہلے اگر ہو تو یہ مفہوم یوں ہوگا میرا یہ بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ یہ سچا ہے کہ تیرے اہل کو نجات دوں گا اور تو " احکم الحا کمین" ہے تو تو میرے بیٹے کو بچالے، یا یہ ہے کہ اس کو ایمان کی توفیق دے دے کے میرے ساتھ سوار کرادے بہر حال یہ ایک بے چینی کا اظہار ہے جو بیٹے کے متعلق حضرت نوح علیہ السلام کے اوپر طاری تھی۔

اور اگر ڈوب گیا تو پھر دعا کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح اپنے باپ کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے جب اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے ڈوبتا ہوا دیکھا تو یا اللہ وہ تو میرے اہل میں سے تھا اور تیرا وعدہ بھی سچا ہے جو تو نے میرے اہل کے متعلق کیا تھا تو تو "احکم الحا کمین " ہے تو جیسے ایک حقیقت سمجھنے کے لیے سوال کیا جاتا ہے کہ وہ کیوں ڈوب گیا، یہ بچہ کے ساتھ محبت کی بناء پر دکھ کا اظہار ہے کہ وہ کیوں ڈوب گیا بہر حال اتنا سا ذھول حضرت نوح علیہ السلام سے ہوا جس کی بناء پر آگے جا کے ڈانٹ پڑی کہ اللہ تعالیٰ نے کہا جب تجھے حقیقت معلوم نہیں ہے۔ کہ " من سبق علیه القو ل "میں کون داخل ہے اور کون داخل نہیں اور اس تیرے بیٹے کے صحیح حالات کیا ہیں، کہ یہ منافق ہے یا کافر ہے جب ان چیزوں کا تجھے پتہ نہیں تو ایسے انداز میں یہ سوال کیوں کر دیا؟ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ آئندہ بلا تحقیق اس قسم کی بات نہ کیا کرو جیسے ہم کہا کرتے ہیں کہ بغیر سوچے سمجھے سوال کر دیا ورنہ اگر سوچتے سمجھتے تو اشارے موجود ہیں جس میں تیرے سوال کا جواب مذکور ہے اور ' من سبق علیه القو ل" سے مراد

یہ ہے کہ جو فی الواقع مؤمن ہیں، مخلص ہیں، جو تیرے ساتھ نسبت رکھتے ہیں انہی کو بچانے کا وعدہ کیا ہے کسی اور کو تو بچانے کا وعدہ ہی نہیں ہے تو بغیر سوچے سمجھے سوال کر دیا تو جس چیز کا پتہ نہیں ہے اس کے متعلق سوال کیوں کر رہے ہو؟ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ایسا نہ کیا کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام کی لجاجت:

حضرت نوح علیہ السلام کو فوراً تنبہ ہوا اور فوراً اللہ کے سامنے لجاجت کی کہ یا اللہ مجھ سے یہ غلطی ہو گئی کہ میں نے بغیر سوچے سمجھے سوال کر دیا، اگر تو مجھے نہیں بخشے گا، تو مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا، حضرت نوح علیہ السلام نے فوراً اپنی اس لغزش کا اعتراف کیا اور معافی مانگ لی اور انبیاء علیہم السلام کی شان یہی ہوا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا تحفظ کرتے ہیں اور گر کہیں قدم ذرہ پھسلنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی جاتی ہے اور انبیاء علیہم السلام فوراً اس تنبیہ سے متاثر ہو کے بیدار ہو جاتے ہیں اور اپنی اس لغزش کی تلافی کر لیتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام پر اس لغزش کا اثر:

اب حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال کی زندگی میں یہ ایک لغزش ہے جس کی نشاندھی قرآن کریم نے کی اور نوح علیہ السلام اتنا محسوس کر گئے کہ قیامت کے میدان میں جس وقت مخلوق حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائے گی اور درخواست کرے گی کہ آپ اللہ تعالیٰ کی دربار میں ہماری سفارش کیجیے کہ ہمارا حساب کتاب شروع ہو جائے تو حضرت نوح علیہ السلام اس وقت بھی اپنی اس لغزش کو محسوس کریں گے اور کہیں گے میں تو نہیں جا سکتا، آج تو اللہ تعالیٰ اتنے غصے میں ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور میں ایک دفعہ ایک ایسی بات پوچھ بیٹھا تھا کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے تنبیہ کی تھی میں تو آج سامنا نہیں کر سکتا یعنی اس وقت تک یہ بات حضرت نوح علیہ السلام کے دماغ میں موجود رہے گی اس سے اندازہ کیجیے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی فطرت کتنی سلیم ہوتی ہے کتنے اعلیٰ معیار کے ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کتنی اللہ کی فرمانبرداری میں گزرتی ہے کہ اس قسم کی لغزش کو وہ قیامت تک بھی نہیں بھولتے۔

بیٹے کو صراحت کے ساتھ ذکر کرنے کا مقصد:

یہ درمیان میں بیٹے کی صراحت کا ذکر آ گیا جس سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیا جائے کہ

نسب پر غور نہیں کرنا چاہیے دیکھو! براہ راست پیغمبر علیہ السلام کا بیٹا ہے یعنی مشرکین مکہ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور سینکڑوں برس پہلے ان کے یہ اجداد گزر گئے اور یہ سینکڑوں برس سے کفر وشرک میں مبتلاء ہیں اور نسب پر فخر کرتے ہیں کہ ہم ان کی اولاد میں سے ہیں، کہ یہ کوئی فخر کرنے کی بات نہیں اگر حقیقی بیٹا نبی کے راستہ پر چلنے والا نہ ہو اور ایمان لانے والا نہ ہو تو اس نبی علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا جاتا ہے اور نبی علیہ السلام دم نہیں مار سکتا تو تم کسی کے خاندان پہ کیسے فخر کرتے ہو کہ اگر اچھے خاندان میں ہو تو اللہ تعالیٰ پکڑے گا نہیں، یا پکڑیں گے تو یہ چھڑا لیں گے ایسی بات نہیں ہے۔ تو صراحت کے ذکر کرنے میں انہی لوگوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے جو اپنے خاندان پہ ناز کرتے ہیں۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنتُمْ

اور بھیجا ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو انہوں نے کہا اے میری قوم! تم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لیے اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہو تم

إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ يَٰقَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى

مگر جھوٹ گھڑنے والے ﴿۵۰﴾ اے میری قوم! میں نہیں سوال کرتا تم سے اس تبلیغ پر کسی اجرت کا نہیں ہے میری اجرت مگر اس ذات کے ذمہ

الَّذِي فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾ وَيَٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ

جس نے مجھے پیدا کیا، کیا تم سوچتے نہیں ہو ﴿۵۱﴾ اے میری قوم! اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کی طرف متوجہ رہو پھر

تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ

وہ بھیجے گا تم پر بادل بہت برسنے والا اور زیادہ کرے گا تمہیں ازروئے قوت کے

قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا يَٰهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا

تمہاری قوت کے ساتھ اور نہ پیٹھ پھیرو مجرم ہونے کی حالت میں ﴿۵۲﴾ انہوں نے کہا اے ہود! تو ہمارے سامنے کوئی واضح دلیل نہیں لایا ہے

نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾

اور نہیں ہیں ہم تیرے کہنے کی وجہ سے اپنے آباء و اجداد کو چھوڑنے والے اور نہ ہم تیری بات کا یقین کرنے والے ہیں ﴿۵۳﴾

إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ

نہیں کہتے ہم مگر یہ بات کہ پہنچادی تجھے ہمارے آلہ میں سے کسی نے برائی، انہوں نے کہا بیشک میں گواہ کرتا ہوں

اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ مِن دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي

اللہ کو اور تم بھی گواہ ہو جاؤ کہ میں لاتعلق ہوں ان چیزوں سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ﴿۵۴﴾ اللہ کے علاوہ، پس تم سب اگر میرے خلاف کوئی تدبیر کر لو

جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ﴿٥٥﴾ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ

اکٹھے ہو کے پھر تم مجھے مہلت بھی نہ دو ﴿۵۵﴾ بیشک میں نے بھروسہ کیا ہے اپنے رب پر جو تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی رب ہے

مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾

نہیں ہے کوئی دابہ مگر پکڑنے والا ہے وہ اس کو اس کی چوٹی سے، بیشک میرا رب سیدھے راستہ پر ہے ﴿۵۶﴾

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي

پھر اگر تم نے پیٹھ پھیری تحقیق میں پہنچا چکا ہوں تمہیں وہ پیغام جس کے ساتھ میں بھیجا گیا تمہاری طرف اور خلیفہ بنائے گا میرا رب

قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

کسی قوم کو تمہارے علاوہ اور تم اس کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے بے شک میرا رب ہر چیز کے اوپر

حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

نگہبان ہے ﴿۵۷﴾ اور جب ہمارا حکم آ گیا ہم نے نجات دی ہود علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا

اپنی طرف سے رحمت کے ساتھ اور ہم نے انہیں نجات دی سخت عذاب سے ﴿۵۸﴾ اور یہ عاد ہے جنہوں نے انکار کیا

بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾

اپنے رب کی آیات کا اور انہوں نے نافرمانی کی اللہ کے رسولوں کی اور انہوں نے اتباع کی ہر سرکش اور ضدی کے حکم کی ﴿۵۹﴾

وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا

اور وہ پیچھے لگا دیے گئے لعنت اس دنیا کے اندر اور قیامت کے دن بھی خبردار! بے شک عاد نے

كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾ وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ

کفر کیا اپنے رب کا خبردار! دوری ہے عاد کیلئے جو کہ ہود کی قوم ہے ﴿۶۰﴾ اور بھیجا ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی

صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم

صالح علیہ السلام کو انہوں نے کہا اے میری قوم تم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لیے اللہ کے علاوہ کوئی معبود اس نے تمہیں پیدا کیا

مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ

زمین سے اور آباد کیا تمہیں اس زمین میں اسی سے مغفرت طلب کرو اور پھر اس کی طرف تم متوجہ رہو

إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ

بیشک میرا رب قریب ہے اور جواب دینے والا ہے ﴿۶۱﴾ انہوں نے کہا کہ اے صالح علیہ السلام! تحقیق تو ہمارے اندر اُمید کیا ہوا تھا اس سے پہلے کہ

هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ

تو ہمیں روکتا ہے اس چیز سے کہ ہم عبادت کریں انکی جسکی عبادت کرتے تھے ہمارے آباء اور بیشک ہم شک میں ہیں اس چیز میں جسکی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ایسی شک

اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ

جو ہمیں بے چین کرنیوالی ہے ﴿۶۲﴾ انہوں نے کہا اے میری قوم! تم بتلاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور دی ہو

رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ قف

اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت تو کون میری مدد کرے گا اللہ کے عذاب سے بچاتے ہوئے اگر میں اس کی نافرمانی کروں،

فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً

نہیں بڑھاتے ہو تم مجھے سوائے خسارے میں ڈالنے کے ﴿۶۳﴾ اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لیے نشانی ہے

فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ

پس چھوڑو تم اس کو کہ یہ کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ پہنچانا اس کو کوئی تکلیف پھر پکڑے گا تمہیں

عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ

جلدی آنیوالا عذاب ﴿۶۴﴾ انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں پس کہا صالح علیہ السلام نے اے قوم تم نفع اٹھاؤ اپنے گھروں میں تین

اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا

دن تک یہ ایک ایسا وعدہ ہے جس میں جھوٹ نہیں بولا گیا ﴿۶۵﴾ جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے نجات دی صالح علیہ السلام کو

وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ

اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ان کے ساتھ اپنی طرف سے رحمت کے ساتھ اور اس دن کی رسوائی سے، بیشک

رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا

تیرا رب قوت والا ہے اور زبردست ہے ﴿۶۶﴾ پکڑ لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا چیخ نے پس ہو گئے وہ اپنے گھروں کے اندر

فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ ع

اوندھے منہ گرنے والے ﴿۶۷﴾ گویا کہ انہوں نے نہیں اقامت اختیار کی تھی اس بستی میں خبردار! قوم ثمود نے کفر کیا اپنے رب کا خبردار دوری ہے ثمود کیلئے ﴿۶۸﴾

تفسیر

گذشتہ قوموں کے واقعات ذکر کرنے کے مقاصد:

واقعات کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کا واقعہ ہے اگلے رکوع کے اندر حضرت صالح علیہ السلام کا واقعہ ہے یعنی قوم ثمود کے یہ واقعات تفصیل کے ساتھ سورۃ اعراف میں گزر چکے ہیں اس لیے ان کے اندر کوئی نئی بات نہیں جس کی مزید وضاحت ضروری ہو، اللہ تعالیٰ ان کے واقعات کو دہرا رہے ہیں کیونکہ یہی حال تھا اس وقت مشرکین مکہ کا جو سرور کائنات ﷺ کے مخاطب تھے ان واقعات کے ساتھ ان کو نصیحت کرنا مقصود ہے کہ جیسا حال ان کا تھا آج تمہارا بھی ویسا ہی ہے اس لیے تم سنبھل جاؤ ورنہ تمہارے ساتھ بھی ویسے ہی ہوگا جیسے ان کے ساتھ ہوا تھا۔

اور سرور کائنات ﷺ اس قسم کے سچے واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کرتے تھے جبکہ آپ نے کسی کتاب میں بھی نہیں پڑھے تھے تو یہی واقعات دلیل نبوت بھی بنتے تھے اور یہاں سے انبیاء کی طرف سے دعوت توحید کا سلسلہ بھی معلوم ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے مخالفین اور مخاطبین جس قسم کے اشکالات کرتے تھے ان کا ذکر بھی آجاتا ہے، جس سے مشرک نصیحت حاصل کر سکتے تھے تو سمجھانے اور ترغیب اور ترہیب کے طور پر ان واقعات کو بار بار دہرایا جاتا ہے۔

قوم عاد کا تعارف:

اور یہ دونوں قومیں عرب کے اندر ہی تھیں اور قرآن کریم میں متعدد جگہ ان کے حالات بیان کیے گئے ہیں قوم عاد یہ بہت ہی ڈیل وڈول اور قوت والے لوگ تھے، ان کا یہ نعرہ تھا کہ " من اشد منا قوۃ" کہ ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے جس سے ہم ڈریں یعنی ان کا دماغ اتنا چڑھا ہوا تھا کہ اپنے مقابلہ میں کسی کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے تھے تو ان کی طرف ان کے بھائی حضرت ہود کو بھیجا یعنی اس قوم کی طرف انہی میں سے ایک فرد بھیجا جس کی عادات اور حالات سے وہ پوری طرح واقف تھے مزاج اور لسان کی کوئی اجنبیت نہیں تھی اور جس طرح اپنی قوم کا فرد اپنی قوم کو سمجھا سکتا ہے غیر قوم کا فرد اس طرح نہیں سمجھا سکتا تو اللہ کی طرف سے یہ بھی ایک اتمام حجت کی شکل ہے کہ ہر قوم میں انہی میں سے ایک رسول اٹھایا۔

حضرت ہود علیہ السلام کا اپنی قوم سے مکالمہ:

حضرت ہود علیہ السلام نے آ کے وہی دعوت دی کہ جو تمام انبیاء کی مشترکہ ہے" اعبدو الله ما لکم من اله غیرہ" اس کے خلاف تم نے جتنے بھی عقیدے بنا رکھے ہیں سب افتراء ہیں، سب جھوٹ تراشا ہوا ہے اور پھر اپنے خلوص کو ثابت کرنے کے لیے ہمیشہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ دیکھو! اس میں ہماری کوئی غرض نہیں ہے، ہم صرف تمہارے ساتھ خیر خواہی کرتے ہیں تمہارے نفع کے لیے یہ ہم کوشش کر رہے ہیں ورنہ ہم تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتے تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے یہ خلوص کی علامت ہے ورنہ اگر کوئی انسان پیسوں کا مطالبہ کرے یا مانگے تو یہ گمان ہو سکتا ہے کہ شاید یہ پیسے کمانے کے لیے ایسا کر رہا ہے، ایسی کوئی بات نہیں ہے، یہ انبیاء کی صداقت کی ایک مستقل دلیل ہے کہ بے غرض ہو کے اور بے لالچ ہو کے لوگوں کو سمجھاتے ہیں اس لیے یہ بات ہر نبی نے اپنی زبان سے ادا کی ہے اے میری قوم! میں نہیں سوال کرتا تم سے اس پر کسی اجرت کا میرا اجر تو صرف اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا، کیا تم سوچتے نہیں ہو باوجود اس بات کے میرا تم سے کوئی نفع متعلق نہیں ہے تو پھر میں جو باتیں کر رہا ہوں اس میں تمہاری خیر خواہی ہے، اپنے گناہوں سے معافی مانگو اور آئندہ اطاعت کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ رہو، جب تو یہ استغفار کرو گے تو اللہ کی طرف سے تم پر رحمتیں نازل ہوں گی، بارش کی وجہ سے تم جو قحط میں مبتلا ہو پھر اللہ برسائے گا خوب برسنے والا بادل تم پر اور تمہاری موجودہ قوت میں اضافہ کرے گا، تمہاری سیاسی قوت، تمہاری خاندانی قوت ہر لحاظ سے بڑھے گی اگر تم استغفار کرنے لگ جاؤ گے، مجرم بن کے پیٹھ نہ پھیرو یہ تمہارے لیے نقصان دہ ہے۔

اتنی پر خلوص دعوت کے باوجود قوم کا وہی جواب ہے جو مشرکوں کی طرف سے عام طور پر قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے، کہنے لگے اے ہود! تو ہمارے سامنے کوئی ایسی واضح دلیل تو لایا نہیں جس کے ساتھ ہم ماننے کے لیے مجبور ہو جائیں جس قسم کے معجزے وہ طلب کرتے تھے ایسا معجزہ نہیں دکھایا ہوگا ورنہ ہر نبی اپنی نبوت کے ثبوت کے لیے معجزہ دکھایا تو کرتا ہی ہے، باقی تیرے کہنے کی وجہ سے ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے، دیکھو! جن کی پوجا کرتے تھے ان کے لیے وہ الٰہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور اپنے عمل کو عبادت کہتے ہیں، انہی دو لفظوں سے ہی ان کے شرک کا مزاج پوری طرح سمجھ میں آتا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم تیری بات کا یقین کرنے والے نہیں، یہ فیصلہ سنا دیا۔

باقی تو اچھا بھلا سمجھدار تھا معلوم یہ ہوتا ہے کہ تو نے ہمارے معبودوں کی جو گستاخی کی ہے تو کسی معبود نے غصے میں تیری عقل خراب کر دی ہے جس کی وجہ سے تو ساری قوم کے خلاف ہو گیا ہے، پہلے ساری قوم تیری عزت کرتی تھی اور اب تو جدھر کو جاتا ہے تجھے پتھر پڑتے ہیں، کوئی تیری عزت اور احترام نہیں کرتا یہ انقلاب جو آیا ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہمارے کسی معبود نے ایسا کیا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے کہا کہ کیا معبود لیے پھرتے ہو میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں اور تم بھی گواہ ہو جاؤ کہ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں اور میں تو ان سے اتنا بیزار ہوں کہ تم بھی اور تمہارے معبود بھی سارے کے سارے اکٹھے ہو جاؤ پھر مجھے نقصان پہنچانے کے لیے کوئی تدبیر کر و اور پھر سارے مل کے اس تدبیر کو چالو کر دو اور مجھے مہلت بھی نہ دو دیکھو! میرا تم کیا بگاڑ لو گے انبیاء کی یہ جو کیفیت ہوتی ہے کہ اکیلے ہو کے ساری قوم کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں اور ان کے اوپر کسی قسم کا خوف و ہراس طاری نہیں ہوتا یہ ان کی مستقل کی صداقت کی دلیل ہے "لا اسئلکم علیه اجراً" میں لالچی ہونے کی نفی ہو گئی اور ان کے الفاظ میں خوف کی نفی کی ہو گئی کہ ہمیں تم سے کوئی خوف نہیں ہے جیسے بارہا آپ کی خدمت عرض کیا گیا ہے کہ یہی چیز ہے جو انسان کی حیثیت کو نمایاں کرتی ہے کہ ہمیں نہ کوئی غرض ہے اور نہ کسی قسم کا خوف ہے ہمارا تعلق تو اللہ تعالی کے ساتھ ہے اس لیے تم جو کر سکتے ہو کر لو تمہارے معبود اور تم کچھ مل کر کچھ نہیں بگاڑ سکتے میں نے بھروسہ کر لیا اللہ پر جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، کوئی دابہ نہیں مگر اللہ اس کی چوٹی سے پکڑنے والا ہے یعنی زمین کے اندر جتنی بھی چلنے پھرنے والی چیزیں ہیں سب میرے اللہ کے قبضہ میں ہے اللہ کی قدرت سے باہر کچھ نہیں ہے، میرا رب صراط مستقیم پر ہے، عدل و انصاف کے راستے پر قائم ہے وہ مجرم کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گا جس کا مجرم مستحق ہے اور نیکی کرنے والوں کو عدل و انصاف کے ساتھ اجر و ثواب دے گا یا یہ ہے کہ تم نے راستے ٹیڑھے بنا رکھے ہیں، پیچیدگی پیدا کر لی ہے اللہ تعالی تک پہنچنے کے لیے یہ تراش لی ہیں کہ جب تک ان کے سامنے جھکیں گے نہیں تو اس وقت تک اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے ہیں ایسی بات نہیں ہے اللہ تو بالکل سیدھے راستے پر قائم ہے اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے فطرت کے مطابق صحیح راستہ اختیار کر لو سیدھا اللہ تک جاتا ہے

اور اگر تم نے پیٹھ پھیری تو اس میں میرا کوئی نقصان نہیں ہے میں وہ پیغام پہنچا چکا ہوں جس کے ساتھ میں تمہاری طرف بھیجا گیا تھا اور اللہ تعالی تمہیں تباہ کر دے گا تمہاری جگہ اور خلیفہ بنا دے گا تمہارے تباہ کرنے سے اللہ

کی زمین ویران نہیں ہو جائے گی اللہ کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکو گے بے شک میرا اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

قوم عاد کا انجام:

پھر جب قوم نہ مانی تو آخر اللہ کی طرف سے حکم عذاب کا آ گیا، قرآن کریم میں دوسری جگہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس قوم پر ریح صرصر کا عذاب آیا تھا، تیز تند ہوا، سرد اور خشک اور وہ سات راتیں اور آٹھ دن وہ ان کے اوپر آندھی کی شکل میں چلی اور اس کے اندر بجلی کی کڑک بھی تھی اور سخت ہوا بھی جس نے ان کو اٹھا اٹھا کے اور پٹخ پٹخ کے مارا۔ قرآن کریم نے اس کا نقشہ کھینچا ہے کہ جب یہ گرے پڑے تھے تو ایسے لگتے تھے کہ " اعجاز نخل خاویہ" جس طرح کھجور کے کھوکھلے تنے گرے پڑے ہوں اس طرح یہ گرے پڑے تھے ساری قوم اس طرح تباہ ہو گئی۔

اس عذاب کو اتفاقی حادثہ نہیں کہہ سکتے:

اس کو اتفاقی واقعہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ایک تو نبی کی پیش گوئی کے مطابق آیا کہ نبی نے پہلے ہی کہہ دیا کہ یہ آئے گا اور یہ عین اس کے مطابق آیا اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ جو ہوا ہے یہ کفر کی سزا کے طور پر ہوا ہے کیونکہ اس بستی میں حضرت ہود اور ان کے اوپر ایمان لانے والے بھی موجود ہیں جتنے ایمان لانے والے تھے وہ سارے کے سارے بچ گئے اور جتنے مخالف تھے وہ سب کے سب مر گئے یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ اتفاقی حادثہ نہیں ہے اگر یہ اتفاقی حادثہ ہوتا تو جیسے سیلاب آتا ہے تو اس میں نیک بھی بہہ جاتے ہیں، بد بھی بہہ جاتے ہیں اور کسی واقعہ میں برا بچ جاتا ہے اور نیک مر جاتا ہے ایسے واقعات پیش آتے ہیں جس میں معاملہ خلط ملط ہو جاتا ہے جیسے بس کا ایکسیڈنٹ ہوا اور اس میں نیک مر گیا اور برا بچ گیا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ برے بھی مر گئے اور نیک بھی مر گئے تو اس کو آپ کہہ سکتے ہیں یہ اتفاقی حادثہ ہے، یہ عذاب کی شکل نہیں ہے، آخرت میں اللہ اعمال کے مطابق فیصلہ کریں گے لیکن یہ عذاب ہے جو کفر کی سزا کے طور پر آیا ہے اس کی بڑی علامت یہ ہے کہ اس بستی میں جتنے ایمان والے تھے وہ محفوظ رہے اور جتنے کافر تھے ان میں سے کوئی بھی نہیں بچا، وہ سارے کے سارے برباد ہو گئے اور پھر قبل از وقت پیغمبر نے یہ اطلاع دی کہ یہ آنے والا ہے اور اس کے کہنے کے مطابق آیا ہے اس لیے یہ عذاب ہی ہے، اس کو اتفاقی حادثہ نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم سے مکالمہ:

جب ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے نجات دی ہود اور ان کو جو ایمان لائے ہود کے ساتھ اور ہم نے ان کو نجات دی سخت عذاب سے، یہی عاد انہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیات کا اور رسولوں کی نافرمانی کی سب کی نافرمانی کی کیونکہ دعوت توحید میں سب مشترک ہیں اور جو لوگ ضدی تھے اور سرکش تھے، انبیا کے متبع نہیں تھے انہی کی اتباع ان لوگوں نے کر لی تو جو انجام ان کا ہوا وہی انجام ان کا ہوا، اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور آخرت میں بھی یہ لوگ ملعون ہوں گے، اللہ کی رحمت سے ان کو کوئی حصہ نہیں ملے گا خبردار! عاد نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ خبردار دوری ہے عاد کے لیے یہ لعنت کے الفاظ ہیں۔

نتیجہ:

دوسرا واقعہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے، ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے بھی وہی دعوت دی کے اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس نے تمہیں اس میں آباد کیا، اس سے استغفار کر لو اور اطاعت کے ساتھ اس کی طرف تم متوجہ رہو، یہ شرکاء جو تم نے بنا رکھے ہیں یہ غلط ہیں، میرا رب ہر کسی کے قریب ہے، ہر کسی کو دعاء کو سنتا ہے، اور ہر کسی کی دعا کا جواب دیتا ہے یہ نظریہ جو تم نے اختیار کر لیا ہے کہ جس طرح مقربین کی دلجوئی کے بغیر بادشاہ تک درخواست پہنچائی نہیں جا سکتی اور پھر بادشاہ خود جواب نہیں دیتا بلکہ اپنے کارندوں کے سپرد کر دیتے ہیں اور پھر کارندے خوش ہوں گے تو کریں گے ورنہ نہیں اللہ بھی اس طرح ہے، ایسی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ تو ہر کسی کے قریب ہے اور ہر کسی کی پکار کو سنتا ہے، اور قبول کرتا ہے، ان واسطوں کی، شرکاء، شفعاء کی کوئی ضرورت نہیں۔

وہ کہنے لگے اے صالح! ہم نے تجھ سے اس سے پہلے بڑی امیدیں لگا رکھی تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اظہار نبوت سے قبل کس طرح قابل اعتماد تھے، اخلاق کے لحاظ سے اور معاملات کے لحاظ سے، عقل و فہم کے لحاظ سے یہ افراد قوم میں ممتاز ہوتے ہیں، اب انہوں نے بڑی امیدیں لگا رکھی تھیں۔ کیا تو ہمیں روکتا ہے یعنی اب تو نے الٹی باتیں شروع کر دیں کیا تو منع کرتا ہے اس بات سے "اتنھنا من ان نعبد" یہاں من محذوف ہے، کیا تو روکتا ہے ہمیں اس بات سے کہ ہم عبادت کریں ان چیزوں کی جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے آباء، ان کی دلیل

یہی تھی کہ جن کو ہمارے آباء پوجتے آرہے تھے ان کی ہمیں بھی عبادت کرنی چاہیے، اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی اور جس چیز کی تو ہمیں دعوت دیتا ہے یعنی یہ توحید کہ باقی سب کو چھوڑ دیا جائے اور اللہ کو اختیار کر لیا جائے ہم تو اس کے بارے میں بہت شک میں ہیں یعنی اس شک کی بناء پر ہمیں بے چینی ہو رہی ہے۔

صالح علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! مجھے بتاؤ کے میں اپنے رب کی طرف سے اگر واضح دلیل پر ہوں، اس دلیل سے وہی معجزہ مراد ہوگا اور اللہ نے مجھے اپنی طرف سے نبوت عطاء کی ہو تو پھر میں اگر تمہارے پیچھے لگ کے انہی چیزوں کی پوجا کرنے لگ جاؤں جن کی تمہارے آباء واجداد کرتے تھے اور میں اللہ کی نافرمانی کروں تو اللہ کے عذاب سے مجھے کون بچائے گا؟ تم تو میری بربادی ہی چاہتے ہو جو اس قسم کے مشورے دیتے ہو۔

حضرت صالح علیہ السلام کے معجزہ کے ساتھ قوم کا حال:

کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا تھا کہ پہاڑ میں سے اونٹنی نکال دو اب قرآن کریم کی آیات سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اونٹنی معجزہ کے طور پر ظاہر ہوئی تھی اور اس کی عادتیں باقی اونٹنیوں سے مختلف تھیں، اس کو کھلا چھوڑ دیا گیا کہ جہاں چاہے کھائے پیئے، ایک دن پانی کی باری ان کی ہوتی اور ایک دن وہ سارے جانور پانی پیتے تھے اور اس میں اس قسم کی ہیبت تھی کہ قوم اس کے سامنے تعارض نہیں کر سکتی تھی، اس قسم کی باتیں قرآن کریم سے ظاہر ہوتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اونٹنی ممتاز شان کی تھی۔

باقی یہ بات کہ وہ پتھر سے نکلی تھی اس کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحیح روایت کے اندر اس کے آثار موجود ہیں کہ اس کے معجزہ ہونے کی حیثیت موجود تھی کہ ان کے کہنے کے مطابق کہ یہ اونٹنی پتھر سے نکلی تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ساتھ اس کو نکال دیا اور ایسے ہی انہوں نے مطالبہ کیا تھا۔

اے میری قوم یہ اونٹنی ہے تمہارے لیے پس چھوڑ دو اس کو کہ یہ کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں یعنی اس کے سامنے کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہ ڈالو اور اس طرح پانی کی باری باندھ دی گئی تھی اور اسے کوئی برائی نہ پہنچانا ورنہ تمہیں جلدی آنے والا عذاب پکڑ لے گا۔

"فعقر و ھا" انہوں نے کچھ دن تو صبر کیا لیکن بعد میں کہنے لگے کہ یہ کیا ہے ہر طرف یہ پھرتی رہتی ہے ہماری فصلوں کا نقصان کرتی ہے اور ایک دن خاص ہو گیا اس کے پانی پینے کے لیے اس دن ہم اپنے جانوروں کو پانی

نہیں پلا سکتے آخر وہ اس اونٹنی کا امتیاز برداشت نہ کر سکے اور انبیاء کی باتوں پر تو ان کو یقین ہی نہیں تھا تو صالح علیہ السلام کی بات پر بھی یقین نہ کیا تو سکیم بنا کے ایک آدمی اٹھا جس کا نام قدار لکھا ہے اس نے حملہ کر کے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔

قوم ثمود کا انجام:

جب یہ واقعہ پیش آ گیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے کہا کہ اب تین دن تک کی مہلت ہے تین دن کے اندر جو کھانا پینا ہے، کھالو اور جو نفع اٹھانا ہے اٹھالو تین دن کے بعد عذاب آ جائے گا، یہ پیش گوئی کر دی اور عین پیش گوئی کے مطابق عذاب آیا اور جب عذاب آیا تو صرف اس میں کافر ہلاک ہوئے، مؤمن ہلاک نہیں ہوئے تو یہ واضح دلیل ہے کہ یہ واقعی اللہ کی طرف سے عذاب کے طور پر آیا تھا یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا کیونکہ پیش گوئی کے مطابق آیا تھا اور آگے اس نے دو جماعتوں کو ممتاز کر دیا کہ اس میں صرف کافر ہلاک ہوئے، مؤمن سارے کے سارے بچ گئے، یہ ایسا وعدہ ہے کہ جس میں جھوٹ نہیں بولا گیا، جب ہمارا وعدہ آ گیا تو ہم نے نجات دی صالح علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے اپنی طرف سے رحمت کے ساتھ اور ہم نے ان کو نجات دی اس دن کی رسوائی سے، بے شک تیرا رب قدرت والا ہے اور زبردست ہے اور پکڑ لیا ظالموں کو صیحۃ نے، صیحۃ کا معنی ہے کہ تیز آواز چیخ، یہ بھی اس طرح ہے جیسے کڑک ہوتی ہے اور ہو گئے وہ اپنے گھروں کے اندر اوندھے منہ گرے ہوئے اور اس طرح نیست و نابود ہو گئے "کان لم یغنوا فیھا" گویا کہ اس بستی میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے، خبردار ثمود نے کفر کیا اپنے رب کا، خبردار دوری ہے ثمود کے لیے یعنی ثمود پھٹکار دیے گئے ان کے اوپر اللہ کی لعنت ہوئی اور یہ کفر وعصیان اگر مشرکین مکہ اختیار کرتے ہیں تو ان کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ ان واقعات سے عبرت حاصل کرو اگر تمہارے بھی یہی حالات رہے تو جیسے مختلف عذابوں کے ساتھ یہ قومیں ہلاک کر دی گئیں تم بھی اس طرح ہلاک کر دیے جاؤ گے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ

البتہ تحقیق آئے ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس بشارت لے کے انہوں نے کہا سلامتی ہو

قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾

آپ نے بھی کہا کہ سلامتی ہو، آپ نے دیر نہ کی لے آئے ایک بچھڑا بھنا ہوا ﴿۶۹﴾

فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ

جب آپ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں پہنچتے اس بچھڑے کی طرف تو ان کو اوپرا جانا اور دل میں محسوس کیا

مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ ؕ وَامْرَاَتُهٗ

ان کی طرف سے ڈر وہ کہنے لگے خوف نہ کر بیشک ہم بھیجے گئے ہیں قوم لوط کی طرف ﴿۷۰﴾ اور آپ کی بیوی

قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾

کھڑی تھی اور وہ ہنس پڑی پھر ہم نے اس کو بشارت دی اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی ﴿۷۱﴾

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا

وہ کہنے لگی کہ ہائے میری خرابی میں اب بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرا شوہر بوڑھا ہے، بیشک یہ

لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ

عجیب چیز ہے ﴿۷۲﴾ وہ کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم سے اللہ کی رحمت

وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ

اور اس کی برکتیں ہیں تم پر اے گھر والو! بے شک وہ تعریف کیا ہوا ہے بزرگ ہے ﴿۷۳﴾ اور جب دور ہو گیا

عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ

ابراہیم سے ڈر اور آ گئی اس کے پاس بشارت تو وہ ہم سے جھگڑا کرنے لگ گیا قوم

لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ

لوط کے بارے میں ﴿۷۴﴾ بیشک ابراہیم بردبار اور نرم دل، اللہ کی طرف رجوع کرنیوالا ہے ﴿۷۵﴾ اے ابراہیم تو اعراض کر جا

عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ

اس سے بے شک آ گیا تیرے رب کا حکم اور بیشک ان کے پاس آنیوالا ہے ایسا عذاب

غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ

جو ان سے رد نہیں کیا جائیگا ﴿۷۶﴾ اور جب آ گئے ہمارے بھیجے ہوئے رسول لوط کے پاس تو غم میں ڈال دیے گئے ان کی وجہ سے اور دل تنگ ہوا

بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ

ان کی وجہ سے اور کہا یہ بہت سخت دن ہے ﴿۷۷﴾ آ گئی آپ کے پاس آپ کی قوم بھگائے جاتے تھے

اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ

وہ اس کی طرف اور اس سے قبل بھی وہ برے کام کرتے تھے، آپ نے کہا اے میری قوم! یہ میری

بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ

بیٹیاں ہیں یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہیں پس تم اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو میرے مہمانوں کے سامنے

اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ

کیا نہیں ہے تم میں کوئی شخص بھی نیک چلن ﴿۷۸﴾ وہ کہنے لگے کہ تو جانتا ہے کہ نہیں ہے ہمیں کوئی ضرورت تیری

بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ

بیٹیوں کی اور تو البتہ جانتا ہے کہ جو ہم چاہتے ہیں ﴿۷۹﴾ آپ نے کہا کہ کاش میرے لیے تمہارے مقابلہ میں کوئی

قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ

طاقت ہوتی یا میں ٹھکانہ لیتا کسی مضبوط سہارے کی طرف ﴿۸۰﴾ وہ کہنے لگے اے لوط ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں

لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ

یہ لوگ نہیں پہنچ سکتے تیری طرف پس تو چل اپنے اہل کو لے کے رات کے ایک حصہ میں اور نہ مڑ کے دیکھے کوئی

اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ

سوائے تیری بیوی کے بے شک اس عورت کو پہنچنے والا ہے وہی عذاب جو ان لوگوں کو پہنچنے والا ہے بیشک ان کے وعدے کا وقت

الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا

صبح ہے کیا صبح قریب نہیں ہے ﴿۸۱﴾ جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس بستی کے اوپر کے حصے کو

سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً

نچلا کردیا اور ہم نے برسائے ان کے اوپر پتھر کھنگرے مسلسل ﴿۸۲﴾ جو نشان زدہ تھے

عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾

تیرے رب کے نزدیک اور نہیں ہیں یہ بستیاں ظالموں سے دور ﴿۸۳﴾

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا مختصر تعارف:

واقعات کے سلسلے میں یہاں پہلے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا اور اس کے متصل بعد حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا ہے حضرت براہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام یہ دونوں قریبی رشتہ دار ہیں جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب عراق کے علاقہ سے ہجرت کی ہے تو حضرت لوط علیہ السلام بھی ساتھ ہی آئے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی بستی سے دور ایک مرکز بنا دیا جس کا نام تھا سدوم، یہ بڑا شہر تھا اور اس کے ساتھ آس پاس اور بستیاں بھی تھیں جن کو قرآن کریم میں مؤتفکات لفظ ذکر کیا ہے جن کا صدر مقام سدوم تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام کو وہاں پہنچا دیا کہ تو ان لوگوں کی اصلاح کر، اور جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹھہرے ہوئے تھے آج کل قریہ خلیل کہلاتی ہے، پہلے وہ اردن کے علاقہ میں تھی اور ۱۹۶۷ کی جنگ میں وہ علاقہ اسرائیل کے قبضے میں چلا گیا اور اب قریہ خلیل بھی اسرائیلیوں کے قبضے میں ہے اور جہاں حضرت لوط علیہ السلام آباد تھے وہ علاقہ اس وقت پانی کی جھیل کے شکل اختیار کیے ہوئے ہے جس کو بحر لوط یا بحر میت کہتے ہیں، بحر میت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کوئی جاندار چیز نہیں زندہ رہ سکتی اور بحر لوط اس لیے کہتے ہیں کہ تاریخی طور پر اس کا ثبوت ہے کہ وہاں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم آباد تھی یعنی اب وہ علاقہ ایک جھیل کے شکل اختیار کر چکا ہے جس میں وہ عذاب والا پانی ہے کوئی چیز اس میں زندہ نہیں رہتی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد اور حضرت ابراہیم کی مہمان نوازی:

اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کو بھیجا، حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے آئے تھے ان کے ساتھ ان کی بیوی تھی، حضرت لوط علیہ السلام بھی ساتھ تھے خاندان سارا عراق میں رہ گیا تھا اور یہاں اکیلے تنہا تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی، تفاسیر میں لکھا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر سو سال تھی اور آپ کی بیوی سارہ کی عمر نوے سال تھی، اس وقت اولاد نہیں ہوئی تھی، وہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کے آئے وہاں بشارت دینی مقصود تھی، اور جب آئے تو انسانی شکل میں آئے اور آتے ہی قاعدے کے مطابق جیسا کہ اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سمجھایا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں یہی طریقہ رائج تھا کہ ملاقات کے وقت السلام علیکم کہا جاتا ہے تو فرشتوں نے رواج کے مطابق آ کر السلام علیکم کو کہا اور حضرت ابراہیم نے بھی قاعدے کے مطابق جواب دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سمجھے کہ یہ کوئی مسافر لوگ ہیں، ملنے کے لیے آئے ہیں، راہ گیر ہیں ان کو بٹھایا، فوراً گھر گئے اور بچھڑا ذبح کر کے اس کا گوشت بھون کے لائے بچھڑا لانے کا یہ مطلب نہیں کہ پورا بچھڑا لائے جیسے کوئی آپ کو کہتا ہے کہ آپ کو مرغی کھلائے گا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ دونوں ٹانگوں سمیت پورا حلق سے اتار دیا جائے گا ذبح کرنے کے بعد جو کھانا کھایا جاتا ہے اس کو مرغا کھانا ہی کہا جاتا ہے تو گوشت مراد ہوتا ہے تو اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کیونکہ بہت مہمان نواز تھے اتنے مہمان نواز کہ جب تک آپ کے پاس کوئی مہمان نہ آجائے روایات میں آتا ہے کہ آپ کھانا نہیں کھاتے تھے، کھانے کا وقت آجائے اور کوئی مہمان نہ آیا ہو تو باہر سے لوگوں کو تلاش کر کے لاتے تھے تو اس طرح مہمانی کے جذبہ سے بہترین سے بہترین مہمانی کی اور بچھڑا ذبح کر کے اس کو بھون کے لے آئے ان کے سامنے پیش کر دیا۔

فرشتوں کا مہمانی سے انکار اور اس کی وجہ:

آپ دیکھ رہے ہیں کہ مہمانوں کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں کیونکہ یہ فرشتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس سے پہلے یہ احساس نہیں ہوا کہ یہ فرشتے ہیں، انہوں نے ان کو انسان سمجھا تھا اور انسان سمجھ کے کھانے کا انتظام کر دیا جیسے حضور ﷺ کی مجلس میں ایک دفعہ حضرت جبرائیل تشریف لے آئے تھے تو آپ نے نہیں پہچانا، اور وہ بیٹھ کے باتیں کرتے رہے اور آپ جواب دیتے رہے جب اٹھ کے چلے گئے تو بعد میں معلوم ہوا

کہ یہ تو جبرائیل تھے تو یہاں بھی حضرت ابراہیم پہچان نہ سکے تو جب انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کچھ اجنبیت سی محسوس ہوئی اور دل میں کچھ خوف سا محسوس ہوا کہ یہ کون لوگ ہیں جو اس طرح اکٹھے ہو کے آگئے اور میں ان کی طرف کھانے کی چیزیں رکھتا ہوں اور یہ کھاتے نہیں ہیں تو ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں کچھ اس قسم کا رواج ہو کہ جس کی کسی کے ساتھ کوئی دشمنی ہو یا کوئی دشمنی نکالنے کے لیے آئے یا نقصان پہنچانے کے لیے آئے تو وہ دوسرے کے گھر میں کھانا نہیں کھاتا تھا تو انہوں نے بھی محسوس کیا دشمنی کے ارادہ سے نہ آئے ہوں، تو دل میں کچھ خوف سا محسوس ہوا اور بعض آیات سے اشارہ کچھ اس طرح نکلتا ہے کہ اس بات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی ظاہر کردیا کہ ہمیں تو تم سے ڈر سا لگ رہا ہے تم کیسے لوگ ہو، اور یہ ہیبت محسوس کرنے کی یہ وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ چونکہ یہ اللہ کے عذاب کے حامل بن کے آئے تھے جو قوم لوط پر آنا تھا اس لیے ان کے اندر کچھ جلالی صفات بھی تھیں اس کا اثر بھی حضرت براہیم علیہ السلام کے قلب پر پڑا تو دل میں خوف سا محسوس کیا اور کہہ بھی دیا کہ "انا منکم و جلو ن "۔

فرشتوں کی طرف سے اولاد کی بشارت:

انہوں نے کہا " لا تخف " ڈرنے کی کوئی بات نہیں، ہم اصل میں انسان نہیں ہیں فرشتے ہیں اور آپ کے پاس ہم ایک بشارت لے کے آئے ہیں کہ اللہ آپ کو اولاد دے گا، یہ بشارت پہلے ذکر کردی تو جب انہوں نے بشارت کا تذکرہ کیا کہ اللہ تعالی آپ کو اولاد دے گا، تو پہلے حضرت ابراہیم کی بیوی ایک طرف کھڑکی میں کھڑی تھیں اور جب یہ بشارت سنی تو اور پتہ چلا کہ یہ تو فرشتے ہیں تو وہ بھی ہنستی ہوئی آگے بڑھی، یہ ہنسنا تعجب اور خوشی دونوں سے ناشی ہے، اولاد کی بشارت سے خوشی بھی ہوئی اور اندر کے حالات پر تعجب بھی ہوا تو اگلی گفتگو میں صرف تعجب ہی تعجب نہیں ہے بلکہ خوشی کے جذبات بھی ہیں ظاہر اسباب کے خلاف اگر کوئی خوشی کی خبر مل جائے تو پھر انسان اس پر ایسا استفہام کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر تعجب ہی ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے دل میں خوشی ہوتی ہے جیسے آپ کو کوئی کہہ دے کہ آپ کا انتظام ہوگیا ہے اور آپ کو مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ مل رہا ہے تو دل میں ایک خوشی کی لہر آئے گی اور ساتھ زبان پر ہوگا کہ یہ ہمارے لیے ہے، کیسے ہوگیا میں نے تو کبھی درخواست ہی نہیں دی تو اس قسم کے الفاظ آپ بولیں گے جس میں تعجب کا اظہار بھی ہوگا لیکن اندر سے خوشی بھی ہے جو اس قسم کی باتیں کروا رہی

ہے تو حضرت سارہ کہنے لگی کہ میں بچہ جنوں گی، میں تو بوڑھی ہو چکی ہوں اور جیسے دوسری جگہ ہے کہ بانجھ ہوں، اولاد کے قابل نہیں ہوں اور میرا شوہر بھی بوڑھا چکا ہے میں بچہ جنوں گی؟ فرشتوں نے کہا کہ تم تو اہل بیت میں سے ہو نبوت کے گھر والے ہو تمہیں اس پر کیا تعجب ہے بیٹے کی بشارت تھی اور پوتے کی بشارت تھی اللہ کے ہاں کیا بعید ہے اور آئے دن تم اللہ کی نعمتوں کو دیکھ رہی ہو جو تم پر نازل ہوتی ہیں اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے تو اس طرح ان کا تعجب دور کر دیا گیا اور حضرت سارہ کے اس سوال کے نتیجہ میں یہ بات بھی سامنے آگئی کہ اللہ تعالی تمہیں ہی بوڑھی اور بوڑھے کو ہی بچہ دے گا اور کوئی کسی قسم کے حالات نہیں ہوں گے، اندریں حالات اللہ تعالی بچہ دیں گے، وہ بچہ زندہ رہے گا اور وہ صاحب اولاد ہوگا اسحاق کے بعد یعقوب بھی پیداء ہوگا جس سے اس کی لمبی عمر کی طرف اشارہ کر دیا اب ہر قسم کا اطمینان حاصل ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قوم لوط کے بارے میں جھگڑا کرنا۔

جب ہر قسم کا اطمینان حاصل ہو گیا تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام متوجہ ہوئے، وہ سمجھے کہ بشارت دینے کے لیے اتنی بڑی جماعت کی کیا ضرورت تھی؟ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اہم مہم درپیش ہے اس لیے سوال کیا" ما خطبکم ایھا المر سلو ن "اے بھیجے ہوؤ! تمہیں کونسا واقعہ درپیش ہے یعنی معلوم ہوتا ہے کہ صرف بشارت دینے کے لیے نہیں آئے، تمہاری شکل وصورت اور ہیبت یہ بتاتی ہے کہ کوئی ساتھ جلال والی شان بھی ہے لگتا ہے کوئی اہم واقعہ در پیش ہے بتاؤ کیا واقعہ ہے؟ پھر انہوں نے بتایا کہ ہم حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں اور اصل میں ان کا رگڑا نکالنا ہے اور یہ اللہ تعالی نے اپنی شان دکھائی ہے کہ جو فرشتے حضرت لوط کی قوم کے لیے عذاب لے کے آئے تھے وہی حضرت ابراہیم کے لیے بشارت لے کے آئے تھے جس میں دونوں باتیں آگئیں کہ نیکوں کاروں کے لیے اللہ کی رحمت کس طرح ہوتی ہے اور بدکاروں کے لیے عذاب کس طرح ہوتا ہے، ایک ہی وقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ایک بہت بڑی جماعت اور ایک امت اٹھانے کی بنیاد رکھی جا رہی ہے، یہ بے سروسامان تھے، اپنے علاقہ کو چھوڑ کے آئے تھے خاندان کو چھوڑ کے آئے تھے، ان سے ایک بڑی امت اور جماعت اٹھائی جا رہی ہے کہ اسحاق پیدا ہوں گے، اسحاق سے یعقوب پیدا ہوں گے، یعقوب کے بارہ بیٹے ہوں گے اور اس طرح اسرائیلیوں کے بارہ خاندان ہوں گے، کتنی بڑی امت اور کتنی بڑی جماعت پیدا ہوئی اور یہ شخص جو تن تنہا آیا تھا کس

طرح ایک جہان کا جد اعلیٰ بن گیا، علمی اور ظاہری سلطنت بھی اس کو ملنے والی تھی کہ ایک بے سروسامان شخص کو سرسبز وشاداب کرنے کے کا انتظام کیا جارہا ہے اور اس کے ساتھ قوم لوط جو انتہاء درجے کی خوشحال تھی، جن کو دور دور تک اپنی بدبختی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے ان کو برباد کو کرنے کا فیصلہ ساتھ ساتھ چلا آرہا ہے تو اللہ تعالیٰ کی دونوں شانیں نظر آرہی ہیں کہ نیکوں پر اللہ کس طرح رحمت کرتے ہیں اور ان پر کس طرح برکتیں نازل ہوتی ہیں اور بدکاروں پر اس کا عذاب کس طرح آتا ہے، یہاں دونوں پہلو دکھائے جارہے ہیں اور پھر ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں جس طرح آیا تھا کہ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کے لیے اللہ کے سامنے بات کی تو اللہ تعالیٰ نے وہ بات مانی تو کیا تھی نوح علیہ السلام کو جھڑک دیا جس سے مشرکوں کے ذہن پر بھی اثر ڈالنا مقصود ہے کہ جو اللہ کی گرفت میں آجائے اس کو پھر کوئی بچا نہیں سکتا چاہے باپ نبی ہے، بیٹا اللہ کی گرفت میں آگیا تو باپ کو بھی بلانے کی اجازت نہ ہوئی اور اگر انہوں نے محبت کی وجہ سے کوئی بات بھی کی تو اللہ نے انہیں ڈانٹ دیا۔

اور یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جو مشرکین کے جد اعلیٰ تھے اور مشرکین ان کی نسبت پہ فخر کرتے تھے اب یہ بھی قوم لوط کے بارے میں سفارش کررہے ہیں، بہت جھگڑا کیا، بہت اصرار کیا، یہاں جھگڑا جدال حسن کے معنی میں ہے مقصد یہ تھا ان کو کچھ اور مہلت مل جائے، جلدی ان پر عذاب نہ آئے، بہت حلم والے تھے، بہت بردبار تھے، ان کو پتہ تھا کہ وہ قوم حضرت لوط علیہ السلام کو کس طرح تنگ کرتی ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے حلم کا مظاہرہ کیا، بہت نرم دل تھے عذاب کی خبر کے ساتھ ان کو بہت تکلیف ہوئی کہ یہ قوم برباد ہو جائے گی جس طرح اصرار کے ساتھ سفارش کی جاتی ہے ایسی سفارش جو ظاہری طور پر جھگڑا معلوم ہوتا تھا لیکن اللہ کی طرف سے یہاں بھی پابندی لگ گئی کہ یہ بات نہ کیجیے اب فیصلہ ہو چکا ہے تو یہاں بھی یہی بات ہے کہ جب اللہ کی گرفت آتی ہے پھر اگر ابراہیم بھی سفارشی بن جائیں اور اللہ کے ساتھ جھگڑا کرنے لگ جائیں تو اللہ کے انصاف کے تقاضے سے جس قوم کا برباد ہونا مقدر ہو گیا وہ پھر کسی کے چھڑانے سے چھوٹے گی نہیں تو مشرکین کے ذہن پہ یہ اثر ڈالنا مقصود ہے کہ تم کن کی سفارشوں پہ اعتماد کیے بیٹھے ہو، تم نے کونسے سہارے تلاش کر لیے ہیں، یہاں تو انبیاء علیہم السلام کی بات نہیں مانی جارہی اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چپ کرا دیا گیا کہ آپ اس بارے میں بات نہ کیجیے۔

نوجوان لڑکوں کی شکل میں فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنا:

اور وہ فرشتے نوجوان لڑکوں کی شکل میں حضر لوط علیہ السلام کے گھر چلے گئے حضرت لوط نے جب اپنے دروازے پہ اس طرح کے خوب رو نوجوانوں کو دیکھا تو انبیاء، تو بہت ہی اعلیٰ اخلاق کے ہوتے ہیں، مہمان کے آنے پہ خوشی ہوتی ہے، مہمان کو خوش آمدید کہتے ہیں، اھلاً و سھلاً کہہ کے مہمان کی دلجوئی کی جاتی ہے لیکن ان مہمانوں کو دیکھ کے حضرت لوط کے دل میں انقباض آ گیا اور غم میں مبتلاء ہو گئے کہ یہ کیا ہوا؟ اس قسم کے لوگ میرے پاس کیوں آ گئے؟ پتہ تھا کہ جب قوم کو پتہ لگے گا تو وہ اس قدر بد معاش ہیں اور وہ ان کو چھیڑیں گے، بے عزت کریں گے ان کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کریں گے جیسے وہ آنے جانے والے مسافروں سے بھی اس قسم کی حرکتیں کرتے تھے تو میرے گھر آ جانے کے بعد کوئی شخص قوم کی شہوت کا نشانہ نہ بن جائے یا قوم اس پر ظلم و ستم کرے گی یہ کتنی بری بات ہے، یہ سارا آنے والا واقعہ حضرت لوط کی آنکھوں کے سامنے آ گیا اس لیے اب غمزدہ ہو گئے اور دل میں تھا کہ بہت سخت دن آ گیا لیکن جواب بھی نہیں دے سکتے تھے کہ میں تمہیں نہیں بٹھاتا، گھر میں ٹھہرا لیا۔

"ھٰؤلاء بناتی ھن اطھر لکم" کا مفہوم:

اور پھر وہی ہوا کہ جب قوم کو اطلاع ہوئی تو سارے کے سارے دوڑ کے آ گئے اور آ کے حضرت لوط کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور یہ مطالبہ کیا کہ یہ لڑکے ہمارے سپرد کر دو، اور حضرت لوط علیہ السلام پریشان کہ میں اپنے مہمانوں کو ان بدکاروں کے سپرد کس طرح کر دوں۔ بہت سمجھایا لیکن وہ کسی طرح سمجھے نہیں آخر حضرت لوط کی زبان سے ایک بات نکلی کہ "ھٰؤلاء بناتی" اس کا مفہوم دو طرح سے ذکر کیا جاتا ہے یا تو یہ آپ کے وعظ کا حصہ ہے کہ بدبختو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری شہوت رانی کے لیے قضاء شہوت کے لیے تمہیں بیویاں دی ہیں اس قوم کی لڑکیاں جو تمہارے گھروں میں آباد ہیں تم جا کے اپنی شہوت ان پہ پوری کرو اس قسم کے جذبات کا سکون تم وہیں جا کے حاصل کرو تو ھٰؤلاء بناتی سے وہی قوم کی بیٹیاں مراد ہیں اور جس قوم کا کوئی بوڑھا شخص موجود ہو تو وہ قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں ہی کہا کرتا ہے، میری یہ بیٹیاں تمہارے گھروں کے اندر آباد ہیں یہ لڑکیاں آخر کس لیے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تمہارے سکون کے لیے یہی بنائی ہیں تم ان کے پاس جاؤ وہ تمہارے لیے پاکیزگی کا باعث ہیں، فطری طریقہ ہے قانون شریعت کے اعتبار سے جائز ہے تمہیں ادھر متوجہ ہونا چاہیے، تم لڑکوں کے پیچھے کیوں لگ گئے ہو، انہوں نے

آگے سے جواب دیا کہ تمہیں تو پتہ ہے کہ ہمیں لڑکیوں سے کوئی رغبت نہیں ہے، ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے ڈھیٹ ہو کے اس طرح جواب دیا یعنی ان کی بے غیرتی اور بے حیائی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ وہ اس جرم کو نہ صرف یہ کہ کرتے تھے بلکہ علی الاعلان کرتے تھے اور اس کو کوئی عیب بھی نہیں سمجھتے تھے، سمجھانے والے کے سامنے پوری بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے ان کی طرف کوئی رغبت نہیں ہے تمہیں پتہ ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں اس لیے یہ نصیحت ہمیں نہ کیجیے۔

یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ بنات سے حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیاں مراد ہیں حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کے متعلق کہا میرے مہمانوں کو چھوڑو میری بیٹیاں موجود ہیں یہ لے لو پھر اس کو مطلب دو طرح سے ہو گا کہ یا تو ان غنڈوں کے جو قائدین تھے تو آپ نے ایک عاجزانہ انداز کے ساتھ کہا کہ دیکھو! میں تمہیں بیٹیاں دینے کے لیے تیار ہوں، تم ان کے ساتھ نکاح کر لو، یہ تمہارے لیے پاکیزگی کا باعث ہیں پاکیزگی کا باعث تب ہوں گی جب جائز طریقہ کے ساتھ تعلق قائم کیا جائے گا، یہ لے لو میں تمہیں اپنی بیٹیاں دینے کے لیے تیار ہوں مہمانوں کے سلسلے میں مجھے رسوا نہ کرو یا اگر نکاح کے لیے بھی پیش نہ کی ہوں تو یہ بہت ہی ہارے ہوئے دل کی بات ہوتی ہے کسی کو شرمسار کرنے کے لیے اس کے سامنے اس انداز سے بات ہوتی ہے وہاں کلام کی حقیقت مقصود نہیں ہوتی ہے دوسرے کو متاثر کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے دو لڑکے آپس میں لڑ رہے ہوں اور ایک بہت ہی غصہ میں ہے اور کسی طرح بھی اس کا غصہ ختم نہیں ہو رہا ہے تو کوئی بڑا سامنے آجائے اور کہے کہ یار اگر تو مارے بغیر نہیں رہ سکتا تو یہ میرا سر موجود ہے یہ لے جوتے مار لے، اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حقیقتاً وہ سر پیش کر رہا ہے کہ میرے سر پہ جوتے لگاؤ بلکہ شرمسار کر کے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنا مقصود ہوتا ہے کہ بدبختو اگر تم کسی طرح باز نہیں آتے تو یہ لو میری بیٹیاں ہی لے لو، اب کون شریف آدمی ہے جو اس بات کو سننے کے بعد شرمسار نہیں ہو جائے گا کہ دیکھو! اب ان کو اپنے مہمانوں کی عزت کتنی پیاری ہے کہ اپنی بیٹیاں قربان کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن مہمانوں کی حفاظت کر رہے ہیں تو ایسے وقت میں اگر ان کے اندر حیاء کا تھوڑا سا ذرہ بھی ہوتا یا مروت یا رواداری ہوتی تو شرمسار ہو جاتے کہ ہم اتنا مجبور کیوں کر رہے ہیں کہ لوط علیہ السلام مجبور ہو کے یہ لفظ بھی کہہ رہے ہیں کہ میری بیٹیاں لے جاتے ہو لے جاؤ میں مہمان دینے کے لیے تیار نہیں، وہ کہاں ماننے والے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی حسرت:

جب وہ کسی طرح بھی نہ مانے تو حضرت لوط علیہ السلام کی زبان سے ایک بات نکلی اے کاش میرے اندر طاقت ہوتی کہ میں تم سے مقابلہ کرسکتا یا میرے ساتھ رکن شدید ہوتا جس کی میں آڑ لیتا، کوئی مضبوط سہارا ہوتا میرا کوئی جتھا ہوتا میری کوئی جماعت ہوتی، کوئی خاندان جس کے ساتھ مل کر میں تمہاری مدافعت کرتا میں کیا کروں میرے پاس تو اپنی قوت بھی نہیں ہے اور ظاہری طور پر میرے پاس کوئی جتھا اور جماعت بھی نہیں ہے اس بات کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم کرے کہ قوم کے سامنے کتنے عاجز آگئے تھے کہ ان کے منہ سے یہ بات بھی نکل گئی حالانکہ رکن شدید تو ان کو حاصل تھا یعنی اللہ تعالی کی پناہ ان کو حاصل تھی اور اللہ کی طرف سے مدد ملی اور اس کی مدد کے ساتھ قوم تباہ ہوگئی۔

فرشتوں کی طرف سے جواب اور قوم لوط کی تباہی:

جب ان کی اتنی عاجزی دیکھی تو فرشتے بول پڑے کہ آپ کیا سمجھ رہے ہیں، ہم فرشتے ہیں اللہ کی طرف سے آئے ہوئے ہیں اور اس قوم کو برباد کرنے کے لیے آئے ہیں، اب آپ فکر نہ کیجیے یہ آپ تک نہیں پہنچ سکتے چنانچہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی فرشتوں کے تصرف سے سب جھگڑا کرنے والے اندھے ہو گئے اور حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ رات کے ایک حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کے نکل جاؤ، بیوی کو ساتھ نہ لے جانا وہ بیوی کافر تھی مشرکہ تھی جس کا ذکر سورۃ تحریم کے اندر آیا ہے صبح کے وقت ان پر عذاب آجائے گا اور صبح کوئی دور نہیں ہے صبح قریب ہے۔

چنانچہ حضرت لوط اپنے گھر والوں کو لے کر نکل گئے تو پیچھے پھر ان کے اوپر عذاب آیا، عذاب کی حسی طور صورت یہ پیش آئی کہ یوں زلزلہ آیا کہ زمین پھٹی اور مکان گر گئے اور ان کے مکان بالکل گر کر تباہ ہو گئے اور آسمان کی طرف سے پتھروں کی بارش ہوئی، آندھی آئی ہوگی جس میں پتھروں کی بارش ہوئی ہوگی لیکن حقیقت کے اعتبار سے جس طرح دوسری تفاسیر کے اندر آثار موجود ہیں کہ حضرت جبرائیل نے ان بستیوں کو اٹھا کے پلٹ دیا اب جبرائیل کا اٹھانا اور پلٹنا ظاہری آنکھوں سے تو نظر نہیں آتا ہے تو ظاہری طور پر صورت یہ پیش آئی کہ جس طرح زلزلہ آتا ہے یا جس طرح زمین نیچے سے پھٹتی ہے جس طرح آتش فشاں ہوا کرتے ہیں تو یہ پھٹا اور اوپر گر گیا اور اوپر جا کے پلٹا کھا

گیا کہ بستیوں کا اوپر والا حصہ نیچے آگیا اور نیچے والا اوپر آگیا اور سخت آندھی آئی جس میں پتھر برسے اس قسم کا عذاب اس قوم کے اوپر آیا اور اس قوم کو برباد کر دیا گیا یعنی ان کے اوپر اتنا سخت عذاب آیا کیونکہ ان کی غلطی بھی تو باقیوں کے مقابلہ میں بڑی تھی اور ان کی غلطی کی تفصیل سورۃ اعراف میں آپ کے سامنے گزر چکی ہے کہ یہ بدکاری کے عادی تھے، شہوت زنی لڑکوں کے ساتھ کرتے تھے، علی الاعلان کرتے تھے، مجلسوں میں کرتے تھے آنے جانے والوں کو پکڑ کے اس کا نشانہ بناتے تھے اور وہ اس گناہ کے موجد تھے اس سے پہلے یہ گناہ دنیا میں نہیں تھا، شیطان کی تعلیم کے ساتھ ان کے اندر یہ جاری ہوا تو اس طرح یہ قوم برباد کر دی گئی۔

واقعات ذکر کرنے کا مقصد:

اور یہ ساری بستیاں مشرکین مکہ سے دور نہیں تھیں، آتے جاتے وہ ان کے آثار دیکھتے تھے اور حکایات لوگوں کی زبان پہ تھی کہ فلاں بستی ہلاک کر دی گئی، تو ان کو کہا جا رہا ہے کہ یہ بستیاں تم سے دور نہیں ہیں اور ان کا انجام تمہارے سامنے ہے جب وہ بستیاں برباد کر دی گئیں تو اگر تم بھی باز نہیں آؤ گے تو تمہیں بھی اس طرح تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

اور ہم نے بھیجا مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو، انہوں نے کہا اے میری قوم! تم عبادت کرو اللہ کی تمہارے لیے کوئی معبود نہیں ہے

غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

اللہ کے علاوہ اور نہ تم کمی کرو کیل میں اور وزن میں بیشک میں دیکھتا ہوں تمہیں خوشحالی میں اور بیشک میں اندیشہ کرتا ہوں تم پر

عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ

محیط دن کے عذاب کا ﴿۸۴﴾ اور اے میری قوم! تم پورا کیا کرو کیل کو اور وزن کو انصاف کے ساتھ

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور گھٹا کر نہ دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو زمین میں فساد مچاتے ہوئے ﴿۸۵﴾

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ۬ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ

اللہ کے حکم کے مطابق بچا ہوا بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم یقین کرتے اور میں تم پر کوئی نہیں ہوں

بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ

نگہبان ﴿۸۶﴾ وہ کہنے لگے اے شعیب! کیا تجھے تیری نماز یہی حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں ان چیزوں کو جن کو پوجتے تھے

اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ

ہمارے آباء یا اس بات کا کہ کریں ہم مالوں میں جو ہم چاہیں بے شک تو البتہ بردبار

الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ

نیک چلن ہے ﴿۸۷﴾ آپ نے کہا اے میری قوم! تم بتلاؤ کہ اگر میں واضح راستہ پر ہوں اپنے رب کی طرف سے

وَرَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ

اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رزق حسن دیا ہوا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میں مخالفت کروں تمہاری مائل ہوتا ہوا ان کاموں کیطرف

اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِیْۤ

جن سے تمہیں روکتا ہوں نہیں میں ارادہ کرتا مگر اصلاح کا جہاں تک مجھ میں طاقت ہے اور نہیں ہے میری توفیق

إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿٨٨﴾ وَيَا قَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ

مگر اللہ کی توفیق کے ساتھ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں ﴿۸۸﴾ اور اے میری قوم! نہ برانگیختہ کرے تمہیں

شِقَاقِي أَن يُصِيبَكُم مِّثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ

میری ضد اس بات پہ کہ پہنچ جائے تمہیں وہ جو پہنچا قوم نوح کو یا قوم ہود کو

أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ ﴿٨٩﴾ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ

یا قوم صالح کو اور قوم لوط تو تم سے کوئی دور نہیں ہے ﴿۸۹﴾ اور استغفار کرو اپنے رب سے

ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ﴿٩٠﴾ قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ

اور اس کی طرف متوجہ رہو بیشک میرا رب مہربان اور محبت کرنے والا ہے ﴿۹۰﴾ اور کہنے لگے اے شعیب ہم نہیں سمجھتے

كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

بہت ساری باتیں ان باتوں میں سے جو تو کہتا ہے اور بیشک تمہیں دیکھتے ہیں ہم اپنے اندر کمزور اور اگر تیرے خاندان کی رعایت نہ ہوتی تو البتہ

لَرَجَمْنَاكَ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَهْطِي أَعَزُّ عَلَيْكُم

ہم تجھے رجم کرتے اور تو ہم پر کوئی غالب نہیں ہے ﴿۹۱﴾ آپ نے کہا اے میری قوم! کیا میرا خاندان زیادہ عزیز ہے

مِّنَ اللَّهِ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۖ إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٩٢﴾

اللہ کے مقابلہ میں اور اختیار کیا تم نے اس اللہ کو پشت کے پیچھے پھینکا ہوا بیشک میرا رب احاطہ کرنیوالا ہے ان کاموں کا جو تم کرتے ہو ﴿۹۲﴾

وَيَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن

اور اے میری قوم! تم عمل کرو اپنی جگہ میں بھی عمل کرنے والا ہوں عنقریب تم جان لو گے اس شخص کو

يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۖ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ

جس کے پاس آ جائیگا عذاب جو اس کو رسواء کردے گا اور یہ کہ کون جھوٹا ہے تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ

رَقِيبٌ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ

انتظار کرنیوالا ہوں ﴿۹۳﴾ اور جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے نجات دی شعیب کو اور ان لوگوں کو جو ان پر ایمان لائے تھے رحمت کیساتھ

مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ

اپنی طرف سے اور پکڑ لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا ایک کڑک نے پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں

جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾

اوندھے منہ ﴿۹۴﴾ گویا کہ وہ ان گھروں میں کبھی رہے ہی نہیں تھے خبردار! دوری ہے مدین کے لیے جیسا کہ دور ہوئے ثمود ﴿۹۵﴾

تفسیر

ماقبل سے ربط:

واقعات کے سلسلہ میں یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ ہے اور سورہ اعراف میں یہ مفصل آپ کے سامنے گزر چکا ہے ان واقعات کے بہت سارے اجزاء تو آپس میں ملتے جلتے ہیں جیسے توحید کی دعوت دی تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی انداز میں دی اور عذاب سے بھی ڈرایا اور قوم کی طرف سے مخالفت ایک انداز سے ہوئی اور اسی مخالفت کے نتیجے میں دنیا کے اندر عذاب میں گرفتار بھی ہوئے اور بعض چیزیں بعض قوموں کے اندر خصوصیت کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں جیسا کہ گذشتہ رکوع میں آیا تھا تو کفر و شرک کے ساتھ ان کی بداخلاقی کو واضح کیا گیا تھا جس میں وہ مبتلاء تھے اور اسی طرح اس رکوع میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے تو ان کے اندر بھی ایک بدمعاملگی تھی جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم کو خطاب:

چونکہ یہ لوگ تاجر پیشہ تھے شرک میں مبتلاء ہونے کے ساتھ یہ لوگ تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے تجارت مین بدمعاشی کرتے تھے کم تولتے تھے، اور کم ماپتے تھے اس طرح انہوں نے عدل وانصاف کا ستیاناس کر دیا تھا اور لوگوں کے حقوق کو غصب کرتے تھے، جو چیز ماپ کے دی جاتی اس میں بھی کمی کرتے تھے یہ اس قوم کی خصوصی بیماری تھی جس کا ذکر یہاں حضرت شعیب نے خصوصیت کے ساتھ کیا ہے اور اس کم تولنے اور کم ماپنے کے لفظ کو تطفیف کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، تیسویں پارہ میں سورہ مطففین کا جو لفظ ہے اس کا بھی یہی معنی ہے کہ کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے جس کی تفصیل آگے یہی کی گئی ہے کہ جب یہ دوسروں سے لیتے ہیں تو پورا پورا تول کے لیتے ہیں اور پورا پورا ماپ کے لیتے ہیں اور جب دوسروں کو دیتے ہیں تو اس میں نقص ڈالتے ہیں تو قوم شعیب کے اندر یہ

بیماری بھی تھی جس کے ساتھ اوپر حضرت شعیب علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ متنبہ کیا ہے کہ تمہارا یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے ٹھیک ٹھیک تولا کرو، اور ٹھیک ٹھیک ماپا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اس طرح ان کے حقوق کو غصب نہ کیا کرو اس وقت تم بہت خوشحال ہو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے اور اس خوشحالی کے اوپر اللہ کا احسان مانو اللہ کی فرمانبرداری کرو اور اگر تم نے اس بدکرداری کو نہ چھوڑا اور کفر اور شرک سے باز نہ آئے تو یاد رکھو! تم پر ایک دن ایسا بھی آئے گا کو مختلف قسم کی مصیبتوں کو جامع ہوگا اور اس دن تم پھر اس عذاب میں مبتلاء ہو جاؤ گے یہ ترہیب ہے۔

اور آگے پھر اس لفظ کے ساتھ ترغیب دی گئی کہ اللہ کے احکام کے مطابق تجارت کرو اللہ کے احکام کے مطابق تجارت کرنے بعد جو بچ جائے چاہے وہ بظاہر دیکھنے میں تھوڑا ہو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اس مال کے مقابلہ میں جو حرام کے ذریعہ سے کمایا ہوا ہو باقی میں تم پر کوئی نگران اور نگہبان بنا کر بھیجا نہیں گیا میں تو اللہ کی طرف سے رسول بن کے آیا ہوں ترغیب اور ترہیب میں نے کر دی، اللہ کے احکام میں نے پہنچا دیے ہیں اگر قبول کر لو گے تو تمہاری لیے بہتر ہوگا اور اگر نہیں قبول کرو گے تو اس میں تمہارا نقصان ہے۔

قوم کی طرف سے استہزاء:

حضرت شعیب علیہ السلام کا وعظ سورہ اعراف میں تفصیل کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور یہاں بھی ان کا ذکر دوسروں کے مقابلہ میں تفصیل کے ساتھ آیا ہوا حضرت شعیب علیہ السلام اپنے اسی تفصیلی وعظ کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے سلسلے میں خطیب الانبیاء کہلاتے ہیں، خطیب الانبیاء کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء میں خطبہ اور تقریر کے لحاظ سے امتیازی شان حاصل ہے۔

جتنی انہوں نے جگرسوزی کی، جتنا انہوں نے اچھے انداز کے ساتھ سمجھایا قوم آگے سے مذاق اڑاتی ہے، جس طرح بددین لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ منہ پہ داڑھی ہے تو داڑھی کا مذاق اڑا دیں گے، کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو اس کا مذاق اڑا دیں گے، وہ لوگ کہتے ہیں کہ کتنے معقول طریقے ہیں جن پر ہم لگے ہوئے ہیں کہ ایک تو ہم نسلی طریقہ پر ہیں، جن چیزوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم ان کو پوج رہے ہیں ہم اپنے آباؤ واجداد کے طریقے کو کیسے چھوڑ دیں دوسرا یہ کہ جب دکان میں پڑا ہوا مال ہمارا ہے ہم جس طرح چاہیں بیچیں اور جس طرح

چاہیں خریدیں تمہارا اس میں کیا دخل ہے؟ مطلب یہ ہے کہ دین کے معاملات کے ساتھ کیا تعلق تو جو نماز پڑھتا ہے تو تیری نماز تجھے کیا یہی سکھاتی ہے کہ آ کے ہمارے معاملات میں ٹانگ اڑا اور یہ کہ ہم اپنے مالوں کے اندر اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں اور تیرا یہ دین تجھے یہی سکھاتا ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ کو چھوڑ دیں اس طرح لفظ صلوۃ کے ساتھ استہزاء کیا کہ کیا تجھے تیری نماز یہی سکھاتی ہے کہ تو ہمیں اس طرح کہنے لگ جائے اور اگر صلوٰۃ بول کر دین ہی مراد لیا جائے جس طرح بیان القرآن میں لیا گیا ہے تو پھر مفہوم واضح ہے کہ کیا تیرا دین تجھے یہی سکھاتا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ ان باتوں کا چھوڑنا ہمارے لیے مشکل ہے اور ہم سمجھتے ہیں اس کے اندر ہماری کامیابی ہے اور اس کی وجہ سے ہماری ترقی ہے اگر تیری بات مان لیں گے تو ہمارے اوپر زوال آجائے گا اور اس طرح سے نفع نہیں کما سکیں گے اور آباء واجداد کے طریقے کو چھوڑ کر ہم نے کدھر جانا ہے، تو بڑا سمجھدار آدمی ہے جو تو نے اس قسم کی باتیں کرنی شروع کردی ہیں یہ" الحلیم ' الرشید " کا لفظ بھی بطور استہزاء کے ہے۔

حضرت شعیب کا دوسرا خطاب:

حضرت شعیب نے پھر بھی اشتعال کی بات نہیں کی بلکہ اسی معقول انداز کے ساتھ سمجھایا کہ اے میری قوم میں اللہ کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور یہ عین فطرت کے مطابق ہے اور میرے مدعا پر دلیل بھی قائم ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی طرف سے رزق حسن دیا ہوا ہے تو پھر اگر میں تمہاری باتیں مان کے تمہارے طریقہ کو اپنا لوں تو پھر اللہ کی گرفت سے مجھے کون بچائے گا؟ پھر تم میرا اخلوص بھی دیکھو! کہ جو تمہیں کہتا ہوں اس کے مطابق خود بھی کرتا ہوں یہ تو نہیں ہے کہ ہمیں تو روک دیتا ہے کہ یہ زیادہ نفع نہ کماؤ، جعل سازی نہ کرو اور دھوکہ بازی نہ کرو اور خود اس انداز میں یہ کمار ہا ہے ہمیں تو نصیحت کر رہا ہے اور خود اس پر عمل نہیں کرتا، یہ اشکال بھی بسا اوقات واعظ کی بات ماننے سے مانع ہو جاتا ہے کہ اس کا اپنا کردار وعظ کے مطابق نہیں ہے اور یہاں حضرت شعیب علیہ السلام اپنے کردار کو وعظ کے مطابق واضح کرتے ہیں کہ میں جو تمہیں کہتا ہوں وہ میں خود بھی کرتا ہوں جن باتوں سے میں تمہیں روکتا ہوں ان باتوں سے خود بھی رکتا ہوں، میرا یہ ارادہ تو نہیں ہے کہ تمہیں روک دوں اور خود ان پر عمل کرنا شروع کر دوں، میرا عمل بھی اس طرح ہے جس طرح میں تمہیں کہتا ہوں میں تو اصلاح کا ارادہ کیے ہوئے ہوں جتنی میرے اندر طاقت میں تمہیں سمجھاؤں گا حالات کو درست کرنا چاہتا ہوں اس میں دین اور دنیا دونوں کی درستگی ہے

باقی اللہ کی طرف سے جتنی مجھے توفیق ہوگی میں کوشش کرتا رہوں گا، اسی پہ میں نے بھروسہ کیا اور اس کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

اور پھر ایک اور انداز سے سمجھایا، کہ بسا اوقات ایک آدمی دوسرے آدمی کو سمجھاتا ہے تو دوسرے کے اندر ضد کا جذبہ ابھر جاتا ہے، جب یہ ضد پہ آجاتا ہے تو پھر یہ نہیں دیکھتا ہے کہ سمجھانے والوں کی بات معقول ہے یا غیر معقول ہے، وہ تہیہ کر لیتا ہے جو کچھ یہ کہے گا میں اس کے الٹ ہی کہوں گا تو ضد کے ساتھ انسان سمجھانے والے کی مخالف سمت کو اختیار کرتا ہے اور بڑی تیزی کے ساتھ مخالفت کے سمت کی طرف نکل جاتا ہے، سوچنے کی کوشش نہیں کرتا ہے کہ اس کی بات معقول ہے یا غیر معقول ہے حضرت شعیب یہی کہتے ہیں اے میری قوم! تم جو میرے ساتھ ضد کرنے لگ گئے تو یہ ضد کہیں ان حالات تک نہ پہنچا دے جس قسم کے حالات قوم نوح پہ گزرے قوم ہود پہ گزرے اور قوم صالح پر گزرے میری ضد تمہیں کہیں وہاں تک نہ پہنچا دے، جو میں کہتا ہوں تم اس کا الٹ کرنے کی کوشش کرتے ہو کہیں تم اس قسم کے حالات میں مبتلاء نہ ہو جانا پھر یہ تو میں دور رہوں گی لیکن قوم لوط تو دور نہیں ہے، کہتے ہیں کہ ان کی جگہ آپس میں قریب ہے حضرت شعیب کا علاقہ حضرت لوط کے علاقہ کے قریب ہے اور وقت کے لحاظ سے بھی دور نہیں تھے، آگے وہی تلقین کی جو عام طور پر کرتے تھے کہ اپنی غلطیوں پر معافی مانگو اور آئندہ عبادت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو میرا رب بہت رحم کرنے والا ہے بہت محبت کرنے والا ہے، جب تم پچھلی غلطیوں پہ معافی مانگو گے تو اللہ تم پر رحم کرتا ہوا غلطیاں معاف کر دے گا جب تم نیکی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

قوم شعیب کی طرف سے جواب:

انہوں نے آگے سے کہہ دیا کہ اے شعیب! جتنی باتیں تو ہمیں کہتا ہے اس میں سے بہت ساری باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہیں مطلب یہ ہے کہ اپنی خواہش کے مطابق نہیں تھیں، توجہ دیتے نہیں تھے اور خواہشات کے غلبہ کے وقت خواہشات کے خلاف کوئی بات کی جائے تو عقل میں کہاں بیٹھتی ہے یا یہ مطلب تھا کہ یہ باتیں تو سمجھنے کے قابل نہیں ہیں، ہمارے ساتھ اس قسم کی باتیں نہ کیا کرو، ہمارے ساتھ معاملہ میں الجھا نہ کرو ہمارے مقابلہ میں تو کوئی طاقت ور آدمی نہیں ہے ہم تجھے بے زور دیکھتے ہیں، آج تک ہم نے جو تجھے چھوڑ رکھا ہے یا تجھے اپنی بستی میں

برداشت کر رہے ہیں یہ صرف تیرے خاندان کی وجہ ہے جو ہمارے ہم عصر ہے، تیرے خاندان کی رعایت نہ ہوتی تو ہم تجھے پتھر مار مار کے سنگسار کر دیتے، یہ تیرے خاندان کا لحاظ ہے جو ہم تجھے کچھ نہیں کہتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا آخری خطاب:

حضرت شعیب علیہ السلام کہنے لگے دیکھو کہ! میری دو نسبتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ میں اس خاندان کا فرد ہوں اور ایک یہ کہ اللہ کا رسول ہوں، تمہیں میرے خاندان کا لحاظ ہے اور میرے اللہ کا کوئی لحاظ نہیں ہے کیا تمہارے نزدیک اللہ کی اتنی عزت نہیں ہے کہ جتنی میرے خاندان کی ہے؟ تم اس بات کا خیال کیوں نہیں کرتے ہو کہ میں اللہ کی طرف سے آیا ہوا ہوں اور اس کو تم نے بالکل پس پشت ہی ڈال دیا ہے اور اس کی طرف کسی قسم کی کوئی توجہ نہیں دی ہے اور میرا رب تمہارے عملوں کا احاطہ کرنے والا ہے اگر تم نے یہ ٹھان ہی لی ہے کہ تم میری بات کو نہیں مانو گے تو بہت اچھا تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو اور میں اپنی جگہ عمل کرتا ہوں، اور بہت جلد ہی پتہ چل جائے گا کہ کون ہے وہ شخص جس پر عذاب آ جائے گا جو اسے رسوا کر کے رکھ دے گا اور کون جھوٹا ہے آخری بات یہی ہوتی ہے کہ تم اپنے کام میں لگے رہو میں اپنے کام میں لگا رہوں گا آنے والے حالات واضح کر دیں گے کہ جھوٹا کون ہے، آنے والے حالات واضح کر دیں گے کہ عزت کس کو ملتی ہے اور ذلت کس کے مقدر میں آتی ہے، تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرنے والا ہوں۔

نتیجہ:

پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے شعیب کو نجات دی اور ان لوگوں کو جو ان پر ایمان لائے اپنی طرف سے رحمت کے ساتھ اور پکڑ لیا ان لوگوں کو جن لوگوں نے ظلم کیا تھا کڑک نے کڑک کا عذاب ان لوگوں پر آیا جس کے ساتھ وہ منہ کے بل گر گئے اور وہ اپنی بستی میں ہلاک ہو گئے، جو بہت زور دکھایا کرتے تھے آج اس طرح بے نام و نشان ہو گئے "کان لم یغنو فیھا" گویا کہ وہ ان گھروں میں آباد ہی نہیں ہوئے تھے "الا بعدا لمدین" خبردار! دوری ہے مدین کے لیے لعنت ہے مدین کے لیے، ملعون ہو گئے مدین والے جس طرح ثمود والے ملعون ہو گئے، جیسے وہ رحمت سے دور ہوئے تھے ایسے یہ بھی رحمت سے دور ہو گئے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍۙ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ

البتہ تحقیق ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی آیات اور واضح دلائل کے ساتھ ﴿۹۶﴾ فرعون کی طرف

وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾

اور اس کے سرداروں کی طرف پس انہوں نے فرعون کے حکم کی اتباع کی اور فرعون کا حکم درست نہیں تھا ﴿۹۷﴾

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَ بِئْسَ

آگے آگے چلے گا وہ قیامت کے دن پھر ان کو جھونک دے گا آگ میں اور بری ہے

الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ

وہ گھاٹ جس پر وہ وارد کیا گیا ہے ﴿۹۸﴾ پیچھے لگا دیے گئے اس دنیا میں بھی لعنت اور قیامت میں بھی لعنت بہت برا ہے

الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا

وہ عطیہ جو وہ دیا گیا ﴿۹۹﴾ یہ بستیوں کے خبریں ہیں ہم اس کو پڑھتے ہیں آپ پر ان میں بعض قائم ہیں

قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ

اور بعض بعض نیست و نابود کر دی گئی ہیں ﴿۱۰۰﴾ اور ہم نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا ان لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا پس نہ

اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

فائدہ پہنچایا ان کو ان کے معبودوں نے جن کو وہ پکارتے تھے اللہ کے علاوہ

شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ

کسی چیز میں جس وقت آ گیا تیرے رب کا حکم اور نہیں زیادہ کیا ان کے حق میں سوائے ہلاک کرنے کے ﴿۱۰۱﴾ اور ایسے ہی ہے

اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِیَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ

تیرے رب کا پکڑنا جب کہ اس نے پکڑا بستی والوں کو اس حال میں کہ وہ ظالم تھے بیشک اس کا پکڑنا بہت ہی دردناک ہے

شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ

سخت ہے ﴿۱۰۲﴾ بے شک اس میں نشانی ہے اس شخص کیلئے جو ڈرتا ہے آخرت کے عذاب سے یہ

يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا

ایسا دن ہے جمع کیا جائیگا جس کیلئے سب کو اور یہ ایسا دن ہے جسمیں حاضری ہوگی ﴿۱۰۳﴾ اور ہم نہیں پیچھے ہٹاتے ان کو مگر

لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ؕ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ

ایک معلوم مدت کیلئے ﴿۱۰۴﴾ جس دن وہ دن آئیگا کوئی نفس بات نہیں کر سکے گا مگر اللہ کی اجازت کیساتھ پس ان میں

شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ

بعض بد بخت ہونگے اور بعض نیک بخت ہونگے ﴿۱۰۵﴾ پھر وہ لوگ جو بد بخت ہوگئے وہ جہنم میں ہونگے ان کیلئے ان جہنم میں چیخنا

وَّ شَهِيْقٌ ۙ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا

اور دھاڑنا ہوگا ﴿۱۰۶﴾ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں جب تک زمین و آسمان رہیں گے مگر

مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا

جو تیرا رب چاہے بیشک تیرا رب کرنیوالا ہے اس کام کو جس کا وہ ارادہ کرتا ہے ﴿۱۰۷﴾ اور وہ لوگ جو نیک بخت ہوئے

فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا

وہ جنت میں ہوں گے ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس جنت میں جب تک زمین آسمان رہیں گے مگر

مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ

جو تیرا رب چاہے دیے گئے ایسی عطاء جو منقطع نہیں ہوگی ﴿۱۰۸﴾ پس نہ ہو تو شک میں اس چیز کیطرف سے جس کو پوجتے ہیں

هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا

یہ لوگ۔ نہیں پوجتے یہ لوگ مگر جیسا کہ پوجا تھا ان کے آباء نے اس سے قبل، اور بے شک ہم

لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع

ان کو پورا دینے والے ہیں ان کو ان کا پورا حصہ اس حال میں اس میں وہ کمی کیا ہوا نہیں ہوگا ﴿۱۰۹﴾

تفسیر

ماقبل سے ربط:

واقعات کے سلسلے میں اس رکوع کی ابتدائی آیات میں اختصار کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے سورہ یونس میں آپ کے سامنے باقی انبیاء کا ذکر اجمالاً آیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو کچھ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا تھا اور اس سورت کے اندر معاملہ برعکس ہو گیا کہ دوسرے واقعات کچھ تفصیل کیساتھ ذکر کیے گئے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی طرف بالاجمال اشارہ کیا گیا ہے اور اگلی آیات میں پیش کردہ واقعات کے اوپر تبصرہ ہے کہ ان سے عبرت حاصل کرنی چاہیے مؤمن بھی ان سے فائدہ اٹھائیں اور کافروں کو بھی ان واقعات سے تنبیہ ہونی چاہیے اور پھر آخرت کی یاددہانی ہے، یہ دنیا کے عذاب ہیں جو کہ دارالجزاء نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ جب پکڑلیں تو دنیا میں بھی اس قسم کا سخت عذاب دیتے ہیں تو آخرت کا عذاب تو پھر کیا ہی ہوگا جو ہے ہی عذاب کی جگہ، وہ تو دارالجزاء ہے، دنیا کی سزاؤں کو دیکھ کے آخرت کی سزاؤں کا تصور کرنا چاہیے اور پھر اس ضمن میں کچھ آخرت کا ذکر ہو گیا، رکوع کے آخر تک یہی مضمون ہے۔

فرعون اور ان کے متبعین کا حال:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے موسیٰ کو بہت سی نشانیاں دے کے بھیجا اور خاص طور پر ایک واضح دلیل دی اس واضح دلیل کا مصداق ہوگا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء، بھیجا ہم نے فرعون کی طرف اور اس کے سرداروں کی طرف وہ لوگ فرعون کے حکم کے پیچھے لگ گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات انہوں نے نہیں مانی، اللہ تعالیٰ کا حکم انہوں نے نہیں مانا فرعون کے حکم کے پیچھے لگ گئے اور فرعون کا امر درست نہیں تھا، صاحب رشید نہیں تھا، فرعون کا حکم درستی والا نہیں تھا جب یہ دنیا کے اندر فرعون کے پیچھے لگے تو فرعون کو اپنا قائد مان لیا اب آخرت میں بھی فرعون کی قیادت ہی نصیب ہوگی، آخرت میں بھی وہی قائد ہوگا آگے آگے چلے گا اور ان سب کو جہنم میں جھونک دے گا، خود بھی جہنم میں جائے گا اپنے متبعین کو بھی لے جائے گا جن کا جیسا قائد ہوگا وہ اپنے قائد کے ساتھ جائیں گے اور وہ بہت ہی بری گھاٹ ہے جس پر ان کا ورود ہوگا، ان کے عمل اور کردار کے نتیجہ میں دنیا میں بھی ان کو لعنت ملی اور قیامت میں بھی ان کے لیے لعنت ہوگی اور یہ بہت برا عطیہ ہے جو ان کو دیا گیا ہے تو یہ کردار جو انہوں نے اپنایا اس کے نتیجہ میں ان کو

یہی حاصل ہوا۔

آیات کا مفہوم:

ان واقعات پر تبصرہ ہے بایں طور کہ اس کو دیکھ کے ہر ایک کو عبرت ہونی چاہیے اللہ تعالیٰ نے یہ واقعات اس لیے سنائے ہیں تاکہ ان کو سامنے رکھ کے ہر شخص اپنے کردار کا جائزہ لے لے خصوصیت کے ساتھ مشرکین مکہ کو تنبیہ کرنا مقصود ہے" ذلك من انباء القریٰ "بستیوں کے واقعات ان میں سے ہم نے کچھ آپ کو سنائے ہیں ان میں بعض بستیاں تو قائم ہیں مثلاً جو واقعات ذکر کیے گئے ہیں ان میں فرعون کا واقعہ بھی آیا ہے فرعون کے غرق ہونے کے بعد اس کا شہر آباد رہا، اس کے شہر میں کسی قسم کی کوئی بربادی نہیں ہوئی اور بعض ان میں بالکل نیست ونابود ہو گئے جیسے قوم لوط کی بستیاں وغیرہ تو بعض ان میں قائم ہیں اور بعض ان میں کٹ چکی ہیں، نیست ونابود ہو چکی ہیں

واقعات کے سلسلے میں آپ کے سامنے ہے کہ ہم نے ان کے اوپر کوئی زیادتی نہیں کی انہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے کہ سیدھا راستہ اختیار نہیں کیا بداخلاقیاں اختیار کیں، بدکردار ہوئے کفر شرک کے اندر مبتلاء ہوئے اس کے نتیجہ میں وہ برباد ہوئے اور جن کا وہ سہارا لیے بیٹھے تھے وہ ان کے مشکل وقت میں کام نہ آئے، کوئی عذاب دور نہ ہٹا سکا بلکہ الٹا ان کے لیے نقصان کا باعث بنا کیونکہ ان کو پوجنا ہی شرک ہے اور اسی شرک کی بناء پر اللہ کا غضب آیا تو نہیں بڑھایا انہوں نے ان کو مگر سوائے ہلاکت کے یعنی جن سے یہ فائدہ کی امید رکھے ہوئے تھے وہی ان کے لیے بربادی کا باعث بنے، یہ نمونہ دکھایا گیا ہے، اسی طرح رب کا پکڑنا ہے جب بستیوں کو پکڑتا ہے جب کہ وہ شرک میں مبتلاء ہوں " وھی ظالمة " جب وہ بستیاں ظالم ہو جاتی ہیں تو اللہ ان کو ایسے ہی پکڑتے ہیں اور اس کا پکڑنا بہت سخت اور دردناک ہوتا ہے۔

ان واقعات میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، نشانی اسی اعتبار سے ہے کہ دنیا دار الجزاء نہیں ہے لیکن پھر بھی کیسی پکڑ آگئی اور آخرت دار الجزاء ہے وہاں تو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا تو وہ عذاب پھر کتنا سخت ہوگا تو یہاں سے کلام آخرت کی طرف منتقل ہوگئی کہ آخرت ایک ایسا دن ہے جس میں لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا اور اس دن میں سب کو حاضر کیا جائے گا، اور اس کو پیچھے ہٹا رہے ہیں کیونکہ اس کی ایک مدت معلوم ہے، مہلت دیئے ہوئے ہیں جب وہ آخرت کا دن آجائے گا تو کوئی نفس بول نہیں سکے گا مگر اس کی اجازت کے

ساتھ، یہ بھی مشرکین کے ذہن پر چوٹ لگانی مقصود ہے جو سمجھتے تھے کہ ہمارے معبود ہمارے شفعاء ہیں اور یہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، جس طرح چہیتے بیٹے بیٹیاں نازنخرے کے ساتھ بات منوا لیتے ہیں تو یہ بھی اسی طرح باتیں منوا لیں گے اول تو قیامت آئے گی ہی نہیں، اگر آئے گی تو یہ ہمیں چھڑا لیں گے اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ وہاں کوئی بول نہیں سکے گا۔

پھر یہ لوگ دو حصوں میں ہوں گے بعض بد بخت، اور بعض نیک بخت، بد بخت جہنم میں جائیں گے اور اس کے اندر چیخیں گے، دھاڑیں گے، آوازیں نکالیں گے لیکن وہاں ان کی پکار کوئی سننے والا نہیں ہوگا اور اس کے چیخ و پکار کے نتیجہ میں ان پر کوئی رحم نہیں کیا جائے گا ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس جہنم میں جب تک زمین و آسمان قائم ہیں، زمین آسمان سے آخرت کے زمین آسمان مراد ہیں دوام کی طرف اشارہ ہے ہاں جو اللہ چاہے گا وہ ہو کر رہے گا اس میں محض اللہ تعالی اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں یعنی جہنم کے اندر کا دوام بھی اللہ کی مشیت کے ساتھ ہے ورنہ یہ نہیں ہے کہ ان کا دوام ہمیشہ کے لیے ہے، اللہ چاہے گا تو دوام ہوگا اگر نہیں چاہے گا، تو دوام نہیں ہوگا اگر اللہ نکالنا چاہے تو کون روک سکتا ہے لیکن دوسری آیات میں خبر دے دی گئی کہ اللہ چاہے گا نہیں لیکن قدرت اس کو ہے، جو اس کی مشیت ہوگی وہ ہو کر رہے گا، اس میں قدرت کا اظہار ہے، ورنہ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ جہنم ختم ہو جائے گی یا یہ لوگ جہنم سے نکال لیے جائیں گے، یہ مقصد نہیں ہے جیسا کہ دوسری آیت میں صراحت آگئی بے شک تیرا رب کر گزرتا ہے جو وہ ارادہ کرتا ہے اللہ کے سامنے رکاوٹ ڈالنے والا کوئی نہیں ہے۔

اور جو لوگ نیک بخت ہیں وہ جنت میں چلے جائیں گے ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں جب تک زمین آسمان قائم ہیں، یہاں بھی وہی دوام مراد ہے "الا ما شاء ربك" مگر جو تیرا رب چاہے گا یعنی جہنم میں جانا اور وہاں جا کے دوام اختیار کرنا یہ بھی ان کا ذاتی نہیں ہے، یہ بھی اللہ کی مشیت کے تحت ہے اللہ ختم کرنا چاہیں تو ختم بھی ہو جائیں گے جنت بھی ختم ہو سکتی ہے اور جہنم بھی ختم ہو سکتی ہے جنتی جنت سے نکل سکتے ہیں، اور جہنمی جہنم سے نکل سکتے ہیں سب کچھ اللہ کی قدرت کے تحت ہے لیکن ان کے لیے جو دوام ہے اللہ نے اس کو اپنی قدرت اور اختیار کے ساتھ رکھا ہے، یہ محض قدرت کا اظہار ہے ورنہ یہ نہیں ہے کہ جنت والے جنت سے نکالے دیے جائیں گے جیسے آگے اشارہ دے دیا گیا۔ "عطاءً غیر مجذوذ" کہ ان کو ایسی عطاء دے دی گئی کہ جو منقطع نہیں ہوگی، ان کو

اس قسم کی بخشش دے دی گئی جو ختم نہیں ہوگی۔

آگے خطاب اگرچہ سرورِ کائنات ﷺ کو ہے لیکن سنانا دوسروں کا مقصود ہے کہ کبھی اس انداز کے ساتھ نہ سوچنا کہ اتنے سمجھدار لوگ، اور اتنے سرمایہ دار لوگ اور اتنے مالدار لوگ! جو غیر اللہ کو پوج رہے ہیں شاید یہ کوئی طریقہ ٹھیک ہی ہو تو اللہ تعالیٰ حضور کو خطاب کر کے دوسرے لوگوں کو سنا رہے ہیں کہ ان کے بارے میں تمہیں کوئی شک اور تردد نہیں ہونا چاہیے ان کا معاملہ ایسے ہی بے دلیل ہے، جیسے ان کے آباء واجداد کا معاملہ بے دلیل تھا جس طرح ان کے آباء کرتے تھے اسی طرح یہ بھی کر رہے ہیں ان کے معاملہ میں کبھی شک نہ کرنا ان کا طریقہ بالکل غلط ہے۔ نہ ہو اس چیز کے متعلق شک میں جس کو یہ پوجتے ہیں۔ یہ لوگ نہیں پوجتے مگر جیسے پوجتے تھے ان کے آباء اس سے پہلے، یہ محض ایک خاندانی رسم ہے جس کو یہ نبھاتے جارہے ہیں، ان کے آباء کے پاس بھی اس سلسلے میں کوئی دلیل نہیں تھی اور ان کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں ہے اس لیے اپنے دل کو پختہ رکھیے کبھی یہ وسوسہ نہ آئے کہ یہ شاید یہ ٹھیک کر رہے ہوں، یہ طریقہ بالکل غلط ہے اور بے شک ہم ان کو ان کا حصہ پورا پورا دیں گے کہ اس میں کوئی نقص واقع کیا ہوا نہیں ہوگا یعنی کسی قسم کی کمی نہیں ہوگی، ان کا پورا پورا حصہ ان کو ادا کر دیا جائے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ

البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب پھر اس میں اختلاف کیا گیا، اگر ایک بات نہ ہوتی

سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ

جو سبقت لے گئی تیرے رب کیطرف سے تو البتہ فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان اور بیشک یہ لوگ البتہ شک میں ہیں

مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ

اس عذاب کی طرف سے جو تردد میں ڈالنے والی ہے ﴿۱۱۰﴾ اور یہ لوگ سارے کے سارے ایسے ہیں جن کو جزا دیگا تیرا رب ان کے عمل کی پوری پوری جزا

اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ

بیشک وہ خبر رکھنے والا ہے ان کاموں کی جو یہ کرتے ہیں ﴿۱۱۱﴾ پس تو استقامت اختیار کر جیسے تجھے حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ جو توبہ کرتے ہیں آپ کیساتھ

وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ

اور تم حد سے نہ بڑھو کیونکہ تیرا رب دیکھنے والا ہے ان کاموں کو جو تم کرتے ہو ﴿۱۱۲﴾ اور نہ مائل ہو تم ان لوگوں کیطرف

ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ

جنھوں نے ظلم کیا پھر تمہیں بھی آگ چھولے گی اور نہیں ہوگا تمہارے لیے اللہ کے علاوہ کوئی کارساز

ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ

پھر تم مدد بھی نہیں کیے جاؤ گے ﴿۱۱۳﴾ اور قائم کر تو نماز کو دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے مختلف حصوں میں

الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

بیشک نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو یہ بات یاددہانی ہے یاد رکھنے والوں کے لیے ﴿۱۱۴﴾

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ

آپ صبر اختیار کیجئے اور اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا محسنین کے اجر کو ﴿۱۱۵﴾ کیوں نہ ہوئے

مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ

ان جماعتوں میں سے جو تم سے پہلے گزریں سمجھدار لوگ کہ روکتے زمین میں لوگوں کو فساد کرنے سے

فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا

سوائے کچھ لوگوں کے جن کو ہم نے بچالیا ان لوگوں میں سے اور پیروی کی ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا

مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿١١٦﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ

اس چیز کی جس میں وہ خوشحالی دیے گئے تھے اور وہ جرم کرنیوالے تھے ﴿۱۱۶﴾ اور نہیں ہے تیرا رب یہ کہ ہلاک کرے بستیوں کو

بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿١١٧﴾ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ

ان کے ظلم کے سبب اس حال میں کہ ان کے اہل اصلاح کرنیوالے ہوں ﴿۱۱۷﴾ اگر تیرا رب چاہتا تو بنا دیتا ان سب کو

أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ ۚ

ایک ہی جماعت اور البتہ ہمیشہ رہیں یہ اختلاف کرنیوالے ﴿۱۱۸﴾ مگر وہ جس پر تیرا رب رحم کرے

وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ

اور اللہ نے ان کو انہی حالات کیلئے پیدا کیا اور تیرے رب کی بات پوری ہوگئی کہ البتہ ضرور بھروں گا جہنم کو

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾ وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ

جنوں اور انسانوں کو اکٹھا کرکے ﴿۱۱۹﴾ ہم بیان کرتے ہیں تم پر ہر واقعہ انبیاء کے واقعات میں سے

الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ

جن کے ذریعہ سے ہم مضبوط کرتے ہیں آپ کے دل کو آگیا اس میں حق

وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا

اور وعظ اور نصیحت مؤمنین کیلئے ﴿۱۲۰﴾ آپ کہہ دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے عمل کرو تم

عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَامِلُونَ ﴿١٢١﴾ وَانْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿١٢٢﴾ وَلِلَّهِ

اپنی جگہ ہم بھی عمل کرنیوالے ہیں ﴿۱۲۱﴾ اور تم انتظار کرو ہم بھی انتظار کرنیوالے ہیں ﴿۱۲۲﴾ اور اللہ ہی کیلئے ہیں

غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ

زمین و آسمان کی چھپی ہوئی چیزیں اور اسی کی طرف ہی لوٹایا جاتا ہے ہر کام پس تو اس کی عبادت کر

وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۳﴾

اور اس پر بھروسہ کر اور تیرا رب بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو ﴿۱۲۳﴾

تفسیر

خلاصہ مضامین:

اس رکوع میں سرورکائنات ﷺ کے لیے کچھ تسلی ہے کہ آپ کو اور آپ کی وساطت سے آپ کی امت کو کچھ ہدایات دی گئی ہیں، ترجمہ سے بات بالکل واضح ہوگئی زیادہ مفصل مضمون اس میں کوئی نہیں اکثر باتیں گزری ہوئی ہیں

حضور ﷺ کو تسلی:

پہلی آیات میں سرورکائنات ﷺ کے لیے تسلی ہے کہ آپ پر جو کتاب اتاری گئی اگر یہ اس پر ایمان نہیں لاتے ہیں تو کوئی بات نہیں ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ہم نے کتاب دی تھی اس میں بھی اختلاف کیا گیا تھا، یہ واقعات تسلی کا باعث ہوا کرتے ہیں کہ صرف ہمارے ساتھ ہی یہ نہیں ہوا بلکہ پہلے سے ہی ایسا ہوتا آرہا ہے باقی ان کے اختلاف کرنے کی وجہ سے کسی نے قبول کیا کسی نے نہیں کیا۔ تو یہ تھا کہ جو حق کو قبول نہیں کرتے ان کو فوراً ہلاک کر دیا جائے لیکن اللہ کی طرف سے ایک بات طے شدہ ہے کہ ان کو پورا پورا عذاب ان کو آخرت میں ہوگا، دنیا دارالابتلاء ہے اس لیے اس میں رسی ڈھیلی چھوڑی ہوئی ہے، یہ باتیں اگر اللہ کی طرف سے پہلے سے طے شدہ نہ ہوتیں تو ان کے درمیان عملاً فیصلہ کر دیا جاتا اور باطل پرستوں کو فوراً ہلاک کر دیا جاتا جس کی وجہ سے پھر گنجائش ہی نہ رہتی حق کے ساتھ اختلاف کرنے کی اللہ کی طرف سے طے شدہ امر ہے کہ آخرت میں پورا پورا عذاب ہوگا اور دنیا کے اندر انسان کو کسی درجے میں ڈھیل دی جاتی ہے جس کی بناء پر فوراً سزا نہیں ہوتی تو آپ کے ساتھ جو اختلاف کرنے والے ہیں ان کی رسی بھی اس لیے چھوڑی گئی ہے کہ اللہ نے عادت یہی اختیار کر رکھی ہے اور یہ لوگ اس عذاب پر ایمان نہیں لاتے جو عذاب باطل پرستی اور حق کی مخالفت کی بناء پر آتا ہے یہ اس عذاب کی طرف سے شک میں ہیں جو شک ان کو چین نہیں لینے دیتی، یہ تردد میں پڑے ہوئے ہیں لیکن ایک وقت آئے گا جب اللہ کی طرف سے فیصلہ ہو جائے گا اور یہ جتنے لوگ ہیں ان سب کو ان کے اعمال پورے پورے اداء کر دیے جائیں گے اور وہ سب عملوں کی خبر رکھنے والا

ہے کوئی کام ایسا نہیں ہے کہ جس کی اللہ کو خبر نہ ہو۔

راہ اعتدال پر استقامت کا حکم:

آپ استقامت اختیار کیجیے، استقامت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف جو احکام دیے جا رہے ہیں ان میں افرا ط و تفریط نہ ہونے پائے، اعتدال کے ساتھ آپ چلتے رہیے اور کمال یہی ہے کہ اولیاء اللہ کے ہاں ایک فقرہ مشہور ہے ''الا ستقا مۃ فو ق الکر ا مہ'' کہ اگر کسی شخص سے کوئی کرامت ثابت نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالی نے اس کو دنیا میں اعتدال دیا ہوا ہے، افراط و تفریط سے بچتا ہوا ہر معاملہ کو اختیار کرتا ہے تو یہ بات کرامت سے بڑھ کے ہے، عقائد میں اعتدال کہ جس طرح اللہ کی طرف سے تعلیم ہو گی اس کے مطابق عقیدہ رکھو گے اگر اس میں بے اعتدالی آ گئی تو اس میں انسان کفر و شرک میں مبتلاء ہو جاتا ہے انبیاء اور اولیاء کے متعلق جو بھی عقیدہ ہے اس میں بھی اعتدال رکھو نہ ان کی عظمت میں غلو ہو اور نہ ان کے ساتھ کسی قسم کی اہانت کا معاملہ ہو اعمال کے اندر اعتدال ہو افراط تفریط سے بچو اللہ تبارک و تعالی نے جو سیدھا راستہ بتایا ہے اس پر ڈٹے رہو، نہ بدعات میں مبتلاء ہو اور نہ فرائض کو چھوڑو جو طریقہ بتایا گیا اس کے اوپر مستقیم رہو اعتدال کے ساتھ چلے اور افراط تفریط سے بچے جیسا کہ آپ کو حکم دے دیا گیا اور جو توبہ کر کے آپ کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں یا آپ کے ساتھ مل کر اللہ کی طرف متوجہ ہیں ان کو بھی چاہیے اللہ کے احکام کے اوپر جمے رہیں ادھر ادھر نہ ہٹیں یہ سلبی جانب ذکر کر دی کہ حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے نہ افراط کی طرف اور نہ تفریط کی طرف پس اللہ کے بتائے ہو طریقہ پر ڈٹے رہو، نہ کسی کے لالچ کا اثر قبول کرو اور نہ کسی کے خوف کا اثر قبول کر کے سیدھے راستے سے ہٹنے کی کوشش کرو اللہ تمہارے عملوں کو دیکھنے والا ہے، ہر عمل اس کے سامنے ہے وقت پر اس کی جزاء دے گا۔

ظالموں کی طرف میلان قلبی سے اجتناب کا حکم:

اور آگے تاکید کر دی گئی کہ نہ مائل ہو ؤ ان لوگوں کی طرف۔ ایک تو ہے کہ ظالموں کا طریقہ اختیار کر لیا تو پھر صراحت کے ساتھ ظالموں میں شامل ہو گئے اور ایک ہے کہ ظالموں کی طرف قلبی میلان ہو گیا کہ ان کے ساتھ محبت رکھنے لگ گئے، ان کے طریقہ کو اچھا سمجھنے لگ گئے یہ ہے رکون قلبی دل کا میلان کہ ان کا طریقہ اپنے طریقہ کے مقابلہ میں اچھا لگنے لگے یا ان ظالموں کے ساتھ دل لگی ہو جائے ان کی صحبت اختیار کر لی جائے، ان کے ساتھ

محبت رکھنا اوران کی صحبت اختیا کرنا یہ قلبی میلان ہے جس کے نتیجہ میں اس قسم کا عذاب تم پر بھی آسکتا ہے جس قسم کا عذ
اب ظالموں پہ آیا کرتا ہے اس لیے علماء نے لکھا ہے یہ جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''من تشبہ بقوم فھو
منھم'' (مشکوٰۃ ج۲ص ۳۷۵) وہ اسی مضمون کی تفصیل ہے کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ تشبہ اختیار کرنا یعنی ان
جیسی بود باش، ان جیسی معاشرت اختیار کرنے کی کوشش کرنا یہ بغیر رکون قلبی کے نہیں ہوتی، جب تک انسان کا دل
اس کی طرف مائل نہ ہو اس وقت انسان ان کے طور طریقہ کو اپنانے کی کوشش نہیں کرتا ہے۔

ایک طریقہ آپ کے سامنے آگیا سنت کے مطابق یا وہ طریقہ ایسا ہے کہ جو اہل شرع کا ہے چاہے وہ
لباس کے متعلق ہے، اٹھنے بیٹھنے سے متعلق ہے کھانے پینے کے متعلق ہے چلنے پھرنے سے متعلق ہے ایک طریقہ تو
مروج ہے جو اہل صلاح کو طریقہ کہلاتا ہے اور ایک طریقہ اس کے مقابلہ میں فسق وفجور کا ہے عملاً دونوں جماعتیں
آپس میں ممتاز ہیں اب آپ نے وہی کام کرنا ہے دونوں نمونے آپ کے سامنے ہیں اب اگر آپ فسق اور فجور کا
طریقہ اختیار کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے قلب کا میلان ادھر ہے اگر آپ کے قلب کا میلان اولیا اللہ
کی طرف ہو تو انہی کا لباس اور انہی کا اٹھنا بیٹھنا، اور انہی کا طور طریقہ آپ کو پسند ہوگا، ہمیشہ انسان کے دل کے
جذبات اس کے ظاہری اعمال سے پہچان لیے جاتے ہیں بعض معمولی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جس سے انسان کے قلبی
جذبات کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ کہا کرتے ہیں خاک کی ایک چٹکی اپنی حیثیت میں کچھ نہیں ہے لیکن ہوا کا رخ معلوم
کرنے کے لیے یہ کافی ہے تو اس طرح بعض بعض معمولی معمولی سی عادتیں جذبات کو ظاہر کر دیتی ہیں مثال کے طور
پر داڑھی اگر چہ اس کو فرض قطعی قرار نہیں دیتے اور اس کا منڈوانا کفر نہیں ہے لیکن جب دنیا کے اندر دو قسم کا معاملہ چل
رہا ہے کہ بعض منڈواتے ہیں اور بعض رکھتے ہیں اور رکھنے وہ ہیں جن کو دنیا نیک سمجھتی ہے اولیاء اللہ ہیں، اور سنت
کے مطابق ان کا عمل ہے دلیل کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ کا یہی عمل تھا اور ایک آدمی دوراہے پر کھڑا
ہے کہ ایک طرف فساق اور فجار اور کفار کا طریقہ ہے مغربی تہذیب ہے اور ایک طرف اسلامی طریقہ ہے اور پھر
اختیار داڑھی منڈوانے کو کرتا ہے جس کی وجہ ان کے ساتھ مشابہت ہوگئی جو کہ یورپ زدہ ہیں، نئی تہذیب کے
دلدادہ ہیں جب وہ عملاً اس چیز کو اختیار کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں ان لوگوں کی عظمت اور
محبت ہے اس لیے ان کے طریقہ کو اچھا سمجھتا ہے تو قلب کے رجحان کا پتہ چل جائے گا کہ اس کے قلب کا رجحان غلط

ہے، صحیح نہیں ہے اگر اس کا رجحان اولیاء کی طرف ہوتا ہے تو نیکی کی طرف ہوتا ہے تو یہ ان کے طریقہ کو اختیار کرتا ہے تو ان کی چھوٹی چھوٹی حرکتوں سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کے دل میں عظمت کس کے فعل کی ہے اور کس کے فعل کی نہیں ہے بالکل اسی طرح سر کے بال کٹوانے لگیں، کپڑے سلانے لگیں اور جوتا خریدنے لگیں، اس میں دو قسم کی تہذیبیں ہیں ایک یورپی تہذیب، نئے فیشن کے مطابق اور ایک اولیاء اللہ اور نیک لوگوں کا طریقہ ہے تو آپ کے دل کا میلان کدھر کو جاتا ہے اگر آپ کے دل کا میلان ادھر ہو جس طرف فساق اور فجار ہیں اور بازاری لوگوں کا طریقہ جا رہا ہے تو یہ دل کے فساد کی علامت ہے کہ آپ کے دل میں ابھی تک ان لوگوں کی محبت باقی ہے اور آپ کے دل میں ان کی عظمت ہے اور علماء، اور مشائخ، کی اور صلحاء کی عظمت دل میں نہیں ہے اگر ان کی عظمت دل میں ہو تو انسان ان کے طریقہ کو پسند کرتا ہے دوسرے طریقہ سے اس کو نفرت ہو جائے گی تو ان چھوٹی چھوٹی عادتوں کے ساتھ انسان کا پتہ چلتا ہے کہ دل کا میلان کس طرف ہے اور محبت کن کے ساتھ ہے اس لیے نیکوں کا طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کرو یہ ظاہر کی اصلاح باطن کی اصلاح کا ذریعہ بنتی ہے دونوں طرح سے بات چلتی ہے کہ کبھی تو یوں ہوتا ہے کہ دل میں صلاحیت پیدا ہوتی ہے تو ظاہر بھی سنور جاتا ہے اور کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ تم تو ظاہر کو سنوارنے کی کوشش کرو تو ظاہر کو سنوارنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ باطن کو بھی سنوار دیتا ہے نہ ظاہر بے کار اور نہ باطن سے استغناء۔ کبھی تو خیر ظاہر سے اٹھتی ہے اور باطن تک پہنچتی ہے اور کبھی باطن سے اٹھ کر ظاہر تک پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ کی عادت اس طرح ہے کہ اس نے ہر چیز کی ایک ہیئت متعین کی ہے اور اس ہیئت مخصوصہ کے اندر ہی وہ چیز پیدا ہوا کرتی ہے عادت یہی ہے اگرچہ اس کو اس کے خلاف کرنے پر قدرت ہے اگر آپ کو آم کا رس چاہیے تو ایک خاص شکل ہے جس سے آپ کو آم کا رس ملے گا اگر آپ کو مالٹے کا رس چاہیے تو اس کی بھی ایک خاص شکل ہے جس سے آپ کو مالٹے کا رس ملے گا اب اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے وہ آم کا رس مالٹے میں جمع کر دے اور مالٹے کا رس آم میں ڈال دے، آم کی تاثیر تربوز میں ڈال دے، اور تربوز کی تاثیر آم سے ملنے لگ جائے یہ قدرت ہے لیکن یہ عادت نہیں ہے۔

اس طرح اللہ نے ایک عادت بنائی ہوئی ہے کہ وہ ایک حقیقت کو ایک خاص جامہ میں نمایاں کرتا ہے بالکل اسی طرح آپ یقین کر لیجیے کہ اگر آپ نیک بننا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ شکل وصورت، اٹھنا بیٹھنا، اور بود و باش نیکوں جیسی بناؤ تو پھر صلاحیت جلدی آتی ہے اور اگر شکل وصورت فسق و فجور جیسی بناؤ گے تو اس

میں حقیقت انہی جیسی آئے گی جب چاہیں اس کا آپ تجربہ کرلیں فاسقوں جیسا لباس پہن لیں تو اکڑ کے چلنے کو جی چا
ہے گا نیک لوگوں جیسا لباس پہنو گے تو خود بخود تواضع پیدا ہو جائے گی تو یہ تشبہ رکون قلبی ہے اگر قلب کا میلان نیکوں
کی طرف ہو تو شکل وصورت نیکوں جیسی بنانا شروع کردو گے اور فسق وفجور کی طرف میلان ہوگا تو ویسی شکل وصورت
بنانے لگ جاؤ گے۔ تو مائل نہ ہوؤ ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا پھر چھوئے گی تمہیں بھی آگ اور نہیں ہوگا
تمہارے لیے اللہ کے علاوہ کوئی حمایتی اور پھر تم مدد نہیں کیے جاؤ گے۔

نماز قائم کرنے کا حکم:

اور نماز کو قائم رکھیے استقامت کے لیے یہ بھی ضروری ہے، نماز کی جتنی پابندی کریں گے اور صبر جتنا بھی
اختیار کریں گے اتنی مزید استقامت ملے گی اور مخالف ماحول کا مقابلہ کرنے لیے انسان میں طاقت اور ہمت پیدا
ہوتی ہے نماز قائم کیجیے، اور یہ کئی دفعہ حکم دے دیا اس کے حقوق اور اس کے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے اس کو
پڑھیے دن کی دونوں طرفوں میں اور رات کے حصوں میں، دن کی طرفوں سے مراد فجر اور عصر کی نماز ہے اور بعض کے
نزدیک فجر اور مغرب کی نماز ہے لیکن راجح قول پہلا ہے اور رات کے حصوں میں مغرب اور عشاء کا ذکر آیا ہے باقی
رہ گئی ظہر کی نماز اس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں آئے گا۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں، جب تم نیکی کی
عادت ڈالو گے خاص طور پر نماز کی تو اس کے ذریعہ سے گناہ معاف ہوں گے جس طرح روایات میں صراحت کے
ساتھ آتا ہے کہ وضو کے ساتھ اعضاء وضوء صاف ہو جاتے ہیں نماز سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، فضائل بیان
کرنے مقصود نہیں ہیں جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک نماز سے لے کے دوسری نماز تک جتنا وقفہ ہے دوسری نماز
اس کے لیے کفارہ ہو جاتی ہے جمعہ جمعہ تک کے لیے کفارہ ہو جائے گا رمضان رمضان تک کے لیے کفارہ ہو جائے گا
اگرچہ علماء میں اس میں تعیین کرتے ہیں کہ صغائر معاف ہو جاتے ہیں کبائر نہیں ہوتے ہیں، کبائر کے لیے توبہ
ضروری ہے یہ کبائر بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے اور اکثر وبیشتر جن گناہوں کی معافی کا ذکر آتا ہے وہ صغائر ہی ہیں
جیسے کہ قرآن کریم کی بعض آیات سے اشارہ نکلتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤمن کے ذمہ اول تو کبیرہ ہوتے نہیں۔
ہوتے ہی صغائر ہیں اس لیے ان چیزوں کی برکت سے صغائر معاف ہو جاتے ہیں اور مؤمن صاف ستھرا ہو جاتا ہے
اور اگر وہ کبیرہ کر ہی لے تو اس کو توبہ کے بغیر چین نہیں آتا اور پھر یہ عبادات ایسی ہیں جو استغفار کے کلمات پر مشتمل

ہوتی ہیں تو حاصل یہی ہے کہ اگر کوئی شخص صحیح معنی میں نماز کا پابند ہو جائے تو صغائر کبائر سب سے پاک ہو جاتا ہے تو "یذ ھبن السیاء ت" کا یہ معنی بھی ہے کہ کیے ہوئے گناہ ان نیکیوں کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں۔

اور یہ معنی بھی ہے کہ نیکیوں کی عادت ڈالو گے تو برائیوں کی عادت چھوٹ جائے گی کیونکہ نیکی اور برائی آپس میں اس طرح ہے کہ جس طرح اندھیرا اور اجالا ہوتا ہے جتنی روشنی بڑھتی چلی جائے گی اتنی تاریکی دور ہوتی چلی جائے گی اور جتنی روشنی مدھم ہوتی چلی جائے گی اتنی تاریکی بڑھتی چلی جائے گی گناہوں کے اندر مبتلا رہو گے تو تو نیکیوں کی توفیق سلب ہو جائے گی، اور اگر نیکیاں کرنے کی عادت ڈالو گے تو دن بدن گناہوں کی عادت چھوٹتی چلی جائے گی حتی کہ ایک وقت ایسا آئے گا گناہ کی طرف طبیعت کا رجحان ہی نہیں ہوگا، دل کا ذوق ہی بدل جائے گا" ان الحسنات یذ ھبن السیات" کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ نیکیوں کی عادت ڈالو تا کہ برائیاں ختم ہو جائیں نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں یہ بات یاد رکھنے کی ہے یاد رکھنے والوں کے لیے یا یہ نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے۔

صبر اختیار کرنے کا حکم:

اور صبر کیجیے، ان دونوں باتوں کو ایسے ہی سمجھئے کہ جیسے کہ دوسری جگہ آیا" وا ستعینوا بالصبر والصلوٰۃ" زندگی کے مشکلات کے مقابلہ کے لیے مؤمن کے پاس دو ہی ہتھیار ہیں نماز کی پابندی اور صبر ان کی پابندی انسان کو قوت پہنچاتی ہے جس سے انسان میں ہر قسم کے فتنوں سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور صبر کا مفہوم آپ کے سامنے کئی دفعہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں اصل مجاہدہ ہے کہ اپنے نفس کو روکے رکھو ایسی باتوں کا اس کو پابند بناؤ جو نفس کو ناگوار ہیں، برداشت کی عادت ڈالو نیکی کو طبیعت نہیں چاہتی نیکی کی عادت ڈالو گناہ چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا چھوڑنے کی عادت ڈالو مشکلات کو برداشت کرنے کی عادت ڈالو اور صبر کے اندر سب کچھ آگیا بے شک اللہ تعالی محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا اس سے معلوم ہو گیا کہ صبر ہی مفید ہے جو محسنین کا عمل ہے، ایک یہ ہے کہ آپ نے شکوہ شکایت کر لی رو لیا اور پھر تھک ہار کے صبر کر کے بیٹھ گئے اس کو صبر نہیں کہتے، صبر یہی ہے کہ جب کوئی تکلیف پیش آئے اس وقت یہ سوچ کے کہ اللہ کی طرف سے آتی ہے اور اس کے اندر حکمت اور مصلحت ہے اس کو برداشت کرنے کی کوشش کرے یہ محسنین کا صبر ہے۔

قوموں کو تباہ و برباد کرنے کی وجہ:

" فلو لا کان من القرون "اس میں پہلی بستیوں کے برباد کرنے کا ذکر ہے کہ ان کے اوپر بربادی اس لیے آئی کہ ان کے اندر فسق اور فساد عام ہو گیا تھا، فساد کو مٹانے والے رہے نہیں تھے، اگر ان میں اتنے نیک لوگ موجود ہوتے جو ان کو فساد سے روکتے تو نیکوں کے برکت سے برے بھی بچے رہتے ہیں لیکن جب سارے فساد کرنے والے ہی ہو گئے اور ان میں اتنے سمجھدار لوگ رہے ہی نہیں جو ان کو فساد سے روکتے تو پھر جو تھوڑے سے ہوتے ہیں ہم ان کو بچا لیتے ہیں اور باقی اکثریت برباد ہو جاتی ہے جب کسی معصیت کے متعلق جمہوری فیصلے ہو جاتے ہیں پھر تو گویا کہ ماحول کے اوپر معصیت ہی طاری ہو گئی جب معصیت طاری ہو گئی تو پھر اس قسم کا فساد کا ماحول اللہ تعالیٰ باقی نہیں رکھتے ہاں اگر اس میں کچھ نیک لوگ باقی ہیں تو پھر ان کی برکت سے بچاؤ ہو جاتا ہے تو پہلی جماعتیں جتنی بھی گزری ہیں ان میں سمجھدار لوگ نہ ہوئے جو فساد فی الارض سے روکتے سوائے کچھ لوگوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچا لیا یعنی وہ اتنی قلیل مقدار تھی کہ جو نہ ہونے کے برابر تھی اور عام ماحول فاسد ہو گیا تھا جس سے معلوم ہو گیا انفرادی غلطی بہت کم ہی عذاب کا سبب بنتی ہے، قومیں انفرادی غلطی سے برباد نہیں ہوتیں ایسے گناہوں سے برباد ہوتیں ہیں جن کا اثر سارے معاشرے پر پڑتا ہے۔

جیسے آجکل آپ ہمارے ہاں دیکھتے ہیں کہ ایک ہے انفرادی عمل کہ کسی نے چوری چھپے رشوت لے لی یہ اس کا انفرادی عمل ہے اس قسم کے انفرادی عمل کے ساتھ قومیں برباد نہیں ہوتی اور ایک ہے کہ ذوق ہی بن گیا کہ رشوت کو اپنا حق ہی سمجھنے لگ گئے اور علی الاعلان لیتے ہیں، کسی چھوٹے سے شرم اور نہ کسی بڑے سے شرم اور نیچے سے لے کر اوپر تک سارے افسر اس میں شریک ہیں، سب کے اس میں حصے ہیں تو یہ فساد ساری قوم میں سرایت کر گیا اس قسم کا فساد ساری قوم میں سرایت کر جاتا ہے پھر اس کی نحوست بھی ساری قوم پر پڑتی ہے اور اگر قوم کا اجتماعی ماحول تو اچھا ہے اور کوئی انفرادی طور پر غلطی کرنے والا ہو تو اس کی سزا میں ساری قوم مبتلا نہیں ہوتی جب ساری قوم کا مزاج فاسد ہو جاتا ہے کہ گناہ کو گناہ نہ سمجھا جائے گناہوں سے روکنے والے ان کو برے لگنے لگ جائیں اور ذوق سب کا فساد کی طرف چلا جائے تو ایسے وقت میں پھر قوم پر تباہی آیا کرتی ہے، اور ظالموں نے اتباع کی اسی خوشحالی کی جو انہیں دی گئی تھی اور وہ جرم کرنے والے تھے۔

تیرا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ہلاک کردے ظلم کے سبب سے اس حال میں کہ اس کے اہل مصلح ہوں یعنی اگر چہ وہ کفر و شرک میں مبتلا ہیں لیکن رجحان ان کا اصلاح احوال کی طرف ہے تو ایسے وقت میں اللہ مہلت دیتا ہے، ایسے وقت میں کفر و شرک کی وجہ سے برباد نہیں کرتا ہاں البتہ جس وقت مفسدین بن جائیں فساد مچانے لگ جائیں اصلاح کی طرف ان کی توجہ ہی نہ ہو، ان میں فساد ہی فساد ہو تو پھر ایسے معاشرے کو باقی رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی پھر ان کو اللہ برباد کر دیتا ہے۔

آپس کا اختلاف اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے:

اگلی آیات حضور ﷺ کی تسلی کے لیے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک طریقہ پر بنا دیتا لیکن اللہ کی حکمت یہی ہے کہ انسان کو اختیار اور عقل اور ہوش دے کر چھوڑ دیا جس کے نتیجہ میں آپس میں اختلاف کریں گے بعض حق کو قبول کریں گے اور بعض حق کو قبول نہیں کریں گے ہاں البتہ جن پر تیرا رحم ہو گیا، وہ حق کو قبول کرلے گا وہ حق سے اختلاف نہیں کریں گے اس قسم کے مختلف احوال کہ اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے تکوینی طور پر اسی لیے اگر چہ اللہ تعالیٰ کا تشریعی ارادہ سب بندوں سے یہی ہے کہ وہ عبادت کریں اور نیکی کی طرف آئیں لیکن اختیار دے کر اور عقل اور ہوش ہواس دے کر جب ان کو چھوڑ دیا گیا تو خلقی طور پر ہی گویا کہ ان کے اندر یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ یہ سارے ایک ہی طریقہ پر نہیں رہیں گے اختلاف ہوں گے اور اس میں کچھ اللہ تعالیٰ کی حکمت بھی ہے تاکہ ہر قسم کی صفات کا ظہور ہو جائے اور اسی اختلاف کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں رونق بنا رکھی ہے جیسے ذوق کا شعر ہے۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونق چمن   اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اگر سارے کے سارے انسان ایک ہی طرح کے ہوتے تو شکلوں کا اختلاف نہ ہوتا قدرت کا اختلاف نہ ہوتا رنگوں کا اختلاف نہ ہوتا، تو کہاں رونق معلوم ہوتی؟ ایک باغ کے اندر مختلف قسم کے پھول ہوتے ہیں تو باغ اچھا لگتا ہے اور ایسے ہی مختلف احوال ہیں کوئی کسی کام کو پسند کرتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے عادت اور اخلاق اور حالات میں اختلاف رکھا ہے اس طرح باطنی صلاحیتیں بھی مختلف ہیں کوئی کوئی راستہ اختیار کرے گا اور کوئی کوئی راستہ اختیار کرے گا ہاں جو البتہ باطل کو اختیار کریں حق سے اختلاف کر کے اللہ تعالیٰ ان سب کے ساتھ چاہے وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے ان سب کے ساتھ جہنم کو بھرے گا۔

باقی ان واقعات کی حکمت واضح کر دی کہ یہ واقعات جو ہم آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں یہ آپ کے لیے دل کی تثبیت کا ذریعہ ہیں اس سے دل مضبوط ہوتا ہے، دل مضبوط ہونے کا طریقہ وہی کہ جب انبیاء کے حالات کو سنیں گے کہ انہوں نے کس طرح حق کے لیے تکلیفیں اٹھائیں قوم نے ان کی کس طرح مخالفت کی تو اپنا حوصلہ بھی بڑھتا ہے اور ان واقعات کے ساتھ حق بھی نمایاں ہوتا ہے کہ پتہ چل گیا کہ توحید کا نظریہ حق ہے اور شرک غلط ہے اور کس قسم کا کردار اچھا ہے اور کس قسم کا کردار برا ہے؟ کونسے کردار کے نتیجے میں جنت ملتی ہے کونسے کردار کے نتیجہ میں جہنم ملتی ہے واقعات کے ساتھ یہ حق بالکل نمایاں ہو جاتا ہے ان میں برائی سے روکنے کا سامان بھی موجود ہے اور نیکی کی ترغیب بھی موجود ہے لیکن فائدہ مؤمن اٹھاتے ہیں۔

آگے آخری فیصلہ کی بات کہہ دی کہ جو ایمان نہیں لاتے اب ان کو کہہ دیجیے کہ بہت اچھا تم اپنی جگہ کام کرتے رہو میں اپنی جگہ عمل کرنے والا ہوں تم بھی انجام کا انتظار کرو میں بھی انجام کا انتظار کرنے والا ہوں ہر کسی کے سامنے اس کا انجام آجائے گا۔

اور زمین و آسمان کی مغیبات اللہ کے لیے ہیں اور ان کا علم بھی اللہ کے پاس ہے، اس کی طرف ہر امر کا لوٹایا جانا ہے پس تو اس کی عبادت کر اور اس کے اوپر بھروسہ کر، تیرا رب بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

سبحانك اللھم و بحمدك اشھد ان لا اله إلّا انت استغفرك و اتوب اليك

اٰیاتھا ۱۱۱ ۱۲ سُوْرَۃُ یُوْسُفَ مَکِّیَّۃٌ ۵۳ رکوعاتھا ۱۲

سورۂ یوسف مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سو گیارہ آیتیں ہیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ قف تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝۱ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ

الٓرٰ قف یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی ۝۱ بے شک ہم نے اتارا اس کتاب کو اس حال میں کہ عربی قرآن ہے تا کہ تم

تَعْقِلُوْنَ ۝۲ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَیْنَآ

سمجھو ۝۲ ہم بیان کرتے ہیں آپ پر بہترین واقعہ بسبب ہمارے وحی کرنے کے

اِلَیْکَ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ ق وَ اِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝۳

آپ کی طرف یہ قرآن اور بے شک تھے آپ اس سے پہلے بے خبروں میں سے ۝۳

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْہِ یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا

جب کہا یوسف نے اپنے ابا سے اے ابا جان! بے شک میں نے دیکھا گیارہ ستاروں کو اور

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُھُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۝۴ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ

سورج اور چاند کو میں نے دیکھا اپنے لیے سجدہ کرتے ہوئے ۝۴ انہوں نے کہا اے بیٹے مت بیان کرنا

رُءْیَاکَ عَلٰٓی اِخْوَتِکَ فَیَکِیْدُوْا لَکَ کَیْدًا ط اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ

یہ خواب اپنے بھائیوں پر پھر وہ سازش کریں گے تیرے خلاف سازش کرنا بے شک شیطان انسان کیلئے

عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝۵ وَکَذٰلِکَ یَجْتَبِیْکَ رَبُّکَ وَیُعَلِّمُکَ مِنْ تَاْوِیْلِ

واضح دشمن ہے ۝۵ اور ایسے ہی چنے گا تجھے تیرا رب اور سکھائے گا تجھے ٹھکانہ لگانا

الْاَحَادِیْثِ وَیُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَعَلٰٓی اٰلِ یَعْقُوْبَ کَمَآ اَتَمَّھَا

باتوں کو اور پوری کرے گا اپنی نعمت تجھ پر اور آل یعقوب پر جس طرح پوری کی

عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶ ع

تیرے باپ دادا پر اس سے قبل یعنی اسحاق اور ابراہیم پر بے شک تیرا رب علم والا ہے اور حکمت والا ہے ۝۶

تفسیر

ماقبل سے ربط:

سورۂ ہود کے اندر بہت سارے واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں ان واقعات میں جس قسم کی حکمتیں تھی ان کو آخری رکوع میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا تھا " و کلاً نقص علیك من انباء الرسل ما نثبت به الخ" جس کا حاصل یہ تھا کہ یہ واقعات تثبیت قلب کا ذریعہ بھی بنتے ہیں اور ان واقعات کے ساتھ حق بھی نمایاں ہوتا ہے اور یہ واقعات موعظہ اور ذکریٰ بھی ہیں گناہوں سے بچنے کے لیے موعظ ہیں اور اور نیکی کی ترغیب کے لیے ذکریٰ ہیں اور ان سب واقعات میں یہ چیز دکھائی گئی تھی کہ حق و باطل کا تصادم ہوتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ جس کا ساتھ دیتے ہیں حق والے ہی کامیاب ہی ہوتے ہیں دنیا اور آخرت میں سرخروئی حق والوں کو ہی حاصل ہوتی ہے اور باطل پرست دنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لیے بربادی ہوگی۔

اور پچھلے واقعات کے ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ سبق بھی دیا تھا" و اصبر فان الله لایضیع اجر المحسنین " کہ آپ بھی اپنے طریقہ پر جمے رہیے صبر کے ساتھ ان حالات کا مقابلہ کیجیے بے شک اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ہے۔

اس سورۃ کے اندر بھی ایک واقعہ بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جس کو داستان یوسف کہتے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ اسی حقیقت کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں کہ جو شخص اللہ کو محبوب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی اس کے ساتھ ہوتی ہے ظاہری طور پر حالات اس کے خلاف کتنے ہی کیوں نہ ہو جائیں لیکن آخر کامیاب ہوتا ہے حضرت یوسف کے ساتھ بھائیوں نے عداوت کی باپ کو اس سے جدا کیا کنویں کے اندر ان کو پھینکا اور غلام بنا کے بیچا اور پھر آخر میں اخلاقی طور پر متہم کر کے جیل کے اندر ڈال دیا گیا سارے کے سارے حادثات ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں درجہ بدرجہ پیش آئے لیکن چونکہ اللہ کے نیک بندے تھے اللہ کے ساتھ تعلق تھا صبر و استقامت کے ساتھ

ان کا مقابلہ کیا یہ واقعات جو ان کے ساتھ بظاہر دشمنی کے طور پر پیش آرہے تھے یہی حقیقت کے اعتبار سے ترقی کا زینہ بن گئے اور آخر کار اللہ نے ان کو بادشاہت تک پہنچا دیا دنیا کی عزت بھی دی اور آخرت کی عزت تو ہے ہی اور مخالفین کس طرح نادم ہو کے کس طرح سر جھکا کے سامنے آگئے۔

سرور کائنات ﷺ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات میں مطابقت:

اس میں حقیقت کے اعتبار سے سرور کائنات ﷺ کو نقشہ دکھایا جا رہا ہے چنانچہ آنے والے حالات نے تصدیق کردی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ کس طرح حضور ﷺ کے واقعہ سے مطابقت رکھتا ہے آپ کے متعلق بھی دارالندوہ میں قتل کا مشورہ ہوا اور مشورہ کرنے والے بھی برادری کے ہی لوگ تھے آپ وہاں سے نکلے تو غار ثور میں جا کے چھپے یہ بھی ایسے ہی تھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینکا گیا وہاں سے آپ نکلے اور مدینہ منورہ میں پہنچے اور مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری طور پر سلطنت دی اور غلبہ دیا اور ایک وقت آیا کہ یہی لوگ جو آپ کے بارے میں قتل کا مشورہ کرنے والے تھے اور جو آپ کو شہر سے نکالنے والے تھے نکالنے کا ذریعہ بننے والے تھے یہ اس طرح سرور کائنات ﷺ کے سامنے یہی لوگ نادم اور شرمسار ہو کے سر جھکائے کھڑے ہیں چنانچہ رسول اللہ نے ان سے پوچھا تھا کہ بتلاؤ میں آج تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں تو انہوں نے کہا کہ "اخ کریم و ابن اخ کریم" کہ آپ ہمارے بہت ہی بھلے بھائی ہیں بہت بھلے بھائی کے بیٹے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم آپ سے کرم کی ہی امید رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں آج وہی بات کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی "لا تثریب علیکم الیوم" آج تم پر کوئی کسی قسم کی ملامت نہیں ہے تو انجام کار جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بھائیوں پر غلبہ دیا اور بھائی نادم اور شرمسار ہوئے اسی طرح جو سرور کائنات ﷺ کے مخالفین تھے وہ بھی آپ کے سامنے نادم اور شرمسار ہوئے۔

اس واقعہ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات ﷺ کو گویا کہ ان کو اپنے مستقبل کا مطالعہ کروا دیا کہ آپ کے ساتھ بھی ایسے ہی ہونے والا ہے اور اللہ تعالیٰ اس طرح آپ کو نوازے گا جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو عزت اور غلبہ سے نوازا تھا۔

شان نزول:

اس سورۃ کے شان نزول کے ضمن میں مختلف روایات ذکر کی گئی ہیں لیکن حاصل تقریباً سب کا ایک ہی ہے کہ مشرکین مکہ نے یہود سے سیکھ کر حضور ﷺ پر ایک تاریخی سوال کیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے علاقہ سے ہجرت کر گئے تو شام میں آباد ہوئے تھے اولاد شام کے علاقہ میں پھیلی تھی پھر یہ اسرئیلی مصر میں کیسے چلے گئے اور ان کا مصر میں جانے کا کیا سبب تھا؟ عام سورتوں میں جو ذکر کیا جارہا ہے کہ یہ فرعون کے غلام بنے اور فرعون ان کے اوپر زیادتیاں کرتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو آزادی دلائی تو یہ مصر کے اندر کس طرح گئے وہاں جا کے یہ کیوں آباد ہوئے یہ ایک تاریخی سوال تھا اور آپ جانتے ہیں سرور کائنات ﷺ نے کوئی تاریخ نہیں پڑھی تھی نہ کوئی گذشتہ کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور نہ ہی مکہ میں رہنے والے لوگ اس قسم کی بات کو جانتے تھے اگر آپ نے یہ واقعہ پہلے سنا ہوتا تو آپ کی زبان پر اس قسم کے واقعات ہوتے مکہ میں رہنے والے لوگ بھی امی تھے ان کو بھی واقفیت نہیں تھی اور آپ بھی واقف نہیں تھے تو اس سوال کا جواب اس طرح واضح کر دیا کہ جس میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ نہ رہی تو یہ دلیل بن جائے گی سرور کائنات ﷺ کی نبوت کی جس میں یہ ساری کی ساری حقیقت نمایاں ہوگئی کہ وحی کے ذریعہ سے آپ کو یہ حالات بتائے گئے ہیں کہ توراۃ میں اور یہود کی دوسری کتابوں کے اندر بھی اتنی تفصیل کے ساتھ موجود نہیں ہیں اگر ہیں تو کچھ متفرق سے اجزاء ہیں جن کے اندر ربط پیدا کرنا بھی بہت مشکل ہے اس میں بہت سارے حقائق مخفی رہ گئے قرآن مجید نے ان واقعات کے اہم اہم اجزاء کو ترتیب وار ذکر کیا ہے جس سے حقیقت نکھر کے سامنے آ گئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کیا واقعہ تھا اور اسرائیلی مصر کی طرف کیوں منتقل ہوئے تو اسی تاریخی سوال کا جواب بھی آ گیا اور سوال کرنے والوں کے لیے یہی اس میں نشانی تھی کہ اگر وہ چاہتے تو حضور کی حقانیت اور آپ کی نبوت اور رسالت کو سمجھ جاتے کہ بغیر وحی کے تلقین کیے اس قسم کے واقعات کو ترتیب وار ذکر نہیں کیا جا سکتا۔

قصہ حضرت یوسف علیہ السلام کو احسن القصص کہنے کی وجوہات:

اور یہی چیزیں ہیں کہ جن کی بناء پر اس واقعہ کو احسن القصص کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ایک بہترین واقعہ ہے اور بہترین سرگزشت ہے جو ہم آپ کو سناتے ہیں اور یہ بہترین سرگزشت کیوں ہے ایک تو اس میں حضور ﷺ کی نبوت کی واضح دلیل موجود ہے اور آپ کے مخالفین کے سامنے بھی ایک آئینہ رکھ دیا گیا

کہ تم بھی حضرت یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں غور کرو آخر دیکھ لینا تمہارے ساتھ بھی اس طرح ہوگا اگر تم اپنے بھائی کی مدد نہیں کرو گے مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری برادری میں سے ہی اٹھایا ہے اگر بے قدری کرو گے تو جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بے قدری کی تھی تو یہ تمہارے لیے ذلت اور رسوائی کا باعث ہوگی تو اس طرح مشرکین مکہ کو بھی تنبیہ کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو تسلی دی کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے تو کس طرح مخالف حالات میں بھی کامیابی سے ہمکنار کر دیا جاتا ہے۔

اور اس میں یہ حقیقت بھی آجائے گی کہ اللہ کی تدبیر کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور جو لوگ بھی اللہ کی تدبیر کے ساتھ ٹکراتے ہیں آخر رسوا ہوتے ہیں یہ معاملہ بالکل سامنے آجائے گا کہ اللہ جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو وہی غالب رہتے ہیں اور ان کے کسی فیصلے کو روکا نہیں جا سکتا حسد کرنے اور کسی دوسرے کے کمال پہ جلنے والے خود رسوا ہوتے ہیں اور ان کو خود شرمساری کا سامنا کرنا پڑتا ہے حسد کی وجہ سے محسود کو کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ حاسد ہی نقصان میں رہتا ہے اس واقعہ کے اندر یہ پہلو ہیں جو نمایاں کیے جا رہے ہیں۔

اور پھر عام طور پر لوگ اس قسم کے واقعات میں زیادہ لطف محسوس کیا کرتے ہیں جس کے اندر حسن اور جمال اور عشق کا تذکرہ ہو اس قسم کی داستانیں لذیذ سمجھی جاتی ہیں ہر دور میں لوگ اس قسم کی باتیں زیادہ لطف کے ساتھ سنا کرتے ہیں لیکن جو واقعات بھی عشق اور محبت پر مشتمل ہوتے ہیں چنانچہ عاشقانہ ناولوں کو پڑھو گے اتنا اخلاق اور پیار برپا ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے اندر حسن و جمال کی داستانوں کو بھی پیش کیا ہے عشق و محبت کے قصے بھی اس میں آئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ساتھ ان کو اس طرح بیان کیا ہے جس میں انسان کو پاک دامنی اور پاکیزگی کی تلقین ہوتی ہے اور اس بات کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے کہ اپنی شہوات کے پیچھے چلنے والے اچھے نہیں ہوتے یہ ثابت قدمی ان کے لیے عزت کا باعث بنتی ہے دنیا و آخرت کے اندر سرخروئی کا باعث بنتی ہے تو یہ واقعہ اس انداز سے بیان کیا جائے گا کہ اخلاق کی پاکیزگی کی اہمیت انسان کے سامنے آئے گی یہ نہیں کہ اس قسم کے واقعات کو سن کر انسان کا ذہن فسق و فجور کی طرف چلا جائے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اس چیز کو خاص طور پر ذکر کیا جائے گا کہ دیکھو پاکدامن رہنا اور دوسروں کی عزت کا خیال کرنا اور خلوت میں بھی اللہ سے ڈرنا اور گناہوں کے اسباب مہیا ہو جانے کے باوجود اس گناہ سے بچنا یہ کس قدر قابل تعریف فعل ہے اللہ تعالیٰ کی اس کے اوپر بہت

سی نوازشیں ہوتی ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اس چیز کو نمایاں کیا جائے گا تو باوجود اس بات کے اس میں حسن و جمال کا ذکر ہے لیکن یہ انسان کے اندر اخلاق کی پاکیزگی کو بڑھاتا ہے اخلاق کے اندر کسی قسم کا سقم پیدا نہیں کرتا یہ بھی اس واقعہ کی خوبی ہے۔

ابتدائی آیات کا مفہوم:

ابتدائی آیات تو قرآن کریم کی حقانیت پر دلالت کرتی ہیں جیسے کہ اکثر سورتوں کے شروع میں ذکر کر دیا جاتا ہے یہ واضح کتاب کی آیات ہیں اس کے دلائل واضح ہیں اس کے مطالب واضح ہیں اگر کوئی شخص اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہے تو اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے بے شک ہم نے اس کتاب کو قرآن کریم بنا کر اتارا ہے کیونکہ اس کے اولین مخاطب عربی ہیں آخر نبی جس وقت آتا ہے تو ان کو انہی کی زبان میں سمجھاتا ہے بعد میں وہ لوگ دوسروں تک وہ بات پہنچاتے ہیں یہاں بھی آپ کے مخاطبین چونکہ عرب تھے تو اسی فطری قاعدے کے مطابق آپ پر بھی جو کتاب اتاری گئی وہ بھی عربی زبان میں تھی "لعلکم تعقلو ن" "تا کہ تم اس کو سمجھو اپنی زبان میں ہونے کی وجہ سے تمہارے لیے سمجھنا آسان ہے۔

ہم بیان کرتے ہیں آپ پر بہترین واقعہ بہترین اس کو ان پہلوؤں کی بناء قرار دیا گیا جو میں نے آپ کے سامنے بیان کیے ہیں " بمااوحینا الیك هذا لقرآن " اس قرآن کو آپ کی طرف وحی کرنے کے سبب سے یعنی اس سبب سے کہ ہم نے یہ قرآن ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں تو اس وحی کرنے کی وجہ سے ہم آپ کے سامنے قصہ بیان کرتے ہیں اور اس واقعہ کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ اس واقعہ کو ایک ہی سورت میں ایک ہی جگہ مفصل ذکر کیا گیا ہے یہی وجہ ہے باقی سورتوں کے اندر اس کے اجزاء دہرائے نہیں گئے بخلاف باقی واقعات کے کہ کسی سورت کے اندر ان کو مکمل طور پر پیش نہیں کیا گیا بلکہ موقع محل کے مطابق کچھ اجزاء کسی سورت میں کچھ اجزاء کسی سورت میں نقل کیے گئے ہیں یہ چونکہ مفصل طور پر چونکہ ایک ہی صورت میں آگیا اس لیے باقی سورتوں کے اندر اس کے اجزاء پھیلے ہوئے نہیں ہیں قرآن کریم کی کسی دوسری سورت میں ان واقعات کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ پیش آئے ہیں ایک ہی سورت کے اندر ان کو تفصیل کے ساتھ نقل کر دیا گیا" و ا ن کنت من قبله لمن الغافلین" اور بے شک ہماری اس وحی کرنے سے قبل آپ بے خبروں میں سے تھے آپ کو خبر نہیں تھی اور آپ کی قوم کو

بھی خبر نہیں تھی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بات آپ کو اللہ کی طرف سے وحی کے ساتھ ہی پہنچائی جارہی ہے ورنہ پہلے سے آپ نے یہ واقعات نہ سنے ہوئے تھے اور نہ ہی کبھی ان واقعات کو بیان کیا تھا اور نہ ہی آپ کی قوم ان واقعات کو اتنی تفصیل کے ساتھ جانتی تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا تعارف:

آگے واقعہ شروع ہو رہا ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کے جو دو بیٹے تھے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تو لا کے مکہ معظمہ میں ہی آباد کر دیا تھا ان کی اولاد تو یہاں پھیلی اور شام کے علاقہ میں حضرت اسحاق علیہ السلام اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہی رہے وہ بھی پیغمبر ہوئے اور ان کی اولاد میں حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ہوئے وہ بھی پیغمبر ہوئے ان کا واقعہ آپ کے سامنے سورت ہود میں گزرا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی گئی تھی حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی اور اسحاق علیہ السلام کے پیچھے یعقوب کے پیدا ہونے کی یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں پھر یعقوب علیہ السلام نے متعدد شادیاں کیں تھیں اور مختلف بیویوں سے آپ کے بارہ بیٹے پیداء ہوئے اور پھر آگے چل کے ان بارہ بیٹوں سے ہی بنی اسرائیل کے بارہ خاندان بنے جیسا کہ دوسری جگہ تفصیل موجود ہے ان میں سے حضرت یوسف علیہ السلام اور ایک بھائی جس کا نام بنیامین لکھا ہے یہ دونوں ایک والدہ سے ہیں یہ دونوں حقیقی بھائی ہیں یعنی باپ بھی ایک اور ماں بھی ایک اور ان کے علاوہ باقی دس بھائی مختلف ماؤں سے ہیں ان کے وہ علاتی بھائی ہیں باپ کی جانب سے حقیقی ہیں اور ماں کی جانب سے حقیقی نہیں ہیں اگرچہ آپس میں بھی ماں کی طرف سے حقیقی نہیں تھے بلکہ وہ تین بیویوں کی اولاد ہیں لیکن حضرت یوسف علیہ السلام سے حسد کی بناء پر سارے کے سارے ایک ہی گروپ میں نظر آتے تھے گویا کہ ان کا آپس میں اتفاق ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف ہیں اور بنیامین حقیقی بھائی ہیں۔

دوسرے بیٹوں کے مقابلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ زیادہ محبت کی وجوہات:

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام کو محبت بہت زیادہ تھی بیٹے بھی دیکھ رہے تھے کہ جتنا پیار اس کے ساتھ کرتے ہیں اتنا پیار ہمارے ساتھ نہیں کرتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام کو محبت کیوں تھی؟ اس لیے کہ وہ اللہ کے نبی تھے صاحب بصیرت تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ ہمارا جو نبوت کا خاندان

ہے اس کی وراثت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منتقل ہونے والی ہے حضرت یوسف علیہ السلام پر بچپن ہی سے اس قسم کے آثار نمایاں تھے حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی بصیرت کے ساتھ دیکھ رہے تھے کہ مستقبل میں نبوت کا وارث یہی بننے والا ہے اس لیے باقی بچوں کے مقابلہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا دلی تعلق ان کے ساتھ زیادہ تھا ان کی تربیت کا بھی زیادہ خیال تھا ان کے اوپر نظر بھی زیادہ رہتی تھی دوسروں کے مقابلہ میں چھوٹے بھی تھے اگر چہ بنیامین ان سے بھی چھوٹا ہے لیکن دوسروں کے مقابلہ میں یہ چھوٹا ہے اور پھر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بچپن میں ان کی والدہ بھی فوت ہوگئی تھیں اور باقیوں کی والدہ زندہ ہوں گی تو ایسے وقت میں باپ کا رجحان بچہ کی طرف زیادہ ہو جاتا ہے جو والدہ کے سایہ شفقت سے محروم ہو گیا ہو تو کچھ اس لحاظ سے بھی خیال کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے حسن ظاہری کے ساتھ بھی نوازا تھا حسن باطنی کے ساتھ بھی نوازا تھا باادب تھے شائستہ تھے اور ایسا بچہ اپنے والد کی توجہات اپنی طرف مبذول کر لیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب:

پھر بچپن کے اندر حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھ لیا اور خواب یہ دیکھا کہ گیارہ ستارے ہیں اور ایک سورج ہے اور ایک چاند ہے اور وہ حضرت یوسف کے سامنے جھک رہے ہیں اور انہیں سجدہ کر رہے ہیں یہ خواب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ کے سامنے پیش کیا تو خواب میں اگر چہ کبھی اپنے نفسانی خیالات بھی ہوتے ہیں کبھی تصویر شیطانی بھی ہوتی ہے اور بعض خواب اللہ کی طرف سے مبشرات میں سے ہوتے ہیں یعنی جس میں آنے والی کسی اچھی حالت کی خبر دی جاتی ہے مستقبل کے متعلق اس میں نشاندہی ہوتی ہے حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی فراست اور بصیرت کے مطابق سمجھ گئے کہ یہ مبشرات میں سے ہے اور یہ اللہ کی طرف سے بشارت ہے کہ یوسف علیہ السلام کا مستقبل اچھا ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ خاندان میں ان کو برتری دے گا گیارہ ستاروں سے گیارہ بھائیوں کی طرف اشارہ ہے اور شمس اور قمر سے ان کے والدین مراد ہیں اس لحاظ سے کہ شمس غالب ہے اور اس کی روشنی فیض پہنچاتی ہے اور قمر مستفیض ہے اور ظاہری طور پر سورج کے سامنے مغلوب ہے اور اگر یوں کر لیا جائے شمس عربی میں مؤنث ہے اور قمر مذکر ہے تو شمس سے ماں مراد ہو جائے اور قمر سے باپ مراد ہو جائے بہر حال شمس اور قمر سے والدین مراد ہیں تو گیارہ بیٹے اور ماں باپ یہ سارے کے سارے حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف کریں گے ایک وقت

ایسا آئے گا ان کو برتری نصیب ہوگی اور سارے کے سارے ان کی عظمت کا اعتراف کریں گے اس خواب کے اندر یہ ایک واضح اشارہ تھا۔

خواب کے متعلق حضرت یعقوب علیہ السلام کی ہدایات:

حضرت یعقوب علیہ السلام اس کو سمجھ گئے چونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ باقی بچے ان کے ساتھ کچھ ضد سی رکھتے ہیں جیسے گھروں کے اندر بچوں کے حالات والدین کے سامنے ہوا ہی کرتے ہیں تو احتیاطاً حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو بھی منع کر دیا کہیں یہ خواب اپنے بھائیوں کے سامنے ذکر نہ کر دینا اصل روکنا تو انہی دس سے ہوگا کہ جوان کے ساتھ ضد رکھتے تھے اور حاسدانہ معاملہ کرتے تھے لیکن بنیامین سے بھی منع کر دیا کہ اس کے سامنے بھی ذکر نہ کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ بات باہر نکل جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ بھائی سن لیں اور یہ خواب ان کے مزید حسد کا باعث نہ بن جائے اور مزید ضد کے اندر آ کر تیرے خلاف کوئی سازشیں کرنا شروع نہ کر دیں اس لیے اس خواب کا ذکر ان کے سامنے نہ کرنا باقی اس خواب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے عزت دے گا اور تیرے ذریعہ سے اپنے اس خاندان کے اوپر دینی نعمت کو کامل کرے گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے آباء واجداد کو نعمت دی ہے حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت عطاء کی اور دینی نعمت ان پر کمال کو پہنچائی اس طرح اللہ تعالیٰ تجھے بھی یہ نعمت دے گا یعنی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیاوی عزت کے ساتھ اللہ تعالیٰ تجھے دینی نعمت بھی دے گا اور تو اس خاندان کے لیے تو بہت ہی عزت کا باعث بنے گا اور اس خاندان کے لیے مستقبل میں مفید ثابت ہوگا خواب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے یہ بات وضاحت کے ساتھ کر دی اور منع کر دیا کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ اس بات کا ذکر نہ کرنا۔

لَقَدۡ كَانَ فِىۡ يُوۡسُفَ وَاِخۡوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيۡنَ ۝۷ اِذۡ قَالُوۡا

البتہ تحقیق یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصے میں نشانیاں ہیں سوال کرنے والوں کیلئے ⑦ جب کہا انہوں نے

لَيُوۡسُفُ وَاَخُوۡهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيۡنَا مِنَّا وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا

کہ البتہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ محبوب ہے ہمارے باپ کو ہمارے مقابلہ میں حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں بیشک ہمارا باپ

لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنِ ۝۸ ۚۖ اقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ اَوِ اطۡرَحُوۡهُ اَرۡضًا يَّخۡلُ لَـكُمۡ

البتہ صریح غلطی میں ہے ⑧ پھر تم قتل کر دو یوسف کو یا پھینک دو اس کو کسی علاقہ میں خالی ہو جائے گا تمہارے لیے

وَجۡهُ اَبِيۡكُمۡ وَتَكُوۡنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ قَوۡمًا صٰلِحِيۡنَ ۝۹ قَالَ قَآئِلٌ

تمہارے باپ کا چہرہ اور ہو جاؤ گے تم اس کے بعد نیک لوگوں میں سے ⑨ ایک کہنے والے نے کہا

مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا يُوۡسُفَ وَاَلۡقُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّ يَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ

ان میں سے کہ یوسف کو قتل نہ کرو اور ڈال دو اس کو کنویں کی گہرائی میں اٹھائے گا اس کو کوئی

السَّيَّارَةِ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ۝۱۰ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰى

مسافر اگر تم کرنے والے ہو ⑩ کہنے لگے اے ہمارے ابا تجھے کیا ہو گیا کہ تو ہمارا اعتبار نہیں کرتا

يُوۡسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ ۝۱۱ اَرۡسِلۡهُ مَعَنَا غَدًا يَّرۡتَعۡ وَيَلۡعَبۡ

یوسف کے بارے میں اور بیشک ہم اس کیلئے بہت خیر خواہ ہیں ⑪ تو بھیج اس کو ہمارے ساتھ کھائے پیئے گا اور کھیلے گا

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ ۝۱۲ قَالَ اِنِّىۡ لَيَحۡزُنُنِىۡۤ اَنۡ تَذۡهَبُوۡا بِهٖ وَاَخَافُ

اور بیشک ہم اس کیلئے البتہ حفاظت کرنیوالے ہیں ⑫ یعقوب نے کہا مجھے غم میں ڈالتی ہے یہ بات کہ تم اس کو لے جاؤ اور میں اندیشہ کرتا ہوں

اَنۡ يَّاۡكُلَهُ الذِّئۡبُ وَاَنۡتُمۡ عَنۡهُ غٰفِلُوۡنَ ۝۱۳ قَالُوۡا لَئِنۡ اَكَلَهُ

کہ اس کو کھا نہ جائے کوئی بھیڑیا اور تم اس سے بے خبر ہو گے ⑬ وہ کہنے لگے اگر کھائے گا بھیڑیا

الذِّئۡبُ وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ۝۱۴ فَلَمَّا ذَهَبُوۡا بِهٖ

اس کو حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں بیشک اس وقت ہم البتہ خسارہ میں پڑنے والے میں سے ہو جائیں گے ⑭ پس جب وہ لے گئے یوسف کو

وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ

اور انہوں نے اتفاق کرلیا کہ ہم اس کو کسی کنویں میں ڈال دیں گے اور ہم نے وحی بھیجی یوسف کی طرف کہ البتہ ضرور تو انہیں خبر دے گا ان کے

بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ؕ

اس معاملہ کی اور انہیں پتہ بھی نہیں ہوگا ﴿۱۵﴾ اور آئے اپنے باپ کے پاس رات کے وقت روتے ہوئے ﴿۱۶﴾

قَالُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا

کہنے لگے اے ہمارے ابا! ہم گئے تھے دوڑتے ہوئے اور ہم چھوڑ گئے تھے یوسف کو سامان کے پاس

فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾

پس اس کو بھیڑیا کھا گیا اور نہیں ہے تو ہماری بات کا اعتبار کرنیوالا اگرچہ ہم سچے ہی ہوں ﴿۱۷﴾

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

اور لگایا انہوں نے یوسف کی قمیض پر جھوٹ موٹ کا خون یعقوب نے کہا بلکہ گھڑلی ہے تمہارے لیے

اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

تمہارے نفسوں نے کوئی بات پس اچھا صبر میرا کام ہے اور اللہ تعالیٰ مدد طلب کیا ہوا ہے اس چیز پر جس کو تم بیان کررہے ہو ﴿۱۸﴾

وَجَآءَتْ سَیَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ یٰبُشْرٰى

اور آگیا ایک قافلہ بھیجا انہوں نے اپنے پانی لانے والے کو لٹکایا اس نے اپنا ڈول کہنے لگے کیا ہی خوشی کی بات ہے

هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

یہ تو لڑکا ہے اور چھپالیا اس کو انہوں نے سامان بنا کر اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے ان کاموں کو جو وہ کرتے ہیں ﴿۱۹﴾

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِیْهِ مِنَ الزّٰهِدِیْنَ ﴿۲۰﴾ع

اور بیچ دیا اس کو قافلہ والوں نے گھٹیا قیمت کے ساتھ جو چند دراہم تھے اور وہ اس کے بارے میں رغبت کرنیوالے نہیں تھے ﴿۲۰﴾

فائدہ نمبرا:

ضلال ضلالت سے ہے جس کا معنی ہے بھٹک جانا اردو میں ہم جب ہم گمراہ کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے عام طور پر دینی گمراہی مراد لی جاتی ہے لیکن عربی میں اس لفظ کا صرف یہی مفہوم نہیں ہے بلکہ ضل کا معنی بھٹک جانا اور ضل عن الطریق یعنی راستہ سے بھٹک گیا اس کی دونوں مرادیں ہیں دینی راستہ سے کوئی بھٹک گیا ہو تو اس پر بھی یہ بات صادق آتی ہے اور اگر کسی دنیاوی معاملہ کے بارے میں اس نے کوئی راستہ اختیار کر لیا تو اس کو ضل عن الطریق کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے تو یہاں ضلال سے یہی دنیاوی ضلال مراد ہے دینی ضلال نہیں ہے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام تو نبی تھے اور نبی کی نسبت گمراہی کی طرف کرنا کفر ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کافر نہیں تھے یہاں مطلب یہ ہوگا کہ اولاد کی محبت کے بارے میں ہمارے باپ نے ایک غلط راہ اختیار کر رکھی ہے کہ جو محبت کے قابل ہیں ان سے محبت کرتے نہیں ہیں اور جو محبت کے قابل نہیں ہیں ان سے محبت کرتے ہیں یہ کتنی بڑی غلطی ہے یہاں ضلال سے یہی غلطی مراد ہے کہ اولاد کے بارے میں یہ صریح غلطی پر ہیں۔

فائدہ نمبر۲:

صلاح کا لفظ بھی ضلال کی طرح دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک تو صلاح نیکی کو کہتے ہیں دینی اعتبار سے فلاں شخص صالح ہے یعنی نیک ہے نیکی کرنے والا ہے برائی کرنے والا نہیں ہے تو پھر قوماً صالحین کا معنی ہوگا کہ تم اس کے بعد نیک لوگ بن جاؤ گے جس کا مفہوم یہ ہوگا ایک دفعہ تم قتل کر لو یہ گناہ کر لو پھر توبہ کر کے نیک ہو جانا مقصد بھی حاصل ہو جائے گا اور نیکی بھی ہاتھ سے نہیں جائے گی یہ گناہ کے اوپر جرأت کر رہے ہیں اور توبہ کو گویا کہ سہارا بنا رہے ہیں کہ اگر دل میں یہ خیال بھی آجائے کہ قتل گناہ ہے تو کہتے ہیں کوئی بات نہیں ہے بعد میں توبہ کر کے نیک بن جانا پھر مفہوم یہ ہوگا اور حضرت شیخ کا ترجمہ اس کے مطابق ہے ہو رہنا اس کے بعد نیک لوگ۔

اور ایک صالح ہونا ہوتا ہے دنیاوی اعتبار سے کہ اس کے امور سارے کے سارے ٹھیک ہیں صلح امرہ اس کا معاملہ ٹھیک ہو گیا جس کے دنیاوی معاملات درست ہو جائیں وہ بھی گویا کہ اپنے معاملات کے اعتبار سے صالح ہو گیا تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا "تکونوا" یہ جواب امر ہے اور نحوی ترکیب کے لحاظ سے یہی ترجمہ زیادہ واضح ہے کہ تم قتل کر دو اور جب تم قتل کر لو گے تو ہو جاؤ گے تم اس قتل کے بعد ایسے لوگ جن کے سب کام ٹھیک ہیں آئے دن کی

یہ جو خلش رہتی ہے یہ سب ٹھیک ہو جائے گی بس اس کو راستہ سے ہٹادو سارے معاملات ٹھیک ہو جائیں گے پھر اس کا معنی یہ ہوگا اور حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ نے یہی ترجمہ کیا ہے اور ترکیب کے لحاظ سے یہی زیادہ اصح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اقتلوا امر کا صیغہ ہے اور تکونوا جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے اور معنی یہ ہو جائے گا کہ قتل کر دیا کسی دور کے علاقہ میں پھینک دو اور اس کے بعد تمہارے سارے کام ٹھیک ہو جائیں گے۔

فائدہ نمبر ۳:

"و شروہ بثمن بخس دراھم معدودہ و کانوافیہ من الزاھدین" شرا یشری خریدنا اور بیچنا دونوں معنوں میں آیا کرتا ہے اب یہ شروا کی ضمیر کس کی طرف لوٹ رہی ہے؟ بعض مفسرین نے توراۃ وغیرہ کی عبارات کو دیکھتے ہوئے کہا کہ حضرت یوسف کے بھائی نگرانی تو رکھتے تھے جب قافلے والوں نے نکال لیا تو وہ دیکھنے کے لیے گئے تو وہ موجود نہیں تھے انہوں نے ارد گرد دیکھا تو نزدیک ہی ایک قافلہ رکا ہوا تھا قافلے والوں سے پوچھا تو یہ ان سے مل گئے تو انہیں کہا یہ ہمارا غلام ہے اور اس کو بھاگنے کی عادت ہے اس لیے ہم اس کو رکھنا نہیں چاہتے تم اگر خریدنا چاہتے ہو تو تم خرید لو قافلے والے خریدنے پر تیار ہو گئے پھر شروہ کی ضمیر بھائیوں کی طرف لوٹے گی کہ بھائیوں نے بیچ دیا اس یوسف کو گھٹیا قیمت کے بدلے میں اور وہ گھٹیا کیا تھی چند گنتی کے درہم جن کی تعداد بیس تک کی ذکر کی ہے کہ بیس درہموں کے بدلے میں حضرت یوسف کو بیچ دیا۔

اور اگر اس واقعہ کی تفصیل کو یوں نہ مانا جائے تو پھر مطلب یہ ہوگا ان اہل قافلہ نے بیچ دیا یوسف کو پھر یہ بیع وہی ہے جو مصر میں ہوئی تھی جس کا آگے ذکر آئے گا کہ انہوں نے گھٹیا قیمت کے بدلے میں بیچ دیا اور جس نے خریدا تھا اس نے جا کے اپنی بیوی سے یہ بات کہی پھر یہ ایک ہی بیع ہوگی اور پہلی تفسیر کے مطابق بیعیں دو ہو جائیں گی کہ پہلے بھائیوں نے بیچا اہل قافلہ کے پاس پھر اہل قافلہ نے جا کے بیچا مصر میں عزیز مصر کے پاس۔

یہ واقعہ محض قصہ نہیں ہے بلکہ بہت سی نشانیوں کا جامع ہے:

پہلی آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائیوں کے قصے کو محض ایک واقعہ کے طور نہ پڑھو بلکہ اس میں بہت سارے اسباق ہیں بہت ساری عبرتیں ہیں سوال کرنے والوں کے لیے بہت ساری نشانیاں ہیں اگر تو سوال کرنے والے یہود تھے تو بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی

ایک بہت بڑی دلیل موجود ہے اور اگر مشرکین مکہ تھے تو ان کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اس واقعہ کے آئینہ میں تم اپنا بھی انجام دیکھو اس میں تمہیں سب کچھ نظر آئے گا اور اگر یہ شوق صحابہ نے ظاہر کیا تھا کہ یا رسول اللہ ہمیں کوئی اچھا سا واقعہ سنایئے اور ان کے سوال کے جواب میں یہ آیات اتری تھیں تو سائلین سے مراد صحابہ ہوں گے تو پھر بھی صحابہ کے لیے بہت ساری تسلیاں ہیں اور بہت ساری بشارتیں اس میں موجود ہیں کہ آج اگر یہ لوگ آپ پر ظلم وستم کر رہے ہیں اور یہ زمین انہوں نے آپ کے لیے تنگ کر رکھی ہے تو کوئی بات نہیں جس طرح اللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان سے نجات دی اور اعلیٰ منصب تک پہنچایا اس طرح تمہارا مستقبل بھی اچھا ہے تو یہ تنبیہ کر دی کہ اس واقعہ کو محض ایک واقعہ کے طور پر نہ سنو بلکہ اس میں غور وفکر کر کے عبرت حاصل کرو اس میں بہت ساری نشانیاں ہیں مشرکوں کے لیے بھی یہ واقعہ ایمان کا باعث بن سکتا ہے اور یہود کے لیے بھی حضور کی حقانیت کے دلائل اس سے مہیا ہو سکتے ہیں۔

برادران یوسف کا اپنے بھائی کے بارے میں مشورہ:

آگے پھر اس واقعہ کا ذکر ہے بھائی اس بات کو محسوس کرتے ہی تھے جیسا کہ آگے صراحتاً آیا ہے کہ حضرت یوسف کے ساتھ ہمارے ابا کو بہت ساری محبت ہے اتنی محبت ہم سے نہیں ہے اس کی وجہ آپ کی خدمت میں پہلے ذکر کر دی ہے محبت کی وجہ کیا تھی اور وہ اس کے بارے میں حسد کیوں کرتے تھے ہو سکتا ہے کہ ان کو کسی طرح حضرت یوسف کے اس خواب کا پتہ چل گیا ہو کہ یہ اس قسم کے خواب دیکھتا ہے آخر وہ علمی خاندان کے فرزند تھے انبیاء کی اولاد تھے اتنا سا فہم تو وہ رکھتے تھے اس میں اشارہ ہے کہ آنے والے وقت میں ہم اس کے نیچے دب جائیں گے اور یہ ہم پر غالب آجائے گا تو یہ وجہ بھی ان کے لیے مزید ترقی کا باعث ہوئی تو آپس میں وہ مشورہ کرنے لگے کہ یہ تو بہت ہی بری بات ہے کہ ہمارے والد ہمارے ساتھ اتنی محبت نہیں رکھتے جتنی یوسف کے ساتھ رکھتے ہیں ہر معاملہ میں اس کو ترجیح دیتے تھے اب کیا کیا جائے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس کو قتل کر دو یا اس کو گھر سے نکال دو یا اس کو کسی دور کے علاقہ میں پھینک دو جب یہ آنکھوں کے سامنے نہیں آئے گا تو آہستہ آہستہ صبر تو آ ہی جائے گا تو پھر والد کی ساری توجہ ہماری طرف ہو جائے گی اور آئے دن ہمارے بارے میں جو کشاکشی رہتی ہے بدمزگی رہتی ہے ہم والد کا برتاؤ دیکھ کے تکلیف میں رہتے ہیں یہ سارے کام درست ہو جائیں گے یعنی اگر ویسے سمجھانے کی کوشش کریں مطالبہ کریں یا کوئی احتجاج کریں تو توقع نہیں ہے کہ ہمارا باپ اس کی طرف سے توجہ ہٹا کے ہماری طرف کر لے گا اگر چہ

عقل کا تقاضا یہی ہے بقول ان کے ہم ایک جماعت ہیں جماعت کی جماعت ہیں گھر کے سارے کام ہم کرتے ہیں جانور چرا کے ہم لاتے ہیں اور دشمن کی طرف سے خطرہ ہو تو مقابلہ ہم کرتے ہیں خدمت ہر قسم کی ہم کرتے ہیں تو چاہیے تو یہ تھا کہ ہماری قدر کرتا اور ہمارے ساتھ محبت کرتا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جو بچہ ہے گھر میں رہتا ہے اور کسی کا کام بھی نہیں کرتا دشمن سے مدافعت نہیں کرسکتا کوئی خدمت نہیں کرسکتا ساری شفقتیں اس کے اوپر ہیں اس سے بڑھ کر ہمارے باپ کی کیا غلطی ہوسکتی ہے اگر ہم ویسے کہیں گے تو یہ چھوڑنے والے نہیں۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ اس روڑے کو راستہ سے ہٹادو۔

اب حضرت یوسف اپنی ذات میں کتنے پیارے تھے شکل وصورت کے اعتبار سے کتنے حسین تھے اور کس قسم کے عادات کے مزین تھے لیکن حسد ایک ایسی چیز ہے کہ جب انسان کسی دوسرے کے کمال کو برداشت نہیں کرسکتا تو پھر وہی باکمال شخصیت آنکھوں میں کانٹوں کی طرح چبھنے لگ جاتی ہے تو آپس میں بیٹھ کے مشورہ کیا یا تو اس کو قتل کردو یا اس کو کسی دور علاقہ میں پھینک آؤ تمہارے باپ کی توجہ ساری تمہاری طرف ہوجائے گی اور تمہارے سارے معاملات ٹھیک ہوجائیں گے۔

نبی کے عالم الغیب نہ ہونے کی دلیل:

اب اس میں اتنی بات تو آپ کو معلوم ہوجانی چاہیے کہ حضرت یوسف کے بھائی جو کہ مؤمن تھے اور خاندان نبوت سے تعلق رکھتے تھے ان کا عقیدہ بہرحال اپنے باپ کے متعلق یہی تھا کہ یہ عالم الغیب نہیں ہے کیونکہ اگر وہ ان کو عالم الغیب سمجھتے تو کم از کم پس پشت بیٹھ کے ایسی سکیمیں تو نہ بناتے جو شخص سازشیں کرتا ہے ان کا ذہن یہی ہوتا ہے کہ ہم جس کے خلاف سازشیں کررہے ہیں اس کو اس کی خبر نہیں ہے ان کے خیال میں حضرت یوسف عالم الغیب نہیں تھے اپنے باپ کے متعلق ان کا عقیدہ یہی تھا جیسے سورت تحریم میں آپ کے سامنے آئے گا کہ ایک مرتبہ حضرت امی عائشہ ؓ اور حضرت حفصہ ؓ نے بھی حضور ﷺ کے متعلق ایک سکیم بنائی تھی کہ تو جب وہ سکیم کھل گئی اور سرور کائنات ﷺ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ " من انبأك هذا ؟" آپ کو یہ بات کس نے بتا دی؟ تو رسول اللہ نے یہ نہیں کہا کہ میں عالم الغیب ہوں بلکہ فرمایا کہ "نبئني العليم الخبير " مجھے علیم وخبیر نے بتایا ہے تو وہاں سے بھی صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ ؓ اور حضرت حفصہ بھی حضور ﷺ کو عالم الغیب

نہیں سمجھتی تھیں ورنہ پس پشت اس قسم کے مشورے ہی کیوں کرتی اور جس وقت بات کھلی تو آپ نے یہ کہا کہ مجھے اللہ نے اطلاع دی ہے تو اس طرح ان کا بھی اپنے باپ کے متعلق ایسے ہی عقیدہ تھا اگر یہ عالم الغیب کا عقیدہ رکھتے تو پس پشت سازشیں نہ بناتے۔

ایک بھائی کا مشورہ:

جب یہ قتل کی بات آئی تو ایک بھائی کہنے لگا کہ قتل نہ کرو قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے تمہارا مقصد ہے اس کو باپ کی نظروں سے دور کرنا تو اس کا ایک آسان طریقہ ہے کہ یہ جو شاہراہ ہے جہاں سے قافلے گزرتے ہیں ان شاہراہوں پر مختلف کنویں ہوتے ہیں جہاں سے لوگ پانی نکالتے ہیں اس کو کسی کنویں میں ڈال آؤ اور کوئی قافلہ پانی نکالنے کے لیے آئے گا اور دیکھے گا کوئی لڑکا ہے اور اس زمانہ میں بردہ فروشی عام ہوتی تھی لوگ غلام بناتے تھے اور ان کو ادھر ادھر جا کے بیچ دیتے تھے تو کوئی اس کو غلام بنا کے اور اس کو لے کے چلا جائے گا اور ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا کہ ہم تو اس کو باپ کی نظروں سے دور ہٹانا چاہتے تھے خوانخواہ اس کے خون سے ہاتھ رنگنے کی کیا ضرورت ہے؟

بہر حال دونوں رائیں سامنے آ گئیں کہ قتل کرنا ہے یا کسی کنویں میں پھینکنا ہے اس بات پر تو بہر حال اتفاق ہو گیا کہ اس کو باپ کی آنکھوں سے دور کرنا ہے اس کو برداشت نہیں کیا جا سکتا اور جب تک یہ گھر میں رہے گا اس وقت تک ہماری دال نہیں گلے گی اس بات پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

برادران یوسف علیہ السلام کا اپنے باپ کو دھوکہ دینا:

جب اس بات پر اتفاق ہو گیا تھا تو باپ کو بہلانے اور پھسلانے کے لیے آ گئے مکار آدمی ہمیشہ اس طرح کی بات کیا کرتا ہے اپنے آپ کو خیر خواہ بنا کے پیش کرتا ہے اور یوں دوسروں کو اپنے شیشے میں اتار لیتا ہے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جب کوئی دشمن دشمنی کرنے کے لیے آتا ہے خیر خواہی کا لبادہ اوڑھ کے آتا ہے کوئی آپ کو یہ کہتا ہے کہ میں آپ کا دشمن ہوں تیرا بدخواہ ہوں تو میری یہ بات مان لے تو آپ کبھی اس کی بات نہیں مانیں گے وہ کرنا تو آپ کو برباد چاہتا ہے لیکن آ کے یہ ظاہر کرے گا میں تیرا خیر خواہ ہوں میں تیرا بھلا چاہتا ہوں میری بات ماننے میں تیرا نفع ہے اس طرح آپ کو بہکائے گا اور پھسلا کے کسی ذلت کے ایسے گڑھے میں گرائے گا کہ پھر آپ دوبارہ سنبھل نہیں سکیں گے تو اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے انسان کے لیے سب سے مشکل کام خیر خواہ اور بدخواہ میں فرق کرنا ہے

کیونکہ بدخواہ کبھی بدخواہ بن کے نہیں آتا جب بھی آتا ہے خیر خواہ بن کے آتا ہے اور خیر خواہ بن کے اعتماد میں لیتا ہے اور اپنا مقصد نکال لیتا ہے۔

تو یہ تھے انتہائی درجے کے بدخواہ لیکن آئے خیر خواہ بن کے۔ آئے آکے باتیں کیں۔ ممکن ہے پہلے بھی کبھی باتیں کی ہوں گی کہا ہوگا کہ ہم بکریاں چرانے جاتے ہیں تو ہمارے ساتھ یوسف کو بھیج دے تو ابا نے کئی دفعہ انکار کر دیا ہوگا کہ یہ نہیں جائے گا یہ ہمارے پاس گھر میں ہی رہے گا یہ بداعتمادی کچھ پہلے سے نمایاں تھی اب یہ سارے اکٹھے ہو کے آ گئے اور بہت نرم لب ولہجہ کے ساتھ کہنے لگے ابا جی کیا بات ہے یوسف کے بارے میں آپ ہمارے اوپر اعتماد کیوں نہیں کرتے ہمارے ساتھ اس کو جنگل میں کیوں نہیں بھیجتے آپ کا کیا خیال ہے کہ ہم اس کی راحت کا خیال نہیں کریں گے کیا اس کی حفاظت نہیں کریں گے؟ ہمیں تو خود اس کے ساتھ محبت ہے اس کو ہمارے ساتھ بھیجو ہم جنگل میں جاتے ہیں یہ گھر بیٹھا رہ جاتا ہے اور جب یہ ہر وقت گھر میں ہی بیٹھا رہے گا تو اس کی صحت خراب ہو جائے گی اس کی خوشنودی کے لیے اس کو ہمارے ساتھ جنگل میں بھیجو جنگل میں کھائے گا پیئے گا کھیلے گا کودے گا اس کی صحت اچھی ہو جائے گی نشوونما پائے گا اور چست چالاک ہو جائے گا تو اس قسم کی باتیں کر کے گویا کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ بھی ہمدردی کا اظہار کیا اور اپنے باپ کے ساتھ بھی عقیدت مندی ظاہر کی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ان کے والد کا اندیشہ اور بھائیوں کی طرف سے جواب:

اب حضرت یعقوب علیہ السلام نے آگے سے یہ بات جو کہی وہ یہ بات نہیں کی بیٹا کھیلنا اچھی بات نہیں جنگل کے میوے کھانا اچھی بات نہیں اس قسم کی فضول حرکتیں نہ کیا کرو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کھیلنے سے نہیں روکا بلکہ آگے سے ایک اور بات کہی کہ اس کا جانا ہی میرے لیے غم ہے میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے تو مجھے سکون ملتا ہے اس کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے تم اس کو لے جاؤ گے تو یہ جدائی میرے لیے باعث حزن ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس جنگل میں بھیڑیے بہت ہیں مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم اس کی طرف سے غفلت برتو گے اور اس کے نتیجہ میں اس کو کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے مجھے یہ خوف بھی ہے آپ خیال کیجیے وہ بھی بیٹے تھے جو جنگل میں بکریاں چراتے تھے اور جانور بھی جنگل میں پھرتے تھے تو بھیڑیے واقعی موجود ہوں گے اور کبھی ایسی وارداتیں ہو جاتی ہوں گی لیکن ان بیٹوں کے بارے میں ایسا خطرہ محسوس نہ کیا جس قسم کا خطرہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہو رہا تھا یہ جذبہ بھی اسی محبت سے ناشی

ہے کہ جو کہتے ہیں کہ تیرے ساتھ سایہ بھی چلتا ہے تو مجھے یہ بھی گوارہ نہیں ہے کیوں جہاں عشق آجاتا ہے وہاں ہزاروں بدگمانیاں آجاتی ہیں یہ محبت کا نتیجہ ہے کہ باقیوں کے متعلق تو اس قسم کے خطرات محسوس نہ ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے متعلق اس طرح کا خطرہ محسوس کرلیا کہ اس کو بھیڑیا نہ کھا جائے محبت کی بات ہے دوسری بات یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام چھوٹے تھے اور وہ بڑے تھے بڑے اس قسم کے خطرات کا مقابلہ کر لیتے ہیں اگر چہ ایک ہی ہو تو کہیں چھوٹا ہونے کی وجہ سے کہیں اس کو بھیڑیا نہ کھا جائے تم غفلت برت جاؤ گے اور بھیڑیا کھا جائے گا۔

انہوں نے آگے سے پھر اعتماد دلایا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم پوری جماعت کی جماعت ہیں اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا تو ہمارے لیے اس سے بڑھ کر خسارہ کیا ہوگا کہ ہمارے چھوٹے بھائی کو بھیڑیا کھا گیا پھر ہمارا بچے گا ہی کیا ہم تو کسی کام کے نہیں رہیں گے ہم تو بہت نقصان میں چلے جائیں گے اگر ہمارا بھائی ہمارے ساتھ ضائع ہو گیا تو ہم تو سب کچھ ہی گنوا دیں گے آپ اس قسم کا خیال نہ کریں پوری طرح سے اعتماد دلایا۔

برادران یوسف کا حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینکنا:

جب اعتماد دلا دیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی ساتھ جانے کی اجازت دے دی تو اپنے اس بھائی کو ساتھ لے گئے اور جب ساتھ لے گئے تو پہلے دو تین رائیں تھیں کہ قتل کر دیا جائے کسی دور کے علاقہ میں پھینک دیا جائے کنویں میں پھینک دیا جائے لیکن بعد میں مشورہ کر کے پھر یہ بات طے ہوگئی کہ کہیں اس کو کنویں میں پھینک دو جب کنویں میں پھینک دو گے تو کوئی آ کے لے جائے گا اور جب کنویں میں پھینکنے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص اتار لی کیونکہ یہ بھی سازش کا حصہ تھا جیسا کہ آگے آرہا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں یہ بات ڈال دی اور اس کے ساتھ دل میں اطمینان پیدا ہو گیا کیونکہ آنے والے وقت میں یہ نبی بننے والے تھے اور نبی کے قلب میں پہلے سے ہی ہر قسم کی صلاحیتیں کامل ہوتی ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کو پورا اطمینان نصیب ہو گیا اس میں یہ بات ڈال دی گئی کہ آپ فکر نہ کیجیے آپ اس میں محفوظ رہیں گے اور ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ شان وشوکت دے گا اور پھر ان کو ان کی یہ بات بتائیں گے تم نے ایسے کیا تھا اور وہ وقت ایسا ہوگا کہ ان کو شعور بھی نہیں ہوگا ان کے خیال میں بھی نہیں ہوگا تجھے اتنی عظمت نصیب ہوگی تو اس طرح مطمئن کر دیا گیا اور تسلی دے دی گئی جس سے حضرت یوسف علیہ السلام کو پورا اطمینان حاصل ہو گیا۔

اب یہ کر تو لیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دیا عام طور پر جلدی گھر آجاتے ہوں گے اور اس دن مثلاً دیر کر دی اور عشاء کو آئے رات کی تاریکی میں آئے رات کی تاریکی میں آنے کی کیا حکمت تھی؟ اس میں دو باتیں ہو سکتی ہیں ان کے دل میں یہ خیال ہو گا کہ اتنا اندھیرا کر کے جاؤ ہمارا باپ اس کو تلاش کرنے کے لیے جنگل کی طرف نہ آسکے کہ اب رات بہت ہو چکی ہے اب میں اس کو کہاں تلاش کروں گا دوسری بات یہ کہ ایک واقعی دل کو صدمہ پہنچا ہوا ہوتا ہے اور اس صدمے کی وجہ سے انسان روتا ہے اور ایک کرنی ہوتی ہے بناوٹ اور بناوٹ میں چہرے کے اوپر وہ اثرات تو ہوتے نہیں جو حقیقی صدمے کے ہوتے ہیں تو رات کی تاریکی میں منہ چھپا رہے گا اور دن کی روشنی میں وہ ہمارے چہرے دیکھ کے سمجھ جائے گا کہ یہ ایسے ہی بناوٹ کر رہے ہیں تو رات کی تاریکی میں جاؤ تا کہ منہ ہی نظر نہ آئے ان آثار کو چھپانے کے لیے وہ رات کی تاریکی میں آئے اور آئے بھی روتے ہوئے۔

چور مچائے شور:

ان کے اس واقعہ دیکھتے ہوئے حضرت اعمش جو کہ محدث ہیں اور تابعی ہیں فرمایا کرتے تھے کہ جب سے ہم نے یوسف کے بھائیوں کا قصہ سنا ہے اس وقت سے ہم رونے والوں کا اعتبار نہیں کرتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ اندر سے گڑبڑ ہوتے ہیں اور آکے رو کے یقین دلانا چاہتے ہیں خود ہی سب کچھ کر لیا اور خود ہی رو کے ثبوت دینا چاہتے ہیں کہ ہم سچے ہیں تو ہر رونے والا سچا نہیں ہوتا جیسے ہمارے حضرت کی تحقیق یہی ہے کہ اصل کے اعتبار سے حضرت حسین کو قتل کرنے والے وہی تھے جنہوں نے خط لکھ کے ان کو بلوایا قاتلان حسین حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا مستقل رسالہ ہے اور انہوں نے اہل کوفہ کو قاتل ثابت کیا ہے کہ یہ ظاہری محبین اصل کے اعتبار سے قاتل ہیں کہ خود ہی قتل کر لیا اور خود ہی تعزیے اٹھا لیے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بھی ایسے ہی کیا کہ کنویں میں خود ہی پھینک دیا اور جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لیا اور بعد میں کرتا اٹھا کے آگئے۔

گھر آکر جھوٹی کارگزاری سنانا:

اب وہ عشاء کے وقت روتے ہوئے آگئے وہ کہتے ہیں ہائے ابا کیا کریں یہ تو عجیب واقعہ پیش آگیا انہوں نے جو سکیم بنائی اس کا خاکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے خیال ہی سے لیا کہ ابا نے کہا تھا کہ کہیں بھیڑیا نہ کھا جائے کہا لو جو خطرہ تھا وہ پیش آگیا، مطلب یہ کہ ان کے ذہن میں یہ بات ہے تو اگر ہم بات بنائیں گے تو ان کا ذہن قبول

کرنے کے لیے تیار ہے کیونکہ ان کو پہلے ہی خطرہ ہے کہ کہیں بھیڑیا نہ کھا جائے اور ہم جا کے کہیں گے کہ ابا تیرا خیال ٹھیک نکلا اور اس کو بھیڑیا کھا گیا تو گویا کہ ابا کے خیال پر ہی بنیاد رکھ کے سکیم بنالی، کہنے لگے اے ابا! "انا ذھبنا نستبق" کہ ہم نے ایک جگہ کپڑے اتار کے رکھے اور اس کو اپنے سامان پر بٹھا دیا کیونکہ یہ تو چھوٹا تھا اور دوڑ میں شریک نہیں ہوسکتا تھا تو اس کو سامان کے پاس بٹھا دیا اور خود دوڑ لگائی کہ دیکھیں آگے کون نکلتا ہے تو جب ہم بھاگتے ہوئے دور چلے گئے اور یوسف علیہ السلام پیچھے اکیلا رہ گیا تو بھیڑیا آ کے اس کو کھا گیا تو اب بات یہی ہے جو ہم کہہ رہے ہیں لیکن اس بات کو تو نہیں مانے گا اگرچہ ہم کتنے ہی سچے کیوں نہ ہوں یعنی تیرے نزدیک پہلے سے ہمارا شمار صادقین میں کیوں نہ ہو لیکن اس بات پہ تیرا دل نہیں جمے گا، انہوں نے آ کے یہ خبر سنا دی اور قمیص پیش کردی جس کے اوپر خون لگا ہوا تھا۔

برادران یوسف علیہ السلام کا جھوٹا ہونا ظاہر ہوگیا:

اور یہاں مفسرین نے وہ روایات لی ہیں جو اگرچہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں کہ وہ قمیص جو لے کے آئے تھے اس کے اوپر خون تو لگا لیا لیکن پھاڑنی یاد نہ رہی تو صحیح سالم قمیص تھی تو جب صحیح سالم قمیص پیش کی اور اس کے اوپر خون لگا ہوا دیکھا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے تو ممکن ہے کہ انسان اور جانور کے خون میں بھی امتیاز کرلیا ہو کہ یہ یوسف علیہ السلام کا خون نہیں بلکہ کسی جانور کا خون ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہنے لگے کہ وہ بھیڑیا تو بہت سمجھدار ہوگا کہ جس نے قمیص پھٹنے نہیں دی اور یوسف علیہ السلام کو کھا لیا تو اس سے بھی استدلال کرگئے یہ ان کی کوئی اپنی بنائی ہوئی سکیم ہے، انہوں نے اپنا حسد نکالا ہے، یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نے نہیں کھایا ان کو دلی اطمینان تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یوسف نے جو خواب دیکھا ہے وہ "بشریٰ من اللہ" ہے اور ایسا واقعہ پیش آئے گا کہ اللہ اس کو عظمت دے گا اور سارے اس کی عظمت کا اعتراف کریں گے، بہرحال وہ سمجھ گئے یہ بھائیوں کی بنائی ہوئی سکیم ہے اس لیے کہا "بل سولت لکم انفسکم امرا" "تمہارے دلوں نے بات بنالی ہے واقعہ اس طرح نہیں ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ اللہ کی طرف سے امتحان ہے تو کہا صبر کرنا ہی بہتر ہے میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں اور جو تم کہتے ہو اس پر اللہ سے ہی میں مدد طلب کرتا ہوں۔

قافلہ والوں کے ہاتھوں فروخت ہونا:

اب دوسری طرف ایک قافلہ آ گیا تو انہوں نے اپنا ایک آدمی جو پانی لانے پر متعین تھا اس کو بھیجا اور وہ اسی کنویں پر گیا اور اس نے جا کے اپنا ڈول لٹکایا، جب ڈول لٹکایا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ ڈول پکڑ لیا اور جب اس نے کھینچا ہوگا تو پانی کی بجائے حضرت یوسف علیہ السلام باہر آ گئے ہوں گے تو وہ دیکھتے ہی خوشی کے ساتھ نعرہ لگاتا ہے "یابشریٰ ھذا غلام" "اے خوشی! حاضر ہو جا! یہ تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے کہ یہ لڑکا مل گیا اور وہ خوش اس بات پر ہوئے کہ یہ تو بہت اچھی قیمت پر بکے گا تو انہوں نے سامان تجارت سمجھ کر چھپا لیا تاکہ کسی دوسرے کو پتہ نہ چلے اور اس کو ہم سے چھیننے کی کوشش نہ کرے جو کچھ وہ کر رہے تھے اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا تھا سب جانتا تھا کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔

"و شروہ بثمن بخس دراھم معدودہ":

اس کے دونوں مفہوم آپ کی خدمت میں عرض کر دیے کہ یوسف علیہ السلام کو گھٹیا قیمت پر بیچ دیا قافلہ والوں نے مصر میں لے جا کر اور وہ اس کے بارے میں رغبت کرنے والے نہیں تھے یا بھائیوں نے اسے گھٹیا قیمت پر بیچ دیا کہ ان کو بھی کوئی قدر نہیں تھی، وہ تو اپنے راستے سے دور ہٹانا چاہتے تھے اس لیے چند درھموں کے بدلے میں بیچ دیا اور ان کو بھی اس بارے میں کوئی رغبت نہیں تھی۔

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى

اور کہا اس شخص نے جس نے آپ کو خریدا تھا مصر سے اپنی بیوی کو تو اچھا کر اس کے ٹھکانہ کو ہوسکتا ہے کہ

اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ؗ

یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو بنالیں اپنا بیٹا، اور ایسے ہی ہم نے ٹھکانہ دیا یوسف کو ملک میں

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ

اور تاکہ ہم اس کو سکھائیں باتوں کو ٹھکانہ لگانا اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے امر پر

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا

لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں ﴿۲۱﴾ اور جب وہ پہنچ گئے اپنی جوانی کو تو ہم نے ان کو حکمت

وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ

اور علم سے نوازا اور ہم ایسے ہی بدلہ دیتے ہیں محسنین کو ﴿۲۲﴾ آپ کو پھسلادیا اس عورت نے

بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ قَالَ

جس کے گھر میں آپ تھے آپ کے نفس سے اور اس نے دروازے بند کر لیے اور کہنے لگی تو آجا آپ نے کہا

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

اللہ کی پناہ یہ میرا مالک ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا، بیشک بات یہ ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پایا کرتے ﴿۲۳﴾

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ

اور البتہ تحقیق اس عورت نے آپ کا ارادہ کیا اور آپ بھی اس عورت کا قصد کر لیتے اگر آپ اپنے رب کی برہان کو نہ دیکھتے ایسے ہی

لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾

ہم نے ثابت قدم رکھا تاکہ ہم دور ہٹادیں اس سے برائی اور بے حیائی کو بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا ﴿۲۴﴾

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِیْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَیَا سَیِّدَهَا

وہ دونوں بھاگے دروازے کی طرف اور پھاڑ دی اس عورت نے یوسف کی قمیض پیچھے سے اور پایا ان دونوں نے عورت کے خاوند کو

لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ یُّسْجَنَ

دروازے کے پاس عورت نے کہا کیا بدلہ ہے اس شخص کا جو ارادہ کرے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا مگر یہ کہ اس کو قید کر دیا جائے

اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۲۵ قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ

یا اس کو دردناک عذاب دیا جائے ۝۲۵ یوسف نے کہا اس عورت نے مجھے پھسلایا ہے میرے نفس سے اور گواہی دے دی ایک گواہ نے

مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ

عورت کے گھر والوں میں سے اگر اس کی قمیص پھٹی ہے آگے سے تو یہ عورت سچی ہے اور یہ

مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝۲۶ وَ اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ

جھوٹوں میں سے ۝۲۶ اور اگر اس کی قمیص پھٹی ہے پیچھے سے تو عورت جھوٹی ہے

وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۲۷ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ

اور یہ سچوں میں سے ہے ۝۲۷ پس جب اس نے دیکھا یوسف کی قمیص کو کہ وہ پھاڑی ہوئی تھی پیچھے سے تو اس نے کہا کہ یہ بات

مِنْ كَیْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ ۝۲۸ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ

عورتوں کے مکر سے ہے بیشک تمہارا مکر بہت بڑا ہے ۝۲۸ اے یوسف! اس بات سے منہ موڑ جاؤ

وَ اسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ ۝۲۹

اور اے عورت! تو استغفار کر اپنے گناہ کا بے شک تو خطا کاروں میں سے ہے ۝۲۹

"لغوی صرفی ونحوی تحقیق:

"و قال الذی اشتراہ من مصر" اور کہا اس شخص نے جس نے خرید اتھا اس کو مصر سے اشتراہ کی ضمیر حضرت یوسف کی طرف لوٹ رہی ہے اور "لامرتہ" یہ قال کے متعلق ہے اس نے اپنی بیوی کو کہا "اکرمی مثواہ" مثواہ کا معنی ہے ٹھکانہ، اس کے ٹھکانہ کو اچھا کر یعنی اس کو اچھے طریقے سے رکھنا، ہوسکتا ہے کہ یہ ہمیں نفع دے "او نتخذہ ولدا" یا یہ ہے کہ ہم اس کو لڑکا ہی بنالیں، "نتخذہ" کا عطف ینفع کے اوپر ہے اور یہ بھی ان کے نیچے داخل ہے، "وکذالك مكنا ليوسف" اور ایسے ہی ہم نے ٹھکانہ دیا یوسف کو فی الارض زمین میں ارض سے ارض مصر مراد

ہے ولنعلمه من تاویل الاحادیث اس کا معطوف علیہ محذوف نکال لیجیے تا کہ ہم اس کی اچھی طرح سے تربیت کریں اور تا کہ ہم اس کو سکھائیں باتوں کو ٹھکانہ لگانا یا تا کہ ہم اسے عزت سے نوازیں اور تا کہ ہم اس کو سکھائیں باتوں کو ٹھکانہ لگانا، "والله غالب علی امرہٖ" اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے امر پر" ولکن اکثر الناس لایعلمون" لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

"و لمابلغ اشدہ "اور جب حضرت یوسف علیہ السلام پہنچ گئے اپنی جوانی کو "اٰتینا ہ حکماً وعلماً "تو ہم نے ان کو علم اور حکمت سے نوازا، حکم کا معنی ہے فیصلہ کی قوت اور علم سے علم نبوت مراد ہے علم اور حکمت کے مل جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کو نبوت عطا کی جس کی وجہ سے ان کو فیصلہ کی قوت بھی حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کا علم بھی حاصل ہوا" و کذالك نجزی المحسنین " اور ہم ایسے ہی بدلہ دیتے ہیں محسنین کو جیسے ہم نے یوسف علیہ السلام کو بدلہ دیا تو اس سے معلوم ہو گیا کہ حضرت یوسف بھی محسنین میں سے ہیں اور محسن وہی شخص ہوا کرتا ہے جو اپنے خیالات میں بھی پاکیزہ ہو، کردار میں بھی ستھرا ہو اور ہر وقت اس طرح رہے گویا کہ اللہ کے سامنے ہے اور اللہ اس کے سامنے ہے تو ایسے شخص سے معصیت کا صدور ممکن نہیں تو یہی صفت احسان ہے جو ان کے علم اور حکمت کا ذریعہ بنی۔

"وراودته التی هوفی بیتها "راود، مراودۃ کسی کو مختلف حیلوں بہانوں کے ساتھ اپنے مقصد میں استعمال کرنے کی کوشش کرنا، ایک کام کرتے ہیں اور اس کام کے لیے کسی دوسرے کو استعمال کرنا چاہتے ہیں تو پھسلا کے اپنے ارادے کے مطابق اس کو کر لینے کو مراودت کہتے ہیں، چنانچہ سورۃ کے آخری حصہ میں پھر یہ لفظ آئے گا جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں سے مطالبہ کریں گے کہ اپنے اس دوسرے بھائی کو بھی لے کے آنا جس کا ذکر تم نے کیا ہے اور جس کے حصے کا تم نے غلہ مانگا ہے ورنہ آئندہ تمہیں غلہ نہیں ملے گا تو وہاں ان بھائیوں نے کہا تھا 'نراود عنه اباہ "ہم اس کے متعلق اس کے باپ کو پھسلائیں گے یعنی کوشش کریں گے کہ اپنے ابا کو اس بھائی کے متعلق اپنے مقصد کے مطابق ڈھال لیں تو وہاں بھی مراودت کا لفظ آیا ہوا ہے تو مراودت کا مفہوم یہی ہے کہ کسی کو بہلا پھسلا کے اپنے مقصد میں استعمال کرنا، وہ عورت جس کے گھر میں حضرت یوسف علیہ السلام تھے اس نے یوسف کو بہکایا یوسف علیہ السلام کے نفس سے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے کوشش کی کہ یوسف کو بداخلاقی میں مبتلاء

کرے"وغلقت الابواب " اوراس نے دروازے بند کر لیے،ابواب یہ باب کی جمع ہے اس سے معلوم ہوتا ہے متعدد دروازے تھے اور یہ متعدد دروازے بالترتیب بھی ہو سکتے ہیں جیسے کمرے کے پیچھے کمرہ ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے ایک کمرے کے متعدد دروازے ہوں،تو اس نے مکان کے سب دروازے بند کر لیے اور اس میں بالترتیب ہونا ضروری نہیں اگر چہ عام طور پر قصہ کہانیوں کی کتابوں میں تو یہی لکھا ہوا ہے کہ وہ سات دروازے تھے اور بالترتیب تھے یعنی ساتویں کمرہ میں لے گئی لیکن اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہے کیونکہ ابواب میں دونوں باتیں آسکتیں ہیں اصل مفہوم یہ ہے کہ مکان کے سارے دروازے بند کر لیے' و قالت هیت لك "اور کہنے لگی کہ آجا میں تجھے کہتی ہوں۔

'قال معاذالله"یوسف علیہ السلام نے کہا اللہ کی پناہ یعنی اعوذ معاذ اللہ میں تو اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں' ' انه ربی احسن مثوای"انہ کی ضمیر ظاہر یہی ہے کہ یہ عزیز مصر کی طرف لوٹ رہی ہے بے شک یہ عزیز مصر تیرا شوہر ہے یہ میرا مالک ہے،میرا آقا ہے،رب کا لفظ صرف اللہ تعالی کے لیے ہی استعمال نہیں ہوتا،اضافت کے ساتھ یہ دوسروں کے لیے بھی استعمال ہوتا رہتا ہے فقہ کی کتابوں میں آپ پڑھتے ہیں رب المال،رب الدار،رب الفرس،مالک اور آقا کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا رہتا ہے جیسے آگے چل کر حضرت یوسف علیہ السلام قیدیوں کے ساتھ گفتگو کریں گے تو جس کے متعلق چھوٹ جانے کی امید تھی اس کو کہیں گے'اذکر نی عندربك "اپنے مالک کے سامنے جا کے میرا تذکرہ کرنا تو وہاں رب سے مالک مراد ہے"فانساه الشیطان ذکر ربه "اپنے مالک کے سامنے ذکر کرنے کو شیطان نے بھلا دیا تو رب کا لفظ مالک کے معنی میں بھی آتا رہتا ہے بے شک یہ عزیز مصر یہ تیرا شوہر میرا آقا ہے اس نے میرا ٹھکانہ بہت اچھا کیا یعنی اس نے مجھے بیٹوں کی طرح رکھا،میری عزت کی،مجھے اچھا ٹھکانہ دیا میں اس کے حق میں خیانت نہیں کر سکتا۔

اور اگر اس ضمیر کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے معاملہ پھر بھی صاف ہے کہ اللہ میرا رب ہے اس نے مجھے کتنی عزت سے نوازا ہے میں اب اس کی نافرمانی کس طرح کروں لیکن پہلا مطلب زیادہ اوفق ہے کیونکہ اس عورت کے سامنے وہی بات ذکر کی جا سکتی ہے جو اس کے فہم کے مطابق ہوتی اور اللہ تعالیٰ کا تذکرہ کر کے کسی کو گناہ سے روکنا یہ اہل علم اور مؤمنوں کے لیے تو مؤثر ہو سکتا ہے مشرکوں،کافروں،اور جاہلوں پر اس بات کا کوئی اثر نہیں پڑتا،ان کے لیے یہ بات زیادہ سمجھ میں آنے والی ہے کہ جس کے گھر میں ہوں،جس کا نمک کھاتا ہوں،جس نے مجھے عزت سے

رکھا ہے، پیار سے رکھا ہے، بیٹوں کی طرح رکھا ہے میں اس کے حق میں خیانت کس طرح کرلوں، یہی سادہ سی دلیل ہے جس کو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے " انه لا یفلح الظالمون " بے شک بات یہ ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پایا کرتے۔

" و لقد همت به" لقد تاکید کے لیے ہے البتہ پکی بات ہے کہ اس عورت نے اس یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا کہ اس کو اپنے ساتھ مبتلاء کرلے " و هم بها لولا ان را برهان ربه" کا جواب محذوف ہے، ترجمہ ہوگا اس عورت نے یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور یوسف علیہ السلام نے اس کے متعلق ارادہ کیا اور اگر نہ دیکھ لیتا یوسف اپنے رب کی برھان تو معاملہ آگے بڑھ جاتا لغزش میں واقع ہوجاتے، جس کا مطلب ہے کہ ھم کی نسبت یوسف علیہ السلام کی طرف بھی ہوگئی اگرچہ اس درجہ کا ھم نہیں جس درجے کا عورت کا تھا، اس کو لقد کے ساتھ پختہ کیا اور اس کے اوپر لقد داخل نہیں ہے، اگر یہ دونوں ھم ایک ہی طرح کے ہوتے تو پھر اتنی لمبی عبارت بولنے کی بجائے لقد هما تثنیہ کا صیغہ آجاتا کہ دونوں نے قصد کرلیا تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان میں فرق ہے تو خیال یوسف علیہ السلام کو بھی آیا اگرچہ اس درجہ کا نہیں جس درجے کا اس عورت کا تھا اور اگر اپنے رب کی برھان کو نہ دیکھ لیتے تو معاملہ آگے بڑھ جاتا، اور لولا کے بارے میں آپ نحو کے اندر پڑھتے رہتے ہیں کہ یہ وجود اول کی بناء پر امتناع ثانی کے لیے ہوتا ہے کہ چونکہ پہلی چیز موجود تھی اس لیے دوسری چیز کا وقوع نہیں ہوا جیسے نحو میں آپ مثال پڑھتے ہیں" لولا علی لهلك عمر" اگر علی نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہوجاتے علی چونکہ موجود تھے اس لیے عمر بچ گئے یہاں بھی وہی بات ہے کہ اگر برھان رب کو نہ دیکھتے تو مبتلاء ہوجاتے لیکن چونکہ برہان رب کو دیکھ لیا برھان رب موجود تھی اس لیے مبتلاء نہیں ہوئے۔

اور بعض حضرات نے " هم به" کو مقید کیا ہے " لولا ان را برهان ربه" کے ساتھ، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ پختہ طور پر قصد کیا عورت نے یوسف علیہ السلام کا اور وہ یوسف بھی اس عورت کا قصد کرلیتا اگر اپنے رب کی برھان کو نہ دیکھتا لیکن چونکہ رب کی برھان دیکھ لی اس لیے قصد ہی نہیں کیا، یوں سرے سے ھم ہی کی نفی ہوجائے گی لیکن نحوی ترکیب اور لولا کے قواعد کے اعتبار سے پہلا مطلب زیادہ اچھا ہے کیونکہ لولا کا جواب لولا پر مقدم نہیں ہوتا اس لیے ھم بہا کو لولا کا جواب قرار دینا نحوی قاعدے کے خلاف ہے۔

" کذالك لنصرف عنه السوء والفحشاء" ہم نے اس کو ایسے ہی ثابت قدم رکھا یا ہم نے اس کو ایسے ہی برھان دکھائی تاکہ ہم دور ہٹا دیں اس سے برائی اور بے حیائی کو، بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔

" واستبقا الباب" استباق، یہ لفظ کل بھی گذرا ہے " ذھبنا نستبق "جس کا مطلب یہ ہوتا ہے بھاگتے ہوئے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرنا، وہ دونوں ہی بھاگے دروازے کی طرف یعنی ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کی "وقدت قمیصه" اور اس عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص پھاڑ دی " من دبر " پیچھے سے "والفیاسیدھالدا الباب" اور ان دونوں نے عورت کے خاوند کو دروازے کے پاس "لدا" اتصال کو چاہتا ہے کہ بالکل دروازے پر اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک باہر سے اندر آنے کے لیے بالکل دروازے پر پہنچ گیا اور آپ اندر سے باہر نکلنے کے لیے دروازے پر پہنچ گئے دروازہ کھلا تو وہ بالکل سامنے کھڑا ہے اس طرح عزیز مصر باہر سے آیا تھا اور مکان میں داخل ہونا چاہتا تھا اور دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ اندر سے انہوں نے دروازہ کھول لیا تو بالکل متصل ہی ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہو گیا" قالت ماجزاء من ارادباھلك سوءً ا"عورت اپنے خاوند کو خطاب کرتے ہوئے بولی کیا بدلہ ہے اس شخص کا جو ارادہ کرے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا"الاان یسجن اوعذاب الیم" مگر یہ کہ اس کو قید کر دیا جائے یا دردناک سزاء دی جائے۔

" قال ھی راودتنی عن نفسی "یوسف علیہ السلام نے کہا اس عورت نے ہی مجھے پھسلایا میرے نفس سے اور گواہی دے دی ایک گواہ نے عورت کے گھر والوں میں سے کہ اگر اس کی قمیص پھٹی ہے آگے سے تو پھر عورت سچی ہے اور یہ جھوٹوں میں سے ہے اور اگر اس کی قمیص پھٹی ہے پیچھے سے تو پھر عورت جھوٹ بول رہی ہے اور یہ سچوں میں سے ہے، جس وقت عزیز مصر نے یوسف کی قمیص کو دیکھا کہ وہ پھاڑی گئی تھی پیچھے سے تو عزیز مصر نے اس عورت کو کہا کہ بے شک یہ بات عورتوں کے مکر میں سے ہے بے شک تمہارا مکر بہت بڑا ہے، 'یو سف اعرض عن ھذا" یوسف علیہ السلام منادی ہے اور حرف نداء محذوف ہے اے یوسف! اس بات سے منہ موڑ جاؤ، اس بات سے اعراض کر جاؤ اور اس عورت سے کہا تو استغفار کر اپنے گناہوں کا معافی مانگ اپنے گناہ کی تو خطا کاروں میں سے ہے۔

تفسیر

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق تاریخی روایات:

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ یہاں تک پہنچا کہ وہ قافلہ جو حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکال کے لایا تھا وہ مصر میں آ گئے اور مصر میں آ کے انہوں نے اس غلام کو بیچنا چاہا، خریدار بھی آئے ہوں گے، وہاں لوگ اکٹھے ہو گئے

ہوں گے، قرآن کریم غیر ضروری باتوں کے پیچھے نہیں پڑتا اور تاریخ میں، اسرئیلی روایات میں اس قسم کے واقعات لکھے ہوئے ہوتے ہیں جیسے آپ سنتے رہتے ہیں کہ ایک بڑھیا یوسف علیہ السلام کو خریدنے کے لیے سوت کی ایک اٹی لے کے آ گئی تھی اور لوگ بولیاں لگانے لگے کسی نے کچھ بولا اور کسی نے کچھ بولا، آخر یوسف کے برابر سونا تولا گیا، ریشم کے کپڑے تولے گئے، مشک اور کافور تولا گیا اور اتنی قیمت اداء کر کے عزیز مصر نے اس کو خرید لیا یہ تاریخی روایتیں ہیں، اسرائیلیات میں داخل ہیں، افسانہ نگاری کے طور پر لوگ اس کو بیان کرتے ہیں، قرآن کریم اس قسم کی غیر ضروری باتوں کے پیچھے نہیں پڑتا، بہر حال مطلب کی بات سامنے آ گئی کہ وہاں جا کے یہ بکے اور عزیز مصر نے ان کو خریدا۔

عزیز مصر کا تعارف:

آگے ہر جگہ ہی عزیز مصر کا لفظ بولا جائے گا جس سے معلوم ہوتا ہے یہ عزیز مصر کوئی عہدیدار ہے، بعض نے لکھا ہے کہ شاہی باڈی گارڈز کا افسر تھا، کسی نے لکھا ہے کہ یہ وزیر خزانہ تھا بہر حال کسی بڑے عہدے پر تھا اور اس وقت جو مصر کا بادشاہ تھا اس کا نام ریان تھا، قوم عمالقہ سے تعلق رکھتا تھا، مصر کی جو اصل آبادی قبطی ہے وہ ان میں سے نہیں تھا اس لیے کسی روایت کے اندر اس کا لقب فرعون نہیں آیا، فراعین مصر کا لقب اس وقت استعمال کیا گیا ہے جب مصریوں کی حکومت قائم ہو گئی تھی اس وقت کے بادشاہ فرعون کہلاتے تھے گویا کہ فرعون کا لقب حضرت یوسف کے واقعہ کے بعد کا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں کسی جگہ بھی لفظ فرعون نہیں آئے گا۔

اس عزیز مصر نے اس کو خرید لیا اور بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی یہی عہدہ ملا تھا اس لیے جب یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ خریدنے کے لیے گئے ہیں تو انہوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو اسی لفظ کے ساتھ خطاب کیا تھا "یاایہا العزیز"! جس سے معلوم ہو گیا کہ اس عزیز مصر کے وفات پا جانے کے بعد یا اس عہدہ سے اتر جانے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو وہی عہدہ دیا گیا تھا۔

عزیز مصر کا اپنی بیوی کو خطاب:

جب اس نے خریدا تو اس سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے اس بچے کی شکل و صورت کو دیکھ کر، اس کی صفائی ستھرائی اور پاکیزگی کو دیکھ کر یہ اندازہ کر لیا کہ یہ کوئی غلام نہیں ہے بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی خاندانی بچہ ہے، کسی اچھے خاندان کا چشم و چراغ ہے اور یہ لوگ اس کو کہیں سے اغواء کر کے لے آئے ہیں تو گھر لے جا کر اپنی بیوی کے

سپرد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ دیکھو! اس کے ساتھ عام غلاموں جیسا برتاؤ نہ کرنا، اس کو بہت ہی عزت کے ساتھ رکھنا، اور اس کو بہت ہی اچھا ٹھکانہ دینا، آرام کے ساتھ رکھنا، اور احترام کے ساتھ رکھنا، بچہ بڑا ہونہار اور شریف معلوم ہوتا ہے یہ آئندہ زندگی میں ہمیں بہت فائدہ پہنچائے گا اور ہوسکتا ہے کہ ہم اس کو بیٹا ہی بنالیں، اب اس لفظ سے کچھ اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ اس عزیز مصر کی اولاد نہیں تھی ورنہ جس کے گھر میں اپنے بچہ ہوا کرتے ہیں وہ پرائے بچے کے متعلق بیٹا بنانے کا نہیں سوچا کرتا اور تاریخی روایات میں بھی ہے کہ عزیز مصر بے اولاد تھا تو کہا کہ اس بچے کو گھر میں بیٹوں کی طرح رکھو اور امید یہی ہے کہ قابل اعتماد ثابت ہوگا تو ہوسکتا ہے ہم بعد میں اس کو اپنا بیٹا بنالیں چنانچہ روایات میں تفصیل کچھ اس طرح آتی ہے کہ اس کو گھر کے اندر رکھ کے گھر کے کل کا اس کو مختار بنا دیا جس طرح قابل اعتماد بیٹا ہوا کرتا ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اسی طرح اس گھر کے اندر وقت گزارنا شروع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت:

اللہ تعالیٰ یہاں درمیان میں اپنی قدرت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو بہت ہی اچھا ٹھکانہ دیا، عزت واحترام کے ساتھ وہاں رہنے اور بسنے لگ گئے اور ہمارا مقصد یہ بھی تھا کہ جہاں ان کو راحت ملے، عزت ملے، وہاں یہ باتوں کو ٹھکانا لگانا بھی سیکھیں، اس کا مطلب یہ ہے حضرت یوسف علیہ السلام پہلے جس علاقہ میں رہتے تھے جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کی سکونت تھی جو ان کا آبائی وطن تھا وہاں کی بودوباش منظم سلطنت والی نہیں تھی، اس علاقہ میں لوگ اس طرح رہتے تھے جس طرح آزاد قبائل رہتے ہیں کہ ہر خاندان اپنی جگہ آزاد ہے، ان کا اپنا اپنا نظم ونسق ہے کوئی ریاست اور کوئی سلطنت، اور بادشاہت کی صورت نہیں تھی اب ایک بچہ کو آگے جا کے ایک سلطنت کا وارث بنانا ہے، اس نے ایک سلطنت کا انتظام کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ان کو ایک ماحول میں پہنچا دیا گیا ایسے گھر میں پہنچا دیا گیا کہ جہاں رہ کر ان کی تربیت ایسے انداز میں ہوگی کہ وہ امور سلطنت کو سمجھیں گے اور سلطنت کو سمجھنے کے بعد پھر آگے سنبھالنا آسان ہو جائے گا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے اس لیے ان کو اس علاقہ کے اندر ٹھکانہ دے دیا، اب دیکھنے والے تو یہ دیکھ رہے تھے کہ یوسف پر ظلم ہی ظلم ہوتا جا رہا ہے، پہلے بھائیوں نے اٹھا کے کنویں میں پھینک دیا، باپ سے جدا کر دیا اور وہ سمجھے کہ ہم نے بدلہ لیا اور پھر وہاں سے نکالا تو غلام بنا کے بیچ دیا، پھر قافلہ والوں نے آگے جا کے بیچ دیا اب ایک گھر میں غلام بن کے رہنے لگے بظاہر دیکھنے والے تو یہ دیکھ رہے

تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت درجہ بدرجہ ان کو ترقی کی طرف لے جارہی تھی یعنی کنویں میں پھینکنا ان کے لیے مصر میں جانے کا ذریعہ بنا مصر میں جا کے بکنا عزیز مصر کے گھر جانے کا ذریعہ بنا، اور عزیز مصر میں جا کے جو کچھ پیش آیا وہاں سے ان کو جیل کے اندر پھینکا گیا یہ بادشاہت تک پہنچنے کا ذریعہ بنا اور بادشاہت تک پہنچنا تھا کہ سلطنت کے مالک بن گئے تو ظاہر کیا ہے اور باطن کیا ہے، ظاہری طور پر سختیاں ہورہی ہیں ظلم کا شکار بن رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کو اپنی لطیف قدرت کے ساتھ کس طرح ان کو اعلیٰ معیار کی طرف لے کے جارہے ہیں یہی اللہ کی قدرت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے "و الله غالب علىٰ امره ولكن اكثر الناس لا يعلمون" لوگ تو صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں باطن میں کیا کچھ ہے یہ اللہ کی ذات ہی بہتر جانتی ہے، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کرنا ہوتا ہے اس کو کر کے ہی رہتا ہے اور اس انداز سے کرتا ہے کہ ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطن سے نتیجہ کچھ اور ہی نکلتا ہے تو ہم نے اس کو ٹھکانہ اس لیے دیا تاکہ اس کو عزت اور آرام کے ساتھ رکھیں، اس کو راحت نصیب ہو اور تاکہ اس کو باتوں کو ٹھکانہ لگانا سکھائیں۔

جوانی کی عمر کو پہنچنے پر نبوت کا ملنا:

حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر پہنچ گئے، جوانی کی عمر کو پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے علم اور حکمت سے نوازا، اس علم اور حکمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت عطاء فرمائی جس سے معلوم ہو گیا کہ کنویں میں پھینکتے وقت جس وحی کا ذکر آیا تھا اس وحی سے وحی نبوت مراد نہیں وہ اس طرح القاء فی القلب تھا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واوحینا الی ام موسیٰ" ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اس کو تابوت میں رکھو اور دریا میں ڈال دو، جس طرح دل میں بات ڈالتے گئے اس طرح ماں کرتی گئی یہ اسی قسم کا القاء فی القلب ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں کیا گیا وہ وحی نبوت نہیں تھی، جوانی کی عمر کو پہنچنے کے بعد، قوت کمال کو پہنچنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو علم اور حکمت عطاء ہوا، فیصلے کی قوت حاصل ہوئی اور عقدہ کشائی کی نعمت حاصل ہوئی، اور علم سے نوازا گیا۔

بغض کے ابتلاء میں کامیابی کے بعد محبت کا ابتلاء:

اب حضرت یوسف علیہ السلام کے اوپر ابتلاء کا ایک اور دور آیا، پہلے دور میں حضرت یوسف علیہ السلام لوگوں کے بغض کا

نشانہ بنے تھے، حسد اور بغض کی بناء پر لوگوں نے ان سے دشمنی کی تو انہوں نے دشمنی کا دور بھی دیکھ لیا کہ لوگ جب دشمنی کرتے ہیں تو کیسے واقعات آیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ان کو ثابت قدم رکھا اب دوسرا دوران کے اوپر محبت کے ابتلاء کا آ گیا کہ ماحول کی ان کے ساتھ محبت کی بناء پر ایک فتنہ میں پڑے اور اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی ان کو ثابت قدم رکھا اور اس ثابت قدم کو رکھنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو کس طرح دنیا و آخرت میں نوازا، یہ امتحان جو آگے آ رہا ہے یہ محبت کا ابتلاء ہے یہ عشق کا ابتلاء ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے ابتلاء کا واقعہ

اللہ تعالیٰ نے حسن تو دیا ہی تھا، خوبصورت بے انتہاء تھے سرور کائنات ﷺ جب معراج پر تشریف لے گئے ہیں تو واپس آ کے جو واقعات سنائے ہیں ان میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ میری ملاقات یوسف سے ہوئی "قد اعطی شطر الحسن" شطر کا معنی نصف کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جتنا حسن ہے اس کا نصف اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا ہے اور شطر مطلق حصہ کو بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حسن میں سے ایک دراز حصہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا ہے یعنی سرور کائنات ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی خاص طور پر تعریف فرمائی ہے، بہت حسین تھے اور پھر جوان تھے اب وہ عورت جس کے گھر میں رہتے تھے وہ مؤمنہ نہیں تھی، آخرت کی قائل نہیں تھی، مشرکہ تھی، اب جو اللہ کا قائل نہ ہو آپ جانتے ہیں اس کے دل کے اندر اس قسم کی گرفت نہیں ہوتی کہ وہ معصیت سے بچے آخرت کا خوف بہت بڑی چیز ہے جو انسان کو گناہ سے بچاتا ہے، جب آخرت کا خوف بھی نہیں اور پھر ہر وقت تنہائی ہے اور ہر وقت گھر میں رہتے ہیں، خادموں کی طرح سامنے ہیں، دوسری طرف بڑے خاندان کی عورت ہے جو اچھے حالات میں رہنے والی ہے، اچھا کھانے والی ہے، اچھا پہننے والی ہے اور ان حالات میں محبت اور شہوت کے جذبات ابھرا ہی کرتے ہیں اور جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ یہ روایات اسرائیلی ہیں لیکن نبی بھی تو اسرائیلی ہی ہیں اس لیے واقعہ کو مکمل کرنے کے لیے ان روایات کا سہارا لیا جا سکتا ہے کہ عزیز مصر ویسے بھی عورت کے قابل نہیں تھا اب ان چیزوں کو سامنے رکھو اور پھر اس ماحول کو سوچیں تو ایسے وقت میں ایسا دل اس جوان پر آ گیا اور اس کے دل کے اندر برے برے خیالات آنے لگ گئے جب برے برے خیالات آنے لگ گئے تو اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مختلف طریقوں کے ساتھ بہلانے اور پھسلانے کی کوشش کی ہو گی آخر اس سے

جب ایک دن صبر نہ ہو سکا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو اندر لے گئی کیونکہ وہ خادم تو تھے ہی تو خادم ہونے کی حیثیت سے اندر بلا لیا اور اندر بلا کے دروازے بند کر لیے اور اپنی طرف سے انتظام کر لیا کہ اب دیکھنے والا کوئی نہیں ہے اور خلوت میں جا کے اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف بلایا اور دعوت دی کہ جلدی کرو میں جو تمہیں کہہ رہی ہوں، اس طرح دعوت دی جیسے قرآن کریم نے اپنے معیار کے مطابق پاکیزہ الفاظ کے ساتھ مفہوم ادا کیا ہے اور اس ماحول کو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کس قسم کی باتیں کر کے پھسلانے کی کوشش کی ہوگی تو آخر اس نے اپنا مطالبہ صراحت کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ذکر کر دیا۔

اب ان حالات میں حضرت یوسف علیہ السلام بہت بڑے امتحان میں پڑ گئے، خاندان نبوت کے چشم و چراغ تھے، اللہ تعالیٰ نے علم اور حکمت سے نوازا تھا، آخرت کے قائل تھے اور اللہ کے قائل تھے، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا اندیشہ تھا یہ ساری صفتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو حاصل تھیں لیکن جب وہ عورت کھینچا تانی کر رہی ہے اور اس قسم کی باتیں کر رہی ہے تو عورت کا تو پختہ ارادہ تھا اس فعل میں مبتلاء ہونے کا لیکن حضرت یوسف کے دل میں خیال آیا اور ایسا خیال کہ جس کے اوپر قدر داخل نہیں ہے، اور یہ خیال ایسے ہی ہے جیسے ایک صحت مند آدمی کے دل میں ان حالات کے اندر غیر اختیاری طور پر آسکتا ہے یہ خیال اور اس قسم کا وسوسہ کسی جوان کے دل میں آنا یہ غیر اختیاری ہوتا ہے اس کو آپ مثال کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ نے روزہ رکھا ہوا ہو، انتہائی گرمی کا زمانہ ہو، پیاس شدت سے لگی ہوئی ہو، ٹھنڈے پانی کے پاس آپ بیٹھے ہوں یا نہا رہے ہوں تو دل میں پانی پینے کی خواہش ابھرتی ہے غیر اختیاری طور پر اگرچہ آپ کا پانی پینے کا ارادہ نہیں ہوتا اور نہ آپ اس پانی کو پیتے ہیں یعنی آپ عقیدے کے طور پر تو اس پانی کو اپنے لیے ممنوع سمجھتے ہیں لیکن غیر اختیاری طور پر خواہش ابھرتی ہے یہ خواہش کا ابھرنا اس بات کی علامت ہے کہ قلب کے اندر صلاحیت ہے صحت آپ کی ٹھیک ہے جو پیاس لگنے کی بناء پر پانی کی پیاس ہو رہی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی اس قسم کا خیال آیا لیکن اللہ تعالیٰ کی برھان نمایاں ہوئی جس کی بناء پر اس خیال میں آگے ترقی نہ ہوئی اور حضرت یوسف علیہ السلام اس طرح اس طرف متوجہ نہ ہوئے جس طرح وہ عورت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف متوجہ تھی۔

برھان رب کا مصداق:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا برھان نمایاں ہوئی تھی؟ یا تو یہی مضمون ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام نے ادا کیا ہے "انه ربی احسن مثوای" یہ بات ان کے سامنے حق الیقین کے درجے میں آ گئی کہ یہ تو بڑی نمک حرامی ہے کہ ایک شخص مجھے اپنے گھر میں لاتا ہے، بچوں کی طرح رکھتا ہے، بیٹوں کی طرح کھلاتا ہے، میری عزت کرتا ہے احترام کرتا ہے، تو یہ کونسی عقل مندی ہے کہ میں اس کی عزت پر ہاتھ ڈالوں، یہ مضمون حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے اتنا نمایاں ہو کے آیا گویا کہ آنکھوں سے دیکھ لیا، جب یہ بات سامنے آئی تو سارے جذبات شکر گزاری کی طرف ہو گئے اگر یہ وسوسہ دل میں آیا بھی تو وہ بھی ختم ہو گیا اتنا تو قرآن کریم سے معلوم ہو گیا کہ کوئی رب کی برھان سامنے آئی تھی باقی وہ برھان کیا تھی اس کو مفسرین نے مختلف انداز کے ساتھ بیان کیا ہے یا تو اسی مضمون کا استحضار ہے اور بعض نے کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شکل کے سامنے آ گئی تھی اور وہ تعجب کے ساتھ منہ میں انگلی دیے کھڑے تھے اور یہ کہہ رہے تھے "اتعمل عمل الفجار وانت مکتوب فی الانبیاء" کیا تو فاجروں جیسا کام کرنے لگا ہے تیرا نام تو انبیاء میں درج ہے تو اس کو دیکھتے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کا خیال بدل گیا اور طبیعت بالکل صاف ہو گئی تو وہ وسوسہ بھی دور ہو گیا، بعض کہتے ہیں کہ اوپر کی طرف دیکھا تو یہ آیت لکھی ہوئی نمایاں ہوئی "ولاتقربوالزنا انه کان فاحشة" اس قسم کے الفاظ دیکھ کے وسوسہ ختم ہو گیا، بعض کہتے ہیں کہ اس کمرہ میں ایک طرف ایک بت رکھا ہوا تھا اور زلیخا نے اس کے اوپر کپڑا ڈال دیا تو یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ کپڑا کیوں ڈال رہی ہو تو اس نے کہا کہ یہ ہمارا خدا ہے میں اس سے حیا کرتی ہوں اس لیے اس کے اوپر کپڑا ڈال رہی ہوں تو حضرت یوسف کی فوراً آنکھیں کھلیں کہ اس کا خدا تو پتھر کا ہے اس نے اس کے اوپر کپڑا ڈال دیا اور یہ اس سے حیاء کرتی ہوئی اس کو چھپا رہی ہے کہ یہ ہمیں دیکھے گا نہیں لیکن میرا خدا تو پتھر کا نہیں، وہ تو ہر وقت دیکھتا ہے، ہر حال میں دیکھتا ہے، مکانوں میں دیکھتا ہے تاریکی میں دیکھتا ہے میں اس سے کیسے چھپ سکتا ہوں، یہ اپنے خدا سے حیا کرتی ہے میں اپنے خدا سے کیوں حیا نہ کروں اس قسم کی باتیں سامنے آ گئیں جو بھی ہو بہر حال اتنی بات یقینی ہے کہ کوئی رب کی برھان نمایاں ہوئی تھی اور اس برھان کے نمایاں ہونے کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں جو وسوسہ تھا وہ ختم ہو گیا اور اگر یہ برھان نمایاں نہ ہوتی تو ہو سکتا ہے کہ قدم پھسل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی وقت پر مدد کرتا ہے کیونکہ محسنین میں سے تھے، مخلصین میں

سے تھے، تو برھان نمایاں کی تا کہ اس سوء اور فحشاء کو دور ہٹا دیں اور کسی قسم کی بے حیائی یا برائی کی حرکت حضرت یوسف علیہ السلام سے صادر نہ ہو اور ہم نے حالات ایسے پیدا کر دیے کہ اس برائی کو ہی دور ہٹا دیں کہ وہ یوسف علیہ السلام کے قریب نہ آنے پائے۔

زلیخا کا حضرت یوسف علیہ السلام پہ الزام:

جب یہ بات ہوئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے انکار کیا اور اس نے کھینچا تانی کی تو پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے جان چھڑانے کے لیے مکان سے باہر نکلنا چاہا وہ آگے آگے بھاگے تا کہ مکان سے باہر نکلوں اور وہ پیچھے سے بھاگی اس کو روکنے کے لیے تا کہ اس کو روکوں وہ تو اپنی شہوت میں اندھی ہو چکی تھی اور وہ زبردستی کرنا چاہتی تھی تو جب یوسف علیہ السلام بھاگے وہ پیچھے بھاگی، زلیخا کی کوشش یہ تھی کہ میں آگے جا کے اس کو دروازے پر روک لوں اور یوسف علیہ السلام کی کوشش تھی کہ میں پہلے دروازے پر پہنچ کر باہر نکل جاؤں استبقا ایک دوسرے سے آگے نکلنا تو معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام آگے تھے اور زلیخا پیچھے تھی تو پیچھے سے قمیص کا دامن زلیخا کے ہاتھ میں آ گیا تو روکنے کے لیے اس نے جھٹکا جو دیا تو قمیص پھٹ گئی لیکن اتنے میں وہ دروازے تک بھی پہنچ گئے جب دروازے پر پہنچے تو صورت یہ پیش آئی کہ کنڈی جو جلدی سے کھولی تو باہر دروازے پر عزیز مصر کھڑا تھا وہ گویا کہ باہر سے گھر آ رہا تھا اور یہ اندر سے باہر جا رہے تھے تو دروازے پر آمنا سامنا ہو گیا، جب آمنا سامنا ہوا تو اس نے دیکھا کہ یہ دونوں تو آپس میں گتھم گتھا ہیں اور اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں تو فوراً خیال آیا کہ یہ کیا قصہ ہے، اس کے ذہن نے ابھی سوچا ہو یا نہ سوچا ہو عورت فوراً تاڑ گئی کیونکہ عورت اس معاملہ میں بہت ہوشیار ہوتی ہے، اس نے فوراً پینترا بدل لیا، غصے کے آثار چہرے پر آ گئے، ناراضگی کے آثار چہرے پر آ گئے اور کہنے لگی کہ اچھا خادم لا کے دیا اور کہا کہ اس کو بیٹا بنا کے رکھنا بیٹے ایسے ہوتے ہیں، میں نے اس کو بیٹوں کی طرح رکھا، اس کی میں نے عزت کی اور یہ آج میری عزت پر ہی ہاتھ ڈال رہا تھا اس کو یا تو سخت سزا دو یا اس کو کہیں جیل میں ڈال دو یہ گھر رکھنے کے قابل نہیں ہے اس طرح اس نے سارا الزام حضرت یوسف علیہ السلام کے اوپر لگا دیا۔

عزیز مصر کا گھر فحاشی و عریانی سے پاک تھا:

لیکن اس بات سے ایک بات ذہن میں لے آیئے قرآن کریم سے یہ بات حقیقت کی طرح ابھرتی ہوئی نظر

آ رہی ہے کہ عورت کا اس قسم کی بات کرنے کی نوبت اس لیے آئی، یہ بہانے بنانے کی اس لیے سوجھی کہ وہ سمجھتی تھی کہ اگر میرے خاوند کو پتہ چل گیا کہ خیانت میں نے کی ہے تو میرا خاوند برداشت نہیں کرے گا اور مجھے گھر سے نکال دے گا اس لیے اس نے یہ تہمت فوراً حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس کے گھر میں کوئی فسق و فجور نہیں تھا اگر فسق و فجور ہوتا آج کی مغربی تہذیب کی طرح بے حیائی اور فحاشی عام ہوتی تو نہ زلیخا کو اپنے خاوند کا اتنا ڈر ہوتا اور نہ وہ خاوند کے سامنے صفائیاں دینے کی ضرورت محسوس کرتی یہ صفائی دینے کی ضرورت اس نے اس لیے محسوس کی ہے کہ وہ خاوند کی نظر میں پاک دامن ہے اور اس ماحول کے اندر اس قسم کی حرکتوں کو برا سمجھا جاتا تھا، یہ حرکت گھر کے اندر گوارہ نہیں تھی، یہ سب اس بات کی علامت ہے کہ اس کے گھر کے اندر فسق و فجور کی گنجائش نہیں تھی بہر حال اس نے جلدی سے یہ الزام حضرت یوسف علیہ السلام کے سر دھر دیا اور اپنے خاوند کے سامنے سچی ثابت ہونے کی کوشش کی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے جواب اور گواہ کی گواہی:

اب حضرت یوسف علیہ السلام چاہے جتنے شریف تھے لیکن شرافت کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ کوئی شخص تہمت لگائے تو اس کو چپ کر کے برداشت کر لیا جائے اور لوگوں کی نظروں میں مجرم بن جائیں یہ بات غلط ہے تہمت کو برداشت نہیں کیا جا سکتا، جب کسی پر تہمت لگائی جائے تو اخلاقی طور پر ضروری ہے کہ اس کی صفائی دی جائے تاکہ آئندہ کوئی شخص اس کا طعنہ نہ دے سکے اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے تو آئندہ بننا بھی نبی تھا تو نبی کے متعلق اگر لوگوں کے درمیان اس قسم کی بات چل نکلے تو آئندہ کے لیے تبلیغ اور وعظ کا کیا اثر ہوگا، لوگ کہیں گے آج ہمیں سمجھاتے ہیں کل خود کیا کرتے تھے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام بھی وہاں خاموش نہ رہ سکے بلکہ کہنے لگے میری غلطی نہیں ہے یہ مجھے میرے نفس سے بہلا رہی ہے اس نے مجھے پھسلانے کی کوشش کی ہے، میں نے اس کو کچھ نہیں کہا، غلطی اس کی ہے۔

اب اندر یہ دو ہی فرد ہیں اور ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں ہے جو ان کو دیکھ رہا ہو اور ماجرا یہ ہے کہ عورت یوسف علیہ السلام کو الزام دے رہی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام اپنی صفائی دے رہے ہیں معاملہ بڑا نازک تھا اور عزیز مصر کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ کس کی بات کا اعتبار کرے اور کس کو جھوٹا قرار دے، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور حکمت کے تحت جیسے اپنے برگزیدہ بندوں کو گناہوں سے بچاتے ہیں اس طرح دنیا میں بھی ان کو ہر قسم کی رسوائی

سے بچانے کا مکمل انتظام اور اور انصرام فرماتے ہیں جیسے جب حضرت عیسیٰ کی بغیر باپ کے معجزانہ پیدائش ہوئی تو لوگوں نے آپ کی والدہ پہ الزامات لگانے شروع کر دیئے، اور نعوذ باللہ آپ کو بد چلنی کا نتیجہ قرار دے دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی کو ثابت کرنے کے لیے صرف ایک دن کے بچے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قوت گویائی عطاء کی اور آپ نے ماں کی گود میں کلام کر کے اپنی والدہ کی پاک دامنی کو ثابت کیا۔

اسی طرح جب حضرت یوسف علیہ السلام پہ الزام لگایا گیا تو روایات میں آتا ہے کہ ایک چھوٹا بچہ جو اس کے گھر کے اندر گھوارہ میں پڑا تھا غالباً یہ کسی ملازم کا ہوگا کیونکہ عزیز مصر تو بے اولاد تھا، اس بچے کو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی ثابت کرنے کے لیے بولنے کی قوت عطاء کی اور اس نے گھوارے میں بول کر حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کو ثابت کیا۔

بچہ کی حکیمانہ گفتگو:

وہ بچہ صرف اتنا ہی کہہ دیتا کہ اس قصہ میں قصوروار زلیخا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا اس میں کوئی قصور نہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کے لیے یہ بات کافی تھی کیونکہ یہ پاک دامنی معجزانہ طور پر ثابت ہو رہی تھی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت نہایت حکیمانہ بات اس بچے کی زبان پر جاری کر دی جس سے ہر شخص کے لیے خارجی قرائن سے بھی سمجھنا آسان ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بے قصور ہیں، اس نے کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو دیکھ لو، اگر قمیص آگے سے پھٹی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پیش قدمی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے ہوئی ہے اور عورت نے جب دفاع کیا تو اس کھینچا تانی میں آگے سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص پھٹ گئی تو صاف بات ہے کہ ایسی صورت میں پھر عورت ہی سچی ہوگی اور حضرت یوسف علیہ السلام جھوٹے ہوں گے اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پیش قدمی عورت کی طرف سے ہوئی تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام اس سے بچ کر بھاگنے لگے تو اس نے پیچھے سے قمیص پکڑ کر کھینچی جس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص پیچھے سے پھٹ گئی تو اس بچے نے ایک خارجی قرینہ کی طرف متوجہ کر دیا حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص اس کھینچا تانی میں پھٹ چکی ہے اس کو دیکھو گے تو فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ نے اس طرح عزیز مصر کی پریشانی بھی ختم کر دی جو وہ پریشان تھا کہ کس پہ اعتماد کرے اور کس پہ اعتماد نہ کرے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو جس طرح گناہ سے بچایا

تھا اپنی نشانی دکھا کر اس طرح ایک بچہ کو گہوارے کے اندر قوت گویائی عطاء کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کو بھی واضح کر دیا۔

نتیجہ:

اب عزیز مصر نے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو دیکھا تو واقعہ کے مطابق پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی تو وہ سمجھ گیا کہ اس میں قصوروار تو زلیخا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام بے قصور ہیں اور وہ سمجھا اسی قرینہ سے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے بیان کیا، جب حضرت یوسف علیہ السلام کا پاک دامن اور اپنی بیوی کا قصوروار ہونا واضح ہو گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو خطاب کر کے کہا تو اس واقعہ سے درگذر کر جا، کسی کے سامنے اس کو بیان نہ کرنا جیسے بڑے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کوئی اس قسم کی بدنامی کی بات ہوتی ہے جو اپنے ہی گھر سے ہو تو اس کو ہر ممکن کوشش دبانے اور چھپانے کی کرتے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کو کہا کہ اس سے اعراض کر جا اور پھر اپنی بیوی کی طرف دوبارہ متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ "واستغفری لذنبك انك كنت من الخاطئين" یعنی غلطی تو سراسر تیری ہی ہے اپنی غلطی کی معافی مانگ بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے شوہر سے معافی مانگ کیونکہ ایک تو اس کے حق میں خیانت کی ہے اور دوسرا الزام بھی بے گناہ آدمی پر لگانے کی کوشش کی ہے یا یہ مطلب ہے کہ غلطی تیری ہے تو نے یوسف کو غلطی میں مبتلاء کرنا چاہا ہے اور پھر اس پر الزام لگایا اس لیے اس سے اپنی غلطی کی معافی مانگ مطلب دونوں طرح درست ہے۔

پہلے وہ اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ یہ تم عورتوں کا ہی مکر ہے اور فریب ہے بے شک تمہارا مکر بہت بڑا ہے کہ خود ہی غلطی کی اور خود ہی الزام لگانے شروع کر دیئے۔

وَقَالَ نِسۡوَةٌ فِي الۡمَدِيۡنَةِ امۡرَاَتُ الۡعَزِيۡزِ تُرَاوِدُ فَتٰٮهَا عَنۡ نَّفۡسِهٖۚ

اور کہنے لگیں عورتیں شہر میں عزیز کی بیوی پھسلاتی ہے اپنے غلام کو اس کے نفس سے

قَدۡ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰٮهَا فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ‏ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتۡ بِمَكۡرِهِنَّ

فریفتہ ہوگیا ہے اس کا دل اس کی محبت میں، ہم دیکھتی ہیں اس کو واضح غلطی میں ﴿۳۰﴾ پس جب سنا اس نے ان کے فریب

اَرۡسَلَتۡ اِلَيۡهِنَّ وَاَعۡتَدَتۡ لَهُنَّ مُتَّكَئًا وَّاٰتَتۡ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنۡهُنَّ سِكِّيۡنًا

کو تو بلاوا بھیجا ان کی طرف اور تیار کی ان کیلئے ایک مجلس تکیہ لگائی ہوئی اور دیدی ان میں سے ہر ایک کو چھری

وَّقَالَتِ اخۡرُجۡ عَلَيۡهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيۡنَهٗۤ اَكۡبَرۡنَهٗ وَقَطَّعۡنَ اَيۡدِيَهُنَّ

اور کہا یوسف! تو نکل ان پر، پس جب انہوں نے اس کو دیکھا تو انہوں نے اس کو بڑا جانا اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ

وَقُلۡنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيۡمٌ‏ ﴿۳۱﴾ قَالَتۡ

اور کہنے لگیں اللہ کی پناہ نہیں ہے یہ انسان، نہیں ہے یہ شخص مگر بزرگ فرشتہ ﴿۳۱﴾ اس نے کہا

فَذٰلِكُنَّ الَّذِىۡ لُمۡتُنَّنِىۡ فِيۡهِ ؕ وَلَقَدۡ رَاوَدْتُّهٗ عَنۡ نَّفۡسِهٖ

یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی ہو البتہ تحقیق میں نے ہی پھسلایا تھا اس کو اس کے نفس سے

فَاسۡتَعۡصَمَ ؕ وَلَئِنۡ لَّمۡ يَفۡعَلۡ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسۡجَنَنَّ وَلَيَكُوۡنًا مِّنَ

پس یہ محفوظ رہا اب اگر یہ نہیں کرے گا وہ جو میں اس کو کہتی ہوں تو قید کردیا جائے گا اور ہوجائے گا

الصّٰغِرِيۡنَ‏ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَىَّ مِمَّا يَدۡعُوۡنَنِىۡۤ اِلَيۡهِ ۚ

بے عزت لوگوں میں سے ﴿۳۲﴾ یوسف نے کہا اے میرے رب قید مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں

وَاِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّىۡ كَيۡدَهُنَّ اَصۡبُ اِلَيۡهِنَّ وَاَكُنۡ مِّنَ الۡجٰهِلِيۡنَ‏ ﴿۳۳﴾

اور اگر تو نہ پھیرے مجھ سے ان کا مکر تو میں مائل ہوجاؤں گا ان کی طرف اور ہوجاؤں گا نادانوں میں سے ﴿۳۳﴾

فَاسۡتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنۡهُ كَيۡدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ

پس قبول کرلی دعا اس کی اس کے رب نے اور پھیر دیا اس سے ان کا مکر بے شک وہی سننے والا ہے

الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾

جاننے والا ہے ﴿۳۴﴾ پھر ظاہر ہوا ان کیلئے بعد اس کے کہ انہوں نے دیکھ لیں نشانیاں کہ اس کو قید کر دیا جائے ایک مدت تک ﴿۳۵﴾

تفسیر

شہر کی عورتوں کا تبصرہ:

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ یہاں تک پہنچا تھا کہ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پھسلا کر اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام محفوظ رہے اور آپ کی پاک دامنی کی گواہی اس عورت کے گھر والوں میں سے کسی نے دی تو عزیز مصر کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا پاک دامن ہونا بھی ثابت ہو گیا اور عزیز مصر نے تاکید کر دی تھی کہ اب اس بات کو یہاں ختم کر دو تاکہ دوسروں کو پتہ نہ چلے لیکن ہوا یوں کہ وہ بات اب عزیز مصر کے گھر تک محدود نہ رہی بلکہ ارد گرد جو دوسرے افسران رہتے تھے ان کے گھر تک بھی یہ بات پہنچ گئی اور ان کی بیویاں آپس میں بیٹھ کر عزیز مصر کی بیوی کے بارے میں گفتگو کرنے لگیں یہ کتنے افسوس اور شرم کی بات ہے کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے ہی غلام پر فریفتہ ہو گئی، یہ اس کی محبت مبتلاء ہو گئی، اس نے اس کو پھسلانے اور بہلانے کی کوشش کی ہے، اتنے بڑے مرتبہ پر فائز ہو کر ایک غلام کی محبت میں مبتلا ہونا نہایت افسوس اور شرم کی بات ہے انہوں نے آپس میں اس قسم کی گفتگو کی اور عزیز مصر کی بیوی کو مطعون کیا کہ ہم تو اسے واضح غلطی پر خیال کرتی ہیں، یہ شاہی خاندان اور عزت کے خلاف ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کا نظارہ:

"فلما سمعت بمکرھن" جب عزیز مصر کی بیوی نے ان عورتوں کے مکر کو سنا تو ان کو کھانے پر بلایا اور ان کے لیے گاؤ تکیوں سے مزین ایک مجلس کا اہتمام کیا جب وہ عورتیں آگئیں تو اس میں ان کے سامنے کچھ ایسی چیزیں بھی رکھی ہوں گی کہ جو چھری سے کاٹنے کی ہوں گی اور ان کو کاٹنے کے لیے ہر ایک کو ایک ایک چھری بھی دے دی تاکہ کھانے میں کسی کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے، یہ سب سامان درست کر کے اپنے پلان کے مطابق اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو آواز دی اور ان عورتوں کی طرح حضرت یوسف علیہ السلام بھی ان کی سازش سے بے خبر تھے اس کے بلانے

پر آپ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے تو ان عورتوں کی نظر جیسے ہی اچانک حضرت یوسف علیہ السلام پر پڑی تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن اور خوبصورتی کو دیکھ کر اپنے ہوش ہی کھو بیٹھیں اور اس مدہوشی کے عالم میں ہی اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور زبان سے کہنے لگیں کہ خدا کی پناہ! یہ تو انسان نہیں یہ تو کوئی معزز فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔

عزیز مصر کی بیوی کی چوٹ:

اب عزیز مصر کی بیوی نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر ان پر چوٹ لگائی کہ تم میرے بارے میں باتیں کر رہی تھیں اور اپنا حال یہ ہے کہ ایک ہی نظر میں مبہوت ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ لیے ہیں، تم جو میرے بارے میں باتیں کرتی ہو تو دیکھو! یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کر رہی تھیں اور واقعی میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا لیکن یہ اس وقت بچ نکلا اور اگر اس نے میری بات نہ مانی تو میں اسے جیل بھیج دوں گی اور اسے ذلت و رسوائی اٹھانی پڑے گی، ان عورتوں کے سامنے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ ان عورتوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو کہا کہ یہ عورت تیری محسن ہے اس کی مخالفت کرنا اور اس کی بات نہ ماننا اچھی بات نہیں ہے اس طرح ان عورتوں نے زلیخا کی موافقت کرنی شروع کر دی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا:

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ یہ عورتیں بھی اس کی حمایت میں بول رہی ہیں تو ان سب کے مکر سے بچنے کے لیے اللہ سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! یہ عورتیں جس کام کی طرف مجھے بلاتی ہیں اس کام کے مقابلہ میں تو مجھے قید پسند ہے، قید میں جانا قبول ہے لیکن ان عورتوں کی دعوت قبول نہیں ہے اور اگر تو نے مجھے ان کے مکر سے نہ بچایا تو کوئی بعید نہیں کہ میں بھی ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور پھر نادانوں میں سے ہو جاؤں گا۔

قبولیت دعا کی صورت:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور اسے ان عورتوں کے مکر سے دور رکھا قبولیت دعا کی صورت اس طرح ظاہر ہوئی کہ ان لوگوں کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا پاکدامن ہونا، اور بے قصور ہونا اور آپ کی بزرگی اور طہارت بالکل واضح ہو چکی تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ اس پورے واقعے میں حضرت

یوسف علیہ السلام نے کوئی خیانت نہیں کی، جو کچھ بھی ہوا وہ امرأۃ عزیز اور دوسری عورتوں کی وجہ سے ہوا ہے لیکن شہر میں اس واقعہ کا چرچا ہونے لگا تھا اور لوگ اس بارے میں باتیں کرنے لگے تھے تو انہوں نے مصلحت یہی سمجھی کہ اگر عورتوں کو سزا دی جاتی ہے تو اس میں شاہی خاندان کی رسوائی ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ یوسف کو قید کر دیا جائے، جب یہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا تو اس واقعہ کا چرچا بھی کم ہو گا اور اس کو قید کرنے میں شاہی خاندان کی رسوائی بھی نہیں ہے کیونکہ ویسے بھی ایک غلام کی حیثیت سے زندگی گزار رہے تھے تو اس مصلحت کے پیش نظر ایک مدت کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں بھیج دیا جس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا کا قبول ہونا بھی ظاہر ہو گیا کہ آپ ان کے مکر سے بچنا چاہتے تھے چاہے اس کے مقابلہ میں قید کی مشقتیں ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکر سے محفوظ رکھنے کے لیے اور آپ کو مزید ترقی دینے کے لیے ان کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ اسے قید کر دیا جائے اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر سے جیل میں چلے گئے یہ حاصل ہے اس واقعہ کا جو ان آیات میں بیان ہوا ہے جو آپ کے سامنے پڑھی گئی ہیں۔

فائدہ نمبر ۱:

ابتداءً حضرت یوسف علیہ السلام کو پھسلانے والی ایک عورت تھی جس کے گھر میں آپ رہتے تھے جس کا مفصل قصہ کل کے سبق میں گزر چکا ہے اور پھر جب دوسرے افسران کی بیویوں کو پتہ چلا تو عزیز مصر کی بیوی نے اپنے ایک غلام کو بہکانے کی کوشش کی ہے اور انہوں نے عزیز کی بیوی مطعون کرنا شروع کیا اور پھر جب زلیخا کی دعوت پر حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا مشاہدہ کیا تو عورتیں بھی اس سلسلے میں زلیخا کی ہم نوا بن گئیں اور یوسف علیہ السلام کو مشورے دینے لگیں کہ اس سے مخالفت مول لینا ٹھیک نہیں ہے جس سے حضرت یوسف علیہ السلام یہ سمجھ گئے یہ بھی اس کی طرف داری کر رہی ہیں اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ کی طرف دعا کرتے ہوئے جمع کا لفظ استعمال کیا " قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ والاتصرف عنی کیدھن اصب الیھن واکن من الجاھلین"

کہ مجھے ان سب کے مکر سے بچا، اسی حکمت کے پیش نظر یدعوننی، کیدھن، جمع کے لفظ استعمال کیے گئے ہیں۔

فائدہ نمبر ۲:

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان عورتوں کے فریب سے بچنے کے لیے جو دعا کی ہے کہ اے پروردگار جس چیز کی

طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اس کے مقابلہ میں مجھے قید زیادہ پسند ہے تو اس بات کو سمجھ لیجیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا فرمانا قید کی طلب یا خواہش نہیں ہے بلکہ گناہ کے مقابلہ میں اس دنیا کی تکلیف کو آسان سمجھنے کا اظہار ہے یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے ذہن میں یہ بات تھی کہ گناہ کرنے کے بعد جو اللہ کی ناراضگی آتی ہے یا آخرت میں اس پر گرفت ہوگی اس آخرت کی سزا کے مقابلہ میں یہ میرے لیے زیادہ سہل ہے اور آسان ہے کہ میں دنیا کی تھوڑی سی مشقت اور تکلیف کو برداشت کرلوں آخرت کے عذاب اور اللہ کی ناراضگی کے مقابلہ میں۔ تو اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ مشقت اور تکلیف کی دعا کرنا صحیح ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے کی تھی، ان کا منشا یہ تھا جو میں ظاہر کر رہا ہوں۔

باقی جہاں تک اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا سوال ہے تو اللہ تعالیٰ سے مشقت اور تکلیف کی دعا کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت عافیت ہی مانگنی چاہیے جیسے ایک روایت میں آتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا کرتے ہوئے سنا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے صبر کی دعا مانگ رہا تھا کہ مجھے صبر کرنے کی توفیق عطا فرما تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صبر کرنے کی دعا مانگنے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ صبر تو تکلیف اور مصیبت پر ہوتا ہے جب تم اللہ سے صبر مانگ رہے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ضمن میں پہلے سے مصیبت مانگ رہے ہو اور پھر اسی پر صبر مانگ رہے ہو، اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے جب بھی مانگو تو عافیت ہی مانگو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے مشقت اور تکلیف کی دعا کرنا ٹھیک نہیں ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے جو دعا کی تھی وہ مشقت کی دعا نہیں تھی، اور آپ کی دعا تو صرف عورتوں کے مکر کو دور کرنے کے متعلق تھی اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کیا باقی قید تو قسمت میں تھی اور وہ اللہ کی حکمت کے تحت آپ کے مقام کو اونچا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت دے دی اس لیے "فاستجاب له فصرف عنه كيدهن" کے اندر جو دعا کی قبولیت کا ذکر ہے تو اس میں قید کا ذکر نہیں ہے، یہ نہیں ہے کہ ہم نے آپ کی دعا کو قبول کیا اور آپ کو جیل دی اور عورتوں کے مکر کو آپ سے دور کیا بلکہ صرف ایک چیز کا ذکر ہے کہ آپ کے رب نے آپ کی دعا کو قبول کیا اور عورتوں کے مکر کو آپ سے دور کیا جس سے اس بات کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ اصل مقصود تو عورتوں کے مکر سے بچانا تھا اور تقدیر کے فیصلے کے تحت اس کی صورت یہ بن گئی۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِىْٓ

اور داخل ہوئے اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان، کہا ان میں سے ایک نے میں دیکھتا ہوں

اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِىْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِىْ خُبْزًا

کہ میں نچوڑتا ہوں شراب اور دوسرے نے یہ کہا میں دیکھتا ہوں کہ میں اٹھا رہا ہوں اپنے سر پر روٹی

تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٦﴾

کھاتے ہیں پرندے اس میں سے تو بتلا ہم کو اس کی تعبیر بے شک ہم دیکھتے ہیں ہیں تجھے نیکوکاروں میں سے ﴿٣٦﴾

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ

آپ نے کہا کہ نہ آئے گا تمہارا کھانا جو تمہیں دیا جاتا ہے مگر میں بتادوں گا اس کی تعبیر قبل اس کے کہ

يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِىْ رَبِّىْ ۭ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

وہ تمہارے پاس آئے، یہ وہ علم ہے جو سکھایا ہے مجھے میرے رب نے بیشک میں نے چھوڑ دیا اس قوم کے دین کو

لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ

جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور آخرت کا انکار کرنے والے ہیں ﴿٣٧﴾ میں نے پیروی کی ہے

اٰبَآءِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ

اپنے آباء ابراہیم، اسحاق، اور یعقوب کے دین کی، نہیں ہمارے لیے مناسب کہ ہم شریک ٹھہرائیں

بِاللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ

اللہ کے ساتھ کسی چیز کو یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٨﴾ يٰصَاحِبَىِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ

لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ﴿٣٨﴾ اے میرے قید خانہ کے ساتھیو! کیا خدا

مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ؕ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ

متفرق بہتر ہیں یا اکیلا خدا جو زبردست ہے ﴿٣٩﴾ نہیں پوجتے ہو تم

دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ

اس کے علاوہ مگر چند ناموں کو جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے آباء نے نہیں اتاری

اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا

اللہ نے اس کے ساتھ کوئی دلیل نہیں ہے حکومت کسی کی سوائے اللہ کے، اس نے حکم دیا ہے کہ تم نہ عبادت کرو

اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

مگر اس کی یہی سیدھا دین ہے اور لیکن اکثر لوگ

لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ

جانتے نہیں ہیں ﴿۴۰﴾ اے میرے قید خانہ کے ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک پلائے گا اپنے مالک کو

خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ

شراب، اور لیکن دوسرا سولی پر لٹکایا جائے گا پھر کھائیں گے پرندے اس کے سر میں سے،

قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ﴿۴۱﴾ وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ

فیصلہ کردیا جائیگا اس کام کا جس کے بارے میں تم پوچھتے ہو ﴿۴۱﴾ اور کہا یوسف نے اس کو جس کے بارے میں گمان تھا

نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ

کہ ان میں سے نجات پانیوالا ہے کہ تو میرا تذکرہ کرنا اپنے بادشاہ کے پاس بھلا دیا اسکو شیطان نے تذکرہ کرنا اپنے بادشاہ سے

فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴿۴۲﴾ؑ

پھر آپ ٹھہرے رہے قید میں چند سال ﴿۴۲﴾

تفسیر

ماقبل سے ربط:

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ آپ کے سامنے تفصیل کے ساتھ آرہا ہے اور بات یہاں تک پہنچی تھی کہ ان

لوگوں نے مصلحت اس بات میں سمجھی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کچھ مدت کے لیے قید کر دیا جائے جب یہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے تو آہستہ آہستہ اس واقعہ کا چرچا بھی ختم ہو جائے گا اور لوگ اس بات کو بھول جائیں گے اس مصلحت کے پیش نظر حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں بھیج دیا گیا، اب یہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کا ایک اور دور شروع ہوتا ہے، جیل جانے کے بعد وہاں بھی ایک واقعہ پیش آیا جس کو ان آیات میں بیان کیا گیا جو ابھی آپ کے سامنے پڑھی گئی ہیں۔

جیل میں دو قیدیوں کے خواب:

جب حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں پہنچے تو ان کے ساتھ اور بھی دو قیدی جیل میں داخل ہوئے ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا اور دوسرا اس کا باورچی تھا اور ان دونوں پر بادشاہ کو زہر دینے کا الزام تھا تو یہ بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں ڈال دیے گئے، اور حضرت یوسف علیہ السلام کی جیل میں بھی یہ عادت مبارکہ تھی کہ اپنے ساتھ رہنے والوں کا بہت خیال رکھتے تھے، ہر ایک کے ساتھ بہت پیار اور محبت کے ساتھ پیش آتے، کوئی پریشان یا کوئی غمگین ہوتا تو اس کو تسلی دیتے، کوئی بیمار ہوتا اس کی تیمارداری کرتے، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے، آپ کے اچھے اخلاق سے متاثر ہو کر جیل کے سارے ساتھی آپ سے محبت کرتے، آپ کا احترام کرتے اور یہاں تک کہ جیل خانہ کا افسر بھی آپ کے اخلاق سے، بہت متاثر ہوا،

ہوا یہ کہ ایک دن وہ دونوں قیدی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے اور ہر ایک نے اپنا اپنا خواب بیان کر کے حضرت یوسف علیہ السلام سے اس کی تعبیر پوچھی، خواب یہ تھا کہ جو بادشاہ کا ساقی تھا اس نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں بادشاہ کی شراب نچوڑ رہا ہوں اور جو بادشاہ کا باورچی تھا اس نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے سر کے اوپر روٹیوں کا ٹوکرا اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اس میں سے اچک اچک کر کھا رہے ہیں، ان دونوں نے اپنے یہ خواب بیان کیے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو کہا کہ آپ نیکوکاروں میں سے ہیں آپ ان خوابوں کی تعبیر بتائیے۔

"قال لا یاتیکما طعام ترزقانه الانبأ تکما بتاویله" کا مفہوم:

اس کا مفہوم دو طرح سے ادا کیا گیا ہے، ایک تو یہ ہے کہ یہ الفاظ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو تسلی دینے

کے لیے ہے کہ گھبراؤ نہیں، ان خوابوں کی تعبیر بہت جلد میں دوں گا، تمہیں کھانے کے لیے جو ہر روز کھانا دیا جاتا ہے اس کھانے کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی تعبیر بتادوں گا لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری بات ہے پہلے اس بات کو سن لو پھر اس کی تعبیر بتاؤں گا یعنی یہ وعدہ کرلیا کہ کھانا آنے سے پہلے تعبیر بتاؤں گا۔

اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان الفاظ سے اپنے ایک معجزہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تمہیں ہر روز جو کھانا دیا جاتا ہے اس کھانے کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کھانے کی نوعیت تمہیں پہلے ہی بتادیتا ہوں اور وہ بات صحیح ہوتی ہے اس طرح خواب کی تعبیر بھی صحیح صحیح بتاؤں گا لیکن اس سے پہلے ایک ضروری بات سن لیجیے، دونوں طرح اس کا مفہوم ادا کیا جاسکتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی تبلیغ:

یہ تسلی دے دی کہ میں تمہیں بہت ہی جلد تمہارے خوابوں کی تعبیر بتادوں گا اور پھر خوابوں کی تعبیر بتانے سے پہلے توحید کا پیغام ان کے سامنے رکھا، سب سے پہلے تو ان کو بتایا کہ میں کوئی کاہن نہیں ہوں جو کہانت کے ساتھ اس قسم کی باتیں کرتا ہوں اور تمہیں غیب کی خبریں دیتا ہوں یہ علم مجھے میرے رب نے دیا ہے، وحی کے ساتھ مجھے بتادیا اور میں آگے بتادیتا ہوں اور پھر کفر سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا کہ میں نے ایسی قوم کے دین کو چھوڑ رکھا ہے کہ جو اللہ پر بھی ایمان لاتی اور آخرت کا بھی انکار کرتی ہے یعنی میں تو اللہ پر ایمان رکھتا ہوں اور آخرت پر بھی میرا ایمان پختہ ہے اور پھر کہا کہ میں خاندان نبوت کا ہی ایک فرد ہوں اور میں اپنے باپ دادوں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام، اور حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے دین کی پیروی کرتا ہوں اور یہ ہمارے لیے کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور اس دین پر قائم رہنا اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا یہ اللہ کا ہم پر اور ان لوگوں بہت بڑا فضل ہے، یہ اس کی مہربانی اور اس کی توفیق سے ہے کہ ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے لیکن لوگوں میں اکثریت ایسوں کی ہے جو اس نعمت کی قدر نہیں کرتے۔

اور پھر انہی پر ایک سوال ڈال دیا کہ اے میرے قید خانہ کے ساتھیو! کیا متفرق خدا بہتر ہیں یا ایک اللہ بہتر ہے جو اکیلا بھی ہے اور زبردست بھی ہے، اس میں شرک کی مذمت کردی کہ جو شخص شرک میں مبتلا ہوتا ہے پھر اس کا سر ایک کے سامنے نہیں جھکتا بلکہ کبھی وہ درخت کو سجدہ کرتا ہے، کبھی پتھر کو مشکل کشا سمجھ کے اس کے سامنے

ناک رگڑتا ہے، کبھی چاند تاروں کے سامنے سر جھکاتا ہے، پھر دنیا کی کونسی چیز ایسی ہے جس کے سامنے انسان نہیں جھکتا تو یہ ذلت ہی ذلت ہے اس کے مقابلہ میں جب اللہ سے عقیدہ پختہ ہو گیا تو پھر ہر چیز سے بے نیاز ہو کر صرف اور صرف اس کے سامنے پیشانی ٹیکتا ہے تو جتنی ذلت شرک میں ہے اتنی ذلت کسی اور چیز میں نہیں ہے جتنی عزت توحید کو اپنانے میں ہے اتنی عزت کسی اور چیز میں نہیں ہے، زیادہ عزت توحید کو اپنانے میں ہے اور انسان سب سے زیادہ ذلت کا شکار اس وقت ہوتا ہے جب وہ توحید کو چھوڑتا ہے اور غیر کو اختیار کرتا ہے، پھر وہ کسی ایک در کا نہیں رہتا بلکہ جہاں سے بھی اس کو تھوڑا سا بھی فائدہ حاصل ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے وہ فوراً اس کے سامنے ناک رگڑنے لگ جاتا ہے اور اسی بات کو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا بتاؤ کیا متفرق خدا بہتر ہیں یا ایک اللہ بہتر ہے جو اکیلا بھی ہے اس کا کوئی شریک نہیں، جو کچھ کرتا ہے وہ اکیلا کرتا ہے اور زبردست بھی ہے، غالب بھی ہے کسی کا محتاج نہیں ہے، کوئی اس کی ہمت اور طاقت سے باہر بھی نہیں ہے، طاقت ور اتنا ہے کوئی اس کو روکنا چاہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جو نہ کرنا چاہے اس پر اس کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا، اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے "کن" کہنے کی دیر ہوتی ہے وہ کام ہو جاتا ہے۔

اور اللہ کے علاوہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے، یہ تو چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء واجداد نے رکھ لیے ہیں کہ یہ لات ہے، یہ عزیٰ ہے، یہ منات ہے، یہ بارش دینے والا ہے اور یہ رزق دینے والا ہے، یہ مشکلات کو دور کرنے والا ہے، یہ اولاد دینے والا ہے یہ تمہاری کہی ہوئی باتیں ہیں اور تمہارے رکھے ہوئے نام ہیں، ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کوئی دلیل نہیں اتاری، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی حکومت نہیں ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ تم صرف اس کی عبادت کرو اس کے علاوہ کسی کے ساتھ بھی عبادت والا تعلق نہ رکھو، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔

خوابوں کی تعبیر:

حضرت یوسف علیہ السلام نے موقع غنیمت جان کر پہلے تو ان کو توحید کی دعوت دی اور پھر ان کے خوابوں کی تعبیر بتائی کہ تم میں سے ایک اپنے عہدے پر بحال ہو جائے گا اور پہلے کی طرح اپنے بادشاہ کے لیے شراب نچوڑے گا اور دوسرے کو سولی دے دی جائے گی اور پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کے کھائیں گے، یہ بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی

پیغمبرانہ شفقت تھی کہ اگرچہ خواب دیکھنے والے بھی متعین تھے، ان کے خواب متعین تھے اور ان کے خوابوں کی تعبیریں بھی متعین تھیں لیکن پھر تعبیر اجمالی الفاظ کے ساتھ بتائی تاکہ دوسرے کا دل نہ دکھے، اور آخر میں فرمایا کہ یہ محض اٹکل نہیں ہے بلکہ جو کچھ تم نے پوچھا اس کے مطابق ہو کر رہے گا، بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ بات کہنے کی نوبت اس لیے پیش آئی کہ جب ان قیدیوں نے خوابوں کی تعبیریں سنی تو کہنے لگے ہم نے تو یہ خواب نہیں دیکھے بلکہ ہم تو صرف آپ کی بزرگی اور سچائی کا امتحان لینا چاہتے تھے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا "قضی الامر الذی فیه تستفتین" یہ خواب تم نے دیکھے ہیں یا نہیں جو کچھ میں نے بتایا ہے اس کے مطابق ہو کر رہے گا چنانچہ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ اسی طرح ہوا کہ ایک شخص اپنے عہدے پر بحال ہو گیا اور دوسرے کو پھانسی دے دی گئی، اسی وجہ سے لکھا ہے کہ اپنا خواب ہر کسی کے سامنے ذکر نہیں کرنا چاہیے بلکہ ایسے شخص کے سامنے اس کا تذکرہ کرنا چاہیے جو اس کی تعبیر کا صحیح علم رکھتا ہو کیونکہ تعبیر بتانے والا جو بھی بتاتا ہے اکثر اسی طرح ہو کر رہتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے سامنے اپنے خواب کا تذکرہ کریں اور وہ اس کی غلط تعبیر بتا دے اور پھر اس طرح ہو جائے جس طرح اس نے بتایا تھا اس لیے خواب ہر کسی کے سامنے بیان نہ کیا کرو، جس کے متعلق علم ہو کہ یہ خواب کی تعبیر صحیح جانتا ہے اور میرا خیر خواہ بھی ہے اپنا خواب اس کو سنا کر اس سے تعبیر پوچھا کرو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو تنبیہ:

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو ان کے خوابوں کی تعبیر بتا دی تو پھر ان میں سے جس کے متعلق یقین تھا یہاں ظن یقین کے معنیٰ میں ہے کیونکہ وہ شخص متعین تھا جس نے یہ خواب دیکھا تھا اور اس کا نجات پانا بھی یقینی تھا تو جس کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام کو یقین تھا کہ یہ نجات پا جائے گا اس کو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ جب تو رہا ہو کر جائے گا تو اپنے بادشاہ کے سامنے میرا تذکرہ بھی کر دینا کہ ایک شخص جیل میں پڑا ہے اس کے بارے میں سوچو، ہوا اس طرح کہ جب وہ قیدی رہا ہو کے گیا تو وہ بھول گیا کہ جیل میں مجھے کسی نے کوئی پیغام بھی دیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی آزادی کو اور دیر لگ گئی اور اس کے بعد پھر چند سال جیل میں رہے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ اس شخص کا بھول جانا یہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تنبیہ کرنے کے لیے تھا کیونکہ ظاہری طور پر ان کی توجہ اللہ سے ہٹ کر بادشاہ کی طرف لگ گئی تھی اگرچہ اتنی سی بات ظاہری طور پر جائز ہے لیکن

"حسنات الابرار سیئات المقربین" کے تحت ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کی سیئات شمار ہوتی ہیں، یہ ظاہری طور پر معمولی سی غفلت ہوئی تھی اس غفلت پر تنبیہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو یہ بات بھلا دی اگر اس بات کو لے لیا جائے تو پھر اس آیت پر ایک سوال ہوتا ہے کہ پھر تو نسیان کی نسبت اللہ کی طرف ہونی چاہیے، پھر نسیان کی نسبت شیطان کی طرف کیوں کی؟ بھلایا تو اللہ تعالیٰ نے ہے اور اپنی حکمت کے تحت بھلایا ہے تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان دل میں وسوسہ ڈالتا ہے جو بھولنے کا سبب بن گیا تو اس وسوسہ کی وجہ سے اور اس کے سبب بننے کی وجہ سے نسیان کی نسبت شیطان کی طرف کر دی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں آئے گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفیق سفر نے کہا "وماانسانیه الا الشیطان ان اذکرہٗ" کہ شیطان نے اس کا یاد کرنا بھلا دیا، حقیقت میں بھلانا تو اللہ کا کام ہے لیکن چونکہ اس کا سبب شیطان بنتا ہے اس لیے اس کی طرف اس کی نسبت کر دی جاتی ہے اس لیے یہاں نسیان کی نسبت شیطان کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ وہ بھولنے کا سبب بنا تھا کیونکہ وہ دل میں وسوسہ اور خیالات ڈالتا ہے جس کی وجہ سے انسان بھول جاتا ہے، اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو تنبیہ بھی ہو گئی کہ جو ظاہری طور پر تھوڑی سی توجہ بادشاہ کی طرف ہوئی ہے یہ بھی آپ کی شان نبوت کے خلاف ہے آپ کی مکمل توجہ ہر کام میں اللہ کی طرف رہنی چاہیے اور پھر اس کے نتیجہ میں چند سال اور جیل میں رہے یہاں "بضع سنین" کا لفظ ہے جو تین سے لے کر نو تک بولا جاتا ہے بعض روایات میں آتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد مزید سات جیل میں رہنا پڑا اور پھر رہائی نصیب ہوئی جس کا مفصل قصہ آگے آرہا ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ

اور کہا بادشاہ نے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات گائے ہیں جن کو کھا رہی ہیں

سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ

سات گائیں دبلی اور سات خوشے سربز اور دوسرے خشک،

یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾

اے سردارو! مجھے تم بتاؤ میرے خواب کے بارے میں اگر ہو تم خواب کی تعبیر بتانے والے ﴿۴۳﴾

قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ

انہوں نے کہا یہ پریشان حال خواب ہیں، اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر

بِعٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَ قَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ

نہیں جانتے ﴿۴۴﴾ اور کہا اس شخص نے جس نے نجات پائی تھی ان دونوں میں سے اور یاد آ گیا تھا

اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ

اس کو ایک مدت کے بعد کہ میں بتاؤں گا تمہیں اس کی تعبیر پس تم مجھے بھیج دو ﴿۴۵﴾ (اس نے کہا) اے یوسف! اے سچے!

اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ

تو بتا ہمیں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو کھا رہیں ہیں سات دبلی گائیں اور سات

سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ

خوشے سربز اور دوسرے سات سوکھے ہوئے تاکہ میں لوٹوں لوگوں کی طرف

لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا

شاید کے وہ جان لیں ﴿۴۶﴾ یوسف نے کہا تم کھیتی کرو گے سات سال لگاتار پس جو

حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ

تم کاٹو گے اس کو چھوڑ دو اس کے خوشہ میں مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ ﴿۴۷﴾ پھر

يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ

آئیں گے اس کے بعد سات سال سختی کے تم کھا جاؤ گے جو تم نے رکھا

لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

ان کے لئے مگر تھوڑا سا جو تم محفوظ رکھو گے ﴿۴۸﴾ پھر آئے گا اس کے بعد

عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَ فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ قَالَ الْمَلِكُ

ایک سال اس میں بارش برسائی جائیگی لوگوں پر اور اس میں وہ رس نچوڑیں گے ﴿۴۹﴾ اور کہا بادشاہ نے

ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ

لے آؤ اس کو میرے پاس پس جب آیا اس کے پاس قاصد تو اس نے کہا تو لوٹ جا اپنے بادشاہ کی طرف

فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ

پس تو پوچھ اس سے کہ کیا حقیقت ہے ان عورتوں کی جنہوں نے کاٹے تھے اپنے ہاتھ بے شک

رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ

میرا رب ان کے مکر کو خوب جانتا ہے ﴿۵۰﴾ کہا بادشاہ نے کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے پھسلایا یوسف کو

عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ

اس کے نفس سے، وہ بولیں اللہ کی پناہ! نہیں معلوم ہمیں ان پر کوئی برائی

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ

کہا عزیز کی بیوی نے اب واضح ہوگئی سچی بات میں نے ہی پھسلایا تھا اس کو

عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ

اس کے نفس سے اور بے شک وہ سچوں میں سے ہے ﴿۵۱﴾ یوسف نے کہا یہ اس لیے ہے تا کہ وہ جان لے کہ میں نے

لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

اس سے خیانت نہیں کی چھپ کر اور بے شک اللہ نہیں کامیاب کرتا خیانت کرنے والوں کے مکر کو ﴿۵۲﴾

تفسیر

شاہ مصر کا خواب اور حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے اس کی تعبیر:

جب حضرت یوسف علیہ السلام اس قیدی کی رہائی پانے کے بعد بھی ایک مدت جیل میں رہے تو اس دوران جو مصر کا بادشاہ تھا اس نے ایک خواب دیکھا کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں ان کو سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں ان کی تعداد بھی سات ہے اور اسی طرح گندم کے سات خوشے سرسبز ہیں اور دوسرے اتنی ہی تعداد میں خشک ہیں، اب بادشاہ نے یہ خواب دیکھا تو اپنے درباریوں سے کہا کہ تم اس کی تعبیر بتا سکتے ہو تو بتاؤ، معلوم یہ ہوتا ہے اس کے درباری کچھ پڑھے لکھے ہوں گے اور کہانت وغیرہ سے جان کر اس کو اس قسم کی خبریں بھی دیتے ہوں گے جس کی وجہ سے اس نے اپنے خواب کا تذکرہ ان کے سامنے کر کے ان سے خواب کی تعبیر پوچھی۔

وہ خواب ان کی سمجھ میں نہ آیا اور وہ اس کی تعبیر بتانے پر قادر نہ ہوئے اور اپنی جہالت کو چھپانے کے لیے کہنے لگے یہ خواب نہیں، یہ تو ویسے ہی پریشان کرنے والے خیالات ہیں، انسان نیند میں ایسی چیزیں دیکھ لیتا ہے جن کی حقیقت کوئی نہیں ہوتی اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر علم نہیں رکھتے یعنی اپنی جہالت چھپالی اور اپنی علمیت کا ڈھونگ بھی رچا دیا کہ یہ بھی کوئی خواب ہے، اگر خواب ہوتا تو اس کی تعبیر ضرور بتا دیتے، یہ تو ویسے پریشان کرنے والے خیالات ہیں اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر کا علم نہیں رکھتے۔

جب اس خواب کا تذکرہ ہوا تو اس قیدی نے بھی یہ بات سن لی ہوگی کہ جس نے رہائی پائی تھی تو اس کو فوراً اپنے خواب کا واقعہ یاد آیا تو ساتھ ہی حضرت یوسف علیہ السلام بھی یاد آگئے کہ میں نے بھی ایک خواب دیکھا تھا اور یوسف علیہ السلام نے جو اس کی تعبیر بتائی تھی بالکل ویسے ہی ہوا تو یاد آنے پر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کمالات کا تذکرہ کیا ہوگا کہ وہ خواب کی تعبیر کے بہت ماہر ہیں اور جیل میں پڑے ہیں، اور ساری باتیں کی ہوں گی اور اجازت چاہی کہ مجھے ایک دفعہ ان سے ملاقات کا موقع دے دو پھر میں اس خواب کی تعبیر بتا دوں گا، بادشاہ نے اجازت دے دی تو اب حضرت یوسف کے پاس پہنچا اور کہنے لگا اے یوسف! اے سچے! مجھے ایک خواب کی تعبیر بتا بادشاہ نے خواب دیکھا ہے سات موٹی گائیوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سرسبز ہیں اور سات خوشے خشک ہیں تو مجھے اس کی تعبیر بتا ممکن ہے میں ان لوگوں کے پاس جاؤں اور ان کو تیری بتائی ہوئی تعبیر بتاؤں شاید وہ لوگ

تیری قدر کریں اور تیرے فضل و کمال کو پہچان لیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ فن حضرت یوسف علیہ السلام کو مکمل طور پر عطا فرمایا تھا، اور حضرت یوسف علیہ السلام اپنی خداداد صلاحیتوں سے خواب سن کر فوراً اس کی تعبیر جان گئے اور کہا پہلے سات سال تم خوب کھیتی کرو گے اور پیداوار خوب حاصل ہوگی اور اس کے بعد سات سال قحط کے ہوں گے، بادشاہ کے خواب سے تو صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سات سال پیدوار کے ہوں گے اور پھر اگلے سات سال قحط کے ہوں گے جن کے اندر تم اپنا بچا ہوا غلہ کھاؤ گے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر کچھ اضافہ بھی فرمایا پہلے تو انہیں قحط کے سالوں میں آنے والی مشکلات سے بچنے کے لیے ایک تدبیر بتائی کہ جو سات سال پیداوار کے ہوں گے ان میں جو غلہ تم کاٹو اس میں سے صرف بقدر ضرورت ہی خوشوں سے نکالنا باقی اسی طرح خوشوں میں ہی رہنے دینا اس کا فائدہ یہ لکھا ہے کہ اس طرح کرنے سے وہ غلہ کیڑا لگنے سے محفوظ رہے گا، جتنا کھانا ہو اتنا نکال لو باقی خوشوں میں ہی رہنے دو اس طرح وہ غلہ آئندہ آنے والے سالوں کے لیے محفوظ ہو جائے گا۔

اور ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ جب قحط سالی کے سات سال گزر جائیں گے تو پھر بارش بھی خوب ہوگی اور پھر پیداوار بھی خوب ہوگی، اس کا علم حضرت یوسف علیہ السلام کو یا تو اس طرح ہوا کہ جب قحط سالی کے سات سال گزر جائیں گے تو پھر عام عادت یہی ہے کہ قحط سالی کے بعد خوشحالی کا زمانہ آتا ہے اس سے آپ پہچان گئے کہ اگلا آٹھواں سال پیداوار اور بارشوں کا ہوگا یا جیسے بعض روایات میں آتا ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ سے دے دیا تھا تا کہ ان کو ان کے خواب کی تعبیر سے خبر پہنچے اور ان کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا کمال و فضل ظاہر ہو اور آپ کی رہائی کا سبب بنے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر کے ساتھ ساتھ یہ مفید باتیں بھی اس کو ساتھ ہی بتا دیں۔

شاہ مصر کا حضرت یوسف علیہ السلام کو طلب کرنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب:

معلوم یہ ہوتا ہے کہ جب وہ شخص خواب کی تعبیر لے کے لوٹا اور اس نے ان کو خواب کی تعبیر بتائی تو شاہ مصر مطمئن ہو گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے فضل و کمال کا معتقد ہو گیا لیکن قرآن کریم نے ان چیزوں کو ذکر نہیں کیا کیونکہ اگلے واقعہ سے یہ باتیں خود بخود سمجھ میں آجاتی ہیں، جب وہ معتقد ہو گیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو میرے پاس لے

آ ؤ چنانچہ بادشاہ کا قاصد جب بادشاہ کا پیغام لے کے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا کہ آپ کو بادشاہ نے طلب کیا ہے تو موقع تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کیونکہ ایک طویل مدت جیل میں گزار چکے تھے اور خود بخود خلاصی کے طلب گار تھے کوئی اور ہوتا تو فوراً ساتھ چل پڑتا مگر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جو مقام عطا فرماتے ہیں اس کو دوسرے لوگ کیا سمجھیں حضرت یوسف علیہ السلام نے قاصد کو کہا "ارجع الی ربك فاسئله ما بال النسوة التی قطعن ایدیھن" "تم اپنے بادشاہ کے پاس جا کے پہلے یہ بات اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، اس معاملہ کا کیا بنا، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی برات کے اظہار کے لیے یہ بات کی تا کہ کل کسی کو بات کرنے کا موقع نہ ملے۔

فائدہ:

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان عورتوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے، آپ نے اس عورت کا ذکر نہیں کیا جو اس سارے واقعہ کا اصل سبب بنی تھی یعنی عزیز مصر کی بیوی، آپ نے اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اس میں اس حق کی رعایت رکھی ہے جو کسی کے گھر میں پرورش پانے کی وجہ سے فطرۃً انسان کے ذمہ لازم ہوتا ہے کہ ان کی عیب جوئی نہ کرے بلکہ پردہ داری کرے تو حضرت یوسف علیہ السلام بھی اس کے اس حق پرورش کی وجہ سے پردہ داری کی یا یہ ہے کہ اصل مقصود تو اپنی برات کو ثابت کرنا تھا اور یہ کام ان عورتوں سے ہو سکتا تھا اور اس میں ان کی رسوائی بھی اتنی نہیں تھی جبکہ صرف عزیز مصر کا نام لینے سے اس کی زیادہ رسوائی ہوتی اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے صرف ان عورتوں کا ذکر کیا اور عزیز مصر کی بیوی کا ذکر نہیں کیا اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ ان کے مکر کو تو میرا رب خوب جانتا ہے میں چاہتا ہوں کہ بادشاہ بھی اس سے واقف ہو جائے۔

فائدہ نمبر ۲:

ایک روایت میں آتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر میں اتنی مدت جیل میں رہتا جتنی مدت حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں رہے اور پھر رہائی کے لیے بلایا جاتا تو میں فوراً اس کو قبول کر لیتا اور ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ یوسف علیہ السلام کا صبر و تحمل اور مکارم اخلاق قابل تعجب ہیں جب ان سے جیل میں بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو میں شرط لگاتا کہ پہلے جیل سے نکالو پھر تعبیر بتاؤں گا پھر جب قاصد رہائی کا

پیغام لایا اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو میں فوراً دروازے کی طرف چل پڑتا، اس حدیث میں حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف کرنا مقصود ہے کہ آپ کمال درجے کے متحمل مزاج واقع ہوئے ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں دوسری طرف جس چیز کی نسبت خود سرورِ کائنات ﷺ نے اپنی طرف جو فرمائی ہے کہ میں ہوتا دیر نہ کرتا اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا عمل افضل ہے اور اس کے مقابلہ میں جو دوسرا عمل ہے وہ غیر افضل ہے اور حضور ﷺ افضل کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف کر رہے ہیں اور غیر افضل کی نسبت اپنی طرف کر رہے ہیں تو اس کو فضیلت جزوی پر بھی محمول کر سکتے ہیں اور حضور ﷺ کا یہ فرمان تعلیم امت کے لیے بھی ہوسکتا ہے کہ عوام کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ ایسے موقعوں پر شرطیں نہیں لگانی چاہئیں کیونکہ بادشاہوں کا مزاج ایک طرح کا نہیں رہتا۔

زنانِ مصر اور زلیخا کا اقرار جرم:

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہی قاصد کو یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ پہلے ان عورتوں کے معاملہ کی تحقیق کر لو کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے تو شاہ مصر نے ان کو طلب کر لیا اور ان سے پوچھا کہ کیا واقعہ ہے؟ جب تم نے یوسف علیہ السلام کو اس کے نفس سے بہکانا چاہا تھا، شاہ مصر کے انداز تکلم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اس بات کا یقین تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بے قصور ہیں اور سارا کیا دھرا انہی عورتوں کا ہے اس لیے ان کو اس انداز سے مخاطب کیا تو ان عورتوں نے بھی آگے سے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت کا اظہار ان الفاظ میں بیان کیا "حاش لله ماعلمنا علیه من سوء" اللہ کی پناہ ہم نے تو اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی اور عزیز مصر کی بیوی بھی بول پڑی کہ اب حقیقت ظاہر ہو چکی ہے تو میں بھی اقرار کرتی ہوں کہ یوسف علیہ السلام کو اس کے نفس سے میں نے ہی پھسلایا تھا اور وہ تو سچا ہے، اس نے کوئی کسی قسم کی خیانت نہیں کی اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی سچائی ثابت ہوگئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے سوال کی حکمت:

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تحقیق جو کروائی اگلے الفاظ میں ان کی حکمت بیان کی گئی ہے کہ یہ بات میں اس لیے ظاہر کروانا چاہتا ہوں تاکہ عزیز مصر کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس کے حق میں کوئی خیانت نہیں کی ہے اور بعد میں اس کے دل کے اندر کسی قسم کا کوئی شبہ نہ رہے اس لیے پہلے اس معاملہ کی تحقیق کروائی اور دوسری حکمت یہ ہے کہ تاکہ سب لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے مکر کو

پسند نہیں کرتا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تحقیق کے ذریعہ خیانت کرنے والوں کی خیانت جب ظاہر ہوگی تو لوگوں کو تنبیہ ہو جائے گی خیانت کرنے والوں کا انجام رسوائی ہے اس لیے وہ اس رسوائی سے بچنے کے لیے کسی کے حق میں خیانت کرنے سے بچیں گے۔

یا اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگوں کی نظر میں میں خائن ہوں اور اگر اسی طرح ہی کسی خاص منصب پر بٹھا دیا تو گیا تو لوگوں کے ذہنوں سے خیانت اور مکر و فریب جیسی برائیوں کی اہمیت ختم ہو جائے گی کہ آدمی ایسا کرنے کے بعد بھی اہم مناصب اور عہدوں پر فائز ہوسکتا ہے اس لیے پہلے اس معاملہ کی تحقیق کروائی تاکہ میرا پاک صاف ہونا واضح ہو جائے۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ

اور میں نہیں بری قرار دیتا اپنے نفس کو کہ بے شک نفس تو سکھلاتا ہے برائی ہی مگر جس پر رحم کردیا

رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الۡمَلِكُ ائۡتُوۡنِیۡ بِهٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡهُ

میرے رب نے میرا رب بخشنے والا ہے رحم کرنیوالا ہے ﴿۵۳﴾ اور کہا بادشاہ نے اس کو لے آؤ میرے پاس میں خالص کروں گا اس کو

لِنَفۡسِیۡ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الۡیَوۡمَ لَدَیۡنَا مَكِیۡنٌ اَمِیۡنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ

اپنے لیے پھر جب بات کی تو کہا بیشک تو نے آج سے ہمارے پاس جگہ پائی امین ہو کر ﴿۵۴﴾ کہا یوسف نے

اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ

مجھے مقرر کر دے زمین کے خزانوں پر بیشک میں حفاظت کرنیوالا ہوں جاننے والا ہوں ﴿۵۵﴾ اور اسی طرح

مَكَّنَّا لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنۡهَا حَیۡثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیۡبُ

ہم نے ٹھکانہ دیا یوسف کو اس سرزمین میں وہ رہتا تھا اس میں جہاں چاہتا تھا پہنچا دیتے ہیں ہم

بِرَحۡمَتِنَا مَنۡ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۶﴾

اپنی رحمت جس کو چاہتے ہیں اور ہم ضائع نہیں کرتے محسنین کا اجر ﴿۵۶﴾

وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿۵۷﴾ ع

اور آخرت کا اجر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے رہتے ہیں ﴿۵۷﴾

تفسیر

ماقبل سے ربط:

گذشتہ آیت میں یہ بات آئی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے قاصد کو کہہ دیا تھا کہ مجھ پر جو الزام لگایا ہے پہلے اس کی تحقیق کرو تا کہ شاہ مصر اور عزیز مصر کو پتہ چل جائے کہ میں نے کوئی خیانت نہیں کی، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی پاکدامنی کو خود بیان کیا تھا اور یہ کسی درجے میں معیوب ہے اس لیے اگلے الفاظ میں حضرت

یوسف علیہ السلام نے اس کا اظہار کر دیا کہ میرا مقصود اپنی پاکبازی کو بیان کرنا نہیں ہے انسان کا نفس تو اس کو برائی کا ہی حکم دیتا ہے لیکن جس پر اللہ کی رحمت ہو وہ اس برائی سے محفوظ رہتا ہے تو میرا برائی سے بچنا بھی اللہ کی رحمت کے ساتھ ہے میرا اس میں کوئی کمال نہیں ہے۔

اپنی پاکبازی خود اپنی زبان سے بیان کرنا:

قران کریم کی دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی پاکیزگی اور تقویٰ کو اپنی زبان سے بیان کرنا اللہ کو پسند نہیں ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "الم تر الی الذین یزکون انفسهم بل الله یزکی من یشاء" کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو اپنے آپ کو پاک دامن کہتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہے وہ جس کو چاہے پاک قرار دیں اور اس قسم کا مضمون سورۃ نجم میں بھی ہے "فلا تزکوا انفسکم هو اعلم بمن اتقی" یعنی تم اپنے نفسوں کو پاکیزہ قرار نہ دو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کون واقعی پرہیزگار اور کون متقی ہے ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی پاکیزگی اور طہارت کو خود اپنی زبان سے بیان کرنا غیر پسندیدہ عمل ہے اور یہی بات حضرت یوسف علیہ السلام کے ذہن میں بھی تھی اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے آیت مذکورہ میں اپنی برأت کے اظہار کے ساتھ اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ میرا یہ کہنا اپنی پاکیزگی کو جتلانے کے لیے نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کا نفس تو اس کو برائی ہی سکھلاتا ہے، برے کاموں کی طرف متوجہ کرتا ہے ہاں جس شخص پر اللہ کی رحمت ہو جائے وہ شخص نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے سے بچ جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ایسے موقع پر میرا گناہ سے بچ جانا اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نتیجہ ہے جو اس نے اپنے فضل کے ساتھ مجھے اس گناہ سے بچا لیا ہے اگر اس کی رحمت میرے ساتھ شامل حال نہ ہوتی تو میں بھی عام انسان کی طرح نفس کے تقاضوں پر عمل کر بیٹھتا اور اس گناہ کے اندر مبتلا ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے اس گناہ سے بچا لیا۔

اس سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ اپنی زبان سے اپنی پاک دامنی بیان کرنا اور طہارت بیان کرنا یہ معیوب ہے لیکن جہاں عزت مجروح ہو رہی ہو وہاں حقیقت کا اظہار کرنا اور اپنے آپ کو بے گناہ قرار دینا، اپنی بے گناہی کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ اس وقت عزت کی حفاظت کرنا فرض ہے تاکہ عزت نفس مجروح ہونے سے محفوظ رہے کسی کو طعن و تشنیع کرنے کا موقع نہ مل سکے، تو جس کسی کو الزام وغیرہ کا سامنا ہو تو اس وقت اپنی

عزت کی حفاظت فرض ہے اور عام حالات میں ویسے ہی اپنے تقویٰ اور طہارت کا ذکر کرنا غیر پسندیدہ اور معیوب عمل ہے۔

نفس انسانی کی مختلف حالتیں:

اس آیت میں نفس انسانی کو امارۃ بالسوء یعنی برے کاموں کا حکم کرنے والا کہا گیا ہے اور اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے سوال کیا کہ ایسے رفیق کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس کا حال یہ ہو کہ تم اس کا اعزاز و کرام کرو، اسے کھانا کھلاؤ اور اسے کپڑے پہناؤ تو وہ تمہیں بلاء اور مصیبت میں ڈال دے اور اگر تم اس کی توہین کرو، اسے بھوکا اور ننگا رکھو تو وہ تمہارے ساتھ بھلائی کرے، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ اس سے برا ساتھی کوئی ہو نہیں سکتا تو آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تمہارا نفس جو تمہارے پہلو میں ہے وہ ایسا ہی ساتھی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہیں برے کاموں میں مبتلا کر کے ذلیل و رسوا کرتا ہے اور طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار بھی کر دیتا ہے۔

تو آیت مذکورہ اور ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا نفس تو صرف برائی کا ہی حکم دیتا ہے لیکن سورۃ قیامہ میں اس کو نفس لوامہ کہا گیا ہے یعنی گناہوں پر ملامت کرنے والا بھی کہا گیا ہے "لا اقسم بالنفس اللوامة" اور سورہ الفجر میں اسی نفس کو نفس مطمئنہ کا لقب دے کر جنت کی بشارت اور خوشخبری بھی دی گئی ہے "یا ایتها النفس المطمئنة ارجعي الى ربك راضيةمرضية" تو پھر ان تینوں میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ تو ان تینوں آیات میں تطبیق یوں دی گئی کہ اصل کے اعتبار سے تو ہر نفس امارۃ بالسوء یعنی برے کاموں کا ہی حکم دیتا ہے، ہر برا کام نفس کے تقاضے سے ہوتا ہے، ہر برے کام کے پیچھے نفس کا ہی عمل دخل ہوتا ہے اس لحاظ سے تو ہر نفس ہی امارۃ بالسوء ہے لیکن جب انسان پر اللہ تعالیٰ اور آخرت کے خوف کا غلبہ ہو تو انسان نفس کے تقاضوں پر عمل کرنے سے رکا رہتا ہے اور انسان کی جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو یہی نفس جو پہلے امارۃ بالسوء تھا اب یہی نفس لوامہ بن جاتا ہے یعنی اگر کسی وقت بشری تقاضے کے تحت کوئی غلطی سرزد ہو بھی جائے تو یہ نفس اس پر ملامت کرتا رہتا ہے، اور پھر جب انسان اس نفس کے خلاف مجاہدے کر کے اس کو اس حال تک پہنچا دے کہ برائی کا مادہ ہی اس کے اندر نہ رہے اور برا

کام انسان کے لیے ایسے ہی ناممکن اور محال ہو جیسے گندگی کھانا انسان کے لیے ناممکن اور محال ہوتا ہے، برائی سے اتنی ہی نفرت ہو جتنی گندگی سے ہوتی ہے تو پھر یہی نفس نفس مطمئنہ بن جاتا ہے تو یہ نفس کی تین علیحدہ علیحدہ حالتیں ہیں جن کو الگ الگ ذکر کیا گیا ہے، "ان ربی لغفور رحیم "بے شک میرا رب بخشنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی شاہ مصر سے ملاقات اور گفتگو:

جب شاہ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کہنے کے مطابق زنانِ مصر سے واقعہ کی تحقیق کر لی اور سب عورتوں نے بمع زلیخا کے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی ثابت ہوگئی تو اب شاہ مصر نے حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کو میرے پاس لایا جائے تاکہ میں اس کو اپنا مشیر خاص بنا لوں، اور حکم کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے شاہ مصر کے دربار میں لایا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی گفتگو سے عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کی صلاحیتوں کا اندازہ ہو گیا تو بادشاہ نے کہا آج سے آپ ہمارے ہاں بڑے معزز اور معتبر ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات اور گفتگو کا واقعہ کچھ اس طرح لکھا گیا ہے کہ جب جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بادشاہ کا قاصد گیا تو سارا حال بتانے کے بعد بادشاہ کا پیغام دیا تو سب سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے سب قیدیوں کے لیے دعا کی اور غسل کر کے نئے کپڑے پہنے اور جب شاہی دربار میں پہنچے تو ان الفاظ میں دعا کی "حسبی ربی من دنیای وحسبی ربی من خلقه عزجاره وجل ثناء ه ولااله غیره" یعنی میری دنیا کے لیے میرا رب کافی ہے، اور ساری مخلوق کے بدلے میں میرا رب مجھے کافی ہے جو اس کی پناہ میں آگیا وہ بالکل محفوظ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور پھر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا اور عبرانی زبان میں بادشاہ کے لیے دعا کی، لکھا ہے کہ بادشاہ اگرچہ بہت ساری زبانیں جانتا تھا لیکن وہ عربی اور عبرانی سے ناواقف تھا حضرت یوسف علیہ السلام نے بتایا کہ سلام تو عربی میں کیا ہے اور دعا عبرانی زبان میں کی ہے اور بعض روایات میں ہے کہ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے مختلف زبانوں میں بات کی اور حضرت یوسف علیہ السلام اسی زبان میں جواب دیتے رہے جس زبان میں وہ بات کرتا تھا اور ساتھ عربی اور عبرانی زبان میں بھی بات کی جس سے وہ ناواقف تھا تو اس طرح بادشاہ کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی وقعت پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی۔

پھر شاہ مصر نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے خواب کی تعبیر آپ سے بلاواسطہ خود سنوں تو حضرت

یوسف علیہ السلام نے پہلے اس خواب کی تفصیلات بتائیں جو اس سے پہلے بادشاہ نے کسی سے بھی ذکر نہیں کی تھیں اور پھر تعبیر بتائی، شاہ مصر نے کہا مجھے تعبیر سے زیادہ اس بات پر حیرت ہے کہ جو تفصیلات آپ نے بیان کی ہیں وہ آپ کو کیسے معلوم ہوئیں، تو بادشاہ نے مشورہ طلب کیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا پہلے سات سال بارشیں ہونے والی ہیں ان میں زیادہ سے زیادہ کاشت کرا کر غلہ اگانے کا انتظام کریں اور جتنا غلہ حاصل ہو جائے اس میں سے پانچواں حصہ اپنے پاس جمع کرتے رہیں، اس طرح اہل مصر کے قحط کے سات سالوں کے لیے غلہ جمع ہو جائے گا اور آپ ان کی طرف سے بے فکر ہو جائیں گے اور حکومت کو جو سرکاری زمینوں سے پیداوار حاصل ہو اس کو باہر کے لوگوں کے لیے جمع کر لیں کیونکہ اس قحط کے اثرات دور دور تک پھیلیں گے، باہر کے لوگ اس وقت آپ کے محتاج ہوں گے تو اس وقت غلہ دے کر ان کی امداد کریں اور ساتھ اس غلہ کی معمولی سی قیمت بھی رکھیں جس سے سرکاری خزانے میں بھی بہت سارا سرمایہ اکٹھا کیا جائے اور سرکاری خزانے پر کسی قسم کا بوجھ نہیں پڑے گا۔

یہ تدبیر سن کر بادشاہ بے حد خوش ہوا، لیکن اس نے کہا یہ سارا کام کرے گا کون؟ کس میں اتنی صلاحیت ہے جو ان امور کو بخیر خوبی سرانجام دے سکے تو حضرت یوسف نے کہا "اجعلنی علیٰ خزائن الارض" ملک کے خزانے آپ میرے سپرد کر دیں میں ان کی پوری طرح حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس طرح خرچ کے مواقع اور مقدار خرچ کے اندازہ سے بھی میں خوب واقف ہوں۔

روایات میں ہے کہ شاہ مصر حضرت یوسف علیہ السلام کے کمالات سے پوری طرح واقف ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کا گرویدہ ہو چکا تھا لیکن اس نے بالفعل وزارت خزانہ کا منصب حضرت یوسف علیہ السلام کو دینے سے پہلے ایک سال تک ان کو ایک معزز مہمان کی طرح رکھا اور پھر نہ صرف یہ کہ وزیر خزانہ بلکہ پوری سلطنت کے امور بھی ان کے سپرد کر دیئے اور خود گویا کہ برائے نام بادشاہ رہ گیا اور اسی دوران عزیز مصر بھی وفات پا گیا تو عزیز کا لقب حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے استعمال ہونے لگا جیسا کہ آگے آئے گا اور بعض روایات میں ہے کہ شاہ مصر حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ مسلمان ہو گیا تھا اور عزیز مصر کی وفات کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے شادی کر لی اور اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے کہا تھا کہ کیا یہ صورت اس سے بہتر نہیں ہے جو تم چاہتی تھی اور تاریخی روایات کے مطابق ان سے حضرت یوسف علیہ السلام کے دو لڑکے بھی پیدا ہوئے جن کا نام افرائیم اور منشا تھا۔

وزیر خزانہ کی صفات:

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ "انی حفیظ علیم"، ان دو لفظوں میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ان تمام صفات اور تمام خوبیوں کو جمع کرلیا جو وزیر خزانہ میں ہونی چاہییں کیونکہ جس شخص کو اس منصب پر بٹھایا جائے اس میں سب سے پہلے تو یہ صفت ہونی چاہیے کہ وہ خزانہ کی حفاظت کرنا بھی جانتا ہو، خزانہ کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھے اور غیر مستحق لوگوں میں خرچ نہ ہونے دے اور دوسری شرط یہ ہے کہ خرچ کرنے کے مواقع اور مصارف کا علم بھی رکھتا ہو جہاں خرچ کرنا ضروری ہو وہاں خرچ کرے اس میں کوتاہی نہ کرے اور نہ مقدار ضرورت سے زائد خرچ کرے، یہ دونوں چیزیں وزیر خزانہ کے لیے ضروری ہیں لفظ حفیظ پہلی صفت کے لیے ہے کہ میں خزانے کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کرسکتا ہوں اور علیم دوسری صفت کے لیے ہے کہ میں خرچ کے مواقع اور مقدار سے بھی واقف ہوں اس لیے زمین کے خزانوں پر مقرر کردو میں اس نظام کو سنبھال بھی سکتا ہوں اور اس کو چلا بھی سکتا ہوں۔

حکومت کا عہدہ خود طلب کرنا:

حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قول "اجعلنی علی خزائن الارض" پر ایک سوال ہوسکتا ہے کہ بہت سی احادیث میں حکومت کے عہدے کو قبول کرنے کو غیر پسندیدہ قرار دیا گیا ہے، جیسے ایک روایت میں ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ سے فرمایا کہ کبھی کوئی عہدہ خود طلب نہ کرو کیونکہ سوال کرکے اگر تم نے کوئی عہدہ قبول کر بھی لیا تو اس میں اللہ کی تائید شامل نہیں ہوگی جس سے تم لغزشوں اور خطاؤں سے بچ سکو اگر بغیر درخواست اور طلب کے کوئی عہدہ مل گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید اور اعانت شامل ہوگی جس کی وجہ سے تم اس عہدے کے حقوق پوری طرح ادا کرسکو گے۔

اور اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے کسی عہدے کے متعلق مطالبہ کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ ہم اپنا عہدہ کسی ایسے شخص کو نہیں دیا کرتے جو خود اس کا طالب ہو، اور یہاں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس عہدہ کو خود قبول کیا تھا جو روایات حدیث کے خلاف ہے۔

کسی عہدہ کو خود طلب کرنا کیسا ہے اس میں کچھ تفصیل ہے کہ جب کسی خاص عہدہ اور کسی منصب کے بارے میں یہ اندازہ ہوجائے کہ میں اس کو اچھی طرح ادا کرسکتا ہوں اور اس طرح کسی گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ

بھی نہ ہو، حب جاہ اور مال اس کا سبب نہ ہو، مخلوق خدا کی صحیح خدمت مقصود ہو تو ان حالات میں عہدہ کو خود طلب کرنا بھی جائز ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے پیش نظر بھی یہی حکمت تھی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ بادشاہ خود کافر ہے، اور اس کا عملہ بھی کافر ہے اور اس ملک میں طوفانی قحط آنے والا ہے، یہ خود غرض لوگ ہیں مخلوق خدا پر رحم نہیں کھائیں گے لاکھوں انسان بھوکے مریں گے کوئی دوسرا شخص بھی موجود نہیں ہے جو انصاف کے ساتھ لوگوں کے حقوق ادا کر سکے اس لیے خود اس عہدہ کی درخواست کی تھی تاکہ مخلوق خدا کے حقوق پہچان کر ان کو ادا کر سکیں آپ کے پیش نظر حب جاہ یا حب مال نہیں تھا اور نہ ہی بڑا بننا مقصود تھا آپ نے تو صرف مخلوق خدا کے جذبے سے اس عہدہ کی درخواست کی تھی جو کہ نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب اور لازم ہے کہ ایسے موقع پر جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیتیں دی ہوں وہ ان صلاحیتوں کو صحیح طور پر استعمال کر کے مخلوق خدا کی خدمت کرے اور آج بھی مسئلہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی عہدہ ایسا ہے جس کو صحیح طور پر ادا کرنے والا دوسرا کوئی موجود نہیں ہے اور میں اس عہدہ کے حقوق ادا کر سکتا ہوں تو اس شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ حکومت سے اس عہدے کو طلب کرے لیکن شرط یہی ہے کہ حب جاہ اور حب مال اس کا سبب نہ ہوں مخلوق خدا کی خدمت مقصود ہو۔

اور صحابہ کرام کے دور میں صحابہ کا آپس میں اختلاف ہوا جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تو اس میں بھی یہی بات تھی کہ اس میں سے ہر ایک کا یہی خیال کرتا تھا کہ اس وقت ان فرائض کو میں دوسرے کے مقابلہ میں کما حقہ حکمت و تدبیر کے ساتھ ادا کر سکتا ہوں، اس کا سبب حب جاہ اور حب مال نہیں تھا بلکہ مخلوق خدا کے پیش نظر ان کے حقوق کی ادائیگی کے لیے وہ حضرات اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھتے تھے اور یہی چیز ان کے اختلاف کا سبب بنی۔

کافر حکومت کا عہدہ قبول کرنا کیسا ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر کی ملازمت قبول فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کافر حکومت کا عہدہ قبول کرنا جائز ہے جبکہ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں آتا ہے اور اس آیت کے تحت کے مفسرین نے لکھا ہے کہ کافروں کی اعانت اور نصرت جائز نہیں ہے ہے "فلن اکون ظهیرا للمجرمین" اور ظاہری بات ہے کہ ان کا

عہدہ قبول کرنا بھی ان کے عمل میں شریک ہونا اور ان کی مدد کرنا ہے تو یہ آیت حضرت یوسف علیہ السلام کے عمل کے خلاف ہوئی، ان دونوں آیتوں کا آپس میں جوڑ کیسے ہوگا؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت یوسف نے کسی کافر حکومت کا عہدہ قبول ہی نہیں کیا تھا جیسے کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ مصر حضرت یوسف کے ہاتھ پہ مسلمان ہوگیا تھا اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام کا اس عہدہ کو قبول کرنا کافر حکومت کی طرف سے نہیں ہے۔

اور پھر چونکہ شاہ مصر کی قرآن کریم میں کوئی صراحت نہیں ہے، وہ صرف تاریخی روایت ہے وہ کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے تو عام مفسرین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام شاہ مصر کے معاملات سے اس بات کا اندازہ لگا چکے تھے یہ میرے کسی کام میں مداخلت نہیں کرے گا، مجھے کسی خلاف شرع کام پر مجبور نہیں کرے گا بلکہ مجھے پورے اختیارات دے گا جس کی وجہ سے میں اپنی صواب دید کے مطابق قانون حق پہ عمل کروں گا تو مجبوری کے درجے میں اتنے تعاون کی گنجائش موجود ہے جس میں خود کسی خلاف شرع کام کا ارتکاب بھی نہ کرنا پڑے اور مخلوق خدا کا فائدہ بھی اس میں ہو تو ایسی صورت میں اس عہدہ کے قبول کرنے میں شرعی طور پر گنجائش ہے۔

اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ عمل ان کی ذات یا ان کی شریعت کے ساتھ مخصوص تھا اب دوسروں کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے لیکن جمہور مفسرین نے پہلے قول کو زیادہ ترجیح دی ہے اور اسی کو اختیار کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو اقتدار ملنا:

"وکذالك مکنا لیوسف فی الارض" اس کا مطلب یہ ہے، جس طرح ہم نے یوسف کو شاہ مصر کی دربار میں عزت اور مرتبہ عطا کیا اور اس طرح ہم نے ان کو پورے ملک میں اقتدار عطا کر دیا، روایات میں آتا ہے کہ جیل سے رہا کرنے کے بعد شاہ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک سال تک شاہی مہمان بنا کر رکھا اور سال کے گزرنے کے بعد تمام عمال اور معززین کو جمع کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے سر پر تاج رکھ کر ان کو اس مجلس میں لایا گیا اور صرف خزانے ہی نہیں بلکہ پورے امور مملکت عملی طور پہ ان کے سپرد کر کے شاہ مصر خود گوشہ نشین ہوگیا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس نظام کو اس طرح سنبھالا کہ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ کسی کو کوئی شکایت کا موقع نہ مل سکا بلکہ سارا

ملک آپ کا گرویدہ ہو گیا حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی ان معاملات کے سنبھالنے میں کسی دشواری اور کسی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

اور جب سات سال خوش حالی کے گزر گئے اور قحط سالی کا زمانہ شروع ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے پیٹ بھر کر کھانا چھوڑ دیا، لوگوں نے کہا کہ آپ مصر کے تمام خزانوں کے مالک ہیں پھر بھی آپ پیٹ بھر کا کر کھانا نہیں کھاتے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا یہ میں اس لیے کرتا ہوں تا کہ عام لوگوں کی بھوک کا احساس میرے دل میں رہے اور اس طرح شاہی درباریوں کو بھی حکم دے دیا کہ دن میں ایک مرتبہ کھانا پکایا کریں تا کہ شاہی محل کے افراد بھی عوام کی بھوک میں حصہ لے سکیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے اسی اقتدار کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے اس طرح سرزمین مصر میں ہم نے ان کو ٹھکانہ دیا، اور اس ٹھکانہ سے مراد اقتدار ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو ملا اور یہ لفظ بھی پہلے گزرا ہے جہاں آیا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو ہم نے ٹھکانہ دیا وہ ٹھکانہ ایسا تھا کہ جیسے ایک غلام کی زندگی ہوتی ہے اور اب چونکہ غلامی کی زندگی سے نجات پا کر بادشاہت کی زندگی مل رہی ہے اس لیے وہ لفظ دوبارہ بولا کہ ہم نے آپ کو سرزمین مصر میں ٹھکانہ دیا، اقتدار دیا کہ اس زمین میں جیسے چاہیں احکامات جاری کریں ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت سے نوازتے ہیں اور ہم محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔

اہل ایمان کو تسلی:

اگلے الفاظ میں اہل ایمان کو تسلی دے دی گئی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو دیکھ کر یہ نا سمجھنا سب کچھ دنیا کی نعمت اور اقتدار ہی ہے جیسے یہ چیزیں حضرت یوسف علیہ السلام کو مل گئیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اس سب کے مقابلہ میں آخرت کا اجر بہتر ہے اور اچھا ہے جو محسنین کو ملے گا اس لیے اگر دنیا کے اندر یہ نعمتیں نہیں مل رہیں تو دل چھوٹا نہ کرو صبر سے کام لو اور ایمان اور تقویٰ کو مضبوطی سے تھامے رکھو ان کی بدولت آخرت میں جو اجر ملے گا وہ اجر دنیا کے نعمتوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بہتر ہے، تفصیل اس کی بارہا گزر چکی ہے "ولاجر الآخرة خیر" آخرت کا اجر بہتر ہے "للذین اٰمنوا و کانوا یتقون" ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور آئے یوسف کے بھائی اور داخل ہوئے اس پر تو اس نے پہچان لیا ان کو اور وہ اسے نہ پہچان سکے ﴿۵۸﴾

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ

اور جب تیار کر دیا ان کا سامان تو کہا لے آنا تم میرے پاس اپنے بھائی کو جو تمہارے والد کی طرف سے ہے،

اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں پورا کرتا ہوں کیل کو اور میں بہترین مہمان نواز ہوں ﴿۵۹﴾ پھر اگر تم نہ لائے میرے پاس

بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ

تو نہیں ہو گا میرے پاس تمہارے لیے وزن اور تم میرے قریب بھی نہ آنا ﴿۶۰﴾ انہوں نے کہا ہم عنقریب بہلانے کی کوشش کریں گے اس کے متعلق

اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ

اس کے باپ سے اور بیشک ہم یہ کام کر کے رہیں گے ﴿۶۱﴾ اور کہا یوسف نے اپنے خدام کو کہ تم رکھ دو ان کی پونجی ان کے سامان میں

رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ

شاید کہ یہ اس کو پہچانیں جب وہ لوٹیں اپنے گھر کی طرف شاید کہ وہ

يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ

لوٹ آئیں ﴿۶۲﴾ جب وہ لوٹے اپنے باپ کی طرف تو وہ کہنے لگے اے ہمارے ابا جان! روک دیا گیا ہے ہم سے ہمارا وزن

فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ

پس تو بھیج ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو کہ ہم وزن لے آئیں اور ہم اس کے نگہبان ہیں ﴿۶۳﴾ تو حضرت یعقوب نے کہا کیا

اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ

میں اعتبار کروں تمہارا اس پر مگر جیسے اعتبار کیا تھا اس کے بھائی پر اس سے پہلے، پس اللہ ہی

خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ

بہتر نگہبان ہے اور وہی سب رحم کرنیوالوں میں سے سب سے زیادہ رحم کرنیوالا ہے ﴿۶۴﴾ اور جب کھولا انہوں نے اپنا سامان

وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ
تو پایا انہوں نے اپنی پونجی کو جو لوٹائی گئی تھی ان کی طرف وہ کہنے لگے اے ہمارے ابا جان! یہ ہماری
بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ
پونجی ہے جو لوٹائی گئی ہے ہماری طرف اب ہم سامان لائیں گے اپنے گھر والوں کیلئے اور حفاظت کریں گے اپنے بھائی کی اور زیادہ لیں گے ایک اونٹ کا بوجھ
بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ
یہ وزن آسان ہے ﴿۶۵﴾ یعقوب نے کہا میں ہرگز نہیں بھیجوں گا اس کو تمہارے ساتھ حتی کہ دو تم
مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ
مجھے اللہ کا پختہ عہد کہ تم اس کو میرے پاس ضرور لاؤ گے مگر یہ کہ تم گھیر لیے جاؤ تم سب پس دے دیا
مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ
انہوں نے عہد تو یعقوب نے کہا اللہ نگہبان ہے ان باتوں پر جو ہم کہتے ہیں ﴿۶۶﴾ اور کہا اے میرے بیٹو
لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ
نہ تم داخل ہونا ایک دروازے سے بلکہ تم داخل ہونا جدا جدا دروازوں سے
وَمَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ
اور میں نہیں بچا سکتا تمہیں اللہ کی طرف سے کسی چیز سے، نہیں ہے حکم مگر اللہ کا، اسی پر
تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ
میں نے بھروسہ کیا اور اسی پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے بھروسہ کرنیوالوں کو ﴿۶۷﴾ اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے
اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً
حکم دیا تھا ان کو ان کے باپ نے نہیں بچا سکتا تھا ان کو اللہ کی طرف سے کسی چیز سے مگر ایک خواہش تھی
فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ
یعقوب کے دل میں جو اس نے پوری کی اور بے شک وہ علم والا تھا جو ہم نے اس کو سکھایا

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور لیکن لوگوں میں اکثر علم نہیں رکھتے ﴿۶۸﴾

تفسیر

ماقبل سے ربط:

پچھلی آیات میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ یہاں تک پہنچا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں اقتدار دیا، اور تمام حکومتی معاملات حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد ہو گئے، ان آیات میں برادران یوسف علیہ السلام کا غلہ لینے کے لیے مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آنے کا قصہ مذکور ہے۔

برادران یوسف علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آنا:

یہ جو واقعہ ان آیات میں بیان کیا گیا ہے یہ اس وقت کا ہے جب شاہ مصر کے خواب کی تعبیر کے مطابق ابتدائی سات سال خوشحالی کے تھے وہ گزر چکے تھے، اور ان سات سالوں میں خوب پیداوار ہوئی اور اس پیداوار کو محفوظ کرنے اور جمع کرنے کا بہت ہی اعلیٰ درجہ کا اہتمام کیا گیا تھا، اس کے بعد خواب تعبیر کے مطابق دوسرا دور شروع ہوا جو قحط سالی اور خشک سالی کا دور تھا اور یہ اتنا شدت اختیار کر گیا کہ مصر اور اس کے اطراف میں بھی اس کے اثرات پھیل گئے، حضرت یعقوب علیہ السلام کا وطن جو کنعان کہلاتا تھا وہ بھی اس قحط کی زد سے نہ بچ سکا اور لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ مصر کا بادشاہ کوئی نیک آدمی ہے اور لوگوں کو یقیناً غلہ دیتا ہے، جب یہ خبر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچی تو انہوں نے بھی اپنے بیٹوں کو مصر میں غلہ لینے کے لیے بھیج دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے غلہ کی تقسیم اس انداز سے فرمائی کہ ایک شخص کو ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ نہیں دیتے تھے اور اس کی مقدار ایک وسق یعنی ساٹھ صاع بنتی ہے جو آجکل کے اعتبار سے پانچ من سے بھی زیادہ بنتی ہے، اتنی مقدار ایک وقت میں ایک آدمی کو دیتے تھے اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے تمام بیٹوں کو بھیجنے کا فیصلہ کیا تا کہ غلہ زیادہ ملے لیکن اپنے سب سے چھوٹے بیٹے بنیامین جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے گم ہو جانے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی تمام تر شفقت اور محبت اس کی طرف ہی منتقل ہو گئی تھی اور

ہر وقت ہی اس کو اپنے پاس رکھتے تھے اپنی تسلی اور خبر گیری کے لیے اس کو اپنے پاس ہی روک لیا۔

اب یہ دس بھائی مصر میں سفر کر کے پہنچے اور ان کی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا اور وہ بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے کیونکہ جب ملاقات ہوئی ہوگی ایک تو حضرت یوسف علیہ السلام شاہانہ لباس میں تخت پر بیٹھے ہوں گے اور جس وقت ان سے بچھڑے تو اس وقت عمر بھی تو سات سال کی تھی جیسا کہ روایات میں آتا ہے اب جب یہ ملاقات ہو رہی تھی تو اس واقعہ کو چالیس سال گزر چکے تھے اتنے عرصے میں انسان کا حلیہ تبدیل ہو جاتا ہے اور پھر ساتھ یہ بھی تھا کہ ان بھائیوں نے تو غلام بنا کر بیچ تھا وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جس کو ہم نے غلام بنا کر بیچا تھا وہ بھی وقت کا بادشاہ بن سکتا ہے اس لیے نہ ہی انہوں نے غور کیا اور نہ ہی وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچان سکے جب کہ اس کے بالمقابل ان کی تعداد دیکھی، ان کے حلیے اور قد و قامت کو دیکھا جو مصر سے مختلف تھی اور جب گفتگو ہوئی تو پھر ان کی زبان بھی عبرانی تھی جس سے حضرت یوسف علیہ السلام سمجھ گئے یہ لوگ یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں اور پھر مزید تحقیق کے لیے کچھ سوالات کیے ہوں گے کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو کس خاندان کے ہو؟ کس کی اولاد ہو؟ کتنے بھائی ہو؟ جب یہ سوالات کیے تو ان کے جوابات سے پہچان لیا کہ یہ تو میرے بھائی ہیں۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا تو فرمایا کہ ان کو شاہی مہمان کی حیثیت سے اور عزت واحترام کے ساتھ رکھو اور غلہ کی تقسیم کا جو اصول ہے اس کے مطابق ان کو بھی غلہ دو

چھوٹے بھائی کو بلانے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کی تدبیر:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے جو سوالات کیے تھے ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ یہ بتاؤ کہ تمہارے والد کی کوئی اور اولاد بھی ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے کہا ہم بارہ بھائی تھے، ان میں سے ایک چھوٹا بھائی جنگل میں گم ہو گیا تھا اور ہمارے والد سب سے زیادہ اسی سے محبت کرتے تھے پھر اس کے بعد چھوٹا بھائی باپ کے پاس رہنے لگ گیا اب ہم اسے اپنے والد کے پاس چھوڑ کے آئے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ غلہ ان کی ضرورت کے لیے ناکافی ہوگا اور بہت ہی جلد یہ غلہ لینے کے لیے آئیں گے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو تاکید کی کہ جب دوبارہ آنا تو اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کے آنا اور اس کے

حصے کا بھی غلہ لے کے جانا اور ساتھ دھمکی بھی دے دی کہ اگر تم اس کو میرے پاس نہیں لاؤ گے تو پھر تمہیں غلہ بھی نہیں ملے گا اور تم میرے قریب بھی نہ آسکو گے کیونکہ میں سمجھوں گا کہ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے، اس طرح اپنے چھوٹے بھائی کو بلانے کے لیے تدبیر کی۔

اور اسی طرح ایک خفیہ تدبیر بھی کی کہ جمع پونجی جو بھائیوں نے غلہ کی قیمت کے طور پر ان کو دی تھی اپنے عمال کو حکم دیا کہ ان کا مال واسباب بھی ان کو واپس کر دو اس طرح چھپا کر ان کے مال میں رکھو کہ ان کو ابھی پتہ نہ چلے اور گھر جائیں اور گھر جا کر جب یہ دیکھیں تو شاید واپس کرنے کے لیے واپس آئیں، تو یہ انتظامات کر لیے تا کہ بھائیوں سے ملاقات کا سلسلہ بھی جاری رہے اور اس طرح چھوٹے بھائی سے ملاقات ہو سکے گی اور ان بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے وعدہ کر لیا کہ ہم اپنے والد سے اس بات کا مطالبہ کریں گے اور ہم اس کو ضرور اپنے ساتھ لے کے آئیں گے۔

اپنے بھائیوں کو غلہ کی قیمت واپس کرنے کی وجوہات:

برادران یوسف نے غلہ کی قیمت کے طور پر جو ان کو دیا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام نے واپس کرنے کا حکم دیا کہ یہ ان کو واپس کر دو، سوال یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی مختلف وجوہات بیان کی گئی ہیں، اول تو یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا ان کے پاس اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے تو دوبارہ غلہ لینے کے لیے کیسے آئیں گے اس لیے واپس کر دیا تا کہ دوبارہ آسکیں یا یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ گوارہ نہ کیا اپنے والد یا اپنے بھائیوں سے قیمت وصول کروں اس لیے اپنی طرف سے اتنی رقم سرکاری خزانے میں جمع کرا کے ان کی قیمت ان کو واپس کر دی اور ایک احتمال یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب یہ جا کر اپنا سامان کھولیں گے اور دیکھیں گے ان کی قیمت ان کو واپس کر دی گئی ہے تو ان کے والد اللہ کے نبی ہیں وہ اس مال کو سرکاری خزانے کی امانت سمجھ کر ضرور واپس کرنے کا حکم دیں گے اور اس طرح بھائیوں کا آنا یقینی ہو جائے گا، بہر حال یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ سارے انتظامات اس لیے کیے تا کہ بھائی دوبارہ بھی آسکیں اور اس طرح چھوٹے بھائی سے بھی ملاقات ہو جائے۔

برادران یوسف کی اپنے والد سے گفتگو:

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر سے غلہ لے کے گھر پہنچے تو انہوں نے سفر کے حالات کا تذکرہ

کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ عزیز مصر نے ہمیں آئندہ غلہ دینے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر تم اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لاؤ گے تو تمہیں غلہ ملے گا ورنہ نہیں، اس لیے آئندہ ہمارے ساتھ ہمارے چھوٹے بھائی کو بھیج دینا تا کہ ہمیں آئندہ مل سکے اور اس بھائی کی مکمل حفاظت کریں گے اور اس کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی بات سن کر یہ فرمایا کہ میں تم پر اس کے متعلق ایسے ہی اعتماد کروں؟ جیسے اس سے پہلے یوسف کے بارے میں اعتماد کیا تھا، مطلب بالکل واضح ہے کہ میں اس معاملہ میں تم پر کوئی اعتبار نہیں کرتا تم پر اعتماد کر کے میں پہلے بھی نقصان اٹھا چکا ہوں اور اس قسم کے الفاظ تم نے اس وقت بھی بولے تھے، اب میں تم پر کیسے اعتماد کر سکتا ہوں یہ تو ان کی بات کا جواب دیا اور پھر خاندان کی کفالت بھی ضروری تھی اور اس کو بھیجے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا تو اس معاملہ کو اللہ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا "فاللہ خیر حافظا" تمہاری حفاظت کا نتیجہ تو میں پہلے ہی دیکھ چکا ہوں اب اس کو میں تمہاری حفاظت میں نہیں دیتا کیونکہ وہ سب سے بہترین محافظ ہے "وھو ارحم الراحمین" اور وہ سب رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے مجھے اس کی رحمت سے امید ہے کہ وہ مجھے دوبارہ اس قسم کی پریشانی اور تکلیف سے دوچار نہیں کرے گا اور اس کی حفاظت بھی ہو جائے گی۔

یہ گفتگو سفر کے حالات بیان کرتے ہوئے ہوئی تھی اور انہوں نے ابھی تک اپنا سامان نہیں کھولا تھا پھر جب اپنے باپ کو راضی کر لینے کے بعد انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اس کے اندر ان کا وہ سامان بھی موجود تھا جو انہوں نے غلے کی قیمت کے طور پر عزیز مصر کو دیا تھا تو انہوں محسوس کر لیا کہ کام بھول کر نہیں ہوا بلکہ جان بوجھ کر ہماری قیمت ہماری طرف واپس کر دی گئی ہے اس لیے "ردت الینا" کہا کہ ہماری پونجی ہمیں واپس کر دی گئی ہے اور اپنے والد سے کہا کہ ہمیں اور کیا چاہیے کہ عزیز مصر نے ہم پر اتنی مہربانی کی کہ پہلے تو مہمان کی حیثیت سے رکھا پھر غلہ بھی دیا اور ہماری قیمت بھی واپس کر دی اور دوبارہ غلہ لینے کے لیے صرف چھوٹے بھائی کو ساتھ لانے کی شرط رکھی ہے "مانبغی" ہمیں اور کیا چاہیے، یہ سب کچھ تو ہمیں مل گیا ہے اور اب بھائی کو ساتھ لے کے جائیں گے تو اس کے حصے کا مزید غلہ بھی مل جائے گا اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت بھی کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اندازہ لگا لیا کہ اب اس چھوٹے بیٹے کو بھیجے بغیر گزارا نہیں ہے تو اپنے دیگر بیٹوں کو خطاب کر کے کہا کہ فرمایا کہ میں بنیامین کو تمہارے ساتھ اس وقت تک نہیں بھیجوں گا جب تک قسم اٹھا کے مجھے تم

پختہ عزم نہ دے دو کہ ہم اس کو ضرور ہر حال میں واپس لائیں گے، اگر تم مجھے یہ عہد دے دو تو میں تمہارے ساتھ اس کو بھیج دیتا ہوں ہاں ایک صورت مستثنیٰ ہے کہ تم سب مصیبت میں گھیر لیے جاؤ چونکہ یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا تو یہ صورت مستثنیٰ ہے اس کے علاوہ وعدہ کرو تم اس کو میرے پاس لاؤ گے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کی حفاظت کے بارے میں جو بھی عہد و پیمان کر رہے ہیں اس پر اللہ نگہبان ہے یعنی اس کی توفیق اور مدد کے ساتھ ہی سب کچھ ہو سکتا ہے اس کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہے یا یہ کہ جو ہم باتیں کر رہے ہیں اس پر اللہ نگہبان ہے اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو وہی تم سے بدلہ لے گا اور میں تمہیں اسی کے اوپر بھروسہ کر کے چھوڑ رہا ہوں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کو نصیحت:

بھائیوں نے جب چھوٹے بھائی کی حفاظت کا عہد کر لیا تو اب جانے لگے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو ایک نصیحت کی جب تم مصر کے قریب پہنچنا اور شہر میں داخل ہونا تو سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ شہر کے مختلف دروازوں سے اور جدا جدا ہو کے داخل ہونا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ سارے بھائی نوجوان تھے، صحت مند اور بڑے بڑے قدوں والے تھے نہایت ہی خوبصورت اور وجاہت والے تھے تو جب یہ سارے ایک ساتھ چلتے اور لوگوں کو پتہ چلتا کہ یہ سب ایک ہی والد کی اولاد ہیں اور آپس میں بھائی ہیں تو کسی بدنظر کی بری نظر نہ لگ جائے اور ان کو کوئی اجتماعی طور پر کوئی نقصان نہ پہنچ جائے یا یہ تھا کہ جب یہ سارے ایک ساتھ داخل ہوں گے تو لوگ ان کی تعداد ڈیل اور ڈول اور ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر ان سے حسد کرنے لگیں گے اور حسد کی وجہ سے ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں اس لیے وصیت کی کہ شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا تاکہ حاسدین کے حسد اور بری نظر والوں کی بری نظر سے محفوظ رہو۔

اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ یہ ایک ظاہری تدبیر ہے کہ جو میں تمہیں بتا رہا ہوں اگر حقیقت میں اللہ کی طرف سے کوئی آزمائش آنے والی ہو گی تو میں اس سے تمہیں نہیں بچا سکتا کیونکہ حکم تو صرف اسی کا چلتا ہے میں تو اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور چاہیے کہ بھروسہ کرنے والے بھی اسی پر بھروسہ کریں اور پھر ہوا بھی اسی طرح کہ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں کہا تھا کہ وہ اس کے حکم کے مطابق شہر کے مختلف دروازوں سے جدا جدا ہو کر داخل ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اللہ کی طرف سے جو ان کے لیے مقدر تھا وہ اس کو کچھ نہیں بچا سکتے تھے مگر حضرت یعقوب علیہ السلام کے

دل میں ایک خواہش تھی کہ جوانہوں نے پوری کر لی اور بے شک وہ علم والے تھے جو علم ہم نے ان کو سکھایا تھا اور لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

پہلی مرتبہ نصیحت نہ کرنے اور دوسری مرتبہ نصیحت کرنے کی وجہ:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جو نصیحت کی تھی کہ شہر کے مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہونا، آپ نے یہ نصیحت دوسری مرتبہ کے سفر کے موقع پر کی تھی پہلی مرتبہ جارہے تھے اس وقت آپ نے اس قسم کی تدبیر کیوں نہ کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ پہلی مرتبہ مصر میں گئے تو اس وقت اس کے خطرات نہیں تھے جس قسم کے خطرات دوسری مرتبہ کے سفر میں پیش آسکتے تھے کیونکہ جب پہلی مرتبہ گئے تھے تو اس وقت شکستہ حال تھے، پھٹے پرانے کپڑوں والے تھے اور پھر شہر میں ان کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا کہ یہ کون لوگ ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور کس خاندان سے تعلق رکھنے والے ہیں لیکن جب عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے سوالات کیے تو لوگوں کو بھی پتہ چل گیا کہ یہ آپس میں بھائی ہیں یعنی ایک باپ کی اولاد ہیں نبوت کے خاندان میں سے ہیں اور پھر عزیز مصر نے بھی ان کا خوب اکرام کیا تھا، بہت عزت واحترام کے ساتھ شاہی مہمان بنا کر رکھا تھا تو اب دوسری مرتبہ جاتے تو چونکہ تعارف تو پہلے ہو چکا تھا اس لیے اب حسد اور نظر بد کا امکان پہلے سفر کے مقابلہ میں قوی تھا اس لیے دوسری مرتبہ جاتے ہوئے یہ نصیحت کر دی کہ شہر کے ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے جدا جدا ہو کے داخل ہونا تا کہ حسد اور نظر بد کے برے اثرات سے محفوظ ہو۔

نظر بد برحق ہے:

اس سے معلوم ہو گیا کہ بری نظر لگ جانا حق ہے اور اس کا اثر بھی معلوم ہے کہ اس سے کسی دوسرے کو کوئی جانی اور مالی نقصان ہو جاتا ہے یہ محض جاہلانہ وہم اور خیال نہیں ہے، یہ مسلم چیز ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو بھی یہ نصیحت فرمائی تھی اور سرور کائنات ﷺ نے بھی اس کی تائید فرمائی ہے آپ کا فرمان ہے کہ بری نظر انسان کو قبر میں اور اونٹ کو ہنڈیا میں داخل کرتی ہے (درمنثور، سورہ قلم کا آخر) اس لیے سرور کائنات ﷺ نے جن چیزوں سے پناہ مانگی ہے ان میں ایک نظر بد بھی ہے۔

ایک صحابی حضرت سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ کا واقعہ معروف ہے ایک مرتبہ انہوں نے غسل کرنے کے لیے اپنے کپڑے اتارے تو ان کے سرخ اور سفید اور صحیح سالم اور توانا بدن پر عامر بن ربیعہ کی نظر پڑ گئی اور ان کی زبان سے نکلا کے میں نے آج تک اتنا خوبصورت بدن نہیں دیکھا، یہ کہنا تھا کہ حضرت سہل کو بہت ہی سخت بخار چڑھ گیا، رسول اللہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے یہ علاج تجویز کیا کہ عامر بن ربیعہ کو حکم دیا کہ وہ وضو کریں اور وضو کا پانی کسی برتن میں جمع کریں پھر یہ پانی ان کے بدن پہ ڈالا جائے ایسا کیا گیا تو ان کا بخار اتر گیا اور وہ بالکل تندرست ہو گئے (دیکھیں مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۹۰) بہرحال تمام علماء کا اتفاق ہے کہ نظر بد لگنا اور اس کے اثر سے نقصان پہنچنا حق ہے، یہ خیالی بات نہیں ہے اور وہمی بات نہیں ہے۔

یوسف علیہ السلام کا اپنے والد کو حالات کی اطلاع نہ دینے کی وجہ:

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ایک بات بہت ہی عجیب ہے اور دلچسپ بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام والد سے جب جدا ہوئے تھے تو چھوٹے بچے تھے اور پھر اب چالیس سال کا عرصہ گزر گیا اس عرصہ میں ایک تو والد نے اپنے بیٹے کی جدائی میں رو رو کر اپنی بینائی ختم کر دی اور دوسری طرف حضرت یوسف علیہ السلام خود بھی پیغمبر اور رسول ہیں اور والد سے فطری اور طبعی محبت بھی ہے، والد کے جذبات کو بھی سمجھتے ہیں پھر بھی اتنے عرصے میں اپنے والد سے رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی اور نہ ہی ان کو اپنے حالات سے باخبر کیا، اول تو چاہتے کہ عزیز مصر کے گھر سے اطلاع بھیج دیتے کیونکہ ہر قسم کی آزادی اور ہر قسم کی آرائش حاصل تھی لیکن وہاں کوئی موقع نہ ملا تو جیل سے ہی کوئی پیغام بھجوا دیتے کیونکہ جیل سے بھی پیغام ادھر ادھر بھی جاتے ہیں، چلو اگر وہاں بھی موقع نہ ملا تھا اور اس وقت پیغام دینا مصلحت کے خلاف معلوم ہوا تو جب جیل سے رہائی ملی تھی اور اقتدار ملا تھا اب تو کوئی روک ٹوک نہیں تھی خود جا کر اپنے والد سے ملاقات کر سکتے تھے یا کم از کم قاصد بھیج کر اپنی کوئی اطلاع کر دیتے اور ان کی خبر گیری کرتے یا جب بھائی آئے تھے ان کے سامنے ذکر کر دیتے اور ان کے ذریعہ پیغام بھجوا دیتے یہ سارے واقعے موجود تھے لیکن اس عرصے میں اپنے والد سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا اور دوسری طرف اگر کوئی کوشش کی بھی تو صرف اتنی کہ اپنے چھوٹے بھائی کو بلانے کے لیے تدبیر بھی کی، انتظام بھی کیا اور اس کو صورت حال سے آگاہ بھی کیا لیکن اس سارے عرصے میں اپنے والد سے کوئی رابطہ کیوں نہیں کیا؟

وجہ اس کی یہ ہے کہ اصل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ اپنے والد سے رابطہ کرنے سے روک دیا تھا اور اس میں حکمت یہ تھی کہ ابھی حضرت یعقوب علیہ السلام کا ایک اور امتحان باقی تھا اور وہ تھا چھوٹے بیٹے کی جدائی کا، اور اس امتحان کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کو روک دیا تھا کہ اپنے والد سے کسی قسم کا رابطہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلٰی یُوۡسُفَ اٰوٰۤی اِلَیۡہِ اَخَاہُ قَالَ

اور جب وہ داخل ہوئے یوسف پر تو آپ نے ٹھکانہ دیا اپنے بھائی کو اپنے پاس کہا

اِنِّیۡۤ اَنَا اَخُوۡکَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَہَّزَہُمۡ

میں تیرا بھائی ہوں تو غمگین نہ ہو ان کاموں کی وجہ سے جو یہ کرتے ہیں ﴿۶۹﴾ پھر جب تیار کرلیا ان کیلئے

بِجَہَازِہِمۡ جَعَلَ السِّقَایَۃَ فِیۡ رَحۡلِ اَخِیۡہِ ثُمَّ اَذَّنَ

ان کا سامان تو رکھ دیا پینے کا پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں پھر پکارا

مُؤَذِّنٌ اَیَّتُہَا الۡعِیۡرُ اِنَّکُمۡ لَسٰرِقُوۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوۡا وَ اَقۡبَلُوۡا عَلَیۡہِمۡ مَّاذَا

پکارنے والے نے اے قافلے والو! تم چور ہو ﴿۷۰﴾ وہ کہنے لگے اس حال میں کہ وہ متوجہ ہوئے ان پر تم کیا چیز

تَفۡقِدُوۡنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوۡا نَفۡقِدُ صُوَاعَ الۡمَلِکِ وَ لِمَنۡ جَآءَ بِہٖ حِمۡلُ بَعِیۡرٍ

گم پاتے ہو ﴿۷۱﴾ انہوں نے کہا کہ ہم گم پاتے ہیں بادشاہ کا پیمانہ اور اس شخص کیلئے جو اس کو لائے گا اس کیلئے ایک اونٹ کا بوجھ ہے

وَّ اَنَا بِہٖ زَعِیۡمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوۡا تَاللّٰہِ لَقَدۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا جِئۡنَا لِنُفۡسِدَ فِی الۡاَرۡضِ

اور میں اس کا ضامن ہوں ﴿۷۲﴾ وہ بولے اللہ کی قسم تم جانتے ہو نہیں آئے کہ ہم فساد کریں زمین میں

وَ مَا کُنَّا سٰرِقِیۡنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوۡا فَمَا جَزَآؤُہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ کٰذِبِیۡنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوۡا

اور نہ ہی ہم کبھی چور تھے ﴿۷۳﴾ وہ بولے پھر کیا سزا ہے اس کی اگر تم جھوٹے ہو ﴿۷۴﴾ انہوں نے کہا کہ

جَزَآؤُہٗ مَنۡ وُّجِدَ فِیۡ رَحۡلِہٖ فَہُوَ جَزَآؤُہٗ ؕ کَذٰلِکَ نَجۡزِی

اس کی سزا وہی ہے کہ پایا جائے جس کے سامان میں وہی اس کا بدلہ ہے اس طرح ہم سزا دیتے

الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوۡعِیَتِہِمۡ قَبۡلَ وِعَآءِ اَخِیۡہِ ثُمَّ اسۡتَخۡرَجَہَا

ہیں ظالموں کو ﴿۷۵﴾ پھر اس نے شروع کیا ان کے بوروں سے اپنے بھائی کے بورے سے پہلے پھر اس کو نکالا

مِنۡ وِّعَآءِ اَخِیۡہِ ؕ کَذٰلِکَ کِدۡنَا لِیُوۡسُفَ ؕ مَا کَانَ لِیَاۡخُذَ اَخَاہُ

اپنے بھائی کے بورے میں سے اس طرح ہم نے تدبیر بتائی یوسف کو نہیں تھا کہ وہ لے اپنے بھائی کو

فِیْ دِیْنِ الْمَلِکِ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ

بادشاہ کے دین میں مگر جو چاہے اللہ اور ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہتے ہیں

وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْۤا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ

اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے ﴿۷۶﴾ وہ کہنے لگے اگر اس نے چوری کی ہے تو چوری کی تھی اس کے بھائی نے بھی

لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ

اس سے پہلے پس اس کو چھپا لیا یوسف نے اپنے دل میں اور ان کیلئے ظاہر نہ کیا کہا دل میں

اَنْتُمْ شَرٌّ مَّکَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ

تم بہت برے ہو درجہ میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو ﴿۷۷﴾ وہ کہنے لگے اے عزیز!

لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا کَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَکَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىکَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۷۸﴾

اس کا باپ بہت بوڑھا ہے پس تو رکھ لے ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ بیشک ہم دیکھتے ہیں کہ تو محسنین میں سے ہے ﴿۷۸﴾

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ

آپ نے کہا کہ اللہ کی پناہ ہم کسی کو رکھیں مگر پایا اپنا سامان جس کے پاس تب ہم

اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع

ضرور ظالم ہوں گے ﴿۷۹﴾

تفسیر

ماقبل سے ربط:

گذشتہ آیات میں برادران یوسف کا دوسری مرتبہ اپنے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آنا مذکور تھا اب اگلی آیات میں ایک اور واقعہ بیان کیا جا رہا ہے جو وہاں پہنچنے کے بعد پیش آیا اور اس کے نتیجہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے دوسرے بیٹے کے بارے میں بھی جدائی کا غم سہنا پڑا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے پاس ٹھہرانا:

جب یہ سارے بھائی اپنے والد کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق داخل ہو گئے اور عزیز مصر سے ملاقات کے لیے ان کے پاس گئے جو حقیقت میں ان کے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام ہی تھے جن کو انہوں نے بچپن میں غلام بنا کر انہوں نے بیچ دیا تھا اور اب چالیس سال کا عرصہ گزارنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کی حیثیت سے ان کے سامنے تھے اور وہ سب بھائی سائل کی حیثیت سے ان سے غلہ لینے کے لیے گئے تھے اور شرط کے مطابق اپنے چھوٹے بھائی کو بھی ساتھ لے کے گئے تھے تو حضرت یوسف اپنے چھوٹے بھائی کو جو ان کا حقیقی بھائی تھا اس کو اپنے پاس ٹھہرالیا اور باقیوں کو الگ ٹھہرایا اور صورت اس کی یہ بنائی کہ تمام بھائیوں کے قیام کے لیے انتظام کیا کہ دو دو کو ایک ایک کمرہ میں ٹھہرا دیا اور آخر میں چھوٹا بھائی بچ گیا تو اس کو کہا تو میرے ساتھ ٹھہر جا اور پھر جب تنہائی میں اپنے بھائی کے پاس گئے تو آپ اپنے چھوٹے بھائی کو ساری بات بتادی کہ میں تیرا بھائی ہوں جو بچپن میں تم سے گم ہو گیا تھا اب تم کوئی فکر نہ کرو اور جو کچھ انہوں نے کیا اس پر غم نہ کرو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائی کو اپنے پاس روکنے کا حیلہ:

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بھائی کے سامنے سارا کچھ واضح کر دیا تو اب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے پاس اپنے بھائی کو روکنا چاہتے تھے اس کے لیے انہوں نے ایک تدبیر اختیار کی کہ جب سارے بھائیوں کو غلہ دے دیا گیا تو ہر ایک کے نام بنام ان کے اونٹوں پر لاد دیا گیا اور اپنے بھائی کے غلہ میں ایک برتن چھپا دیا جس کو ایک جگہ لفظ "سقایہ" کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ ان کے پینے کا پیالہ تھا اور اس کے لیے ایک جگہ "صواع الملك" کا لفظ آئے ہیں کہ وہ بادشاہ کا کوئی خاص پیمانہ تھا جس سے وہ غلہ ماپ کر دیتا تھا، دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے ایسا بھی ہو سکتا ہے دونوں کاموں کے لیے استعمال ہوتا ہو اور ایسے بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے اس کو پیالے کے طور پر پینے کے لیے استعمال کرتے ہوں اور بعد میں پیمانہ کے طور پر استعمال کرنے لگ گئے ہوں بہر حال اتنی بات یقینی ہے کہ بہت ہی قیمتی برتن تھا جس کے متعلق بعض کا خیال ہے کہ وہ سونے کا تھا، بعض کہتے ہیں وہ چاندی کا تھا تو وہ برتن اپنے چھوٹے بھائی کے سامان میں چھپا دیا۔

اور پھر وہ قافلہ جب وہاں سے چل پڑا اور کچھ دور نکل گیا تو اب ایک منادی کرنے والے نے نداء لگائی کہ اے قافلے والو! تم چور ہو، یہ نداء فوراً نہیں لگائی کچھ دیر بعد لگائی تا کہ جعل سازی کا شبہ نہ ہو، بہر حال ان کو چور کہہ کر پکارا تو برادران یوسف نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا تم جو ہمیں چور کہتے ہو پہلے یہ بتاؤ کہ تمہاری کیا چیز گم ہوئی ہے، کونسی چیز ہے جو تم گم پاتے ہو تو ان نداء لگانے والوں نے کہا کہ ہم بادشاہ کا پیمانہ گم پاتے ہیں اور جو شخص بغیر تلاشی کے پہلے ہی واپس کر دے گا ہم اس کو اونٹ کا بوجھ دیں گے یعنی اتنی مقدار غلہ اس کو اضافی دیا جائے گا اور نداء لگانے والے نے کہا کہ میں اس کا ضامن ہوں یعنی اس کی ضمانت دیتا ہوں میں اس کو یہ غلہ لے کر دوں گا۔

تو برادران یوسف نے کہا تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم یہاں فساد کرنے کے لیے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں تو شاہی ملازمین نے کہا کہ اگر تم سے چوری کا سامان نکل آیا تو بتاؤ چوری کی کیا سزا ہے تو وہ کہنے لگے جس کے سامان سے چوری شدہ چیز نکلے تو وہی اس کی سزا ہے، اس کو گرفتار کر لینا۔ ہم چور کو یہی سزا دیتے ہیں یعنی جس کے پاس چوری شدہ چیز ملتی ہے تو مالک اس کو غلام بنا کر رکھ لیتا ہے ہمارے ہاں چوری کی یہی سزا ہے تو ہم میں سے کوئی چوری شدہ چیز مل گئی تو ہم اس کو تمہارے سپرد کر دیں گے اس طرح شاہی ملازمین نے ان کو اس طرح اس بات پر پکا کر لیا۔

پھر اس نے ان کے سامان کی تلاشی لینے کا فیصلہ کر لیا کہ اور یہاں بھی صورت ایسی بنائی کہ ان بھائیوں کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو اور تلاشی لینے کے لیے پہلے دوسرے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی اور تلاشی لیتے لیتے آخر میں جا کے چھوٹے بھائی کے سامان سے پیالہ کو نکال لیا اور سب کو دکھا کر کہنے لگے کہ یہ دیکھو! اس نے چوری کی ہے اس کے سامان سے یہ نکلا ہے لہٰذا وعدے کے مطابق اس کو ہمارے سپرد کر دو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اپنے بھائی کو روکنے کے لیے یہ تدبیر ہم نے یوسف علیہ السلام کو سکھائی تھی ورنہ مصر کے قانون کے مطابق چوری کی سزا یہ تھی کہ مار پیٹ کر مال مسروقہ سے دوگنی قیمت وصول کر کے اس کو چھوڑ دیا جائے جب کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں چوری کی سزا یہ تھی کہ جو اوپر مذکور ہوئی اس لیے ان کی زبان سے کہلوا کر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھنے کا فیصلہ کر لیا اور ان کا یہ روکنا صحیح ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں جیسے اس واقعہ میں بھائیوں کے مقابلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے درجات بلند کیے اور ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے یعنی

مخلوق میں ہر علم سے بڑا کوئی نہ کوئی علم والا ضرور ہوتا ہے اور اگر مخلوق میں کوئی سب سے بڑا عالم ہو تو بھی یہ بات درست ہے کہ اس کے اوپر پھر اللہ رب العزت کی ذات ہے جس کا علم سب سے بالاتر ہے اس کے اوپر کوئی نہیں ہے

ایک اہم سوال اور اس کا جواب:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے حضرت یوسف علیہ السلام اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے پاس روکنے کے لیے ایسا حیلہ اختیار کیوں کیا جب کہ حضرت یوسف یہ جانتے تھے کہ اول تو والدان کی جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کر پائے اور رو رو کے بینائی بھی کھو چکے ہیں اور پھر اس کو روکنے کے ساتھ اس کو دہرا صدمہ اٹھانا پڑے گا، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کو اتنی اذیت دینا کیسے برداشت کر لیا؟ اور ساتھ یہ بھی سوال ہے کہ پھر اپنے بھائی کو روکنے کے لیے خفیہ تدبیر کی اور پھر علی الاعلان سب پر چوری کا الزام لگایا اور ایک کو چور ثابت بھی کیا جس سے ان کی رسوائی ہوئی یہ سب کام ناجائز ہیں تو پھر یوسف علیہ السلام نے یہ سب کام کیسے برداشت کر لیے؟

مفسرین نے اس عقدہ کو مختلف توجیہات کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کی ہے بعض حضرات کا بیان ہے کہ جب بنیامین نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچان لیا اور وہ مطمئن ہو گئے تو انہوں نے خود درخواست کی کہ مجھے اپنے بھائیوں کے ساتھ واپس نہ بھیجنا اور اپنے پاس ہی رکھ لینا تو یوسف علیہ السلام نے یہی عذر کیا کہ ایک تو تمہارے روک لینے کی وجہ سے والد پریشان ہوں گے اور دوسرا اس کے بغیر کوئی صورت نہیں ہے کہ چوری کا الزام لگا کر تمہیں اپنے پاس رکھ لوں تو بنیامین نے اس کو بخوشی قبول کر لیا یہ سارا واقعہ بنیامین کی رضامندی کے ساتھ پیش آیا تھا لیکن اس پر پھر بھی وہی سوال باقی رہتا ہے کیونکہ اکیلے بنیامین کے راضی ہو جانے سے والد کی دل آزاری، بھائیوں کی رسوائی اور ان پر چوری کا الزام کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

اس لیے سب سے بہترین توجیہ وہی ہے جو اس طرح بیان کی گئی ہے کہ یہ سارا کام بنیامین کی خواہش سے ہوا اور نہ یوسف علیہ السلام کی اپنی تجویز تھی بلکہ یہ سب اللہ کے حکم اور اس کی مشیت کے تحت ہوا جس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے امتحان کی تکمیل مقصود تھی اور اس کی طرف خود "کذالك کدنا لیوسف" کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں کہ یہ تدبیر یوسف علیہ السلام کو ہم نے سکھائی تھی، جب یہ کام اللہ کی مشیت کے تحت ہو رہا تھا تو اس میں جائز ناجائز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعہ میں کشتی کا توڑنا، لڑکے کو قتل کرنا بظاہر گناہ کے

کام تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی ظاہر کیفیت کو دیکھ کران پر انکار کر رہے تھے لیکن حضرت خضر علیہ السلام اللہ کی مشیت کے تحت خاص مصلحت کے پیش نظر یہ سارے کام کر رہے تھے اس لیے اس کا ان پر کوئی گناہ نہ تھا ایسے ہی یہاں ہے۔

برادران یوسف کا حضرت یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام:

جب بھائیوں نے دیکھا کہ بادشاہ کا چوری کیا ہوا پیالہ اس کے چھوٹے بھائی کے سامان سے نکل آیا ہے اور انہوں نے جان لیا کہ اب تو چوری ثابت ہو چکی ہے اور اس کو اس کی سزا کے طور پر یہاں چھوڑنا پڑے گا اور یہ ہمارے لیے بڑی ندامت اور شرمندگی کی بات ہے تو انہوں نے جھنجھلا کر غصے میں کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی گویا کہ یہ بتانا چاہ رہے تھے کہ یہ ہمارا حقیقی بھائی نہیں ہے، یہ ہمارا علاتی بھائی ہے اس کا حقیقی بھائی تھا اس نے اس سے پہلے چوری کی تھی اور آج یہاں یہ بھی چوری کر رہا ہے تو اس طرح انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام لگا دیا اور یہ کہنے کی نوبت اس لیے آئی کہ بچپن میں حضرت یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام لگا تھا اور بالکل اسی نوعیت کا تھا جس نوعیت کی چوری کا الزام آج آپ کے بھائی کے اوپر لگ رہا تھا، وہ الزام حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس روکنے کے لیے تھا اور یہ الزام اپنے بھائی کو روکنے کے لیے تھا۔

واقعہ اس کا کچھ اس طرح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو ان کے تھوڑے عرصے کے بعد ہی بنیامین ہی پیدا ہوئے لیکن بنیامین کی ولادت ہی ان کی والدہ کی وفات کا سبب بن گئی تو بچپن ہی سے اپنی پھوپھی کی گود میں پرورش پانے لگے، حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے کچھ ایسے کمالات اور شان عطاء کی تھی جو بھی آپ کو دیکھتا تو آپ سے بے حد محبت کرنے لگ جاتا پھوپھی کا بھی یہی حال تھا وہ تھوڑی دیر کے لیے بھی آپ کو اپنی آنکھوں سے دور رکھنے کے لیے تیار نہیں تھی لیکن دوسری طرف آپ کے والد بھی آپ کی محبت سے مجبور تھے وہ چاہتے تھے کہ آپ میرے پاس رہیں اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام جب چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو ان کے والد کا ارادہ ہوا کہ ان کو اپنے پاس ہی رکھیں اور ان کی پھوپھی سے مطالبہ کیا کہ اب یہ میرا بیٹا مجھے واپس کر دے، پہلے تو پھوپھی نے عذر کیا لیکن جب اصرار کیا تو واپس کر دیا لیکن ساتھ ایک چال چلی کہ جس سے حضرت یوسف علیہ السلام اس کو واپس مل جائیں۔

اس نے ایسا کیا کہ اس کے پاس ایک پٹکا تھا جو اس کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف سے ملا تھا اور وہ بہت ہی قیمتی سمجھا جاتا تھا اس نے وہ کپڑا حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کے نیچے ان کی کمر کے ساتھ باندھ دیا اور ان کو والد کے پاس بھیج دیا پھر کچھ دیر کے بعد شور مچا دیا کہ میرا وہ کپڑا گم ہو گیا ہے، تلاش کیا گیا تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے برآمد ہوا جس کی بناء پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے قانون کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کی ملکیت میں دے دیا گیا اور جب تک وہ زندہ رہیں تو وہ ان کے پاس رہے بعد میں لوگوں پر یہ بات کھل گئی اور اچھی طرح واضح ہو گئی کہ یوسف علیہ السلام نے چوری نہیں کی تھی تو اس موقع پر اس پرانی بات کو یاد کر کے حضرت یوسف علیہ السلام پر بھی چوری کا الزام لگا دیا کہ اب اگر اس نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی اور وہ اس کی سزا کاٹ چکا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی یہ بات سنی تو اس کو اپنے دل میں چھپا لیا اور ان کے سامنے کوئی بات ظاہر نہیں کی اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ تم ہی درجہ میں برے ہو کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنے بھائی پر چوری کا الزام لگا رہے ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کہہ رہے ہو کہ وہ صحیح ہے یا غلط، پہلا جملہ تو دل میں کہا اور دوسرے میں احتمال ہے کہ ظاہراً کہا تھا یا دل میں کہا تھا۔

برادران یوسف کی درخواست اور حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب:

جب ان بھائیوں نے جان لیا کہ اب تو چھوٹے بھائی پر چوری کا الزام سچ ثابت ہو چکا ہے اور چھوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کہنے لگے اے عزیز! ہمارا والد تو بہت بوڑھا ہو چکا ہے اور وہ سب سے زیادہ اسی سے محبت کرتا ہے اگر یہ نہ گیا تو وہ بہت زیادہ پریشان ہوگا ایسا کر تو ہم میں سے کسی کو اپنے پاس رکھ لے اور اس کو چھوڑ دے بے شک ہم تجھے محسنین میں سے دیکھتے ہیں۔

فَلَمَّا اسْتَیْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا ؕ قَالَ كَبِیْرُهُمْ

پھر جب ناامید ہوگئے تو اس سے تنہا ہوگئے مشورہ کرنے کیلئے کہا ان کے بڑے نے

اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَیْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ

کیا تم جانتے نہیں تمہارے باپ نے لیا ہے تم سے اللہ کا عہد اور اس سے

قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِیْ یُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى یَاْذَنَ لِیْۤ

پہلے تم قصور کرچکے ہو یوسف کے بارے میں پس میں ہرگز نہیں چھوڑوں گا اس ملک کو حتی کہ اجازت دے مجھے

اَبِیْۤ اَوْ یَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْكُمْ

میرا باپ یا فیصلہ کردے اللہ میرے لیے اور وہی بہترین فیصلہ کرنیوالا ہے ﴿۸۰﴾ تم لوٹ جاؤ اپنے باپ کے پاس

فَقُوْلُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَ مَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَ مَا

اور کہو اے ہمارے ابا جان! بیشک تیرے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہم نہیں کہتے مگر وہی بات جو ہم جانتے ہیں اور

كُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ سْـَٔلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا وَ الْعِیْرَ

ہم غیب پر نگہبان نہیں ہے ﴿۸۱﴾ تو پوچھ لے اس بستی سے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ میں

الَّتِیْۤ اَقْبَلْنَا فِیْهَا ؕ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

جس میں ہم آئے ہیں اور بے شک ہم سچے ہیں ﴿۸۲﴾ یعقوب نے کہا بلکہ بنالی ہے تمہارے لیے

اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ

تمہارے دل نے ایک بات اب صبر ہی بہتر ہے قریب ہے کہ اللہ لے آئے ان

جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۸۳﴾ وَ تَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰۤاَسَفٰى

سب کو اکٹھا کرکے بیشک وہی جاننے والا ہے اور حکمت والا ہے ﴿۸۳﴾ اور اس نے پیٹھ پھیری ان سے اور کہا ہائے افسوس!

عَلٰى یُوْسُفَ وَ ابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ ﴿۸۴﴾

یوسف پر اور سفید ہوگئیں اس کی آنکھیں غم سے پس وہ غم میں گھٹ رہا تھا ﴿۸۴﴾

قَالُوۡا تَاللّٰهِ تَفۡتَؤُا تَذۡكُرُ يُوۡسُفَ حَتّٰى تَكُوۡنَ حَرَضًا اَوۡ

انہوں نے کہا اللہ کی قسم نہیں چھوڑے گا یوسف کی یاد کو حتی کہ تو گھل جائے یا

تَكُوۡنَ مِنَ الۡهٰلِكِيۡنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشۡكُوۡا بَثِّىۡ وَ حُزۡنِىۡۤ

تو ہو جائے ہلاک ہونے والوں میں سے ﴿۸۵﴾ یعقوب نے کہا میں بیان کرتا ہوں اپنی بے چینی اور غم

اِلَى اللّٰهِ وَاَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِىَّ اذۡهَبُوۡا فَتَحَسَّسُوۡا

اللہ کی طرف اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے وہ چیز جو تم نہیں جانتے ﴿۸۶﴾ اے میرے بیٹو! جاؤ اور تلاش کرو

مِنۡ يُّوۡسُفَ وَاَخِيۡهِ وَلَا تَايۡـئَسُوۡا مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ‌ؕ اِنَّهٗ لَا يَايۡـئَسُ

یوسف کو اور اس کے بھائی کو اور نا اُمید مت ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے بے شک نہیں نا اُمید ہوتے

مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۸۷﴾

اللہ کی رحمت سے مگر کافر لوگ ﴿۸۷﴾

تفسیر

برادران یوسف کا مشورہ:

جب وہ عزیز مصر یعنی حضرت یوسف علیہ السلام سے مایوس ہو گئے تو اب وہ علیحدہ ہو کر مشورہ کرنے لگے اور ان میں سے جو بڑا تھا وہ کہنے لگا، معلوم ہوتا ہے یہ وہی بڑا تھا جس نے وہاں بھی مشورہ دیا تھا قتل نہ کرو اگر تم نے اس کو باپ کی آنکھوں سے دور کرنا ہی ہے تو کسی کنویں میں ڈال دو اور یہاں بھی بولنے والا وہی ہے کبیر سے یہاں علم و فضل اور عقل کے اعتبار سے بڑا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر عمر کے لحاظ سے بڑے کا ذکر ہوتا تو اکبرھم'' کا لفظ آنا چاہیے تھا، علم و فضل و عقل کے اعتبار سے جو بڑا تھا اس نے کہا دیکھو! پہلے یوسف کے بارے میں جو تم نے کوتاہی کی ہے وہ بھی تمہیں معلوم ہے، اب یہ دوسرا واقعہ ہے اور آتے ہوئے ہمارے ابا نے ہم سے پختہ عہد لیا تھا کہ اگر سارے ہی گھیر لیے جاؤ تو علیحدہ بات ہے ورنہ میرے بیٹے کو لے کے آنا، اب ہم ابا جان کو کیا منہ دکھائیں گے اس لیے اب یوں کرو میں تو یہاں ہی رہتا ہوں، میں تو جاتا نہیں ہوں، تم چلے جاؤ اور ابا سے جا

کے صحیح واقعہ بیان کر دینا اور اسے کہہ دینا کہ تیرے بیٹے نے چوری کی ہے اور ہم نے جو کہا تھا کہ ہم اس کی حفاظت کریں گے یہ ظاہری حالات کے تحت تھا اور غیب کے متعلق ہمیں کیا پتہ تھا اس لیے جو ظاہری حالات تھے اس کے مطابق ہم نے آپ کے سامنے شہادت دے دی تھی کہ ہم اس کی حفاظت کریں گے اور غیب کا معاملہ ہمارے علم میں نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے اور کیا نہیں، یہ بات جا کے اپنے ابا کے سامنے بیان کرو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو اطلاع ملنے پر ان کا ردعمل:

چنانچہ پھر وہ اس طرح قافلے کے ساتھ گئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کنعان سے اور لوگ بھی غلہ لینے کے لیے آئے ہوئے تھے، جب وہاں پہنچے تو انہوں نے وہاں جا کے سارا واقعہ بیان کیا کہ تیرے بیٹے نے چوری کی ہے جس کی وجہ سے وہ پکڑا گیا ہے اور دوسرا بھائی شرم کے مارے وہاں رہ گیا ہے کہ میں یہاں رہ کے کوئی تدبیر کروں گا کہ کسی طرح یہ چھوٹ جائے اور پھر میں اس کو لے کے آؤں گا ورنہ اگر باپ بلائے گا تو میں آؤں گا اگر وہ نہیں بلائے گا تو میں بھی نہیں آؤں گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب یہ بات سنی تو فوراً کہا کہ میرے بیٹے نے چوری نہیں کی، یہ بھی تم نے کوئی بات بنالی ہے، اب آپ کو یاد ہوگا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس وقت بھی یہی لفظ کہے تھے جب انہوں نے بھیڑیے کا ذکر کیا تھا وہاں تو یہ بات واقعہ کے مطابق تھی اور یہاں ظاہری طور پر واقعہ کے مطابق نہیں تھی کیونکہ یہاں بیٹے سچے ہیں، انہوں نے کہا شہر والوں سے جا کے تحقیق کرلو، جس قافلہ میں ہم آئے ہیں اس قافلہ والوں سے پوچھ لو، یہ واقعہ سب کو معلوم ہے، ہم بالکل سچے ہیں اس میں کسی قسم کا جھوٹ نہیں ہے اور اپنے خیال کے مطابق یہ سچے ہی تھے لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی بدکرداری کی بناء پر ان کی بات کو تسلیم نہیں کیا، اور یہ بات یاد رکھیے کہ نبی جب کوئی اجتہاد کرتا ہے تو کبھی وہ خلاف واقعہ بھی ہو جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نبی کو اس پر برقرار نہیں رکھا کرتا بلکہ حقیقت نمایاں کر دی جاتی ہے اور یہاں بھی اس طرح حقیقت نمایاں ہوگئی اور پتہ چل گیا کہ ان کا قصور نہیں تھا جو کچھ ہوا اللہ کی طرف سے ہوا تھا اور اگر حقیقت کو دیکھا جائے تو یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ ذوق کے ساتھ سمجھ گئے کہ ہے بیٹوں کی سازش اور واقعہ بھی یہی تھا کہ بیٹوں کا عمل دخل تھا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی تو بیٹے ہی تھے اگرچہ پوری تفصیل کے ساتھ تعیین نہیں کر سکے کہ یہ کس کی طرف سے ہوئی ہے لیکن تھی بیٹوں کی بنائی ہوئی بات۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹوں کو نصیحت:

جب یہ واقعہ ہوا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے ذکر کیا گیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کا پرانا صدمہ بھی تازہ ہو گیا اور مجلس سے اٹھ کے ایک طرف کونے میں چلے گئے اور دکھ کا اظہار کیا کہ اے افسوس یوسف پر، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس صدمہ کے ساتھ وہ جو روتے رہے تو رونے کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں تھیں، بینائی ختم ہو گئی تھی کیونکہ زیادہ رونے کے ساتھ آنکھوں کی سیاہی ختم ہو جاتی ہے اور سیاہی ختم ہوتی ہے تو بینائی ختم ہو جاتی ہے اسی لیے آنکھیں سفید ہونا بینائی ختم ہونے سے ہی کنایہ ہوتا ہے۔

پھر انہوں نے اپنے باپ کو کہا یہ بیٹوں کی ایک قسم کی ملامت ہے جو انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس عمل پر کی کہ آپ تو رو رو کے یا تو بالکل ہی مر جائیں گے یا مرنے کے قریب ہو جائیں گے یوسف علیہ السلام کی یاد دل سے جاتی نہیں ہے، یہ ان کی بات ایک قسم کی ملامت ہے کہ جس میں ایک غصہ کا اظہار بھی ہے کیونکہ یوسف علیہ السلام کو دور کرنے مقصد تھا کہ ان کی توجہ ہماری طرف ہو جائے اور یوسف علیہ السلام کو یہ بھول جائیں لیکن حال یہ ہے کہ جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے ویسے ویسے یوسف علیہ السلام کی محبت بڑھتی جارہی ہے اور یہ ہر وقت یوسف علیہ السلام کو ہی یاد کرتے رہتے ہیں تو ایک قسم کی ناراضگی کا اظہار بھی ہے کہ آپ تو ہمیشہ اس کو یاد ہی کرتے رہیں گے حتیٰ کہ یا تو بالکل ہی ہلاک ہو جائیں گے یا ہلاک ہو جانے کے قریب ہو جائیں گے تو یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ بیٹو! میں تو اپنی پریشانی کا اظہار صرف اللہ کے سامنے کرتا ہوں اور مجھے جو باتیں معلوم ہیں وہ تم نہیں جانتے، یعقوب علیہ السلام کہنے لگے میں سمجھتا ہوں کہ یہ اللہ کی طرف سے امتحان ہے اور امتحان کی ایک حد ہوتی ہے کہ پہلے ایک بیٹا جدا ہوا اور پھر دوسرا بیٹا جدا ہوا اور تیسرا بھی وہاں رہ گیا اب مجھے معلوم ہے کہ اب اس امتحان کا اختتام ہونے والا ہے، اب یہ اپنی انتہاء کو پہنچ گیا اور جب انتہاء کو پہنچ گیا ہے تو اللہ کی رحمت ہو گی، یہ امتحان ختم ہو گا تو میرے سارے بیٹے میرے سامنے آجائیں گے میرے بیٹے محفوظ ہیں، کہیں گئے نہیں ہیں۔

اس کو آپ اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ گرمیوں کے موسم میں یا برسات کے موسم میں حبس ہو جاتی ہے، سانس لینے کے لیے بھی دقت پیش آتی ہے ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ہوا ہی ختم ہو گئی، تو گھٹن جب اپنی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے لوگ کہا کرتے ہیں کہ اب یا بارش آئے گی یا آندھی آئے گی اور ہوتا بھی ایسے ہی ہے تو اس طرح یعقوب بھی سمجھ گئے

تھے کہ کہ میرے اوپر بھی جو گھٹن طاری کی گئی ہے وہ اب انتہاء کو پہنچ گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے آزمانے کی ایک حد ہوتی ہے، اب اس کے بعد حالات بدلیں گے اور رحمت کی گھٹا آئے گی، میرے بیٹے واپس آئیں گے اور میرا امتحان اختتام کو پہنچ جائے گا حضرت یعقوب علیہ السلام اس قسم کی باتیں سمجھ رہے تھے کہ اور اس کی بنیاد حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب تھا جس سے وہ سمجھ رہے تھے کہ جب ان کو برتری حاصل ہوگی ان کی شان نمایاں ہوگی تو گیارہ کے گیارہ بھائی موجود ہونے چاہئیں اور میں بھی موجود ہوں گا اور میری بیوی بھی موجود ہوگی اس لیے وہ اعتماد کیے ہوئے تھے کہ ایک مرتبہ تو سارے کے سارے اکٹھے ہوں گے۔

اس لیے اپنے بیٹوں کو تلقین کرتے ہیں کہ بیٹو! جاؤ! اور اپنے بھائیوں کو تلاش کرو مایوس نہ ہوو، مایوس ہونا کافروں کا کام ہے، اللہ کی رحمت پہ اعتماد رکھتے ہوئے جاؤ اور جا کے یوسف علیہ السلام کو بھی تلاش کرو اس کے بھائی کو بھی تلاش کرو تیسرے کا نام نہیں لیا کیونکہ وہ تو اپنے کام سے رکا ہوا تھا اور رکا بھی بنیامین کی خاطر تھا، جب بنیامین چھوٹ جائے گا تو وہ خود بخود آجائے گا، باقی یوسف علیہ السلام کو بھی تلاش کرو، وہ کہیں نہیں ہلاک ہوئے، اللہ کی رحمت سے تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوو تو باپ نے جب یہ تاکید کی تو اب یہ مصر کی طرف تیسرا سفر کریں گے جس میں یوسف علیہ السلام بھی مل جائے گا، بنیامین بھی چھوٹ جائے گا اور سب کی ایک دوسرے سے ملاقات ہو جائے گی آگے یہ مضمون آرہا ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا

پھر داخل ہوئے وہ یوسف پر تو وہ کہنے لگے اے عزیز! پہنچا ہے ہمیں

وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ

اور ہمارے گھر والوں کو نقصان اور لائے ہیں ہم گھٹیا پونجی پس تو پورا کر کیل کو ہمارے لیے

وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿٨٨﴾ قَالَ هَلْ

اور ہم پر صدقہ کر بے شک اللہ تعالیٰ بدلہ دیتا ہے صدقہ کرنے والوں کو ﴿۸۸﴾ یوسف نے کہا کیا

عَلِمْتُم مَّا فَعَلْتُم بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنتُمْ جَاهِلُونَ ﴿٨٩﴾

تمہیں معلوم ہے کہ جو کچھ تم نے کیا تھا یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جبکہ تم نادان تھے ﴿۸۹﴾

قَالُوا أَإِنَّكَ لَأَنتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَٰذَا أَخِي ۖ قَدْ

وہ کہنے لگے کیا تو ہی البتہ یوسف ہے یوسف نے کہا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا حقیقی بھائی ہے تحقیق

مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ

اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے، بے شک بات یہ ہے کہ جو شخص بھی تقویٰ اور صبر اختیار کرے تو بیشک اللہ ضائع نہیں کرتا اجر

الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا

محسنین کا ﴿۹۰﴾ وہ کہنے لگے خدا کی قسم ترجیح دی تجھے اللہ نے ہم پر اور بے شک ہم

لَخَاطِئِينَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ

البتہ خطا وار تھے ﴿۹۱﴾ یوسف نے کہا کہ آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے اور وہ

أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٩٢﴾ اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ

تمام رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ﴿۹۲﴾ لے جاؤ تم میری اس قمیض کو پھر ڈال دو اس کو میرے باپ کے چہرے پہ

أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا ۚ وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ

آئے گا وہ دیکھتا ہوا اور لے آؤ میرے پاس تم اپنے تمام اہل و عیال کو ﴿۹۳﴾ اور جب جدا ہوا

الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

قافلہ مصر سے تو کہا ان کے باپ نے کہ میں البتہ محسوس کرتا ہوں یوسف کی خوشبو کو اگر تم مجھے سٹھیا ہوا خیال نہ کرو ﴿۹۴﴾

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ

وہ کہنے لگے اللہ کی قسم! بیشک تو اپنی پرانی غلطی میں پڑا ہوا ہے ﴿۹۵﴾ پس جب خوشخبری دینے والا آ گیا

اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّیْۤ

تو ڈال دیا اس نے اس قمیض کو اس کے چہرے پر پس وہ لوٹ کے دیکھنے والا ہو گیا کہا یعقوب نے کہ میں نے تمہیں کہا نہیں تھا؟ کہ میں

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ

اللہ کی طرف سے وہ چیز جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ﴿۹۶﴾ وہ کہنے لگے اے ہمارے ابا! ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی معافی مانگ

اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ

بیشک ہم خطا وار تھے ﴿۹۷﴾ یعقوب نے کہا میں عنقریب استغفار کروں گا تمہارے لیے اپنے رب سے بیشک وہ بخشنے والا ہے

الرَّحِیْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَقَالَ

رحم کرنے والا ہے ﴿۹۸﴾ پھر جب یہ داخل ہوئے یوسف پر تو ٹھکانہ دیا یوسف نے اپنی طرف اپنے والدین کو اور کہا

ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ؕ وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى

تم داخل ہو جاؤ مصر میں ان شاء اللہ امن کے ساتھ ﴿۹۹﴾ اور اٹھایا اپنے والدین کو اپنے

الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ

تخت پر اور سارے کے سارے گر پڑے اس حال میں کہ وہ سجدہ کرنے والے تھے کہا یوسف نے اے میرے ابا! یہی مطلب ہے میرے خواب کا جو میں نے دیکھا تھا

مِنْ قَبْلُ ؗ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ

اس سے قبل بیشک میرے اس خواب کو اللہ نے سچا کر دیا اور اس نے مجھ پہ احسان کیا جبکہ مجھے نکالا

مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ

جیل سے اور تمہیں لے آیا دیہات سے بعد اس کے کہ پھوٹ ڈال دی تھی شیطان نے

بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ

میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان بیشک میرا رب باریک تدبیر کرنیوالا ہے اس کام کیلئے جو وہ چاہتا ہے وہ جاننے والا ہے

الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ

حکمت والا ہے ﴿۱۰۰﴾ اے میرے رب تحقیق تو نے مجھے سلطنت دی اور تو نے سکھایا مجھے ٹھکانہ لگانا

الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ

باتوں کو، اے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے تو ہی میرا کار ساز ہے دنیا میں اور

الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

آخرت میں، مجھے وفات دے مسلمان ہونے کی حالت میں اور مجھے ملا دے صالحین کے ساتھ ﴿۱۰۱﴾

تفسیر

ماقبل سے ربط:

حضرت یوسف علیہ السلام کے نو بھائی واپس اپنے والد کے پاس آئے کیونکہ تین تو مصر میں رک گئے تھے ایک یوسف علیہ السلام اور دوسرے بنیامین اور تیسرا وہ بھائی جس نے کہا تھا کہ میں تو اس جگہ کو نہیں چھوڑوں گا جب تک میرا والد اجازت نہ دے دے یا اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر دیں تو یہ تین تو یہیں رک گئے اور باقی بھائی اپنے ابا کے پاس واپس گئے اور جا کے سارا واقعہ نقل کیا اس کا ذکر پچھلی آیات میں آپ کے سامنے ہوا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو چونکہ یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہیں اور ان کی عظمت نمایاں ہوگی اور اس وقت ہم سب موجود ہوں گے اس لیے انہوں نے پورے وثوق کے ساتھ کہا تھا کہ بیٹو! مایوس نہ ہو اور جا کے اپنے بھائی کو تلاش کرو، باپ کے کہنے اور غلہ کی ضرورت کی وجہ سے پھر مصر کی طرف سفر کیا جس کا ذکر ان آیات میں آرہا ہے اور یہ ان کا تیسرا سفر ہے۔

برادران یوسف کی حضرت یوسف علیہ السلام سے درخواست:

آپس میں انہوں نے سوچا یہ ہوگا بنیامین چونکہ مصر میں ہے اس لیے اسے تلاش کریں اور اس کی وجہ سے

دوسرا بھائی بھی آجائے گا اور ہو سکتا ہے کہ یوسف علیہ السلام بھی اس علاقہ میں ہو کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم نے ایسے قافلے کے ہاتھ بیچا ہے کہ جو مصر کی طرف جا رہا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کی بھی کوئی نشاندہی ہو جائے انہی خیالات کے تحت انہوں نے مصر کا سفر کیا، مشورہ یوں کیا ہوگا کہ پہلے عزیز مصر کے سامنے پیش ہونا چاہیے اور اس کے سامنے اپنی ضرورت اور حاجت کا ذکر کریں اگر ہم دیکھیں گے کہ اس کا دل کچھ نرم ہے ہمارے ساتھ نرمی سے پیش آرہا ہے تو پھر بھائی کو چھڑانے کی درخواست بھی کر دیں گے اس لیے پہلے سیدھے عزیز مصر کے پاس ہی جاؤ۔

اب وہ عزیز مصر کے پاس گئے اور جا کے اس کو اس کے عہدے کے مطابق خطاب کرتے ہیں ''یا ایھا العزیز! کیونکہ ان کا عہدہ وہی تھا جیسے پہلے آپ کے سامنے تفصیل آچکی ہے، اپنے احتیاج کا ذکر کیا کہ ہمیں بھی اور ہمارے گھر والوں کو بھی بہت تکلیف پہنچی ہے، قحط میں مبتلا ہیں تنگی میں مبتلا ہیں اور جو سرمایہ تھا وہ بھی سارا ختم ہو گیا ہے اب تو ہمارے پاس کوئی قیمتی چیز بھی نہیں ہے، گھٹیا سی پونجی ہے جس کو کوئی لینے کے لیے تیار نہیں ہے ہم اس کو لے کے آئے ہیں تو ہماری اس پونجی کی طرف نہ دیکھ تو بڑا محسن ہے اور تو بڑا نیکوکار ہے، ہم پر احسان کر، صدقہ اور خیرات کے طور پر ہی سہی ہمیں کیل پورا دیا کر یعنی ہماری اس پونجی کی طرف دیکھتے ہوئے ہمیں محروم نہ کر، ہماری اس پونجی کو قبول کر لے اور جس طرح پہلے پورا کیل دیتا تھا اسی طرح پورا کیل دے اور تو ہم پر صدقہ کر یعنی اس گھٹیا پونجی کو قبول کر کے مقابلہ میں غلہ پورا دے دینا یہ ایسے ہی ہے جیسے تیری طرف سے صدقہ خیرات ہے، اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو جزا دیتا ہے، جب تو ہمارے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گا جیسے برتاؤ صدقہ خیرات لینے والوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تجھے بدلہ دے گا۔

اب حضرت یوسف علیہ السلام سے نہ رہا گیا جب انہوں نے اپنے اہل وعیال کے احتیاج کی خبر سنی اور بھائیوں کو اتنا جھکا ہوا دیکھا تو سمجھ گئے کہ اب ان کے اعصاب ڈھیلے ہو گئے ہیں، یہ کتنے کروفر والے لوگ تھے لیکن حوادثات نے ان کو ڈھیلا کر دیا ہے، اب اس طرح کی گفتگو جس طرح کوئی عاجز یا مسکین گفتگو کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اذن ہو گیا ہوگا کہ اب اپنے آپ کو ظاہر کر دو اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لیے ان سے ایک سوال کیا کہ جس میں ان کو سارے واقعات کی طرف متوجہ بھی کر دیا لیکن ساتھ ساتھ ان کی طرف سے عذر کا پہلو بھی ذکر کر دیا، ان کو یاد دلایا کہ تمہیں پتہ ہے کہ تم یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کچھ کرتے

رہے ہو، تو گذشتہ تاریخ کی طرف ان کے ذہن کو متوجہ کر دیا لیکن ساتھ ساتھ عذر کا پہلو بھی ہے" اذانتم جاھلون" یہ تمہارا نادانی کا وقت تھا، اس وقت تم سمجھدار نہیں تھے، یہ عذر تو انہوں نے کرنا تھا کہ ہم سے یہ کام نادانی میں ہوئے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ عذر ان کی طرف سے خود ہی کر دیا کہ اس وقت تم نادان تھے تم سے یہ سارے کام نادانی میں ہوئے تھے تو جاہلون کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم اپنے جذبات سے مغلوب ہو گئے تھے اس وقت تم جو کچھ یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کے ساتھ کرتے رہے ہو وہ تمہیں معلوم ہے؟

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ سوال کیا تو سوال کرنے کے ساتھ ہی ان کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ یہ ہمارے گھر کا بھیدی کون ہے اس کو کیا تعلق یوسف علیہ السلام سے، اور اس طرح دوسرے قرائن بھی ذہن میں آ گئے کہ کہیں یہ باتیں کرنے والا وہی نہ ہو تو سوال کرنے کے ساتھ ہی ساری چیزیں دفعۃً ذہن میں آگئیں تو وہ پوچھتے ہیں کہ کیا تو ہی یوسف ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ جو میرے پاس بیٹھا ہے یہ میرا حقیقی بھائی ہے، اب یہ بات کہنے کے ساتھ ہی حضرت یوسف علیہ السلام نے اس بات کو ایک جملہ میں سمو دیا کہ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور ہم نے تقویٰ اختیار کیا اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو ہم نے صبر کیا، ہم سے کوئی اس قسم کا کام نہیں ہوا جو تقویٰ کے خلاف ہو، صبر کے خلاف ہو تو جو شخص بھی تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا، تو ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور صبر اختیار کرنے کی توفیق دی تھی، یہ دعویٰ کی صورت میں نہیں ہے بلکہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صبر اور تقویٰ اختیار کرنے کی توفیق دی ہے کہ ہم نے مشکلات کو برداشت کیا اور میرے ہاتھ سے کوئی کام ایسا نہیں ہوا جو تقویٰ کے منافی ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج اس تقویٰ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے عزت سے نوازا ہے، وسعت سے نوازا ہے مال و دولت سے نوازا ہے یہ ساری کی ساری نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اسی تقویٰ اور صبر کے نتیجہ میں عطاء فرمائی ہیں۔

اور اس واقعہ کو نقل کرنے سے قرآن کریم کا مقصد بھی یہی ہے کہ سرور کائنات ﷺ کو اور آپ کے تمام صحابہ کرام کو تقویٰ اور صبر سکھایا جائے تمام مشکلات کو حل کرنے کے لیے یہی ایک مجرب اور مفید نسخہ ہے، کتنی ہی مشکلات ان کی زندگی میں کیوں نہ آئیں لیکن تقویٰ اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے تو پھر نتیجہ ہمیشہ اچھا نکلتا ہے، سورت ہود میں جو واقعات کثرت سے نقل کیے گئے تھے ان واقعات کے آخر میں بھی تھا" واصبر فان الله لایضیع

اجر المحسنین" تو جیسے ان واقعات کونقل کرنے بعد صبر کی تلقین کی گئی تھی کہ صبر کیجیے کہ اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتے تو اس واقعہ کے اختتام پر بھی اس قسم کی بات آگئی کہ تقویٰ اور صبر اختیار کرنے والے آخر کار کامیاب ہوتے ہیں۔

اب بھائی کہنے لگے اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم پر ترجیح دی ہے، تو اسی لائق تھا اور ہم خطاء کار تھے اور غلطیاں ہم سے ہوئیں، یہ اپنی غلطی کا اعتراف ہے گویا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے معافی مانگنے والی بات ہے کیونکہ جب انسان کسی کے سامنے پیش ہو کے یہ کہے کہ میں غلطی پر ہوں اللہ تعالیٰ نے آپ پر بڑا فضل فرمایا ہے، میں غلطی پر تھا مجھ سے غلطی ہوئی تو یہ بھی اقرار جرم اور اعتراف جرم کے بعد معافی کی درخواست ہوتی ہے۔

تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ کوئی بات نہیں ہے، آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ میری طرف سے بھی معافی ہے کیونکہ اگر میں معاف نہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ سے معافی کا ذکر کیسے کروں گا؟ اللہ تعالیٰ تو تب ہی معاف کرے گا جب بندہ اپنے حقوق معاف کر دے گا، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میری طرف سے بھی معافی کا اعلان ہے، سزا دینا تو دور کی بات ہے "لاتثریب علیکم الیوم" آج تم پر کسی قسم کی کوئی ملامت بھی نہیں ہے، میں نے بھی تمہیں معاف کر دیا اور اللہ بھی تمہیں معاف کرے "وھوارحم الراحمین" اور وہ سب رحم کرنے والوں میں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور حضور ﷺ کے واقعہ میں مطابق:

سورۃ کے شروع میں سرور کائنات ﷺ کے حالات کے ساتھ مطابقت ذکر کرتے ہوئے میں نے کہا تھا کہ مکہ والوں نے چونکہ حضور ﷺ کو نکالا تھا اور پھر حضور ﷺ فاتحانہ طور پر مکہ معظمہ میں آئے اور یہی ظالم اور مشرک جب سارے کے سارے مجرمانہ حیثیت سے آپ کے سامنے کھڑے تھے تو اس وقت سرور کائنات ﷺ نے ان سب سے سوال کیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں تو انہوں نے کہا تھا کہ تو ایک شریف بھائی ہے اور شریف بھائی کا بیٹا ہے مطلب یہ ہے کہ ہم تجھ سے شفقت کے معاملہ کی ہی توقع رکھتے ہیں کہ تو ہم پر رحم کرے گا، نرمی کا معاملہ کرے گا تو آپ نے فرمایا کہ میں آپ سے وہی بات کرتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی "لا تثریب علیکم الیوم" تم پر کسی قسم کی ملامت نہیں ہے "اذھبوا فانتم الطلقاء" جاؤ تم سب آزاد ہو، کسی پر کسی

قسم کی گرفت نہیں ہے تو اس واقعہ کے ضمن میں سرورِ کائنات ﷺ اور صحابہ کرام کے انجام کی طرف جو اشارہ کیا گیا تھا عالم ظاہر کے اندر اس طرح پیش آیا کہ برادران یوسف کی طرح اہل مکہ نادم ہوئے اور سرورِ کائنات کے سامنے مجرمانہ حیثیت میں پیش ہوئے اور حضور ﷺ کی طرف سے بھی اس طرح سخاوت نفس کا معاملہ ہوا جس طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا لوٹنا:

اب جان پہچان ہوگئی، معافی ہوگئی ایک دوسرے کے سامنے خوشی کا اظہار کر رہے تھے اب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو تیار کر کے بھیجا کہ جاؤ اپنے اہل وعیال کو یہاں لے کے آؤ اور ان سے واقعات سن لیے ہوں گے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام روتے روتے نابینا ہو گئے ہیں تو اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ جاتے ہوئے میری قمیض لیتے جاؤ یہ جا کے میرے باپ کے چہرہ پہ ڈال دینا وہ دیکھنے والا ہو جائے گا، یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا معجزہ ہے اور قمیض کو اس لیے بھیجا ہو گا کہ پہلے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام کو جو صدمہ پہنچا تھا وہ تو قمیض کی شکل میں ہی تھا کہ خون آلود قمیض کو ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا جو ان کے لیے رونے کا باعث بنی تھی تو اب نشانی کے طور پر قمیض ہی بھیجی جا رہی ہے کہ جس کے ساتھ حضرت یعقوب کو خوشی ہوگی اور یہی قمیض ان کے لیے بینائی کے لوٹنے کا باعث بن جائے گی، تو اپنی قمیض دے دی اور کہا سب گھر والوں کو لے کے آؤ اور مصر میں منتقل ہو جاؤ تو یہاں اس سوال کا جواب بھی آ گیا جو ابتداء میں شان نزول کے طور پر ذکر کیا گیا تھا کہ بعض لوگوں نے یہود سے سیکھ کے سرورِ کائنات ﷺ سے سوال کیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد تو شام میں آباد ہوئی تھی اور قرآن کریم ذکر کرتا ہے کہ یہ مصر میں رہتے تھے اور فرعون ان پر ظلم کرتا تھا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو وہاں سے چھڑا کے لائے تو یہ پوری قوم مصر میں کیسے منتقل ہوگئی یہ ایک تاریخی سوال تھا تو سرورِ کائنات ﷺ پر یہ سورت اتری جس کے اندر یہ بتایا گیا کہ بنی اسرئیل کس طرح شام سے مصر میں منتقل ہوئے تھے، ان لفظوں میں اس کا جواب آ گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو وہاں عزت ملی اور وہاں بااختیار بنے تو انہوں نے سارے خاندان کو وہاں بلا لیا تو یہ سبب بنا بنی اسرئیل کے مصر میں منتقل ہونے کا۔

اب وہ بھائی جس وقت مصر سے چلتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض لے کر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

چونکہ ان واقعات کے اختتام کا موقع آ گیا تھا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا امتحان بھی ختم ہو رہا تھا تو وہیں سے ہی حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کی خوشبو محسوس کر لی جو بعض روایات کے مطابق اس جگہ سے تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر تھا، حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے گھر والوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم یہ نہ کہہ دو کہ اس بوڑھے کی عقل خراب ہوگئی ہے، یہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے تو میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں کہ مجھے تو آج حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہونے والی ہے، اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب اس امتحان کا اختتام تھا تو مصر سے خوشبو آ گئی اور جب اللہ تعالیٰ نے کسی امتحان کے اندر ڈالنا تھا تو کنعان کے کنویں میں پڑے رہے پتہ نہ چلا، تو گھر والوں کو بتا دیا کہ آج یوسف کی خوشبو آ رہی ہے لیکن گھر والے تو اس مقام پر نہیں تھے کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس طرح عظمت محسوس کرتے جس طرح ایک عارف آدمی محسوس کرتا ہے، وہ اسی خیال میں تھے کہ پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہوگا، کہاں نہیں، یہ ابا کو وہی پرانی غلطی لگی ہوئی ہے جس کی بناء پر کہتا ہے یوسف علیہ السلام زندہ ہے اور ملاقات ہوگئی، آج محبت نے کچھ زیادہ جوش مارا ہوگا تو خوشبو آنی شروع ہوگئی اس لیے کہا اللہ کی قسم! ہم تو تجھے پرانی گمراہی میں دیکھتے ہیں، یہاں گمراہی سے غلطی مراد ہے جو تمہیں لگی ہوئی ہے۔

لیکن پھر بشارت دینے والا آ گیا، اس بشارت دینے والوں میں آپ کے بیٹوں میں سے کوئی تھا جس کے ہاتھ میں قمیض تھی، اس نے سامنے آتے ہی کہا ہوگا کہ یوسف مل گئے ہیں اور ان کی قمیض ان کے چہرہ پر ڈال دی تو ان کی بینائی لوٹ آئی، تب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اہل و عیال کو متنبہ کر کے کہا میں تمہیں نہیں کہتا تھا؟ کہ مجھے اللہ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن کا تمہیں پتہ نہیں ہے وہ یہی باتیں تھیں کہ یوسف زندہ ہے اور ایک وقت آئے گا کہ اس کے خواب کا ظہور ہوگا اور اس کی عظمت نمایاں ہوگی جس کی وجہ سے اس کا سارا خاندان اس کی عظمت کو محسوس کرتے ہوئے اس کے سامنے جھکے گا۔

اب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادتی کی تھی اور انہوں نے ان سے معافی مانگی تو اس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام سے بھی تو زیادتی ہوئی تھی کہ بیٹے سے محروم کیا اور بیٹے کی جدائی میں اتنا تڑپایا اس لیے اپنے باپ کے سامنے بھی غلطی کا اقرار کر کے استغفار کی درخواست کرتے ہیں کہنے لگے اے ہمارے ابا! ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی معافی مانگو بے شک ہم خطاء کار تھے، یہاں بھی وہی بات ہے کہ اپنی خطاء کا اقرار کیا اور استغفار کی

درخواست کی جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ بھی اپنا حق معاف کردیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ بھی ہمارے گناہوں کو معاف کردے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کا جواب بھی ایسے ہی ہوا کہ میں تمہارے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا کہ جو تمہاری غلطیاں ہیں وہ معاف کردے "انه هوالغفور الرحيم" بے شک وہ بخشنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے، استغفار کرنے کا وعدہ کیا کہ کروں گا یعنی جب وقت آئے گا تو ضرور کروں گا جیسے سحر کے وقت کا انتظار تھا کہ صبح کے وقت میں دعا کروں گا یا تھوڑی سی تاخیر کی تا کہ پتہ چل جائے کہ یوسف نے اپنا حق معاف کردیا ہے یا نہیں، اس کے ساتھ بھی اپنے معاملہ کو انہوں نے صاف کیا ہے یا نہیں، اس تحقیق کے بعد میں تمہارے لیے استغفار کروں گا۔

تمام اہل وعیال کا مصر میں منتقل ہونا اور خواب کی تعبیر:

اب اسی پروگرام کے مطابق تمام گھر والے وہاں سے چلے اور مصر میں داخل ہو گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اطلاع ملی تو استقبال کے لیے گئے تو جب یہ لوگ یوسف پر داخل ہوئے تو یوسف نے اپنی طرف اپنے والدین کو ٹھکانہ دیا، عزت کے ساتھ بٹھایا اور کہا داخل ہو جاؤ مصر میں "ان شاء الله" امن کی حالت میں، یہاں کوئی کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے، اگر سرحد پہ استقبال کیا تھا پھر تو یہ لفظ ظاہر کے مطابق ہیں کہ تشریف لے آیئے اور امن کے ساتھ رہیے اور اگر گھر میں بٹھانے کے بعد یہ بات کہتے ہیں تو پھر یہ دوام کی طرف اشارہ ہے کہ اب مصر میں تمہارا داخلہ ہو گیا ہے اب تم مصر میں ہی رہو اور پورے طور پر امن وعافیت کے ساتھ رہو، تو جس تخت کے اوپر خود بیٹھے تھے اس پر اپنے والدین کو برابر بٹھایا تو ایسے ہوگا کہ جیسے دربار لگا کرتا ہے تو وہاں جو تخت بچھتا ہے ہوگا اس پر اپنے والدین کو بٹھا دیا پھر حضرت یوسف علیہ السلام تشریف لائے ہوں گے تو جیسے اس وقت شاہی دربار کی تعظیم کا دستور تھا کہ سارے خدام حضرت یوسف علیہ السلام کی تعظیم میں جھکے ہوں گے تو ان کی طرف دیکھ کر ان کے بھائی اور والدین بھی جھک گئے، باقاعدہ اس طرح سجدہ کیا ہو جس طرح ہم نماز میں کرتے ہیں یہ کوئی ضروری نہیں کہ اس کا مصداق تعظیماً جھکنا ہے، اگر سجدہ کی شکل میں ہو تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ہمارے تمام مفسرین لکھتے ہیں کہ سجدہ تعظیمی پہلی امتوں میں جائز تھا، ہماری شریعت میں یہ حرام ہو گیا ہے اب کسی کے سامنے جھکنے کی اجازت نہیں رکوع کی

حالت میں بھی جانے کی اجازت نہیں ہے سجدہ تو دور کی بات ہے۔

حضور ﷺ کے سامنے ایک مرتبہ تذکرہ ہوا دوسری جگہ میں لوگ اپنے بڑوں کی تعظیم اس طرح کرتے ہیں کہ جب سامنے آتے ہیں تو سجدہ کرتے ہیں آپ ہمیں بھی اجازت دیں کہ ہم آپ کے لیے سجدہ کیا کریں، آپ نے فرمایا کہ نہیں اگر اللہ کی علاوہ کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو میں بیوی کو کہتا کہ تو اپنے خاوند کو سجدہ کر، اللہ تعالیٰ نے خاوند کو جو بیوی پر عظمت دی ہے تو بیوی سے سجدہ کراتا، سجدہ صرف اللہ کی ذات کے لیے ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیمی کا فرق اٹھا دیا گیا ہے جس طرح سجدہ عبادت غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہے لیکن ان دونوں میں فقہی درجے کے اعتبار سے اب بھی فرق ہے اگر کوئی تعظیماً سجدہ کرے اور عبادت کی نیت نہ ہو تو یہ فعل حرام ہے شرک نہیں ہے اور اگر عبادت کی نیت سے سجدہ کرے گا تو شرک ہے تو ایک فعل حرام ہے اور ایک شرک ہے اس لیے ہر سجدہ کرنے والے کو فوراً مشرک نہیں کہا جا سکتا ہے بلکہ یہ کبیرہ گناہ ہے ہاں اگر اس کا نظریہ وہ ہو جائے جس قسم کا نظریہ الٰہ کے متعلق ہوتا ہے تو ایسے وقت میں ہم اس کو مشرک قرار دیں گے۔

تو جب یہ سارے کے سارے جھک گئے اور یا پھر یہ مطلب ہے کہ سجدہ شکر اللہ کے سامنے ادا کیا اور کیا یوسف علیہ السلام کی وجہ سے پھر یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو کرنا مراد ہے اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے یاد دلایا کہ ابا! میرے خواب کا یہی مطلب ہے جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو سچا ثابت کر دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی پیغمبرانہ شان:

اب وہ سارے اکٹھے ہو گئے تو آپ جانتے ہیں جب بہت دیر کے بعد ملاقات ہوئی ہو تو پھر گذشتہ واقعات کا تذکرہ ہو جاتا ہے، اب تذکرہ میں یہ بات بھی آنی چاہیے تھی کہ بھائیوں نے مجھ پر یہ زیادتی کی، مجھے کنویں میں پھینکا، یوں مجھے بیچا اور عزیز مصر کے گھر میرے ساتھ یہ بیتی اور پھر جیل میں ڈال دیا گیا وہاں میں نے اتنی تکلیفیں اٹھائیں، عام انسان کا طریقہ یہی ہے کہ وہ تکلیفات کو زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کرتا ہے، خود بھی روتا ہے اور دوسروں کو بھی رلاتا ہے ظلم وستم کی داستان سناتا ہے لیکن یہاں تو ذکر کرنے والے بھی اللہ کے نبی اور جن کو سنایا جا رہا ہے وہ بھی اللہ کے نبی تو عام تکلیفات کو پس پردہ ڈال دیا اور جس چیز کو ذکر کر رہے ہیں محض اللہ کے احسان کے طور

پر ذکر کر رہے ہیں، یہ نہیں ذکر کیا کہ مجھے جیل میں ڈالا گیا وہاں مصیبتیں ہوئیں، یہ ذکر کیا کہ اللہ نے مجھ پہ احسان کیا کہ مجھے جیل سے نجات دی، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ جیل میں کیا گزری اس کی کوئی تفصیل نہیں ہے تاکہ اس میں شک وشبہ کی کوئی صورت نہ پیدا ہو جائے ہاں البتہ احسان کر ذکر کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ جیل سے نجات دی اور دوسرے واقعات کو اس میں سمیٹ دیا کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان پھوٹ ڈال دی اس کے بعد پھر آپس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ملا دیا، یہ بھی اللہ کا احسان ہے" ان ربی لطیف لمایشاء" واقعی جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اس کے لیے تدبیر کر لیتا ہے " انه هو العليم الحكيم " بے شک وہ علم والا ہے اور حکمت والا ہے۔

دعاء یوسفی:

اب یہ سارے کے سارے حالات گزر گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں شکر ادا کرتے ہوئے اللہ کے سامنے دعا کرتے ہیں کہ اے میرے پروردگار تو نے مجھے سلطنت دی، یہ نعمت کا اقرار ہے، تحدیث بالنعمۃ " کے طور پر یہ بھی شکر کا ایک شعبہ ہے، اے میرے پروردگار تو نے مجھے سلطنت دی اور تو نے مجھے تاویل الاحادیث سکھائی، باتوں کو ٹھکانہ لگانا سکھایا، اے آسمان اور زمین کو پیدا کرنے والے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں، مجھے وفات دے مسلمان ہونے کی حالت میں یعنی جب بھی وفات دے مسلمان ہونے کی حالت میں دے، یہ نہیں کہ ابھی وفات مانگی جا رہی ہے اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے، میرا الحاق صالحین کے ساتھ کر دے، نیک بختوں میں بھی شامل کر دے۔

مابعد کا ماقبل سے ربط:

یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اختتام کو پہنچ گیا اور اس واقعہ سے جو نتیجہ اخذ ہوا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کسی کتاب میں پڑھا، نہ کسی سے سنا اور اس طرح مفصل واقعہ نقل کر دیا یہ آپ کی دلیل نبوت ہے اس کا ذکر اگلی آیات کے اندر آ رہا ہے۔

واقعہ یوسف کا تتمہ:

واقعہ کے تتمہ کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا کے بعد عام مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت

یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد کے ساتھ مصر میں منتقل ہو گئے اور پھر تقریباً ایک سو دس سال کی عمر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا انتقال وہیں مصر میں ہوا تو آپ نے وصیت فرمائی تھی مجھے میرے آباؤ اجداد کے پاس لے جا کے دفن کرنا یعنی شام کے علاقہ میں جہاں سے مصر میں آئے تھے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے انتظام کر کے ان کا جنازہ وہیں بھجوایا اور وہیں ان کو دفن کیا گیا اور اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا انتقال اسرئیلی روایات کے مطابق ایک سو بیس سال کی عمر میں ہوا اور انہوں نے بھی وصیت کر دی تھی کہ جب یہاں سے بنی اسرئیل مصر کو چھوڑ کے شام کی طرف جائیں تو میری لاش کو بھی ساتھ لے جانا چنانچہ ان کو کسی تابوت میں رکھ کے دفن کیا گیا تھا اور جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کے آئے تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی نکال لائے تھے اور ان کو بھی لا کے شام میں دفن کر دیا تھا۔

اور اس مقام پر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن میں اور قاضی ثناء اللہ نے تفسیر مظہری میں حضرت یوسف علیہ السلام کا زلیخا کے ساتھ نکاح کا تذکرہ کیا ہے اور اولاد کا ذکر بھی ہے دو لڑکے پیدا ہوئے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی اور یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے نکاح میں گئی افرائیم کی نسل سے یوشع بن نون پیدا ہوئے، یہ تذکرہ تفاسیر میں اس مقام پر موجود ہے اور تفسیر پہلے گذر چکی ہے۔

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ‌ۚ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ

یہ واقعہ غیب کی خبروں میں سے ہے ہم اس کو وحی کرتے ہیں آپ کی طرف اور آپ ان کے پاس نہیں تھے

اِذۡ اَجۡمَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ وَهُمۡ يَمۡكُرُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَاۤ اَكۡثَرُ النَّاسِ

جب انہوں نے پختہ کیا تھا اپنے امر کو اور وہ تدبیریں کر رہے تھے ﴿۱۰۲﴾ اور لوگوں میں اکثر

وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسۡـئَلُهُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ؕ اِنۡ هُوَ

اگرچہ آپ حرص کریں ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۱۰۳﴾ اور آپ نہیں مانگتے ان سے اس پر کوئی اجر نہیں ہے یہ

اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

مگر نصیحت جہانوں کیلئے ﴿۱۰۴﴾ کتنی ہی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں

يَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهَا وَهُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ

یہ ان پر سے گزرتے ہیں اس حال میں کہ ان سے اعراض کرنیوالے ہوتے ہیں ﴿۱۰۵﴾ اور نہیں ایمان لاتے ان میں سے

بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوۡۤا اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ غَاشِيَةٌ

اکثر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مگر اس حال میں کہ وہ شرک کرنیوالے ہیں ﴿۱۰۶﴾ کیا یہ لوگ بے خوف ہو گئے کہ آ جائے ان کے پاس کوئی محیط آفت

مِّنۡ عَذَابِ اللّٰهِ اَوۡ تَاۡتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾

اللہ کے عذاب سے یا آ جائے ان کے پاس قیامت اچانک اور انہیں پتہ بھی نہ ہو ﴿۱۰۷﴾

قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ‌ ۚ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ

آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں دعوت دیتا ہوں اللہ کی طرف بصیرت پر میں اور وہ لوگ جو میرے

اتَّبَعَنِىۡ‌ؕ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَاۤ

متبع ہیں اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں ﴿۱۰۸﴾ اور نہیں

اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى‌ؕ

بھیجا ہم نے آپ سے قبل مگر آدمیوں کو ہم وحی کرتے ہیں ان کی طرف بستیوں والوں میں سے

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ

کیا یہ لوگ چلے پھرے نہیں زمین میں پھر یہ دیکھیں کیا ہوا انجام ان لوگوں کا

مِن قَبْلِهِمْ ۗ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٠٩﴾

جو ان سے پہلے گزرے ہیں اور البتہ آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کیلئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں کیا تم سوچتے نہیں ہو ﴿۱۰۹﴾

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا

حتیٰ کہ جب مایوس ہوگئے رسول اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ غلطی میں ڈال دیے گئے

جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَن نَّشَاءُ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ

تو ان کے پاس ہماری مدد آ گئی پھر نجات دی جس کو ہم نے چاہا اور نہیں رد کیا جاتا ہمارا عذاب مجرم

الْمُجْرِمِينَ ﴿١١٠﴾ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ

لوگوں سے ﴿۱۱۰﴾ البتہ تحقیق ان واقعات میں عبرت ہے عقل والوں کے لیے

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ

نہیں ہے یہ قرآن گھڑی ہوئی بات لیکن یہ تصدیق ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے گزری

وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾

اور تفصیل ہے ہر چیز کی اور یہ ہدایت ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں ﴿۱۱۱﴾

تفسیر

علم غیب اور اطلاع علی الغیب میں فرق:

پہلے تو اس واقعہ کو دلیل نبوت کے طور پر ذکر کیا گیا کہ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے غیب کی خبروں میں سے ہونے کا مطلب یہی ہے جس طرح قرآن کریم میں دوسری جگہ الفاظ آئے "ما کنت تعلمها انت ولا قومك" یہ ان واقعات میں سے ہے جو نہ تجھے معلوم تھے اور نہ تیری قوم کو معلوم تھے، آپ کو معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی تو غیب کی خبریں اللہ تعالیٰ انبیاء کو وحی کے ذریعہ سے بتاتے رہتے ہیں لیکن یہ علم

غیب نہیں کہلا تا جیسے کہ قرآن کریم میں دوسرجگہ صراحت آگئی "لایعلم من فی السموٰت والارض الغیب الااللہ" وہاں حصر کر دیا گیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی غیب کونہیں جانتا، براہ راست صرف اس کو علم غیب حاصل ہے۔

اور جو چیز عام طور پر مخلوق کی نظروں سے چھپی ہوئی ہوان کی نظر میں نہ ہو، وہ بتلا دی جاتی ہے اور بتلانے کے ساتھ غیب کی خبر معلوم ہو جائے تو اس کو علم غیب نہیں کہتے ہیں یہ تو سرور کائنات ﷺ کے بتلانے سے ہمیں بھی حاصل ہو گیا، اب جنت ہم نے دیکھی نہیں اور جہنم ہم نے دیکھی نہیں، وہ امور غیب میں سے ہے آخرت کے احوال یا گذشتہ امتوں کے احوال یہ سب امور غیب میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ سب چیزیں سرور کائنات ﷺ کو بتلا دیں، یہ اطلاع علی الغیب ہے اس اطلاع علی الغیب سے آپ عالم الغیب نہیں کہلا سکتے جیسے آپ ﷺ کے بتلانے کے ساتھ ہمیں پتا چل گیا، اب جنت دوزخ کے احوال گذشتہ امتوں کے احوال ہمارے سامنے بیان کر دیے گئے تو ہمیں بھی اطلاع ہوگئی تو عالم الغیب اصل کے اعتبار سے وہی کہلاتا ہے جس کا علم براہِ راست ہو اور اس کو کسی ذریعہ سے حاصل نہ کیا جائے یہ شان صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

اب اگر طبیب نبض دیکھ کے اندر کے حالات معلوم کرلے یا کوئی نجومی ستاروں میں غور کر کے کسی آنے والے واقعہ کا اشارہ کر دے یہ قرائن اور شواہد کے ساتھ جو چیز معلوم کی جاتی ہے یا آجکل آلات اور ایکسریز کے ذریعہ سے چھپے ہوئے حالات معلوم کر لیتے ہیں یہ علم جو ذرائع کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اس کو علم غیب نہیں کہتے اس لیے علم غیب والی صفت صرف اللہ کی ہے باقی اطلاع علی الغیب اللہ تعالیٰ انبیاء کو کرتا رہتا ہے۔

سرورکائنات ﷺ کی نبوت کی دلیل:

یہاں بھی اس طرح کے ماضی کے واقعات ہیں جو آپ سے اور آپ کی قوم سے پوشیدہ تھے اللہ نے آپ کی طرف وحی کی تو وحی کے ساتھ یہ معلوم ہو گئے یہ دلیل نبوت ہے کیونکہ واقعہ جاننے کے دو ہی ذریعے ہوتے ہیں یا تو انسان مشاہدہ کرنے والا ہو کہ اس واقعہ میں خود موجود تھا، ایک واقعہ پیش ہوا اس میں آپ خود موجود تھے آنکھوں سے دیکھ لیا تو آپ کو علم حاصل ہو گیا یا آپ کسی معتمد علیہ کتاب سے اس کو پڑھیں اب کتاب سے پڑھنے کے بارے میں تو سب جانتے تھے کہ آپ کسی مدرسہ میں داخل نہیں ہوئے، آپ نے کوئی کتاب نہیں پڑھی، اہل علم اور ان کی صحبت میں نہیں بیٹھے وہ تو یقینی طور پر آپ سے منتفی تھا اور اس طرح یہ بھی ذکر کر دیا کہ جب وہ تدبیریں کر رہے تھے، مکرو

فریب کر رہے تھے اور آخرکار انہوں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ اس کو کنویں میں ڈال دیا جائے جب یہ باتیں ہو رہی تھیں تو آپ اس وقت موجود نہیں تھے، موجود بھی نہیں تھے اور کتابوں میں بھی نہیں پڑھا تو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ یہ خبریں اللہ کی طرف سے آپ کو وحی کے ذریعہ سے دی جاتی ہیں۔

سرور کائنات ﷺ کو تسلی:

آگے سرور کائنات ﷺ کے لیے تسلی ہے کہ آپ کا کام تو صرف سمجھانا ہے اگر یہ نہیں سمجھتے تو آپ ہر وقت ان کے پیچھے لگ کر اپنے آپ کو غم میں نہ ڈالیں جیسے سورہ کہف میں آئے گا "لعلك باخع نفسك علی آثارھم" کہ آپ ان کے پیچھے اس طرح لگ گئے کہ گویا کہ آپ ان کے پیچھے جان ہی دے دیں گے، ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں آپ کا نبی ہونا تو بالکل واضح ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے "بمؤمنین" ما کی خبر ہے" ولو حرصت" اگرچہ تو جتنا ہی چاہے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

اور پھر ان کے ایمان نہ لانے کا نقصان کوئی نہیں آپ کونسا اس تبلیغ پہ ان سے اجرت مانگتے ہیں کہ اگر آپ تبلیغ نہیں کریں گے تو اس میں آپ کا نقصان ہو جائے گا، آپ تو اللہ کی اس رحمت کو مفت بانٹ رہے ہیں اس لیے اس کو کوئی اگر لے لے گا اور اس سے نفع اٹھالے گا تو اس کا اپنا فائدہ ہے اور اگر کوئی نہیں لیتا تو اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے آپ ان سے اس بات پر کوئی اجرت نہیں مانگتے نہیں ہے یہ نصیحت مگر تمام جہان والوں کے لیے، نصیحت کے طور پر یہ بات سامنے آگئی کہ قرآن کریم بطور ذکر کے کے آگیا اس لیے اگر یہ استفادہ کریں تو ان کی اپنی سعادت ہے اور اگر اس کو قبول نہیں کرتے تو اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے۔

حضور ﷺ کے مخاطب توحید کے بھی منکر تھے:

یہ تو رسالت کے انکار کا ذکر تھا اور سرور کائنات ﷺ کو تسلی دی گئی تھی اب آگے توحید سے انکار کا ذکر ہے، کتنی ہی نشانیاں آسمان اور زمین موجود ہیں جو اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں "یمرون علیھا" لوگ ان نشانیوں کے اوپر سے گزرتے ہیں " و ھم عنھا معرضون ' اور یہ لوگ ان سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں توجہ ہی نہیں کرتے، اگر ان علامات اور نشانیوں کے اندر غور کرتے تو غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ان کی سمجھ میں آسکتی تھی باقی یہ جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں تو ان کا اللہ پر ایمان لانا معتبر نہیں ہے کیونکہ ساتھ ساتھ یہ شرک بھی

کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ مشرک ہیں، اللہ کے ساتھ شریک بھی ٹھہراتے ہیں اور شریک ٹھہرا کے اگر اللہ کو مانا جائے تو نہ ماننے کے برابر ہے اس لیے یہ نہ آپ کی نبوت کے قائل ہیں اور نہ یہ اللہ کو ماننے والے ہیں کیونکہ اگر اللہ کو مانتے ہیں تو ساتھ شرک کا ارتکاب بھی کرتے ہیں اور اگر شرک کا ارتکاب کرتے ہوئے اللہ کو مانا جائے تو یہ نہ ماننے کے برابر ہے۔

شرک کے مختلف درجات:

شرک کا ارتکاب کس طرح کرتے تھے اس کے مختلف درجات ہیں بعض تو براہ راست ہی اس کے لیے شرک کا قول کرتے تھے، شرکاء اور شفعاء کا لفظ جس طرح قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے انہوں نے بہت سارے الٰہ بنا لیے تھے ایک الٰہ پر اکتفاء نہیں کیا اور یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا قول کرتے تھے اور جب کسی کی اولاد کی طرف نسبت ہو جائے تو اولاد بھی ذاتی صفات میں باپ کے شریک ہوتی ہے تو یہ بھی شرک ہے اور اس سے آگے اگر بڑھیے تو سرور کائنات ﷺ نے ریا کاری کو بھی شرک ہی قرار دیا ہے گویا کہ یہ بھی ایمان کے اندر نقص ہے کہ اللہ پر ایمان ہو لیکن انسان کام کرے مخلوق کو دکھانے کے لیے اور مخلوق کو خوش کرنے کے لیے تو ریا شرک اصغر ہے اس لیے تنبیہ کے طور پر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ بعض لوگ جو اپنے آپ کو مؤمن سمجھتے ہیں ایمان لاتے ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں لیکن در پردہ وہ بھی شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ ریا کاری والا شرک ہے اس لیے ایمان کا کمال تبھی ہو گا جب ہر قسم کا شرک کا ختم ہو جائے اخلاص پختہ ہو جائے اور اپنے اعمال کے اندر ریا کاری کا جذبہ بھی نہ ہو لوگوں کے دکھانے اور خوش کرنے کے لیے کام نہ کیا جائے محض اللہ کی رضا کے لیے کام کیا جائے جیسے سورہ کہف کی آخری آیت میں آئے گی جس میں یہ الفاظ ہیں" فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرك بعبادة ربه احداً" جو اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو آپ جلالین اور دوسری تفسیروں میں پڑھیں گے کہ اس کا مفہوم بیان کیا ہوا گا"ای لا یرائی" اس کو چاہیے کہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے یعنی اگر ریا کاری اختیار کرے تو اللہ کے ساتھ ایمان لانے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اخلاص اور احسان کی صفت پیدا ہو جائے کہ جتنے کام بھی عبادت کے طور پر کیے جاتے ہیں ان میں محض اللہ کی رضا مقصود ہو، اللہ کو خوش کرنا مقصود ہو، کسی کو دکھلانا مقصود نہ ہو ورنہ یہ بھی ایک درجہ میں شرک ہے۔

اور اس طرح قرآن کریم میں ہی آپ کے سامنے ایک اور آیت بھی آئے گی " افرئیت من اتخذ الٰھه ھواہ و اضله الله علی علم " کیا آپ نے ایسا شخص دیکھا ہے کہ جس نے اپنی خواہش کو ہی اپنا الہ بنالیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے علم کے باوجود اس کو گمراہی میں ڈال دیا جس سے معلوم ہوا کہ اتباع ہوا، اپنی خواہشات کے پیچھے چلنا، اللہ تعالیٰ کے احکام کی پروانہ کرنا یہ بھی ایک درجے کا شرک ہے جس وقت اللہ تعالیٰ کا حکم سامنے آجائے، شریعت کا حکم سامنے آجائے اس وقت انسان اگر اپنی خواہشات کی رعایت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی رعایت نہیں رکھتا، اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے تو یہ بھی ایک درجے کا شرک ہے کہ اپنے نفس کو اللہ کا شریک ٹھہرالیا اور یہ عنوان بھی صراحت کے ساتھ قرآن کریم میں مذکور ہے گویا کہ اتباع ہویٰ بھی ایک درجہ میں اتخاذ الٰہ ہے تو کامل درجہ کا مؤمن وہ ہوگا جو اللہ کے حکم کے مقابلہ میں اپنی خواہشات کو مٹادے ورنہ اپنی خواہشات کا اتباع کرنے والا بھی کسی درجہ میں شرک کا ارتکاب کررہا ہے اور حدیث شریف میں حضور ﷺ نے اسی مضمون کی وضاحت فرمائی "لا یؤمن احد کم حتی یکون ھو اہ تبعاً لما جئت به " تم میں سے کوئی کامل مؤمن اس وقت نہیں ہوسکتا ہے جب تک اس کی خواہش نفس میرے دین کے تابع نہ ہوجائے جو دین میں لے کے آیا ہوں تو اپنی خواہشات کو اگر نہ مٹایا جائے اور خواہشات کی رعایت رکھی جائے تو آپ نے نفس کو اللہ کے ساتھ شریک کرلیا اللہ کے مقابلہ میں نفس کو مطاع قرار دے دیا جیسے یہود اور نصاریٰ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ " اتخذوا احبار ھم و رھبا نھم اربابا من دو ن الله " کہ ان لوگوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اپنا رب بنالیا تو اس کا معنی بھی یہی تھا کہ علماء اور پیروں کا یہ کام بنالیا جائے کہ ان کی حکم کی رعایت رکھی جائے چاہے وہ صراحتاً اللہ کے حکم کے خلاف کیوں نہ ہو تو یہ ایسے ہی ہے جیسے ان کو رب بنالیا جائے تو احبار اور رھبان کی اطاعت اس طرح کی جائے کہ اللہ کی اطاعت کے مقابلہ میں اس کی اطاعت کو ترجیح دی جائے تو یہ بھی شرک ہے اور اگر اپنے نفس کی بات اللہ کے احکام کے مقابلہ میں مانی جائے تو یہ بھی شرک ہے۔

اور اس سے بھی آگے ترقی کرکے قاضی ثناء اللہ لکھتے ہیں کہ " النظر الی الا سبا ب مع الغفلة عن المسبب ینافی التوحید فالموحدون ھم الصوفیة" یہ چونکہ بہت بڑے صوفی ہیں اس لیے تصوف کے انداز میں بہت ساری باتیں کہہ جاتے ہیں کہ اسباب پر نظر مسبب سے غفلت برتتے ہوئے، یہ دھیان نہ رہے کہ جو کچھ

ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے یہ اسباب بذات خود کچھ نہیں ہیں مسبب سے غفلت ہو اور اسباب پہ اعتماد ہو جائے کہ ہم نے چونکہ یوں کرلیا لہٰذا ایسا ہو جائے گا فلاں سبب ہمیں حاصل ہے لہٰذ یہ بات یوں ہو جائے گی اور یہ خیال نہ ہو کہ اگر اللہ چاہے گا تو ہوگی تو اگر مسبب سے غفلت ہو اور اسباب پر پوری طرح اعتماد ہو جائے تو یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے اس لیے کہتے ہیں کامل درجے کے موحد صوفیاء ہی ہوا کرتے ہیں کہ جن کی توجہ ہر وقت اللہ کی طرف رہتی ہے اور وہ اسباب پر بھی اعتماد نہیں کرتے ''وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون'' میں اتنی ساری تعمیم ہے اس لیے اگر کامل طریقے سے کوئی آدمی مؤمن بننا چاہتا ہے تو اس کو ہر قسم کے شرک کا خاتمہ کرنا چاہیے، مشرکین کا شرک بہت ہی جلی قسم کا تھا اور یہود و نصاریٰ کا شرک اور طرح کا تھا تو ہم کلمہ پڑھنے والے صحیح طور پر سرور کائنات ﷺ کی اتباع میں ایمان لانے والے بھی بعض باتوں میں شرک کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں اس لیے شرک کی رگ کو ختم کرنے کے لیے انسان کو بہت زیادہ ہوشیار رہنا پڑتا ہے تب جا کے ایمان کامل کو پہنچے گا۔

مشرکین کو دھمکی اور حضور ﷺ کی طرف سے اعلان:

''افامنوا'' کیا یہ لوگ بے فکر ہو گئے یعنی کفر و شرک میں مبتلا ہیں، نبوت رسالت اور توحید کا انکار کرتے ہیں اور پھر یہ بے فکر ہوئے بیٹھے ہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کہ ان کو کوئی آفت محیط آجائے، ایسی آفت آجائے جو ان کا احاطہ کرلے ان کو ڈھانپ لے یا ان پر اچانک قیامت آجائے اور ان کو پتہ بھی نہ چلے ان کو بے فکر نہیں ہونا چاہیے کسی وقت بھی اللہ کے عذاب کا نشانہ بن سکتے ہیں اور کسی وقت بھی ان کے اوپر قیامت آسکتی ہے جس کے بعد پھر ان کی اللہ کے سامنے پیشی ہوگی اور ان کا برا انجام ان کے سامنے آجائے گا۔

آپ انہیں کہہ دیجیے میرا تو یہ راستہ ہے جو میں نے تمہارے سامنے بیان کر دیا ہے یعنی اللہ کی طرف وحی جو آتی ہے اس کی اتباع اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا یہی میرا راستہ ہے اور اسی کی میں دعوت دیتا ہوں اور میں بے سوچے سمجھے اس راستہ پر نہیں چلا، میں اور میرے متبع سیدھے راستہ پر ہیں سوچ سمجھ کر اور عقل اور بصیرت کے ساتھ اس راستہ کو ہم اختیار کیے ہوئے ہیں اور اسی راستہ کی ہم دعوت دیتے ہیں ہمارے راستہ کا مرکزی عنوان یہی ہے ''سبحان اللہ و ما انا من المشرکین'' اللہ پاک ہے ہر قسم کے شرک سے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں، ہمارے راستہ کا بڑا عنوان یہی ہے کہ ہمارا طریقہ شرک والا نہیں ہے۔

نبی ورسول کے بشر ہونے پر مشرکین کے سوال کا جواب:

نبوت کے بارے میں عام طور پر جوان کا اشکال ہوتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ بشر رسول کیسے ہوسکتا ہے؟ اب گویا کہ ان اس اشکال کو دور کرنا مقصود ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھی بھیجے ہیں سب رجال ہی تھے، رجال کا لفظ بول کر دو باتیں مراد ہوسکتی ہیں کسی عورت کو رسول نہیں بنایا گیا جو رسول آیا وہ رجل ہی آیا دوسری وہی بات کہ انسانوں کی طرف بھیجنے کے لیے ہم نے ہمیشہ انہی بستیوں میں سے رجال منتخب کیے ہیں، فرشتوں کو ہم نے رسول بنا کر نہیں بھیجا بلکہ جن بستیوں میں رسول بھیجنا ہماری حکمت تھی ان بستیوں میں سے ہی رجال کو منتخب کیے گئے ہیں اور چن چن کر اللہ نے ان کو اس منصب پر فائز کیا تو اگر آپ رجل ہیں اور بنی آدم میں سے ہیں، بشر ہیں انسان ہیں، تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اللہ تعالی نے جب بھی اہل قریٰ کی ہدایت کے لیے کسی کو بھیجا ہے تو انہی اہل قری میں سے ہی رجل کو منتخب کیا ہے اور ان کے ذمہ ان لوگوں کی ہدایت لگائی ہے بلکہ ان کو چاہیے کہ چلیں پھریں اور دنیا کے اندر دیکھیں کہ یہی رجال جو دنیا کے اندر آئے تھے، انہی قوموں اور انہی قبیلوں میں سے منتخب کر کے اللہ نے جن کو یہ منصب دیا تھا جنہوں نے ان کی بات مان لی ان کا انجام کیا ہوا اور جنہوں نے ان کی بات نہیں مانی ان کا انجام کیا ہوا؟ تاریخ پڑھنے کے لیے ان کو دنیا میں چلنا پھرنا چاہیے تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ یہی رجال جو اللہ کی طرف سے منتخب ہو کے آتے ہیں جن پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے ان کی اتباع اور ان کی اطاعت انسان کی نیک بختی کا باعث ہے اور ان کی مخالفت اور ان سے ٹکرانا دنیا اور آخرت کی بربادی کو سامنے لاتا ہے تو یہ تاریخی واقعات زمین میں بکھرے پڑے ہیں ان کو چلنا پھرنا چاہیے ان کھنڈرات کو دیکھ کے عبرت حاصل کرنی چاہیے،" ولدار الآخرة خير للذين اتقوا" جو لوگ تقوی اختیار کرتے ہیں ان کے لیے آخرت کا گھر بہتر ہے " افلا تعقلون "کیا تم سوچتے نہیں ہو۔

جلدی عذاب نہ آنے پر مشرکین کے سوال کا جواب:

"حتى اذا استيئس الرسل و ظنوا انهم قد كذبوا" اس آیت میں ان کا ایک ذہنی مغالطہ کو دور کرنا مقصود ہے وہ یہ سمجھتے تھے اور کہتے بھی تھے کہ آئے دن عذاب کی دھمکیاں دی جارہی ہیں لیکن یہ عذاب آتا کیوں نہیں؟ جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو وہ عذاب آتا کیوں نہیں؟ اس قسم کے اشکال بھی مشرکوں کی طرف سے

عام طور پر کیے جاتے تھے تو اس میں اللہ تعالیٰ اپنا ایک طریقہ واضح کرتے ہیں کہ میرا معاملہ قوموں کے ساتھ کس طرح رہا ہے اور تمہارے ساتھ بھی برتاؤ اسی طرح ہو رہا ہے کہ پہلے انبیاء آئے قوموں نے ان کی مخالفت کی، انہوں نے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا لیکن اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے باوجود وہ قوم اسی طرح اڑی رہی ہے اور اس قسم کا مطالبہ کرتی رہی کہ اگر تم سچے ہو تو عذاب کیوں نہیں لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت ان کو اتنی مہلت دی گئی کہ کافر عذاب نہ آنے پر دلیر ہو گئے کہ یہ جو ہمیں دھمکیاں دے رہے ہیں یہ ایسے ہی باتیں ہیں، ہم جو ان کی اتنی مخالفت کرتے ہیں عذاب آتا کیوں نہیں؟ اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیتا رہا اور اتنی مہلت دی کہ رسولوں پر مایوسی طاری ہو گئی کہ شاید ہماری زندگی میں ان لوگوں پر عذاب آئے گا ہی نہیں جیسے قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے "وزلزلوا حتی یقول الرسول و الذین آمنوا معه متی نصر الله" اتنا زلزلہ میں ڈالا گیا ان رسولوں کو اور مؤمنین کو کہ وہ پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی جس کا وعدہ اللہ نے کر رکھا ہے تو یہ مہلت کی غایت ہے کہ ان کو اتنی مہلت دی گئی حتیٰ کہ رسولوں کے اوپر مایوسی طاری ہو گئی، یہ مایوسی ظاہری اسباب کی طرف دیکھتے ہوئے تھی ورنہ اللہ کی رحمت کی طرف دیکھتے ہوئے مایوسی تو کفر ہے کہ انسان اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائے "لا تیئسوا من روح الله انه لا ییئس من روح الله الا القوم الکافرون" لیکن ظاہری اسباب کی طرف دیکھتے ہوئے کسی پر مایوسی طاری ہو جائے کہ اگرچہ اللہ کی قدرت سے بعید نہیں لیکن ظاہری اسباب موافق نہیں ہیں اس قسم کی مایوسی کفر نہیں ہے انبیاء بھی ظاہری اسباب کو دیکھ کر بسا اوقات اس قسم کے حالات میں مبتلاء ہو جاتے ہیں۔

و ظنوا انهم قد کذبوا کا مفہوم:

یہ ضمیریں ظاہر یہی ہے کہ رسولوں کی طرف لوٹ رہی ہیں، ظنوا کا معنی ہو گا کہ رسولوں کو خیال گزرا، ظن مطلقاً خیال کو کہتے ہیں، رسول کو خیال گزرا کہ بے شک وہ رسول غلطی میں ڈال دیے گئے اگر معنی یوں کریں تو پھر مطلب یوں ہو گا کہ انبیاء کے لیے حالات اتنے ناساز گار ہوئے اور کافروں کے لیے ساز گار ہوئے کہ انبیاء پر مایوسی طاری ہو گئی اور ان کے دل کے اندر یہ خیال آنے لگ گئے کہ ہم جس انداز سے اللہ کے وعدے کو سمجھتے تھے کہ ان پر عذاب آئے گا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر عذاب نہیں آئے گا، ہم غلطی میں پڑ گئے ہیں، ہمارے سامنے ہماری عقل و فہم کے طور پر جو بات سامنے آئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد یوں آئے گی اور اس طرح ان کو تباہ کر دیا جائے گا ہم نے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا جو

مطلب سمجھا تھا معلوم ہوتا ہے ہم نے صحیح نہیں سمجھا، ہم غلطی میں ڈال دیے گئے یہ وسوسہ بھی آنے لگ گئے۔

اور اگر کذبوا کا ترجمہ وہی ہو جو عام طور پر کیا جاتا ہے کہ ہمارے سامنے جھوٹ بولا گیا گویا کہ اللہ کی طرف سے جو ہمارے ساتھ وعدے کیے گئے تھے یہ وعدے غلط تھے اس قسم کے خیالات آنے لگ گئے تو پھر ہم وسوسہ کفر کہیں گے اور وسوسہ کفر کفر نہیں ہے اور اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ ہمیں ہمارے نفسوں کی طرف سے غلطی میں ڈال دیا گیا کہ ہم اللہ کے وعدے کا مطلب صحیح نہیں سمجھے، اپنے فہم کے اعتبار سے غلطی میں پڑ گئے پھر گویا کہ اپنی اجتہادی غلطی کی طرف نسبت کرنی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بات کا مطلب کچھ اور ہوگا اور ہم مطلب کچھ اور سمجھے ورنہ جو مطلب ہم سمجھے تھے اس کے مطابق تو اللہ کی نصرت آجانی چاہیے تھی اور کافروں کو برباد ہو جانا چاہیے تھا لیکن جب یہ کافر برباد نہیں ہوئے بلکہ دن بدن حالات ان کے حق میں اچھے ہوتے جا رہے ہیں اور ہمارے خلاف ہوتے جا رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے نفسوں نے ہمیں غلطی میں ڈال دیا، ہماری عقل وفہم نے اللہ کے وعدوں کے سمجھنے میں خطاء کی ہے اگر اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا وہی مطلب ہوتا جو ہم سمجھتے تھے تو آج تک یہ فیصلہ ہو چکا ہوتا تو پھر گویا کہ اجتہادی خطاء کی طرف نسبت ہوگی یہ غیر اختیاری خیالات ہیں جو دل کے اندر آتے ہیں اس لیے یہ عصمت کے بھی منافی نہیں اور ان کو کسی قسم کی معصیت یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی نہیں قرار دیا جا سکتا، اجتہادی خطاء تو انبیاء سے ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اس کے اوپر برقرار نہیں رکھا جاتا۔

جیسے مدینہ منورہ میں سرور کائنات ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ ہم مکہ معظمہ گئے ہیں اور عمرہ کیا ہے اور اس کے بعد کسی نے سر منڈوایا کسی نے بال کٹوائے ہیں، یہ خواب دیکھا اور صحابہ کرام کے سامنے ذکر کر دیا اور صحابہ کرام نے یہ سمجھا کہ اب ہمیں اشارہ ہو گیا کہ ہمیں عمرہ کرنا چاہیے تو سرور کائنات ﷺ کا خیال بھی ان کے ساتھ ہو گیا، عمرہ کرنے کیلئے گئے لیکن آگے کامیاب نہیں ہو سکے، حدیبیہ میں رکاوٹ ڈال دی گئی، وہیں سے واپس آنا پڑا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صراحت کر دی ''لقد صدق اللہ رسولہ الرویا بالحق'' خواب تو سچا دیکھا لیکن اس کا جو مطلب سمجھ لیا گیا کہ شاید عمرہ ابھی کرنا ہے یہ مطلب ٹھیک نہیں سمجھا گیا اللہ کے علم میں تھا سال کے بعد یہ نوبت آئے گی تو اس خواب کا یہ مطلب سمجھ لینا یہ ایک قسم کی اجتہادی خطاء ہے لیکن بعد میں اس کی حقیقت کو ظاہر کر دیا گیا۔

اس طرح اگر کسی بات کو سوچ کے انبیاء اگر ایک مطلب قرار دے لیں لیکن وہ مطلب صحیح نہ ہو تو ایسا ہو سکتا

ہے اور پھر اللہ کی طرف سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے، اجتہادی خطاء پر انبیاء کو برقرار نہیں رکھا جاتا اہل علم کے نزدیک یہ ایک مسئلہ حقیقت ہے کہ بعض چیزیں جن میں انبیاء اجتہاد کرتے ہیں ایسا ہوسکتا ہے کہ لغزش ہو جائے اور صحیح نتیجہ پر نہ پہنچیں لیکن اللہ تعالی انبیاء کو اس پر برقرار نہیں رکھتے بلکہ تنبیہ کر دی جاتی ہے اور جو دوسرے مجتہدین ہوتے ہیں وہ بھی اجتہاد کرتے ہیں اور اجتہاد کرنے کے ساتھ کبھی وہ صحیح نتیجہ پر پہنچیں گے اور کبھی غلط نتیجہ پر پہنچیں گے لیکن چونکہ نیک نیتی کے ساتھ اللہ کی رضا معلوم کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں اس لیے ان کی کوشش پر بہر حال اللہ کی طرف سے ثواب ملے گا لیکن یہاں گارنٹی نہیں ہے کہ مجتہد کو متنبہ بھی کر دیا جائے کہ تو نے جو اجتہاد کیا یہ غلط ہے، اس لیے فقہ کے اندر جتنے اجتہادی مسائل آتے ہیں چاہے وہ کسی امام کے ہوں سب کے متعلق یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اس میں غالب گمان یہ ہے کہ ہم اس کو صحیح سمجھتے ہیں لیکن ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ہم صحیح نہ سمجھے ہوں اور دوسرا صحیح سمجھا ہو، ''علی احتمال الخطاء ان کو اختیار کیا جاتا ہے اس لیے مخالف پر طعن و تشنیع جائز نہیں ہے، زبان درازی جائز نہیں ہے، ہمارے پاس کوئی گارنٹی نہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے اجتہاد کیا یہی قطعی طور پر صحیح ہے ہم اس کو ارجح سمجھتے ہیں، اولی بالحق سمجھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ بہتر ہے باقی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہمارے امام کی رائے ٹھیک نہ ہو اور دوسرے امام کی رائے ٹھیک ہو دونوں طرف سے احتمال خطاء ہے اور دونوں طرف سے احتمال ثواب ہے اس لیے اپنے اپنے خیال کے مطابق ہر امام نے عمل کیا اور اپنے متبعین کو ہدایت دی لیکن دوسرے کے اوپر زبان درازی نہیں کی جاسکتی ہمارے پاس کوئی ایسی بین دلیل نہیں ہے جس کی بناء پر ہم کہہ سکیں کہ یہی صحیح ہے اور دوسرا غلط ہے ظنی مسائل میں اس طرح نظریہ رکھا جاتا ہے اور اسی انداز کے ساتھ ہی ان پر عمل کیا جاتا ہے۔

اور دوسرا وسوسہ کفر جو ہے یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے اس کا ذکر بھی حدیث شریف میں آتا ہے مشکوۃ شریف باب الوسوسہ میں روایت ہے کہ صحابہ کرام نے حضور ﷺ کے سامنے ذکر کیا یا رسول اللہ ہم اپنے دل میں ایسی باتیں پاتے ہیں کہ جل کے کوئلہ ہو جانا تو گوارہ ہے لیکن ان باتوں کو ہم اپنی زبان پر نہیں لا سکتے، اس قسم کے وسوسے آتے ہیں تو خیالات آپ کو بھی آتے ہیں ہمیں بھی آتے ہیں ہر کسی کو آتے ہیں لیکن انسان ان کو زبان پر نہیں لاسکتا تو سرور کائنات ﷺ نے پوچھا کہ تم اپنے دلوں یہ کیفیت پاتے ہو؟ صحابہ نے کہا کہ ہاں تو آپ نے فرمایا کہ ''ذاک صریح الایمان'' (مشکوۃ ج ۱ ص ۱۸) یہ تو خالص ایمان کی علامت ہے، تو یہ اشارہ کس طرف ہے؟ ذاک کا

اشارہ یا تو ان خیالات کے آنے کی طرف ہے کہ اس قسم کے وسوسہ کا آنا بھی صریح ایمان ہے، یہی خالص ایمان ہے جس کے متعلق ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ'' میں لکھا ہے کہ یہ شیطانی وسوسہ کی علامت ہے کہ قلب کے اندر ایمان ہے کیونکہ چور وہیں آیا کرتے ہیں جہاں پتہ ہو کہ یہاں مال ہے خالی گھر کے اندر چور نہیں آیا کرتے تو شیطان بھی کفر کے اس قسم کے وسوسے اسی قلب کے اندر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے کہ جس کے قلب کے اندر ان کو ایمان معلوم ہوتا ہے اور جس قلب کے اندر ایمان نہ ہو تو وہاں تو حقیقتاً کفر موجود ہے۔ اس لیے اس قسم کے وسوسوں کا آنا ہی علامت ہے اس بات کی کہ ایمان ہے اور یا یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات کے آنے کے بعد دل کے اندر انقباض کی کیفیت کا طاری ہونا جیسے انہوں نے اپنے لفظوں میں ظاہر کیا کہ ہم جل کے کوئلہ ہو سکتے ہیں لیکن ان باتوں کو زبان پر لانا گوارہ نہیں کر سکتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے خیالات سے ان کو بہت تکلیف ہوتی ہے کہ ایسا خیال میرے دل میں کیوں آرہا ہے تو یہ تکلیف محسوس ہونا صریح ایمان کی علامت ہے اس کا مطلب یہ ہے تمہارے دل کی حس ٹھیک ہے اگر دل کی حس ٹھیک نہ ہوتی تو برے خیالات آنے کے ساتھ تمہیں تکلیف نہ ہوتی بہرحال وسوسہ کسی قسم کا آجائے یہ عصمت کے بھی منافی نہیں ہے اور اس پر کسی قسم کا شریعت کی طرف سے کوئی مواخذہ بھی نہیں ہے۔

بہرحال اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اتنے حالات ان کے لیے ناسازگار ہو گئے کہ اس قسم کے وسوسے بھی آنے لگ گئے ''فجاءهم نصرنا'' جب اس قسم کے حالات پیدا ہو گئے تو پھر ہماری مدد آ گئی اور نجات دے دی جس کو ہم نے چاہا اس لیے ان کو بھی اپنی اس مہلت سے فائدہ اٹھانا چاہیے اس مہلت سے مزید گمراہی میں مبتلا نہ ہوں۔

دوسری قرأت کا مفہوم:

اور یہاں دوسری قراءت ہے و ظنوا انهم قد كذبوا ''کہ انبیاء کو خیال گذرنے لگا کہ وہ جھٹلا دیے گئے یعنی حالات ان کے اتنے خلاف ہوئے کہ ان کے دل میں بھی خیال آنے لگ گیا جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ بھی ان مصیبتوں کے بعد اندیشہ ہے کہ ہماری تکذیب کرنے لگ جائیں گے وہ بھی ایمان پر قائم نہیں رہیں گے تو کذبوا کے طور پر پھر یہ بات آجائے گی ''فنجی من نشاء'' پھر نجات دیے گئے وہی لوگ جن کو ہم نے چاہا ''ولا يرد بأسنا عن القوم المجرمين'' ہمارا عذاب رد نہیں کیا جاتا مجرم لوگوں سے۔

آخری آیت کا مفہوم:

"لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب" ان گذشتہ لوگوں کے واقعات میں عبرت ہے عقل والوں کے لیے عبرت کا معنی یہی ہوتا ہے کہ اس میں غور کرو اغور کرنے بعد یہ سوچو کہ جب ان کے یہ حالات تھے تو ان کا انجام یہ ہوا اگر ہمارے حالات بھی ایسے رہے تو پھر ہمارا انجام بھی یہی ہوگا جس طرح آپ قیاس کیا کرتے ہیں لیکن یہ قیاس اور عبرت وہی حاصل کر سکتے ہیں جو خالص عقل والے ہوتے ہیں، جن کی عقل شہوات کے سامنے مغلوب ہو وہ اس قسم کی باتیں کیا سوچیں گے۔

آگے پھر قرآن کریم کی حقانیت کا ذکر ہے جیسے سورہ کی ابتداء بھی اسی بات سے کی گئی تھی کہ اس کو کوئی گھڑی ہوئی بات نہ سمجھو، یہ کوئی تراشا ہوا قصہ نہیں ہے "ما کان حدیثا یفتری" یہ قرآن کریم کوئی گھڑی ہوئی چیز نہیں ہے "ولکن تصدیق الذی بین یدیہ" یہ مصداق ہے اس کتاب کا جو اس سے پہلے گزری یہ اس کی مصدق ہے یا مصداق ہے اس کی وضاحت کئی دفعہ ہو چکی ہے "وتفصیل کل شئی" اور یہ ہر ضروری چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔

۔ "سبحانك اللھم وبحمدك اشھد ان لا الہ الا انت استغفرك واتوب الیك"

اٰیاتُھا ۴۳ ۱۳ سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِیَّةٌ ۹۶ رکوعاتُھا ٦

سورۃ رعد مدینہ میں نازل ہوئی اس میں تینتالیس آیات ہیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ

الٓمّٓرٰ یہ کتاب کی آیتیں ہیں، اور آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ اتارا گیا ہے آپ کی طرف حق ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ

لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے ① اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند فرما دیا

بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

تم ان آسمانوں کو دیکھ رہے ہو پھر وہ عرش پر مستوی ہوا اس نے چاند اور سورج کو

وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ

مسخر فرما دیا ہر ایک مدت مقررہ تک چلتا ہے وہ کاموں کی تدبیر کرتا ہے

الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ② وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ

نشانیوں کو واضح طور پر بیان فرماتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرلو ② اور وہی جس نے زمین کو پھیلا دیا

وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ

اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا فرما دیں اور ہر قسم کے پھلوں سے دو قسمیں پیدا فرما دیں

فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ

وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں

لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ③ وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ

جو فکر کرتے ہیں ③ اور زمین میں ٹکڑے ہیں جو آپس میں پڑوسی ہیں

اَعۡنَابٍ وَّ زَرۡعٌ وَّ نَخِیۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّ غَیۡرُ صِنۡوَانٍ یُّسۡقٰی بِمَآءٍ

اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں کھجور کے درخت ہیں جن میں بعض کی جڑ بعض سے ملی ہوئی ہے

وَّاحِدٍ ۟ وَ نُفَضِّلُ بَعۡضَهَا عَلٰی بَعۡضٍ فِی الۡاُكُلِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ

اور بعض ملی ہوئی نہیں ہے انہیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور ہم ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں

لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ④ وَ اِنۡ تَعۡجَبۡ فَعَجَبٌ قَوۡلُهُمۡ ءَاِذَا

بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سمجھ سے کام لیتے ہیں ④ اور اگر آپ کو تعجب ہو تو ان کا یہ قول

كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ ۚ

لائق تعجب ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا نئے سرے سے پیدا ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا

وَ اُولٰٓئِكَ الۡاَغۡلٰلُ فِیۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ

اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی لوگ جہنم والے ہیں

فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ⑤ وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالسَّیِّئَةِ قَبۡلَ الۡحَسَنَةِ وَ قَدۡ

اور ہمیشہ اس میں رہنے والے ہوں گے ⑤ اور یہ لوگ عافیت سے پہلے آپ سے مصیبت کے جلدی آنے کا تقاضا کرتے ہیں

خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمُ الۡمَثُلٰتُ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ لِّلنَّاسِ

حالانکہ ان سے پہلے عذاب کے واقعات گذر چکے ہیں اور بلاشبہ آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود انہیں بخشنے

عَلٰی ظُلۡمِهِمۡ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ⑥ وَ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ

والا ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ آپ کا رب سخت عذاب والا ہے ⑥ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں

كَفَرُوۡا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡهِ اٰیَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّ

ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی آپ صرف ڈرانے والے ہیں اور

لِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ ⑦ ع

ہر قوم کے لیے ہدایت دینے والے ہوتے چلے آئے ہیں ⑦

تفسیر

یہاں سے سورۃ رعد شروع ہو رہی ہے اس کی ابتداء الر سے ہے جو حروف مقطعات میں سے ہے ان کے معنی اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہیں پہلے تو فرمایا کہ ''تلک آیات الکتاب'' یہ کتاب کی یعنی قرآن کریم کی آیات ہیں پھر فرمایا ''والذی انزل الیك من ربك الحق'' اور آپ کے رب کی طرف سے جو نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے اس کا حق ہونا امر واقعی ہے کوئی مانے یا نہ مانے وہ حق ہے ''ولکن اکثر الناس لا یؤمنون'' چونکہ لوگ نظر وفکر سے کام نہیں لیتے اپنے باپ دادے اور رواج کو سب کچھ سمجھتے ہیں اس لیے ایمان قبول نہیں کرتے پھر فرمایا کہ ''اللہ الذی رفع السموٰت بغیر عمد ترونھا'' اتنے بڑے بڑے آسمان ہیں جو بغیر کسی ستونوں کے اتنی بلندی پر قائم ہیں اور یہ آسمان تمہاری نظروں کے سامنے ہیں جنہیں تم دیکھ رہے ہو ''ثم استوی علی العرش'' استوی علی العرش کے بارے میں جو اہل سنت والجماعت کا جو مسلک ہے ہم سورۃ اعراف کے رکوع نمبر چھ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں ''وسخر الشمس والقمر'' انہیں جس کام میں لگایا ہے اس میں لگے ہوئے ہیں '' کل یجری لاجل مسمیً '' اللہ تعالیٰ نے جو نظام ان کے لیے مقرر فرما دیا ہے اس کے مطابق چلتے ہیں ہر ایک کا مدار مقرر ہے ان کی رفتار اسی مدار پر ہے۔

بعض حضرات نے ''لاجل مسمی'' سے دنیا کا وجود مراد لیا ہے اور مطلب یہ کہ چاند اور سورج وقت متعین تک چل رہے ہیں اور وقت معین قیامت کا قائم ہونا ہے جب قیامت قائم ہوگی تو چاند اور سورج کا نظام بھی ختم ہو جائے گا ''یدبر الامر'' اللہ تعالیٰ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے یعنی عالم سفلی اور عالم علوی میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے جس طرح چاہتا ہے تدبیر فرماتا ہے ''یفصل الاٰیات لعلکم بلقاء ربکم توقنون'' اس سے بعض حضرات نے آیاتِ قرآنی مراد لی ہیں اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس سے دلائل توحید مراد ہیں خواہ دلائل تشریعیہ ہوں جو آیاتِ قرآنیہ کو بھی شامل ہیں اور خواہ دلائل تکوینیہ ہوں جن میں سے بعض کا ذکر اگلی آیات میں گذر چکا ہے ان آیات کا بیان فرمانا اس لیے ہے کہ تم غور وفکر سے کام لو اور سمجھ لو کہ جب اللہ تعالیٰ ایسی ایسی عظیم چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو بدرجہ اولیٰ اسے مردوں کو زندہ کرنے پر قدرت ہے اسی کے حکم سے قیامت قائم ہوگی وہ مردوں کو زندہ فرمائے گا جو حساب کے موقع پر حاضر ہوں گے اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے فرمائے گا اسی کو ''بلقاء ربکم '' سے تعبیر کیا' وھو الذی مدالارض '' اور وہ اللہ جس نے

زمین کو پھیلا دیا اور اس میں بوجھل پہاڑ پیدا فرما دیئے جو اپنی جگہوں پر جمے ہوئے ہیں سورۃ لقمان میں فرمایا "والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم" کہ اللہ نے زمین پر بھاری بوجھل پہاڑوں کو ڈال دیا تا کہ زمین تمہارے ساتھ حرکت نہ کرے اور اس میں پہاڑوں کو پیدا فرمانے اور ان کو بوجھل بنانے اور زمین میں جما دینے کی حکمت بیان فرمائی "وانھرًا" یہ نہریں انسانوں کے پانی پینے اور جانوروں کو پلانے کے لیے اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں آیت شریفہ میں جو یہ فرمایا کہ زمین کو پھیلا دیا یہ پھیلانا زمین کے کرہ ہونے کے منافی نہیں ہے اگر زمین کروی ہو جیسے کہ اہل سائنس کہتے ہیں تو یہ زمین کے پھیلاؤ کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ پھیلاؤ کے لیے کسی چیز کا اول تا آخر سطح واحد ہونا ضروری نہیں ہے زمین چونکہ بہت بڑی ہے اس لیے انسانوں کا اس پر رہنا چلنا پھرنا اور سفر کرنا ایسا محسوس ہوتا ہے جیسا کہ سطح واحد پر ہی جا رہے ہیں۔

"ومن کل الثمرات جعل فیھا زوجین اثنین" اور زمین میں ہر طرح کے پھلوں میں سے دو دو قسم کے پھل پیدا فرمائے مثلاً بعض کھٹے ہیں اور بعض میٹھے بعض چھوٹے اور بعض بڑے کسی کا رنگ ہرا ہے کسی کا رنگ پیلا ہے چونکہ رنگ اور مزے دو سے زیادہ بھی ہوتے ہیں اس لیے بعض مفسرین نے فرمایا کہ "زوجین اثنین" میں تعداد انواع بیان کرنا مقصود ہے تعداد کا سب سے پہلا مرتبہ دو ہے "یغشی الیل النھار" یعنی دن کی روشنی کے بعد رات کو لے آتا ہے جس سے دن کی روشنی ختم ہو جاتی ہے، جس طرح کسی روشن چیز کو کسی پردہ سے ڈھانپ دیا جائے اسی طرح رات ڈھانپ لیتی ہے۔

"ان فی ذلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون" بلاشبہ ان میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں یہ جو کچھ باتیں بیان کی گئی ہیں ان میں فکر کرنے والے فکر کریں اور یہ سوچیں کہ مذکورہ بالا چیزوں کی تخلیق اور ان کی ایجاد اور ان کی بقاء اور ان کی تسخیر اور ترتیب بغیر کسی متصرف کے نہیں ہو سکتی ان کا مالک بھی ہے اور ان کا خالق بھی ہے اگر غور کریں گے تو اس کی الوہیت اور وحدانیت سمجھ میں آ جائے گی "وفی الارض قطع متجٰورٰت" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمین کی پیداوار کا ذکر فرمایا کہ اور اس پیداوار میں جو عجائبات قدرت ہیں ان کو بیان فرمایا ارشاد فرمایا کہ زمین میں بہت سے قطعے ہیں جو آپس میں ملے ہوئے ہیں ایک ٹکڑا دوسرے سے متصل ہے ان میں انگوروں کے باغات ہیں اور کھجور اور کھیتاں ہیں اور درخت ہیں جن میں بعض درخت ایسے ہیں جن کے اوپر جا کے

ایک تنے کے دو تنے ہو جاتے ہیں اور عام درختوں میں ایسا ہی ہوتا ہے اور بعض درخت ایسے ہیں جن میں ایک ہی تنا ہوتا ہے جیسا کہ کھجور کے درختوں کا مشاہدہ کیا جاتا ہے ان باغوں کھیتیوں کو ایک ہی طرح کا پانی پلایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود مزوں میں مختلف ہیں، بعض پھلوں کو بعض دوسرے پھلوں پر فضیلت ہے اور یہ بات بھی دیکھی جاتی ہے کہ کھاری زمین اچھی زمین سے متصل ہے اور دونوں میں درخت ہیں لیکن کھاری زمین کا اثر میٹھی زمین کے پھلوں میں نہیں آتا بلکہ خود کھاری زمین کے پھل بھی میٹھے ہوتے ہیں پھلوں کے میٹھے پن کا مزاج زمین کی کھاری پن پر غالب آجاتا ہے،''ان فی ذلک لأیت لقوم یعقلون " عقل والے غور کریں گے تو ان چیزوں کو دیکھ کر ان کے خالق و مالک کو پہچان سکتے ہیں جو ان چیزوں میں اپنی سمجھ کو خرچ نہیں کرتے وہ اہل عقل ہی نہیں۔

منکرین بعث کا انکار لائق تعجب ہے:

" اولٓئك الذ ین کفر و ا بر بھم و اولٓئك الا غلا ل فی ا عنا قھم " یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا یہ تو دنیا میں ان کا حال ہے اور آخرت میں جو ان کو سزا دی جائے گی ان میں سے ایک سزا یہ ہے کہ ان کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے "واولٓئك اصحاب النارھم فیھا خالدون" اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

'' پھر فرمایا "ویستعجلونك بالسئیة قبل الحسنة "یعنی ان سے جو کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ ورنہ دنیا آخرت میں عذاب بھگتنا ہوگا تو بطور استہزاء اور تمسخر کے کہتے ہیں کہ لاؤ عذاب لا کر دکھاؤ یہ لوگ عافیت اور سلامتی والی حالت میں جی رہے ہیں اس کے بجائے عذاب طلب کر رہے ہیں چونکہ عذاب والی بات کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اس لیے سلامتی اور قدر اور قضاء کا جو وقت اللہ کے ہاں مقرر ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے ہی عذاب کی رٹ لگا رہے ہیں انہیں یہ معلوم نہیں کہ کہ جب عذاب آجائے گا تو ٹالا نہ جائے گا سورۃ ہود میں فرمایا"ولئن اخرنا عنھم العذاب الی امتمعدودة لیقولن مایحبسه الایوم یاتیھم لیس مصروفاًعنھم وحاق بھم ماکانوابه یستھزئو ن" (اور اگر ہم ایک وقت مقرر تک ان سے عذاب موخر کر دیں تو کہتے ہیں کہ اسے کس نے روک رکھا ہے، خبردار! جس دن عذاب آجائے گا تو وہ ان سے ہٹایا نہیں جائے گا اور جس چیز کا وہ مذاق بناتے تھے وہ ان پر نازل ہو جائے گا۔

"وقدخلت من قبلھم المثلت" حالانکہ ان سے پہلے عذاب کے رسوا کن واقعات گذر چکے ہیں یعنی ان

سے پہلے قوموں پر عذاب آچکا ہے عذاب کے واقعات ان کو معلوم ہیں پھر بھی عذاب آنے کی خواہش کر رہے ہیں یہ ان کی بے ہودگی اور کم فہمی کی بات ہے "قال صاحب الروح المثلث جمع مثلة کسمرة و سمرات وهی العقوبة الفا ضحة"

"وان ربك لذو مغفرة للناس علی ظلمهم و ان ربك لشدید العقاب" مطلب یہ ہے کہ گناہ کر کے جو لوگ اپنی جانوں پہ ظلم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے کبھی توبہ سے کبھی بغیر توبہ کے، کبھی حسنات کے ذریعہ سیات کا کفارہ فرما کر اور کبھی اموال واولاد وغیرہ میں مصیبت بھیج کر اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے مغفرت والی بات سن کر سرکشی اور نافرمانی میں آگے بڑھتے ہوئے نہ چلے جائیں، اگر گرفت ہوگی تو عذاب کی مصیبت سے بچ نہ سکیں گے کافروں کی مغفرت کے لیے لازم ہے کہ کفر سے توبہ کریں اور اہل ایمان سے جو گناہ سرزد ہو جاتے ہیں ان کی مغفرت کی صورتیں متعدد ہیں جو بھی اوپر بیان کی گئیں۔

فرمائشی معجزہ طلب کرنے والوں کا عناد:

پھر فرمایا کہ "ویقول الذین کفروا لولا انزل علیه اٰیة من ربه" یعنی کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر آپ رسول ہیں تو آپ کی تصدیق اور تائید کے لئے وہ معجزہ ظاہر ہونا چاہیے جو ہم چاہتے ہیں جاہلوں نے ضد وعناد اور ایمان لانے سے انکار کرنے کے لئے جو حیلے تراشے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہم جو معجزہ چاہتے ہیں وہ ظاہر ہونا چاہئے درحقیقت معجزہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور فضل ظاہر کیا جاتا تھا اصل چیز تو دلائل ہیں جب دلائل سے حق واضح ہوگیا اور نبی کی نبوت ثابت ہوگئی تو نبی پر ایمان لانا فرض ہو جاتا تھا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہوتا تھا معجزات ظاہر ہو جاتے تھے جن لوگوں نے ماننا نہ تھا وہ نہ دلائل سے مانتے تھے اور نہ معجزہ دیکھ کر ایمان لاتے تھے ان کے کہنے کے مطابق بھی معجزات ظاہر ہوئے لیکن جنہیں عناد تھا اور ماننا نہ تھا انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے فرمائشی معجزوں کی بات کرنا قبول حق کے لیے نہیں تھا بلکہ اپنی ضد پر رہنے کے لیے تھا۔

پھر فرمایا کہ "انما انت منذر" آپ ان کی باتوں سے دل گیر نہ ہوں آپ کا کام صرف حق کا پہنچا دینا اور عذاب آخرت سے ڈرانا ہے لوگوں سے منوانا آپ کے ذمہ نہیں ہے اگر یہ کسی معجزہ کی فرمائش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے ظاہر نہیں فرماتا اور اس کو وہ عدم قبول کا بہانہ بناتے ہیں تو آپ فکرمند نہ ہوں جب آپ نے انذار و تبلیغ کا

کام کردیا تو آپ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ماننا نہ ماننا ان کا کام ہے، پھر فرمایا کہ " و لکل قو م ھا د " یعنی آپ سے پہلے بھی انبیاء اقوام کے لیے ہدایت کا پیغام لے کے آتے رہے ہیں ان کی بھی تکذیب کی گئی ان کی قوم میں سے کسی نے حق کو قبول کیا اور کسی نے نہیں کیا جو ان کے ساتھ ہوا وہی آپ کے ساتھ ہو رہا ہے منکرین کے طرز عمل سے رنجیدہ نہ ہوں صبر کریں اور اپنا کام کرتے رہیں۔

فائدہ:

"ولکل قوم ھاد "فرمایا ولکل قوم نبی نہیں فرمایا کیونکہ ھادی کے لیے نبی ہونا ضروری نہیں حضرات انبیاء کرام کی امتوں میں جو اہل علم تھے وہ اپنے اپنے نبی کی امتوں کو ہدایات دیتے رہے اگر دنیا کے کسی خطے میں کسی نبی کے تشریف لانے کا ثبوت نہ ملے تو اس سے آیت کے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا نبی نہیں آئے تو ان کے نائب ھادی ضرور آئے گو ہمیں ان سب کی تفصیل معلوم نہ ہو نیز یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جس کی نبوت کا ثبوت نہ ہو اسے خواہ مخواہ نبیوں کی فہرست میں شامل کر لینا کہ اقوام عالم میں سے کوئی نہ کوئی قوم اس کی طرف منسوب ہوتی ہے اور ان کے مذہب کا پیشوا اور بانی ہے یہ غلط ہے اور گمراہی ہے بعض لوگ ہندوؤں اور بدھ متوں اور زرتشتوں کے بڑوں کو نبی ماننے کے لیے تیار ہیں یہ ضلالت اور جہالت کی بات ہے یہ لوگ آیت کریمہ "ولکل قوم ھاد" سے استدلال کرتے ہیں اول تو آیت میں لفظ ھاد ہے لفظ نبی نہیں ہے دوسرے لفظ نبی بھی ہو تب بھی کسی کو بلا دلیل شرعی محض اٹکل سے نبی ماننا غلط ہے پھر ان کے اقوام کے پیشواؤں کی تعلیمات نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں جب اللہ تعالی نے نبوت کے ختم فرمانے کا اعلان فرما دیا تو اس کے بعد کسی کا دعوائے نبوت کرنا اور اس کی تصدیق کرنا سراپا کفر ہے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ

اللہ جانتا ہے جو کسی کو حمل ہوتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی اور بیشی ہوتی ہے اور ہر چیز اس کے پاس ایک خاص

وَ مَا تَزْدَادُ ؕ وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿۸﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ

مقدار کے ساتھ ہے ﴿۸﴾ وہ تمام پوشیدہ اور ظاہری چیزوں کا جاننے والا ہے

وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴿۹﴾ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ

بڑا ہے برتر ہے ﴿۹﴾ تم میں سے جو کوئی شخص بات آہستہ سے کہے اور جو شخص پکار کر کہے

الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌۢ

اور جو شخص رات میں چھپا ہوا ہو اور جو شخص دن میں چلتا پھرتا ہو یہ سب برابر ہیں ﴿۱۰﴾

بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ

ہر ایک کے آگے پیچھے آنے جانے والے فرشتے ہیں جو آگے سے اور پشت کے پیچھے سے آتے ہیں جو اللہ کے حکم

مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا

سے اس کی حفاظت کرتے ہیں بلاشبہ اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہ بدلتے،

بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا لَهُمْ

اور جب اللہ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے کوئی واپس کرنے والا نہیں اور ان لوگوں

مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا

کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ﴿۱۱﴾ اللہ وہی ہے جو تمہیں بجلی دکھاتا ہے جس سے تمہیں ڈر لگتا ہے

وَّ طَمَعًا وَّ يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ ۚ وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ

اور امید بندھتی ہے اور وہ بھاری بادلوں کو پیدا فرماتا ہے ﴿۱۲﴾ اور رعد اس کی تسبیح کے ساتھ اس کی تعریف کرتا ہے

وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا

اور فرشتے بھی اس کے خوف سے، اور وہ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جسے چاہے پہنچا دیتا ہے اور حال یہ ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ

کہ وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور وہ سخت قوت والا ہے ﴿۱۳﴾ سچا پکارنا اسی کے لیے

دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ

خاص ہے اور جو لوگ اس کے علاوہ کسی دوسرے کو پکارتے ہیں وہ ذرہ بھی ان کی درخواست کو قبول نہیں کرتے

بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ

مگر جیسے کوئی شخص پانی کی طرف اپنی ہتھیلیاں پھیلائے ہوئے ہوتا کہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس تک

وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

پہنچنے والا نہیں ہے اور کافروں کی پکار بس ضائع ہے ﴿۱۴﴾ اور اللہ کے لیے ہی سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ قُلْ

ہیں اور جو زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کے اوقات میں ﴿۱۵﴾ آپ سوال کیجیے

مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ

کہ آسمانوں اور زمینوں کا رب کون ہے؟ آپ جواب دیجیے کہ اللہ ہے آپ سوال کیجیے کہ کیا تم نے اللہ کے سوا

دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ

دوسرے مددگار تجویز کر رکھے ہیں جو اپنی جانوں کے لیے نفع اور ضرر کے مالک نہیں؟ آپ سوال کیجیے کہ کیا

يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ

نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا اندھیریاں اور روشنیاں برابر ہو سکتی ہیں کیا یہ بات ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے لیے

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ

شریک تجویز کر رکھے ہیں جنہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہو جیسے کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے جس کی وجہ سے ان پر مخلوق میں

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ اَنْزَلَ مِنَ

اشتباہ پیدا ہو گیا ہو آپ فرما دیجیے کہ اللہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے اور وہ تنہا ہے غالب ہے ﴿۱۶﴾ اللہ نے آسمان سے

السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا

پانی اتارا پھر نالے اپنی مقدار کے موافق بہنے لگے پانی نے اپنے اوپر جھاگ کو اٹھایا

رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ

جو پانی پر بلند ہے اور جن چیزوں کو آگ میں ڈال کر اوپر جلاتے ہیں تاکہ کوئی زیور یا کوئی دوسری نفع کی چیز حاصل کریں

زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ

اس میں بھی اس طرح کا جھاگ ہے اس طرح اللہ حق و باطل کی مثال بیان فرماتا ہے سو جو جھاگ ہے

فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ

وہ تو بے فائدہ ہو کر چلا جاتا ہے اور جو لوگوں کو نفع دیتا ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ

اللہ تعالیٰ ایسے مثالیں بیان فرماتا ہے ﴿۱۷﴾ جن لوگوں نے اپنے رب کی اطاعت کی ان لوگوں کے لیے

وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

جنت ہے اور جن لوگوں نے اللہ کی فرمانبرداری نہ کی اگر ان کے لیے وہ سب کچھ جو زمین میں ہے

وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۬ۙ وَمَاْوٰىهُمْ

اور اس کے ساتھ اس جیسا اور بھی ہو تو وہ سب کو اپنی جان کے بدلہ میں دے دیں گے یہ وہ لوگ ہیں

جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾

جن کے لیے برا حساب ہے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ رہنے کی بری جگہ ہے ﴿۱۸﴾

تفسیر

اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کہ عورتوں کے رحم میں کیا ہے:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات جلیلہ میں سے صفت علم کو بیان فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کا جو حمل رہ جاتا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ پوری طرح جانتا ہے کب استقرار ہوگا اور کب وضع حمل ہوگا اور لڑکا

وجود میں آئے گا یا لڑکی وجود میں آئے گی ادھورا بچہ کرے گا یا پورا بچہ کرے گا اس کا رنگ روپ کیسا ہوگا اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ رحم میں بچہ ہے یا یوں ہی ہوا کی وجہ سے پھولا ہوا ہے اور رحموں میں جو چیز کم ہوتی اور جو چیز زیادہ ہوتی ہے اس کا علم بھی اللہ کے پاس ہے ابتداء کتنے جسم سے یا کتنے وزن سے ہوتی ہے کتنا اضافہ ہوگا اور بچہ تھوڑی دیر میں پیدا ہوگا یا زیادہ دیر میں وغیرہ وغیرہ سب باتوں کا علم اللہ کے پاس ہے یہاں پہنچ کے بعض بے علم یہ اشکال کرتے ہیں کہ رحم میں کیا ہے لڑکی یا لڑکا اس کے بارے میں ڈاکٹر پہلے سے بتا دیتے ہیں لہٰذا یہ بات کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہی ہے محل نظر ہوگئی، ان لوگوں کا یہ اشکال اور سوال غلط ہے اللہ تعالیٰ کا علم جو ہے وہ آلات اور تجربات کی بنیاد پر نہیں ہے وہ علیم وخبیر ہے اسے کسی آلہ اور کسی تجربہ کی ضرورت نہیں ہے اور مخلوق کا جو علم ہے وہ آلات اور تجربات کی بناء پر ہے پھر ان کی بات غلط بھی نکل آتی ہے یہ علم اللہ کے علم کے برابر کیسے ہوسکتا ہے؟ جسے تخلیق عالم سے پہلے ہی سب کچھ معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ کس مرد کے نطفے سے کس عورت کے رحم سے کیا پیدا ہوگا اور پورا ہوگا یا ادھورا ہوگا "وکل شئی عندہ بمقدار" اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کی ایک خاص مقدار مقرر ہے یہ بھی پتہ ہے کہ یہ بچہ ہے کتنے دن شکم مادر میں رہے گا کتنے برس دنیا میں جیے گا کتنا رزق ملے گا اور کیا کیا عمل کرے گا وغیرہ وغیرہ۔

"عالم الغیب و الشھادۃ الکبیر المتعال" پھر معلومات الٰہیہ کی مزید جزئیات ذکر فرمادیں اور فرمایا "سواء منکم من اسر القول ومن جھر بہ" تم میں جو شخص آہستہ سے بات کرے اور جو زور سے کرے اور جو شخص کہیں رات کو چھپا ہوا ہو یا دن میں کہیں چل پھر رہا ہو اللہ تعالیٰ ان سب کو یکساں جانتا ہے کوئی شخص کسی حال میں اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے وہ ہر ایک بات کو جانتا ہے پھر اپنی ایک نعمت کو بیان فرمایا۔

فرشتے بندوں کی حفاظت کرتے ہیں:

"لہ معقبٰت من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ" کہ انسان کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر فرمادیے ہیں جو اس کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے حفاظت کرتے ہیں اور ضرر دینے والی چیزوں سے بچاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس بات پر لگایا ہے کہ وہ انسان کی حفاظت کریں کہ کوئی اس کے اوپر دیوار نہ گر جائے یا کسی کنویں میں نہ گر جائے جب اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کے مطابق کوئی تکلیف پہنچنے کا موقع آجاتا ہے تو فرشتے علیحدہ ہوجاتے ہیں لہٰذا جو تکلیف پہنچنی ہوتی ہے پہنچ جاتی ہے۔

جب تک لوگ نافرمانی اختیار کر کے مستحق عذاب نہیں ہوتے:

اس کے بعد فرمایا کہ " ان الله لایغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسهم "مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے امن اور عافیت والی حالت کو مصائب اور آفات سے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود ہی تبدیلی نہ لے آئیں یعنی بے عملی اختیار کر کے عذاب کے مستحق نہ ہو جائیں جب وہ اپنے اچھے حالات کو سرکشی اور نافرمانی سے بدل دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی عافیت کو آفات اور بلیات سے بدل دیتا ہے اور ایسے موقع پر فرشتوں کا جو پہرہ ہے وہ بھی اٹھالیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قہر اور عذاب آجاتا ہے "واذا اراد الله بقوم سوءً فلا مرد له "اللہ کی طرف سے جب کسی قوم پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو وہ مصیبت آکر ہی رہتی ہے اسے کوئی ہٹانے والا اور دفع کرنے والا نہیں "ومالهم من دونه من وال "اللہ کے سوا کوئی ان کا والی نہیں ہے جو ان کی مصیبت کو رفع کرے اس وقت حفاظت کے فرشتے ہٹ جاتے ہیں اور مصیبت آکر ہی رہتی ہے۔

بادل اور بجلی اور رعد کا تذکرہ:

بجلی اور بادل یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ سے تکوین اور تخلیق سے وجود میں آتی ہیں اللہ تعالیٰ بجلی کو بھیجتا ہے لوگ اس کو دیکھتے ہیں اور لوگ اس سے ڈر جاتے ہیں اور بعض لوگ اسے نفع کی امید باندھتے ہیں کہ بارش ہوگی تو کھیت کی آبیاری ہوگی اور بارش اچھی ہوگی "و ینشی السحاب الثقال" یہ بادل ایسی جگہ جا کے برس پڑتے ہیں جہاں اللہ کا حکم ہوتا ہے سورۃ اعراف میں فرمایا کہ "وهو یرسل الریٰح بشرا بین یدیه" اور اللہ وہی ہے جو خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور اس کی رحمت یعنی بارش کے آنے سے پہلے یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھالیتی ہیں تو ہم کسی ایسی جگہ بادل کو بھیجتے ہیں جو مردہ تھی یعنی اس میں کسی درخت گھاس کا کوئی نشان بھی نہ تھا پھر ہم اس جگہ میں پانی اتار دیتے ہیں پھر اس پانی کے ذریعہ ہر طرح کے پھل نکال دیتے ہیں۔

رعد کیا ہے؟

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک یہودی حضور ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے ابوالقاسم

ہمیں یہ بتائیے کہ رعد کیا ہے آپ نے فرمایا کہ رعد فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر کیا ہوا ہے اس کے پاس پھاڑنے والی چیزیں ہیں جو آگ کی بنی ہوئی ہیں وہ ان کے ذریعہ سے بادلوں کو ہانکتا ہے اللہ جہاں چاہتا ہے وہاں لے جاتا ہے، یہودی نے عرض کیا کہ یہ آواز کیا جو سننے میں آتی ہے، آپ نے فرمایا کہ بادل کو جھڑکنے کی آواز ہے رعد انہیں جھڑکتا ہے یہاں تک کہ بادلوں کو وہاں لے جاتا ہے جہاں لے جانے کا حکم ہوتا ہے۔

"ویرسل الصواعق" کا سبب نزول

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کو رؤسائے جاہلیت میں سے ایک شخص کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دینے کے لیے بھیجا، اس نے کہا کہ تمہارا رب کون ہے؟ جس کے ماننے کی دعوت دیتے ہو لوہے کا ہے یا تانبے کا ہے یا چاندی کا ہے یا سونے کا ہے، وہ صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں واپس آیا اور آپ کو اس کی باتوں کی خبر دی آپ نے انہیں دوبارہ بھیجا اس شخص نے پھر وہی بات کی جو پہلے کی تھی یہ صحابی پھر حاضر خدمت ہوا تین مرتبہ ایسا ہوا اور پھر وہ واپس آیا اور آپ کو اس کے سوال سے باخبر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر بجلی نازل فرمادی جس کی وجہ سے وہ جل گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ اتاری" و یرسل الصواعق" ایک روایت میں ہے کہ جب وہ شخص بات کر رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سر کے اوپر سے بادل بھیج دیا وہ بادل گرجا اور بجلی گری جو اس کافر اور سرکش کی کھوپڑی کو لے کے چلی گئی۔

غیر اللہ سے مانگنے والوں کی مثال:

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنا ہی سچی پکار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سب کی پکار کو سنتا ہے جو مشرک ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارتے ہیں یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں وہ خود عاجز ہیں کسی کی پکار پر کوئی مدد نہیں کر سکتے ان لوگوں کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہتھیلیاں پھیلائے ہوئے ہو اور پانی کو بلا رہا ہو کہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس کے منہ کو پہنچنے والا نہیں ہے جس طرح یہ پانی سے درخواست کرنے والا پانی پہنچنے کی آرزو سے محروم رہے گا اس طرح مشرکین کے معبودان باطلہ بھی عاجز محض ہیں وہ پکارنے والے کی کچھ فریاد رسی نہیں کر سکتے سورہ اعراف میں فرمایا کہ "والذین تدعون من دونہ لا یستطیعون نصر کم و لا

انفسھم ینصرون'' اور اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے "وما دعاء الکفرین الا فی ضلال" اور کافر لوگ جو اپنے معبودوں کو پکارتے ہیں یہ سب ضائع ہیں " و للہ یسجد من فی السمٰوٰت والارض " کہ جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں ان سجدہ کرنے والوں میں خوشی سے سجدہ کرنے والے بھی ہیں اور مجبوری سے اور ان کے سائے بھی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور یہ سجدہ صبح وشام کے اوقات میں ہر وقت کرتے ہیں۔

یسجد کا معنی:

اور بعض لوگوں نے اس کا معروف معنی لیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں جو فرشتے ہیں اور مؤمنین ہیں یہ سب اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں جب سجدہ کرتے ہیں تو دھوپ یا روشنی میں ان کا سایہ بھی ان کا تابع ہو کر سجدہ کرتا ہے یعنی سائے کی پشت بھی دیکھنے میں آجاتی ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ خوشی کا سجدہ ان لوگوں کا ہے جن پر سجدہ کرنا شاق نہیں گزرتا اور زبردستی کا سجدہ ان لوگوں کا ہے جو سجدہ تو کرتے ہیں لیکن سجدہ کرنا ان کی طبیعتوں پر شاق گزرتا ہے۔

اور بعض حضرات۔یسجد کا معنی تخضع اور ینقاد کا لیا ہے ان حضرات کے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جتنی مخلوق ہے وہ اللہ کے لیے سر خم کیے ہوئے ہے یعنی اللہ کی مشیت اور اللہ کے ارادہ کے مطابق چلتے ہیں ان میں ایسے بھی ہیں جو باختیار خود اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو مجبور ہو کے اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور تکوینی طور پر تو سارے کے سارے اس کے تابع ہیں ان چیزوں کے جو سائے ہیں وہ بھی اللہ کی مشیت کے تابع ہیں صبح وشام جو بھی سایہ ہو اللہ کی مشیت کے مطابق چلتا ہے اور گھٹتا بڑھتا ہے۔یعنی اللہ کے فرمانبردار ہیں جس طرح وہ چاہتا ہے وہ اس کو گھٹاتا ہے اور بڑھاتا ہے اور صبح وشام کے وقت ان کے گھٹنے اور بڑھنے کا مظاہرہ زیادہ ہوتا ہے اس لیے ان وقتوں کی تخصیص کی گئی۔

"الم تر الی ربك کیف مد الظل ولو شاء لجعله ساکنا ثم جعلنا الشمس علیه دلیلا" کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے کیسے پھیلا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پہ ٹھہرا ہوا رکھتا پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا۔

"طوعاً و کرھاً" کے بارے میں سورۃ ال عمران میں "افغیر دین اللہ یبغو ن ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعاً و کرھاً" کی تفسیر میں جو ہم نے لکھا ہے کہ اس کی بھی مراجعت کر لی جائے پھر فرمایا کہ "قل من رب السمٰوٰ ت والارض" یعنی آپ مشرکین سے سوال کیجیے کہ بتاؤ آسمانوں اور زمینوں کا رب کون ہے؟ پھر آپ خود ہی جواب دیجیے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے وہ جہل عناد کی وجہ سے جواب نہ دے سکیں تو آپ انہیں بتا دیں اور سمجھا دیں اس کے بعد فرمایا کہ آپ زجر اور توبیخ اور سرزنش کے طور پر ان سے سوال فرمائیں کہ جو تم نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے اولیاء بنا رکھے ہیں اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ ہماری مدد کرتے ہیں یہ تو اپنی جانوں تک کے لیے کسی بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں نہ کوئی اپنی طرف سے نفع لا سکتے ہیں اور نہ اپنے سے کوئی ضرر دفع کر سکتے ہیں جب ان کا اپنی جان کے بارے میں یہ حال ہے جسے تم جانتے ہو تو وہ تمہیں کیا نفع دے سکتے ہیں اور تم سے کیا کسی ضرر کو دفع کر سکتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ جن کو تم نے اولیاء بنایا ہے عاجز محض ہیں پھر بھی تم نے ان کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا تف ہے اس سفاہت اور ضلالت پر۔

بینا اور نابینا اور نور اور اندھیرا برابر نہیں ہو سکتے:

" قل ھل یستو ی الاعمیٰ والبصیر '' نابینا سے مشرک مراد ہے جو اس ذات پاک کی عبادت نہیں کرتا جو مستحق عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت میں لگا ہوا ہے اور بینا سے موحد مراد ہے جو صرف یہ جانتا ہے کہ مجھے اللہ کی عبادت کرنی ہے اور پھر وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے، جس طرح آنکھوں سے معذور دیکھنے والے کے برابر نہیں ہو سکتا اس طرح مؤمن مشرک برابر نہیں ہو سکتے،" ام ھل تستوی الظلمٰت و النو ر "اندھیروں سے تمام کفر کی انواع مراد ہیں اس لیے اسے جمع لایا گیا اور نور سے ایمانِ توحید مراد ہے جس طرح حسیات میں اندھیرا اور روشنی برابر نہیں ہو سکتا اس طرح دینیات میں ہے ایمان اور کفر برابر نہیں ہو سکتے کافروں کے جتنے بھی دین ہیں وہ سب ملت واحدہ ہیں، ان کا دین الگ ہے اور اہل ایمان کا دین الگ ہے ایمان و کفر برابر نہیں، مؤمن اور کافر برابر نہیں ایمان جنت میں لے جانے والا ہے اور کفر دوزخ میں لے جانے والا ہے۔

"او من کا ن میتاً فا حیینٰہ و جعلنا لہ نو ر ایمشی بہٖ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمٰت لیس بخارج منھا" جو شخص مردہ تھا ہم نے زندہ کر دیا اور اسکے لیے ایسا نور مقرر کر دیا جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں چلتا

ہے کیا یہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں ہے اور ان سے نکلنے والا نہیں ہے۔

" ام جعلوا اللہ شرکآء خلقوا کخلقه فتشابه الخلق علیهم " یہ سب استفہام انکاری کے طور پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے سب کو اسی نے وجود بخشا ہے اسی کو ہی سب مانتے ہیں لھذا اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے اگر کسی اور نے بھی مخلوق پیدا کی ہوتی تو اشتباہ ہونے کا موقع ہوتا کہ اس نے بھی بعض چیزوں کی تخلیق کی ہے لھذا یہ بھی مستحق ہے اس کی بھی عبادت ہونی چاہیے "العیاذ باللہ" لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے کچھ پیدا کیا ہی نہیں اگر سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو اس پر بھی قادر نہیں "ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا و لو جتمعوا له" لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

"قل اللہ خالق کل شئ و ھوا لوا حد القھار" آپ فرمادیجیے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے لہٰذا سب کا وہی معبود ہے اور وہی واحد حقیقی ہے اور وہ الوہیت میں اور ربوبیت میں منفرد ہے اور متوحد ہے اور وہ سب پر غالب ہے ساری مخلوق مقہور اور مغلوب ہے اور مخلوق اور مقہور وہ خالق وقہار جل جلالہ کا شریک کیسے ہوسکتا ہے؟

حق اور باطل کی مثال:

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں حق اور باطل کی دو مثالیں بیان فرمائیں۔

پہلی مثال:

اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے یہ بارش کا پانی نالے اور وادیوں میں چل دیتا ہے جو پانی چلتا ہے خس وخاشاک کو بہا کر لے جاتا ہے پانی پر بہت سا کوڑا کرکٹ جمع ہو جاتا ہے جو پھولا ہوا نظر آتا ہے وہ پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتا ہے پھر کوڑا کرکٹ تو بلا فائدہ رہ جاتا ہے ادھر ادھر کہیں ٹھہر جاتا ہے اور پانی کہیں جمع ہو جاتا ہے جس سے کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں اور انسان اس میں سے پیتے ہیں اور نہاتے ہیں اور دھوتے ہیں یا زمین میں اندر چلا جاتا ہے اور جو اندر کے چشموں سے جا کے مل جاتا ہے جو اصل چیز ہے یعنی نفع دینے والی چیز اس میں ٹھہر جاتی ہے۔

دوسری مثال:

یہ بیان فرمائی کہ لوگ زیور یا کوئی دوسری کام کی چیز مثلاً برتن وغیرہ حاصل کرنے کے لیے چاندی سونے کو گلاتے ہیں اور گلانے کے لیے نیچے آگ جلاتے ہیں اور جب آگ جلتی ہے اور سونا چاندی کو تپایا جاتا ہے تو خالص

چیز علیحدہ ہو جاتی ہے اور جھاگ علیحدہ ہو جاتی ہے یہ جھاگ بھی پانی کے سیلاب کی طرح اوپر اٹھے ہوئے نظر آتے ہیں پھر یہ جھاگ تو پھینک دیے جاتے ہیں اور اصل چیز یعنی یہ چیز باقی رہ جاتی ہے اور کام میں لائی جاتی ہے اور دوسری چیز فضول ہے پہلی مثال میں پانی نافع ہے اور خس وخاشاک بے کار ہے، اور دوسری مثال میں سونا چاندی یا دوسری دھاتیں نافع ہیں اور گرم کرتے وقت جو میل کچیل نکلتا ہے وہ بے کار ہوتا ہے، اس طرح سے حق و باطل یعنی ایمان اور کفر کو سمجھ لیا جائے کہ ایمان نافع چیز ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور کفر باطل چیز ہے اس پر اللہ کی طرف سے کوئی اجر وثواب نہیں ہے بلکہ وہ دوزخ میں داخل کرانے کا ذریعہ ہے دنیا میں کفر اگر چہ پھولا پھلا نظر آتا ہے لیکن انجام کے اعتبار سے وہ بالکل بے وزن بے فائدہ اور بے حقیقت ہے۔

دوسری آیت:

دوسری آیت میں اہل ایمان اور کافروں کے کفر کی بدحالی کا تذکرہ ہے" للذین استجابوا لربھم الحسنی" جو لوگ اللہ کی دعوت کو قبول کر کے اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کیا ان کے لیے اچھا ثواب ہے یعنی جنت ہے ان لوگوں کے لیے۔ اور جن لوگوں نے اللہ کے دین کو قبول نہیں کیا وہ لوگ سخت مصیبت میں ہوں گے، اول تو ان سے بری طرح یعنی سخت حساب لیا جائے گا اور پھر انہیں دوزخ میں بھیج دیا جائے گا جو بہت برا ٹھکانہ ہے جب حساب اور عذاب کی مصیبت میں گرفتار ہوں گے تو اپنی جان کا بدلہ دینے کے لیے رضا مند ہوں گے وہاں کوئی مال پاس نہ ہوگا لیکن اگر بالفرض پوری زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب ان کے پاس ہو اور اس کی مقدار اور بھی ہو تو اس سب کو دے کر جان چھڑانے پر راضی ہوں گے پارہ سوم کی آخری آیت اور پارہ ششم کی نصف پر آیت کریمہ " ان الذین کفروا لو ان لھم ما فی الارض جمیعا " کی تفسیر دوبارہ ملاحظہ کر لی جائے۔

اَفَمَنۡ يَّعۡلَمُ اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الۡحَـقُّ كَمَنۡ هُوَ اَعۡمٰىؕ

کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ اتارا گیا ہے تیری رب کی طرف سے حق ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہو،

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِۙ ﴿۱۹﴾ الَّذِيۡنَ يُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ

سوائے اس کے نہیں کہ نصیحت عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں ﴿۱۹﴾ وہ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو

وَلَا يَنۡقُضُوۡنَ الۡمِيۡثَاقَۙ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ

اور اپنے عہد کو توڑتے نہیں ہیں ﴿۲۰﴾ اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں اس چیز کو جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے

بِهٖۤ اَنۡ يُّوۡصَلَ وَيَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ وَيَخَافُوۡنَ سُوۡٓءَ الۡحِسَابِؕ ﴿۲۱﴾

کہ اسے ملایا جائے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے اندیشہ کرتے ہیں ﴿۲۱﴾

وَالَّذِيۡنَ صَبَرُوا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِمۡ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡفَقُوۡا

اور وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں

مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

اس میں سے جو ہم نے انہیں دی پوشیدہ طور پر بھی اور ظاہری طور پر بھی اور دفع کرتے ہیں اچھائی کے ساتھ برائی کو

اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عُقۡبَى الدَّارِۙ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا وَمَنۡ

یہی لوگ ہیں کہ اچھا انجام ان کے لیے ہے ﴿۲۲﴾ ہمیشگی کی باغ ہیں جن میں یہ داخل ہوں گے اور وہ

صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَاَزۡوَاجِهِمۡ وَذُرِّيّٰتِهِمۡ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يَدۡخُلُوۡنَ

بھی جو صلاحیت والے لوگ ہیں ان کے آباء میں سے اور ان کی ازواج میں سے اور ان کی اولاد میں سے اور فرشتے

عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ كُلِّ بَابٍۚ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ

ان پر داخل ہوں گے ان کے اوپر ہر دروازہ سے ﴿۲۳﴾ یہ کہتے ہوئے کہ تم پر سلام ہو بسبب تمہارے صبر کرنے کے پس

عُقۡبَى الدَّارِؕ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيۡنَ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ

آخرت کا انجام بہت ہی بہتر ہے ﴿۲۴﴾ اور وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اس کے پختہ کرنے کے بعد

مِيۡثَاقِهٖ وَ يَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ يُّوۡصَلَ وَيُفۡسِدُوۡنَ

اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ ملایا جائے اور فساد کرتے ہیں

فِى الۡاَرۡضِ‌ ۙ اُولٰٓـئِكَ لَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡۤءُ الدَّارِ ۝۲۵ اَللّٰهُ

زمین میں یہی لوگ ہیں ان کے لیے لعنت ہے اور آخرت کا انجام برا ہے انہی لوگوں کے لیے ۲۵ اللہ

يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ‌ ؕ وَفَرِحُوۡا بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ

کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے اور خوش ہو گئے یہ لوگ دنیا کی زندگی کے ساتھ

وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝۲۶ وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا

اور نہیں ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں مگر تھوڑا سا سامان ۲۶ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں کیوں نہیں

لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ‌ ؕ قُلۡ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنۡ

اتاری گئی اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے

يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ اَنَابَ ۝۲۷ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَطۡمَٮِٕنُّ

اور راستہ دکھلاتا ہے اپنی طرف اس شخص کو جو اس کی طرف رجوع کرے ۲۷ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں

قُلُوۡبُهُمۡ بِذِكۡرِ اللّٰهِ‌ ؕ اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَٮِٕنُّ الۡقُلُوۡبُ ۝۲۸ اَلَّذِيۡنَ

اور سکون حاصل کرتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد کے ساتھ، خبردار! اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے ۲۸ جو لوگ

اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوۡبٰى لَهُمۡ وَحُسۡنُ مَاٰبٍ ۝۲۹ كَذٰلِكَ

ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے اچھی حالت ہے اور ان کے لیے اچھا ٹھکانہ ہے ۲۹ ایسے ہی

اَرۡسَلۡنٰكَ فِىۡۤ اُمَّةٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتۡلُوَا۟ عَلَيۡهِمُ

بھیجا ہم نے آپ کو ایک جماعت میں جس سے پہلے بہت ساری جماعتیں گزر چکی ہیں تاکہ تو پڑھے

الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ

ان پر وہ چیز جو ہم نے تیری طرف وحی کی اور انکار کرتے ہیں رحمٰن کا آپ کہہ دیجیے کہ وہ میرا رب ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝۳۰ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا

کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے ۝۳۰ اور اگر قرآن چلائے جاتے

سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ

اس کے ذریعہ سے پہاڑ یا قطع کی جاتی اس کے ذریعہ سے زمین یا کلام کی جاتی اس کے ذریعہ سے مردوں سے (تو بھی یہ ایمان نہ لاتے) بلکہ

لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْــــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ

سارے کا سارا امر اللہ کے لیے ہے، کیا نا اُمید نہیں ہوئے وہ لوگ جو ایمان لائے یہ سوچ کر کہ اگر اللہ چاہتا

لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ

تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا، ہمیشہ رہیں گے یہ لوگ جنہوں نے کفر کیا پہنچتی رہے گی انہیں کوئی مصیبت

بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ

بسبب ان کے کردار کے یا اترتی رہے گی ان کے گھر کے قریب یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجائے

وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۳۱ۧ

بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ۝۳۱

تفسیر

ماقبل سے ربط:

پچھلے رکوع کے آخری حصہ میں حق و باطل کو اللہ تعالیٰ نے مثالوں کے ساتھ نمایاں کیا تھا اور آخری آیت میں اہل حق و اہل باطل کے کچھ انجام کا ذکر کیا تھا اس وقت جو آپ کے سامنے آیات پڑھی گئی ہیں ان میں سے پہلے رکوع میں اہل حق اور اہل باطل کی صفات کو واضح کیا گیا ہے، اس میں بھی انہی دو فریقوں کا ذکر ہے اور ان کی صفات کو

واضح کیا گیا ہے اور صفات کے ساتھ پھر آگے ان کا انجام بھی آگیا۔

نصیحت حاصل کرنے والے اور نہ کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے:

پہلے تو یہ بتایا گیا ہے جو اللہ کی طرف سے آپ پر اتارا جار ہا ہے جن لوگوں نے جان لیا کہ یہ حق ہے وہ تو اس طرح ہیں کہ ان کی آنکھیں کھل گئی ہیں، حقیقت ان کو نظر آ گئی، وہ تو بینا ہیں اس لیے جو کچھ اللہ کی طرف سے اترتا ہے ان کا دل قبول کرتا جار ہا ہے، دل خوشی کے ساتھ ان باتوں کو قبول کرتا جاتا ہے، جیسے آنکھ آ جانے کے بعد انسان کے سامنے راستہ نمایاں ہوتا جاتا ہے وہ بھی اس طرح کتاب سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جنہوں نے یہ علم حاصل نہیں کیا اور وہ اس پر اترنے والی چیز کو حق نہیں سمجھتے ہیں وہ اندھوں کی طرح ہیں، اندھے کے سامنے ہزار چراغ جلا دو اس کے سامنے اندھیرے کا اندھیرا ہی رہتا ہے تو یہ دونوں فریق برابر نہیں ہو سکتے ہیں جیسے یہاں رہتے ہوئے دونوں کا حال برابر نہیں ہے اس طرح انجام کے اعتبار سے بھی برابر نہیں ہیں اور خالص عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں، جن کی عقل شہوات سے مغلوب نہ ہو، جو اغراض کے بندے نہ ہوں لالچ اور حرص کے مارے ہوئے نہ ہوں اس قسم کے لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں، لب ایسی خالص عقل کو کہتے ہیں جو جذبات سے مغلوب نہ ہو، نصیحت حاصل کرنا انہی کا کام ہے جو جذبات سے خالی ہو کر اور اپنے ماحول سے آزاد ہو کر، مختلف قسم کی جو بندھنیں انسان کے ذہن کے اوپر چڑھی ہوئی ہیں ان کو اتار کر مثلاً تقلید آباء ہے اپنے ماحول کی پابندی ہے، دوست احباب کے حلقے ہیں اپنے دنیاوی مفادات ہیں ان چیزوں سے آزاد ہو کر جو سوچتے ہیں وہی لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں، ورنہ جو شخص عقل کے جذبات سے مغلوب ہو اور انسان اپنے مفاد کی بات سوچے تو کبھی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا اور عقل والے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں ان کی یہ صفات ہیں جو آگے اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ہیں۔

اہل حق کی صفات:

اللہ کے ساتھ جو انہوں نے عہد کیا اس کو پورا کرتے ہیں اس عہد سے عہد فطرت بھی مراد ہے جو آدم کو پیدا کر کے اولاد آدم کو موجود کر کے اللہ تعالیٰ نے لیا تھا " الست بربکم قالو بلیٰ" سورت اعراف کے اندر اس کی تفصیل آپ کے سامنے آئی تھی، اس عہد کی پابندی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو رب نہ سمجھا

جائے، اپنی ضروریات کا پورا کرنے والا نہ سمجھا جائے اس عہد کو وفا کرتے ہیں اور عہد کو پختہ کرنے بعد توڑتے نہیں ہیں اور عہد اللہ کے تحت اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات آجاتے ہیں کیونکہ جب ایک شخص ایمان قبول کرتا ہے "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک عہد ہے کہ میں اللہ کے علاوہ کسی کو معبود نہیں سمجھتا، عبادت صرف اس کی کروں گا کسی اور کی نہیں کروں گا، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طریقے اس کے رسول سے سیکھوں گا، کلمہ کا حاصل یہ ایک عہد ہے، اور اللہ اور اپنے کے درمیان نبی کو ایک واسطہ مان لیا گیا اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ جو کچھ کہیں گے میں اس کو ہی حق سمجھوں گا اور اس کے مطابق چلوں گا اس عہد کے بعد وہ اس عہد کی پابندی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے وہ احکام جو اللہ کے رسول کی وساطت سے ملتے ہیں ان پر وہ عمل کرتے ہیں اللہ کے ساتھ ان کا معاملہ صحیح ہے۔

اور دوسری صفت یہ ہے کہ جس چیز کا اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کو ملا کے رکھا جائے اس کو ملاتے ہیں اس کا اعلیٰ مصداق ہے صلہ رحمی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس قسم کے احکام ہمیں دیے ہیں اپنی عبادت اور اطاعت کے بارے میں بھی ہیں اور مخلوق خدا کی خدمت کے متعلق بھی ہیں خصوصیت کے ساتھ جن کے ساتھ قرابت اور ان کی رشتہ داری ہے جتنا جتنا جس کے ساتھ قرابت اور رشتہ داری ہوتی جائے گی اتنا اتنا اس کے ساتھ صلہ رحمی میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا تو جن کو ملا کے رکھنے کا حکم دیا ہے ان کو ملا کے رکھتے ہیں اور جس چیز کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں، رشتہ داروں کے ساتھ مل کے رہنا، ان کے حقوق ادا کرنا اور ان کی خوشی وغمی میں شریک ہونا، موقع بموقع ان کے ساتھ تعاون کرنا یہ ساری چیزیں صلہ رحمی میں داخل ہیں حدیث شریف کے اندر اس کی بہت زیادہ تفصیل موجود ہے۔

" و یخشون ربھم " اور اپنے رب سے خشیت رکھتے ہیں یعنی اپنے رب کی عظمت محسوس کرتے ہوئے اس سے ڈرتے ہیں، رب سے ڈرنا اس طرح نہیں ہے کہ جس طرح انسان کسی موذی چیز سے ڈرتا ہے رب سے ڈرنا ایسا ہی ہوتا ہے جس طرح اولاد اپنے ماں باپ سے ڈرتی ہے، شاگرد اپنے استاد سے ڈرتا ہے، مرید اپنے شیخ سے ڈرتا ہے یہ ڈرنا ہوتا ہے عظمت کی بناء پر کہ کہیں یہ ناراض نہ ہو جائے، دماغ پر یہ خوف مسلط ہوتا ہے اور برے حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔

اور وہ لوگ جو مستقل مزاج ہیں، صبر کا معنی کئی مرتبہ آپ کے سامنے عرض کیا ہے صبر کا اصل مطلب یہ ہوتا

ہے کہ نفس کی خواہشات کے خلاف نفس کو پابند رکھا جائے، اللہ کے احکام پر مستقل رہنا اور مختلف حالات کے تحت ڈگمگانہ جانا یہ صبر کا مفہوم ہے اس کو آپ استقامت کے ساتھ بھی ادا کر سکتے ہیں، مصیبت کے وقت میں صبر کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان گھبرانہ جائے، اپنے آپ سے باہر نہ ہو جائے، ہوش حواس نہ کھو بیٹھے، شکوہ شکایت نہ کرے بلکہ اس کو برداشت کرے، نیکی کا حکم آ گیا اور جی چاہتا ہے کہ یہ کام نہ کیا جائے تو وہاں اپنے نفس کو پابند رکھا جائے خواہشات کے پیچھے آزاد نہ چھوڑ دیا جائے، گناہوں سے روکنے کے لیے نفس کو پابند کیا جائے صبر میں یہ سب کچھ داخل ہے اور پھر ان کا یہ صبر کرنا اپنے رب کی رضا چاہنے کے لیے ہے تو رب کی رضا چاہنے کے لیے جو صبر ہوا کرتا ہے وہ ابتداء سے ہی ہو جاتا ہے، آپ جانتے ہیں جب ایک مصیبت آ گئی، خلاف مزاج کوئی واقعہ پیش آ گیا تو اللہ کی رضا چاہنے کے لے صبر کریں یہ ہے فضیلت ورنہ رو دھو کے شور مچا کے تھک ہار کے صبر تو سارے کر لیتے ہیں، وہ صبر ایک غیر اختیاری صبر ہے وہ باعث فضیلت نہیں ہے اللہ کی رضا چاہنے کے لیے صبر کیا جائے اور یہ صبر وہی ہے جو صدمہ اولیٰ کے وقت میں ہی انسان کرے، جب صدمہ پہنچا اسی وقت انسان اپنے آپ کو سنبھال لے، ابتداء کے اندر ہی اپنے آپ کو سنبھال لینا یہ اعلیٰ درجہ کا صبر ہے۔

اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں سراً بھی اور علانیۃً بھی ظاہری طور پر بھی اور خفیہ طور پر بھی، اب جہاں بھی انفاق کا ذکر آتا ہے وہاں اکثر وبیشتر "وممارزقنا ھم" کے الفاظ آتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں یعنی انسان کے ذہن میں یہ بات ڈال دی گئی کہ تمہیں جس چیز کو خرچ کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے اس کو تم ماں کے بطن سے نہیں لے کے آئے تھے، یہ تمہاری کوئی اپنی ذاتی چیز نہیں ہے یہ ہمارا ہی دیا ہوا ہے، اس بات کو ہر شخص اپنے ذہن کے اندر رکھے کہ میرے پاس جو کچھ ہے سب اللہ کا ہی دیا ہوا ہے پھر اس میں اگر خرچ کرنے کا حکم دیا جائے تو انسان کو گراں نہیں گزرتا، خرچ کو آسان کرنے کے لیے یہ لفظ آتا ہے۔

اگر آپ نے میرے پاس پیسے رکھے ہوئے ہیں بطور امانت کے اور کہتے ہیں کہ اس میں سے پانچ روپے فلاں کو دے دو تو اگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ پیسے آپ کے ہی ہیں تو آپ کے کہنے سے مجھے پانچ روپے دے دینے میں کیا تکلیف ہے اور اگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ پیسے میرے ہیں اور پھر آپ کہیں کے اس میں سے پانچ روپے فلاں کو

دے دوتو پھر میں سوچوں گا کہ میں اپنی چیز دوسرے کو کیوں دوں، یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ دیا ہوا ہمارا ہی ہے اس میں سے تمہیں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے کہ فلاں جگہ اتنا دے دو فلاں جگہ اتنا دے دو، اپنے اہل وعیال پہ خرچ کرلو، اتنا اپنی ذات پہ خرچ کرلو، اتنا کاروبار میں لگا دو، ہدایات وہی دیتا ہے تو جب دیا ہوا اسی کا ہے تو اس کی ہدایات کی پابندی انسان پر گراں نہیں ہونی چاہیے وہ اللہ کے دیے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں، اگر پوشیدہ طور پر خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو پوشیدہ طور پر خرچ کرتے ہیں کہیں مصلحت ہوتی ہے کہ کسی کے سامنے ظاہر نہ کیا جائے اور اگر علی الاعلان خرچ کرنے میں مصلحت ہے تو علی الاعلان خرچ کرتے ہیں دونوں طرح ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں بلکہ فرض صدقات، زکوۃ کو تو علی الاعلان خرچ کرنا چاہیے تاکہ کسی دوسرے کو اتہام کا موقع نہ ملے کہ یہ زکوۃ ادا نہیں کرتے اور نفلی صدقات اکثر وبیشتر سراً ہونے چاہئیں اور اگر سراً دینے کے ساتھ فائدہ زیادہ محسوس ہوتا ہے کہ جس کو ہم دینے چاہتے ہیں اگر ہم اس کو علی الاعلان دیں گے تو وہ ذلت محسوس کرے گا تو وہاں سراً دینا افضل ہے اور اگر علی الاعلان دینے میں فائدہ زیادہ محسوس ہو کہ دوسروں کو بھی ترغیب ہوگی تو اس وقت علی الاعلان دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے، یہ موقع محل کی بات ہے نہ سراً ضروری ہے اور نہ علی الاعلان ضروری ہے اور اس طرح نہ سراً دینا ناجائز ہے اور نہ علانیۃً ناجائز ہے موقع محل کے مطابق اس میں فضیلت پیدا ہو جاتی ہے کبھی ظاہر کر کے دینے میں فضیلت ہوتی اور کبھی مخفی کر کے دینے میں فضیلت ہوتی ہے۔

"ویدرئون باالحسنۃ السیئۃ" یہ ایک اور صفت آگئی کہ اچھائی کے ساتھ برائی کو دفع کرتے ہیں اس کا معنی پہلے بھی آپ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ اگر ان سے خود کوئی برائی ہو جاتی ہے تو نیکی کے ساتھ اس کی تلافی کرتے ہیں اگر کسی کے ساتھ برا برتاؤ ہو گیا تو بعد میں اچھائی کر کے اس کا ازالہ کر دیتے ہیں یا کوئی ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ نہیں دیتے بلکہ اچھائی کے ساتھ اس کو دفع کرتے ہیں اچھائی کے ساتھ برائی کو یعنی کوئی شخص ان کے ساتھ کوئی برائی کرتا ہے تو آگے سے وہ اچھائی کرتے ہیں، یہ اعلیٰ درجہ کی عقل مندوں کی صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ شمار کر رہے ہیں اس قسم کی صفتیں پائی جائیں تو انسان عقل مند ہوتا ہے، یہ جو آجکل کا فلسفہ ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے یہ عقل کا تقاضا نہیں، قرآن کریم بار بار یہی تلقین کرتا ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ دفع کرو اگر تمہارے ساتھ کوئی برا برتاؤ کرتا ہے تو مقابلہ میں اس کے ساتھ احسان کرو، اچھائی کرو گے تو اس میں نقصان بھی

کوئی نہیں ہوگا اور جو فائدہ آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ہو جائے گا جیسے قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی ہے "ادفع بالتی ھی احسن فاذالذی بینك وبینه عدواۃ کانه ولی حمیم" کہ تیرے اور جس کے درمیان میں عداوت ہے اگر تم اس کی برائی کو اچھائی کے ساتھ دفع کرو گے تو ایسا ہو جائے گا گویا کہ گرم جوش دوست ہے۔

لیکن اس میں وہی بات ہے کہ آپ جس کے ساتھ یہ معاملہ کرنا چاہتے ہیں اس میں شرافت بھی ہو پھر تو واقعۃً وہ برائی کے مقابلہ میں اچھائی کرنے کے ساتھ متاثر ہوگا اور اگر مدمقابل نے پریشان کرنے کی قسم کی اٹھا رکھی ہے، اس کی فطرت ہی گندی ہے، اور وہ جانتا ہی نہیں کہ احسان کیا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے جو جہاد شروع کیا ہے تو اسی لیے کیا ہے تو پھر اس کا علاج جوتے کے ساتھ کرو، جو احسان سے متاثر نہ ہوں ان کے لیے "وانزلنا الحدید" ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ نے لوہا اس لیے اتارا ہے کہ پھر اس قسم کے لوگوں کا دماغ ٹھیک کیا جائے، باقی اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے کہ اگر برائی کے مقابلہ میں اچھائی کریں گے کسی نے آپ کو غصہ کے ساتھ گالی دی ہے اور جواب میں آپ مسکرا کے جواب دیں گے تو اس کا جوش خود ہی ٹھنڈا ہو جائے گا۔

گذشتہ صفات سے متصف لوگوں کا انجام:

"اولئك لھم عقبی الدار" جن کے اندر یہ صفات پائی جاتی ہیں اللہ کے عہد کی پابندی کرتے ہیں صلہ رحمی کرتے ہیں، ہر وقت اپنے رب سے ڈرتے ہیں، برے وقت کا خوف ہر وقت ان کے ذہن میں مسلط رہتا ہے، اللہ کی رضا چاہنے کے لیے صبر و استقامت اختیار کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں سراً اور علانیۃً، برائی کے جواب میں اچھائی کرتے ہیں، اچھائی کے ذریعہ سے برائی کو دفع کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کو آخرت میں اچھا انجام ملے گا۔

وہ اچھا انجام کیا ہے؟ وہ ہیشگی کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے، اور آگے اللہ کی طرف سے ایک اور اکرام ہے کہ خود بھی جائیں گے اور ان کی اولاد و ازواج اور ان کے آباء بھی ساتھ جائیں گے اس کی تفصیل آپ کے سامنے سورہ طور میں آئے گی جس کا حاصل یہ ہے کہ نیک آدمی کے متعلقین اگر وہ اس درجہ میں نہیں بھی ہوں گے جس درجہ میں وہ خود ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعزاز و اکرام کے طور پر اس کے متعلقین کو ترقی دے کر اس کے درجہ میں پہنچا دیں گے تو متعلقین کا ایک ہی درجہ میں جمع ہو جانا یہ بھی جنت کی نعمتوں میں سے ہے ایک نعمت ہے اور اس موقع پر

جا کے نسب و نسبت کام آئے گی، نسب بھی کام آئے گا اور نسبت بھی کام آئے گی، نسب تو جیسے باپ بیٹے کا تعلق ہوتا ہے اور نسبت ایسے ہے جیسے استاد شاگرد کی ہوتی ہے پیر مرید کی ہے اور اس طرح آپس میں دوستی اور محبت ہے تو اس قسم کی نسبتیں کام آئیں گی ان کی ذریعہ سے بھی ترقی درجات ہوگی لیکن ان کو ترقی دے کے اوپر کے درجات میں تب ہی پہنچایا جائے گا جبکہ ان میں جنت جانے کی صلاحیت بھی ہو یعنی ان میں ایمان بھی ہو اور اگر کسی کے پاس ایمان ہی نہیں ہے چاہے وہ نبی کا باپ ہو یا نبی کا بیٹا ہو کتنے ہی بڑے ولی کا بیٹا کیوں نہ ہو اگر اس کے پاس ایمان نہیں ہے تو پھر آخرت میں جا کے کوئی کسی قسم کی ترقی نہیں ہوگی اور جنت میں داخلہ نہیں ملے گا من صلح میں صلاحیت کی قید لگا دی گئی کہ یہ ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید اکرام ہے کہ جہاں یہ جائیں گے وہاں یہ ان کے متعلقین بھی داخل ہو جائیں گے اور پھر فرشتے ان کے اوپر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے "سلام علیکم بماصبرتم" اور "فنعم عقبی الدار" ان کا قول بھی ہو سکتا ہے اور براہ راست اللہ کا قول بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں جو آخرت میں اچھا انجام ملا ہے یہ بہت ہی بہتر چیز ہے۔

بے عقلوں کی صفات اور ان کا انجام:

اب مقابلہ میں دوسرے لوگ آ گئے جو عقل مند نہیں ہیں، جنہوں نے اپنی عقل کو ماؤف کر رکھا ہے، اغراض کے پیچھے چلتے ہیں، شہوات سے مغلوب ہیں تو یہ بے عقل لوگ مقابلہ میں آ گئے جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اس کو پختہ کرنے کے بعد، صلہ رحمی نہیں کرتے بلکہ قطع رحمی کرتے ہیں بھائیوں کے حقوق نہیں پہچانتے بہنوں کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے، ماں باپ کی خدمت نہیں کرتے، ان کے ساتھ احسان کا معاملہ نہیں کرتے ان کی غمی میں شریک نہیں ہوتے ان کے ساتھ تعاون کا معاملہ نہیں کرتے یہ سب قطع رحمی کے اندر داخل ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں اور فساد ان دونوں باتوں کا لازمی نتیجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی یہ دو ہی چیزیں ہیں جو زمین میں امن قائم کرتی ہیں اور اگر اللہ کے احکام کی پابندی نہ کی جائے اور بندوں کے حقوق ادا نہ کیے جائیں تو فساد ہی فساد ہے تو پہلی صورت زمین میں اصلاح کی ہے کہ اللہ کے احکام کی پابند کرو اور متعلقین کے حقوق بھی ادا کرو، ہر شخص اپنے متعلقین کے حقوق کو ادا کرتا چلا جائے تو ایسی صورت میں اصلاح ہی اصلاح ہوتی ہے اور جہاں دوسروں کے حقوق تلف کرنا شروع کر دیے جائیں اللہ تعالیٰ کے احکام کی رعایت نہ رکھی جائے تو ایسی صورت میں پھر فساد ہی

فساد ہے تو جو اللہ کے حقوق نہیں ادا کرتے اور صلہ رحمی نہیں کرتے، قطع رحمی کرتے ہیں " او لئك لهم اللعنة" یہی لوگ ہیں جن کے اوپر اللہ کی لعنت ہے، یہ اللہ کی رحمت سے محروم ہیں اور آخرت میں برا انجام ان کے لیے ہوگا۔

دنیا میں مال کی وسعت اللہ کے ہاں مقبول ہونے کی علامت نہیں ہے:

باقی اگر کوئی کہے کہ یہ جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں، قطع رحمی کرتے ہیں، یہ فسادی دنیا کے اندر بھی خوشحال ہیں بہت رزق ان کو حاصل ہے، بڑی کوٹھیاں ہیں ہر طرح سے خوشحال نظر آتے ہیں، اچھا کھاتے ہیں اچھا پہنتے ہیں چنانچہ کافر لوگ انہی چیزوں کو حق پہ ہونے کی دلیل کے طور پر بیان کرتے تھے کہ جب ہم دنیا میں اس طرح خوشحال ہیں، اتنا ہمیں اللہ نے رزق دے رکھا ہے اور تم جو کہتے ہو کہ ہم اللہ کے پیارے ہیں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہو، نہ کوئی کام کی روٹی ملے اور نہ کام کے کپڑے ملے نہ رہنے کی جگہ تو دنیا کے اندر ان کو جو راحت آرام حاصل ہے اس کو دلیل بناتے تھے اس پر کہ تم اللہ کے مقبول نہیں، ہم اللہ کے مقبول ہیں تو یہاں ان ملعونوں کے نظریہ کو رد کیا جا رہا ہے کہ دنیا کے اندر کسی کے پاس رزق کا آ جانا، پیسوں کا زیادہ آ جانا یہ اللہ کے ہاں مقبول ہونے کی علامت نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ کی اپنی تقسیم ہے، کسی حکمت کے ساتھ جس کو چاہے زیادہ دے دے جس کو چاہے کم دے دے، دنیا کے اندر رزق کی کمی یا رزق کی زیادتی اللہ کے ہاں مقبول یا ملعون ہونے کی علامت نہیں ہے بسا اوقات اللہ تعالیٰ دنیا ملعونوں کو زیادہ دیتا ہے چنانچہ یہ بیچارے مزدور لوگ جو صبح سے لے کر شام تک ٹوکریاں اٹھاتے ہیں اور جو سارا دن کھیتوں میں کام کرتے ہوئے خون پسینہ ایک کر دیتے ہیں ان کے گھروں میں آپ کو خوشحالی کہاں نظر آتی ہے جو رشوت لینے والوں کے گھروں میں ہے، جو سود خوروں کے گھروں میں ہے تو یہ سود کھانا اور رشوت لینا یہ کوئی اچھا کام ہے جس کی بناء پر رزق کی خوشحالی ہوگئی؟ اس سے بھی آگے چلیے چور اس بھی زیادہ پیسے اکٹھے کر لیتا ہے بغیر کسی محنت کے اور جیب تراش صبح نکلتا ہے اور شام تک ہزاروں روپے اکٹھے کر لیتا ہے ڈاکو ایک دن میں بینک لوٹ کے کروڑوں کے مالک بن جاتے ہیں اب وہ اس بات پر خوش ہو جائیں کہ جب اللہ نے ہمیں اتنے پیسے دے دیے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا طریقہ ہی اچھا ہے جس شخص کے دماغ میں تھوڑی سی بھی عقل ہے وہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ طریقے اچھے ہیں، کوئی شخص جس کی عقل و ہوش ہو اس قائم ہے وہ ان جرائم کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا ہے لیکن وہ مجرم اگر یہ کہیں کہ ہم تم سے اچھا کھاتے ہیں، اور اچھا پہنتے ہیں اور اچھی جگہ رہتے ہیں، اتنی خوشی ہمیں حاصل ہے اتنی خوشی

کسی کو بھی حاصل نہیں ہے، تم پورا مہینہ جتنا کماتے ہو ہم وہ صبح سے لے کر شام تک اس سے چار گنا زیادہ حاصل کر لیتے ہیں تو کیا ان کی باتیں سن کے تمہارے دل میں یہ خیال آئے گا کہ ہمیں بھی یہی طریقہ اپنانا چاہیے کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت ہی خوشحال طریقہ ہے لیکن عقلمند انسان کبھی اس مجرمانہ زندگی کی تعریف نہیں کر سکتا چاہے کوئی انسان اس میں گھنٹوں میں کتنے ہی پیسے کیوں نہ کما لیتا ہو لیکن اس سے محنت مزدوری کی زندگی زیادہ بہتر ہے، پیسے کنجروں کے پاس بھی زیادہ ہو سکتے ہیں، اور ایک شریف آدمی غربت اور مسکنت کے ساتھ اپنا وقت گذار سکتا ہے تو یہ رزق کی تنگی یا رزق کی وسعت کوئی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ کون اللہ کے ہاں زیادہ مقبول ہے اور کون اللہ کے ہاں مردود ہے، دنیا میں رزق کی تقسیم اللہ کی حکمت کے تحت ہے۔

اور اگر ایک شخص دلیل کے ساتھ کمینہ ہے تو مال کی وسعت اس کو شریف ثابت نہیں کر سکتی جیسے ہمارے شیخ کہتے ہیں کہ گدھے کو اگر ریشم کا لباس پہنا دو تو اس سے وہ انسان تو نہیں بن جائے گا، گدھا ریشم کا لباس پہن کر بھی گدھے کا گدھا ہی رہتا ہے اس طرح اگر صفات تو یہ ہیں جو ملعونوں کی نقل کی گئی ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مردود ہے، دلیل کے ساتھ آپ جانتے ہیں کہ یہ شخص اچھا نہیں ہے تو اس کے اچھے لباس کو دیکھ کے، کوٹھی کو دیکھ کے یا اس کے پاس پیسوں کی وسعت کو دیکھ کے یہ خیال کرنا یہ بڑا نیک بخت ہے یہ تو بے عقلی کی بات ہے انسان کو چاہیے کہ کردار وہ اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہے، دنیا کے اندر اصلاح کا باعث ہے، امن وسکون کا باعث ہے، پیسوں کی وسعت اور پیسوں کی کمی تو ہوتی رہتی ہے تو یہ ملعون اپنے اچھے ہونے کے لیے استدلال اس بات سے کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رزق بہت ہے اس کی یہاں تردید کی جا رہی ہے کہ اللہ کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے، یہ لوگ دنیاوی زندگی پہ خوش ہیں اور نہیں ہے یہ دنیاوی زندگی مگر آخرت کے مقابلہ میں تھوڑا سا سامان، جب آخرت کی نعمتیں ملیں گی تو اس کے مقابلہ میں دنیا کی نعمتیں ایسے معلوم ہوں گی جیسے سمندر کے مقابلہ قطرہ بلکہ اس سے بھی کم۔

آیت نمبر ۲۷ کا مفہوم:

اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں اس کے اوپر کوئی نشانی کیوں نہیں اتار دی جاتی جیسے پہلے رکوع کی آخری آیات میں آیا تھا تو آپ ان کو کہہ دیجیے کہ معلوم یوں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بھٹکا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے

ہدایت دیتا ہے اور ہدایت اسی کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے یعنی اتنی نشانیاں واضح ہو جانے کے بعد اور اس قسم کی معجز کلام کے آجانے کے بعد پھر بھی وہی مرغی کی ایک ٹانگ کہ جیسی ہم کہتے ہیں ویسی نشانیاں کیوں ہمارے سامنے نہیں آتی تو معلوم یوں ہوتا ہے کہ تمہاری قسمت میں ہدایت ہی نہیں تمہاری قسمت میں ضلالت ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے محروم کر رکھا ہے اور جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اللہ انہیں سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے، وہ ایمان لے آتے ہیں اور اللہ کے ذکر سے ہی ان کے قلوب مطمئن ہوتے ہیں یعنی وہ اس قسم کے کرشمے اور معجزے نہیں مانگتے کہ ہمیں فلاں کرتب دکھاؤ تب ہم ایمان لائیں گے، وہ اللہ کی ذات کو سوچتے ہیں اور اللہ کی صفات میں غور کرتے ہیں اس کے علم اور حکمت کے نمونے دیکھتے ہیں جتنا وہ اللہ کو یاد کرتے جاتے ہیں اتنا ہی ان کو اطمینان زیادہ حاصل ہوتا چلا جاتا ہے کہ واقعی یہ راستہ صحیح راستہ ہے تو دلوں کو اگر اطمینان آسکتا ہے تو اس طرح اللہ کی ذات وصفات کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے ساتھ ہی آسکتا ہے ورنہ کافر قوموں نے انبیاء کے ہزاروں معجزے دیکھے لیکن انہیں کبھی بھی قلبی اطمینان حاصل نہیں ہوا اور جنہوں نے اپنا رخ سیدھا کر کے اللہ کی ذات کے ساتھ لگا لیا اس کی صفات پہ غور کرنا شروع کر دیا، اللہ کے تصرفات جو دنیا میں چلتے ہیں ان میں غور کرنے لگ گئے اطمینان حاصل کرنے کا یہ راستہ ہے۔

اسی سے عمومی الفاظ کے ساتھ یہ بات نکل آتی ہے کہ دنیا کا ساز و سامان بھی انسان کے قلب کو سکون اور اطمینان نہیں دلا سکتا ہے جتنا اطمینان اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتا ہے، دل کی اصل خوراک اللہ کی یاد ہے، جو لوگ اللہ کا یاد نہیں کرتے یعنی اللہ کے ساتھ ان کا کوئی ربط نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کے عقیدے صحیح نہیں ہیں تو ان کو اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا، جس وقت تک دل کو صحیح غذاء نہیں دی جائے گی اس وقت تک دل کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا ہے۔

جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ان کے لیے اچھی حالت ہے اور ان کے لیے اچھا ٹھکانا ہے

"کذالك ارسلناك فی امة ہم نے آپ کو ایک ایسی جماعت میں بھیجا جس سے پہلے بہت ساری جماعتیں گذر چکی ہیں، بہت سارے انبیاء آئے، بہت ساری امتیں گذریں بھیجا کس لیے؟ تا کہ آپ ان کے اوپر وہ کتاب پڑھیں، تلاوت کریں آپ ان پر وہ چیز جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور یہ رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں، رحمٰن کے متعلق ایمان نہیں لاتے آپ انہیں بتا دیجیے کہ تم مانتے ہو مانو نہیں مانتے ہو نہ مانو وہ رحمٰن میرا رب ہے اور

اس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں، میں تو اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔

آخری آیت کا مفہوم:

"لوان قرآناً" یہ ان کے ایک مطالبہ کا جواب ہے، وہ کہتے تھے مکہ معظمہ کے پہاڑ جنہوں نے مکہ معظمہ کی زمین کو تنگ کر رکھا ہے اور کاشت وغیرہ کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے معجزہ کے طور پر وہ طلب کرتے تھے کہ ان پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دو اور کبھی کہتے تھے کہ یہاں پانی کی کمی ہے یہاں چشمے جاری کر دو یا کہتے تھے ہمیں سفر کرنے پڑتے ہیں اور سفر بڑی تنگی کے ہیں جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تم کہتے ہو کہ ہوا ان کے لیے مسخر کر دی گئی تھی مہینوں کا سفر گھنٹوں میں کر لیتے تھے تو اس طرح کوئی ایسی صورت پیدا کر دو کہ جس سے زمین قطع ہو جایا کرے یعنی سفر قطع ہو جایا کرے یا زمین میں چشمے جاری ہو جائیں ان کے مطالبوں کی تفصیل سورہ بنی اسرائیل میں آئے گی کہ انہوں نے کیا مطالبے کیے تھے؟ اور کبھی کہتے تھے ہمارے مرے ہوئے آباؤ اجداد کو ہمارے سامنے زندہ کر دو کہ ہم سے باتیں کریں پھر ہم مانیں گے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس قرآن کے اندر اگر اس قسم کے اثرات ظاہر بھی کر دیے جائیں تو پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے جنہوں نے ماننا ہوتا ہے وہ اللہ کا نام سن کر ہی متاثر ہو جایا کرتے ہیں اور جنہوں نے نہیں ماننا ان کو جو چاہو دکھاتے چلے جاؤ وہ نہیں مانیں گے کیونکہ یہ چیزیں موثر بالذات نہیں ہیں کہ جب یہ سامنے آجائیں تو دیکھنے والے ضرور ایمان لائیں۔ ورنہ اس قسم کے معجزے پہلی امتوں کے اندر انبیاء نے دکھائے تو بھی وہ لوگ متاثر نہیں ہوئے، حضور ﷺ نے اپنے مخاطبین کے سامنے ہر قسم کے معجزات نمایاں کیے لیکن یہ لوگ متاثر نہیں ہوئے، تو یہ اسباب بذات خود ایمان کا باعث نہیں بنتے یہ چیزیں قلب میں ایمان نہیں ڈالتیں، یہ سارا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

ایمان کن قلوب میں آتا ہے اس کے لیے اللہ کے بنائے ہوئے قوانین اور ضوابط علیحدہ ہیں کہ انسان خلوص کے ساتھ حق کو سمجھنا چاہے تو، اپنی قوت نظریہ اور فکر یہ کو صرف کرے تو اللہ تعالیٰ سیدھا راستہ نمایاں کر دیتے ہیں ورنہ معجزات بذات خود ایمان نہیں دلاتے، یہ موثر بالذات نہیں ہیں، اگر یہ قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے ذریعہ سے پہاڑوں کو چلا دیا جاتا جس طرح یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں یا اس کے ذریعہ سے زمین قطع کر دی جاتی اور چشمے جاری

کر دیے جاتے یا اس کے ذریعہ سے سفر قطع ہونے لگ جاتا یا اس کے ذریعہ سے مردوں سے باتیں ہو جاتیں تو بھی یہ ایمان نہ لاتے کیونکہ یہ چیزیں موثر بالذات نہیں بلکہ سارے کا سارا امر اللہ ہی کے لیے ہے۔

تو اس بات کو سن کے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب کو زبردستی مؤمن بنا دیتا مسلمانوں اور مؤمنین کو مطمئن ہونا چاہیے جو اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ معجزہ دکھا دیں تو شاید یہ لوگ مان جائیں مؤمنوں کے دل میں اس قسم کے خیالات کبھی آ جاتے تھے کہ جیسے معجزات یہ مانگتے ہیں اگر اس قسم کے معجزات ان کے سامنے ظاہر کر دیے جائیں تو شاید یہ لوگ ایمان لائیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے اگر سب لوگوں کو مؤمن بنانا ہوتا تو اللہ تعالیٰ زبردستی بنا دیتا، ان کی فطرت ہی ایسی بنا دیتا کہ یہ غلطی کی طرف نہ جاتے صحیح راستہ پر چلتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اختیار دے کے جو ان کو چھوڑا ہے تو بعض مانیں گے اور بعض نہیں مانیں گے اس بات سے مسلمانوں اور مؤمنین کا دل مطمئن ہو جانا چاہیے۔

باقی کافر لوگ جو دندناتے پھرتے ہیں یہ تھوڑے دن ہیں، ان کو ان کے کردار کے باعث کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے گھروں کے پاس کوئی اس قسم کا واقعہ پیش آتا رہے گا جو ان کے لیے تنبیہ کا باعث ہوگا حتیٰ کہ اللہ کا وعدہ آ جائے گا یہاں اللہ کے وعدے سے مراد یہ ہے کہ حق غالب ہو جائے اور یہ مغلوب ہو جائیں تو گویا کہ فتح مکہ اس وعدہ کا ایک مصداق ہے تو جب فتح مکہ ہو گیا تو ان کا سارا کروفر ختم ہو گیا، نام ونشان تک مٹا دیا گیا بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتے اور اس نے حق کے غلبہ کا وعدہ کر رکھا ہے اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ اس وعدہ کو پورا کریں گے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

البتہ استہزاء کیا گیا رسولوں کے ساتھ جو آپ سے پہلے گزرے ہیں پھر میں نے مہلت دی ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا

ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ

میں نے ان کو پکڑا پھر میرا سزا دینا کیسا ہوا؟ ﴿۳۲﴾ کیا وہ جو قائم ہے

عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ

ہر نفس پر اس کے کسب کے ساتھ اور ان لوگوں نے اللہ کے لیے شرکاء بنا لیے آپ ان سے کہہ دیجیے ان کے نام لو

اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ

کیا تم خبر دیتے ہو اللہ کو ایسی چیز کی جن کو اللہ نہیں جانتا زمین میں یا ظاہر بات کے طور پر

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ

بلکہ مزین کیا گیا ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا ان کے مکر کو اور وہ راستہ سے روک دیے گئے

وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ

اور جس کو اللہ تعالیٰ بھٹکا دے اس کو کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ﴿۳۳﴾ ان کے لیے عذاب ہے دنیاوی زندگی میں

الدُّنْيَا وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾

اور آخرت کا عذاب بہت سخت ہے اور نہیں ہے ان کو کوئی اللہ کے عذاب سے بچانے والا ﴿۳۴﴾

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

حالت اس جنت کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے متقین سے جاری ہوں گی اس کے نیچے سے نہریں

اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ

اس کا پھل دائمی ہے اس کا سایہ بھی دائمی ہے، یہ ہے انجام ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور کافروں کا

النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

انجام جہنم ہے ﴿۳۵﴾ وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی خوش ہوتے ہیں وہ اس کتاب کے ذریعہ سے جو آپ کی طرف اتاری گئی

وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ

اور گروہوں میں سے بعض انکار کرتے ہیں اس کتاب کے بعض حصہ کا آپ کہہ دیجیے کہ اس کے سوا کچھ نہیں مجھے حکم دیا گیا ہے میں اللہ کی عبادت کروں

وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ

اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں میں اس کی طرف بلاتا ہوں اور اس کی طرف میرا ٹھکانہ ہے ﴿۳۶﴾ ایسے ہی ہم نے اتارا

حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَمَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ

اس قرآن کو اس حال میں کہ یہ عربی حکم ہے اور اگر تو نے اتباع کی ان کی خواہشات کی بعد اس کے کہ علم آگیا

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا

آپ کے پاس تو نہیں ہے اللہ کے مقابلہ میں تیرے لیے کوئی دوست اور نہ کوئی بچانے والا ﴿۳۷﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجے رسول

مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ

آپ سے پہلے اور بنائیں ہم نے ان کے لیے بیویاں بھی اور اولاد بھی، کسی رسول کے لیے یہ نہیں ہے

اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ

کہ وہ لے آئے کوئی نشانی مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ، ہر وقت کے لیے اللہ کے ہاں تحریر ہے ﴿۳۸﴾ مٹاتا ہے اللہ

مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ

جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے (جو چاہتا ہے) اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے ﴿۳۹﴾ اگر ہم آپ کو دکھا دیں

بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ

بعض اس کا جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں پس آپ کے ذمے تو پہنچا دینا ہی ہے

وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا
اور حساب ہمارے ذمہ ہے ﴿۴۰﴾ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ آ رہے ہیں ہم زمین کو گھٹاتے ہوئے
مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ
اس کے کناروں سے اللہ حکم دیتا ہے اس کے حکم کو مٹانے والا کوئی نہیں ہے اور وہ بہت جلد
الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ
حساب لینے والا ہے ﴿۴۱﴾ اور تحقیق خفیہ تدبیریں کی تھیں ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں پس تدبیر ساری
يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى
کی ساری اللہ کے لیے ہی ہے وہ جانتا ہے جو کچھ کرتا ہے ہر نفس اور عنقریب جان لیں گے کافر آخرت کا انجام
الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ
کس کے لیے ہے ﴿۴۲﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تو بھیجا ہوا نہیں ہے آپ کہہ دیجیے کہ اللہ گواہ کافی ہے
شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾
میرے اور تمہارے درمیان اور وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔ ﴿۴۳﴾

تفسیر

پہلی آیت کا مفہوم:

پہلی آیت کا تعلق سرور کائنات ﷺ کی تسلی سے ہے کہ یہ لوگ اگر آپ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں تو آپ اس کی پرواہ نہ کریں آپ سے پہلے جو رسول گذرے ہیں ان کے ساتھ بھی اس طرح استہزاء کیا گیا ہے تو جب یہ معلوم ہے کہ اللہ کی طرف سے رسول آتے ہیں اور وہ اس قوم کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کرتے ہیں، ان کو اچھی اچھی باتیں بتاتے ہیں لیکن ان کے مخاطب آگے سے استہزاء کرتے ہیں تو آپ بھی اس جماعت کا ایک فرد ہیں اگر آپ کے ساتھ ایسا معاملہ ہو رہا ہے تو آپ کو بھی گھبرانا نہیں چاہیے بہر حال اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے جو

بھی رسول آتا ہے ان کے مخاطبین ان کا مذاق اڑایا ہی کرتے ہیں، جس طرح رسولوں کے ساتھ اس طرح ہوتا ہے، انبیاء کے ورثاء کے ساتھ بھی ہمیشہ ایسا ہوتا آیا ہے علماء اور صلحاء جو کہ انبیاء کے جانشین سمجھے جاتے ہیں جاہل قسم کے لوگ دنیا کی محبت میں مبتلاء لوگ خواہشات کے پیچھے چلنے والے ہوتے ہیں یہ علماء جب ان کے سامنے رکاوٹ پیدا کرتے ہیں تو یہ لوگ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، یہ مذاق اڑایا جانا یوں سمجھو کہ یہ تو انبیاء کے وارث ہونے کی نشانی ہے تو جب انبیاء کے ساتھ ہوتا تھا تو ان کے ورثاء کے ساتھ بھی ایسا ہی ہونا چاہیے تبھی تو صحیح جانشینی سامنے آئے گی تو جیسے اللہ تعالیٰ سرورِ کائنات ﷺ کو پہلے لوگوں کا حوالہ دے کر تسلی دے رہے ہیں کہ پہلے لوگوں کے ساتھ بھی ان لوگوں نے ایسے ہی کیا اس لیے آپ گھبرائیں نہیں تو آپ حضرات کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ علماء اور صلحاء جو آپ کے اکابر ہیں، اسلاف جن کا آپ اپنے آپ کو وارث قرار دیتے ہیں ان کے ساتھ بھی ہمیشہ ایسا ہوتا آیا ہے دنیادار قسم کے لوگ ان کی تحقیر کرتے ہیں، تذلیل کرتے ہیں اس لیے گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، ایسے حالات میں دل نہیں چھوڑنا چاہیے، جس جماعت میں انسان شامل ہوتا ہے اس جماعت کی تمام خصوصیات اور لوازمات برداشت کرنے ہی پڑتے ہیں جیسے ہمارا شیخ (سعدی) کہتا ہے کہ یا تو ہاتھی والوں سے یاری نہ لگایا کرو اگر ہاتھی والوں سے یاری لگائی ہے تو پھر کوٹھے اونچے اونچے بنایا کرو کہ وہ ہاتھی لے کے آئیں تو پھر ان کے لیے کم از کم گنجائش تو ہو تو دوستی اگر انبیاء اور رسولوں کے ساتھ لگائی ہے تو جس قسم کی مشکلات ان کے لیے دنیا کے اندر تھیں اس قسم کی آپ کو بھی پیش آئیں گی اور برداشت کرنی پڑیں گی ”فاملیت للذین کفروا“ میں نے ڈھیل دی ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ”ثم اخذتھم“ پھر ان کو پکڑ لیا پھر میرا سزا دینا کیسا تھا؟ واقعات آپ کے سامنے آچکے ہیں کہ جو لوگ اللہ کی گرفت میں آ گئے پھر وہ کس طرح برباد ہوئے، ان کا نام ونشان تک مٹ گیا۔

دوسری آیت کا مفہوم:

آگے شرک کی تردید ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ایسا ہے جو ہر نفس کے اوپر قائم ہے اور اس کے اعمال کا محاسبہ کرنے والا ہے، اس کے احوال سے واقف ہے، اس کی نگرانی کرنے والا ہے اور اس کے مقابلہ میں جو تجویز کر رکھے ہیں ان کو تو اپنے احوال کی خبر نہیں، وہ نہ کسی کا محاسبہ کرتے ہیں اور نہ کسی کو اس کے اعمال کی سزا دے سکتے ہیں تو یہ دونوں

ایک جیسے کیسے ہو گئے کہ جیسے اللہ کی عبادت کی جارہی ہے ان کی بھی کی جارہی ہے، اب آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے شرکاء تو بنالیے ان سے پوچھ کے ان کے نام تولیں کہ وہ شرکاء کون ہیں؟ ہمیں تو پتہ ہی نہیں کہ زمین کے اندر ہمارے شرکاء بھی ہیں، نفی الشئی بنفی لازمہ کے اصول کے ساتھ اس کو ذکر کیا جارہا ہے کہ کسی چیز کی اگر نفی کرنی ہو تو اس کے لوازم کی نفی کردی جائے اب یہ تو ایک بین بات ہے کہ دنیا کے اندر کوئی چیز ہوتی تو وہ اللہ کی مخلوق ہوتی اور اللہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے اور اللہ کا علم ذرہ ذرہ کو محیط ہے دنیا کے اندر کوئی ایسا ہوتا جس کے لیے الوہیت ثابت ہوتی یا وہ اللہ کا شریک ہوتا تو اللہ کو لازماً پتہ ہوتا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کا شریک ہو اور اللہ کو پتہ نہ ہو اور اللہ کی مخلوق ہو اللہ کو ہی علم نہ ہو تو یہاں بظاہر اللہ کے علم کی نفی کی جارہی ہے کہ تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دے رہے ہو کہ جس کا اللہ کو بھی علم نہیں تو معلوم ہو گیا اس چیز کا وجود ہی نہیں ہے کیونکہ اگر وہ چیز موجود ہوتی تو اللہ ضرور جانتا تو یہ لازم کی نفی کر کے اس چیز کے وجود کی نفی کی جارہی ہے تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دے رہے جن کو اللہ جانتا ہی نہیں زمین میں یا تم خود ہی اپنے خیال کے مطابق باتیں کرتے ہو اگر تو تمہیں پتہ ہے کہ واقعہ کوئی نہیں ہے پھر تو اس کے باطل ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے یعنی تم بھی دل میں جانتے ہو کہ حقیقت کچھ نہیں اور ایسے ہی ظاہری طور پر کہہ رہے ہیں تو پھر اس کے بطلان میں شک ہی کوئی نہیں ہے اور اگر تم واقعی شریک سمجھے بیٹھے ہو تو پھر اللہ کو تو پتہ نہیں کہ میرا بھی کوئی شریک ہے اللہ کے علم میں نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شریک ہے ہی نہیں اگر ہوتا اللہ کا پیدا کیا ہوا ہوتا اور اللہ کے علم میں ہوتا اور جب اللہ جانتا ہی نہیں کہ دنیا میں میرا کوئی شریک بھی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شریک ہے ہی نہیں۔

دلیل ان کے پاس کوئی نہیں لیکن جس قسم کے مکروفریب انہوں نے باطل کی حمایت میں اپنی اغراض اور شہوات کے لیے اختیار کر رکھے ہیں وہ بس انہیں اچھے لگ رہے ہیں، اپنی خاندانی گدی کو چھوڑنا نہیں چاہتے، وہ سمجھتے ہیں یہی ہمارے رزق کا وسیلہ ہے، اسی کے ذریعہ سے ہمیں عزت حاصل ہے ورنہ حقیقت کچھ نہیں ہے، جو تدبیریں انہوں نے اختیار کر رکھی ہیں وہ ان کو اچھی معلوم ہو رہی ہیں اور اپنے مکروفریب کی بناء پر ان کو صحیح راستہ سے روک دیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے بھٹکائے گئے اور جس کو اللہ تعالیٰ بھٹکا دے پھر اس کو کوئی سیدھے راستہ پر نہیں لاسکتا۔

تیسری آیت کا مفہوم:

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے جب اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آتے ہیں، ویسے مشرک کا دل جب ہر طرح سے پریشان رہتا ہے اور مختلف قسم کی تکلیفیں بیماریاں اس سے کوئی انسان نہیں بچتا مؤمن پر بھی یہ تکلیفیں آتی ہیں لیکن مؤمن کے لیے ان کی حیثیت عذاب کی نہیں، رحمت کی ہے اس کے ساتھ ان کے گناہوں کی تلافی ہوتی ہے، اور کافر پر بھی یہی تکلیفیں اور بیماریاں آتی ہیں لیکن اس کے لیے یہ عذاب ہی عذاب ہے کیونکہ اس سے اس کے گناہوں کی تلافی نہیں ہوتی، تکلیف ظاہری طور پر دونوں پر آتی ہے لیکن دونوں میں اس طرح فرق ہے جیسے ایک کاشتکار اپنے گھر سے ایک غلہ کی بوری اٹھاتا ہے اور لے جاکے اپنے کھیت میں بکھیر دیتا ہے بظاہر ایک غلہ کی بوری اس کے گھر سے تو نکل گئی اور ایک گھر سے چوری بوری اٹھا کے لے جاتے ہیں ان دونوں باتوں میں فرق ہے، جو اپنے اختیار کے ساتھ غلہ کی بوری اٹھا کے زمین میں بکھیر کے آتا ہے ظاہری طور پر ضائع تو اس نے بھی کر دی، اور اس کے گھر میں ایک بوری کم ہوگئی لیکن اس کے لیے کوئی پریشانی کی بات نہیں کیونکہ معلوم ہے کہ چند مہینوں کے بعد ایک بوری ساٹھ بوریاں ہو کے واپس آجائیں گی یہ ایک تجارت ہے کہ ادھر سے تھوڑا دیا اور ادھر سے زیادہ آیا لیکن جس کو چور اٹھا کے لے جائے اس کا پتہ ہے کہ یہ نقصان ہی نقصان ہے۔

اس طرح مؤمن پر جو تکلیف آتی ہے نتیجۃً ان کے لیے تجارت ہے اس کے اوپر اللہ تعالیٰ ثواب دے گا اس کے گناہوں کو معاف کرے گا اور اس سے یہ فائدہ اٹھائے گا وہ مصیبت رحمت ثابت ہوگی اور کافر کے اوپر جو مصیبت آتی ہے وہ مصیبت ہی مصیبت ہے اس کے اوپر کوئی نفع مرتب ہونے والا نہیں ہے، نہ اس کے گناہ معاف ہوں گے اور نہ اس کے اوپر کسی قسم کا ثواب ملتا ہے اس لیے جو کافر ہے وہ دنیا کے اندر عذاب میں مبتلا ہے کیونکہ دنیا میں رہتے ہوئے پیٹ کا درد اور سر کا درد، اولاد مر جانا اور مالی نقصان اور اس قسم کے ناسازگار واقعات ہر کافر کو پیش آتے ہیں ان کے متعلق یہ واقعات عذاب ہی عذاب ہیں کیونکہ ان کے اوپر کوئی اثر مرتب ہونے والا نہیں ہے بخلاف اس کے کہ مؤمن بھی اس قسم کی تکلیفوں میں مبتلا ہوتا ہے اس کے لیے یہ تکلیفیں عذاب نہیں ہیں بلکہ اللہ کی رحمت ہیں آخرت میں درجات بلند ہوتے ہیں، ثواب ملتا ہے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور اتنا ثواب ملے گا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل مصیبت کو

ثواب دیں گے تو ان کے ثواب کو دیکھ کے اہل عافیت جن کو دنیا میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی وہ رشک کریں گے اور کہیں گے اے کاش! دنیا میں ہمارے چمڑے قینچیوں سے کاٹے جاتے ہم بھی اس قسم کی مصیبتوں میں مبتلا ہوتے تا کہ آج ہمیں بھی ثواب ملتا تو مؤمن کی مصیبت تو اس طرح نتیجۂ رحمت ثابت ہوتی ہے، بہرحال کافروں کے بارے میں کہا کہ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت سخت ہے اور اللہ کے عذاب سے ان کو کوئی بچانے والا نہیں۔

چوتھی آیت کا مفہوم:

اس جنت کا حال جس کا وعدہ کیا جاتے ہیں متقین یہ ہے جو اگلے الفاظ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اس کا پھل بھی دائم اور اس کا سایہ بھی دائم ہے یعنی صدابہار باغات ہیں، یہ نہیں ہے کہ ان کے اوپر کبھی کوئی خزاں کا موسم آ جائے اور ان کے پتے جھڑ جائیں اور بیٹھنے کو سایہ بھی نہ ملے یا کسی موسم میں پھل کھانے کو نہ ملے جس طرح دنیا کے اندر باغات پر خزاں کا موسم آتا ہے، پتوں اور پھلوں سے باغات خالی ہو جاتے ہیں ایسی بات نہیں ہے " اکلھا دائم و ظلھا " اس کا پھل دائم ہے اور اس کا سایہ بھی دائم ہے یعنی وہ باغ صدابہار ہیں یہ انجام ہے ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور کافروں کا انجام آگ ہے۔

پانچویں آیت کا مفہوم:

" والذین أ تینٰھم الکتاب" منصف قسم کے اہل کتاب مراد ہیں چاہے وہ یہود ہوں یا نصاریٰ ہوں کیونکہ یہود میں سے بھی تورات کو پڑھنے والے ایسے تھے کہ جب رسول اللہ کا ذکر ان کے سامنے آیا تو انہوں نے فوراً قبول کر لیا، خوش ہو گئے کہ جس کتاب کا وعدہ اللہ نے کیا تھا وہ کتاب آ گئی جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مدینہ منورہ میں تھے اور نصاریٰ میں بھی ایسے لوگ تھے کہ جو انجیل کو پڑھ کے یہ جانتے ہوئے تھے کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے اور جب ان کے سامنے یہ چیز آئی تو وہ فوراً خوش ہو گئے اور فوراً قبول کر لیا جیسے نجاشی اور اس کے ساتھی، وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی وہ خوش ہوتے اس چیز کے ساتھ جو اتاری گئی ہے آپ کی طرف اور گروہوں میں سے بعض وہ بھی ہیں جو اس کتاب کے بعض حصہ کا انکار کرتے تھے، ایسی بات کا انکار کرتے تھے جو ان کی منشاء کی خلاف ہو، یہود و نصاریٰ اللہ کے قائل تھے، آخرت کے قائل تھے

جنت دوزخ کے قائل تھے اس لیے ان باتوں کے ذکر پر ان کو کیا ضرورت تھی، وہ انکار تب ہی کرتے جب ان کی تحریفات کو ظاہر کیا جاتا اور سرور کائنات ﷺ کی نبوت کو بیان کیا جاتا اس کے وہ منکر تھے اس طرح مشرکین مکہ بھی ہر چیز کے منکر تو نہیں تھے، آخرت کا انکار کرتے تھے، سرور کائنات ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے، اور جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور تصرفات کا ذکر آتا ہے تو ان باتوں کو وہ بھی مانتے تھے۔

آپ کہہ دیجیے کہ انکار کرنے کی کوئی بات نہیں میری تو لائی ہوئی چیز کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں، یہ توحید کی بات آگئی اور اس کی طرف میں دعوت دیتا ہوں، یہ میری رسالت ہے اور اسی کی طرف میں نے لوٹ کے جانا ہے یہ معاد ہے بنیادی طور پر یہ تین چیزیں ہی میرے دین میں داخل ہیں۔

چھٹی آیت کا مفہوم:

باقی رہی یہ بات کہ پہلے احکام کچھ اور تھے اور اب کچھ اور آ گئے پہلی شریعتیں منسوخ ہو گئیں یہ اللہ تعالیٰ کرتا رہتا ہے، پہلے انبیاء پر بھی کتابیں اتاریں احکام اتارے جن کو اپنی مصلحت اور حکمت کے تحت بعد میں تبدیل کر دیا اسی طرح اس میں اگر کچھ احکام تبدیل کر دیے گئے ہیں تو انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے، جیسے دوسری کتابیں اتاری گئیں ایسے ہی اللہ نے اس قرآن کو اتارا ہے اس حال میں کہ یہ عربی حکم ہے اور اگر آپ نے اتباع کی ان کی خواہشات کی یہ بظاہر خطاب حضور ﷺ کو ہے اور مایوس کرنا ان کو مقصود ہے جو اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ شاید ہمارے کہنے سے کچھ یہ چھوڑ دیں گے، ہمارے طریقے کو اپنا لیں گے قرآن کریم کی کچھ آیات کو خارج کر دیں گے جیسے سورہ یونس میں آپ کے سامنے آیا تھا کہ یا اس قرآن کو بدل دو یا اس کی جگہ کوئی اور قرآن لے آؤ اس قسم کی وہ امیدیں لگائے بیٹھے تھے تو یہ آیت ان کی امیدوں کو ختم کرنے کے لیے ہے، بظاہر اس میں خطاب حضور ﷺ کو ہے حقیقت کے اعتبار سے ان کو ناامید کرنا مقصود ہے کہ تم یہ امید نا رکھو کہ یہ تمہارا عقیدہ قبول کر لیں گے حضور ﷺ کو خطاب کر کے جا رہا ہے کہ اگر ان کی خواہشات کے پیچھے لگے خواہشات سے مراد ان کے غلط خیالات جو اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے خلاف ہیں چاہے ان کی بنیاد پہلے اللہ کی کتاب پر ہی ہو، تورات کے احکام ہیں، انجیل کے احکام ہیں لیکن جب اللہ نے ان کو منسوخ کر دیا اب ان کے اوپر جمے رہنا خواہش نفس کے علاوہ کچھ نہیں ہے اگر آپ نے ان کی

خواہشات کی اتباع کی بعد اس کے کہ آ گیا آپ کے پاس علم تو اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے کوئی تیرا نہ حمایتی ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا ہوگا، کوئی کارساز اور کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔

یہی آیات جو اہل علم کو بھی ان کا منصب یاد دلاتی ہیں کہ جس مسئلہ کو وہ علمی روح سے سمجھتے ہوں کہ وہ اس طرح ہے پھر جاہلوں کی خواہشات کے طور پر اس مسئلہ کے خلاف چلنا اس قسم کی وعیدوں کا مصداق بنا دیتا ہے، علم کے جہل کو تابع نہیں کرنا چاہیے، علمی انداز کے ساتھ آپ جس طریقے کو سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ ٹھیک ہیں سنت کے مطابق اللہ کے احکام کے مطابق ہے تو اس کے اوپر جم جانا چاہیے جاہلوں کے ماحول میں جا کے جاہلوں کے زور لگانے سے جاہلوں کے اصرار سے آپ اس طریقہ کو چھوڑ کر ان کے بنائے ہوئے طریقہ پر چل پڑے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ علم آنے کے بعد ان کی خواہشات کے پیچھے لگ گئے، تو بہر حال اہل علم کی یہ ذمہ داری ہے اس بات پر ہمیشہ نظر رکھیں۔

ساتویں آیت کا مفہوم:

"ولقد ارسلنا رسلا من قبلك" ہم نے آپ سے پہلے بہت سارے رسولوں کو بھیجا اور ان کے لیے ہم نے بیویاں اور بچے بنائے وہ بیویوں اور بچوں والے تھے، پھر ان کا یہ خیال کرنا کہ بشر رسول کیسے ہوسکتا ہے یہ تو ہم جیسا بشر ہے اس کی بیویاں بھی ہیں اور اس کی اولاد بھی ہے تو پہلے رسول بھی ایسے ہی تھے ان کی بیویاں بھی تھیں اور ان کی اولاد بھی تھی اور یہ منہ مانگے معجزات طلب کرتے ہیں تو کسی رسول کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لے آئے، نشانی سے معجزہ بھی مراد ہوسکتا ہے اور قرآن کریم کی آیات بھی مراد ہوسکتی ہیں وہ جو کہتے ہیں کوئی اور قرآن لے آیا اس قرآن میں تبدیلی کردے کسی رسول کے لیے مناسب نہیں ہے کہ اللہ کی کتاب میں تبدیلی کر سکے یا کوئی ایک آیت بھی اللہ کی اجازت کے بغیر لے آئے، ہر وقت کے لیے اللہ کے پاس لکھا ہوا حکم ہے اور اس وقت کے مناسب اللہ تعالیٰ احکام اتارتے رہتے ہیں۔

آٹھویں آیت کا مفہوم:

"یمحوالله مایشاء" مٹاتے رہتے جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اور ثابت رکھتے ہیں جو چاہتے ہیں، اس کا تعلق احکام کے ساتھ بھی لگایا گیا ہے اور حاصل ان الفاظ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء سے احکام اتارتے رہے اور پچھلے

احکام میں جس کو چاہا مٹایا اور جس کو چاہا باقی رکھا، جس کو چاہا منسوخ کر دیا اور جس کو چاہا باقی رکھا اصل کتاب اللہ کے پاس ہے تو یہ محو و اثبات احکام کے متعلق ہے، تورات میں کچھ احکام آئے اور انجیل میں کچھ ان میں سے منسوخ کر دیے گئے جس کو چاہا باقی جس کو چاہا مٹا دیا پھر تورات انجیل کے کچھ احکام قرآن میں منسوخ کر دیے گئے اور جس کو چاہا باقی رکھا، اور جس کو چاہا مٹا دیا اور اصل کتاب اللہ کے پاس ہی ہے تو یہ محو و اثبات احکام کے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔

اور یہ محو و اثبات انسان کی تقدیر کے متعلق بھی ہو سکتا ہے روایات میں تفصیل موجود ہے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت بچہ اپنے ماں کے بطن میں وجود اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ متعین ہے جو روح ڈالنے سے پہلے پوچھتا ہے کہ میں اس کی تقدیر کیا لکھوں؟ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی عمر لکھی جاتی ہے، اس کا رزق لکھا جاتا ہے اور اس کا عمل لکھا جاتا ہے اور یہ لکھا جاتا ہے کہ یہ نتیجۃً بدبخت ہوگا یا نیک بخت ہوگا یہ سب چیزیں تحریر میں آجاتی ہیں لیکن یہ جو تحریر اللہ کی طرف سے ہوتی ہے یہ قابل تبدیل بھی ہے یا نہیں؟ روایات کی طرف دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے علم میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوتی جو قضاء مبرم کہلاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے نچلے درجے میں اپنی حکمت کے تحت کچھ تحریریں کی ہوئی ہیں چاہے وہ تحریر لوح محفوظ میں ہو چاہے وہ تحریر لکھ کر فرشتوں کو دی ہوئی ہو چاہے وہ تحریر ہے جو بچے کے بنتے وقت اس کی پیشانی پر ثبت کر دی جاتی ہے یہ مختلف حالات کے تحت بدلتی رہتی ہے اور اس کا بدلنا بھی اللہ کے علم کے مطابق ہوتا ہے جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ صلہ رحمی کرنے سے رزق اور عمر میں برکت ہوتی ہے، والدین کی نافرمانی کرنے سے انسان رزق سے محروم ہوتا ہے دعا تقدیر کو ٹال دیتی ہے تو یہ اسباب کے درجہ میں تحتانی طور پر اس قسم کے تغیرات ہوتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان لکھی ہوئی باتوں کو جب چاہتا ہے مٹا دیتا ہے۔

لیکن یہ سارے کے سارے تغیرات قضاء معلق میں ہوتے ہیں جو نچلے درجے کی ہے باقی اللہ کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اللہ کے علم میں ہوتا ہے کہ اس نے یہ کام کرنا ہے یا نہیں کرنا، نچلی سطح میں تحریر ہوگی کہ اگر یہ صلہ رحمی کرے گا تو اس کی عمر اتنی اور اگر یہ صلہ رحمی نہیں کرے گا تو اس کی عمر اتنی لیکن اللہ کے علم میں ہے کہ صلہ رحمی یہ کرے گا یا نہیں وہاں ہر چیز متعین ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کی دعا سے تقدیر بدلنے کا واقعہ:

اسی آیت کی تفصیل کرتے ہوئے قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں حضرت عمر اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی طرف سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحم مادر میں شقی اور سعید لکھ دیتے ہیں حالات کے تحت ان کے اندر تبدیلی ہوتی رہتی ہے، محو و اثبات ان میں بھی ہو جاتا ہے، اور حضرت عمر اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کا مسلک نقل کرنے کے بعد ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ دیکھو! اس سے اس کی تائید ہوتی ہے، مجدد الف ثانی کا واقعہ نقل فرمایا مقامات مجددیہ سے کہ حضرت مجدد کے دو صاحب زادے تھے محمد سعید اور محمد معصوم اور ان دونوں کے استاد تھے ملا طاہر لاہوری، حضرت مجدد صاحب نے ایک دن اپنے بیٹوں کے سامنے ذکر کیا کہ میں نے تمہارے استاد ملا طاہر کی پیشانی پر شقی لکھا ہوا دیکھا ہے تو یہ تو ازلی بدبخت ہے، اب بیٹے بھی آخر مجدد کے ہی تھے آنے والے وقت میں وہ بھی امام ہدایت بننے والے تھے، ہمارے جیسے ہوتے تو ہم اس پہلو سے سوچتے کہ جب یہ ہمارا استاد بدبخت ہے تو ہم اس کے پاس نہیں پڑھتے، اس کی شقاوت اور بدبختی کا اثر ہم پر بھی پڑ جائے گا انہوں نے اپنے ابا جی سے اصرار کیا کہ آپ دعا کریں کہ ہمارے استاد کی تقدیر تبدیل ہو جائے، اللہ تعالیٰ ان کی شقاوت کو سعادت میں بدل دے تو حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ میں نے غور کیا "نظرت فی اللوح المحفوظ فاذا ھو قضاء مبرم" میں نے لوح محفوظ میں نظر ڈال کے دیکھا تو وہ تو اٹل فیصلہ تھا، وہ تو قضاء مبرم تھی کہ جس کے اندر کوئی کسی قسم کا تغیر تبدل نہیں ہو سکتا تھا تو میں نے بیٹوں کے سامنے ذکر کیا کہ یہ تو قضاء مبرم ہے کہ اس کے ٹلنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بیٹوں نے پھر اصرار کیا کہ کوئی نہ کوئی صورت ہونی چاہیے کہ تو پھر حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ مجھے یاد آ گیا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا سے قضاء مبرم بھی ٹال دی تو مجھے بھی حوصلہ ہو گیا اور میں نے اللہ کے سامنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی جس میں یہی کہا کہ یا اللہ جس طرح تو نے اپنے اس نیک بندے کی دعا قبول کر کے قضاء مبرم ٹال دی تھی میں بھی تیرے سامنے التجاء کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ میری دعا کے ساتھ بھی ملا طاہر لاہوری کی اس قضاء کو بدل دے شقی کی بجائے اس کو سعید کر دے تو حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی پیشانی سے شقی کا لفظ مٹا اور سعید کا لفظ لکھ دیا گیا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

قاضی صاحب نے اس آیت کے تحت اس واقعہ کو ذکر فرمایا لیکن اس واقعہ کے ذکر کرنے کے بعد خود ہی اشکال کر دیا کہ قضاء مبرم وہ ہوتی جو ٹلے نہیں، یہ تو ٹل گئی پھر قضاء مبرم کیسے رہی؟ پھر اس کا حل قاضی صاحب نے خود ہی بیان فرمایا اور میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ غالباً حضرت مجدد نے بھی یہی توجیہ فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے لوح محفوظ میں یوں لکھے ہوئے ہوتے ہیں کہ کسی کی کوئی تعلیق ساتھ لکھ دی جاتی ہے اگر ایسا ہو گیا تو اس کو بدل دیا جائے گا اور کسی کی تعلیق کتاب میں لکھی ہوئی نہیں ہوتی اللہ کے علم میں ہوتی ہے کیونکہ اللہ کا علم سارا تو لوح محفوظ میں نہیں آگیا، اپنی حکمت کے تحت فیصلہ لکھ دیا جاتا ہے اور اس فیصلہ کی شرط یا التعلیق اللہ کے علم میں ہوتی ہے تو یہاں بھی واقعہ ایسے ہی تھا کہ لوح محفوظ میں اس کی تعلیق مذکور نہیں تھی جس کی بناء پر ظاہری نظر میں اس کو مبرم سمجھا گیا اور اللہ کے علم میں اس کی تعلیق تھی کہ حضرت مجدد دعا کریں گے تو اس دعا کی وجہ سے اس کو بدل دیا جائے گا تو حضرت مجدد کی دعا کے ساتھ اس میں تبدیلی آگئی، اس قسم کے واقعات ہیں جن کی وجہ سے ایک فقرہ مشہور ہے وہ منسوب تو ہے علامہ اقبال کی طرف لیکن مضمون اس کا صحیح ہے کہ نگاہ مرد مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں اور اس پر لوگوں کو بہت اشکال ہوتا ہے کہ اگر نگاہ مرد مؤمن سے تقدیریں بدل جاتی ہیں تو نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی تقدیر کیوں نہ بدلی، ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کی کیوں نہ بدلی، اور اس قسم کے اشکال کرتے ہیں تو اصل بات یہ ہے کہ یہ قضیہ مہملہ ہے، موجبہ کلیہ نہیں ہے ہر مؤمن ہر کسی کی تقدیر بدلنے کا سبب بن جاتا ہے اگر دعویٰ یہ ہوتا تو جزئیات کے ساتھ اس پر انکار کیا جاسکتا ہے ورنہ ہم دیکھتے ہیں بزرگوں کی دعاؤں سے اللہ پاک بعض چیزیں دے دیتے ہیں، بعض تکلیفیں دور ہٹا دیتے ہیں تو ظاہری اسباب کے طور پر ان کی طرف نسبت کرنا کہ ان کی دعا کی برکت سے اللہ نے یہ کر دیا یہ نسبت صحیح ہے تو قضیہ مہملہ کے طور پر اگر اس کو ذکر کیا جائے تو اس میں کوئی کسی قسم کا اشکال نہیں البتہ موجبہ کلیہ ٹھیک نہیں ہے کہ ہر مؤمن ہر کسی کی ہر تقدیر تبدیل کروا سکتا ہے یہ بات نہیں ہے عمرو بن ہشام (ابوجہل) اور عمر بن خطاب دونوں کے لیے اللہ کی نبی کے ہاتھ اٹھے تھے، اس عنوان کے ساتھ کہ " اللهم ايد السلام بعمر بن الخطاب او بعمرو بن هشام" دو میں سے ایک مانگا کہ اے اللہ اسلام کو قوت عطا فرما عمر بن خطاب کے ذریعہ سے یا عمرو بن ہشام کے ذریعہ سے، اللہ تعالیٰ نے عمر بن خطاب کو منتخب فرما دیا تو ہم کہہ سکتے ہیں رسول اللہ کی

دعا سے حضرت عمر بن خطاب کی تقدیر بدل گئی کفر سے ایمان نصیب ہو گیا، کیونکہ ظاہری سبب یہی پیش آیا اس لیے یہ ظاہری سبب کی طرف یہ نسبت کی جاسکتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی ماں کی شکایت لے کے آئے کہ وہ آپ کو برا بھلا کہتی ہے، کفر کرتی ہے شرک کرتی ہے اس کے لیے دعا کیجیے، مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے حضور ﷺ نے فرمایا کہ "اللھم اھد ام ابی ھریرۃ" اے اللہ ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے دے ابو ہریرہ بشارت سن کے واپس گئے تو جاتے ہی ماں نے کلمہ پڑھ لیا اب اس قسم کے واقعات جو احادیث میں آتے ہیں تو ان کی طرف دیکھ کے سبب کے طور پر نسبت کی جا سکتی ہے فلاں کی دعا سے تقدیر بدل گئی یہ ظاہری سبب کے طور پر ہے ورنہ اللہ کے علم میں کوئی کسی قسم کا تغیر نہیں ہوتا۔

نویں اور دسویں آیت کا مفہوم:

آگے بھی رسول اللہ کی تسلی کے لیے ہے کہ یہ جو بار بار عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں جس چیز کا ہم نے ان سے وعدہ کیا اس کا کچھ حصہ ہم آپ کو دکھا دیں زندگی میں یا آپ کو وفات دے دیں بہر حال یہ چھوٹ نہیں سکتے، ہم آپ کو وفات دیں یا آپ کے سامنے ہی عذاب ظاہر کر دیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے حساب ہمارے ذمہ ہے اور ان کو اس بات سے محتاط ہونا چاہیے کہ اللہ کا عذاب آنے والا ہے یہ دیکھتے نہیں کہ ان کی حکومت دن بدن ختم ہوتی جارہی ہے، اسلام ارد گرد پھیلتا جارہا ہے اور ان کا علاقہ کم ہوتا جارہا ہے تو آخر ایک دن آجائے گا کہ سارا علاقہ ہی اسلام کے زیر اثر آجائے گا کیا یہ دیکھتے نہیں کہ ہم آرہے ہیں زمین کو گھٹاتے ہوئے، یہ زمین کا گھٹانا اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ہے کہ کفر کی حکومت ختم ہو رہی ہے، مشرکین کا اثر و رسوخ ختم ہو رہا ہے اور قبائل دن بدن اسلام قبول کرتے جارہے ہیں اور ان کا علاقہ کم ہوتا جارہا ہے اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے والا ہے اور اس کے فیصلے کو باطل کرنے والا کوئی نہیں، کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جو اللہ کے حکم پیچھے لگ جائے اور اس کے فیصلے کو باطل کردے 'وھو سریع الحساب" اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

یہ سورۃ چونکہ مکی ہے "انا ناتی الارض ننقصھا" یہ اشاعت اسلام سے تعلق رکھتا ہے جیسے جیسے لوگ مسلمان ہوتے جارہے ہیں مشرکین مکہ کا اثر ختم ہوتا جارہا ہے تو گویا کہ ان کا علاقہ سمٹتا جارہا ہے اور اگر اس سورت کو مدنی قرار دیا جائے تو جیسے آپ کے مصاحف میں مدنی ہونا لکھا ہوا ہے تو پھر فتوحات بھی مراد ہو سکتی ہیں لیکن راجح یہی ہے

کہ سورۃ مکی ہے مدنی نہیں ہے۔

گیارھویں اور بارھویں آیت کا مفہوم:

"وقدمکر الذین من قبلھم" حق کو شکست دینے کے لیے اور اہل حق کو تنگ کرنے کے لیے پہلے لوگوں نے بھی بڑے بڑے مکر کیے جتھے، بڑی بڑی تدبیریں کی تھیں لیکن ہر تدبیر اللہ ہی کے لیے ہے اللہ چاہے تو اس میں اثر نمایاں ہوتا ہے اور اگر اللہ نہ چاہے تو اس تدبیر میں کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، اللہ تعالی کا علم محیط ہے وہ جانتا ہے جو کچھ کرتا ہے کوئی نفس یعنی ہر نفس جو کچھ بھی کرے اللہ تعالی سب جانتا ہے اور عنقریب کافر جان لیں گے آخرت کا اچھا انجام کس کے لیے ہے۔

"ویقول الذین کفروا" اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا لست مرسلاً کہ تو رسول نہیں ہے آپ ان کے سامنے اپنی رسالت کو پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں لست مرسلاً آپ کہہ دیجیے کہ اللہ گواہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان اور اہل علم گواہ کافی ہیں اہل علم سے وہی اہل علم مراد ہیں جن کا ذکر پیچھے آیا تھا "والذین اٰتیناھم الکتاب یفرحون بما انزل الیك" نصاریٰ میں جو منصف تھے وہ ایمان لے آئے یہود میں سے جو منصف تھے یمان لے آئے ان کی شہادت بھی میری رسالت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے اور اللہ کی شہادت سے مراد ہوتا ہے معجزات کا اظہار کہ اللہ نے مجھ پہ یہ کتاب اتاری جس کی مثال تم نہیں لا سکتے یہ اللہ کی شہادت ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس طرح میرے ہاتھ پر جو معجزات ظاہر ہو رہے ہیں وہ اللہ کی شہادت ہیں تو اللہ کی شہادت بھی کافی اور اگر تم نہیں مانتے تو نہ مانو یہ دعوی دلیل کے ساتھ مدلل ہے۔

"سبحانك اللھم وبحمدك اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرك واتوب الیك"

آیاتھا ۵۲ ۱۴ سُورَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ ۷۲ رکوعاتھا ۷

سورۃ ابراہیم مکہ میں اتری اور اس کی ۵۲ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

مضامین سورۃ کا خلاصہ:

مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی اصول کا ذکر آئے گا، سرور کائنات ﷺ کی رسالت کا ذکر ہوگا اور اس کی تائید کے لیے انبیاء کا ذکر اجمالاً کیا جائے گا کہ جس وقت دیگر انبیاء آئے تھے تو ان کے مخاطبین نے بھی اس قسم کے شبہات کیے تھے، بشر ہونے پہ انکار کیا اپنے اجداد کے طریقہ کے خلاف ہونے کی بناء پر ان کے طریقہ سے اختلاف کیا اور انبیاء نے ان کے سامنے توحید پیش کی، رسالت کی وضاحت فرمائی معاد کا تذکرہ کیا اس سے سرور کائنات ﷺ کی دعوت کا تسلسل اور ماقبل کے انبیاء کے ساتھ مماثلت کا ذکر واضح طور پر ہو جائے گا۔

اور پھر ان واقعات کے سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خصوصیت سے آئے گا اور کچھ تفصیل کے ساتھ ہوگا کیونکہ انہوں نے جو بیت اللہ بنایا تھا جس کے مجاور ہونے کی بناء پر یہ قریش عرب کی سیادت اور قیادت حاصل کیے ہوئے ہیں اور ان کو دوسرے قبائل کے اوپر برتری حاصل ہے اور اسی بیت اللہ کی وجہ سے اس دنیا کے اندر خوشحال ہیں اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت رکھتے ہیں اور اس نسبت کے اوپر فخر بھی کرتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بیت اللہ کس کے لیے بنایا تھا اپنی اولاد کو اس بیت اللہ کے پاس کس لیے آباد کیا تھا اللہ تعالیٰ اس کی وضاحت فرمائیں گے کہ اس لیے بنایا گیا تھا کہ تا کہ اللہ کی عبادت کریں اور کفر وشرک نہ کریں اور کفر وشرک سے بچیں اور آج اس بیت اللہ کے مجاور اس مقصد کے خلاف چل رہے ہیں اس لیے ان کا اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے اس نسبت ابراہیمی پر فخر کرنا یہ غلط ہے اس کی وضاحت خصوصیت کے ساتھ کی جائے گی۔

اور پھر قرآن کریم کی عادت تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مضمون ایک سے دوسری طرف منتقل ہوتا چلا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا تذکرہ بھی ہوگا اور ساتھ ساتھ ماننے والوں کے لیے دنیا اور آخرت کی بشارت بھی ہوگی اور نہ ماننے والوں کے لیے وعید کا تذکرہ بھی ہوگا، دنیا کے اندر ان کی بربادی کا ذکر ہوگا اور آخرت میں عذاب جہنم کا ذکر آئے گا۔

پھر خصوصیت کے ساتھ جو لوگ بڑوں کے پیچھے لگنے کی بناء پر سوچنے کے عادی نہیں تو یہ بتایا جائے گا کہ

آج جو اپنے بڑوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور ان سرداروں کی مخالفت کی جرأت نہیں کرتے قیامت کے دن یہ کس طرح ایک دوسرے کے اوپر لعنت بھیجیں گے اور ایک دوسرے کے اوپر پھٹکار کریں گے، بڑے چھوٹوں سے بیزار ہو جائیں گے اور دنیا کے اندر انہوں نے جس قسم کے تعلقات قائم کر رکھے ہیں یہ کوئی کام نہیں آئیں گے اور پھر خصوصیت کے ساتھ جو ان کا سب سے بڑا لیڈر ہے ابلیس لعین جو سب کو برائیوں پر اکساتا ہے اور انبیاء کی مخالفت پر ابھارتا ہے تو جہنم میں جس وقت یہ چھوٹے اور بڑے آپس میں الجھ پڑیں گے، ضعفاء اور متکبرین کی آپس میں زبان درازی ہوگی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے تو اس کے بعد پھر یہ سارے اکٹھے ہو کے ابلیس کے پاس جائیں گے کہ تو ہمیں بہکاتا تھا اور اس قسم کی چیزیں تو ہمیں سکھلاتا تھا آج تیرا کیا خیال ہے، تو کچھ کام آسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سورت میں خصوصیت کے ساتھ ابلیس کا خطبہ بھی ذکر کیا جائے گا جو جہنم میں اس نے جہنمیوں کے سامنے دینا ہے، اس کا ذکر کرنے سے مقصد بھی یہی ہے کہ آج تم اس کی چالوں کو سمجھتے نہیں اور قیامت کے دن تمہارے سامنے یہ بات آجائے گی کہ وہ تمہیں بہکاتا تھا اور غلط راستہ پر ڈالتا تھا، سبز باغ دکھاتا تھا کیا کیا باتیں وہ تمہارے دل میں القاء کرتا تھا لیکن وہ سب جھوٹ نکلیں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ کو چھوڑ کر اس کے راستہ پر چلنا دنیا و آخرت میں خسارہ کا باعث ہے، اس قسم کے مضامین اس سورت کے اندر ذکر کیے گئے ہیں، الفاظ بھی نہایت ہی آسان ہیں اور مفہوم بھی بہت واضح ہے اس لیے کچھ وضاحت ساتھ ساتھ ہی ہوتی چلی جائے گی دوبارہ اس پر مسلسل تقریر کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، بار بار گذرے ہوئے مضامین ہیں، نئی بات کوئی نہیں ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

الٓرٰ یہ کتاب جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکالیں

النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ

نور کی طرف اپنے رب کے حکم سے جو زبردست ہے خوبیوں والا ہے ﴿۱﴾ وہ اللہ جس کے لیے

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ

وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور کافروں کے لیے ہلاکت

عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ

یعنی سخت عذاب ہے ﴿۲﴾ جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرتے ہیں

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۗ اُولٰٓئِكَ فِيْ

اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں یہ لوگ دور کی

ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ

گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۳﴾ اور ہم نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے وہ اپنی ہی قوم کی زبان بولنے والے تھے تاکہ وہ اپنی

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۗ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ

قوم کے لیے بیان کریں پھر اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت دے

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ

اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے ﴿۴﴾ اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر

اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ

بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کے روشنی کی طرف لاؤ اور انہیں ایام الٰہیہ یاد دلاؤ

اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵ وَ اِذْ قَالَ

بے شک اس میں ہر ایسے شخص کے لیے نشانیاں ہیں جو خوب صبر کرنے والا ہے خوب شکر کرنے والا ہے ۵ اور جب

مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ

کہ موسی نے کہا اپنی قوم سے کہ تم پر جو اللہ کی نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو جب کہ اس نے تمہیں نجات دی

اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

آل فرعون سے وہ تمہیں بری طرح تکلیف پہنچاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے

وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶ ع

اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے لیے بڑا امتحان ہے ۶

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ

اور یاد کرو اس وقت کو جب تمہارے رب نے تمہیں مطلع فرمادیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو تم کو اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے

اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷ وَ قَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَ مَنْ

تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے ۷ اور موسی علیہ السلام نے کہا کہ اگر تم اور وہ لوگ جو زمین میں ہیں سب اللہ کی ناشکری کریں

فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۸ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا

تو بلاشبہ اللہ بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے ۸ کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ۛ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ

جو تم سے پہلے تھے یعنی قوم نوح اور قوم ثمود اور قوم عاد اور ان لوگوں کی خبر

بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

جو ان کے بعد تھے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کے آئے

فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ

سوان لوگوں نے اپنے ہاتھ ان کے منہ میں دیے اور کہا کہ بے شک جو چیز تم لے کر بھیجے گئے ہو ہم اسے نہیں مانتے

بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝۹ قَالَتْ رُسُلُهُمْ

اور بلا شبہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اس کی طرف سے شک میں ہیں جو تردد میں ڈالنے والا ہے ۹ ان کے رسولوں نے کہا

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ

کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف فرمادے

مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ

اور مقرر وقت تک تمہیں مہلت دے دے، ان لوگوں نے جواب دیا کہ تم ہمارے ہی

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ

جیسے آدمی ہو ہمارے باپ جس کی عبادت کرتے تھے تم ہمیں اس کی عبادت سے روکتے ہو،

اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ

سو تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لے کے آؤ ۱۰ ان کے رسولوں نے ان سے کہا

نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

کہ ہم تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے

عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

احسان فرماتا ہے اور ہمارے بس کی یہ بات نہیں کہ ہم تمہارے سامنے اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لاسکیں

وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۱ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى

اور ایمان والوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ۝۱۱ اور ہمیں کیا ہوا ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں

اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰٮنَا سُبُلَنَا‌ ؕ وَلَنَصۡبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيۡتُمُوۡنَا‌ ؕ

حالانکہ اس نے ہمیں ہماری راہیں دکھائیں ہیں اور ہم تمہاری ایذاؤں پر ضرور صبر کریں گے

وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ۝۱۲ وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا

اور اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے بھروسہ کرنے والوں کو ۝۱۲ اور کافروں نے کہا

لِرُسُلِهِمۡ لَـنُخۡرِجَنَّكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِنَاۤ اَوۡ لَـتَعُوۡدُنَّ فِىۡ مِلَّتِنَا‌ ؕ

اپنے رسولوں سے ہم ضرور بالضرور تمہیں اپنی زمینوں سے نکال دیں گے یا یہ بات ہو کہ تم ہمارے دین میں واپس ہو جاؤ

فَاَوۡحٰۤى اِلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ لَنُهۡلِكَنَّ الظّٰلِمِيۡنَ ۝۱۳ وَلَنُسۡكِنَنَّكُمُ

سو ان کے رب نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ضرور بالضرور ہلاک کر دیں گے ظالموں کو ۝۱۳ اور ان کے بعد

الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ‌ ؕ ذٰ لِكَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامِىۡ وَخَافَ

زمین میں تمہیں آباد رکھیں گے یہ اس شخص کے لیے جو میرے حضور کھڑا ہونے سے خائف ہوا اور میری وعید سے ڈرا ۝۱۴

وَعِيۡدِ ۝۱۴ وَاسۡتَفۡتَحُوۡا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيۡدٍ ۝۱۵ مِّنۡ وَّرَآئِهٖ

اور کافروں نے فیصلہ چاہا اور ہر سرکش ضدی نامراد ہوا ۝۱۵ اس کے آگے

جَهَـنَّمُ وَيُسۡقٰى مِنۡ مَّآءٍ صَدِيۡدٍ ۝۱۶ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيۡغُهٗ

دوزخ ہے اور ایسا ایسا پانی پلایا جائے گا جو پیپ ہو گا ۝۱۶ جو اس سے گھونٹ گھونٹ پیے گا

وَيَاۡتِيۡهِ الۡمَوۡتُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ‌ ؕ وَمِنۡ وَّرَآئِهٖ

اور گلے سے باآسانی نہیں اتارے گا اور ہر جگہ سے اس پر موت ہو گی اور نہیں مرے گا اور اس کے سامنے

عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۣ

سخت عذاب ہوگا ﴿۱۷﴾ جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے اعمال کی مثال

اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا

ایسی ہے جیسے راکھ ہو، اسے تیز آندھی کے دن تیز ہوا اڑا کے لے جائے جو کچھ انہوں نے کمایا

عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ

اس میں سے ذرہ برابر حصہ پر بھی قادر نہ ہوں گے یہ ہے دور کی گمراہی ﴿۱۸﴾ اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ

بلاشبہ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کردے اور نئی مخلوق

جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ۙ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا

کو پیدا فرمائے ﴿۱۹﴾ اور یہ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ﴿۲۰﴾ اور وہ سب اللہ کے حضور ہوں گے

فَقَالَ الضُّعَفٰۗؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ

سو ضعیف لوگ ان سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ بلاشبہ ہم تمہارے تابع تھے

اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا

سو کیا تم ہم سے اللہ کا کچھ عذاب بھی ہٹا سکتے ہو؟ بڑے کہیں گے اگر اللہ راہ بتاتا

اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ

تو ہم تمہیں بھی راہ بتادیتے ہم سب کے حق میں برابر ہے کہ بے چینی کا اظہار کریں گے یا صبر کریں ہمارے لیے چھٹکارا کی کوئی

مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ۧ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ

صورت نہیں ہے ﴿۲۱﴾ اور جب فیصلے ہوجائیں گے تو شیطان کہے گا کہ بلاشبہ اللہ نے تم سے سچے وعدے کیے تھے

وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ

اور میں نے تم سے وعدے کیے پس میں نے وعدہ خلافی کی اور میرا تم پر کچھ زیادہ زور نہیں تھا

سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْۤا

مگر یہ کہ میں نے تم کو دعوت دی سو تم نے میری بات مان لی لہٰذا تم مجھے ملامت نہ کرو اور اپنی جانوں کو ملامت کرو

اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ كَفَرْتُ

نہ میں تمہارا مددگار رہوں نہ تم میرے مددگار رہو میں تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں

بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ

اس وجہ سے کہ اس سے پہلے تم نے مجھے شریک بنایا بلا شبہ جو ظالمین ہیں ان کے لیے دردناک

اَلِیْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

عذاب ہے ﴿۲۲﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ لوگ ایسے باغوں میں ہوں گے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ ان میں رہیں گے ان کا تحیہ سلام ہوگا ﴿۲۳﴾

تفسیر

قرآن کریم اتارنے کا مقصد:

الٓرٰ، بہت دفعہ ان کا ذکر آپ کے سامنے ہو چکا ہے یہ حروف مقطعات ہیں، "اللہ اعلم بمرادہ بذالك" ان حروف سے اللہ کی جو مراد ہے وہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں پہلی آیت میں سرور کائنات ﷺ کی رسالت مذکور ہے اور آپ کی رسالت کی دلیل چونکہ یہ کتاب ہے جو اللہ نے آپ کی طرف اتاری ہے تو پہلے کتاب کا تذکرہ ہے "ھذا کتاب انزلناہ الیك" یہ کتاب ہے ہم نے اتارا اس کو آپ کی طرف، آگے اس کتاب کے اتارنے کا مقصد ذکر کیا گیا ہے "لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور" تا کہ تو نکالے لوگوں کو تاریکی سے نور کی طرف "باذن ربھم" اپنے رب کی توفیق سے، ظلمات ظلمت کی جمع ہے بمعنی تاریکی، توحید اور رسالت کا راستہ چونکہ ایک ہی ہے

اس لیے نور کو واحد کے ساتھ ذکر کیا ہے اور گمراہی کے راستے چونکہ بہت سارے ہیں اس لیے ان کو ظلمات کے ساتھ تعبیر کر دیا گیا، نکالنا آپ کا اس طرح ہے راہنمائی کر کے، وعظ و نصیحت کے ساتھ۔ باقی حقیقتاً جو ہدایت نصیب ہوتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے باذن ربھم کی قید ساتھ لگ گئی تو تخرج میں یہ مقصد واضح کر دیا کہ کتاب کو اس لیے اتارا ہے تاکہ تو نکالے لوگوں کو۔ الناس کا لفظ ذکر کیا معلوم ہوا کہ کسی خاص گروہ یا کسی خاص قوم کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے بلکہ جو بھی الناس کا مصداق ہے اس کتاب کا مخاطب ہے اور سرور کائنات ﷺ اس کی طرف پیغمبر بنا کے بھیجے گئے ہیں آپ کی رسالت عام ہے تاکہ تو نکالے لوگوں کو رتاریکیوں سے نور کی طرف ان کے رب کے اذن سے ”الی صراط العزیز الحمید“ یعنی عزیز حمید کے راستے کی طرف نکالے عزیز عزت والا اور حمید تعریف کیا ہوا اور اللہ یہ بھی اس کا بیان ہے یعنی عزیز حمید کا مصداق اللہ ہے جس کے لیے وہ سب چیزیں ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں ہیں اور خرابی ہے کافروں کے لیے ”من عذاب شدید“ ویل کا بیان ہے تو یہ راستہ جس کی طرف یہ قرآن کریم بلا رہا ہے یا سرور کائنات ﷺ دعوت دے رہے ہیں وہ نور کا مصداق ہے اور صراط کا مصداق بھی ہے یعنی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دے تو وہ یہی راستہ ہے جس کی طرف قرآن کریم دعوت دے رہا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ کی صفت ذکر کر دی جس میں ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کے مالک ہیں اور منکرین کے لیے ویل ہے ویل کا معنی خرابی اور من عذاب شدید اس ویل کا بیان ہے خرابی کافروں کے لیے ہے یعنی سخت عذاب ہے۔

کافروں کی صفات:

”الذین یستحبون الحیوۃ الدنیا“ لفظوں میں تو یہ کافرین کی صفت ہے کہ کافر وہ لوگ ہیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرتے ہیں لیکن اصل میں ان کے کفر کی وجہ پر بھی روشنی پڑ گئی کہ انہوں نے کفر جو اختیار کر رکھا ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دنیا کی محبت میں مبتلا ہیں اور آخرت کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دیتے ہیں ”ویصدون عن سبیل اللہ“ اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں خود گمراہ ہیں اور لوگوں کو بھی روکتے ہیں ”ویبغونھا عوجاً“ اور طلب کرتے ہیں اس راستہ میں کجی یعنی اس راستہ میں کجی طلب کرتے ہیں کجی طلب کرنے کا

ایک مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر وقت متلاشی رہتے ہیں کہ ہمیں کوئی اعتراض کی بات مل جائے تا کہ ہم لوگوں کو وہ اعتراض کی بات بتائیں اور اس سے بدظن کریں جس طرح مخالفین کا طریقہ ہوا کرتا ہے کہ مخالف نظریہ کے ساتھ کسی کی وعظ اور تقریر سنتے ہیں تو اس میں یہ نہیں دیکھا کرتے کہ اس میں اچھی باتیں کتنی ہیں بلکہ یہ تلاش کیا کرتے ہیں کہ اس نے غلط لفظ کونسا استعمال کیا ہے، غلط بات کونسی کہی ہے اور پھر بعد میں تشہیر جو کی جاتی ہے تو وہ اسی غلطی اور لغزش کی ہی جاتی ہے، اچھی باتوں کا تذکرہ نہیں ہوتا، یہ بھی قرآن کریم کو مخالفانہ ذہن کے ساتھ سنتے ہیں معاندانہ ذہن کے ساتھ اس کے اوپر غور کرتے ہیں مقصد ان کا یہ ہے کہ اس کے اندر کوئی نہ کوئی اعتراض کی بات نکال لیں تا کہ اس بات کے ذریعہ سے ہم لوگوں کے سامنے اپنے مسلک کو واضح کر سکیں اور اس راستہ سے روک سکیں یبغونہا عوجا کا معنی یہ ہے کہ ہر وقت اس راستہ کے اندر کجی کے طالب ہیں کجی کے متلاشی ہیں کہ ان کے ہاتھ میں کوئی اعتراض کی بات آجائے۔

اور اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خود صراط مستقیم پر نہیں بلکہ یہ خود غلط راستہ پر ہیں اور اسی غلط راستہ کو قرآن کریم میں تلاش کرتے ہیں، مطلب یہ کہ اگر قرآن کریم کو سنیں، اس میں اگر غور کریں کہ ہمارے سامنے کوئی راستہ واضح ہو تو ہم اس راستہ پر چلیں جو کہ ہدایت حاصل کرنے کا طریقہ ہے آپ خالی الذہن ہو کے قرآن کریم کو پڑھیں اس کے اوپر غور کریں جو طریقہ اس کا ثابت ہو جائے اس کو اختیار کریں یہ تو ہے فطرت کا طریقہ پھر انسان صحیح راستہ پا سکتا ہے کہ پہلے خالی الذہن ہو جائے اپنے خیالات کو دماغ سے نکال دے اور پھر قرآن کریم پڑھے قرآن کریم جو راستہ دکھاتا چلا جائے اس کو اختیار کرتا چلا جائے لیکن اپنی کج فطرت کو قرآن کریم میں تلاش کرتے ہیں نظریات ان کے اپنے ہیں اور یہ قرآن کریم میں غور کرتے ہیں تا کہ ان کی تائید میں قرآن کریم سے کوئی بات آجائے تو پھر ہم کہیں گے کہ دیکھو کہ جو ہمارا خیال ہے وہ بھی قرآن کریم سے ثابت ہے، تمہاری کتاب سے دلیل ملتی ہے کہ ہمارا خیال بھی ٹھیک ہے یعنی قرآن کریم کے تابع ہونے کی بجائے قرآن کریم کو اپنے تابع کرنے کی کوشش کرتے ہیں پھر یبغونہا عوجاً کا یہ معنی ہوگا۔

اور آج بھی آپ کو دونوں قسم کے انسان مل سکتے ہیں جو صحیح طور پر نیک نیتی کے ساتھ حق کے متلاشی ہیں وہ تو یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں کیا آیا ہے ہم اس کے مطابق اپنا عقیدہ رکھیں اور بعض لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں

کہ نظریہ پہلے بنالیتے ہیں خیال پہلے جمالیتے ہیں اور اس کے بعد اس کے لیے قرآن کریم سے تائید تلاش کرتے ہیں تو یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، خود ٹیڑھے ہیں اور قرآن کریم کو بھی ٹیڑھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اپنی کجی کے لیے قرآن کریم سے دلیل تلاش کرتے ہیں پھر یبغونہا عوجا کا یہ معنی بھی ہو جائے گا۔

گویا کہ یہاں کافروں کی تین باتیں ذکر کردی گئیں آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی سے محبت رکھنا اور اللہ کے راستہ سے روکنے کی کوشش کرنا اور قرآن کریم کو اپنے خیالات کے تابع بنانے کی کوشش کرنا جن لوگوں کے یہ جذبات اور حالات ہیں "اولئک فی ضلال بعید" یہ لوگ بہت دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں یعنی ایک تو یہ ہوتا ہے کہ راستہ سے ہٹ گیا لیکن یہ قریب قریب ہے اس کے سمجھنے اور سنبھلنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے لیکن جو اس طرح ہو جائیں کہ دنیا کی زندگی کی محبت میں مبتلا ہو جائیں آخرت کی پروانہ کریں صرف یہی نہیں کہ خود گمراہ ہیں بلکہ دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور قرآن کریم کو اپنے خیالات کے تابع کرنا چاہتے ہیں یہ تو بہت دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ایسے لوگوں کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔

رسول کو اس کی قوم کی ہی زبان میں بھیجنے کی حکمت:

پھر وہ لوگ سرور کائنات ﷺ پر یہ ایک اعتراض بھی کیا کرتے تھے کہ یہ رسول بھی عربی ہے اور قرآن بھی عربی ہے جس سے یہ شبہ پڑتا ہے کہ یہ انہوں نے خود بنالیا ہوگا تو ایسا کیوں نہ ہوا اگر رسول عربی تھا تو قرآن کسی اور زبان میں ہوتا تا کہ یہ شبہ نہ رہتا کہ رسول نے خود بنالیا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں وہ ان کی قوم کی زبان میں ہی بھیجے ہیں تا کہ ان رسولوں کے جو اول مخاطب ہیں وہ رسول ان کو اچھی طرح سمجھالیں اور رسول کے لیے تفہیم آسان ہو اور ان کے لیے سمجھنا آسان ہو اور یہ تو بڑی بے جوڑ سی بات ہے کہ جو نبی کے مخاطب ہیں وہ اور زبان رکھتے ہوں اور اور نبی کے اوپر جو ہدایت اتاری جائے وہ اور زبان میں ہو تو آپس میں بات کس طرح بن سکتی ہے اگر ایسا ہوتا تو پھر تم لوگ ہی اعتراض کرتے کہ یہ کتاب غیر عربی زبان میں کیوں اتری؟

تو اللہ تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ ہر رسول کو اس نے اپنی قوم کی زبان میں ہی بھیجا ہے۔

لیکن باقی رسول جتنے بھی آئے ان کی قوم اور امت ایک ہی تھی جو قوم تھی وہی امت تھی اس قوم کو سمجھانے اور دعوت دینے کے لیے آئے تھے تو قوم بھی وہی اور امت بھی وہی سرور کائنات ﷺ کی قوم تو عرب تھی اس لیے

اللہ نے پہلے مخاطب ہونے کی وجہ سے ان کی زبان کا لحاظ کرتے ہوئے کتاب ان کی زبان میں اتاری، رسول اللہ کی زبان بھی عربی ہے اور آپ کی قوم کی زبان بھی عربی ہے تو قرآن بھی عربی میں آیا لیکن آپ کی امت عام ہے جس طرح قرآن کریم میں قطعی دلائل قائم ہیں اور ضروریات دین میں سے یہ مسئلہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں حدیث شریف میں آپ نے بار بار پڑھ لیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے جو باقی انبیاء پر جو خصوصیات عطاء فرمائی ہیں ان میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر نبی اپنی قوم کی طرف آیا لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا ہے میں سب کی طرف نبی بن کے آیا ہوں پھر قوم کو تو اسی زبان میں سمجھا دیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس قوم عرب میں اتنی صلاحیت رکھی کہ دوسری قوموں کے سامنے قرآن کو بیان کیا حتی کہ ہر زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ ہو گئے ہر زبان میں اس کی تفسیر لکھی گئی اب کوئی شخص یہ کہنے کا مجاز نہیں، کسی کے لیے یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے ہم قرآن کریم سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے اور اگر سرور کائنات ﷺ کی امت عامہ کی طرف دیکھتے ہوئے تمام زبانوں کا لحاظ کر کے قرآن کریم کو مختلف زبانوں میں اتار دیا جاتا تو آپ جانتے ہیں کہ پھر کوئی مرکز قائم نہ ہوتا، وحدانیت نہ رہتی ہر زبان کے اندر اتری ہوتی تو ہر قوم اس کو لے کے علیحدگی اختیار کر لیتی، اب ایک زبان اور ایک کتاب مرکز کی حیثیت اختیار کر گئی اور ساری کی ساری امت مسلمہ چاہے وہ کوئی زبان بولنے والی ہے اس کا رجوع اسی قرآن کی طرف ہو گیا اسی زبان میں اس کو پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں تو جس کی بناء پر اس امت کے اندر وحدانیت راسخ ہو گئی، ایک رسول، ایک ہی کتاب اور ایک ہی مرکزی زبان۔

نہیں بھیجا ہم نے کسی رسول کو مگر اس کی قوم کی زبان میں زبان سے وہی لغات مراد ہے "لیبین لھم" تاکہ وہ رسول ان کے لیے اللہ کے احکام کو واضح کرے پھر اللہ تعالیٰ بھٹکاتا ہے جس کو چاہتا ہے اور صحیح راستہ پر چلاتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے چاہنے کا دستور آپ کے سامنے بارہا آ گیا کہ جو لوگ خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ نبیوں کی باتیں سنتے ہیں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں سیدھے راستہ پر چلنے کی توفیق دے دیتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتے اس کو گمراہ کر دیتا ہے وہ زبردست حکمت والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر:

آگے انبیاء کا تذکرہ آگیا جس سے تائید ہوگئی کہ پہلے سے رسول آتے رہے ہیں اور اس قسم کی تعلیم پیش کرتے رہے ہیں تو ان کے ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی مماثلت واضح ہو جائے گی، البتہ تحقیق ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ اور یہ کہہ کر بھیجا کہ تو نکال اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف اور انہیں ایام اللہ یاد دلا۔ ایام یوم کی جمع ہے لفظی معنی بنتا ہے اللہ کے دن اللہ کے دن انہیں یاد دلا اور اللہ کے دنوں سے مراد وہ دن ہیں کہ جن دنوں میں اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کے ساتھ نعمت کا یا عذاب کا معاملہ فرمایا تھا، کسی قوم کے اوپر خاص قسم کا احسان کیا تھا یا کسی قوم کے اوپر خاص قسم کا عذاب آیا وہ اللہ کے ایام کہلاتے ہیں جس طرح بنی اسرائیل کو سمندر سے پار لگایا اور فرعونیوں کو غرق کر دیا اور ان کے اوپر من اور سلوی اتارا سایہ کرنے کے لیے ان کے لیے بادل بھیج دیے اس قسم کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے جن ایام میں دی ہیں وہ بھی اس کا مصداق ہیں اس لیے اس کا حاصل ترجمہ یہ کر دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے معاملات انہیں یاد دلاؤ ایام اللہ سے اللہ کے معاملات مراد ہیں اللہ کے معاملات میں دونوں قسم کے معاملات آگئے احسان والے بھی اور عذاب والے بھی بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ہر صابر و شاکر کے لیے، جو صبر و شکر کو اپنا لے اس کے لیے اس میں بہت ساری نشانیاں ہیں۔

یاد کیجیے جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنی قوم کو کہ یاد کرو اللہ کا احسان جو اس نے تم پر کیا جب تمہیں اس نے نجات دی فرعون کے لوگوں سے جو تمہیں سخت عذاب پہنچاتے تھے اور ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہای عورتوں کو اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی، بلاء کا لفظ پہلے بھی آیا تھا کہ یہ آزمائش کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے اور انعام کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے مصیبت کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے اس میں مصیبت تھی تمہارے لیے تو پھر ذبح ابناء اور استحیاء نساء کی طرف اشارہ ہوگا یا انعام تھا پھر اشارہ ہوگا نجات کی طرف اور اگر اس کا حاصل ترجمہ آزمائش کر لیا جائے تو دونوں کو ہی شامل ہے کیونکہ انعام میں بھی آزمائش ہوتی ہے اور اسی طرح عذاب میں بھی آزمائش ہوتی ہے اس میں آزمائش ہے تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی۔

شکر کی جزاء اور ناشکری کی سزا:

"واذ تأذن ربکم" اور یاد کیجیے جبکہ تمہارے رب نے اطلاع دے دی کہ اگر تم شکر کرو گے تمہیں میں اپنی نعمت زیادہ کردوں گا یعنی اپنی اس نعمت میں اضافہ کردوں گا شکر پر نعمت کے اضافہ کا وعدہ ہے اور شکر کا مفہوم کئی دفعہ آپ کے سامنے ذکر کردیا گیا کہ اللہ کی نعمتوں کی قدر کرو، دل و جان سے اللہ کی عظمت محسوس کرو، اس کو محسن مانو اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں خرچ نہ کرو اور یہ سمجھو کہ ہمارا کوئی استحقاق نہیں، ہمارا کوئی کمال نہیں جو کچھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے عطا فرمایا ہے شکر کا مفہوم یہی ہوتا ہے اور اس کا لازم ہے اطاعت، شکر گزار وہی ہے جو اپنے محسن کی اطاعت بھی کرتا ہے اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی مرضی کے خلاف خرچ نہیں کرتا اس لیے بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو اسے چاہیے ایمان والی نعمت کا اللہ کے سامنے خصوصیت کے ساتھ شکر ادا کرتا رہے کہ اے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے ہمیں ایمان کی دولت نصیب فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ جس نعمت پر شکر کرو گے میں اس نعمت کو بڑھاؤں گا اور بڑھائی تب ہی جائے گی جب اصل باقی رہے تو اگر خصوصیت کے ساتھ ایمان کی نعمت کا شکر ادا کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس ایمان کو باقی رکھے گا بلکہ اس ایمان میں ترقی دے گا۔

اور آپ کو یاد ہوگا کہ کھانا کھانے کے بعد جس قسم کی دعا حدیث شریف میں تلقین کی گئی ہے اس میں ایمان پر شکر کا ذکر بھی آیا ہے "الحمدلله الذی اطعمنا و سقانا وجعلنا مسلمین" گویا کہ جب کھانا کھایا تو جس طرح ایک ظاہری نعمت کا شکر ادا کیا تو ساتھ ہی یہ بات یاد دلادی کہ اس باطنی نعمت کا شکر ادا کرو تو یہ شکر ادا کرنا نعمت میں زیادتی کا باعث ہے، ایمان کو مستحضر کر کے اگر اس پر شکر کرتے رہیں گے تو ان شاء اللہ ایمان باقی بھی رہے گا بلکہ اس میں ترقی بھی ہوگی۔

"ولئن کفرتم" اور اگر تم ناشکری کرو گے میری نعمتوں کی قدر نہیں کرو گے "ان عذابی لشدید" تو میرا عذاب بہت سخت ہے تو وہ عذاب اس کفران نعمت پر آسکتا ہے ضروری نہیں کہ اس دنیا کے اندر عذاب اس کفر اور ناشکری پر آئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں کہا کہ میں پھر تمہیں ضرور عذاب دوں گا بلکہ یہ کہا میرا عذاب بہت سخت ہے یعنی اس کا خیال کرو کہ ناشکری کی بناء پر تمہیں یہ سزا مل سکتی ہے۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا "ان تکفروا انتم" اگر تم ناشکری کرو، یہ اپنے مخاطبین سے کہتے ہیں جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ ناشکری سے نقصان تمہارا ہی ہوگا اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں ہے کہا موسیٰ علیہ السلام نے اگر تم ناشکری کرو تو اور وہ سب لوگ جو زمین میں موجود ہیں سارے کے سارے ہی ناشکری کرنے لگ جائیں اللہ کا کوئی نقصان نہیں ہے

"فان الله لغنی حمید" اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے تعریف کیا ہوا ہے، یہ دال بر جزاء ہے یعنی تمہاری اس ناشکری سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اللہ تو غنی اور بے نیاز ہے۔

امم سابقہ کی اپنے نبیوں سے رویہ کی مشترکہ تاریخ:

"الم یاتکم نباء الذین من قبلکم" کیا تمہارے پاس خبر نہیں آئی ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے ہیں آگے اس کا بدل آ گیا قوم نوح و عاد وثمود یعنی قوم نوح کی اور قوم عاد کی اور ثمود کی اور ان لوگوں کی جو ان کے بعد ہیں جن کی تفصیل اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ کتنی قومیں پیدا ہوئیں کتنی گذریں حدیث شریف میں آتا ہے اگر چہ وہ خبر واحد ہے لیکن پھر بھی اس سے ظن حاصل ہو جاتا ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی طرف ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی آئے ہیں جن میں سے تین سو تیرہ رسول تھے، یہ حدیث میں موجود ہے اور جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہوا ہے وہ صرف سترہ سے بیس کے قریب ہیں اور اگر حدیث شریف والے ساتھ ملا لیئے جائیں تو بھی ان کی تعداد تیس سے متجاوز نہیں ہوتی تو جن انبیاء کا ذکر آپ کے سامنے آیا ہوا ہے وہ تو چند ہیں جن کو آپ انگلیوں پر شمار کر سکتے ہیں اور حدیث شریف میں آ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار بھیجے ہیں، اب ایک لاکھ چوبیس ہزار جو آئے تو کتنی قوموں کی طرف آئے ان قوموں کے کیا حالات تھے وہ قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیے گئے، ان سب کو اس اجمال میں لے لیا گیا کہ " لایعلمهم الا الله "، اس لیے بعض حضرات کا یہی قول آتا ہے کہ نسب بیان کرنے والے جو نسب حضرت آدم تک پہنچاتے ہیں یہ سب جھوٹے ہیں اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے کہ درمیان میں اتنی قومیں گزری ہیں جن کا سوائے اللہ کی کسی کو کوئی پتہ نہیں ہے تو ان کو کیسے پتہ چل گیا کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے، "لا یعلمهم الا الله " ان کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا، سب کا مشترکہ حال ذکر کیا جا رہا ہے "جاء تهم رسلهم بالبینات" ان کے پاس ان کے رسول آئے واضح دلائل لے کر " فردو ایدیهم فی افواههم "لوٹا دیا ان

لوگوں نے اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں میں، یہ سب ضمیریں انہی کی طرف لوٹ گئیں انبیاء کے مخاطبین نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں لوٹائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے تعجب کے ساتھ انسان اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتا ہے کہ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں یا اپنے منہ کی طرف ہاتھ لوٹا کے اشارہ کیا کہ چپ ہو جاؤ یا اس کا یہ معنیٰ بھی ہے کہ اپنے ہاتھ انبیاء کے مونہوں میں لوٹا دیے کہ جیسے ایک آدمی آپ کے سامنے ایک بات کرنا چاہتا ہے اور آپ کو سننا گوارہ ہی نہیں تو آپ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں تو پھر ایدیھم کی ضمیر کافروں کی لوٹ جائے گی اور فی افواھھم کی ضمیر انبیاء کی طرف لوٹ جائے گی کہ ان کافروں نے اپنے ہاتھ انبیاء کے منہ میں لوٹا دیے یعنی ان کے مونہوں پر رکھ دیے تا کہ وہ بولیں نہیں۔

اور ایدی کا لفظ کلام عرب میں احسانات کے لیے بھی بولا جاتا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انبیاء نے جتنے احسانات ان لوگوں پر کیے وہ سب انہوں نے انبیاء کے مونہوں پر دے مارے یعنی نبی کی طرف سے ہدایت کی بات ایک بہت بڑا احسان ہوتا ہے اس قوم کے اوپر، آپ کو کوئی نصیحت کرتا ہے تو یہ نصیحت بہت بڑا احسان ہے، مالی احسان اس کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہے ایک شخص آپ کو پانچ روپے دے دے پانچ روپے کیا ہیں، شام تک آپ ان کو کھا پی کے پیشاب پاخانہ بنا دیں گے زبان کی لذت تھوڑی دیر کے لیے حاصل کر لیں گے اور اس کے بعد قصہ ختم۔ لیکن اگر کوئی آپ کو نفع اور نصیحت کی بات بتاتا ہے اور آپ اس کو پلے باندھ لیتے ہیں زندگی بھر کے لیے وہ مفید ہے اور ایک نصیحت کی بات انسان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیتی ہے تو یہ بہت بڑے احسانات ہوتے ہیں کہ جو انسان کو نیکی سکھاتے ہیں اور اس قسم کی باتیں انسان کو گمراہی سے نکالتی ہیں تو انبیاء کے جتنے احسانات تھے انہوں نے ان احسانات کی کوئی قدر نہ کی بلکہ ان کے احسانات کو انہی کی منہ پر دے مارا، یہ بھی ان الفاظ کا مفہوم ہوسکتا ہے۔

اور یہ کہا کہ ہم نے کفر کیا اس چیز کے ساتھ جس کے ساتھ تم بھیجے گئے اور بے شک البتہ میں ہم شک میں ہیں ایسے شک میں جو ہمیں چین نہیں لینے دیتی اس بات کی طرف سے جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے، ہمارا دل قرار نہیں پکڑتا بلکہ ہمارا دل اس بارے میں بے چینی محسوس کر رہا ہے، یہ باتیں ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہیں۔

"قالت رسلھم" ان کے رسولوں نے کہا "افی اللہ شک" کیا تم اللہ کے بارے میں شک کرنے والے ہو یعنی اللہ کی توحید کے بارے میں جو اللہ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمینوں کو دعوت دیتا ہے تمہیں کہ تا کہ بخش

دے تمہارے گناہ، اللہ کی دعوت بھی تمہارے نفع کے لیے ہے، من کو اگر تبعیضیہ بنالیا جائے کہ بخش دے تمہارے بعض گناہ، تو اس سے مراد ہوا ایمان لانے سے پہلے کے گناہ ایمان لانے کی برکت سے معاف ہو جائیں گے باقی جب ایمان لے آؤ گے اور ایمان لانے کے بعد پھر آگے گناہوں اور نیکیوں کا حساب علیحدہ چلے گا یعنی ایمان لانے سے پچھلے گناہ معاف تو ہوتے ہیں بعد میں آنے والے گناہوں کی معافی کا وعدہ نہیں ہوتا، آگے اگر گناہ کرو گے اس کا حساب علیحدہ ہے، اس کے لیے علیحدہ توبہ کا مطالبہ ہوگا تاکہ معاف کردے تمہارے لئے تمہارے کچھ گناہ اور اس سے وہی گذشتہ گناہ مراد ہیں اور اس سے حقوق اللہ مراد ہوتے ہیں کیونکہ حقوق العباد تو ذمہ میں رہ جاتے ہیں چاہے ایمان سے پہلے کے ہوں آپ نے کسی سے قرض لیا ہوا ہے، قرض لینے کے بعد اگر آپ مؤمن ہو گئے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرضہ معاف ہو گیا، وہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا، حقوق اللہ تو معاف ہو سکتے ہیں حقوق العباد نہیں معاف ہو سکتے ہیں، "و یؤخر کم الی اجل مسمی" اور تاکہ مہلت دیں تمہیں ایک متعین وقت تک مہلت دینے کا مطلب یہ ہے کہ خوش اسلوبی کے ساتھ، خیر وخوبی کے ساتھ، امن وعافیت کے ساتھ تمہیں باقی رکھے ورنہ عمر تو کافر کی بھی گذرتی ہے لیکن کافر کی عمر میں عافیت نہیں ہوتی اور مؤمن کی عمر میں عافیت ہوتی ہے اس کا جو وقت بھی گزرتا ہے بہر حال اس کے نفع میں گذرتا ہے اور کافر کے لیے ایسی بات نہیں ہے۔

کہا انہوں نے نہیں ہو تم مگر بشر ہم جیسے، یہ انبیاء کی مشترکہ تاریخ چلی آرہی ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ انبیا کے ساتھ لوگوں نے ہمیشہ ایسا ہی معاملہ کیا ہے، وہ کہنے لگے نہیں ہو تم مگر بشر ہم جیسے، ارادہ کرتے ہو تم ہمیں روکنے کا اس چیز سے جس کی عبادت کرتے تھے ہمارے آباء پس لے آؤ تم ہمارے پاس وضح دلیل اپنے حق ہونے پر تم اللہ کے رسول ہو کوئی واضح دلیل لے آؤ ہمیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تم ہمارے صرف آبائی طریقہ کو مٹانے کے لیے آئے ہو، ہمارے آباء واجداد کے طریقہ سے ہمیں روکنا چاہتے ہو۔

کہا ان کے رسولوں نے نہیں ہیں ہم مگر بشر تم جیسے یعنی یہ بات تو صحیح ہے کہ ہم تم جیسے ہی بشر ہیں آدم کی اولاد میں سے ہیں اس طرح ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں جس طرح تم ہوئے ہو "ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ" لیکن اللہ تعالیٰ احسان کرتا ہے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور وہ وحی والا احسان اللہ تعالیٰ نے ہم پر کر دیا نہیں ہے ہمارے لیے کہ ہم لے آئیں تمہارے پاس کوئی دلیل مگر اللہ کی توفیق کے ساتھ، تم جو سلطان مبین کا

مطالبہ کرتے ہو تو کسی معجزہ کا لانا یا دکھانا ہمارے بس کی بات نہیں ہے، اللہ کی طرف سے توفیق ہو گی، اللہ کی طرف سے ظاہر ہو گا تو ہم ظاہر کر دیں گے اور اللہ پر ہی چاہیے کہ بھروسہ کریں ایمان والے۔

”و ما لنا الا نتو کل علی اللہ“ کیا ہو گیا ہمیں کہ ہم بھروسہ نہ کریں اللہ پر حالانکہ اس نے ہمیں راستوں کی ہدایت دے دی، ہمارے راستے اس نے ہمیں دکھا دیے اور البتہ ضرور بالضرور صبر کریں گے تمہارے تکلیف پہنچانے پر تم جو تکلیف ہمیں پہنچاؤ گے ہم اس کو سہیں گے، ہم اس کو برداشت کریں گے اور اللہ پر چاہیے کہ توکل کریں توکل کرنے والے۔

کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا اپنے رسولوں کو البتہ ہم ضرور تمہیں نکال دیں گے علاقہ سے یا البتہ ضرور تم لوٹ آؤ گے ہمارے طریقہ میں، لوٹ آنے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے پہلے چپ کر کے ہمارے ساتھ شامل رہتے تھے اگر چہ نبی کفر و شرک اور گمراہی میں کسی کا ساتھ نہیں دیتا کسی وقت میں بھی نبی کفر و شرک میں مبتلا نہیں ہو سکتا لیکن پہلے چونکہ انکار نہیں کرتے تھے توحید کی دعوت نہیں دیتے تھے خاموشی کے ساتھ وقت گزارتے تھے اس سے وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھ تھے کہا کہ جس طرح پہلے تھے ویسے ہو جاؤ ورنہ ہم تمہیں اپنے علاقہ سے نکال دیں گے" فا و حی الیھم ربھم "پس وحی بھیجی ان رسولوں کی طرف ان کے رب نے کہ البتہ ہم ضرور ہلاک کریں گے ظالموں کو، اور البتہ ہم ضرور تمہیں ٹھہرائیں گے زمین میں ان کے بعد یعنی اجمالی تذکرہ ہے کہ انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے ہلاک کرنے بعد آباد رکھا اس کو اجمالاً ذکر کر دیا گیا کہ یہ تو کہتے ہیں ہم تجھے نکال دیں گے لیکن نکلیں گے یہ خود، برباد یہ خود ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں آباد کرے گا تفصیلی واقعات آپ کے سامنے سورہ اعراف میں اور سورہ ہود میں گزر چکے ہیں اور یہ ”لنسکننکم“ کے اندر جو وعدہ کیا جا رہا ہے یہ وعدہ اس شخص کے لیے ہے جو کہ میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اور میری وعید کا خوف کرے جس قسم کی وعیدیں دی جا رہی ہیں ان سے وہ ڈرے، ان کے لیے یہ وعدہ ہے۔

کافروں کا انجام:

”واستفتحوا“ استفتاح فتح طلب کرنا، اس کی ضمیر انبیاء کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے کہ انبیاء نے دعائیں کی کہ یا اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے اور ضمیر کافروں کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے کہ کافروں نے دعا

مانگی کے آخری فیصلہ ہو جائے'' و خاب کل جبار عنید ''اور نامراد ہوا ہر جابر ضدی، جو جابر اور سرکش اور ضدی تھا وہ نامراد ہوا وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا، تو استفتاح کی نسبت دونوں طرف ہو سکتی ہے بعض نے اس کی نسبت انبیاء کی طرف کی ہے جیسے حضرت شیخ الہند کا ترجمہ ہے اور بعض نے اس کی نسبت انبیاء کی طرف کی ہے بیان القرآن میں یہی ترجمہ اختیار کیا گیا ہے۔

'' خاب کل جبار عنید '' میں ان کی دنیاوی زندگی کی بربادی کا ذکر آ گیا ''من و رآئہ جھنم '' وراء کا لفظ آگے پیچھے دونوں معنوں میں آیا کرتا ہے ان کے سامنے جہنم ہے ہ ضمیر کل جبار عنید کی طرف لوٹ رہی ہے لفظوں کی طرف دیکھتے ہوئے مفرد کی ضمیر لوٹائی گئی، اس کے سامنے جہنم ہے ''ویسقی من ماء صدید ''اور پلائے جائیں گے وہ پانی یعنی وہ پانی جو ان کو پینے کے لیے دیا جائے گا وہ پیپ ہوگی ''یتجرعہ'' وہ اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیے گا لیکن وہ اس کو حلق سے آگے گزار نہیں سکے گا اور آئے گی اس کے پاس موت ہر طرف سے لیکن وہ مرے گا نہیں اس لیے جہنم کی زندگی کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے '' لا یموت فیھا ولا یحیٰ'' نہ تو اس میں مرے گا اور نہ ہی اس میں زندہ ہوگا یعنی زندہ ہونا بے کار، زندہ تو ہوگا لیکن وہ زندگی بے کار ہوگی جس میں کوئی راحت نہیں ہے اور موت واقعتہً نہیں آئے گی اور اس کے سامنے سخت عذاب ہے یعنی اس کے علاوہ اور عذاب بھی ہے۔

کافروں کے نیک اعمال کی حیثیت:

'' مثل الذین کفروا بربھم '' اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب کافروں کو آخرت کا عذاب بتایا جاتا ہے تو وہ سوچنے لگ جاتے ہیں کہ آخر نیکی کے کچھ کام ہم بھی تو کرتے ہیں اگر آخرت ہوئی تو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کا ثواب دے گا، اول تو آخرت ہوگی ہی نہیں اگر آخرت ہوگی تو ہماری نیکیوں کا بدلہ ہمیں ملے گا، غریب پروری کرتے ہیں یتیموں پر شفقت کرتے ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اس قسم کے نیک کام جو مشرک کیا کرتے تھے تو کبھی ان کے دل میں یہ خیال آتا کہ اگر آخرت ہوگی جس طرح یہ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان اعمال کا ثواب دے گا، قرآن کریم میں متعدد آیات کے اندر اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ کافروں کے عمل پر آخرت میں کوئی ثواب مرتب نہیں ہوگا اس آیت میں یہی ذکر کیا گیا ہے۔ مثال ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ ان کے اعمال

راکھ کی طرح ہوں گے کہ جس پر سخت ہوا چل پڑی ہو آندھی کے دن میں۔ آپ جانتے ہیں راکھ بہت ہلکی چیز ہوتی ہے جب اس کے اوپر آندھی چل جائے تو اس کا تو نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا اس طرح کافروں کے یہ اعمال جو ان کو نیک معلوم ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو خاک اور راکھ بنا کے یوں اڑا دے گا کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا "لایقدرو ن مما کسبو ا علی شئی "نہیں قادر ہوں گے یہ اپنے کیے ہوئے میں سے کسی چیز پر یعنی اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے " ذلك هو ا الضلا ل البعيد "یہ بہت دور کی گمراہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت:

کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے پیدا کیا آسمانوں اور زمینوں کو ٹھیک ٹھیک۔ اگر چاہے تو لے جائے تم سب کو اور لے آئے نئی مخلوق کو، اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت بھی حاصل ہے کہ تم سب کو ایک دم ختم کر دے اور دوسری مخلوق لے آئے، ایک دم کا لفظ اس لیے بول رہا ہوں تدریجاً تو ہمیشہ اللہ ایسا ہی کرتا ہے مثلاً آج جتنے لوگ موجود ہیں ایک وقت ایسا آئے گا کہ ان میں سے کوئی بھی نہیں ہو گا نئی آبادی ہو گی آج سے ساٹھ سال پہلے جو لوگ تھے ان میں سے اکثریت ختم ہو گئی، تھوڑے سے باقی ہیں اور یہ تھوڑے سے بھی ختم ہوتے جائیں گے نئے آتے چلے جا رہے ہیں، تدریجی طور پر اللہ ایسا کرتے ہی ہیں کہ پچھلوں کو اٹھاتا جاتا ہے اور نئے لاتا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت بھی حاصل ہے کہ سب کو یک دم ختم کر دے اور ایک دم نئی آبادی کر دے اس لیے اس کے لیے مار کے دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔

مستضعفین ومستکبرین کا مکالمہ اور شیطان کا جواب:

" و برزو ا الله جميعا " یہ سارے کے سارے اللہ کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے، اللہ کے سامنے نمایاں ہو جائیں گے " فقا ل الضعفا ء للذ ين استكبرو ا " یہ ہے بڑوں اور چھوٹوں کی آپس میں لڑائی، آج جو اپنے لیڈر کے پیچھے جھنڈا اٹھائے پھر رہے ہیں اور ہر بات کو اس کے کہنے کے مطابق کرتے ہیں قیامت کے دن جا کے ان کی آپس میں خوب ان کی لڑائی ہو گی، کہیں گے کمزور لوگ کمزور لوگوں سے تابعین یعنی پیچھے چلنے والے مراد ہیں، کہیں گے کمزور لوگ ان لوگوں کو جو بڑے بنے ہوئے ہیں "انا کنا لکم تبعاً" بے شک ہم تمہارے تابع تھے کیا تم دور ہٹانے والے ہو اللہ کے عذاب سے کوئی چیز، اللہ کے عذاب سے کوئی چیز تم دور ہٹا سکتے ہو؟ قالوا وہ کہیں گے "لو

هد انا الله لهد ینا کم "اگر اللہ ہمیں سیدھے راستہ پر چلاتا تو ہم تمہیں بھی ہدایت دیتے، جب ہم خود محروم تھے تمہیں کیسے سیدھے راستے پہ لا سکتے تھے،" سواء علینا " برابر ہے ہم پر یہ کہ ہم صبر کریں یا بے صبری کریں ہمارے لیے کوئی چارہ کار نہیں، "محیص" ظرف کا صیغہ ہے ہمارے لیے ہٹنے کی کوئی جگہ نہیں ہے، ہم اس عذاب سے بچ کے کہیں نہیں جا سکتے۔

"و قال الشیطان "اور پھر یہ سارے کے سارے اکٹھے ہو کے اپنے قائد اعظم کے پاس جائیں گے تو شیطان کہے گا جس وقت فیصلہ ہو جائے گا امر کا کہ بے شک اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا اور سچا وعدہ کیا تھا اور کچھ میں نے بھی تم سے وعدے کیے تھے اور میں نے غلط وعدے کیے تھے یعنی اس کا اِخلاف واضح ہو گیا اصل میں اخلف فی الوعد کا معنی ہوتا ہے وعدہ کو پورا نہ کرنا میں نے وہ وعدے پورے نہیں کیے یعنی میرے وعدے جھوٹے تھے اور میرے لیے کوئی غلبہ حاصل نہیں تھا کہ میں تمہیں زبردستی گمراہی پر لگا دیتا سوائے اس کہ نہیں کہ میں نے تمہیں دعوت دی تھی اور تم نے میری دعوت قبول کر لی، میں نے زبردستی تم کو برائی پر نہیں لگایا تھا" فلا تلو مو نی " پس تم مجھے ملامت نہ کرو "ولو مو ا انفسکم " اپنے آپ کو ملامت کرو تم بے سوچے سمجھے تم میرے پیچھے کیوں لگ گئے تھے، ایک طرف اللہ کے وعدے تھے اور ایک طرف میرے وعدے تھے میں نے تو تمہیں صرف بلایا ہی تھا کوئی زبردستی تو نہیں چلایا تھا، جب تم اپنی عقل اور فطرت کے ساتھ میرے پیچھے لگ گئے میری بات تم نے قبول کر لی تو" فلا تلو مونی " مجھے ملامت نہ کرو اپنے آپ کو ملامت کرو" وما انا بمصر خکم " نہیں ہوں میں تمہارے لیے کوئی مدد کرنے والا، مصرخ کہتے ہیں کہ فریاد رس کو، میں تمہاری فریاد رسی کرنے والا نہیں ہوں اور تم میری فریاد رسی کرنے والے نہیں ہو نہ میں تمہارے کام آ سکتا ہوں اور نہ تم میرے کام آ سکتے ہو" انی کفرت بما اشر کتمونِ من قبل" اس سے پہلے جو تم نے مجھے شریک ٹھہرایا میں تو اس کا سرے سے ہی منکر ہیں۔ میں انکار کرتا ہوں میں کوئی شریک نہیں تھا، تم ایسے ہی مجھے شریک ٹھہراتے رہے یا مطلب یہ ہے کہ اس سے قبل جو تم نے مجھے شریک ٹھہرایا اس کی وجہ سے میں کافر ہوا، تم سب جو مجھے ماننے لگ گئے تو میں بھی بڑا بن کے بیٹھ گیا اور اگر تم نہ مانتے تو ہو سکتا ہے میں بھی سیدھے راستے پہ آ جاتا تم نے میرے ساتھ موافقت کر کے مجھے شریک ٹھہرا کے الٹا مجھے بھی کافر بنا دیا، یہ ان کو الزام دے گا کہ اگر تم میری بات نہ مانتے تو ممکن تھا کہ میں ہی سیدھا رہ جاتا دونوں طرح اس کا مفہوم ادا کیا جا سکتا ہے کہ

میں منکر ہوں اس کا جو اس سے قبل تو نے مجھے شریک ٹھہرایا، میں اس کا انکار کرتا ہوں اور یا یہ کہ تمہارے شریک ٹھہرا نے کی وجہ سے میں کافر ہوا" ان الظالمین لھم عذاب الیم " بے شک ظالموں کے لے دردناک عذاب ہے۔

مؤمنین کا اخروی حال:

داخل کیے جائیں گئے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے باغات میں۔ جاری ہوں گی اس کے نیچے سے نہریں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں۔ داخل کیے جائیں گے اپنے رب کی توفیق کے ساتھ، ان کا آپس میں تحیہ سلام ہوگا یعنی جس طرح جہنمی جہنم میں ایک دوسرے پر لعنت کر کے پھٹکار کریں گے اور مؤمن جس وقت ملیں گے تو ان کا تحیہ آپس میں سلام ہوگا ہر طرف سے سلام سلام کی ہی آواز ہوگی کوئی کسی پر آوازیں نہیں کسے گا اور نہ کسی کو ملامت کریں گے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ

اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کیسے مثال دی اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کلمہ کی جیسے پاکیزہ درخت ہو

طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ

اس کی جڑ ثابت ہے زمین میں اور اس کی شاخیں اٹھی ہوئی ہیں آسمان میں ﴿۲۴﴾ وہ دیتا ہے اپنا میوہ

حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

ہر وقت اپنے رب کی توفیق کے ساتھ اور بیان کرتا ہے مثالیں اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے تاکہ وہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اجْتُثَّتْ

نصیحت حاصل کریں ﴿۲۵﴾ اور مثال ردی کلمہ کی ردی درخت کی طرح ہے جو اکھیڑ لیا جائے

مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

زمین کے اوپر سے ہی۔ نہیں ہے اس کے لیے کوئی قرار ثابت رکھتا ہے ﴿۲۶﴾ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے

بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ

قول ثابت کی وجہ سے دنیا میں اور آخرت میں بھٹکاتا ہے اللہ تعالیٰ

الظّٰلِمِيْنَ ۙۚ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿٢٧﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ

ظالموں کو اور کرتا ہے جو چاہتا ہے ﴿۲۷﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا

اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿٢٨﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ؕ وَبِئْسَ

اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں اتار دیا ﴿۲۸﴾ وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ رہنے کی جگہ بری ہے

الْقَرَارُ ﴿٢٩﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا

اور ان لوگوں نے اللہ کے لیے مقابل قرار دیے ﴿۲۹﴾ تاکہ وہ انہیں اللہ کی راہ سے گمراہ کریں آپ فرما دیجئے کہ تم نفع اٹھالو

فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝٣٠ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا

بیشک تمہارا ٹھکانہ جہنم کی طرف ہے (۳۰) آپ فرما دیجیے میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے کہ نماز قائم کریں

الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ

اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے ظاہری طریقہ سے اور پوشیدہ طریقہ سے خرچ کریں اس دن کے آنے سے پہلے

يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝٣١ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی ہوگی (۳۱) اللہ نے آسمانوں کو اور زمینوں کو پیدا فرمایا

وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ

اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے ذریعہ سے پھلوں سے تمہارے لیے رزق نکالا

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝٣٢

اور تمہارے لیے کشتی کو مسخر فرما دیا تاکہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور اس نے تمہارے لیے نہروں کو مسخر کر دیا (۳۲)

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝٣٣

اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر فرما دیا وہ برابر حرکت میں ہیں اور تمہارے لیے دن اور رات کو مسخر فرما دیا (۳۳)

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ

اور تم نے اس سے جو کچھ مانگا تم کو اس سب میں سے عطاء کیا اور اگر تم اللہ کی نعمت کو شمار کرنا چاہو تو تم شمار نہیں کر سکتے

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝٣٤ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا

بلاشبہ انسان بے انصاف ہے اور ناشکرا ہے (۳۴) اور جب ابراہیم نے کہا کہ اس شہر کو امن والا بنا دیجیے

الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝٣٥ رَبِّ اِنَّهُنَّ

اور مجھے اور میرے فرزندوں کو اس سے دور رکھیے کہ ہم بتوں کو پوجیں (۳۵) اے میرے رب

اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ

ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا سو جو شخص میری پیروی کرے گا بلاشبہ وہ مجھ سے ہے

عَصَانِيْ فَإِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ إِنِّيْٓ أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ

اور جو شخص میری نافرمانی کرے تو بلاشبہ آپ بخشنے والے ہیں مہربان ہیں ﴿۳۶﴾ اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد کو

بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

آپ کو محترم گھر کے نزدیک ایسی وادی میں ٹھہرایا ہے جو کھیتی والی نہیں ہے اے ہمارے رب تا کہ وہ نماز قائم کریں

فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ

سو آپ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دیجیے اور انہیں پھلوں میں سے روزی عطاء فرمائیے

الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ

تا کہ شکر ادا کریں ﴿۳۷﴾ اے ہمارے رب آپ بلاشبہ وہ سب کچھ جانتے ہیں جو ہم ظاہر کرتے ہیں

وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

اور جو چھپاتے ہیں اور زمین میں اور آسمان میں کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے ﴿۳۸﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ إِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ ؕ إِنَّ

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطاء فرمایا بلاشبہ

رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ

میرا رب دعا کا سننے والا ہے ﴿۳۹﴾ اے میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا رکھیے اور میری اولاد میں سے بھی

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ

اے ہمارے رب اور میری دعا قبول فرمایئے ﴿۴۰﴾ ہمارے رب میری مغفرت فرمایئے اور میرے والدین کی اور مؤمنین کی

الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ إِنَّمَا

جس دن حساب قائم ہوگا ﴿۴۱﴾ اللہ کو ان کاموں سے بے خبر مت سمجھئے جو ظالم لوگ کرتے ہیں بات یہی ہے

يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْأَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ ۙ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ

کہ وہ انہیں ایسے دن کے لیے مہلت دیتا ہے جس میں آنکھیں اوپر اٹھی رہ جائیں گی ﴿۴۲﴾ یہ لوگ دوڑتے ہوں گے

رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ

سروں کو اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے ان کی نظر ان کی طرف واپس نہیں لوٹے گی ان کے دل ہوا ہوں گے ﴿۴۳﴾ اور آپ

النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ

لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان کے پاس عذاب آجائے گا سو جن لوگوں نے ظلم کیا وہ یوں کہیں گے

اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۗ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا

اے ہمارے رب تھوڑی سی مدت کے لیے ہمیں مہلت دیجیے ہم آپ کے بلاوے کو قبول کریں گے اور رسولوں کی اتباع کریں گے

اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ

کیا تم نے اس سے پہلے قسم نہ کھائی کہ کہیں ہم نے جانا ہی نہیں ہے ﴿۴۴﴾ حالانکہ تم ان لوگوں کی رہنے کی جگہ

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا

میں رہتے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور یہ بات تم پر ظاہر ہوگئی کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور ہم نے

لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۗ وَاِنْ

تمہارے لیے مثالیں بیان کیں ﴿۴۵﴾ اور ان لوگوں نے اپنا مکر کیا اور اللہ کے سامنے ان کا مکر ہے اور واقعی

كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ

ان کا مکر ایسا تھا کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں ﴿۴۶﴾ سو اے مخاطب! اللہ کے بارے میں یہ خیال نہ کرو کہ وہ وعدہ خلافی کرنے والا ہے

رُسُلَهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ

اپنے رسولوں سے بے شک اللہ غالب ہے انتقام والا ہے ﴿۴۷﴾ جس روز یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی

وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ

اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب لوگ اللہ کے لیے ظاہر ہو جائیں گے جو واحد قہار ہے ﴿۴۸﴾ تو اس دن مجرموں کو

يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ

اس حال میں دیکھے گا وہ باہم آپس میں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے ﴿۴۹﴾ اوران کے کرتے قطران کے ہوں گے

وُجُوهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ

اوران کے چہروں کو آگ نے ڈھانپ رکھا ہوگا ﴿۵۰﴾ تاکہ اللہ ہر جان کو بدلہ دے اس کے کاموں کا بلاشبہ اللہ

الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هَٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا

جلد حساب لینے والا ہے ﴿۵۱﴾ یہ پہنچا دینا ہے لوگوں کو اور تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے ڈرائے جائیں اور تاکہ وہ جان لیں

هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٥٢﴾

کہ وہ ہی ایک معبود برحق ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں ﴿۵۲﴾

تفسیر

کلمہ طیبہ شجرہ طیبہ کی طرح ہے

یہ آیات کلمہ توحید اور کلمہ شرک کے بیان کے لیے ہیں کلمہ توحید کی اللہ تعالی نے مدح فرمائی ہے اور کلمہ شرک کی مذمت کی ہے، کلمہ طیبہ سے کلمہ توحید مراد ہے " لا الہ الا اللہ "اور اس کی مثال اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ساتھ دی ہے جو بہت عمدہ ہے اور جڑیں زمین میں ثابت ہیں اور اس کی شاخیں بلندی میں پھیلی ہوئی ہیں اور درخت کی خوبی یہی ہوتی ہے کہ اس کی جڑ زمین نیچے تک دھنسی ہوئی ہوتی ہے تاکہ جڑ کی طرف سے خوراک صحیح حاصل کر سکے اور اس کی شاخیں بلندی میں پھیلی ہوئی ہوں تو فضاء کی طرف سے بھی وہ صحیح خوراک حاصل کر سکتا ہے، درخت کو غذا دونوں طرف سے ملا کرتی ہے، شاخوں کی طرف سے بھی غذا حاصل کرتا ہے اور جڑ کی طرف سے بھی غذا حاصل کرتا ہے، جب وہ مضبوط ہے، جڑ بھی اس کی اچھی ہے، شاخیں بھی اس کی پھیلی ہوئی ہیں تو وہ پر بہار ہے جب بھی موسم آتا ہے وہ خوب پھل دیتا ہے اپنے رب کی توفیق سے تو کلمہ توحید بھی اس طرح ہے کہ توحید کی جڑ انسان کے قلب میں بھی ہے فطرت کا تقاضا ہے، عقل کا تقاضا ہے فطرت اور عقل کے ساتھ بھی اس کلمہ توحید کو قوت حاصل ہوتی ہے اس کی جڑ انسان کے قلب میں ہے پھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک چونکہ یہ مقبول ہے تو اس کے اثرات

اوپر کی طرف بھی جاتے ہیں، توحید کے عقیدہ کے ساتھ جو اعمال کیے جاتے ہیں وہ بلندی کی طرف جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف جاتے ہیں اللہ کے ہاں مقبول ہوتے ہیں اور اس کے اوپر ثمرات یعنی اللہ کی رضا، دنیا و آخرت کی خیر خوبی یہ ان کے اعمال کے اوپر مرتب ہوتے ہیں گویا کہ فطرت بھی اس کو قبول کرتی ہے، عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ مقبول ہے فطرت اور عقل کے دلائل بھی اس کو پختہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی آتی ہے، علوم الٰہی جو نازل ہوتے ہیں وہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں تو پھر اس کے ثمرات انسان دنیا اور آخرت میں اٹھاتا ہے جس طرح آگے لفظ آئیں گے کہ اسی قول ثابت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے تو یہ پُر بہار درخت ہے اللہ تعالیٰ مثالیں دیتا ہے تاکہ لوگ اس کو سمجھ سکیں، مثال کے ساتھ بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے معنوی چیز محسوس شکل میں سامنے آتی ہے۔

کلمہ خبیثہ شجرہ خبیثہ کی طرح ہے:

اور اس کے مقابلہ میں کلمہ شرک کی مثال دی شجرہ خبیثہ کے ساتھ، شجرہ خبیثہ سے مراد جھاڑیاں ہیں جو ویران زمین میں اگ آتی ہیں یا بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ شجرہ خبیثہ کا مصداق اندرائن کو قرار دیا گیا ہے یا جو بھی ردی قسم کی جھاڑیاں اُگ آتی ہیں جن کی جڑ زمین میں بھی مضبوط نہیں ہوتی اور شاخیں بھی اوپر کو پھیلی ہوئی نہیں ہوتیں، وہ کوئی کار آمد نہیں ہیں بے ثمر ہیں بے فائدہ ہیں، الٹا تکلیف دہ ہیں کہیں دامن اٹک گیا، کہیں کانٹا لگ گیا جڑ ان کی مضبوط نہیں ہوتی شاخیں ان کی پھیلی ہوئی نہیں ہوتیں جب یہ دونوں باتیں نہیں ہوتیں تو پھر نہ پوری طرح وہ سرسبز اور نہ شاداب ہو سکتے ہیں اور نہ اس کے اوپر کوئی ثمرہ مرتب ہو سکتا ہے، پھل بھی ان سے حاصل نہیں ہوتا تو کلمہ شرک چونکہ فطرت کے بھی خلاف ہے عقل کے بھی خلاف ہے فطرت بھی کلمہ شرک کو قبول نہیں کرتی اور عقل بھی اس کی تائید نہیں کرتی تو پھر اس کے اعمال اللہ کی طرف کیسے جا سکتے ہیں اور اللہ کے ہاں کیسے قبول ہوں گے تو وہ مثال پہلے آپ کے سامنے آ گئی کہ مشرک اگر کوئی نیکی کرتا بھی ہے تو اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے راکھ ہو تو جیسے راکھ ہوا کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے بلکہ اگر اس کے اوپر ہوا چل جائے تو وہ بے نام و نشان ہو جاتی ہے اس کا ذرہ ذرہ بکھر جاتا ہے اس طرح مشرکوں کے اعمال کے اندر بھی کوئی وزن نہیں ہوتا پھر یہ عقل کے بھی خلاف ہیں فطرت کے بھی خلاف ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کی کوئی تائید نہیں، اس کی تشبیہ شجرہ خبیثہ کے ساتھ دی گئی ہے وہاں ذکر کیا تھا کہ وہ ہر

وقت میوہ دیتا ہے اور یہاں میوہ آنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، یہ تو الٹا انسان کے لیے تکلیف دہ ہے، اور اس کو قرار نہیں ہوتا۔

کلمہ طیبہ کی برکات دونوں جہانوں میں نصیب ہوتی ہیں:

تو اللہ تعالیٰ اسی قول ثابت کی وجہ سے دنیا میں بھی مضبوط رکھتے ہیں اور آخرت میں ثابت قدم رکھیں گے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے مشکوٰۃ شریف (ص ۲۴) میں بھی باب اثبات عذاب القبر کی پہلی رویت میں عذاب قبر کے ثبوت کے طور پر اس آیت کو پیش کیا ہوا ہے کہ قبر میں مؤمن سے یہ سوال ہوگا "من ربك"؟ "ما دينك"؟ "ماتقول في هذ الرجل" تو اللہ تعالیٰ مؤمن کو ثابت قدم رکھیں گے اور وہ صحیح جواب دے گا اور وہ کامیاب ہوگا تو پھر سرور کائنات ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی جس سے معلوم ہوگیا کہ تثبیت سے مراد قبر کے اندر ثابت قدم رکھنا ہے کہ جب منکر نکیر کے سوال ہوں گے تو مؤمن مضبوط ہو جائے گا اور صحیح جواب دے گا۔

باقی رہا قبر کا معاملہ جس کو ہم برزخ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں وہ حیات دنیا کا مصداق ہے یا آخرت میں دونوں باتیں ہوسکتی ہیں کیونکہ برزخ ایک درمیانی چیز ہے، دنیا کے اعتبار سے یہ آخرت ہے اور آخرت کے اعتبار سے یہ دنیا ہے، ہمارے لیے تو وہ آخرت ہے اور آخرت کے اعتبار سے یہ دنیا ہے پھر اگر حیات دنیا سے یہی زندگی مراد لی جائے جس میں ہم اس وقت موجود ہیں تو کلمہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو اس حیاۃ دنیا میں مضبوط رکھتا ہے، ان کے دلوں کے اندر مضبوطی ہوتی ہے اطمینان ہوتا ہے دنیا کے حوادث اپنی مرضی کے خلاف آتے بھی ہیں تو مؤمن ان کو برداشت کر لیتا ہے اس کلمہ کی برکت سے اسے صبر وشکر کی توفیق نصیب ہوتی ہے، یہ پریشان نہیں ہوگا اگر کلمہ صحیح طور پر دل میں موجود ہو تو مؤمن بہت مطمئن ہوتا ہے اللہ کے ساتھ صحیح تعلق ہونے کی بناء پر اس کو صبر وشکر کی زندگی نصیب ہوتی ہے تو اس دنیا میں بھی ثابت قدم رہا اور مرنے کے بعد بھی اگلی زندگی برزخ کی جو آئے گی اس میں بھی ثابت قدم رہا کہ منکر نکیر کے سوالات کے وقت مؤمن کلمہ کی برکت سے ثابت قدم رہے گا اور اللہ تعالیٰ وہاں بھی اس کو کامیاب کریں گے مطمئن رکھیں گے پھر تو آخرت سے مراد برزخ کی زندگی ہوگئی۔

اور اگر آخرت سے حقیقتاً آخرت ہی مراد ہو تو پھر قیامت کے بعد کے حالات اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے کلمہ کی برکت سے قیامت میں ٹھیک ٹھاک رکھے گا اور یہ ثابت قدم رہیں گے اور حیاۃ دنیا سے مراد ہو جائے گی برزخ کی

زندگی تو ایسا بھی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ برزخ یہ درمیان میں رکاوٹ ہے یہ دنیا کی طرف دیکھتے ہوئے آخرت کی جانب ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اس کلمہ کا ثمرہ انسان دنیا و آخرت دونوں جگہ اٹھائے گا یہ قول ثابت جو کلمہ شجرہ کی طرح قلب کے اندر پیوست ہے اس کی برکت دونوں جہانوں میں نصیب ہوگی۔

" و یضل الله الظا لمین " ظالمین سے مشرکین مراد ہیں " ان الشرك لظلم عظیم " ظالموں کو اللہ تعالیٰ بھٹکائے گا کیونکہ ان کے دل کے اندر اللہ کے ساتھ تعلق صحیح نہیں ہوتا تو دنیا کے اندر بھی یہ بھٹکے پھرتے ہیں اور ان کو قلبی طور پر اطمینان نصیب نہیں ہوتا طبیعت کے خلاف تھوڑا سا بھی واقعہ پیش آجائے تو انتہائی پریشان ہو جاتے ہیں اور برزخ میں بھی بھٹکیں گے اور آخرت میں بھی دھکے کھائیں گے " و یفعل الله ما یشاء " اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا چاہنا اس کے علم و حکمت کے مطابق ہے جیسے اس کے علم و حکمت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔

مشرکین کی مذمت:

اگلے الفاظ میں مشرکین کی مذمت بیان کی گئی ہے اور مسلمانوں کو کچھ ہدایات دی گئی ہیں " الم تر الی الذین بدلوا نعمة الله کفراً " کیا آپ نے دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے اللہ کے احسان کو بدل دیا کفر کے ساتھ اللہ کا احسان کفر کے ساتھ بدل دیا یہاں مضاف محذوف مان لیجیے "بد لو ا شکر نعمة الله کفراً" اللہ کے احسان کا شکر ادا کرنے کی بجائے انہوں نے کفر اختیار کیا ناشکری اختیار کی، اللہ کے شکر کو کفر سے بدل دیا" واحلو ا قو مھم دارالبوار " اور اتار دیا انہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں ہلاکت کے گھر کا بیان ہے "جہنم" یعنی اتار دیا انہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں جو جہنم ہے "یصلونھا" وہ داخل ہوں گے اس میں اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے، اور انہوں نے اللہ کے ساتھ "ند" بنا لیے ند مقابل کو کہتے ہیں، اللہ کے مقابل بنا لیے مقابلہ میں شرکاء کھڑے کر لیے تاکہ اللہ کے راستہ سے دوسروں کو بھٹکائیں آپ کہہ دیجیے کہ تم فائدہ اٹھا لو پس بے شک تمہارا ٹھکانہ جہنم کی طرف ہے تو کلمہ شرک کی وضاحت کرنے کے بعد یہ مشرکین کی مذمت ہے " الذ ین بد لو ا نعمة الله کفرا " کا مصداق اول کفار مکہ ہیں انہی کی طرف مخاطب کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسی نعمتیں دیں کیسے کیسے ان کے اوپر احسانات کیے لیکن انہوں نے شکر ادا کرنے کی بجائے کفر کی زندگی اختیار کی ناشکری

اختیار کی اور اپنی پوری کی پوری قوم کو ہلاکت کے گھر میں اتار دیا اور ہلاکت کے گھر سے مراد جہنم ہے جس میں یہ داخل ہوں گے اور ان کا حال یہ ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں دوسرے شرکاء قائم کر لیے تا کہ وہ دوسروں کو اللہ کے راستہ سے بھٹکائیں انہیں کہہ دو کہ یہ کفر وشرک کی زندگی جسے تم سمجھ رہے ہو کہ ہم نفع میں ہیں یہ صرف تھوڑے سے نفع کی چیز ہے اب وقت بہت قریب آ گیا ہے کہ یہ جھاڑیاں اس زمین سے صاف کر دی جائیں گی مشرکین اکھیڑ دیے جائیں گے اب زمین کو صاف کرنے کا وقت آ گیا ہے، اب یہاں اس قسم کے درخت بوئے جائیں گے جو سدا بہار ہوتے ہیں جو مخلوق کے لیے مفید ہوتے ہیں اللہ کا کلمہ بلند ہوگا اس لیے تمتعوا کے اندر ان کو دھمکایا جا رہا ہے کہ چند دن ہیں کھا پی لو اس کے بعد تمہارا ٹھکانہ جہنم میں بننے والا ہے۔

موحدین کو ہدایت:

"قل لعبادی الذین آمنوا" یہ مؤمنین کا شرف ہے کہ یہاں ان کو اللہ نے اپنا بندہ کہہ کے ذکر کیا ہے میرے ان بندوں کو کہہ دو جو ایمان لاتے ہیں وہ نماز کو قائم رکھیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہری طور پر خرچ کرتے رہیں ایسے دن کے آنے سے پہلے جس دن میں کوئی خرید وفروخت نہیں ہوگی اور نہ اس دن کے اندر کوئی یاری باشی ہوگی یعنی وہ دن ایسا ہوگا جس میں آپ چھوٹی ہوئی نیکی کی تلافی نہیں کر سکیں گے نہ تو وہاں کوئی بازار لگے گا جس میں نیکیاں بکتی ہوں اور آپ کے پاس سرمایہ موجود ہو تو آپ جا کے نیکیاں خرید کے اس کمی کو پورا کر لیں اور وہاں کوئی یاری باشی نہیں ہوگی کہ دوستی کی بناء پر آپ کو کوئی اپنی نیکیاں دے دے اور اس طرح آپ فائدہ اٹھا لیں ایسی کوئی بات نہیں ہے اس لیے ایسے دن آنے سے پہلے پہلے اللہ کے راستہ میں خرچ کر لیں یہ خرچ کیا ہوا سرمایہ وہاں نیکیاں خریدنے کا باعث بنے گا نیکیوں کے حاصل ہونے کا باعث بنے گا ورنہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے جس کے اوپر اعتماد کیا جا سکے اللہ تعالیٰ اگر بعض کو بعض کی سفارش کے ساتھ بخشیں گے بھی تو اول تو ایسے دوست بہت کم ہیں اور ساتھ یہ بھی پتہ نہیں کہ کس کے لیے سفارش کی اجازت ہو اور کس کے لیے سفارش کی اجازت نہ ہو اس لیے یہ کوئی قابل اعتماد ذریعہ نہیں ہے کہ انسان اعتماد کر کے بیٹھ جائے کہ میرا فلاں دوست اللہ کا مقبول ہے وہ سفارش کر کے چھڑا لے گا یہ کوئی قابل اعتماد ذریعہ نہیں ہے میرے بندوں کو یہ بات سمجھا دیجیے کہ بدنی عبادت میں بھی لگے رہیں اور مالی عبادت میں بھی لگے رہیں بدنی اور مالی عبادت کے ذریعہ سے قیامت کا دن آنے سے پہلے

نیکیاں اکٹھی کرلیں ورنہ پھر اس کی تلافی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے انعامات:

اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو، یہ اس کی نعمتوں کا ذکر آ گیا اور اتارا اس نے آسمان سے پانی پھر نکالا تمہارے لیے اس پانی کے ذریعہ سے ان پھلوں کو اور مسخر کیا تمہارے نفع کے لیے ان کشتیوں کو جو چلتی ہیں سمندر میں اللہ کے حکم سے یعنی یہ چیزیں تمہارے کام میں لگا دیں اور مسخر کیا تمہارے نفع کے لیے دریاؤں اور نہروں کو اور اللہ تعالیٰ نے مسخر کیا یعنی تمہارے نفع کے لیے کام میں لگا دیا سورج کو اور چاند کو اس حال میں کہ ایک ہی حال پہ چلنے والے ہیں جو عادت اختیار کر لی اس عادت کے مطابق چل رہے ہیں اپنے دستور کے مطابق چل رہے ہیں وقت پہ طلوع ہونا اور وقت پہ غروب ہونا، رفتار کی ایک مقدار متعین ہے، اور کام میں لگا دیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے نفع کے لیے رات اور دن کو یہ ساری کی ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں بطور نعمت کے دیں اللہ تعالیٰ کی یہ تابع کی ہوئی ہیں اور تمہارے نفع کے لیے ہیں جس میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ آسمان کی کائنات ہو یا زمین کی کائنات ہو یہ سب تمہارے نفع کے لیے ہے اور یہ انسان کا کتنا جاہلانہ کارنامہ ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اس کے نفع کے لیے بنائی تھیں اور اس کے لیے بطور خادم کے کام کر رہی تھیں انسان انہی کے سامنے جھک گیا اور انہی کو معبود بنا لیا کسی نے سورج کو معبود بنا لیا کسی نے چاند کو کوئی پانی کو پوج رہا ہے کوئی درختوں کو پوج رہا ہے کوئی آسمان کی کسی مخلوق کو پوج رہا ہے کوئی زمین کی کسی چیز کو پوج رہا ہے کوئی کسی چیز کو بت بنا کے سامنے رکھے ہوئے ہے، یہ ساری کی ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بطور خادم کے بنائی تھیں ان سے خدمت لو اور اللہ کی عبادت کرو، پھر یہ نعمتیں جتنی بھی ہیں جو آسمان کی طرف سے ملتی ہیں یا زمین کی طرف سے ملتی ہیں ان کا تعلق زمین کے ساتھ ہے یا آسمان کے ساتھ ہے سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو ان کی کسی غیر کی طرف نسبت بھی نہ کرو۔

”و اٰتا کم من کل ما سالتموہ “ اور دی اللہ تعالیٰ نے ہر وہ چیز جو تم نے اللہ سے مانگی جو تم نے مانگا اللہ نے تمہیں دیا، بن مانگے بھی بہت کچھ دیا اور جو کچھ مانگتے ہو وہ بھی دیتا ہے اور کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان دعائیں کرتا ہے وہ دعا قبول نہیں ہوتی ہے جو مانگتے ہو وہ نہیں ملتا، یہ ظاہری طور پر انسان کو ایک اشکال ہوتا ہے لیکن آپ دیکھ لیجیے کہ اس بات کا تذکرہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا جو کچھ تم نے مانگا اس کا تذکرہ نعمتوں کے سلسلے میں ہے

اللہ تعالیٰ اپنے انعامات کا تذکرہ کر رہا ہے اور یہ ایک واقعہ ہے کہ انسان کم علم ہے اس کو ہر چیز کے انجام کا پتہ نہیں ہے بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ انسان اپنے لیے ایک دعا مانگتا ہے اور نتیجۃً وہ اس کے لیے مفید نہیں ہوتی ایک چیز طلب کرتا ہے وہ اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے تو ایسی چیز کا دینا نعمت نہیں ہے، اس چیز سے بچا لینا اللہ کا احسان ہوتا ہے کہ ہم تو جہالت کے ساتھ اپنی ہلاکت کا سامان مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ وہ ہمیں نہیں دیتا تو یہ اللہ کا احسان ہے اور یہ دینا مقام نعمت میں ذکر کیا گیا ہے اس لیے اس میں یہ قید خود بخود لگی ہوئی ہوگی کہ جو تم نے اللہ سے مانگا اور وہ اللہ کی حکمت کے مطابق تمہارے لیے مناسب ہوا تو اللہ نے تمہیں دے دیا اور گر اللہ کے علم اور حکمت کے مطابق وہ تمہارے لیے مفید نہیں یا تمہیں دینے سے نظام عالم کے اندر خلل پڑتا ہے تو ایسی صورت میں اس کا نہ دینا ہی اللہ کا احسان ہے تو جب اس کو مقام نعمت میں بیان کیا جا رہا ہے تو جو دعا ہمارے لیے نعمت ہے جس کا قبول ہونا ہمارے لیے نعمت ہے وہی اللہ تعالیٰ قبول کریں گے اور جس کا قبول ہونا ہمارے لیے نقصان دہ ہے اللہ تعالیٰ قبول نہیں کریں گے تو جو معاملہ ہمارے لیے مفید ہوتا ہے اللہ تعالیٰ وہ کرتے ہیں اگر ہمیں مانگی ہوئی چیز مل جائے تو انسان خود برباد ہو جائے گا گھروں میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ مائیں جب بچوں سے تنگ آ جاتی ہیں تو کیسی بددعائیں کرتی ہیں اب اگر یہ دعا اس وقت قبول کر لی جائے تو آپ میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوتا ماں کی بددعاؤں کے ساتھ ہی سارے ختم ہو جاتے تو ایسی باتوں کا قبول نہ کرنا ہی انسان کے لیے رحمت ہے۔

" و ان تعدوا نعمة الله لا تحصو ها " اور اگر تم اللہ کے احسان کو شمار کرو تو تم اس کو شمار نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کے تم پر اتنے احسانات ہیں کہ تم ان کی تفصیل نہیں جانتے، یہ بارش آتی ہے تو کہاں کہاں سے اللہ اس کے لیے اسباب پیدا کرتے ہیں زمین سے نباتات اگتی ہیں تو کس کس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے ان کو لاتا ہے، تمہارے اندر کیا مشینری کام کر رہی ہے کس طرح اللہ نے تمہیں عافیت دے رکھی ہے اور صحت دے رکھی ہے اس کو تم شمار ہی نہیں کر سکتے، اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہتے ہو تم ان کو شمار نہیں کر سکتے، " ان الانسان لظلوم کفار " یہ انسان کی شکایت ہے بطور نوع کے کہ انسان البتہ بہت ہی ظالم اور ناشکرا ہے، ظالم سے بدعمل مراد ہے اور عملی زندگی بھی اس کی خراب ہے اور بہت ہی ناشکرا ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل نہیں کرتا ورنہ اللہ کے اتنے احسانات ہیں تو انسان کو چاہیے کہ کسی وقت بھی اللہ کی نافرمانی نہ کرے انسان بہت ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

مشرکین مکہ کو تنبیہ:

آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ آ گیا اور یہ بھی اصل میں مشرکین مکہ کو سنانا مقصود ہے کہ تمہاری یہ خوشحالی جس سے تم فائدہ اٹھا رہے ہو یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ثمرہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں جو اپنی اولاد کو آباد کیا تھا جو تمہارے جد اعلیٰ ہیں اس مقصد کے لیے کیا تھا کہ اس بیت اللہ کو آباد کریں نماز پڑھیں اور اللہ کی توحید کو اختیار کریں، بتوں وغیرہ کی عبادت سے بچیں اور جن مقاصد کے لیے اس گھر کو قائم کیا گیا سارے کے سارے مقاصد تم نے تلف کر دیے اور بالکل اس کے برعکس چل پڑے، اب اللہ تعالیٰ کے احسانات سے تم فائدہ اٹھا رہے ہو کہ یہ دارالامن ہے اور اس میں رزق کی ہر قسم کی فراوانی ہے یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے تم فائدہ اٹھاتے ہو یہ ساری کی ساری اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی دعا سے رکھیں ہیں لیکن حضرت ابراہیم کا اصل مقصد تھا اللہ کے گھر کو آباد کرنا اور توحید اختیار کرنا ان مقاصد کو تم نے بھلا دیا۔

حضرت ابراہیم کی دعائیں اور ان کے ثمرات:

" و اذ قال ابراهيم رب اجعل هذ البلد آ منا "واقعہ آپ کے سامنے سورہ بقرہ میں گذر چکا، یاد کیجیے جس وقت ابراہیم نے اپنے رب سے کہا اے میرے رب بنا دے اس شہر کو امن والا اور دور کر دے مجھے اور میری اولاد کو، بیٹوں سے یہاں نسل مراد ہے جو آگے چلنے والی تھی بچا تو مجھے اور میرے بیٹوں کو اس بات سے کہ ہم عبادت کریں بتوں کی، اپنے آپ کو ساتھ شامل کر کے دعا کی جا رہی ہے۔اے میرے رب ان بتوں نے گمراہ کر دیا بہت سارے لوگوں کو گمراہ کیا یعنی بہت سارے لوگوں کی گمراہی کا سبب بن گئے ظاہری سبب بننے کے اعتبار سے اضلال کی نسبت ان کی طرف ہو رہی ہے بے شک انہوں نے گمراہ کر دیا بہت سارے لوگوں کو پس جس شخص نے میری اتباع کی جو میرے طریقہ پر چلے پس وہ تو میرا ہی ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے تو غفور رحیم ہے اس وجہ سے کہ تو ان کے لیے کوئی بخشش کا انتظام کر سکتا ہے اور یہی صورت ہے کہ ان کے لیے کوئی ہدایت کی صورت پیدا کی جائے، ان کے متعلق میں کچھ نہیں کہتا، ان کا معاملہ تیرے سپرد ہے تو غفور رحیم ہے تیرا جو معاملہ ان کے ساتھ ہو گا وہ تیری اپنی شان کے لائق ہے جنہوں نے میری بات لی وہ تو میرے ہو گئے ان کے لیے تو مغفرت کا وعدہ ہے اور جنہوں نے نہیں مانی تو ان کا معاملہ تیرے سپرد ہے تو جانے اور تیرے بندے جانیں، تو غفور

رحیم ہے میں امید کرتا ہوں ان کے لیے بھی کوئی ہدایت کی صورت پیدا کر کے مغفرت کا سامان کر دے دنیا کے اندر رہتے ہوئے ہدایت کا مل جانا یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مغفرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ تیرا معاملہ تیری شان کے لائق ہوگا تو جان اور تیرے بندے جانیں، میں ان کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔

اے میرے رب میں نے آباد کر دیا اپنی اولاد میں سے بعض کو ایسی وادی میں جو کہ کھیتی باڑی والی نہیں ہے، ایسی وادی میں جو زرع کے بغیر ہے، اس میں کھیتی نہیں اگتی اور نباتات نہیں اگتیں تیری حرمت والے گھر کے پاس، اے میرے پروردگار میرا ان کو آباد کرنے مقصد یہ ہے کہ نماز قائم کریں پس کر دے کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل اور رزق دے ان کو پھلوں سے تا کہ یہ شکر گزار رہیں۔ یہ حضرت ابراہیم کی دعا ہے جو انہوں نے اپنی اولاد کے لیے کی تھی شہر کے متعلق دعا کی کہ اس کو امن والا بنا دے کیونکہ انسان کو جب تک اپنے وطن میں امن حاصل نہ ہو اس وقت تک وہ آگے کوئی صحیح کام نہیں کر سکتا یہ دعا بھی اللہ تعالیٰ نے قبول کی کہ مکہ معظمہ کو حرم بنا دیا جاہلیت کے زمانہ میں بھی ان کے اثرات نمایاں تھے کہ مشرک اور کافر بھی اس علاقہ میں فساد نہیں کرتے تھے حرم کی حدود میں کسی شکاری جانور تک کو نہیں ڈرایا یا دھمکایا جاتا تھا، اور آپ کی اولاد بہت حد تک بت پرستی سے محفوظ رہی اور جو بعد میں بت پرستی میں مبتلا ئے ہو گئے ان کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ تمہارے آباء واجداد کا طریقہ نہیں تھا اور یہ علاقہ اس وقت تک غیر ذی زرع ہے یعنی پتھریلا ہے پانی کی کمی ہے اب سڑکوں کے کناروں پر باہر سے مٹی لا کر کچھ گھاس وغیرہ لگایا ہوا ہے تو کچھ خوبصورتی ہو گئی ورنہ سارا خشک علاقہ ہے وہاں کوئی چیز اگتی ہی نہیں اس وقت تک بھی حالات ایسے ہیں پیداوار یہاں نہیں ہے جب پیداوار یہاں نہیں ہے تو ان کے کھانے پینے کے لیے کچھ چاہیے، آباد تو ان کو اس لیے کیا ہے تا کہ اللہ کی عبادت کریں، اب یہ جو اس وادی کے اندر بیٹھے ہیں جہاں آس پاس کوئی انسان آباد نہیں ہے تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے تا کہ وہ یہاں آجائیں اور علاقہ آباد ہو جائے، مفسرین کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ کہا تھا کہ کچھ لوگوں کے دل مائل کر دے کہ اب وہ اس طرح مائل ہوئے ہیں کہ دنیا کس طرح ٹوٹی پڑی ہے، دنیا کے کناروں سے لوگ بھاگ بھاگ کے جا رہے ہیں مکہ معظمہ کی طرف۔ یہ سب حضرت ابراہیم کی دعا کا اثر ہے اور اگر سارے لوگوں کے لیے ہی دعا کر دیتے کہ ان کے دل مائل کر دے تو پھر کتنے زیادہ لوگوں کا رجحان ہوتا لیکن اللہ کی حکمت یہی تھی کہ کچھ لوگوں کے دل مائل ہوئے اسی وقت ایک قبیلہ آیا اور وہاں آباد ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو

مرکزی حیثیت دی دور دور سے لوگ اس کے حج کے لیے اور زیارت کے لیے آتے ہیں اور سرور کائنات ﷺ کی تشریف آوری کے بعد تو یہ عالمی طور پر مرکزی قرار پا گیا، پہلے اگر یہ علاقہ مرکزی تھا تو آپ کی تشریف آوری کے بعد یہ عالمی مرکزی بن گیا دنیا کا کوئی کنارہ ایسا نہیں ہے جہاں سے لوگ آ کے اس میں آباد نہ ہو رہے ہوں اور ایک دعا یہ تھی کہ ان کو پھلوں سے رزق دے یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جتنا رزق مکہ معظمہ میں فراوانی کے ساتھ موجود ہے شاید کہ کسی شہر میں موجود ہو، دنیا کے ہر حصے کے پھل وہاں کثرت کے ساتھ موجود ہیں کسی چیز کی کمی نہیں ہے حالانکہ خود اس وادی میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی یہ سب دعائیں ایسی ہیں جو قبول ہوئیں اور ان کا مشاہدہ انسان اپنی آنکھوں سے کر سکتا ہے۔

اے ہمارے رب تو جانتا ہے اس چیز کو جس کو ہم چھپاتے ہیں اور جس کو ہم ظاہر کرتے ہیں، ہمارا ظاہر باطن سب تیرے سامنے ہے، ہماری کوئی حالت تجھ سے مخفی نہیں ہے لیکن ہم اپنی نیازمندی کے اظہار کے لیے بندگی کے اظہار کے لیے تیرے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور تجھ سے مانگتے ہیں ورنہ ہماری کوئی حالت تجھ سے مخفی نہیں ہے نہیں مخفی اللہ پر کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں شکر ہے اس اللہ کا جس نے عطا کیا بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق، پہلے اسماعیل پیدا ہوئے اور بعد میں اسحاق پیدا ہوئے دونوں بڑھاپے کی اولاد ہیں اور یہ چونکہ عظیم الشان تھے اس لیے ان کو ذکر کر دیا ورنہ حضرت ابراہیم کی اور اولاد بھی تھی، حضرت ابراہیم نے ایک ایرانی بیوی سے شادی کی تھی جس سے چھ بیٹے پیدا ہوئے تھے مشہور یہی دو ہیں ورنہ اس کے علاوہ اور اولاد بھی ہے، بے شک میرا رب البتہ دعا سننے والا ہے، میری دعا کو قبول فرما، اے ہمارے رب بخش دے مجھے اور میرے والدین کو، معلوم ہوا کہ اس وقت تک حضرت ابراہیم کو والدین کے لیے دعا کرنے سے منع نہیں کیا گیا تھا اور اپنے وعدے کے مطابق وہ دعا کرتے رہے جیسے وعدہ کر لیا تھا کہ "ساستغفر لك ربی" استغفار کرتے رہے اور جب اللہ کی طرف سے اطلاع ہو گئی کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے والد کے متعلق تو صراحت ہے والدہ کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے، اس لیے ان کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے جیسے بیان القرآن میں حضرت تھانوی نے نقل کیا ہے کہ ان کی والدہ مسلمان ہو گئی تھیں لیکن اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہے اور بخش دے مؤمنوں کو جس دن حساب قائم ہو۔

اگلی آیات وعدہ وعید پر مشتمل ہیں تفصیل کے ساتھ اس میں وعید کا مضمون ہے " ولا تحسبن الله غافلا

عما یعمل الظالمو ن " اللہ تعالیٰ کو غافل نہ سمجھ بے خبر نہ سمجھ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت نہیں آتی اس لیے کہ ہمارے کاموں کا پتہ نہیں ہے تو ہرگز غافل نہ سمجھ اللہ کو بے خبر نہ سمجھ اللہ کو اُن کاموں سے جو یہ ظالم کرتے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ڈھیل دیتا ہے ایسے دن کے لیے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، یہ دوڑنے والے ہوں گے، اپنے سروں کو اٹھانے والے ہوں گے اور نہیں ہوگی ان کی نظر ان کی طرف اور ان کے دل بھی خالی ہوں گے دل بھی اڑے ہوئے ہوں گے دلوں کو بھی کوئی کسی قسم کا قرار نہیں ہوگا۔

لوگوں کو ڈرایئے جس دن آئے گا عذاب ان کے پاس پھر کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی سی دیر کے لیے ڈھیل دے دے ہم تیری دعوت کو قبول کرلیں گے اور تیرے رسولوں کی اتباع کریں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا کہ کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تمہارے لیے زوال نہیں ہے اور رہے تم ان لوگوں کے گھروں میں جنہوں نے ظلم کیا تھا اپنے نفسوں پر اور تمہارے لیے واضح ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا تھا اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بھی بیان کیں یہ ان کو ڈانٹا جارہا ہے کہ اب مہلت دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اب اس حال کو یاد کرو جب تم قسمیں کھاتے تھے اور سمجھانے کے باوجود سمجھتے نہیں تھے اب کونسا عذر باقی ہے جس کی بناء پر تمہیں دوبارہ مہلت دی جائے۔

"وقدمکر وامکرھم " ان لوگوں نے مکروفریب کیا، حق کو مٹانے کے لیے جو تدبیر وہ کرسکتے تھے انہوں نے کی "وعنداللہ مکرھم" اور ان کی تدبیر کے اللہ کے قبضے میں ہے، اللہ کے مقابلہ میں ان کی تدبیر کیسے چل سکتی تھی؟ "وان کان مکر ھم لتزو ل منه الجبا ل " بے شک ان کی تدبیر ایسی تھی کہ اس کے ذریعہ سے پہاڑ ہل جائیں یعنی اپنے طور پر انہوں نے ایسی خطرناک چالیں چلیں کہ جو پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلاسکتی تھیں لیکن حق کا محافظ اللہ تھا اس لیے ان کے مکروفریب حق کے مقابلہ میں نہیں چل سکے، پس تو ہرگز اللہ کو نہ سمجھو خلاف کرنے والا اپنے رسولوں کے ساتھ، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ساتھ جو وعدے کرلیے ہیں اللہ تعالیٰ اب ان کے خلاف نہیں کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے والا ہے جس دن بدل دی جائے گی زمین اس زمین کے علاوہ یعنی یہ زمین نہیں رہے گی اس زمین میں تو لوگوں کی کوٹھیاں ہیں، بنگلے ہیں، ملیں ہیں جن میں چھپ سکتے ہیں ادھر ادھر بھاگتے ہیں اور آخرت کی زمین ایسی نہیں ہوگی بدل دی جائے گی زمین اس زمین کے علاوہ اور آسمان یعنی آسمان اور

زمین دونوں بدل دیے جائیں گے، یہ دنیا کے زمین وآسمان تو فانی ہیں اور آخرت کے زمین وآسمان فانی نہیں ہوں گے اور یہ لوگ سارے کے سارے اللہ وحدہ کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے۔

دیکھے گا تو مجرموں کو کہ وہ جکڑے ہوئے ہوں گے زنجیروں میں، ان کا لباس تارکول کا ہوگا یا دوسرا معنی ہے کہ ان کا لباس گندھک کا ہوگا اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ لے گی یہ سب اس لیے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے گا ہر نفس کو اس کے کیے کا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے " ھذ ابلغ للناس " یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچا دینا ہے لوگوں کو یہ جو کچھ سنایا جا رہا ہے یہ اللہ کی طرف سے پیغام پہنچا جا رہا ہے "و لینذروا بہ" اس کا اگر معطوف علیہ محذوف نکالنا ہو تو اس کا معنی ہوگا تا کہ اس کے پہنچانے والے کی تصدیق کریں اور اس کے ذریعہ سے ڈرائے جائیں اور تا کہ یہ جان لیں کہ اللہ ہی واحد ہے اور تا کہ نصیحت حاصل کریں عقل والے۔

"سبحانك اللهم وبحمدك اشهدان لااله الا انت استغفرك واتوب اليك"

اٰیَاتُهَا ۹۹ ۱۵ سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَکِّیَّةٌ ۵۴ رُکُوْعَاتُهَا ۶

سورہ حجر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ننانوے آیات ہیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾

الٓرٰ یہ آیات ہیں کتاب کی اور قرآن مبین کی ﴿۱﴾

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۲﴾ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا

جن لوگوں نے کفر کیا وہ بہت سی مرتبہ یہ آرزو کریں گے کاش وہ مسلمان ہوتے ﴿۲﴾ آپ انہیں چھوڑ دیجیے وہ کھالیں

وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ وَ مَاۤ اَهْلَكْنَا

اور نفع اٹھالیں اور امید انہیں غفلت میں ڈالے رکھے سو وہ عنقریب جان لیں گے ﴿۳﴾ اور ہم نے جتنی بستیوں کو ہلاک کیا

مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ

ان کے لیے ایک وقت متعین لکھا ہوا تھا ﴿۴﴾ کوئی امت اپنے مقرر وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے

اَجَلَهَا وَ مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۵﴾ وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ

اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے ﴿۵﴾ اور ان لوگوں نے کہا اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے

الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۶﴾ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ

بے شک تو دیوانہ ہے ﴿۶﴾ فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا اگر تو سچوں

الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَا كَانُوْۤا اِذًا

میں سے ہے ﴿۷﴾ فرشتوں کو ہم فیصلوں کے ساتھ نازل کیا کرتے ہیں اور اس وقت لوگوں کو مہلت

مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾

بھی نہیں دی جاتی ﴿۸﴾ بلاشبہ ہم نے ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ﴿۹﴾

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا یَاْتِیْهِمْ

اور تحقیق ہم نے آپ سے پہلے گذشتہ لوگوں کے گروہوں میں پیغمبر بھیجے ﴿۱۰﴾ اور ان کے پاس

مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِیْ

کوئی رسول نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو ﴿۱۱﴾ ہم اس طرح مجرمین کے

قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۲﴾ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳﴾

دلوں میں استہزاء کو چلاتے ہیں ﴿۱۲﴾ یہ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے ﴿۱۳﴾

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِیْهِ یَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور اگر ہم ان پر کوئی آسمان کا دروازہ کھول دیں پھر یہ لوگ اس میں دن میں چڑھ جائیں ﴿۱۴﴾

لَقَالُوْۤا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾

تب بھی یوں کہیں گے کہ ہماری آنکھوں کی نظر بندی کردی گئی ہے بلکہ ہم ایسے لوگ ہیں جن پر جادو کردیا گیا ہے ﴿۱۵﴾

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا

اور بے شک ہم نے آسمان میں ستارے پیدا کیے اور اسے دیکھنے والوں کے لیے زینت والا بنایا ﴿۱۶﴾ اور ہر شیطان

مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ

مردود سے ہم نے اسے محفوظ کردیا ﴿۱۷﴾ سوائے اس کے جو چوری سن لے تو اس کے پیچھے

شِهَابٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ

ایک روشن شعلہ ہو لیتا ہے ﴿۱۸﴾ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور ہم نے اس میں بھاری بھاری

وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا

پہاڑ ڈال دیئے ﴿۱۹﴾ اور ہم نے اس میں ایک معین مقدار کی چیز اگائی اور ہم نے اس میں تمہارے لیے

مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا

زندگی کے سامان پیدا کردیئے ﴿۲۰﴾ اور جنہیں تم رزق دینے والے نہیں ہو انہیں بھی ہم نے رزق دیا اور کوئی چیز ایسی

عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ

نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم اس کو صرف مقدار معلوم ہی کے بقدر نازل کرتے ہیں ﴿۲۱﴾ اور ہم نے ہوائیں

لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ

کو بھیج دیا جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں پھر ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے تمہیں

بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ

وہ پانی پلایا اور تم اتنا پانی جمع کرنے والے نہیں ہو ﴿۲۲﴾ اور بے شک ہم زندہ کرتے ہیں اور موت دیتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں ﴿۲۳﴾ اور ہمیں

عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ

معلوم ہے جو تم سے پہلے لوگ ہیں اور جو تمہارے بعد آنے والے ہیں ﴿۲۴﴾ اور آپ کا

رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

رب ان سب کو جمع فرمائے گا بے شک وہ علیم ہے اور حکیم ہے ﴿۲۵﴾

تفسیر

سورہ حجر کے مضامین:

متعدد بار آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مکی سورتوں کے مضامین آپس میں ملتے جلتے ہیں اور زیادہ تر ان میں ذکر اصول کا ہوتا ہے چنانچہ اس طرز کے مطابق اس سورۃ کا خلاصہ بھی تقریباً یہی ہے، پہلے قرآن کریم کی حقانیت کا ذکر ہے پھر کفار کی تردید ہے اثبات رسالت اور اثبات توحید ہے اللہ تعالیٰ کچھ انعامات کی تفصیل یہاں بیان فرمائیں گے اور مطیعین کی جزا اور مخالفین کی سزا کا ذکر فرمائیں گے نمونہ کے طور پر قصص وغیرہ یہ مضامین اس سورہ میں ذکر کیے جائیں گے

پہلی آیت کا مفہوم:

الر یہ حروف مقطعات میں سے ہے، "الله اعلم بمراده بذالك" ان حروف سے اللہ کی جو مراد ہے وہ

اللہ ہی بہتر جانتے ہیں ، " تلك آيت الكتاب و قرآن مبين "الکتاب سے کامل کتاب مراد ہے جس کی پیش گوئی پہلی کتابوں کے اندر مذکور تھی ، یہ جو کچھ آپ کو پڑھ کے سنایا جارہا ہے یہ کامل کتاب کی آیتیں ہیں اور واضح قرآن کی آیتیں ہیں گویا کہ اس کو دو صفتوں کے ساتھ بیان کیا گیا کہ کتاب بھی ہے اور قرآن بھی ہے، کتاب میں تو لکھنے والا معنی پایا جاتا ہے اور قرآن میں پڑھنے والا معنی پایا جاتا ہے گویا کہ اس کی دونوں ہی حیثیتیں ہیں، یہ لکھی بھی جاتی ہے اور پڑھی بھی جاتی ہے اور جتنی اس کی کتابت ہوئی اور جتنا اس کتاب کو شائع کیا گیا اس کی بھی مثال موجود نہیں اور جتنی یہ کتاب پڑھی جاتی ہے اس کے بارے میں تو وہم بھی نہیں لایا جاسکتا کہ کوئی دوسری کتاب اس طرح پڑھی جاتی ہوگی ، دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب یہی قرآن کریم ہی ہے، اس کے لگ بھگ بھی کوئی دوسری کتاب نہیں کہ جس کو پیش کیا جاسکے کہ انسان نے سب سے زیادہ اس کو پڑھا ہے یا وہ پڑھی جاتی ہے اس کے مقابلہ میں کسی کا ذکر ہی نہیں کیا جاسکتا دونوں باتیں اس کے اندر موجود ہیں یہ لکھنے میں بھی آگے ہے اور پڑھنے میں بھی آگے ہے، یہ کامل کتاب کی آیتیں ہیں اور واضح قرآن کی آیتیں ہیں ان کا واضح ہونا ہر لحاظ سے ہے، اپنے مفہوم میں واضح ہے مقصد میں واضح ہے۔

دوسری آیت کا مفہوم:

" ربما يود الذين كفروا لو كانوا مسلمين " ربما یہ حروف جارہ میں سے ہے جو آپ رُبَّ پڑھتے ہیں یہ اس کی تخفیف ہے اس کے بعد ما آگیا جس کی بناء پر یہ فعل پر داخل ہو رہا ہے یہ رُب تقلیل کے لیے بھی ہوتا ہے اور تکثیر کے لیے بھی ہوتا ہے اور یہاں یہ تکثیر کے لیے ہے۔ بار بار خواہش کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ مسلمان ہوتے ، اور اگر اس کو تقلیل کے لیے لینا ہو تو جیسے حضرت الشیخ کا ترجمہ اس بات کی طرف مشیر ہے تو ترجمہ ہوگا کسی وقت آرزو کریں گے یہ یعنی کوئی وقت ایسا آئے گا، اب تو یہ اپنی تکذیب پہ ناز کر رہے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہ کامیابی کا راستہ ہے لیکن کوئی وقت آئے گا کہ کافر لوگ تمنا کریں گے اے کاش! اس قرآن کو ماننے والے ہوتے ، وقت کب آئے گا جب ، یہ دنیا میں ہی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے ، مرتے وقت جب عالم آخرت ان پر منکشف ہوگا ، برزخ میں جب ان کو تکلیف پہنچائی جائے گی ، محشر میں جب مختلف قسم کی سختیاں ہوں گی ، جہنم میں جب یہ پھینکے جائیں گے ، اور مختلف قسم کے عذاب ان کے سامنے آتے چلے

جائیں گے درجہ بدرجہ اور اپنے مقابلہ میں مؤمنین کو یہ خوشحال دیکھیں گے کہ ان کے اوپر اللہ کے انعامات کی بارش ہے تو ان اوقات میں یہ بار بار تمنا کریں گے کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم فرمانبردار ہوتے تو آج ہم بھی اللہ کے انعامات حاصل کرتے، اس طرح ان کی تمنا کا موقع بار بار آئے گا۔

اور تقلیل کے طور پر ترجمہ کریں تو وہ مفہوم بھی واضح ہے انہیں کہا جا رہا ہے کہ اب تو تم خوش ہو لیکن کوئی وقت ایسا آئے گا کہ جب یہ حالات نہیں رہیں گے پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ ہمارا غلط طریقہ تھا۔

تیسری آیت کا مفہوم:

" ذرھم یأکلو و یتمتعوا" ذر کا خطاب سرور کائنات ﷺ کو ہے ان کو چھوڑ دے ان کو رہنے دے یأ کلوا یہ ذر کا جواب امر ہونے کی بناء پر مجزوم ہے کھاتے رہیں یتمتعوا عیش اڑاتے رہیں "ویلھھم الامل" اور امید ان کو غفلت میں ڈالے رکھے " فسو ف یعلمو ن "ان کو عنقریب پتہ چل جائے گا سرور کائنات ﷺ سے یہ کہا جا رہا ہے کہ آپ ان کے پیچھے نہ پڑیں آپ نے اپنا تبلیغ کا فرض ادا کر دیا اب انہیں رہنے دیں جس طریقہ پر یہ چل رہے ہیں چلتے رہیں کھانے پینے کا ان کا مشغلہ ہے تو ان کو کھانے پینے دو عیش وعشرت میں لگے ہوئے ہیں تو ان کو عیش و عشرت میں مر لینے دو، ان کے منصوبے بڑے لمبے لمبے ہیں اور وہ منصوبے ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں "امل" امید کو کہتے ہیں جو انسان مستقبل کے متعلق لمبی لمبی امیدیں باندھ لیتا ہے تو پھر وہ دنیا کی لمبی زندگی کو سوچتا ہے اس کو کبھی یہ خیال ہی نہیں ہوتا کہ یہ زندگی ختم ہو جائے گی، لمبی امیدوں کا نتیجہ ہی غفلت ہے یہ امیدیں ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں یعنی اپنی امیدوں کے مطابق زندگی گزارتے رہیں اور اپنے انجام سے بے خبر ہیں ان کو اس حال میں رہنے دو عنقریب ان کو پتہ چل جائے گا۔

یہ بات اگرچہ آپ ﷺ کو خطاب کر کے کہی جا رہی ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس میں عقاب کا پہلو کفار پہ ہے کہ جب ایک آدمی بری حرکت میں لگا ہوا ہو اور دوسرا اس کو سمجھانے کے لیے ہر وقت اس کے پیچھے پڑا ہوا ہو تو پھر سمجھانے والے کو یہی کہا جاتا ہے کہ بھائی تو اس کے لیے کیوں پریشان ہوتا ہے، اس کو رہنے دے جس گڑھے میں گرتا ہے اس کو گرنے دے اس کو خود پتہ چل جائے گا کہ نتیجہ کیا ہے اس میں اصل کے اعتبار سے ناراضگی اس شخص پر ہوتی ہے یا سمجھتا نہیں یا سمجھانے سے باز نہیں آتا اپنی بری حرکتوں سے رکتا نہیں ہے۔

چوتھی اور پانچویں آیت کا مفہوم:

" و ما اھلکنا من قر یۃ الا ولھا کتاب معلو م " نہیں ہم نے ہلاک کیا کسی بستی کو مگر اس حال میں کہ ایک لکھا ہوا معلوم وقت تھا یعنی ان کو اگر یہ خیال ہو کہ ہم پہ عذاب کیوں نہیں آ تا تو ان پر عذاب نہ آنا یہ بھی ایک اللہ کی عادت کے مطابق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں کے لیے بھی ایسے ہی کیا تھا، یہ نہیں کہ انہوں نے رسول کی نافرمانی کی اور فوراً عذاب آ گیا ان کے اوپر بلکہ اللہ کے علم میں ایک لکھا ہوا وقت ہے جس وقت میں کسی قوم کو برباد کیا جا تا ہے اس طرح ان کے لیے بھی اللہ کے علم میں کوئی لکھا ہوا وقت ہے اگر یہ باز نہیں آئیں گے تو ان کے لیے اللہ کی تحریر کے مطابق جو وقت طے شدہ ہے جب آ جائے گا تو اس وقت ان کے سامنے عذاب بھی آ جائے گا۔

" و ما تسبق من امۃ اجلھا " نہیں سبقت لے جاتی کوئی جماعت اپنے وقت مقررہ سے اور نہ وہ پیچھے ہٹتے ہیں یعنی جو لکھا ہوا وقت ہے اس وقت ہی ہلاک ہوتے ہیں نہ آگے ہو سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہو سکتے ہیں تو ان کے لیے بھی اگر اللہ کے علم میں کوئی وقت مقرر ہے عذاب آ جانے کا تو جب وہ وقت آ جائے گا تو اس وقت یہ برباد ہو جائیں گے باقی ڈھیل دینا یہ اللہ کی عادت ہے۔

کفار کی طرف سے استہزاء اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب:

آگے ان کا استہزاء مذکور ہے، استہزاء یہ بھی تکذیب کی ایک بدترین قسم ہے " وقالو یا ایھا الذ ی نز ل علیہ الذ کر " اور کافر لوگ یہ کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس کے اوپر ذکر اتارا گیا ہے انك لمجنون بے شک تو دیوانہ ہے " لو ما تأتینا بالملائکۃ" کیوں نہیں لے آتا تو ہمارے پاس فرشتے" ان کنت من الصادقین" اگر تو سچوں میں سے ہے، یہاں تک ان کی بات ہے " نز ل علیہ الذ کر " یہ لفظ بطور استہزاء کے کہتے تھے کیونکہ وہ تو اس بات کے قائل نہیں تھے کہ سرور کائنات ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ذکر اتارا گیا ہے یعنی جس کو ہم "بزعم خود" کے لفظ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں کہ اے شخص جس کا اپنا خیال یہ ہے کہ اس کے اوپر اللہ کی طرف سے ذکر اترا ہے ہم تو سمجھتے ہیں کہ تو تو دیوانہ ہے، تیری عقل ماری گئی ہے اس قسم کی باتیں کرتا ہے جو ہماری تو سمجھ میں نہیں آتیں، نہ ہمارے آباء واجداد کا طریقہ ہے یہ تو دیوانوں والی باتیں ہیں جو تو کرتا ہے اور اگر واقعی تیرے اوپر کوئی فرشتہ آتا ہے اور وحی لے کر آتا ہے اور فرشتوں سے تیری گفتگو ہوتی ہے تو ان فرشتوں کو ہمارے سامنے کیوں نہیں

تفسیر

غلطی پر فوراً پکڑ نہ ہونا اللہ کی حکمت اور رحمت کا تقاضا ہے:

توحید، رسالت اور معاد کے تذکرے کے ساتھ ساتھ یہ بات بار بار لوگوں کے سامنے واضح کی جارہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوری گرفت نہ ہو تو کسی دھوکہ میں پڑنا نہیں چاہیے، اس سورۃ میں پہلے بھی آپ کے سامنے یہ مضمون گذر چکا ہے، یہ تاخیر اور امہال اللہ کی رحمت کا تقاضا ہے اگر اللہ تعالیٰ فوری پکڑنا چاہے تو اس کو روکنے والا کوئی نہیں لیکن اپنی حکمت کے مطابق وہ کچھ مہلت دیتا ہے کہ اگر کوئی سمجھنا چاہے تو سمجھ سکتا ہے ورنہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوا گر اسی وقت ہی عذاب آجائے، اگر گرفت کا یہ اصول چالو کر دیا جائے تو دنیا کے اندر کوئی آبادی رہ ہی نہیں سکتی، کون انسان ایسا ہے کہ جس سے کچھ نہ کچھ کوتاہی نہیں ہوتی اور کسی درجہ کی کوئی نافرمانی اس سے صادر نہیں ہوتی، اور جب نافرمانی صادر ہو اسی وقت وہ عذاب کی گرفت میں آجائے تو انسانوں کا تو خاتمہ ہو جائے گا جب انسانوں کا ہی خاتمہ ہو جائے گا تو باقی چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی خدمت کیلئے ہی بنائی ہیں جب انسان باقی نہیں رہیں گے تو باقی چیزوں کو بھی باقی رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی پھر تو یہ جہان ہی ختم ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ کسی ظلم کے سبب سے، کسی جرم کے ارتکاب پر، کسی غلطی کے ارتکاب پر فوراً مواخذہ نہیں کرتا اگر کرے تو کوئی بھی نہ بچے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ پکڑے گا بھی نہیں، اگر تم اس دھوکہ میں ہو کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت نہیں ہو رہی تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہم پر خوش ہے ایسی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت لوگوں کو ایک وقت متعین تک مہلت دیتا ہے اور جب وہ وقت آجائے گا تو پھر یہ نہ آگے بڑھ سکیں گے اور نہ پیچھے ہٹ سکیں گے مطلب یہ ہے کہ پھر یہ عین اس وقت میں ہی گرفت میں آئیں گے اور اسی وقت ہی ان پر موت طاری کر دی جائے گی یا ان پر عذاب آجائے گا، جو بھی ان کا وقت معین ہے پھر یہ اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔

ویجعلون للہ مایکرھون الخ کا مفہوم:

ویجعلون للہ مایکرھون یہ پھر رد شرک ہے، قرار دیتے ہیں اللہ کیلئے وہ چیز جس کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں، جس طرح پچھلے رکوع میں اللہ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کا ذکر تھا اور بیٹیوں کی نسبت کو خود پسند نہیں کرتے اور اللہ کی طرف ایسی چیز کو منسوب کرتے ہیں یا اپنی جائیداد اور اپنے مال میں تو کوئی شریک گوارہ نہیں، وہ تو

کتاب کا اعجاز جو تھا کہ اس جیسی ایک سورۃ بھی بنا کے نہیں لائی جاسکتی جس طرح اللہ کے سورج کی طرح سورج نہیں بنایا جاسکتا، اللہ کے چاند کی طرح چاند نہیں بنایا جاسکتا یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ مصنوعات اللہ تعالیٰ کی براہ راست ہیں ان میں کسی بندے کا دخل نہیں ایک بندہ اگر کوئی چیز بناتا ہے تو دوسرا اس کے مقابلہ میں وہی چیز تیار کر لیتا ہے کبھی ویسی اور کبھی اس سے بھی اچھی لیکن جو براہ راست اللہ تعالیٰ کی مصنوعات ہیں زمین ہے آسمان ہے سورج ہے چاند ہے جیسے ان کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا ایسے اللہ کی کتاب کا مقابلہ میں بھی دوسری کتاب نہیں لائی جاسکتی اس کی حیثیت واضح کر دی گئی۔

یہاں ایک دوسرے معجزہ کی طرف اشارہ ہے " انا نحن نزلنا الذکر "بے شک ہم نے ذکر کو اتارا یعنی تم جو مذاق کے طور پر کہتے ہو کہ جس کے اوپر ذکر اترا ہے بزعم خود جس پر ذکر اترا ہے حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اتارا ہے " انا نحن نزلنا الذکر " بے شک ہم نے ہی اتارا" و انا له لحافظون "اور بے شک ہم البتہ اس کی حفاظت کرنے والے ہی ہیں اس ذکر کی حفاظت یہ اس کا مستقل معجزہ ہے قرآن کریم کو جس طرح معجزہ کہا گیا اس کی مثال بھی دنیا میں پیش نہیں کی جاسکتی کہ کسی کتاب کو اس طرح محفوظ رکھا گیا ہو آج اس معجزہ کی حیثیت اچھی طرح نمایاں ہے کہ اس کتاب پر چودہ سو سال گزر گئے، کسی جگہ اس میں کوئی زبر زیر کا تغیر نہیں ہوا لکھنے میں سب سے زیادہ آتی ہے زبانی یاد سب سے زیادہ کی گئی اس گئے گزرے دور میں بھی جبکہ مادیت کا غلبہ ہو چکا ہے انسان ہر وقت دنیا کے مفاد کو ہی دیکھتا ہے اس وقت بھی آپ کو لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں انسان زبانی قرآن کو یاد کرنے والے مل جائیں گے وہ صبح و شام رات دن اس کی تلاوت کرتے ہیں اور دنیا کے ہر خطے میں ایک ہی قرآن ہے جو سب لوگوں کی زبان پر ہے سب کے سینہ میں ہے لکھا ہوا موجود ہے ہر لحاظ سے اس کی حفاظت کی گئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حفاظت کا انتظام ہے اول سے لے کر اس وقت تک اس قسم کے لوگ کھڑے کر دیے جو اپنی محنت اور شوق کے ساتھ ہی اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے آخرت کے ثواب کے لیے انہوں نے اس کتاب کی پیچھے اپنی زندگیاں کھپا دیں آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں اگر توفیق دے رکھی ہے یا آپ حضرات اس کتاب کو پڑھ رہے ہیں تو کونسا آپ کے سامنے دنیاوی مفاد ہے کہ کہ اس کے بعد آپ کو جائیدادیں مل جائیں گی یا اس کے بعد ہمیں کوئی ملازمت مل جائے گی ہمیں کوئی عہدہ مل جائے گا الٹا معاشرہ کے اندر تو کوئی عزت ہی نہیں ہے لوگ ہنسی مذاق کرتے ہیں تو ایسے

وقت بھی اللہ تعالیٰ کس طرح افراد کو چن چن کے اپنی اس فوج کے اندر بھرتی کر رہا ہے اور قرآن کریم کی حفاظت کے لیے کتنے لوگوں کو کھڑا کر دیتا ہے۔ یہ سعادت ہے ان لوگوں کے لیے جن کو اللہ اپنے اس خاص کام کے لیے منتخب کر لے تو آپ حضرات جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب پڑھنے کی توفیق دی ہے آپ اس فوج کے افراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے لیے چنے ہیں لفظوں کو محفوظ رکھا گیا طرز ادا کو محفوظ رکھا گیا اعراب و حرکات کو محفوظ رکھا گیا ایک ایک چیز کے بارے میں مستقل فن ایجاد ہو گیا لب و لہجہ کی حفاظت کے لیے ایک مستقل تجوید و قرائت کا فن آ گیا اور اس کے معانی کو حل کرنے کے لیے لغات کا مستقل فن مدون ہو گیا اور پھر آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم الفاظ اور معانی دونوں کے مجموعے کہ نام ہے دونوں کا مجموعہ قرآن کریم کہلاتا ہے صرف الفاظ جس میں معنیٰ باقی نہ رہے وہ قرآن نہیں کہلائیں گے مثلاً الفاظ تو آپ سارے کے سارے قرآن کریم کے لے لیں لیکن ان میں ردو بدل کر کے عبارت ایسی بنالیں کہ جس کے اندر وہ مفہوم باقی نہ رہے الفاظ اگرچہ سارے قرآن کریم کے ہوں لیکن ان سے ایک نیا مضمون تیار کر لیجیے تو اس عبارت کو قرآن کریم نہیں کہا جائے گا چاہے الفاظ سارے کے سارے قرآن کریم کے ہی ہوں اور اگر ان الفاظ کے جامہ کو اتار دیا جائے، اس کے مفہوم کو آپ اردو میں بیان کر دیں اس کو بھی قرآن نہیں کہیں گے یہ جو اردو ترجمے چھپے ہوئے ہیں اور ان کے اوپر لکھا ہوتا ہے یہ قرآن کریم ہے یہ غلط بات ہے وہ قرآن کریم کا ترجمہ تو کہلا سکتا ہے وہ قرآن نہیں ہے اگر کوئی شخص اس اردو عبارت کو پڑھے گا تو کوئی ثواب نہیں، تلاوت والا ثواب نہیں ہے بے وضو اس کو ہاتھ لگایا جا سکتا ہے جس طرح دینی کتابوں کو ہاتھ لگایا جا سکتا ہے اس کو بھی بے وضو ہاتھ لگایا جا سکتا ہے جس طرح جنبی کتاب اللہ کے علاوہ کوئی کتاب پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے اس طرح اردو میں لکھے ہوئے قرآن کریم کو بھی جنبی آدمی پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے اس کے احکام قرآن کریم والے قطعاً نہیں ہیں وہ قرآن کا ترجمہ ہے اس کا مفہوم کسی نے اپنی زبان میں ادا کر دیا تو اس کو قرآن نہیں کہیں گے، نماز میں آپ اگر اس اردو عبارت کو پڑھیں گے تو نماز نہیں ہوگی تو قرآن کریم دونوں کے مجموعے کا نام ہے کہ الفاظ بھی یہی ہوں اور ان کا مفہوم بھی یہی ہو جو اللہ تعالیٰ بیان فرمانا چاہتے ہیں اور جو سرور کائنات ﷺ نے واضح فرمایا۔

تو اب کی اس کی جتنی حیثیتیں ہیں اس کی ترکیب کی حیثیت ہے، اس کی معانی کی حیثیت ہے، لغوی مفہوم کی حیثیت ہے ہر ایک کے لیے ایک مستقل فن ایجاد ہوا اور قرآن کی کریم کے معانی کا ہی تقاضا ہے کہ سرور

کائنات ﷺ کے فرمودات اور آپ کی احادیث کو بھی محفوظ رکھا جائے کیونکہ وہ قرآن کریم کے مفہوم کی وضاحت ہے، اگر حدیث شریف دنیا میں موجود نہ رہتی تو قرآن کریم کا مفہوم ختم ہو جاتا حفاظت حدیث بھی حفاظت قرآن کریم کا ایک ذریعہ ہے تو اگر اور کوئی دلیل نہ ہو تو صرف قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ ہی حجیت حدیث کے لیے کافی ہے کہ اگر سرور کائنات ﷺ جو کہ قرآن کریم کے لیے مبین اور معلم بنا کے بھیجے گئے ہیں اگر ان کے بیان کردہ مفہوم کو باقی نہ رکھا جائے گا تو پھر حفاظت قرآن کا جو وعدہ ہے اس میں خلل پڑتا ہے تو سرور کائنات ﷺ نے جتنی بھی اس کی تشریحات فرمائیں تھیں وہ بھی امت نے ساری کی ساری محفوظ رکھیں تو بہر حال قرآن کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرکت اور نقطہ محفوظ رکھا، کسی مجمع کے اندر چاہے وہ دیہاتوں میں ہے چاہے وہ شہروں میں ہے کتنا بڑے سے بڑا عالم تقریر کر رہا ہو ایک آیت اگر غلط پڑھ دے تو اس مجمع میں سے لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور فوراً غلطی نکال دیں گے، ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص اس کے اندر تحریف کر سکے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اس کتاب کا ایک مستقل معجزہ ہے جو دنیا کے سامنے ہے، جس کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے حقانیت کو پرکھنا یہ تو اہل علم کا کام ہے جو ادیب ہوگا عربی کلام کا ماہر ہوگا وہی اس کو پرکھے گا لیکن یہ حفاظت والا پہلو جاہل سے جاہل آدمی بھی اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کس طرح محفوظ رکھا، لب و لہجہ تک محفوظ ہے قاریوں کی ایک مستقل جماعت پیدا ہو گئی جنہوں نے اس کے لب و لہجہ کو محفوظ رکھا، تجوید مستقل فن بن گیا قرائت مستقل فن بن گیا اور اس طرح کتنے فنون ہیں جو صرف قرآن کریم کی حفاظت کے جذبے سے مدون ہوئے ہیں۔

حضور ﷺ اور ان کے متبعین کو تسلی:

"و لقد ارسلنا من قبلك في شيع الاولين" شیع یہ شیعۃ کی جمع ہے شیعہ ایک جماعت کو کہتے ہیں جو کسی ایک نظریہ پر متفق ہو گئی ہو اور ہمارے ہاں جو شیعہ رافضیوں کو کہتے ہیں یہ بھی اصل کے اعتبار سے شیعہ علی ہیں یعنی علی کی جماعت جو "بزعم خود" حب علی پہ اکٹھے ہوئے یہ اپنے آپ کو شیعہ کہلاتے تھے البتہ تحقیق ہم نے بھیجا آپ سے پہلے پہلی جماعتوں میں یعنی پہلی جماعتوں میں بھی ہم نے رسولوں کو بھیجا "و مايأتيهم من رسول" نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی رسول "الا كانوا به يستهزؤن" مگر وہ اس رسول کے ساتھ استہزاء کرنے والے ہیں، یہ سرور

کائنات ﷺ کے لیے تسلی ہے کہ رسالت کا سلسلہ پہلے سے ہی جاری ہے اور لوگوں کا معاملہ پہلے سے ہی رسولوں کے ساتھ ایسے ہی ہے کتنی آیات ہیں جن میں یہ ذکر کیا گیا کہ رسول جتنے بھی آئے سامنے سے قوم نے مذاق اڑایا اور ان کے استہزاء کا ذکر قرآن کریم میں کثرت کے ساتھ کیا گیا ہے تو آپ کے دل کو قوت حاصل ہوگی کہ آج اس معاشرہ میں اگر کوئی شخص مولوی یا ملا کا مذاق اڑاتا ہے تو یہ علامت ہے اس بات کی ہمارا نسب صحیح ہے۔ جس جماعت سے ہمارا تعلق ہے ان کے ساتھ بھی اس طرح کیا گیا تو انبیاء کے ساتھ تعلق کی بناء پر اگر لوگ ہمارا استہزء کرتے ہیں تو اس میں کوئی گھبرانے کی بات نہیں، نہ نبیوں کی قدر لوگوں نے کی جو دنیا دار تھے دنیا پرست تھے حب دنیا کے اندر مبتلاء تھے اور نہ ہی یہ انبیاء کے ورثاء کی قدر کر سکتے ہیں تو آپ ان لوگوں کے استہزاء سے کبھی نہ گھبرایا کریں اللہ تعالیٰ سرور کائنات ﷺ کو بھی انہی الفاظ کے ساتھ تسلی دیتا ہے کہ ایسا معاملہ تو ہر رسول کے ساتھ ہوا ہے اگر یہ آپ کے ساتھ کرتے ہیں تو اس میں کونسی بات ہے ان لوگوں کے استہزاء کے ساتھ کوئی آپ کی شان میں فرق نہیں پڑتا کوئی آپ کے مرتبے میں فرق نہیں پڑتا۔

اب اگر کوئی بادشاہ وقت اچھا لباس پہن کے اپنی ٹھاٹھ کے ساتھ چل رہا ہو کسی گلی اندر اس کو کتے بھونکنے لگ جائیں اور وہ بیٹھ کے رونے لگ جائے کہ میری قدر نہیں ہے، مجھے کتے بھونک رہے ہیں تو یہ تو اس کی بے عقلی ہے اور جو لوگ حق نہیں پہچانتے وہ کتوں سے بھی بدتر ہیں تو اگر وہ آپ کو بھونکیں تو اس میں گھبرانے کی کونسی بات ہے فوراً اس بات کا خیال کر لو کہ واقعۃً دونوں ہی اپنی وراثت کو سنبھالے ہوئے ہیں ان کے حصے میں منکرین اور کافروں کی وراثت آ گئی جو عادت ان کی تھی وہی ان کے حصے میں آ گئی یہ حق کا مذاق اڑاتے ہیں حق والوں سے استہزاء کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس راستہ پر چلایا ہے جس راستہ پر انبیاء تھے تو جیسے اللہ تعالیٰ ان کو یہ کہہ کہ تسلیاں دیتا ہے کہ انبیاء کے ساتھ ہمیشہ ایسے ہوا اور آپ حضرات بھی یہی سوچیں گے تو اس کے ساتھ دل کو اتنی قوت حاصل ہو جائے گی کہ واقعہ ہے کہ ان کی ہنسی مذاق کی ایسی حیثیت ہوگی جیسے کسی معزز آدمی کو دیکھ کے کتا بھونکتا ہے اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں ہوگی تو گھبرانے کی کیا بات ہے ہم اپنے آپ کو گھٹیا کیوں سمجھیں ہم اپنی قیمت ہی اس بازار میں معلوم کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں ان کو کیا پتہ کیا قدر ہے علم کی، کیا قدر ہے قرآن کی اور حدیث کی یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو ہم ان سے پوچھیں کہ ہمارا علم عزت کا ذریعہ ہے یا نہیں ہماری حیثیت معزز مہمانوں کی ہے

یا نہیں؟ جب ہم نے اللہ کی کتاب کولیا ہے سرور کائنات ﷺ کے اقوال کولیا ہے تو ہمیں عزت وقدر ومنزلت انہی کے دربار میں دیکھنی چاہیے دوسرے کریں یا نہ کریں اس کی کوئی پروانہیں کرنی چاہیے۔

" کذ لك نسلکه فی قلو ب المجرمین " ایسے ہی داخل کر دیتے ہیں اس استہزاء کو مجرمین کے دلوں میں یعنی مجرمین کے دلوں میں استہزاء کا جذبہ آ ہی جاتا ہے یعنی دل کے مجرم ہوتے ہیں وہ اہل حق کا مذاق ضرور اڑائیں گے اور جو اہل حق کا مذاق اڑاتے ہیں یوں سمجھو کہ یہ مجرم ہیں یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ " لا یؤ منون بہ" یہ ایمان نہیں لاتے اس قرآن کریم کے ساتھ یا اس ذکر کے ساتھ جس کا تذکرہ پیچھے ہوا تھا" و قد خلت سنة الاولین " پہلے لوگوں کا طریقہ گذر چکا ہے پہلے سے یہی طریقہ چلا آرہا ہے اور اسی پر یہ چل رہے ہیں۔ نہیں یہ ایمان لاتے اس قرآن کریم کے ساتھ اور گذر گیا ہے پہلے لوگوں کا طریقہ۔

کافروں کے لیے آسمان کا دروازہ کھولنا بھی مفید نہیں ہوگا:

" و لو فتحنا علیهم بابا من السمآء " اگر کھول دیں ہم ان پر آسمان کا دروازہ "فظلوا" ظل کا معنی ہوتا ہے دن کے وقت کسی کام کو کرنا افعال ناقصہ میں جس طرح آپ پڑھتے رہتے ہیں بات رات کے وقت کسی کام کو کرنا، صبح صبح کے وقت کسی کام کو کرنا، امسیٰ شام کے وقت کسی کام کو کرنا۔ ظل ہوتا ہے دن کے وقت کسی کام کو کرنا سورۃ نحل میں لفظ آئیں گے " اذ بشر احد هم با لا نثی ظل وجهه مسو داً وهو کظیم " جس وقت ان میں سے کسی کو لڑکی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تو سارا دن اس کا منہ سیاہ رہتا اور دل کڑھتا رہتا کہ لڑکی کیوں پیدا ہوگئی تو یہاں ظل کا لفظ جو آیا اس کا مفہوم بھی اس طرح ہوگا کہ اگر ہم ان کے اوپر آسمان کا دروازہ کھول دیں اور یہ اس دروازے سے دن کے وقت چڑھنے لگ جائیں دن دیہاڑے یہ اس دروازے سے چڑھنے لگ جائیں "لقالوا" تو بھی کہیں گے " انما سکرت ابصارنا " بے شک ہماری چشم بندی کر دی گئی ہے، ہماری آنکھیں بند کر دی گئی ہیں "بل نحن قوم مسحورون" بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے یعنی یہ کہتے ہیں کہ فرشتے ہمارے سامنے لے آؤ فرشتوں کا نظر آ جانا اتنا عجیب نہیں کیونکہ فرشتے تو آسمان سے زمین کی طرف اترتے رہتے ہیں بس صرف یہی ہے کہ نظر نہیں آتے ان کا آسمان کی طرف سے اتر کر زمین میں آجانا یہ کوئی اتنا کام نہیں ہے، یہ تو ہوتا رہتا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کو نظر نہیں آتے لیکن اگر ان کے سامنے ہم ایسا معجزہ ظاہر کر دیں کہ آسمان کا دروازہ ان کے لیے کھول دیں اور یہ دن

دیہاڑے کھلی آنکھوں جاگتے ہوئے آسمان کی طرف چڑھنا شروع ہو جائیں اور اس کے دروازہ میں داخل ہونے لگ جائیں تو بھی کہیں گے ہماری نظر بندی ہوگئی ہم پہ جادو ہوگیا جس سے ہمیں یہ محسوس ہو رہا ہے کہ ہم آسمان کی طرف چڑھ رہے ہیں تو جب ایک شخص نے تکذیب ہی کرنی ہو تو کہا کرتے ہیں ''خوئے بدرا بہانہ بسیار'' بری عادت کے لیے تو ہزاروں بہانے۔ تو جب ایک مرتبہ نیت ہی خراب ہو جائے تو پھر وہ ہر دلیل میں کوئی نہ کوئی نقص نکال لیتا ہے تو اس طرح یہ لوگ بھی یہی کہیں گے ہماری چشم بندی کر دی گئی بلکہ ہم پہ جادو کر دیا گیا جس سے ہمیں ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ہم آسمان کی طرف چڑھتے جا رہے ہیں تو جو لوگ اتنے ضدی ہوں اور تکذیب پر اتنے تلے ہوئے ہوں تو ان کو معجزات دکھانا یا ان کی بات کو پورا کرنا مفید نہیں ہے اگر ان کی مرضی کے مطابق کوئی ظاہر کر دی گئی تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت ہے کہ اگر اس کے بعد لوگ نہ مانیں تو پھر ان کو برباد کر دیا جاتا ہے۔

عالم بالا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی علامات:۔

آگے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے کچھ نمونوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں جس میں انعام کے پہلو بھی ہیں ''ولقد جعلنا في السمآء بروجاً'' بروج برج کی جمع ہے برج کا لفظ قلعہ اور بڑے محل کے لیے بولا جاتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں دوسری جگہ یہی لفظ آئے گا ''این ما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم في بروج مشیدة'' جہاں بھی تم ہو گے تمہیں موت پالے گی اگر چہ تم چونا کیے ہوئے قلعوں کے اندر ہی بند کیوں نہ ہو۔ اگر تم مضبوط قلعوں کے اندر بھی بند ہو گے تو موت تمہیں وہاں پائے گی یہ بروج کا لفظ وہاں بھی قلعوں کے معنی میں ہے تو یہاں بھی یہ معنی کیا سکتا ہے کہ ہم نے آسمان میں بڑے بڑے قلعے بنائے جس کے اندر پہرہ دیتے ہیں ان کی حفاظت کرتے ہیں اور بروج سے بڑے بڑے ستارے بھی مراد بھی لیے گئے ہیں کہ ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور بعض لوگوں نے اس سے سورج کی چاند کی منزلیں مراد لی ہیں جو منزلیں یہ طے کرتے ہیں، ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے یا بڑے بڑے قلعے بنائے اور محلات بنائے ''وزینھا للناظرین'' اور ہم نے آسمان کو مزین کر دیا دیکھنے والوں کے لیے یعنی یہ کائنات ہم نے بنائی ہے تو اس کے اندر زیب و زینت کی رعایت بھی ہم نے رکھی ہے یہ نہیں کہ اوپر کی طرف دیکھو تو ڈر لگے، اللہ تعالیٰ نے آسمان کی جہت کو بڑا مزین کر دیا ہے، اب رات کی تاریکی میں جس وقت آپ اوپر کی طرف دیکھتے ہیں تو کس طرح باغ و بہار کا منظر نظر آتا ہے، مختلف قسم کے

ستارے چمکتے ہیں اوران کو دیکھ کے نظر کو سرور حاصل ہوتا ہے۔

"وحفظنٰھا" اور ہم نے اس آسمان کی حفاظت کی" من کل شیطان رجیم" ہر مردود شیطان سے یعنی شیطان مردود اوپر کی طرف نہیں جاسکتا کہ وہاں جا کے آسمان کی خبریں لے کے آئے جس طرح پہلے زمانہ میں یہ شیاطین آسمان کی طرف جاتے تھے، آپ کے سامنے خود واقعہ کی تفصیل گزر چکی کہ یہ ابلیس جو ان شیاطین کا جد امجد ہے حضرت آدم کو جب پیدا کیا گیا تھا تو اس وقت آسمان پر آتا جاتا تھا اور وہیں اس کے ساتھ معاملہ ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سجدہ کا حکم دیا اور یہ انکار کر کے ملعون ہوا اور پھر اس کو آسمان سے اتار دیا گیا تو اس وقت ان کی آمد و رفت تھی اور بلکہ سرور کائنات ﷺ کے زمانہ تک بھی اوپر تک جاتے تھے اگرچہ اس طرح نہیں جاتے تھے جس طرح پہلے تھے لیکن بہر حال جا کے مختلف جگہوں میں بیٹھ کے فرشتوں کی خبریں سن لیتے تھے خبریں معلوم کرتے کہ آنے والے وقت میں کیا ہونے والا ہے اور پھر دنیا میں آ کے کاہنوں کے پاس جن کے ساتھ ان کا تعلق ہوتا تھا وہ خبریں بتا دیتے اور کاہن پیش گوئیاں کرتے تھے، جھوٹ ملاتے تھے، کچھ پیش گوئیاں سچی ہوتی تھیں تو اس طرح لوگ ان کو مانتے تھے اور چڑھاوے دیتے تھے تو جاہلیت میں کہانت ایک مستقل شعبہ تھا اور یہ رسول اللہ کے زمانہ میں آ کے بند ہو گئی کہ پھر ان کو آسمان کی طرف جانے کی اجازت نہ رہی، بادلوں وغیرہ میں یہ آتے ہیں سننے کی کوشش کرتے ہیں وہاں سے بھی اگر کوئی بات سن لیتا ہے تو شہاب ثاقب اس کے پیچھے لگ جاتا ہے یا تو اس کو ہلاک کر دیتا ہے اور گا ہے گا ہے کوئی مختصر سی بات سن کے اب بھی پہنچا دیتے ہیں جس طرح روایات سے معلوم ہوتا ہے لیکن آسمان کی بلندیوں میں نہیں جاسکتے، ہم نے ہر شیطان رجیم سے اس آسمان کی حفاظت کی۔

"الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبين" الا یہاں لکن کے معنی میں ہے لیکن کوئی شخص چرالے کسی سنی ہوئی بات کو تو اس کے پیچھے شہاب مبین لگ جاتا ہے ایک واضح شعلہ اس کے پیچھے لگ جاتا ہے شہاب مبین وہی ہے جس کو آپ اپنی زبان میں ستارے کا ٹوٹنا کہتے ہیں یہ اصل کے اعتبار سے مختلف قسم کے شعلے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں اور اب ان سے رجم شیاطین کا کام لیا جاتا ہے ورنہ یہ شہاب حضور ﷺ سے پہلے بھی اس طرح ہوتے تھے اور پرانی عربی کے اندر بھی اس کو انقضاض کوکب کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اس وقت یہ ٹوٹتے تھے اللہ کی کسی حکمت کے تحت اور بعد میں ان سے رجم شیاطین کا کام لینا شروع کر دیا گیا، اب موجودہ سائنس جو کہتی

ہے اس کا حاصل یہ ہے زمین کی طرف سے کچھ بخارات اوپر آسمان کی طرف جاتے ہیں جن کے اندر کچھ ایسے مادے بھی ہوتے ہیں جو آگ کو قبول کرلیں تو اوپر جاکے اوپر کی فضاء پر اثر پڑتا ہے تو اس کو آگ لگ جاتی ہے، آگ لگنے کے ساتھ وہ یوں بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں جس طرح کوئی آگ کا شعلہ ہے ظاہری اسباب کی طرف دیکھتے ہوئے اگر ایسی تحقیق ہے تو ہم اس کا بھی انکار نہیں کرتے اور ستاروں سے اس قسم کے شعلے نکلتے ہوں تو اس کے انکار کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے، ظاہری اسباب کچھ ہوں لیکن اللہ تعالیٰ باطنی اسباب کی نشاندہی کرتا ہے کہ اصل میں اللہ نے ان شیاطین کے رجم کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، پہلے یہ شہاب مبین ہوتے تھے لیکن ان سے رجم کا کام نہیں لیا جاتا تھا سرورِ کائنات ﷺ کی آمد کے بعد ان سے رجم کا کام لینا شروع کردیا گیا، یہ تو عالم بالا کی طرف کی علامات تھیں۔

عالم سفلی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی علامات:

"والارض مددنٰھا" "اور زمین کو ہم نے بچھادیا" "والقینا فیھا رواسی" اور ڈال دیے ہم نے اس کے اندر مضبوط بوجھل پہاڑ، ان کے ڈالنے کی حکمت دوسری جگہ آپ کے سامنے آئے گی تاکہ تمہیں یہ لے کہ ایک طرف جھک نہ جائے اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو ہوا اور پانی کے اثر سے زمین ہچکولے کھاتی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو قائم کرکے اس کا تناسب بحال کردیا کہ اب یہ ہچکولے نہیں کھاتی ڈال دیا ہم نے اس کے اندر بوجھل پہاڑوں کو اور اگایا ہم نے اس زمین میں ہر موزون چیز کو، موزون کا معنی متعین مقدار کے وزن کی چیز اور موزون مناسب کو بھی کہتے ہیں، ہر مناسب چیز ہم نے اس کے اندر اگائی، ایک اندازہ کے ساتھ اگائی ایک وزن کے ساتھ اگائی بے تحاشا نہیں بلکہ اتنی چیز اللہ تعالیٰ پیدا فرماتے ہیں جتنی اس کی حکمت کا تقاضہ ہوتا ہے اور زمین کی آبادی کے لیے وہ کافی ہوتی ہے، کچھ طلب باقی رہے اور کچھ ضرورت پوری ہوتی چلی جائے اس طرح دنیا کا نظام قائم ہے، اگر ایک چیز اتنی مقدار میں پیدا کردی جائے جو ضرورت سے زائد ہو تو وہ نعمت کی بجائے الٹا مصیبت بن جائے گی، ہر موزون چیز ہم نے زمین میں اگائی متعین چیز اندازہ کی ہوئی، مناسب چیز ہم نے اس کے اندر اگائی یعنی اس ایک لفظ کے اندر پوری کی پوری کائنات مضمر ہے کہ آپ اندازہ لگانا شروع کریں کہ کونسی چیز پیدا ہوئی کس تناسب کے ساتھ پیدا ہوئی کس مقدار کے ساتھ پیدا ہوئی اس میں کتنی حکمتیں ہیں اگر اس سے کم ہوتی تو کیا تکلیف ہوتی اگر اس سے زیادہ ہوتی کیا تکلیف ہوتی آپ ایک چیز چیز کا جائزہ لینا شروع کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی حکمت ہی حکمت نمایاں ہوتی چلی

جائے گی۔

"وجعلنالکم فیھا معایش" معایش معیشت کی جمع ہے اس کا معنی ہے اسباب زیست زندگی گزارنے کے اسباب ہم نے تمہارے لیے اس زندگی گزارنے کے اسباب بنائے یعنی زندگی گزارنے کی تمہیں جتنی چیزوں کی ضرورت ہے وہ ہم نے اس زمین میں تمہارے لیے بنادیں "و من لستم له براز قین" اس کا عطف لکم کی ضمیر پر ہے یعنی تمہارے اور ان کے لیے جن کو تم روزی دینے والے نہیں ہو یعنی اتنے حیوانات اس زمین کے اندر موجود ہیں سمندروں میں دریاؤں میں موجود ہین خشکیوں میں اور جنگل میں کہ جن رزق کا انتظام انسان نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اسباب معیشت بنادیے ہیں اور بعض جانور ایسے ہیں جن کو آپ گھروں کے اندر پالتے ہیں ظاہری طور پر ان کے لیے چارہ کا انتظام کرتے ہیں لیکن اس سے کروڑہاں جانور ایسے ہیں کہ انسان ان کی روزی کا انتظام نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اسباب زیست بنائے ہیں۔

" و ان من شئی الا عندنا خزائنه " نہیں ہے کوئی چیز مگر ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں، ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے بھرے پڑے ہیں 'و ماننزل الا بقدر معلوم "اور نہیں اتارتے ہم اس کو مگر ایک معلوم اندازے کے ساتھ، ہمارے پاس کمی نہیں لیکن ہم اس کو اتارتے ایک اندازے کے ساتھ ہیں۔

"و ارسلنا الریاح لواقح" لواقح لاقحہ کی جمع ہے بوجھل کرنے والی اور بھیجا ہم نے ہواؤں کو بوجھل کرنے والی ہیں یعنی بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں یہ بارش کا نظم جو اللہ نے قائم کیا ہے اس میں بہت بڑی قدرت بھی نمایاں ہے اور بہت بڑا احسان بھی ہے، سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں ہوائیں ان کو لے جاتی ہیں پھر وہ پانی بنتے ہیں اور بادلوں کی شکل اختیار کرتے ہیں اور پھر یہ پانی کے ٹینک اور پانی کے بھرے ہوئے جہاز ان کو ہوا اٹھا کے مختلف علاقوں میں لے جاتی ہے اور وہاں پھر یہ اللہ کی حکمت کے تحت برستے ہیں اس طرح اللہ نے کائنات کے اندر آب پاشی کا نظام قائم کیا ہوا ہے برستے ہیں پھر یہ ندی نالوں میں بہتے ہوئے آتے ہیں آپ کی زمین کو سیراب کرتے ہیں، کچھ پانی زمین چوس لیتی ہے وہ نیچے کے مساموں کے ذریعہ سے آپ کو کنویں کی شکل میں ملتا ہے اور کچھ پانی دوسرے وقت کے لیے محفوظ رکھ لیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ زائد مقدار کو برف کی شکل میں پہاڑوں کو چوٹیوں پر ذخیرہ کر دیتا ہے کیونکہ کھلے تالابوں میں خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جانور خراب کر

دیتے ہیں گندگی ساتھ مل جاتی ہے تو برف کی شکل میں پہاڑوں پر زائد مقدار محفوظ کردی جاتی ہے، کتنے کروڑہاں ٹن پانی برف کی شکل میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر محفوظ ہے اور جن دنوں میں بارش نہیں ہوتی تو کس طرح پگھل پگھل کے صاف ستھرا پانی آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت اس پانی کی تقسیم کیسی ہے؟ اگر اس کے اوپر غور کیا جائے تو یہ ایک ہی اللہ کا اتنا بڑا احسان ہے کہ جس کا شکر ادا نہیں کیا جا سکتا، پانی کا ذائقہ محفوظ اور پانی کے اثرات محفوظ برف کی شکل میں جب جم گیا تو کتنی دیر پڑا رہے اس میں خراب ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے اور اس احسان کو بھی اللہ تعالیٰ نے سورۃ الواقعہ کے اندر بیان فرمایا "أفرأيتم الماء الذى تشربون" کیا تم نے دیکھا جو پانی تم پیتے ہو " ء انتم انزلتموه من المزن " کیا بادلوں سے اس کو تم اتارتے ہو " ام نحن المنزلون "یا ہم اتارنے والے ہیں "ولونشاء جعلناه اجاجاً" اگر ہم چاہتے تو اس کو کڑوا کر دیتے پینے کے قابل ہی نہ ہوتا پھر تم کیا کر لیتے؟ بھیجا ہم نے ہواؤں کو جو بوجھل کرنے والی ہیں "فانزلنا من السماء ماءً" پھر اوپر کی جانب سے پانی اتارا، آسمان جانب عالی کو کہتے ہیں اوپر کی جانب سے ہم نے پانی اتارا " فاسقيناكموه " پھر ہم نے وہ پانی تمہیں پلایا پینے کے لیے دیا " وما انتم له بخازنين "اور تم اس پانی کا خزانہ کر کے رکھنے والے نہیں تھے اگر تمہیں کہہ دیا جاتا کہ تم اپنی ضرورت کا پانی محفوظ کر لو تو تم اس کو کہاں محفوظ کرتے، یہ اللہ کی قدرت ہے کہ اس نے محفوظ کر دیا کچھ زمین کے اندر کچھ زمین کے باہر کچھ تالابوں کی شکل میں کچھ پہاڑوں کے اوپر۔ یہ سارا ذخیرہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے تمہارے لیے محفوظ رکھا بوقت ضرورت تم اس میں سے نکالتے رہتے ہو " وما انتم له بخازنين "تم اس کے لیے خزانہ کرنے والے نہیں تھے۔

معاد اور آخرت کا ذکر:

"وانالنحن نحي و نميت و نحن الوارثون" یہ معاد کا ذکر آ گیا کہ اللہ تعالیٰ کی اس قسم کی قدرتوں کو دیکھنے کے بعد اس میں کوئی شک نہیں رہنا چاہیے کہ مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ زندہ کر لیں گے بے شک ہم ہی البتہ زندگی دیتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہم ہی پیچھے رہنے والے ہیں ایک وقت آئے گا کہ تم سب مر جاؤ گے اور تم سب کا ورثہ ہمارے پاس رہ جائے گا ہم وارث ہوں گے "و لقد علمنا المستقدمين منكم و لقد علمنا المستأخرين" البتہ تحقیق ہم نے جان لیا ان لوگوں کو جو تم سے پہلے گذرے ہیں گذشتہ امتوں کے واقعات جو

وفات پاگئے اور البتہ تحقیق ہم نے جانا تم سے پیچھے آنے والوں کو اگلے پچھلے سب ہمارے علم میں ہیں، کوئی ہمارے علم سے باہر نہیں " و ان ربك هو یحشرهم " اور بے شک تیرا رب ان سب کو جمع کرے گا" انه حکیم علیم " بے شک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

اور ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی

مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ

سے پیدا کیا جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے بنی تھی ﴿۲۶﴾ اور ہم نے جنوں کو ان سے پہلے آگ سے پیدا کیا

مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا

جو ایک گرم ہوا سے تھی ﴿۲۷﴾ اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک بشر کو بجنے والی مٹی سے پیدا کرنے

مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ

والا ہوں جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے ہوگی ﴿۲۸﴾ سو جب اس کو پوری طرح بنا دوں اور اس میں

مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

اپنی روح پھونک دوں تو اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا ﴿۲۹﴾ سو تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کے سجدہ کیا ﴿۳۰﴾

اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ

مگر ابلیس نے نہیں کیا اس نے اس بات سے انکار کر دیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو جائے ﴿۳۱﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ

کہ تجھے اس بات پر کس نے آمادہ کیا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہو ﴿۳۲﴾ ابلیس نے کہا کہ میں ایسے بشر کو سجدہ کرنے والا نہیں

خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا

جسے آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا جو سیاہ رنگ کے گارے سے بنی ہوئی ہے ﴿۳۳﴾ اللہ تعالیٰ نے کہا تو اس سے نکل جا

فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ

کیونکہ تو مردود ہے ﴿۳۴﴾ اور قیامت کے دن تک تجھ پر اللہ کی لعنت ہوگی ﴿۳۵﴾ ابلیس نے کہا اے رب مجھے اس دن

رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾

مہلت دے دیجیے اس دن تک جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے ﴿۳۶﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو معین وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی ﴿۳۷﴾

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ

شیطان نے کہا کہ اے رب اس سبب سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ﴿۳۸﴾ میں ان کے لیے زمین میں ضرور مزین کروں گا

لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ

اور ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا ﴿۳۹﴾ سوائے آپ کے ان بندوں کے جو منتخب

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَىَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ

کر لیے گئے ﴿۴۰﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والا ہے ﴿۴۱﴾ بے شک

عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

میرے بندوں پر تیرا بس نہیں چلے گا سوائے گمراہوں کے جو تیری

الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ

اتباع کریں گے ﴿۴۲﴾ اور ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے ﴿۴۳﴾ اور اس کے سات

اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ

دروازے ہیں ہر دروازے سے ان کے لیے ایک حصہ تقسیم کر دیا گیا ہے ﴿۴۴﴾ اور بے شک تقویٰ اختیار

جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِىْ

کرنے والے باغوں میں ہوں گے اور چشموں میں ہوں گے ﴿۴۵﴾ تم اس میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ ﴿۴۶﴾ اس حالت میں

صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ

کہ امن سے رہنے والے ہوں اور ہم وہ کینہ ان کے دل سے نکال دیں گے جو ان کے سینے میں تھا بھائی بھائی بن کر رہیں گے ﴿۴۷﴾ اور تختوں پر

فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾

بیٹھے ہوں گے آمنے سامنے انہیں وہاں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور وہ نہ اس سے نکالے جائیں گے ﴿۴۸﴾

تفسیر

انسان کی پیدائش کا ذکر:

" و لقد خلقنا الانسان " لقد تاکید کے لیے ہے البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو انسان سے اصل انسان مراد ہے جس کا مقصود حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں " من صلصال " بجنے والی مٹی سے جو خشک ہونے کے بعد کھڑکتی ہے "من حمأ مسنون" سڑے ہوئے گارے سے یعنی گارے کو جس وقت چند دن بھگو کے رکھ لیا جائے اس میں کسی درجے میں تعفن پیدا ہو جائے تو اس میں کچھ چکناہٹ بھی آ جاتی ہے اور خشک ہو جانے کے بعد پھر وہ مٹی بجنے لگ جاتی ہے تو صلصال وہی بجنے والی مٹی ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی ذات میں مٹی کا عنصر غالب رکھا تو اس کو چاہیے کہ یہ مٹی کی طرح تواضع اختیار کرے، ابتداء تو مٹی سے ہوئی اور انسان اکڑ جائے شیطان کی طرح اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرکشی کرے یہ مناسب نہیں ہے اور البتہ جنوں کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے پیدا کیا اور آگ کے مزاج کے اندر اشتعال ہے چنانچہ وہ اسی اشتعال کی وجہ سے ملعون ٹھہرا تو انسان کے لیے مناسب نہیں کہ شیطان کی طرح اس کے اندر اشتعال ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں یہ سرکشی کرے یہ بات کسی صورت میں اچھی نہیں لگتی۔

جنات کی پیدائش کا ذکر:

"والجان خلقناہ من قبل من نار السموم" جان سے بھی یہاں اصل جان مراد ہے ابوالجن جہاں سے یہ نسل چلی ہے اور جن کو ہم نے پیدا کیا اس آدم سے پہلے نار سموم سے، نار سموم کے اندر اضافت تشبیہی ہے سموم کہتے ہیں گرم ہوا کو جو مساموں کے اندر گھستی چلی جاتی ہے تو نار سموم کا معنی ہوگا ایسی آگ جو لطافت میں گرم ہوا کی طرح تھی چونکہ ان کا عنصر لطیف ہے تو اس کا اثر ہے کہ یہ مختلف شکلیں بھی تبدیل کر سکتے ہیں اور عام طور پر انسان کو نظر بھی نہیں آتے جیسا کہ فرشتوں کا عنصر بھی لطیف ہے وہ نوری ہیں نوری اور ناری اس اعتبار سے آپس میں دونوں برابر ہیں کہ ان کے اندر وہ کثافت نہیں جو مٹی کے اندر ہوتی ہے اس لیے فرشتے بھی نظر نہیں آتے اور جن بھی نظر بھی نہیں آتے فرشتے بھی مختلف قسم کی شکلوں میں متشکل ہو جاتے ہیں اور جن بھی مختلف شکلوں میں متشکل ہو جاتے ہیں اور انسان کو یہ عام طور پر نظر نہیں آتے لیکن اصل کے اعتبار سے فرق ہوا کہ فرشتے نوری ہیں اس لیے ان کے اندر خیر کا

غلبہ ہے اور یہ جنات ناری ہیں اس لیے ان کے اندر اشتعال اور شرارت کا غلبہ ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش پر فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم:

"واذقال ربك للملا ئكة" اور یاد کیجیے کہ جس وقت تیرے رب نے فرشتوں سے کہا بے شک میں پیدا کرنے والا ہوں انسان کو، بنانے والا ہوں ایک بشر بجنے والی مٹی سے سڑے ہوئے گارے سے "فاذا سویته" جب میں اس کو ٹھیک ٹھاک کرلوں اس کے اعضاء درست کرلوں یہ تو ظاہری ڈھانچہ بنانے کی طرف اشارہ ہوگیا" و نفخت فیہ من روحی فقعولہ سجدین" روح کی نسبت جو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی میں اس میں اپنی روح پھونک دوں یہ اضافت تشریف کے لیے ورنہ یہ روح اللہ کا جزء نہیں ہے جس طرح بیت اللہ میں بیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی گئی" نا قة الله " ناقہ کی نسبت اللہ کی طرف کردی گئی اس طرح روح کی نسبت اللہ کی طرف کردی گئی ہے اب روح کیا چیز ہے؟ اس کی حقیقت پر مطلع ہونا مشکل ہے ،اللہ تعالیٰ کے امر سے کوئی چیز وجود میں آتی ہے جس کی وجہ سے اس میں کمالات حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، روح اصل میں دو قسم کی ہے ایک ہے جس کو روح حیوان کہتے ہیں وہ تو ہر حیوان میں ہے جس کی بناء پر ہر حیوان کو زندگی ملتی ہے وہ تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ جس وقت کسی جانور کو ذبح کیا جاتا ہے اس کی رگوں سے خون نکلتا ہے تو ایک دھواں سا اٹھتا ہوا محسوس ہوتا ہے خاص طور پر جب بڑا جانور ذبح کریں تو اس میں یہ چیز زیادہ نمایاں ہوتی ہے چونکہ خون زیادہ نکلتا ہے اور گرم ہو تو اس خون سے ایک بھاپ سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے تو یہ جو بھاپ اٹھ رہی ہے اصل کے اعتبار سے حیوانی روح ہے یہ ہے جو اللہ تعالیٰ ان بخارات کو خون سے ابھارتا ہے اور اس بھاپ کے ذریعہ سے انسان کی مشین چلتی ہے جس وقت رگیں کٹتی ہیں خون نکلتا ہے تو پھر ساری کی ساری روح نکل جاتی ہے اور اس روح کے نکلنے کی وجہ سے پھر وہ مشین ٹھہر جاتی ہے اس درجہ کی روح کو جس کے ساتھ اس مشین کو حرکت دی جارہی ہے اور اس کے ساتھ اس میں احساسات پیدا ہوتے ہیں وہ اسی حیوانی روح کا نتیجہ ہے اور یہ پیدا ہوتے ہیں انہی عناصر سے خاص طور پر خون کی گرمی سے یہ بخارات اٹھتے ہیں جو اسی مشین کو حرکت دیتے ہیں۔

لیکن انسان میں صرف یہی بات نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے اوپر نئی روح بھی فائز ہوتی ہے یہ منجانب اللہ جو آئی اصل کے اعتبار سے انسان میں خصوصیات اور کمالات حاصل کرنے کی جو صلاحیت پیدا

ہوتی ہے وہ اسی خصوصی روح کی وجہ سے ہے جو عالم بالا کی طرف سے اللہ ہمارے اندر بھیجتے ہیں، اس کے آنے کے ساتھ انسان کو وہ شرف حاصل ہوا جس کی بناء پر یہ مسجود ملائکہ ٹھہرایا گیا" فقعو له سا جدين " پھر گر جانا تم سارے کے سارے اس کے لیے سجدہ کرنے والے، قعوا امر کا صیغہ ہے یعنی جب میں اس میں روح پھونک دوں تو تم اس کو سجدہ کرنا۔

فرشتوں کی فرمانبرداری اور شیطان کا انکار:

"فسجد الملائكة كلهم اجمعون" درمیان میں اس واقعہ کو حذف کر دیا گیا کہ پھر اللہ نے اس میں روح پھونکی پھر وہ آدم زندہ ہوا اس میں حیات آئی تو فرشتے اللہ کے حکم کے تحت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کے لیے جھک گئے، اس کی تعظیم میں فسجد الملائكة كلهم اجمعون فرشتوں نے سجدہ کیا سب نے اکٹھے ہی " الا ابلیس " سوائے ابلیس کے اب آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کرنے کا براہ راست حکم تو فرشتوں کو تھا اور جنوں کا ذکر نہیں آیا کہ جنوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا لیکن یہ اس میں شامل تھا یا تو اس لیے کہ جب اشرف الخلوق کو حکم دے دیا گیا تو جو اس سے گھٹیا تھا وہ بدرجہ اولی اس میں آجائے گا یا عملاً یہ فرشتوں کے اندر شامل رہتا تھا آسمان میں آتا جاتا تھا تو جب حکم دیا گیا تو یہ بھی اس میں شامل تھا اور ابلیس یہ سمجھتا تھا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے ورنہ جس وقت اس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اللہ تعالی کی طرف سے اس پر گرفت ہوئی کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا تو اس نے آگے سے یہ عذر نہیں کیا کہ کہ مجھے تو حکم ہی نہیں دیا گیا میں سجدہ کیوں کرتا؟ آپ نے تو فرشتوں سے کہا تھا کہ مجھے تو کہا نہیں تھا اس لیے اگر میں نے سجدہ نہیں کیا تو اس لیے نہیں کیا کہ آپ کا حکم مجھے تھا ہی نہیں، اس نے یہ عذر نہیں کیا، وہ آگے سے عذر یہ کرتا ہے کہ میں افضل ہوں اور اعلی ہوں میں ادنی کو سجدہ کیوں کروں تیرا یہ حکم ہی حکمت کے خلاف ہے، مصلحت کے خلاف ہے چاہیے یہ کہ جو افضل ہو اس کو سجدہ کرایا جائے یہ کیا کہ افضل کو غیر افضل کے سامنے جھکایا جا رہا ہے آگے سے اس نے جو دلیل بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی حقیقت کے اعتبار سے مامور تھا اس کو بھی حکم دیا گیا تھا اور اگر اس کو حکم نہ دیا گیا ہوتا تو جب اس کے اوپر سختی کی گئی تھی تو وہ یہ عذر بھی کر سکتا تھا کہ آپ نے مجھے کہا کب ہے؟ لیکن اس نے یہ عذر نہیں کیا لھذا سجدہ کرنے کا حکم اس کو بھی تھا اس نے سجدہ نہیں کیا باقی سب نے کر لیا۔ "ابی ان يكون مع السا جدين " ابی انکار کر دینا کسی بات پر شدت کے ساتھ اڑ جانا، انکار کر دیا اس نے اس

بات سے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائے، سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہونے سے وہ رک گیا، اڑ گیا اس نے انکار کر دیا۔

شیطان کا مردود ہونا:

"قال یا ابلیس مالك ان لا تکون مع الساجدین" اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے ابلیس تجھے کیا ہو گیا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا" قال لم اکن لا سجد لبشر" اس نے کہا میں سجدہ کرنے والا نہیں ہوں ایسے انسان کو جس کو تو نے پیدا کیا بجنے والی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے سے تیار ہوئی، میں ایسے بشر کو سجدہ نہیں کر سکتا، سورۃ اعراف کے اندر یہ واقعہ آیا کہ اس میں یہ الفاظ تھے کہ تو نے اس کو مٹی سے بنایا تو وہاں طین کا لفظ ہے اور یہاں "من صلصال من حمأ مسنون" بات ایک ہی ہے کہ طین بھی گارے کو کہتے ہیں اور مقابلہ میں ذکر کیا تھا کہ تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اس میں سے نتیجہ اخذ کیا تھا کہ 'انا خیر منہ' میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ میرا اصل اس کے مقابلہ میں بہتر ہے تفصیل وہاں آ گئی تھی یہاں اس کو اجمال کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ " فاخرج منها فانك رجیم "یعنی اس کی اس دلیل کو اللہ تعالیٰ نے توڑا نہیں کیونکہ یہ بالکل بدیہی البطلان تھی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد حجت بازی مخلوق کے لیے زیبا نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں حاکمانہ جواب دیا کہ میرے حکم کے سامنے اس قسم کی منطق چلاتے ہو اور اپنی مصلحتیں بیان کر کے میرے حکم کے خلاف سرکشی کرتے ہو نکل جاؤ یہاں سے پس بے شک تو دھتکارا ہوا ہے، رجم کیا ہوا ہے پھٹکارا ہوا ہے " و ان علیك لعنتی الی یوم الدین " اور تیرے اوپر لعنت کی گئی قیامت کے دن تک، جب قیامت تک ملعون ٹھہرا دیا گیا تو قیامت کے بعد تو مرحوم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اگر حاصل کیا جا سکتا ہے تو عمل اور نیکی کے ذریعہ سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے تو جب یہ قیامت تک ملعون ہے جس کا مطلب یہ ہے اس کو نیکی کی توفیق نہیں ہوگی، یہ توبہ نہیں کر سکے گا تو ایسی صورت میں جب سزا کا سلسلہ شروع ہو جائے گا پھر تو کسی کو مرحوم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شیطان کا مہلت مانگنا:

" قال رب فانظرنی الی یوم یبعثون "اب اس سے یہ نہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو دیکھ کر

اللہ کے سامنے جھک جاتا، معافی مانگ لیتا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی میں نے سجدہ نہیں کیا اب سجدہ کر دیتا ہوں اگر وہ معافی مانگنا چاہتا تو اس طرح معافی مانگ سکتا تھا لیکن جب وہ ضد اور سرکشی میں آگیا تو اس نے لعنت تو برداشت کر لی، عذاب برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گیا یہ نہیں ہو سکا کہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیتا ہاں البتہ حسد کی بناء پر یہ کہتا ہے کہ یہ جس کو تو نے اپنا محبوب بنایا، پیارا بنایا جس کی بناء پر مجھے تو نے دھتکار دیا، مردود کر دیا مجھے ذرہ موقع دینا تو میں تجھے اس کے کمالات دکھاؤں گا یہ کس قسم کا انسان ہے اور دیکھ لینا اس کی جتنی نسل ہوگی میں سب کو گمراہ کر دوں گا صرف تھوڑے سے ہی لوگ بچیں گے سورۃ اعراف کے اندر جہاں یہ ذکر کیا گیا تھا وہاں اس نے تفصیل کے ساتھ یہ بات کہی تھی " فبما اغویتنی لا قعدن لھم صراطك المستقیم " تو نے مجھے گمراہ کیا تو میں ان کے لیے تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا، تیرے سیدھے راستہ سے توحید مراد ہے پھر میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے سے ان کے پیچھے سے ان کے دائیں سے ان کے بائیں سے،" ولا تجد اکثرھم شاکرین "تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا، سب تیرے ناشکرے ہو جائیں گے یہ دھمکی ہے جو اس نے اس وقت دی تھی، صراط مستقیم سے مراد توحید کا راستہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جاننا پہچاننا، اس کی نعمتوں کو اس کی طرف منسوب کر کے اس کے شکر گزار بن کے رہنا یہ ہے اصل کے اعتبار سے اللہ کا راستہ جس کی بناء پر اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے، وہ کہتا ہے اسی راستہ پر بیٹھوں گا اور تیرے شکر گزار نہیں رہنے دوں گا کھائیں گے تیرا اور گائیں گے میرا، نعمتیں تیری کھائیں گے اور شکر ادا نہیں کریں گے اتباع میری کریں گے" قال رب فانظرنی الی یوم یبعثون " اس نے کہا کہ اے میرے پروردگار! پس تو مجھے مہلت دے دے اس دن تک جس میں مخلوق کو اٹھایا جائے گا، اس سے مراد وہی قیامت کا دن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شیطان کو مہلت دینا:

" قال فانك من المنظرین " اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک تو مہلت دیے ہوؤں میں سے ہے، میری طرف سے تجھے مہلت مل گئی " الی یوم الوقت المعلوم "، وقت معلوم کے دن تک، وقت معلوم سے مراد بھی قیامت کا دن مراد ہے، قیامت کا دن ایک طویل زمانہ ہے نفخہ اولی جب ہوگا، جب اس دنیا کو برباد کر دیا جائے گا وہاں سے لے کے آگے تک سارے کا سارا دن قیامت کا دن ہی کہلاتا ہے اسی دن کے ایک حصہ میں گویا

کہ بعث ہو جائے گا اور اسی دن کے حصے میں فنائیت طاری ہوگی اس لیے نفخہ اولی کے وقت شیطان بھی فنا ہو جائے گا، اس وقت شیطان باقی نہیں رہے گا اس لیے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یوم یبعثون بعث کے دن تک وہ زندہ رہے گا یعنی نفخ اولی کے بعد شیطان زندہ رہے اور جب انسان کو اٹھایا جائے اس وقت تک اس کو مہلت ملے ایسی بات نہیں نفخہ اولی کے وقت جہاں سب چیزیں فناء ہوں گی وہاں شیطان پر بھی موت طاری ہو جائے گی اس کی دعا میں یوم یبعثون سے مراد قیامت کا دن ہے اور قیامت کا دن شروع ہو جائے گا نفخہ اولی سے جس کے ایک حصے میں فنائیت ہے اور دوسرے حصے میں بعث ہے تو اس کی دعا قبول ہوئی قیامت کے دن تک اور نفخہ اولی کے وقت یہ فناء ہو جائے گا۔

شیطان کی دھمکی:

" قال رب بما اغویتنی " وہ کہنے لگا کہ اے میرے رب! بسبب تیرے مجھے گمراہ کر دینے کے دیکھو! گمراہ کرنے کی نسبت اس نے اللہ کی طرف کی کہ تو نے مجھے حکم ہی ایسا ہی دیا کہ جسے میں مان ہی نہیں سکتا تھا، میں سرکشی کرنے پر مجبور تھا، میں نافرمانی کرنے پر مجبور تھا اس میں قصور آپ کا ہے آپ نے مجھے ایسا حکم کیوں دیا جسے میں مان ہی نہیں سکتا تھا گمراہ تو وہ سجدہ نہ کرنے کی بناء پر ہوا لیکن اللہ کی طرف نسبت اس معنی سے کر رہا ہے کہ آپ کا حکم ہی ایسا تھا، آپ کہہ ہی ایسی بات رہے تھے کہ جو میرے لیے ممکن نہیں تھی کہ میں کرتا لہٰذا میرے گمراہ ہونے کی ذمہ داری آپ پر ہی ہے کہ آپ نے مجھے ایسی بات کیوں کہی تھی کہ جو میرے بس میں نہیں ہے، یہ سارا کا سارا الزام اللہ کو دے رہا ہے، تیرے گمراہ کر دینے کے کی وجہ سے مجھ کو " لازینن لھم فی الارض " میں ان کے لیے زینت پیدا کروں گا زمین میں زمین کی بہت ساری چیزوں کو ان کے سامنے سجا دوں گا جس کی وجہ سے وہ راغب ہو جائیں گے دنیا کی محبت میں مبتلا ہو جائیں گے یعنی دنیاوی زندگی میں ان کے لیے اسباب زینت پیدا کروں گا اور ان کی رغبت ان کی طرف کر دوں گا " ولاغوینھم اجمعین " اور البتہ ضرور گمراہ کر دوں گا ان سب کو " الا عبادك منھم المخلصین " لیکن تیرے بندے جو چنے ہوئے ہوں گے کچھ مخلص بندے رہ جائیں گے جو چنے ہوئے ہوں گے باقی سب کے اوپر میں قابو پا لوں گا جیسے ایک جگہ لفظ آئے گا " لاحتنکن ذریتہ " کہ میں اس کی اولاد کو ڈانٹی مار لوں گا، آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کوئی جانور سرکش ہو جائے تو اس کے نچلے جبڑے پر رسی باندھ لیتے ہیں جس سے وہ قابو آ جاتا ہے تو احتناک کا یہی معنی ہوتا ہے، کہتا ہے میں ان کو اس طرح قابو کر لوں گا جس طرح جانور کے منہ میں

لگام دے کے یا اس کا نچلا جبڑا باندھ کے قابو کیا جاتا ہے میں اس کی اولاد اس طرح قابو کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب:

"قال هذا صراط علی مستقیم " ھذا کا اشارہ ہے ماقبل کی طرف ہے کہ چنے ہوئے بندے ہی محفوظ رہیں گے، یہ چنا جانا، اور منتخب ہو جانا یہی ہے سیدھا راستہ جو مجھ تک پہنچا تا ہے یعنی جو مخلص ہو گیا وہی مجھ تک پہنچے گا لیکن مخلص ہونے کا طریقہ ہے طاعت اور اللہ کی عبادت تو مطلب یہ ہوگا کہ طاعت اور عبادت یہی طریقہ ہے جس کی بناء پر میرے ہر بندے مخلص بنیں گے اور جو مخلص ہو گیا وہ شیطان کے تسلط سے بچے رہیں گے، ان کے اوپر شیطان کا کوئی زور نہیں چلے گا، "ھذا صراط علی مستقیم " توحید کے راستہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جیسے تفصیل میں ذکر کیا گیا تھا کہ تو اپنے بندوں کو شکر گزار نہیں پائے گا کہ شکر گزاری ہی ایک ایسا راستہ ہے جو سیدھا اللہ تک پہنچا تا ہے اور شکر گزاری کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اللہ کو محسن سمجھو اور اللہ کو منعم سمجھ اور دل جان سے اس کی تعظیم کرو، اس کی عبادت کرو اس کا کہنا مانو یہ شکر گزاری والا راستہ ہے جس سے بندوں کو روکنے کی دھمکی دی تھی کہ تو ان کو شکر گزار نہیں پائے گا یہی راستہ سیدھا اللہ کی طرف پہنچا تا ہے، شکر کے نتیجہ میں انسان توحید اختیار کرتا ہے اور شکر گزاری کے نتیجہ میں انسان شرک سے بچتا ہے اور اطاعت عبادت جتنی ہے وہ سب شکر گزاری کا ہی ایک طریقہ ہے۔

شیطان کے پیروکاروں کا انجام:

" ان عبادی لیس لك علیهم سلطان " بے شک میرے بندے تیرا ان پر کوئی زور نہیں ہاں مگر جو تیری اطاعت کرے گا گمراہوں میں سے، جو گمراہ لوگ تیرے پیچھے لگ جائیں گے " و ان جهنم لمو عدهم اجمعین " بے شک جہنم ان سب کا موعد ہے، ان سب کے لیے وعدہ ہے " لها سبعة ابو اب لکل باب " اس جہنم کے لیے سات دروازے ہوں گے، سات دروازوں سے سات طبقات کی طرف اشارہ ہے جہنم مختلف درجوں والی ہے سب کا ایک ہی درجہ نہیں لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے مختلف درجات میں جائیں گے " لکل باب منهم جزء مقسوم " ہر دروازے سے انسانوں کے لیے ایک جزء تقسیم کیا ہوا ہے یعنی باندھ کر درجات کے اعتبار سے مختلف دروازوں سے ان کو گزارا جائے گا اور جہنم تک پہنچا دیا جائے گا۔

متقین کا انجام:

اس کے مقابلہ میں آگے متقین کا ذکر کردیا" ان المتقین فی جنٰت و عیو ن " بے شک متقین اللہ سے ڈرنے والے ہیں باغات میں ہوں گے اور چشموں میں ہو گے ،"ادخلوھا بسلام أمنین"انہیں کہہ دیا جائے گا داخل ہو جاؤ اس جنت میں سلامتی کے ساتھ اس حال میں کہ تم امن والے ہو، آئندہ سلامتی ہی سلامتی ہے امن ہی امن ہے،کوئی خوف نہیں کوئی خطرہ نہیں کوئی بے چینی جنت میں نہیں ہوگی، یہ جگہ ایسی ہے کہ جس میں انسان کو امن ہی امن اور سلامتی ہی سلامتی نصیب ہوگی " و نز عنا ما فی صدور ھم من غل اخوانا علی سرورمتقا بلین" مشترکہ ماحول میں جہاں انسان رہتا ہے وہاں اگر اس کو اپنی ساری نعمتیں بھی نصیب ہوں تو اس کے باوجود پریشانی کی ایک وجہ ہو جایا کرتی ہے کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دل نہیں ملتا، ان کے ساتھ دل میں کسی قسم کا انقباض ہے آپس میں محبت سے نہیں بولتے ایک دوسرے سے خوف محسوس کرتے ہیں یہ کدرت، کینہ، حسد اور بغض جو ایک دوسرے کے ساتھ ہو جایا کرتا ہے یہ مستقل پریشانی کا باعث ہے اب اگر جنت میں جا کر آپ اس طرح لڑتے رہیں اور ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے رہیں تو پھر جنت بھی انسان کے لیے سلامتی کی جگہ نہیں رہے گی بلکہ آپس کے فسادات بھی اس نعمت کو مکدر کردیں گے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب جنت میں یہ چلے جائیں گے تو وہاں ان کے دل میں کوئی کسی قسم کا بغض اور کینہ باقی نہیں رکھا جائے گا حتی کہ دنیا کے اندر اگر دو آدمیوں کے درمیان کدرت تھی اور دونوں جنت میں چلے گئے تو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرنے سے پہلے ہی اہل جنت کے قلوب کو صاف کردیں گے ان کے دل میں جو کینہ بغض ہے سب کو دور کردیں گے اور جنت میں جانے کے بعد کوئی کسی قسم کا کسی کے خلاف جذبہ نہیں رکھے گا بھائیوں کی طرح سب ایک دوسرے کے ساتھ منہ کر کے بیٹھیں گے۔

جیسے حضرت علی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ میں، طلحہ، زبیر سب اس کا مصداق ہیں (تفسیر ابن کثیر) کہ جن کے دلوں سے اللہ تعالیٰ یہ کدورتیں کردے گا کیونکہ دنیا کے اندر آپس میں بعض مسائل میں اختلاف ہوا ایک دوسرے سے لڑائی ہوئی ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئے لیکن جنت میں جانے سے پہلے اللہ سب کی صفائی کردے گا اور مشکوۃ شریف (۴۹۶/۲) میں آپ نے پڑھا ہی ہوگا کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جنتی جتنے ہوں گے سب کے سینوں میں ایک ہی دل ہوگا تو وہاں ایک دل کا یہ مطلب نہیں کہ واقعۃً ایک ہی دل ہوگا،

وہ حرکت کرے گا تو سارے زندہ ہوں گے مطلب یہ ہے کہ دل تو اپنے اپنے ہوں گے لیکن ہوگا سب کا دل ایک جیسا۔ خواہشات کا اختلاف نہیں ہوگا دنیا کے اندر میرا دل کچھ اور چاہتا ہے، آپ کچھ اور چاہتے ہیں اس طرح آپس میں اختلاف ہو جاتا ہے جب آپس میں اختلاف ہوتا ہے تو پھر آگے بدمزگی ہوتی ہے لیکن اگر میرا دل اور آپ کا دل ایک ہی ہو، یک جان اور دو قالب ہو جائیں کہ میری خواہش آپ کی خواہش آپ کی خواہش میری خواہش تو ایسی صورت میں اختلاف نہیں آیا کرتا تو جنتی لوگ اس قسم کے ہوں گے کہ جن کے دلوں میں ایک ہی جیسا ہی دل ہوگا، خواہشات کا اختلاف نہیں ہوگا اور اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے کوئی بدمزگی نہیں ہوگی "ونزعنا ما فی صدورھم من غل" ہم کھینچ لیں گے ان کے دلوں سے کینہ اور بغض "اخوانا علی سرر متقابلین " بھائیوں کی طرح تختوں کے اوپر آمنے سامنے بیٹھنے والے ہوں گے، متقابلین ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے بیٹھنے والے ہوں گے یعنی کوئی آپس میں بغض وعداوت نہیں ہوگی، دنیا میں اگر تھا بھی تو اس کو صاف کر دیا جائے گا۔

" لا یمسھم فیھا نصب و ما ھم عنھا بمخرجین " نہ ان کو ان کے اندر کوئی مشقت چھوئے گی، کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، تھکاوٹ نہیں ہوگی اور نہ وہ اس جنت میں سے نکالے جائیں گے یعنی ان کو یہ امن بھی حاصل ہو جائے گا اب ان کو نہ جنت سے نکلنے کا خطرہ اور نہ مرنے کا خطرہ تو عیش وعشرت امن، سلامتی اپنی انتہاء کو پہنچ جائے گی، جتنا آپ سوچ سکتے ہیں اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن اور اطمینان نصیب ہوگا۔

نَبِّئۡ عِبَادِیۡۤ اَنِّیۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِیۡ هُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِیۡمُ ﴿۵۰﴾

آپ میرے بندوں کو خبر دے دیجیے کہ بلاشبہ میں غفور رحیم ہوں ﴿۴۹﴾ اور بلاشبہ میرا عذاب دردناک ہے ﴿۵۰﴾

وَ نَبِّئۡهُمۡ عَنۡ ضَیۡفِ اِبۡرٰهِیۡمَ ﴿۵۱﴾ اِذۡ دَخَلُوۡا عَلَیۡهِ فَقَالُوۡا سَلٰمًا ؕ

اور ان کو ابراہیم کے مہمانوں کی اطلاع بھی دے دیجیے ﴿۵۱﴾ جب وہ ان پر داخل ہوئے تو انہوں نے اس پر سلام کیا

قَالَ اِنَّا مِنۡکُمۡ وَجِلُوۡنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوۡا لَا تَوۡجَلۡ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمٍ

ابراہیم نے کہا ہم تو تم سے ڈر رہے ہیں ﴿۵۲﴾ انہوں نے کہا کہ تم ڈرو مت ہم تجھے ایک ایسے بچے کی بشارت دے رہے ہیں

عَلِیۡمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرۡتُمُوۡنِیۡ عَلٰۤی اَنۡ مَّسَّنِیَ الۡکِبَرُ فَبِمَ

جو صاحب علم ہوگا ﴿۵۳﴾ ابراہیم نے کہا کیا تم مجھے اس حالت میں خبر دے رہے ہو جب کہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا ہے

تُبَشِّرُوۡنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوۡا بَشَّرۡنٰکَ بِالۡحَقِّ فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡقٰنِطِیۡنَ ﴿۵۵﴾

سو تم کس چیز کی بشارت دیتے ہو ﴿۵۴﴾ انہوں نے کہا کہ ہم نے تجھے امر واقعی کی بشارت دی ہے سو تم ناامیدوں میں سے مت ہو جاؤ ﴿۵۵﴾

قَالَ وَ مَنۡ یَّقۡنَطُ مِنۡ رَّحۡمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوۡنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا

ابراہیم نے کہا اور اپنے رب کی رحمت سے ان لوگوں کے سوا کون ناامید ہوگا جو گمراہ ہیں ﴿۵۶﴾ ابراہیم نے کہا

خَطۡبُکُمۡ اَیُّهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمٍ مُّجۡرِمِیۡنَ ﴿۵۸﴾ ۙ

اے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارا آنا کس اہم کام کے لیے ہے ﴿۵۷﴾ انہوں نے کہا کہ ہم مجرم لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں ﴿۵۸﴾

اِلَّاۤ اٰلَ لُوۡطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوۡهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۵۹﴾ ۙ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ قَدَّرۡنَاۤ ۙ

مگر آل لوط کا خاندان ان سب کو بچانے والے ہیں ﴿۵۹﴾ سوائے ان کی بیوی کے ہم نے ان کے بارے

اِنَّهَا لَمِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۶۰﴾ ع فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ۣالۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ ۙ قَالَ

میں تجویز کر رکھا ہے کہ بلاشبہ مجرمین میں رہ جانے والی ہے ﴿۶۰﴾ سو جب وہ بھیجے ہوئے فرشتے خاندان لوط کے پاس آئے ﴿۶۱﴾ تو

اِنَّکُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡکَرُوۡنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰکَ بِمَا کَانُوۡا فِیۡهِ یَمۡتَرُوۡنَ ﴿۶۳﴾

لوط کہنے لگے کہ تم تو اجنبی آدمی ہو ﴿۶۲﴾ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کے آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کیا کرتے ہیں ﴿۶۳﴾

وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ

اور ہم آپ کے پاس یقینی چیز لے کے آئے ہیں اور ہم سچے ہیں ﴿۶۴﴾ سو آپ رات کو کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیے

الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ

اور آپ ان کے پیچھے ہو لیجیے اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کے نہ دیکھے تمہیں جس طرف

تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ

جانے کا حکم ہوا ہے اس طرف چلے جانا ﴿۶۵﴾ اور ہم نے لوط کے پاس اپنا حکم بھیج دیا کہ صبح ہوتے ہی ان

مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ

لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی ﴿۶۶﴾ اور شہر کے لوگ خوش ہوتے ہوئے آپہنچے ﴿۶۷﴾ لوط نے کہا بے شک

هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾

یہ میرے مہمان ہیں تم مجھے رسوا نہ کرو ﴿۶۸﴾ اور اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو ﴿۶۹﴾ ان لوگوں نے جواب

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ

میں کہا کہ کیا ہم نے تم کو دنیا جہان کے لوگوں سے منع نہیں کیا تھا ﴿۷۰﴾ لوط نے کہا یہ میری بیٹیاں ہیں اگر

كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ

تم نے کرنا ہی ہے ﴿۷۱﴾ آپ کی جان کی قسم بے شک وہ اپنی مستی میں اندھے بن رہے تھے ﴿۷۲﴾ سورج نکلتے

الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ

وقت ان کو سخت آواز نے پکڑ لیا ﴿۷۳﴾ ہم نے اوپر کے حصے کو نچلا کر دیا اور ہم نے ان پر کنکر والے

حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾

پتھر برسائے ﴿۷۴﴾ اس میں بصیرت رکھنے والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں ﴿۷۵﴾

وَ اِنَّهَا لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾

اور بلاشبہ ان کی یہ بستیاں ایک شاہراہ عام پر پڑتی ہیں (۷۶) اس میں اہل ایمان کے لیے نشانیاں ہیں (۷۷)

وَ اِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ لَظٰلِمِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ

اور تحقیق ایکہ والے ظلم کرنے والے تھے (۷۸) سو ہم نے ان سے انتقام لیا

وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۹﴾ وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۸۰﴾

اور بلاشبہ یہ دونوں بڑی شاہراہ پر پڑتی ہیں (۷۹) اور البتہ حجر والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا (۸۰)

وَ اٰتَیْنٰهُمْ اٰیٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ كَانُوْا یَنْحِتُوْنَ

اور ہم نے انہیں نشانیاں دیں وہ ان سے روگردانی کرنے والے ہو گئے (۸۱) اور وہ لوگ پہاڑوں کو

مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا اٰمِنِیْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ مُصْبِحِیْنَ ﴿۸۳﴾

تراش کے گھر بنا لیتے تھے امن کے ساتھ رہتے تھے (۸۲) ان کو صبح صبح ایک چیخ نے پکڑ لیا (۸۳)

فَمَاۤ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ

سو ان کو اس چیز نے کچھ کام نہ دیا جسے وہ کسب کرتے تھے (۸۴) اور ہم نے آسمانوں

وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ فَاصْفَحِ

اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ اور بلاشبہ قیامت

الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۶﴾ وَ لَقَدْ

ضرور آنے والی ہے سو آپ خوبی کے ساتھ درگزر کیجیے (۸۵) بے شک تیرا رب بڑا خالق ہے اور بڑا جاننے والا ہے (۸۶) اور ہم

اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ

نے آپ کو سات آیتیں دی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا (۸۷) اور آپ اپنی

عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ

آنکھیں ان چیزوں کی طرف نہ بڑھایے جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو فائدہ اٹھانے کے لیے دی ہیں اور آپ ان پر غم نہ کیجیے

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ

اور ایمان والوں کے لیے اپنے بازوؤں کو جھکائے رکھیے ﴿٨٨﴾ اور آپ فرما دیجیے کہ میں تو واضح

الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾ كَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ

طور پر ڈرانے والا ہوں ﴿٨٩﴾ جیسا کہ ہم نے ان تقسیم کرنے والوں پر نازل کیا ﴿٩٠﴾ جنہوں نے قرآن کریم کے مختلف قسم کے اجزاء

عِضِينَ ﴿٩١﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

بنا لیے تھے ﴿٩١﴾ سو آپ کے رب کی قسم ہے ہم ان سب سے ان کے اعمال کی ضرور باز پرس کریں گے ﴿٩٢﴾

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾ إِنَّا كَفَيْنَاكَ

جس چیز کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے ﴿٩٣﴾ اسے خوب صاف طریقہ سے بیان کیجیے اور اعراض کیجیے مشرک لوگوں سے ﴿٩٤﴾ ہم کافی ہیں آپ کو ان لوگوں کی طرف سے جو

الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ

ہنسی کرنے والے ہیں ﴿٩٥﴾ جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کرتے ہیں☆ پس عنقریب

يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾

وہ جان لیں گے ﴿٩٦﴾ اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں ﴿٩٧﴾

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ

آپ اپنے رب کی تسبیح بیان کیجیے جس کے ساتھ تحمید بھی ہو اور آپ ساجدین میں سے ہو جائیے ﴿٩٨﴾ اور اپنے رب

حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾

کی عبادت کیجیے یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین یعنی موت آجائے ﴿٩٩﴾

تفسیر

اللہ تعالیٰ کی دو مختلف شانیں:

" نبئی عبادی انی انا الغفور الرحیم وان عذابی ھو العذاب الالیم " یہ دو آیتیں آنے والے مضمون کے لیے بطور تمہید کے ہیں آگے حضرت ابراہیم کا قصہ آرہا ہے، اس کے متصل حضرت لوط کا قصہ ہے اور اس

کے بعد اصحاب الایکہ اور اصحاب الحجر کا مختصر اجمالاً ذکر ہے، اللہ تعالیٰ سرور کائنات ﷺ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں نبیؐ تو خبر دے دے میرے بندوں کو اس بات کی کہ میں غفور رحیم ہوں بخشنے والا ہوں رحم کرنے والا ہوں اور اس بات کی کہ میرا عذاب دردناک ہے یعنی میری دونوں شانیں ہیں جو متوجہ ہوتے ہیں توبہ کرتے ہیں، استغفار کرتے ہیں نیکی کو اپناتے ہیں میں ان کے لیے غفور رحیم ہوں یہ میری شان ہے اور جو نافرمان ہیں ان کے لیے میرا عذاب بھی دردناک ہے، یہ نہیں کہ صرف میرے پاس رحمت ہے بلکہ عذاب بھی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں شدید العقاب، المنتقم جیسے الفاظ بھی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی دونوں شانیں ہیں اس لیے بندوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق دونوں قسم کے عقیدے رکھیں اور دونوں قسم کا خیال رکھیں امید بھی رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہم پر ہوگی اور ڈرتے بھی رہیں کہ اللہ کا عذاب سر پر نہ آپڑے اس لیے مشہور ہے " الایمان بین الخوف و الرجاء " ایمان کا کمال یہی ہے کہ رجاء اور خوف کے درمیان میں ہو اگر اللہ تعالیٰ سے صرف امید لگالی جائے اور اس کی شان رحیمی ہی آنکھوں کے سامنے ہو تو پھر انسان معاصی پر دلیر ہو جاتا ہے اور اگر ناامیدی کی کیفیت طاری ہو جائے اور ہر وقت اللہ کا عذاب سامنے رہے تو ایسی صورت میں مایوسی بھی انسان کو عملی طور پر بسا اوقات اپاہج بنا دیتی ہے مایوسی میں بھی قوت عملیہ ختم ہو جاتی ہے اس لیے ان دونوں شانوں کو سامنے رکھنا ہی ایمان کا کمال ہے کہ اللہ کی رحمت کی امید بھی رکھو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے بھی رہو۔

اللہ تعالیٰ کی مختلف شانوں کے ظہور کے واقعات:

آگے جو واقعات بیان کیے جا رہے ہیں وہ اسی کی تائید ہے کہ دیکھو! کہ فرشتوں کا ایک گروہ دنیا میں آیا حضرت ابراہیم کے لیے وہ رحمت کا باعث بنا۔ آ کے بیٹے کی بشارت دی پوتے کی بشارت دی جس طرح واقعات کی تفصیل سورہ ہود میں گذر چکی ہے اور وہی فرشتوں کا گروہ قوم لوط کے لیے عذاب کے ظہور کا باعث بنا ایک جگہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شان نمایاں ہوئی اور اسی طرح آگے جو اصحاب الایکہ اور اصحاب الحجر کے واقعات نقل کیے جا رہے ہیں ان میں دونوں قسم کے لوگ تھے جو حضرت شعیب پر ایمان لانے والے تھے، حضرت صالح پر ایمان لانے والے تھے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے غفور رحیم ہونے کی شان نمایاں ہوئی اور جو ان انبیاء کا انکار کرنے والے تھے، تکذیب کرنے والے تھے ان کے لیے عذاب الیم نمایاں ہوا تو اس لیے اللہ کے اوپر اس طرح امید نہ باندھو کہ

جو چاہو کرتے رہو اور سمجھو کہ ہم چھوٹ ہی جائیں گے یہ چیز بھی بدعملی پیدا کرتی ہے اور اس طرح مایوس نہ ہو کہ اللہ کی رحمت کا ذریعہ کوئی نہیں ہے یہ مایوسی بھی انسان کو آخر کار بدعملی میں مبتلا کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کے ظہور کا واقعہ:

'' ونبئهم عن ضيف ابراهيم '' یہ واقعہ آپ کے سامنے سورہ ہود میں تفصیل سے گذر چکا ہے خبر دیجیے ان لوگوں کو ابراہیم کے مہمانوں کی مہمانوں سے وہی فرشتے مراد ہیں اور ان کو مہمانوں کے کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا جا رہا ہے چونکہ حضرت ابراہیم پہلے پہلے ان کو مہمان سمجھتے تھے، جبکہ وہ داخل ہوئے ابراہیم پر '' فقالوا سلاماً '' تو انہوں نے کا کہا ہم سلام کہتے ہیں '' قال انكم منكم وجلون '' حضرت ابراہیم کی طرف سے وہاں جواب منقول تھا کہ انہوں نے بھی سلام کا جواب دیا اور پھر جلدی سے ان کے کھانے کے لیے ایک بچھڑا بھنا ہوا لے کے آئے اور جب ان کے سامنے رکھا اور ان کے ہاتھ ان کی طرف نہیں بڑھے تو پھر حضرت ابراہیم کے دل میں کچھ خوف سا محسوس ہوا کہ یہ کون لوگ ہیں جو ہمارے گھر آئے اور کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے کہیں یہ کوئی ہمارے دشمن نہ ہوں، کہیں یہ نقصان پہنچانے کے لیے نہ آئے ہوں اس لیے ہمارے گھر کا کھانا کھا کے ہمارے احسان کو قبول نہیں کرنا چاہتے، بشر ہونے کی حیثیت سے دل کے اندر اس قسم کے خیالات آ جاتے ہیں جب اس قسم کے خیالات آئے تو پھر حضرت ابراہیم نے ان کے سامنے اظہار کر دیا '' انا منكم وجلون '' ہم تم سے کچھ خوف محسوس کرنے والے ہیں ڈرنے والے ہیں فرشتوں نے کہا ڈرنے کی کوئی بات نہیں ''انا نبشرك بغلام عليم '' اور یہ جو ہیبت طاری ہو رہی تھی اس سے محسوس یہ ہوتا ہے کہ وہ چونکہ عذاب الٰہی کے حامل بھی تھے تو حضرت ابراہیم کا قلب یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ جماعت ایسی ہے کہ جس کے ساتھ کسی قسم کی سختی ہے اور وہ اللہ کی طرف سے چونکہ عذاب کا مظہر بھی بننے والے تھے تو وہی اثر قلب کے اوپر پڑا اس لیے دل نے محسوس کیا تو زبان پر بھی بات آ گئی اور انہوں نے خوف کا ازالہ کر دیا کہ آپ ڈریے نہیں، خوف کرنے کی بات نہیں ہم جو نہیں کھا رہے وجہ یہ ہے کہ ہم انسان نہیں ہیں، اظہار کر دیا کہ ہم فرشتے ہیں بے شک ہم تجھے بشارت دیتے ہیں ایک علم والے بچے کی غلام سے بچہ مراد ہے علم والا اور علم سے یہاں نبوت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس زمانہ میں علم اعلیٰ درجہ کا انبیاء کے پاس تھا اور انبیاء عالم ہوتے تھے تو یہ غلام کے ساتھ جو علیم کا ذکر کر دیا یہ حضرت ابراہیم کے لیے بشارت کا گویا کہ دوسرا جزء ہے کہ بچہ بھی پیدا ہوگا

اور ہوگا بھی بہت علم والا اور نبی اپنی اولاد کے متعلق اس قسم کی بات سن کے ہی خوش ہوسکتا ہے۔

حضرت ابراہیم چونکہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور وہ بیوی جو تھی وہ بھی اولاد کے قابل نہیں تھی اس لیے یقین حاصل کرنے کے لیے حضرت ابراہیم نے اس انداز سے سوال کیا کہ کیا تم مجھے بشارت دیتے ہو بعد اس بات کہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا پھر تم کس چیز کی بشارت دے رہے ہو کیا واقعی ایسے ہوگا؟ یہ استفہام ہے، اس سوال کی نسبت یہاں حضرت ابراہیم کی طرف کی گئی ہے اور سورۃ ہود کے اندر حضرت ابراہیم کی بیوی کی طرف کی گئی تھی جس نے کہا تھا کہ "ھذا بعلی شیخا" یہ میرا شوہر بوڑھا ہے اور میں اولاد کے قابل نہیں تو تم کس چیز کی بشارت دے رہے ہو، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے بھی اس کے اوپر تعجب کا اظہار کیا اور جب حضرت سارہ نے اس بات کو سنا تو انہوں نے بھی اس قسم کے تعجب کا اظہار کیا تو فرشتوں نے اس بات کو پختہ کر دیا کہ ہم جو کچھ کہہ رہے کہ بالکل سچ کہہ رہے ہیں اور اللہ کی جانب سے ایسے ہی ہوگا کہنے لگے "بشرناک بالحق" حق سے یہاں واقعی بات مراد ہے، ہم تجھے ایک حق بات کی خبر دیتے ہیں، واقعی بات کی خبر دیتے ہیں جو کہ ہونے والی ہے "فلاتکن من القانطین" اب مایوس لوگوں میں سے نہ ہوں "قانطین" قنوط سے ہے "لاتقنطو ا من رحمة الله" جیسے قرآن کریم میں دوسری جگہ واضح الفاظ آئے ہیں۔

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ مایوسی کی کوئی بات نہیں ظاہری اسباب کی طرف دیکھ کے یہ پوچھا جا رہا تھا کہ کیا انہی حالات میں اولاد ہوگی یا کوئی نئی شادی کے لیے کہا جائے گا یا مجھے دوبارہ جوان کیا جائے گا آخر اللہ کی طرف سے کسی نتیجہ کے ظاہر ہونے کے لیے کچھ اسباب تو ہوتے ہیں کیا انہی حالات میں اولاد ہوگی یا حالات میں کچھ تغیر تبدل آئے گا اس لیے سوال کیا تھا ورنہ مایوسی کونسی بات ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تو گمراہ ہی مایوس ہوسکتے ہیں علم والے لوگ اور سمجھ دار لوگ اللہ کی رحمت سے مایوس کہاں ہوتے ہیں "قال و من یقنط من رحمة ربه الا الضالون" سوائے گمراہ لوگوں کے اللہ کی رحمت سے کون مایوس ہوتا ہے؟ معلوم ہوگیا کہ اللہ کی رحمت سے مایوسی گمراہی ہے اور مایوس ہونا گمراہی کا ایک شعبہ ہے تو جو ہدایت یافتہ لوگ ہوتے ہیں وہ آخر وقت تک اللہ کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں لیکن ظاہری اسباب کو دیکھ کے دل چھوڑ جاتا کہ اللہ کی رحمت سے تو مایوسی نہیں لیکن ظاہری اسباب ایسے ہیں جس میں مایوسی ہے اس قسم کی مایوسی طاری ہوسکتی ہے جس طرح "اذا استیئس الرسل" کے اندر

آیا تھا کہ جب رسولوں کے اوپر مایوسی طاری ہوگئی تو وہاں یاس کی نسبت رسولوں کی طرف ظاہری اسباب کی طرف دیکھتے ہوئے کی گئی تھی ورنہ اللہ کی رحمت اور اللہ کی قدرت کی طرف دیکھتے ہوئے مایوسی کی کوئی بات نہیں ہوتی۔

جب یہ بشارت مکمل ہوگئی تو حضرت ابراہیم نے یہ محسوس کیا کہ صرف بشارت دینے کے لیے اتنا بڑا گروہ نہیں آیا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اور کام بھی ذمہ لگا ہوا ہے اور وہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے جلال کا مظہر بننے والے تھے اس لیے ممکن ہے کہ جیسے میں نے پہلے عرض کیا کہ ان کی حالت دیکھ کہ حضرت ابراہیم کی حالت پر کچھ اثر پڑا ہو کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے جلال کی شان بھی ہے اس لیے پوچھ لیا" قال فما خطبکم ایھاالمر سلون " معلوم ہوگیا کہ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ان کے بھیجے جانے کا مقصد صرف بشارت دینا نہیں ہے کوئی بڑا واقعہ درپیش ہے ورنہ بشارت تو ایک فرشتہ بھی آ کے دے سکتا تھا تمہیں کیا واقعہ درپیش ہے اے مرسلون'' قالوا انا ارسلنا الی قوم مجرمین' وہ کہنے لگے کہ ہم مجرم لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں، قوم لوط کا جرم اتنا نمایاں تھا کہ قوم مجرم کہنے سے خود ہی معلوم ہوگیا کہ اس سے قوم لوط مراد ہے تو گویا کہ ان کا جرم بہت نمایاں ہو چکا تھا اور ان کے جرم کے اندر صرف وہی بات نہیں تھ جو آپس میں بدمعاشی کرتے تھے نر نر کے ساتھ قضاء شہوت کرتا تھا بلکہ ڈاکہ زنی اور لوٹ، مار، بہت سی فواحش کا ارتکاب کرتے تھے تو صرف یہی ایک عادت نہیں تھی کہ جس کی وجہ سے ان کو برباد کیا گیا، یہ تو اخلاقی لحاظ سے سب سے گری ہوئی بات ہے اس کے علاوہ ظلم اور لوٹ مار، حلال وحرام کا امتیاز نہ کرنا جیسی بہت ساری برائیاں ان کے اندر موجود تھیں۔

"الا آل لوط "لوط کے علاوہ۔ یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ قوم مجرمین کے اندر یہ شامل نہیں ہیں، آل لوط کے علاوہ، آل کا لفظ عام ہوگیا اولاد کو بھی شامل ہے اور اگر کوئی شخص ان میں ایسا ہو کہ جو حضرت لوط پر ایمان لایا تھا تو یہ آل کا لفظ اس کو بھی شامل ہے حضرت لوط کے متعلقین کو چھوڑ کر مجرم لوگوں کی طرف ہم بھیجے گئے ہیں' انا لمنجو ھم اجمعین " بے شک ہم ان سب کو نجات دینے والے ہیں، ان کو ہم بچالیں گے یعنی عذاب آنے والا ہے اور حضرت لوط کے متعلقین کو بچالیا جائے گا " الا امرأته" یہ آل لوط سے مستثنیٰ ہوگیا آل لوط کو ہم بچانے والے ہیں سوائے اس کی بیوی کے، بیوی کو بچانے والے نہیں " قدر نا " ہم نے اندازہ کرلیا ہے " انھا لمن الغابرین" وہ بھی پیچھے رہنے والوں میں سے ہے یعنی حضرت لوط کے باقی متعلقین اس علاقہ کو چھوڑ کے آجائیں گے، باہر نجات پاجائیں گے لیکن یہ بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔

اب آگے حضرت لوط کا واقعہ جو نقل کیا جا رہا ہے اس واقعہ کی ترتیب کچھ بدلی ہوئی ہے ان کے معذب ہونے کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے اور پھر واقعہ کے اجزاء کو بعد میں ذکر کیے گئے ہیں کیونکہ قرآن کریم کا مقصد تو کسی تاریخی واقعہ کو ذکر کرنا نہیں ہوتا اس میں تو عبرت کے پہلو اجاگر کرنے ہوتے ہیں اس لیے موقع محل کے مطابق کبھی نتیجہ پہلے ذکر کر دیا تفصیل بعد میں ذکر کر دی اور کبھی ان کے حالات پہلے ذکر کر کے ان کا انجام بعد میں ذکر کر دیا دونوں طرح سے ہوتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ عذاب کے ظہور کا پہلا واقعہ:

" فلما جاء آل لوط المرسلون " یہ واقعہ پہلے سورہ ہود اور سورہ اعراف میں ذکر ہو چکا ہے جب آگئے لوط کے گھر والوں کے پاس بھیجے ہوئے، المرسلون وہی فرشتے مراد ہیں "فما خطبکم ایھا المرسلون" کے اندر جن کا ذکر آیا تھا، یہ مرسلون جب لوط کے خاندان کے پاس گئے، ان کے اہل وعیال کے پاس آ گئے "قال انکم قوم منکرون" تو لوط نے بھی کہا کہ تم تو کوئی اجنبی لوگ ہو، "قالوا بل جئناك بما كانوا فيه يمترون " دیکھو! نتیجہ کی بات یہاں پہلے کہہ دی کہ وہ کہنے لگے ہم انسان نہیں ہیں جس طرح ظاہری طور پر آپ ہمیں سمجھ رہے ہیں بلکہ ہم تو آپ کے پاس ایسی چیز لے کے آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کر رہے تھے اور ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ ان بری حرکتوں کے اوپر عذاب بھی آسکتا ہے، اس میں یہ متردد تھے ہم تو وہی چیز لے کے آئے ہیں " واتیناك بالحق "اور ہم آپ کے پاس اس حق کو لے کے آئے ہیں امر واقعی کو لے کے آئے ہیں واقعی ایسا ہونے والا ہے " وانا لصادقون " اور بے شک ہم البتہ سچے ہیں۔

" فاسر باهلك بقطع من الليل" رات کو لے کے چل اپنے گھر والوں کو اور ان کے پیچھے پیچھے چلنا یعنی اپنے متعلقین کو آگے لگا لینا اور خود ان کے پیچھے چلنا جس طرح جہاں کوئی خطرہ کا مقام ہو کہ کوئی بھیڑ بکری گم نہ ہو جائے تو چرواہا بھیڑ بکریوں کو آگے لگا لیتا ہے اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے، کہیں کوئی سستی نہ کر لے، کہیں کوئی پیچھے نہ رہ جائے اس لیے اپنے متعلقین کو چلا کے خود ان کے پیچھے رہنا تاکہ کوئی کوتاہی نہ کرے اور ایسا نہ ہو کہ آپ آگے نکل جائیں اور وہ پیچھے بیٹھا رہ جائے کہ دیکھیں قوم کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ اس لیے ان کو آگے لگا کے آپ خود ان کے پیچھے چلنا " ولا یلتفت منکم احد " اور تم میں سے کوئی بھی مڑ کے نہ دیکھے، یہ کنایہ ہوتا کہ جلدی چلو" وا

مضوا حیث تؤمرون" اور چلو وہیں جہاں تمہیں حکم دیا گیا، جدھر جانے کے لیے تمہیں کہا ہے پس ادھر ہی جانا، "وقضینا الیہ" الیہ کی ضمیر حضرت لوط کی طرف لوٹ رہی ہے قضاء کا معنی فیصلہ کرنا اور جب الی کا لفظ آ گیا تو اس میں اطلاع والا معنی مضمر ہو گیا، ہم نے فیصلہ کر کے لوط کو اطلاع دے دی اس بات کی "ان دابر ھو ءلا ء مقطو ع مصبحین" کہ ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی اس حال میں کہ یہ صبح میں داخل ہونے والے ہوں گے یعنی طلوع فجر کے بعد صبح کے وقت ان پر عذاب آ جائے گا۔

اب یہ تھے واقعے کے آخری اجزاء لیکن ان کو پہلے ذکر کر دیا اور جو واقعہ کا پہلا حصہ تھا اس کو بعد میں ذکر کیا جا رہا ہے اور سورۃ ہود میں ترتیب اس طرح تھی جس طرح کہ واقعہ پیش آیا کہ لوط کے گھر یہ مہمان بن کے گئے، شہر والوں کو پتہ چلا تو آ کے مطالبہ کرنے لگ گئے کہ یہ لوگ ہمارے سپرد کر دو، حضرت لوط نے ان کو بچانے کے لیے ہر جتن کیا لیکن جب وہ نہیں مانے اور حضرت لوط انتہائی پریشان ہوئے تو تب انہوں نے اظہار کیا تھا کہ ہم فرشتے ہیں وہاں جو ذکر کیا گیا تھا واقعہ کے مطابق تھا اور یہاں کسی حکمت کے تحت برعکس ذکر کر دیا گیا تا کہ ان کے معذب ہونے کا ذکر پہلے آ جائے اور واقعہ کے کچھ اجزاء بعد میں ذکر کیے جا رہے ہیں کیونکہ قرآن کریم کا مقصد تو صرف وعظ اور نصیحت کو اجاگر کرنا ہے تاریخی واقعہ کو تاریخی انداز سے بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔

"و جاء اھل المدینة یستبشر و ن" آ گئے شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے، خوش ہو گئے آج تو بہت ہی خوبصورت لڑکے آ گئے ہیں آج تو خوب مزے سے گذرے گی تو اس طرح خوش ہوتے ہوئے وہ بھاگتے ہوئے آ گئے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فسق و فجور میں وہ لوگ کتنے آگے گذر گئے تھے کہ کسی شریف آدمی کے پاس اس قسم کا تذکرہ کرنے سے بھی وہ لوگ شرماتے نہیں تھے اور ان میں کوئی آدمی ایسا نہیں تھا جو ان کو ملامت کرتا ان کو سمجھاتا کہ دیکھو اس طرح نہ کرو، ساری کی ساری قوم اس درجے میں بگڑی ہوئی تھی حضرت لوط نے کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں دیکھو! مجھے ان کے سامنے رسوا نہ کرو، مہمانوں کی نظر میں مجھے بے عزت نہ کرو کہ یہ لوگ کہیں گے ہم اس کو شریف آدمی سمجھ کے اس کے گھر آئے تھے اور یہ ہمیں ظالموں کے سپرد کر رہا ہے، مہمانوں کی نظر میں مجھے ذلیل نہ کرو، اللہ سے ڈرو اور عام لوگوں کی نظر میں بھی مجھے رسوا نہ کرو کیونکہ پھر یہ لوگ بھی مجھے ملامت کریں گے کہ یہ کیسا آدمی ہے کہ جو اپنے مہمانوں کی حفاظت بھی نہیں کر سکتا اس لیے تم مجھے رسوا نہ کرو وہ مہمان بھی برا جانیں گے مہمانوں

کی نظر میں بھی میں رسوا ہو جاؤں گا اور عام لوگوں کی نظر میں بھی میری کیا عزت رہے گی اس لیے تم مجھے رسوانہ کرو یہ میرے مہمان ہیں ان سے صرف نظر کر جاؤ انہیں کچھ نہ کہو"قالوا" وہ کہنے لگے"اولم ننھک عن العالمین" اس سے معلوم ہوتا کہ پہلے بھی کبھی ایسا کوئی واقعہ پیش آجاتا ہوگا کوئی مسافرل جاتا ہوگا تو حضرت لوط اس کو ان کے ظلم وستم سے بچانے کے لیے اپنے گھر میں ٹھہرا لیتے ہوں گے اور وہ روکتے ہوں گے آنے والوں کو تحفظ نہ دیا کرو کیونکہ وہ لوٹتے تھے اور اپنی شہوات پوری کرتے تھے، حضرت لوط اس کے تحفظ میں آجاتے تھے تو ان کی کارروائی میں رکاوٹ پڑتی تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی اس سلسلہ میں حضرت لوط کے ساتھ ان کی مزاحمت جاری رہتی ہوگی کہ کوئی مسافر آئے اس کو ہمارے سپرد کیا کرو آپ اس کو ٹھکانہ نہ دیا کرو۔ کہتے ہیں ہم نے تجھے روکا نہیں تھا جہانوں سے کیا تو نے جہانوں کا ٹھیکہ لے رکھا ہے کہ جو باہر سے آئے وہ تیرے گھر آکے ٹھہر جائے، ہم نے تجھے پہلے روکا ہے کہ کوئی باہر سے آئے اس کو ٹھکانہ نہ دیا کر اس لیے یہ ہمارے سپرد کردے، ہم ان کو تیرے پاس نہیں رہنے دیں گے۔

"قال ھوءلاء بناتی" جب وہ کسی طرح نہ سمجھے تو آخر حضرت لوط کے منہ سے یہ لفظ نکلے، اس کے دونوں مطلب آپ کی خدمت میں پہلے ذکر کر دیے گئے تھے، یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم کرنے والے ہو"ھوءلاء بناتی" یا تو قوم کی بیٹیوں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ بڑا آدمی جو ہوتا ہے اور قوم کی بیٹیاں اس کی بھی بیٹیاں ہی ہوتی ہیں مطلب یہ ہے کہ تمہارے گھروں کے اندر تمہارے بیویاں میری بیٹیاں ہی ہیں یعنی اس قسم کی اگر شہوت پوری کرنی ہے تو اپنے گھروں میں جاؤ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے لیے انہی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے تو تمہیں ان کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، یہ خلاف فطرت حرکت کیوں کرتے ہو؟ ھوءلاء کا اشارہ انہی کی طرف ہے جو ان کے گھروں میں آباد تھیں اور اگر اپنی ہی بیٹیاں مراد ہوں تو پھر یہ انتہائی عجز کا لفظ ہے اس میں پیشکش نہیں ہوا کرتی بلکہ اگر کسی کے دل میں ذرہ برابر بھی احساس ہو، غیرت اور شرم حیاء ہو تو اس قسم کی بات سن کے انسان کی آنکھ نیچی ہو جاتی ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ دیکھو! حضرت لوط کو اپنے مہمانوں کا کتنا خیال ہے کہ ان کے لیے اپنی بیٹیوں کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں، دینا مقصود نہیں ہوتا، یہ لفظ دوسرے کی غیرت کو جھنجھوڑنے کے لیے ہوتے ہیں۔

" لعمرك انھم لفی سکرتھم یعمھون "عَمر عُمر کے معنی میں ہے، یہ خطاب سرور کائنات ﷺ کو ہے تیری جان کی قسم وہ تو اپنی مستی میں بھٹکتے پھرتے تھے، وہ لوط کی باتوں سے کہاں متاثر ہو سکتے تھے ان کے اوپر تو اس

طرح مستی اور شہوت چڑھی ہوئی تھی کہ ان کی عقل ہی ماردگئی تھی جیسے پہلے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ایک ہوتا ہے عمی یعمیٰ جس سے اعمیٰ بنتا ہے وہ ہے آنکھوں کا اندھا عمہ دل کے اندھے کو کہتے ہیں یہاں مطلب یہی ہے کہ ان کو اس طرح نشہ چڑھا ہوا تھا، اس طرح کی شہوت کی مستی چڑھی ہوئی تھی کہ ان کی عقل ہی ماردی گئی تھی ان کی سوچنے کی صلاحیت ہی ختم ہوگئی تھی۔

"فاخذ تهم الصيحة مشرقين" پس پکڑلیا ان کو ایک چیخ نے، جیسے بادل کڑکتا ہے ممکن ہے کوئی آندھی چلی ہو کوئی طوفان آیا ہو جس میں پتھر برسے زلزلہ آیا جس میں بستیاں الٹ گئیں کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے تو ٹھیک ہے جیسے سرور کائنات ﷺ کی بعض روایات میں ذکر کیا گیا کہ حضرت جبرائیل نے آکے ان کی بستیوں کو اٹھایا اور اٹھاکے پھینک دیا تو وہ حقیقت ہے اللہ تعالیٰ جتنے کام لیتے ہیں فرشتوں سے لیتے ہیں لیکن اس کے آثار اسی قسم کے نمایاں ہوا کرتے ہیں کہ آندھی آگئی زلزلہ آگیا دیکھنے والے سمجھیں گے کہ زلزلہ آیا اور اس سے تباہی ہوگئی اتنی زور سے آندھی چلی کے اس نے زور سے پتھر برسائے ظاہری اسباب کے طور پر بات اس طرح بھی نمایاں ہوا کرتی ہے اور اسرائیل کے علاقہ میں جو بحر لوط ہے جس کو بحر میت بھی کہتے ہیں اس قوم کا یہی علاقہ ہے اب وہاں بہت ہی زہریلے قسم کے پانی کی جھیل ہے جس میں کوئی جاندار چیز زندہ نہیں رہتی اس لیے اس کو بحر میت کہتے ہیں پکڑلیا ان کو صیحہ نے چنگھاڑنے، چیخ نے، درد نے، کڑک نے اس حال میں کہ سورج نکلنے کے وقت وہ داخل ہونے والے تھے گویا کہ طلوع فجر سے عذاب شروع ہوا اور سورج نکلنے تک ختم ہوگیا اور اسی گھنٹے یا ڈیڑھ گھنٹے کے اندر ان کو نیست ونابود کردیا گیا۔

" فجعلنا عاليها" ہم نے ان بستیوں کے اوپر والے حصے کو نچلا کردیا جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو تہہ و بالا کردیا چھتیں گرگئیں اور دیواریں گرگئیں اوپر والا حصہ نیچے آگیا، نیچے والا حصہ اوپر آگیا'' وامطرنا عليهم حجارة من سجيل'' اور ان کے اوپر ہم نے پتھر برسائے "ان في ذالك لأيات للمتوسمين" متوسمین تو سم سے لیا گیا ہے اور تو سم کا معنی ہوتا ہے علامت دیکھ کر کسی چیز کو معلوم کرلینا یہ سمجھدار انسان کا کام ہوتا ہے کہ آثار دیکھ کے کسی بات کو سمجھ جائے تو متوسمین کا معنی ہے صاحب فراست لوگ، سمجھدار لوگ جو ظاہری حالت دیکھ کر حقیقت کو معلوم کرلیا کرتے ہیں۔

جو علامات دیکھ کے کسی چیز کو پہچان لیتے ہیں ان لوگوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اور یہ بیشک

بستیاں آباد سڑک پر ہیں جن کے اوپر آمد و رفت ہے چنانچہ اہل مکہ جب شام کی طرف جاتے تھے تو ان بستیوں کے پاس سے گذر کے جاتے تھے اور ان کو معلوم تھا کہ یہ تباہ شدہ علاقہ ہے بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں مؤمنین کے لیے۔

اللہ تعالیٰ کے شان عذاب کے ظہور کا دوسرا واقعہ:

" و ان کان اصحاب الایکۃ لظالمین " یہ حضرت شعیب کی قوم ہے جن کو اصحاب مدین کہا جاتا ہے اور اصحاب الایکہ بھی کہا جاتا ہے ایکہ اصل کے اعتبار سے جنگل کو کہتے ہیں جس میں درخت بہت زیادہ کھڑے ہوتے ہیں تو جنگل والے بھی البتہ ظالم تھے، اس سے قوم شعیب مراد ہے ان کی طرف حضرت شعیب آئے تھے "فانتقمنا منھم " پھر ہم نے ان سے بھی انتقام لیا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب الیم کا ایک مظہر ہے، ہم نے ان سے بھی انتقام لیا اس کی تفصیل بھی آپ کے سامنے سورہ ہود اور سورۃ اعراف میں گذر گئی ہے "وانھما" اور یہ دونوں ہی بستیاں یعنی قوم لوط کی اور قوم شعیب کی واضح سڑک پر ہیں واضح راستہ پر ہیں جہاں سے لوگوں کے قافلے گذرتے ہیں یہ دونوں ہی سڑک پر آباد ہیں یہ وہی شاہراہ ہے جو مکہ معظمہ سے شام کی طرف جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے شان عذاب کے ظہور کا تیسرا واقعہ:

" و لقد کذب اصحاب الحجر المرسلین "اصحاب حجر سے مراد ہے جس کی طرف حضرت صالح تشریف لائے تھے اس کی تفصیل بھی سورہ ہود میں آچکی ہے حجر وادی کا نام ہے جس کے اندر یہ لوگ آباد تھے حجر والوں نے مرسلین کو جھٹلایا۔ آئے ان کے پاس اللہ کے رسول حضرت صالح تھے اور حضرت صالح چونکہ بات وہ کرتے تھے جو سارے رسول کہہ رہے ہیں تو جب اس رسول کی تکذیب کر دی تو سب کی تکذیب ہوگئی اس لئے کہا البتہ تحقیق جھٹلایا حجر والوں نے مرسلین کو "وآتینا ھم آیاتنا " اور ہم نے ان کو واضح نشانیاں دی تھیں جن میں سے زیادہ واضح نشانی ناقۃ اللہ تھی جس کا ذکر سورہ ہود میں آیا تھا" فکانو اعنھا معرضین " یہ ان نشانیوں سے اعراض کرنے والے تھے " و کانوا ینحتون من الجبال بیوتاً آمنین " اور وہ تراشا کرتے تھے پہاڑوں سے گھروں کو بے خوف ہو کر یعنی بڑی امن کی زندگی انہوں نے اختیار کر رکھی تھی پہاڑ تراش تراش کے وہ گھر بناتے تھے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان عمارتوں میں کبھی بھی عذاب آسکتا ہے اور یہ ہمارے محلات اور مضبوط عمارتیں یہی

ہمارا قبرستان بن سکتی ہیں کبھی وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے "فاخذتھم الصیحۃ مصبحین" پس ان کو بھی اس طرح ایک چیخ نے، چنگھاڑ نے، کڑک نے پکڑ لیا یعنی اس طرح ان کے اوپر بھی کوئی عذاب آیا جس طرح بادل آتے ہیں، کڑکتے ہیں اور وہی بادل عذاب کی صورت اختیار کر گئے، جب زور سے آندھی آتی ہے تو اس میں بھی ایک چیخ اور چنگھاڑ ہوتی ہے، پس پکڑ لیا ان کو ایک چیخ نے اس حال میں کہ وہ صبح کے وقت میں داخل ہونے والے تھے "فما اغنی عنھم ما کانوا یکسبون" جو کچھ وہ کرتے تھے وہ ان کے کچھ کام نہ آیا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے:

"وما خلقنا السمٰوٰت والارض و ما بینھما الا بالحق" نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے مگر مصلحت کے ساتھ حق کے ساتھ، یہ باطل نہیں، محض کوئی کھیل تماشہ نہیں کہ پیدا کیا، دل بہلایا، اور ختم کر دیا جس طرح بچے کھیلتے ہیں تو مٹی کے گھر بناتے ہیں اور جب کھیل ختم کرتے ہیں تو سب کچھ ختم کر کے کہتے ہیں کہ ہتھاں نال بنایا سی تے پیراں نال ڈھایا سی (ہاتھوں سے بنایا تھا اور پاؤں سے گرا دیا) یہ کھیل تماشہ نہیں کہ جس کا نتیجہ کچھ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت سی مصلحت رکھی ہے، جب یہ دنیا آباد کی ہے اور اس میں خصوصیت کے ساتھ انسانوں کو آزاد چھوڑا تو اس کا نتیجہ یقیناً نکلے گا اور اللہ تعالیٰ محاسبہ کرے گا اسی محاسبہ کی طرف اشارہ ہے "وان الساعۃ لاٰتیۃ" بے شک قیامت البتہ آنے والی ہے "فاصفح الصفح الجمیل" آپ ان سے اچھی طرح سے درگذر کر جایئے یعنی یہ اگر آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کی بات نہیں مانتے اور آپ کے کہنے کے مطابق اللہ کی عبادت نہیں کرتے ہیں شرک سے باز نہیں آتے تو آپ درگذر کر جائیں" ان ربک ھو الخلاق العلیم " بے شک تیرا رب پیدا کرنے والا ہے اور علم والا ہے پیدا بھی وہی کرتا ہے اور سب کچھ جانتا بھی ہے جیسے سورہ ملک کے اندر آئے گا" الایعلم من خلق " کیا وہ جانتا نہیں ہے جس نے پیدا کیا ہے جو کسی چیز کا بنانے والا ہوتا ہے وہ اس کے جزء جزء سے واقف ہوتا ہے تو جب ساری کائنات کو بنایا اللہ نے، پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا تو اس کے علم سے کونسی چیز باہر جا سکتی ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے لھذا اپنے علم کے مطابق اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کرے گا۔

سب سے قیمتی نعمت قرآن کریم کا ملنا ہے:

" ولقد آتیناك سبعا من المثانی و القرآن العظیم "البتہ تحقیق دیں ہم نے تجھے سات آیات جو بار بار دہرائی جاتی ہیں اور قرآن عظیم اور صحیح روایات کے مطابق اس کا مصداق سورۃ الفاتحہ ہے اور قرآن عظیم کا جو اس کے اوپر عطف ڈالا جا رہا ہے تو گویا کہ یا تو یوں کہہ لیجیے کہ دو باتوں کا ذکر آ گیا کہ سورہ فاتحہ بھی دی اور قرآن عظیم بھی دیا سورہ فاتحہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ آ گیا اور سورہ فاتحہ کو ہی اگر قرآن کریم کا مصداق بنایا جائے تو یہ بھی اپنی جگہ واقعہ ہے کیونکہ یہ سارے قرآن کریم کا خلاصہ ہے یعنی ہم نے تجھے ایک ایسی عظیم نعمت دے دی ہے تو آپ اس نعمت کی طرف متوجہ رہیں اور اس نعمت کے ساتھ آپ اپنا دل بہلائیں اور اگر مشرکین کی طرف سے اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے درگذر کر جائیں۔

" لا تمدن عینیك الی ما متعنا به " جس چیز کے ساتھ ہم نے فائدہ پہنچایا" ازواجا منھم " ان میں سے مختلف قسم کے کافروں کو آپ اپنی آنکھیں ادھر اٹھائیں بھی نہ، نہ پھیلا تو اپنی آنکھیں اس چیز کی طرف جس کے ذریعہ سے ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو فائدہ پہنچایا اور نہ ان پر غم کر اور اپنے بازو کو پست کر مؤمنین کے لیے یہ کافروں کے مختلف قسم کے گروہ ان کو ہم نے جس چیز سے بھی فائدہ پہنچایا کسی کو ہم نے بکریوں کے ریوڑ دیے اور کسی کو اونٹوں کے ریوڑ دیے کسی کی تجارت خوب چل رہی ہے کسی کے محلات بہت اچھے ہیں کسی کے پاس خدام بہت ہیں کسی کے پاس سونے کے ڈھیر ہیں اور کسی کے پاس چاندی ہے گھر کا سامان وافر مقدار میں ہے سواریاں عجیب وغریب قسم کی ہیں آج کی اصطلاح میں کاریں ہیں موٹریں ہیں اور کوٹھیاں ہیں ہر قسم کا سامان عیش بھی ہے وہ متعنا به کے اندر آ گیا، جو بھی ہم نے ان مختلف قسم کے لوگوں کو دیا ہے آپ ان کی طرف آنکھ بھی نہ اٹھائیں، آنکھ اٹھانے کا یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ حرص ولالچ کے ساتھ آنکھ نہ اٹھائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیظ کے طور پر بھی آنکھ نہ اٹھائیں کہ ان کافروں کے پاس اللہ کی یہ نعمتیں کیوں ہیں؟ غصہ آئے کہ ان کو ان چیزوں سے محروم ہونا چاہیے اس طرح بھی آپ ان کی طرف آنکھ نہ اٹھائیں یا یوں نہ سوچیں کہ دیکھو! ان کے پاس کتنی اللہ کی نعمتیں ہیں اور یہ پھر بھی کس طرح اللہ کی نافرمانیاں کر رہے ہیں آپ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ نعمتیں جو بظاہر ان کے لیے ہیں اور جن کے ذریعہ سے ان کو فائدہ پہنچایا گیا ہے یہ

حقیقت کے اعتبار سے ان کے لیے عذاب کا سامان ہے اور تمہیں جو قرآن عظیم دیا گیا، سبعا من المثانی دے دی گئی یہ ہے حقیقت کے اعتبار سے دولت جو آپ کو مل گئی کافروں کے پاس اس کے مقابلہ میں جو کچھ بھی ہو وہ اس کے مقابلہ میں آنکھ اٹھا کے دیکھنے کے قابل بھی نہیں ہے، اگر کوئی شخص ایمان سے محروم ہے اور نیکی سے محروم ہے اور دنیا کا پورا پورا کا سامان اس کو دے دیا گیا ہے اور ایک شخص کو اللہ نے ایمان دے دیا اور اپنی کتاب اس کو دے دی تو ایمان اور کتاب کے مل جانے کے بعد دنیا کی کوئی چیز اس قسم کی نہیں کہ جس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا جائے کہ یہ نعمت ہمارے پاس نہیں ہے، ہمارے پاس ہونی چاہیے کسی چیز میں اس قسم کی قدر نہیں ہے جیسے حضرت عبداللہ بن عمر وابن العاص کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب دے دی، کتاب دینے کا مطلب یہی ہے کہ اس کو یاد کرنے کی توفیق دے دی ایمان نصیب فرمادیا، اس کے مطابق عمل کی توفیق دے دی اور پھر وہ دنیا کی نعمت کو دیکھ کے للچاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ میرے پاس کیوں نہیں؟ میرے پاس ہونی چاہیے تو اس نے قرآن کریم کی بے قدری کی ہے (دیکھئے تفسیر مظہری) قرآن کریم اتنی عظیم نعمت ہے کہ اگر اس کو حاصل کر لینے کے بعد انسان کسی اور چیز کی طرف جھانکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کی قدر نہیں کی، سورہ یونس میں آپ کے سامنے لفظ گذرے تھے "هو خير مما يجمعون" جو کچھ لوگ اکٹھا کرتے ہیں یہ اس کے مقابلہ میں بہتر ہے اس لیے آپ اپنی اس دولت پہ مست رہیے کافروں کو ان کے حال پہ چھوڑ دو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو، یہ سامان جو ان کو دیا گیا ہے یہ ان کے لیے عذاب کا ذریعہ ہے، یہ ان کے لیے نعمت نہیں ہے۔

کافروں کو چھوڑ دو،" و اخفض جناحك للمؤ منين " مؤمن جو آپ کے پاس ہیں چاہے وہ مسکین ہیں دنیا کے مال و دولت سے محروم ہیں، ان کے پاس کوئی چیز نہیں لیکن قرآن کریم کی نعمت جیسے آپ کو ملی اور ایمان ان کو نصیب ہوا تو آپ کی محبت، شفقت توجہ جو کچھ ہے سب مؤمنین پر ہونی چاہیے، ان کے لیے اپنے بازو پست کیجیے، پست کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح جانور پر پھیلا کے اپنے بچوں کو اپنے دامن میں لے لیتا ہے اس طرح مؤمنین کے ساتھ آپ کا معاملہ یہ ہونا چاہیے۔

" و قل انی انا النذ یر المبین " اور کافروں کو اتنا کہہ دیجیے کہ میں تو نذیر مبین ہوں کھول کھول کے تمہارے سامنے اس بات کو بیان کرنے والا ہوں ان کے سامنے اس حقیقت کو نمایاں کر دیجیے۔

علم ومعرفت کے مقابلہ میں حماقت اور بادشاہت کی کوئی اہمیت نہیں:

حضرت تھانوی نے اپنے وعظ کے اندر ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک اللہ والا عارف کسی شہر میں گیا جو دارالخلافہ تھا تو جا کے دیکھتا ہے کہ دن کے وقت اس کی فصیل کے دروازے بند ہیں وہ دیکھتا ہے کہ باہر کوئی دشمن بھی نہیں، حملہ بھی نہیں ہو رہا ہے پھر دروازے کیوں بند ہیں؟ بعد میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ بادشاہ کا باز اڑ گیا تھا تو بادشاہ نے حکم دے دیا کہ فصیل کے دروازے بند کر دو تا کہ وہ کہیں باہر نہ نکل جائے، باز اڑ گیا تھا اور فصیل کے دروازے بند کروا دیے تو وہ اللہ والا اللہ کی طرف متوجہ ہو کے ایک ناز کی کیفیت میں کہتا ہے کہ عجیب بات ہے عقل مند کو بادشاہی دے دی ہے کہ جس کو یہ پتہ نہیں کہ اگر باز اڑ جائے تو اس نے دروازوں سے نکلنا ہے اور ایک ہم ہیں کہ باوجود علم و معرفت کے جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً القاء کیا گیا کہ کیا تجھے یہ پسند ہے اس کی حماقت اور اس کی بادشاہت دے دی جائے اور تیرا علم و معرفت اسے دے دیا جائے کیا اس تبادلہ پر راضی ہو؟ فوراً اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائے اور توبہ کی کہ یا اللہ بالکل نہیں، علم و معرفت کے مقابلہ میں یہ حماقت اور بادشاہت کیا چیز ہے یعنی بادشاہت کے ساتھ اگر عقل چلی گئی تو جس طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی کو سرمایہ دے دے شرافت رخصت کر دے دین رخصت ہو جائے دیانت رخصت ہو جائے تو اس نے پیسے لے کے باقی سب چیزیں دے دیں ہم تو کہتے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی تجارت خسارہ والی ہو ہی نہیں سکتی کہ پیسے تو آج ختم ہو جائیں گے کل ختم ہو جائیں گے یہ تو پاس رہنے والی چیزیں نہیں ہیں اور دیانت اور امانت شرافت ان کی تو ہر جگہ ضرورت ہے ایک عارضی چیز کو لے کے اس قسم کی قیمتی چیز کو ضائع کر دینا یہ کوئی عقل مندی نہیں ہے بہت بڑے نقصان کی تجارت ہے۔

اس لیے اگر کسی کو دیکھو کہ سرمایہ دار ہے کار میں سفر کر رہا ہے کوٹھی میں رہتا ہے خادم اس کے آگے پیچھے ہیں لیکن بدمعاش ہے عیاش ہے شرابی ہے زانی ہے زکوٰۃ نہیں دیتا نماز نہیں پڑھتا اس کو دیکھ کے تو اس پر ترس آنا چاہیے کہ یہ کتنی بڑی غلطی میں ہے، یہ سمجھتا ہے کہ میری زندگی کامیاب جا رہی ہے میں بہت ہی کامیاب زندگی گزار رہا ہوں حالانکہ یہ انتہائی خسارہ کی طرف جا رہا ہے کہ عارضی راحت کو لے کے دائمی عذاب کے اندر مبتلا ہو رہا ہے اس لیے حدیث میں آتا ہے کہ کسی فاجر آدمی کے پاس نعمت دیکھ کے اس پر غبطہ نہ کیا کرو کہ ہائے کاش ہم بھی ایسے ہوتے تمہیں کیا پتہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے لیے کونسا قاتل متعین ہے جو کبھی مرے گا نہیں (تفسیر مظہری)

جس سے مراد جہنم کی آگ ہے تو نیکی کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے جو ملتی ہے، قرآن کریم کی دولت کا نصیب ہو جانا بہت بڑی سعادت ہے جو انسان کو نصیب ہوتی ہے اس کے مقابلہ میں دنیا کا سامان آنکھ اٹھا کے دیکھنے کے قابل نہیں ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ اس بازار میں اس کی قیمت آپ کو معلوم نہیں اور اس کا بازار کھلے گا مرنے کے بعد اس وقت پتہ چلے گا کہ کتنی بڑی دولت ہے۔

کافروں کو دھمکی:

کافروں کو کہہ دو کہ میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں میری کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے "کما انزلنا علی المقتسمین" ہم ان کے اوپر عذاب اتاریں گے جس طرح ہم نے ان لوگوں پر عذاب اتارا تھا جنہوں نے حصے کر لیے تھے جس کی تفصیل ہے "الذین جعلوا القرآن عضین" جنہوں نے قرآن کریم کے مختلف حصے کر لیے تھے قرآن سے یہاں توراۃ وانجیل مراد ہے اور حصے کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ "یؤمنون ببعض الکتاب ویکفرون ببعض" بعض پر وہ ایمان لاتے تھے اور بعض کا انکار کرتے تھے، کسی حکم کو مانتے تھے اور کسی کو چھپاتے تھے جنہوں نے اپنے قرآن کریم کے حصے کر لیے تھے جیسے ہم نے مختلف اوقات میں ہم نے ان کے اوپر عذاب بھیجا ہے اس طرح ہم ان کے اوپر بھی عذاب بھیجیں گے گویا کہ نذیر مبین کے اندر یہ مضمون آ گیا کہ تم ان کو اس بات سے ڈراؤ کہ ہم تم پر عذاب بھیجیں گے جس طرح ہم نے عذاب بھیجا تھا ان لوگوں پر جو کہ بانٹنے والے ہیں جنہوں نے اپنے قرآن کریم کے مختلف حصے بنا لیا، "فو ربك لنسئلنهم اجمعین" تیرے رب کی قسم البتہ ہم ضرور پوچھیں گے ان سب سے ان کاموں کے متعلق جو یہ کرتے ہیں یعنی یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو کرتے رہیں مرنے کے بعد ہمیں پوچھنے والا کوئی نہیں، تیرے رب کی قسم! ہم ضرور پوچھیں گے، یہ ہم سے چھوٹ کے نہیں جا سکتے جس طرح کہا کرتے ہیں آخر پانی انہی پلوں کے نیچے سے گذرنا ہے، جانا کدھر ہے، ہمارے پاس یہ آئیں گے تو ہم ان سے ایک ایک بات پوچھیں گے تم نے یہ کیا کیا اور کیوں کیا؟

حضور ﷺ کو ہدایات:

"فاصدع بما تؤمر" کھول کھول کے بیان کیجیے ان باتوں کو جن کے متعلق آپ کو حکم دیا جا رہا ہے "واعرض عن المشرکین" اور مشرکین سے اعراض کر جائیے "انا کفیناك المستهزئین" پھر وہی استہزاء کی

بات آگئی کہ آج آپ کا مذاق اڑاتے ہیں ان کا فکر نہ کیجیے ہم تیرے لئے کافی ہو جائیں گے ان مذاق کرنے والوں کی طرف سے " الذین یجعلون مع اللہ الٰہ آخر " مستھزئین کون لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ الٰہ آخر بناتے ہیں "فسوف یعلمون" ان کو عنقریب پتہ چل جائے گا " و لقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون " اب یہ ایک طبعی بات ہے، چاہے آپ سمجھتے ہیں کہ ہم صحیح ہیں، چاہے آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں بہت دے رکھا ہے، اللہ نے بڑی نعمت دے رکھی ہے دین دے دیا علم دین دے دیا قرآن کریم دے دیا لیکن پھر بھی جب کوئی مذاق اڑاتا ہے تو دل میں ایک تنگی آتی ہے یہ ایک انسانی خاصیت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے دل پر بھی گرانی آتی تھی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیں پتہ ہے کہ تیرا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں اس کا علاج یہ ہے " فسبح بحمد ربک و کن من الساجدین " پس آپ اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ رہا کریں، اللہ کی تسبیح بیان کیجیے اس کی حمد کے ساتھ، پس اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ رہو" و کن من الساجدین " اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ نماز پڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ پس اپنی نماز کی طرف متوجہ ہو گئے، اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو گئے تو یہ چیزیں دلی اطمینان کا باعث ہیں جہاں بھی کسی کافر نے مذاق اڑایا، دل میں کوئی تکلیف ہوئی اللہ کا نام لیا اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو گئے نماز پڑھنے لگ گئے ان کا دھیان چھوڑ دیا " و اعبد ربک "اور اپنے رب کی عبادت کرتا رہ" حتی یأتیک الیقین " یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے یعنی وفات تک اپنے رب کی عبادت کرتا رہ، کافروں کی باتوں سے تنگ دل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

"سبحانک اللھم وبحمدک اشھدان لاالٰہ الاانت استغفرک واتوب الیک "

اٰیاتھا ۱۲۸ ۱۶ سُوْرَۃُ النَّحْلِ مَکِّیَّۃٌ ۷۰ رکوعاتھا ۱۶

سورۃ النحل مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو اٹھائیس آیات اور سولہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ ؕ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝۱

آ گیا اللہ کا حکم پس تم اس میں جلدی نہ کرو وہ پاک ہے اور بلند ہے ان چیزوں سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں ۝۱

یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖۤ

وہ اتارتا ہے فرشتوں کو وحی یعنی اپنے حکم کے ساتھ جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے

اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

کہ تم ڈراؤ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم مجھ ہی سے ڈرو ۝۲ پیدا کیا اس نے آسمانوں کو

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ

اور زمین کو ٹھیک ٹھیک وہ بلند ہے ان شرکاء سے جو وہ تجویز کرتے ہیں ۝۳ پیدا کیا اس نے انسان کو

نُّطْفَۃٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ۝۴ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَھَا ۚ لَکُمْ

نطفہ سے پس وہ اچانک واضح طور پر جھگڑا کرنے والا ہو گیا ۝۴ اور اس نے چوپاؤں کو پیدا کیا تمہارے لیے

فِیْھَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْھَا تَاْکُلُوْنَ ۝۵ وَلَکُمْ فِیْھَا جَمَالٌ حِیْنَ

ان میں سردی سے بچنے کا سامان ہے اور دیگر فوائد ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو ۝۵ اور تمہارے لیے ان میں رونق ہے

تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَکُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ

جب تم شام کو لاتے ہو اور صبح کو چھوڑتے ہو ۝۶ اور وہ اٹھاتے ہیں تمہارے بوجھوں کو ایسے شہروں کی طرف

تَکُوْنُوْا بٰلِغِیْہِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝۷ۙ

جہاں تم نہیں پہنچ سکتے مگر جانوں کی مشقت کے ساتھ، بے شک تمہارا رب مہربان رحم کرنے والا ہے ۝۷

وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ؕ وَ يَخْلُقُ مَا

اور (پیدا کیے اُس نے) گھوڑے، خچر اور گدھے تا کہ تم ان پر سواری کرو اور بطور زینت کے، اور وہ اللہ ان چیزوں

لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ

کو پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے ⑧ اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے اور ان میں سے بعض اس سے ہٹے ہوئے ہیں،

لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۞ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ

اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا ⑨ اللہ وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تمہارے لیے

شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۞ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ

اس میں پینے کا پانی ہے اور اس کے ذریعہ سے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں تم چراتے ہو ⑩ اگاتا ہے وہ تمہارے لیے اس

وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ

کے ذریعہ سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے پھل بے شک

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۞ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۙ

اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں ⑪ اور اس نے مسخر کیا تمہارے لیے رات کو اور دن کو

وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور سورج کو اور چاند کو اور ستارے مسخر ہیں اس کے حکم سے بے شک اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۞ وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا

البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو سمجھ رکھتے ہیں ⑫ اور جو چیزیں پھیلادیں تمہارے لیے زمین میں جن کے رنگ مختلف ہیں

اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۞ وَ هُوَ الَّذِيْ

بے شک اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں ⑬ اور اللہ وہی ہے

سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً

جس نے مسخر کیا سمندر کو تا کہ تم کھاؤ اس میں سے تازہ گوشت اور نکالا اس سے زیور

تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ

جو تم پہنتے ہو اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو وہ اس میں پھاڑنے والی ہیں تاکہ تم تلاش کرو اس کا فضل

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ

اور تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۱۴﴾ اور اس نے ڈال دیے زمین میں پہاڑ تاکہ وہ حرکت نہ کرے تمہارے ساتھ

وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ

اور بنائیں نہریں اور راستے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو ﴿۱۵﴾ اور نشانیاں بنائیں اور ستاروں کے ذریعے

يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾

وہ راستہ معلوم کرتے ہیں ﴿۱۶﴾ کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس کی طرح ہوگا جو پیدا نہیں کرتا، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿۱۷﴾

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾

اور اگر تم شمار کرنے لگو اللہ کی نعمتوں کو تو شمار نہیں کرسکتے بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ﴿۱۸﴾

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ

اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو ﴿۱۹﴾ اور جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں

دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـــًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ

اللہ کے علاوہ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے اور وہ پیدا کیے جاتے ہیں ﴿۲۰﴾ بے جان ہیں،

اَحْيَاۗءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾

زندہ نہیں ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے ﴿۲۱﴾

تفسیر

مضامین سورۃ:

مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی رد شرک اور اثبات توحید ہے اس سورۃ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے زیادہ تر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور نعمتوں کے ذکر کرکے اپنا محسن ہونا بھی واضح کیا اور اپنی ذات کا بے مثل اور بے مثال

ہونا بھی واضح کیا گویا کہ بصورتِ امتنان اثبات توحید ہے اور شرک اللہ تبارک وتعالیٰ کی انتہائی درجہ کی ناشکری ہے جس کے اوپر جگہ بجگہ انکار آئے گا۔

ماقبل سے ربط:

پچھلی سورۃ میں آیا تھا انا کفیناك المستهزئين الذين يجعلون مع الله اله آخر فسوف يعلمون، یہ اس سورۃ کا اختتامی مضمون ہے اگلی آیت تسلی کیلئے ہے کہ استہزاء کرنے والوں سے نمٹنے کیلئے ہم کافی ہیں اور مستہزئین کون لوگ تھے؟ یہ مشرک تھے جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے، ان کو بھی الٰہ قرار دیتے تھے، استہزاء کس بات کا کرتے تھے؟ آپ کے سامنے وضاحت آئی تھی کہ ان کے استہزاء کا تعلق زیادہ تر وعید سے تھا کہ جب ان کے سامنے ان کے طور طریقہ کی مذمت کرتے ہوئے یہ بات کہی جاتی کہ اگر تم باز نہیں آؤ گے تو عذاب آئے گا اور یہ طریقہ جو ہم پیش کر رہے ہیں یہ اللہ کی رحمت حاصل کرنے کا طریقہ ہے تو وہ مذاق اڑاتے تھے کہ پاؤں میں جوتی نہیں، بدن پہ کپڑا نہیں اور بات کرتے ہیں اللہ کے ہاں مقبول ہونے کی، ہم جو کھاتے پیتے ہیں، ہمیں ہر قسم کی عیش وعشرت حاصل ہے ہمیں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے مبغوض لوگ ہیں کیا کوئی اپنے دشمنوں کو بھی کھلایا پلایا کرتا ہے؟ کیا کوئی اپنے دشمنوں کو بھی عیش وعشرت کرایا کرتا ہے؟ یہ تو علامت ہے کہ ہم مقبول ہیں تو اپنے اسی مال ودولت کو سامنے رکھتے ہوئے اور اسی خوشحالی کو سامنے رکھتے ہوئے ان مساکین کا مذاق اڑاتے تھے اور نبی کی زبان سے جب اس قسم کی باتیں سنتے تو ان کا بھی مذاق اڑاتے، وہاں بھی یہ دھمکی دی گئی تھی فسوف یعلمون ان کو عنقریب پتہ چل جائے گا، استہزاء کا نتیجہ ان کے سامنے آجائے گا۔

اب اس سورۃ کی ابتداء میں ہی وعید ہے اور فلا تستعجلوہ کے اندر انہی کو خطاب ہے جو اللہ کے عذاب کی خبر سن کے مذاق اڑاتے ہیں۔

مشرکین کو دھمکی:

انہیں کہا جا رہا ہے اتیٰ امر اللہ، اتی ماضی کا صیغہ ہے اللہ کا امر آگیا، اللہ کا حکم آگیا، فلا تستعجلوہ پس تم اس کو جلدی طلب نہ کرو، منکرانہ طور پر اس میں جلدی نہ مچاؤ، آپ پڑھتے رہتے ہیں کہ بسا اوقات آنے والی چیز کو ماضی کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے تحقق وقوع کے طور پر یعنی یقینی طور پر اللہ کا حکم واقع ہونے والا ہے، یوں سمجھو کہ

آ ہی گیا ہے، سر پہ موجود ہے، سر پر لٹکا ہوا ہے اور تم اس کی منکرانہ طور پر جلدی نہ مچاؤ۔

اور اگر تمہیں یہ خیال ہو کہ ہم نے جو شرکاء بنا رکھے ہیں، شفعاء بنا رکھے ہیں اگر اللہ کی طرف سے کوئی عذاب آئے گا تو یہ ہمیں بچالیں گے، دنیا میں ہماری حفاظت کریں گے اور اگر بالفرض آخرت ہوئی تو وہاں بھی ہمارے کام آئیں گے، یہ شفعاء، یہ شرکاء یہ تمہارے اوہام ہیں، یہ وہم پرستی ہے ان کا کوئی وجود نہیں ہے اس لیے اللہ کا حکم جب واقع ہوگا تو ان میں سے کوئی کام نہیں آئے گا، اللہ کے ساتھ تو کوئی شریک ہے ہی نہیں کہ جو اپنے پوجنے والوں کو اللہ کے عذاب سے بچا سکے سبحانه وتعلى عما یشر کون میں ان کی اسی وہم پرستی کی تردید ہے، سبحانہ اللہ پاک ہے وتعلى عما یشر کون اور بلند و بالا ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں یا ان کے شریک ٹھہرانے سے وہ بلند و بالا ہے، اس کا ترجمہ دو طرح سے ہوتا ہے ما کو موصولہ بنالو یا مصدریہ بنالو دونوں طرح سے ٹھیک ہے، جب کوئی اللہ کا شریک ہی نہیں ہے اور یہ عیب اللہ کی ذات پر نہیں لگتا، اللہ کی ذات اس عیب سے پاک ہے تو تم کن پہ اعتماد کر کے اس قسم کی حرکتیں کر رہے ہو؟ تمہیں ڈرنا چاہیے اللہ کا عذاب آنے ہی والا ہے تحقق وقوع کے طور پر اس کو ماضی سے تعبیر کر دیا۔

اثباتِ توحید نقلی دلیل کے ساتھ:

ینزل الملائکۃ بالروح من امرہ: سبحانہٗ وتعلى عما یشر کون میں تو رد شرک تھا اب آگے اثبات توحید ہے، نقلی دلیل کے ساتھ توحید کو ثابت کیا جا رہا ہے کہ اتارتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں کو۔ اس کا خصوصی مصداق تو حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام جس وقت وحی لاتے تھے تو ان کے ساتھ اور محافظین اور معاونین بھی ہوتے تھے اس لیے اس کو جمع کے ساتھ تعبیر کر دیا ورنہ وحی حضرت جبرائیل علیہ السلام لاتے تھے، اتارتا ہے فرشتوں کو روح کے ساتھ روح سے وحی مراد ہے۔ من امرہٖ، بیان القرآن میں من کو بیانیہ بنایا گیا ہے، اتارتا ہے فرشتوں کو روح کے ساتھ یعنی اپنے حکم کے ساتھ یا اپنا حکم کر کے وحی کے ساتھ فرشتوں کو اتارتا ہے علی من یشاء من عبادہٖ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، ہر کسی پر فرشتے نہیں اترا کرتے، جس کو چاہتا ہے اللہ نبی بناتا ہے، جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور اس کی طرف اپنا حکم دے کے فرشتوں کو بھیج دیتا ہے اور اس حکم کا حاصل یہ ہے ان انذروا انہ لا الٰہ الا انا فاتقونہ انذروا انذار سے ہے، انذار ڈرانے کے معنی میں ہوتا ہے اور ڈرانے کا مفہوم ہوتا ہے

ایسی خبر، ایسا اعلان کہ جس میں آنے والے خطرہ سے آگاہ کیا گیا ہو تو یہاں انذروا اَعۡلِمُوۡا کے معنی میں ہے کہ ان لوگوں کو خبردار کر دو، ان لوگوں کو اطلاع دے دو ایسی اطلاع کہ جس کے ضمن میں خطرہ کی نشاندہی ہے لا الٰہ الا انا فاتقون کہ کوئی معبود نہیں سوائے میرے پس تم مجھ سے ہی ڈرو۔

عقیدہ توحید تمام انبیاء کا متفق علیہ عقیدہ ہے:

جن بندوں کو اللہ نے اپنی وحی کے لیے چنا، جن کے اوپر فرشتے آتے ہیں ان سب کو حکم یہی دیا کہ لوگوں کو خبردار کر دو کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں اور تم مجھ سے ہی ڈرو، معلوم ہو گیا کہ یہ متفق علیہ عقیدہ ہے اور اللہ کی طرف سے جو نبی آیا اس نے آ کے پہلا اعلان اللہ کی طرف سے یہی کیا لا الٰہ الا انا فاتقون کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں پس تم اسی سے ہی ڈرو۔

مختلف علاقوں میں آنے والے، مختلف زبانیں بولنے والے اور کثیر تعداد میں جن کے متعلق ایک حدیث شریف میں ذکر کیا گیا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ یہ خبر واحد ہے جس میں کمی بیشی کا امکان ہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش جو اللہ کے علم میں ہیں نبی آئے مختلف علاقوں میں آئے، مختلف قوموں میں آئے، مختلف زبان بولنے والے آئے وہ سارے ایک ہی بات کہتے ہیں لا الٰہ الا اللّٰہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں آپ جانتے ہیں کہ یہ بھی ایک تواتر کی خبر ہے جو موجب یقین ہوا کرتی ہے اتنی موجب یقین ہوتی ہے جیسے کہ آنکھوں سے دیکھ لیا، اب اتنے زیادہ لوگ، اتنی زبانوں میں، اتنے علاقوں میں، مختلف اوقات میں یہ خبر دے رہے ہیں تو اس سے زیادہ ٹھوس دلیل تمہارے لیے کیا ہونی چاہیے، عقیدہ توحید انبیاء کا متفق علیہ عقیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی پر وحی اتارتا ہے تو اس میں یہ حکم ہوتا ہے کہ یہ اطلاع دے دو، خبردار کر دو، توحید کے بارے میں یہ تو نقلی دلیل ہے اور آگے قدرت کا اظہار بھی ہے اور احسانات بھی ہیں گویا کہ احسان کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور توحید کی تلقین فرماتے ہیں کہ یہ سارے کے سارے احسان میری طرف سے ہیں اس لئے کہ تا کہ میرا شکر ادا کرو اور میری عبادت کرو، یہ مضمون بارہا آپ کی خدمت میں عرض کر دیا گیا ہے۔

آسمانوں اور زمین کی تخلیق:

خلق السمٰوٰت والارض بالحق : پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ، ٹھیک ٹھیک،

مصلحت کے ساتھ، یہ کوئی عبث اور فضول نہیں ہیں، لایعنی کام نہیں کہ جس کا کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں بلکہ مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور وہ مصلحت یہی ہے کہ انسانوں کو آباد کر کے ان کو امتحان میں ڈال دیا گیا، احکام دیے گئے اور آخر اس کا شاندار نتیجہ نکلے گا، اللہ نے یہ کوئی بے سود یا عبث کام نہیں کیا، تعلی عما یشرکون وہ بلند ہے اس چیز سے جس کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں یا ان کے شریک ٹھہرانے سے اس کی شان بہت اونچی ہے، اس کے ساتھ کوئی دوسرا بالکل بھی شریک نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

انسانوں کی تخلیق:

خلق الانسان من نطفة فاذا هو خصيم مبين : پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نطفہ سے، نَطَفَ ٹپکانا، نطفہ ایک دفعہ ٹپکائی ہوئی مقدار جیسے لَقَمَ نگلنا لقمہ ایک مرتبہ نگلنے کی مقدار، شرب پینا، شُرْبَة ایک مرتبہ پینے کی مقدار جس کو آپ گھونٹ کہتے ہیں تو یہ فُعْلَةٌ کا وزن مقدار کیلئے آتا ہے تو نطفہ کا معنی ایک مرتبہ ٹپکانے کی مقدار، ایک دفعہ جو چیز ٹپکتی ہے اس کو نطفہ کہتے ہیں، پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک ٹپکائی ہوئی بوند سے فاذا هو خصيم مبين پس اچانک وہ کھلم کھلا جھگڑنے والا ہو گیا، علی الاعلان جھگڑا کرتا ہے، انسان جھگڑا کیا کرتا ہے؟ اپنی ابتداء کو بھول گیا اور اس کو یہ نہیں معلوم کہ ہماری بنیاد کس طرح اٹھی اور اسے کیسے بنایا گیا، گندے پانی کی ایک بوند سے اس کو بنایا اور آج یہ کتنا زبان دراز ہے کہ جھگڑنے بھی لگ گیا، اس جھگڑے کا ذکر سورۃ یٰسین میں ہے اولم یرا الانسان انا خلقنٰه من نطفة فاذا هو خصيم مبين وضرب لنا مثلاً ونسى خلقهٗ ہمارے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اپنے پیدا کیے جانے کو بھول گیا ہے، کیا مثالیں بیان کرتا ہے؟ کہتا ہے من يحيى العظام وهى رميم یہ ہڈیاں جب بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ یہ ہمارے سامنے اس قسم کے مضمون بیان کرتا ہے اور اپنے پیدا کیے جانے کو بھول گیا، اگر اس کو یہ یاد رہتا کہ پانی کے ایک قطرہ سے تو میری بنیاد اٹھائی گئی اور کس طرح مجھے بنایا گیا تو اگر ابتداءِ خلق کو یہ ذہن میں رکھتا تو دوبارہ پیدا کیے جانے پر اس کو تعجب نہ ہوتا اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہاں جواب یہی ارشاد فرمایا قل يحييها الذى انشأها اوّل مرة جب یہ کہتا ہے من يحيى العظام کون ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرے گا وهى رميم اس حال میں کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی قل يحييها الذى انشأها اوّل مرة وهو بكل خلق عليم اس کو یہ جواب دے دو کہ وہی پیدا کرے گا جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور وہ ہر قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے

تو یہ ہے انسان جو جھگڑا کرتا ہے اپنی خلقت کو بھول کر ورنہ اگر اپنی ابتداء کو یاد رکھے اور اس وقت کو دیکھے کہ ہماری تعمیر کس طرح ہوئی تو دوبارہ زندہ کیے جانے میں کوئی اشکال باقی رہتا ہے؟

چوپایوں کی تخلیق اور ان کے فوائد:

والانعام خلقها انعام نعم کی جمع ہے بمعنی چوپایہ، اور چوپائے پیدا کیا اللہ نے ان کو، ھا ضمیر انعام کی طرف لوٹ گئی اور انعام علی شریطۃ التفسیر منصوب ہے، لکم فیھا دفء ومنافع تمہارے لئے اس میں گرمی حاصل کرنے کا سامان ہے اور بہت سے فوائد ہیں۔ ومنها تاکلون اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو، دفء کا معنی ہے گرمی حاصل کرنے کا سامان، آپ کو معلوم ہی ہے کہ پرانے زمانہ میں عرب کی معیشت کا دارومدار زیادہ تر حیوانات پر ہی تھا، بکریاں رکھتے تھے، بھیڑیں پالتے تھے، اونٹ پالتے تھے، گھوڑے، گدھے، خچر یہ سب کچھ گھروں میں ہوتا تھا، اونٹوں کے بالوں کے ساتھ کپڑے بناتے، خیمے بناتے، کمبل بناتے اور بھیڑوں اور دنبوں کی اُون کے ساتھ بھی اسی طرح گرم کپڑے تیار ہوتے اور اسی طرح چمڑا مع بالوں کے بطور پوستین کے استعمال کرتے، پہننے کے کپڑے، سردی سے بچنے کا سامان انہی حیوانات سے میسر آتا تو دفء کے اندر اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ ان حیوانات میں تمہارے لیے گرمی حاصل کرنے کا سامان ہے اگر یہ چیزیں تمہیں میسر نہ ہوتیں تو تم سردی سے ویسے ہی مر جاتے یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ جانور پیدا کیے اور وہاں سے تمہیں گرمی حاصل کرنے کا سامان مہیا کیا اور منافع کے اندر تعمیم کر دی کہ تمہارے لیے اس میں بہت منافع ہیں، ان جانوروں کا دودھ استعمال کرتے ہو، ان کا مکھن نکال کے کھاتے ہو اور کتنی قسم کی چیزیں ہیں جو ان حیوانات سے انسان حاصل کرتا ہے اور دودھ سے آگے کتنی کتنی چیزیں بنا لیتے ہو، یہ سب فوائد ہیں اور خصوصیت کے ساتھ اکل کا ذکر بھی کر دیا کہ بعض حیوانات تم کھاتے بھی ہو۔

حیوانات شان و شوکت کا باعث ہیں:

ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون: جمال کا معنی خوبصورتی جس کو شان و شوکت کہتے ہیں، ان حیوانات میں خوبصورتی ہے، شان و شوکت ہے، ان جانوروں کی وجہ سے تمہاری شان و شوکت نمایاں ہوتی ہے حین تریحون وحین تسرحون، تریحون یہ اراحہ سے ہے اور اس کا معنی ہے شام کو جانوروں کو چرا کے واپس لانا، مراح اس باڑہ کو کہتے ہیں جہاں جانوروں کو رات کے وقت ٹھہرایا جاتا ہے اور تسرحون، سرح کا

معنی ہے چرنے کیلئے چھوڑنا، مسرح چراگاہ کو کہتے ہیں جس وقت کہ تم ان کو چرنے کے لئے چھوڑتے ہو، شام کو جب واپس لاتے ہو اور جب چرنے کیلئے چھوڑتے ہو تو تمہارے لئے ان جانوروں میں جمال ہے زیب وزینت ہے، شان وشوکت ہے، اس کا تعلق بھی اس دور کے ساتھ بہت نمایاں ہے اُس زمانہ میں بڑا آدمی اسے ہی سمجھا جاتا تھا کہ جس کے پاس جانوروں کے ریوڑ چھوڑے جاتے ہیں تو بکریاں ہی بکریاں نظر آتی ہیں، بھیڑیں ہی بھیڑیں نظر آتی ہیں، اونٹ ہی اونٹ نظر آتے ہیں کہ یہ بہت بڑا آدمی ہے کہ دیکھو اس کے پاس کتنے جانور ہیں، تو جب ان کو چرنے کیلئے چھوڑا جاتا ہے تو جانور بھاگتے ہیں، دوڑتے ہیں، مختلف قسم کی آوازیں نکالتے ہیں تو ایک قسم کی شان بن جاتی ہے اور جب شام کو چر کے واپس آتے ہیں تو اس وقت بھی یہی حال ہوتا ہے، اس وقت عرب کا سرمایہ ہی جانور ہوتے تھے تو یہ تمہارے لیے شان وشوکت کا ذریعہ بنتے ہیں، اس سے تمہاری ٹھاٹھ باٹ نمایاں ہوتی ہے جب تم ان کو چرنے کیلئے چھوڑتے ہو اور جب شام کو واپس لاتے ہو۔

تخلیق حیوانات کا ایک اور فائدہ:

وتحمل اثقالکم اور یہ جانور اٹھا کے لے جاتے ہیں تمہارے بوجھ الیٰ بلد ایسے شہر کی طرف لم تکونوا بالغیه نہیں تھے تم اس شہر تک پہنچنے والے الا بشق الانفس مگر جانوں کی مشقت کے ساتھ یہ نہیں کہا کہ تمہارے بوجھوں کو اٹھا کے ایسے شہر کی طرف لے جاتے ہیں کہ جن شہروں تک تم بوجھ پہنچانے والے نہیں تھے، بلکہ کہا کہ تم خود پہنچنے والے نہیں تھے، بوجھ اٹھا کے لے جانا تو اپنی جگہ رہا، تم خود ان شہروں کو پہنچنے والے نہیں ہو مگر جانوں کی مشقت کے ساتھ تو بوجھ کیسے اٹھا کے لے جاؤ گے، یہ تمہارے سامانوں کو اٹھا کے لے جاتے ہیں آج جس طرح مال گاڑی یا ٹرک کی حیثیت ہے اس دور میں یہ حیثیت اونٹ کی تھی یعنی ایک ملک سے دوسرے ملک، ایک شہر سے دوسرے شہر جتنا سامان منتقل ہوتا تھا سب اونٹوں پر ہی ہوتا تھا جیسے آج بھی ریگستانوں میں ایسے ہی ہے وہاں ساری بار برداری انہی اونٹوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ کس طرح ان جانوروں کو ہمارے لیے مسخر کر دیا، کس طرح ہم ان کی پشتوں پر بوجھ لادتے ہیں، کس طرح یہ اٹھا کے چلتے ہیں؟ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے ان ربکم لرؤف رحیم بے شک تمہارا رب البتہ شفقت کرنے والا ہے رحم کرنے والا ہے، یہ اس کی شفقت اور رحمت کا تقاضہ ہے کہ تمہارے لیے اس قسم کی آسائش کے سامان پیدا کر دے۔

گھوڑے، خچر اور گدھوں کی تخلیق اور مقصد تخلیق:

والخیل والبغال والحمیر لتر کبوھا وزینة: اور پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کو، خچروں کو اور گدھوں کو تا کہ تم ان کے اوپر سواری کرو اور پیدا کیا ان کو زینت کیلئے، یہ بھی تمہارے لیے زیب و زینت اور ٹھاٹھ باٹ کا ذریعہ ہیں، ان کے ساتھ بھی اس دور میں بہت زیادہ زینت اور جمال نمایاں ہوتا تھا، یہ تینوں جانور سواری کے کام آتے ہیں گھوڑا بھی، خچر بھی اور گدھا بھی، عرب کے اندر زیادہ تر سواری کے لیے گدھا ہی استعمال ہوتا تھا، اونٹ بار برداری کیلئے استعمال ہوتے تھے اور گھوڑے زیادہ تر جنگ کے موقع پر کام آتے تھے، عام چھوٹے موٹے سفروں میں گھوڑوں کی سواری کم ہوتی تھی، گدھوں کی سواری زیادہ ہوتی تھی اور اسی طرح خچر بھی استعمال کرتے تھے یہ بھی بہت بوجھ اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سواری کیلئے پیدا کیا ہے، زیب و زینت کیلئے پیدا کیا ہے کہ تمہارے لئے زیب و زینت کا ذریعہ بھی ہیں، باقی ان کو انعام سے علیحدہ کر دیا، انعام کا لفظ اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری کے لئے بولا جاتا ہے اور بھینس اس وقت وہاں تھی ہی نہیں، اور آج بھی عرب میں بھینس نہیں ہے، بھینس اس علاقہ کا جانور نہیں اس لئے صراحت کے ساتھ انعام کا مصداق گائے ہے۔ گائے، اونٹ، بھیڑ، بکری یہ چیزیں وہاں تھیں، ان کو لوگ کھاتے بھی تھے اور ان سے دوسرے کام بھی لیتے تھے اور یہ خیل، بغال، حمیر یہ زیادہ کھانے کے کام نہیں آتے تھے اگر چہ اس وقت لوگ ان کو کھاتے بھی تھے، گدھے کو بھی کھاتے تھے، گھوڑے کو بھی کھاتے تھے۔ خچر کو بھی کھاتے تھے لیکن ان سے زیادہ تر کام سواری کا لیتے تھے اور بار برداری کا لیتے تھے۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر سرور کائنات ﷺ نے گدھوں کی ممانعت کر دی کہ حمر انسیہ یعنی وہ گدھے جو گھروں میں رکھے جاتے ہیں (اس سے حمارِ وحشی سے احتراز کر لیا کیونکہ جنگلی گدھا حلال ہے) گھریلو گدھوں کی حرمت کا اعلان فرمایا خیبر میں اور خچر بھی اسی کے حکم میں ہے ہاں البتہ گھوڑا مختلف فیہ ہے بعض ائمہ کے نزدیک حلال ہے اور ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ اس قسم کی روایت بھی موجود ہے نھیٰ عن لحوم الخیل (ابن ماجہ ۱/۲۳۰) کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں کے گوشت سے منع فرمایا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھایا جاتا ہے اور اس کی ممانعت نہیں ہے اس لیے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، ہمارے بھی صاحبین کے نزدیک حلال ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے دوسرے ائمہ اس کو حلال کہتے ہیں اور خچر و گدھا جمہور کے نزدیک حرام ہے، ان کی حرمت کا اعلان

سرورِ کائنات ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر فرمایا تھا اس لیے یہاں ان کے کھانے کا ذکر نہیں، اُس وقت بھی یہ کھانے میں کم استعمال ہوتے تھے، ان کے گوشت کو زیادہ اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا اور اللہ کے علم میں تھا کہ آئندہ ان کے کھانے کی ویسے ہی حرمت ہونے والی ہے اس لیے یہاں ان کے کھانے والے فائدہ کا ذکر نہیں کیا صرف رکوب کا ذکر کیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص گدھے کے اوپر سواری کو مناسب نہ سمجھے تو گویا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس حکمت کے منافی ہے کہ اللہ نے تو پیدا ہی سواری کیلئے کیا ہے تو پھر اس کو اپنے لئے باعث ذلت یا باعث مذمت سمجھنا یہ کوئی اچھا جذبہ نہیں ہے، سرورِ کائنات ﷺ کے بارے میں بہت جگہ روایات میں آتا ہے کہ آپ گدھے پر سوار ہو جایا کرتے تھے اسی لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں یہ ذکر آیا ہے یرکب الحمار (مشکوۃ ۲/۵۱۹) کہ حضور ﷺ گدھے پر سواری کرلیا کرتے تھے اس کے اوپر لکھا ہے کہ بعض لوگ گدھے کے اوپر سواری کرنے کو برا جانتے ہیں جیسا کہ ہندوستان کے جاہل (ہندوستان سے متحدہ ہندوستان مراد ہے کیونکہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں متحدہ ہندوستان ہی تھا پاکستان تو بہت بعد میں بنا ہے) جیسا کہ ہندوستان کے جاہل گدھے کی سواری کو برا جانتے ہیں فھو اخس من الحمار اور وہ خود گدھے سے زیادہ کمینے ہیں، (مرقاۃ مذکورہ حدیث کے تحت) گدھے سے زیادہ کمینے ہیں، جو گدھے کے اوپر سواری کو عار سمجھتے ہیں۔

قیامت تک آنے والی سواریوں کی تخلیق کی پیش گوئی:

ویخلق مالا تعلمون: یخلق مضارع کا صیغہ ہے مستقبل کے معنی میں، اب دیکھو! یہاں کیسا اشارہ فرمایا یخلق مالا تعلمون اور یہاں ذکر ہے سواریوں کا، پیدا کرے گا اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو جن کو تم جانتے بھی نہیں ہو یعنی آئندہ انسان کی ضرورت کے تحت ایسی ایسی سواریاں بھی پیدا کرے گا جو ابھی تمہارے علم میں بھی نہیں ہیں، یہ ایک اجمالی لفظ ہے جس میں قیامت تک آنے والی ساری سواریاں شامل ہیں جس میں یہ کاریں بھی آ گئیں، بسیں بھی آ گئیں، ٹرک بھی آ گئے، ریل گاڑیاں بھی آ گئیں، ہوائی جہاز بھی آ گئے، ہیلی کاپٹر بھی آ گئے، پتہ نہیں آ گے کیا کچھ بننا ہے، جو کچھ بھی بننا ہے جو موجودہ لوگوں کے علم میں نہیں اس کے اندر سب کچھ آ گیا۔

اور اگر ما کو عام لے لیا جائے، اس کو صرف رکوب کے ساتھ نہ لگایا جائے تو اتنی طویل فہرست ہو جائے گی کہ جو چیزیں کھانے پینے کی، پہننے کی، استعمال کرنے کی جو چیزیں بھی اس وقت موجود نہیں تھیں جب قرآن کریم اتر

رہا تھا اور بعد میں وہ چیزیں موجود ہوئیں جیسے آج ہمارے استعمال میں ایسی بے شمار چیزیں ہیں جو صحابہ کرام کے زمانہ میں موجود نہیں تھیں وہ سب مالا تعلمون کا مصداق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے پیش گوئی کی کہ آسائش کا سامان، راحت کا سامان جو لوگوں کے کام آئے گا اس قسم کی چیزیں اللہ پیدا فرمائیں گے جن کو تم اس وقت جانتے بھی نہیں ہو۔

مخلوق کی ایجادات پر خلق کا لفظ نہیں بولا جا سکتا:

باقی ان چیزوں کو پیدا اللہ کرتا ہے، تمہارے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ یہ لوگ ان چیزوں کو بناتے ہیں، مستری بناتے ہیں، سائنس دان بناتے ہیں، اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں پیدا کرتا ہوں اور میں پیدا کرتا رہوں گا حالانکہ یہ چیزیں تو انسان بناتا ہے، انسان کے بنانے کو پیدا کرنا نہیں کہتے، پیدا کرنا تو یہ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ مادہ پیدا کیا جو پہلے موجود نہیں تھا اور انسان کا کام ہے کہ ان موجود چیزوں میں جوڑ توڑ کرتا ہے، جوڑ توڑ کر کے ایک نئی چیز بنالیتا ہے جس طرح لکڑی اللہ نے پیدا کر دی اور کسی درکھان نے چیر کے تخت کی شکل دے دی اب اس تخت کا خالق اس درکھان کو نہیں کہیں گے ورنہ یہ بھی تو پہلے موجود نہیں تھا لیکن لکڑی اللہ نے پیدا کی، جس لوہے کے ساتھ اس نے تراشا وہ لوہا اللہ نے پیدا کیا اور ان چیزوں کو آپس میں جوڑ توڑ کر کے یہ صورت بنالی گئی، کوئی چیز موجود نہ ہو اور براہِ راست اس کو پیدا کیا جائے یہ صرف اللہ کی شان ہے اور ہم جو کچھ کرتے ہیں یا سائنسدان جو کچھ بناتے ہیں ان کو ایجاد کہتے ہیں اور اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اللہ کی چیزوں میں جوڑ توڑ کر کے ایک نئی چیز بنالی، گندم موجود ہے اس کو پیس کے آٹا بنالیا اور آٹے کو گوندھ کے روٹی کی شکل بنالی تو آپ اپنی اماں کو اس روٹی کا خالق نہیں کہیں گے کہ یہ پہلے موجود نہیں تھی ہماری اماں نے اس کو پیدا کر دیا ورنہ ایک سائنسدان اگر ہوائی جہاز بناتا ہے اور ایک عورت روٹی پکاتی ہے تو اس میں فرق تو کوئی نہ ہوا کہ وہ بھی پہلے موجود نہیں تھا اس نے بنالیا اور یہ بھی پہلے موجود نہیں تھی اس نے بنالی لیکن اس کے لئے خلق کا لفظ نہیں بولا جاتا، یہ صنعت ہے، ایجاد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل اور صلاحیتوں کے ذریعہ سے آپس میں جوڑ توڑ کر دیا، پانی موجود ہے، آگ موجود ہے، پانی کو آگ کے اوپر رکھا بھاپ پیدا ہوگئی اس میں ایک قوت ہے جس کو آگے استعمال کر لیا ورنہ اللہ اگر آگ پیدا نہ کرتا، پانی پیدا نہ کرتا، لکڑی لوہا پیدا نہ کرتا یا تمہیں اس قسم کی عقل، فہم اور سمجھ نہ دیتا تو پھر یہ چیزیں کس طرح وجود میں آسکتی تھیں تو خالق ہر چیز کا اللہ ہے، یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں یہ صنعت اور ایجاد کہلاتی ہے اس کو خلق

سے تعبیر نہیں کیا جاتا اس لئے جتنی سواریاں ہیں یا جو کچھ بھی ہے سب اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔

دونوں راستوں کی نشاندہی:

وعلی اللّٰہ قصد السبیل ومنھا جائر: یہ ایک معنوی انعام ذکر کیا، قصد السبیل میں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے سبیلِ قصد متوسط راستہ، سیدھا راستہ۔ سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں کہ جن پر چلنے سے انسان اللہ سے دور ہٹتا چلا جاتا ہے اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے اور وہ سیدھا راستہ توحید والا رستہ ہے جو پچھلی آیات کے اندر غور کرنے کے بعد انسان کو معلوم ہوتا ہے، اللہ پر ہی ہے سیدھا راستہ اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں ولوشاء لھدٰکم اجمعین اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا، اس کی تفصیل بارہا گذر چکی ہے۔

بارش کا نزول اور اس کے فوائد:

ھو الذی انزل من السماء ماء لکم: اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا، سماء کا لفظ ہر اس چیز کیلئے بولا جاتا ہے جو ہمارے سروں سے اونچی ہو، اوپر کی جانب سے پانی اتارا لکم تمہارے نفع کیلئے منه شراب، شراب مشروب کے معنی میں پینے کی چیز، اس پانی میں سے پینے کی چیز ہے، تمہارے لئے مشروب ہے۔ ومنه شجر اسی پانی کے سبب سے درخت ہیں، پانی کے ساتھ نباتات پیدا ہوتی ہیں، درخت پیدا ہوتے ہیں فیه تسیمون اور ان میں تم جانوروں کو چراتے ہو، یہ جانور رکھنا اور جانوروں کو چرانا چونکہ عرب کی معیشت کا زیادہ تر دارومدار اسی پر تھا اس لئے بار بار اس کی یاددہانی کرائی جارہی ہے شجر کا عام اطلاق تو تنے والے درخت پر ہوتا ہے لیکن یہ مطلق نباتات کے معنی میں بھی آتا ہے جب یہ مطلق نباتات کے معنی میں ہوگا تو یہ بیلوں پر چھوٹے پودوں پر اور بڑے درختوں پر سب پر بولا جائے گا اور تسیمون یہ سوم سے لیا گیا ہے یہ جانوروں کے چرنے کو کہتے ہیں، سائمہ کا لفظ آپ فقہ کی کتابوں میں پڑھتے رہتے ہیں جس کا معنی ہے چرنے والے جانور۔

ینبت لکم به الزرع: اگاتا ہے اللہ تعالیٰ اسی پانی کے ذریعہ سے کھیتی کو والزیتون اور زیتون کو والنخیل اور کھجوروں کو والاعناب اور اناروں کو ومن کل الثمرات اور ہر قسم کے میووں کو، انگور اور کھجور چونکہ عرب کے استعمال میں بہت زیادہ رہتی تھی اور اسی طرح زیتون اور کچھ کھیتیاں اور باقی میوہ جات جو دنیا کے اندر موجود ہیں اور

آج عرب کی طرف سمٹ سمٹ کے جا رہے ہیں اور عرب ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جو وہاں پیدا ہوتے ہیں وہ بھی آ گئے اور جو وہاں پیدا نہیں ہوتے من کل الثمرات میں وہ بھی آ گئے لکم کا خطاب اگرچہ ان لوگوں کو تھا جو اس وقت وہاں موجود تھے یعنی عرب لیکن قرآن کریم تو چونکہ تمام جہانوں کیلئے اترا ہے، مستقبل میں جتنے لوگ پیدا ہونے والے تھے ان سب کے لئے اترا ہے تو اس لئے جتنے بھی میوے جس علاقہ میں بھی پیدا ہوتے ہیں وہ سب اس کے اندر آ گئے اور لکم کا خطاب عام بنی آدم کے لئے ہو گیا اگرچہ براہِ راست مخاطب وہ تھے جو اس وقت موجود تھے۔

اب اس میں ایک ایک لفظ میں کتنی کتنی تفصیل ہے، کھیتی کے طور پر کتنی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جن کو آپ غلہ جات یا سبزیوں سے تعبیر کرتے ہیں، دیکھو! اس میں کتنی تفصیل ہے، کتنے غلے، کتنی سبزیاں پیدا ہوتی ہیں اور اسی طرح زیتون کو انسان کتنے طریقوں سے استعمال کرتا ہے، تیل کے طور پر استعمال کرتا ہے، پھل کے طور پر استعمال کرتا ہے، اچار ڈال کے کھاتا ہے، تیل کی مالش کرتے ہیں، مختلف قسم کے کھانے تیار کرتے ہیں اور کھجور تو عرب کی معیشت کا ایک جزء تھا اس کو کس طرح استعمال کرتے تھے، اس سے کیا کیا فوائد حاصل کرتے تھے اور اسی طرح انگور اور آگے تعمیم آ گئی ان فی ذالك لآیة لقوم یتفکرون بے شک اس مذکور میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو کہ تفکر کرتے ہیں، جن کو سوچنے کی عادت ہے، سوچنے والوں کیلئے اس میں اللہ کے منعم ہونے کی اور اللہ کے ایک اور یکتا ہونے کی بہت بڑی نشانی موجود ہے۔

رات، دن اور سورج، چاند، ستاروں میں اللہ کی قدرت:

وسخرلکم اللیل والنھار: اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے نفع کے لئے مسخر کیا رات کو اور دن کو والشمس والقمر اور سورج کو اور چاند کو والنجوم مسخرات بامرہ اور ستارے بھی سارے کے سارے مسخر ہیں اللہ کے حکم کے ساتھ، شمس اور قمر بڑے سیارے تھے ان کو علیحدہ ذکر کر دیا اور نجوم عام ہو گئے جس میں یہ بتا دیا کہ اللہ نے ان کو پیدا تو تمہارے نفع کیلئے کیا ہے اور یہ انسان کی بدبختی ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کا خادم بنایا تھا انسان نے انہی کی پوجا کرنی شروع کر دی کوئی سورج کو پوجنے لگ گیا، کوئی چاند کو پوجنے لگ گیا، بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو کہ عقل رکھتے ہیں، جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

زمین کی نباتات وغلہ جات میں اللہ کا احسان:

وما ذرألکم فی الارض مختلفاً الوانه: اس کو بھی سخر کے نیچے لے لیجئے اور مسخر کیا اللہ تعالیٰ نے ان سب

چیزوں کو جو پیدا کیں، جو پھیلائیں زمین میں اس حال میں کہ ان کے رنگ مختلف ہیں، لون بول کے قسم بھی مراد لی جاتی ہے کہ جن کی مختلف قسمیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر کتنی مختلف قسمیں پھیلا دیں اور اپنی قدرت سے ان کو تمہارے نفع کیلئے مسخر کیا، اس میں ساری کائنات جس سے تم فائدہ اٹھاتے ہو وہ سب آ گئی، ان فی ذلك لآیة لقوم یذکرون اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو کہ نصیحت حاصل کرتے ہیں یعنی جو جو چیز تم استعمال کرتے ہو ان میں غور کرو، سوچو تو ان سے تمہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بھی سمجھ میں آئے گی اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا محسن ہونا بھی سمجھ میں آئے گا پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ٹھیک ہوگا اور توحید بھی اختیار کرو گے اور اگر سوچو ہی نہیں، عقل ہی نہیں کہ کس نے پیدا کیا اور یہ چیزیں کس نے دیں، کیوں دیں تو پھر انسان کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا، تفکر اور تذکر ہی انسان کو سیدھے راستہ کی طرف لے جاتا ہے۔

سمندر، کشتیوں، پہاڑوں، دریا، راستوں اور ستاروں میں اللہ کا احسان:

وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منه: اللہ وہ ہے جس نے مسخر کر دیا بحر کو، بحر کا لفظ سمندر اور دریا دونوں کیلئے بولا جاتا ہے، سمندر کو مسخر کیا لتاکلوا منه لحماً طریاً تا کہ تم اس میں سے تر و تازہ گوشت کھاؤ، لحماً طریاً کا مصداق مچھلی ہے، اس کو لحم کے طور پر ہی ذکر کیا کیونکہ اس میں ہڈی کم ہوتی ہے، ذبح کرنے کی بھی نوبت نہیں آتی یوں سمجھو کہ پورا گوشت ہی گوشت ہے، مسخر کیا سمندر کو تمہارے لئے تا کہ تم اس میں سے تر و تازہ گوشت کھاؤ وتستخرجوا منه حلیة تلبسونها اور تا کہ تم نکالو اس بحر سے زیور جس کو تم پہنتے ہو، اس حلیہ سے مراد جواہرات اور موتی ہیں جو سمندر سے نکلتے ہیں اور لوگ ان کے ہار بنا کے نگینے بنا کے مختلف طریقوں سے استعمال کرتے ہیں، کھانے کے کام بھی آتے ہیں، وتری الفلك مواخر فیه دیکھتا ہے تو کشتیوں کو کہ پانی کو چیرتی پھرتی ہیں سمندر میں ولتبتغوا من فضله اس کا معطوف علیہ محذوف نکال لیجئے لترکبوا ولتبتغوا تا کہ تم ان کشتیوں کے اوپر سواری کرو اور تا کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، اس وقت بھی لوگ کشتیوں پر تجارت کرتے تھے اور آج تو یہ چیز بہت ہی نمایاں ہے کہ کس طرح سمندری راستوں سے مال کس طرح دنیا کے ایک کونہ سے دوسرے کونہ میں پہنچتا ہے، تا کہ تم تلاش کرو اللہ کا فضل، اس سے یہاں رزق مراد ہے ولعلکم تشکرون یہ اصل مقصود ہے تا کہ تم اللہ کے شکر گزار ہو جاؤ۔

والقٰی فی الارض رواسی: یہ مضمون بھی کئی دفعہ آ چکا اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر بوجھل پہاڑ ڈال دیے تا کہ تمہیں لے کے زمین مائل نہ ہو جائے وانھاراً اور اللہ نے زمین میں نہریں جاری کر دیں، دریا، ندی، نالے سب اس کے اندر آ گئے وسبلاً اور اللہ نے زمین کے اندر راستے بنا دیئے لعلکم تھتدون تا کہ تم اپنی منزل کی طرف راہ پاؤ، اگر زمین اس قسم کی اونچی نیچی دشوار گزار ہوتی کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنا مشکل ہو جاتا تو جہاں انسان پیدا ہوتا وہیں تھوڑی سے جگہ میں اپنا وقت گزار کے مر جاتا لیکن اللہ نے زمین کو اایسا بنایا کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ سکتے ہو، راستے بنا دیے، سڑکیں بنا دیں جس کی وجہ سے تم اپنی منزلوں تک آسانی سے پہنچ جاتے ہو، نہریں جاری کر دیں، دریا بہا دیے وعلامات اور بہت سارے نشانات قائم کر دیے جن کے ذریعے سے تمہیں راستہ معلوم ہوتا ہے، نشانیاں دیکھ دیکھ کے چلتے ہو کہ یہ علامت ہے یہ راستہ اس طرف جا رہا ہے، یہ علامت ہے یہ راستہ اس طرف جا رہا ہے وبالنجم ھم یھتدون اور ستاروں کے ذریعے سے بھی لوگ ہدایت پاتے ہیں، دنیا کے اندر بھی نشانات قائم کر دیے جن کے ذریعے راستے پہچانے جاتے ہیں اور ستاروں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا ذریعہ بنایا ہے۔ جب آپ سمندر میں چلتے ہیں تو وہاں نہ کوئی درخت نظر آتا ہے اور نہ کوئی پہاڑ، اب کیا پتہ کہ ہم کدھر کو جا رہے ہیں اور اسی طرح فضاء میں اڑتے ہیں، جہاز بلندی پر چلا جاتا ہے تو کوئی چیز نظر نہیں آتی، نہ کوئی درخت نظر آئے اور نہ کوئی پہاڑ نظر آئے وہاں راستہ معلوم کرنا ستاروں کے ذریعہ سے ہوتا ہے، یہ قطب نما جو بنا ہوا ہے یہ ستارہ کی جہت ہی دکھاتا ہے جس کے ساتھ ہم متعین کرتے ہیں کہ یہ ستارہ اس طرف ہوگا تو ہم فلاں جگہ پہنچ جائیں گے، اس طرف ہوگا تو ہم فلاں جگہ پہنچ جائیں گے ہوائی سفر اور سمندری سفر سارے اسی قطب نما کے ذریعہ سے ہوتے ہیں، پرانے زمانہ میں وہ لوگ ستارہ کو تاڑتے تھے اور آج کے مشینی دور میں ستارہ کی طرف دیکھنے کی نوبت کم آتی ہے یہ آلہ ہی ہوتا ہے جو بتا دیتا ہے کہ ستارہ کس طرف ہے۔

یہاں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عرب کے اندر میں نے بعض ایسے بدوؤں کو دیکھا جو راستہ بتانے میں بہت ملکہ رکھتے تھے، جو مٹی سونگھ کے بتا دیتے تھے کہ یہ راستہ کدھر سے آ رہا ہے اور کدھر جا رہا ہے یعنی اتنی ان کو مہارت ہو گئی تھی، یہ بھی ان علامات میں شامل ہے۔

ردِ شرک:

افمن یخلق کمن لا تخلق: اللہ کی مخلوقات کی تفصیل تو آپ نے سن لی کہ اللہ نے تمہارے لیے کیا کچھ

بنایا اور جو تم نے اللہ کے ساتھ شرکاء قرار دے لیے ہیں انہوں نے کیا بنایا، وہ تو کچھ بھی نہیں بنا سکتے، وہ تو خود مخلوق ہیں تو کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اس کی طرح ہے جو پیدا نہیں کرتا، کیا یہ دونوں آپس میں برابر ہو سکتے ہیں افلا تذکرون کیا تم سوچتے نہیں، نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

اللہ کی نعمتیں اور اس کا علم:

وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا: اگر تم شمار کرنا چاہو اللہ تعالیٰ کے احسانات کو تو تم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ یہ تو تھوڑے سے ہیں جو گنوائے ہیں اور ایک ایک لفظ کے ضمن میں پتہ نہیں کتنے کتنے احسانات ہیں اگر تم شمار کرنے لگو اللہ کے احسانات کو تو تم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ ان اللہ لغفور رحیم بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ واللہ یعلم ما تسرون وما تعلنون یہ انسان کے اعمال کا ذکر آ گیا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، تمہاری ساری حرکتیں اللہ کے سامنے ہیں، تمہاری کوئی کارروائی اللہ سے مخفی نہیں تو جب اللہ کے سامنے ہے تو جب اللہ پکڑنا چاہے گا یا سزا دینا چاہے گا تو کسی جرم کو چھپایا نہیں جا سکتا۔

معبودانِ باطلہ اللہ کے شریک کس طرح بن سکتے ہیں؟:

والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئاً: وہ چیزیں جن کو پکارتے ہیں یہ لوگ اللہ کے علاوہ وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتیں اور وہ خود پیدا کی ہوئی ہیں، وہ سب کی سب مخلوق ہیں، اموات غیر احیاء ان میں پہلی کمی تو یہ ہے کہ وہ مخلوق ہیں خالق نہیں ہیں تو ان کو خالق کے برابر کیلئے ٹھہرایا جا سکتا اور پھر آپ جانتے ہیں کہ سارے کمالات کا مدار حیات پر ہے کہ جس چیز کے اندر زندگی ہے اس کے اندر کمالات بھی آ سکتے ہیں اور جس کے اندر زندگی نہیں اس کے اندر کمالات بھی نہیں آ سکتے، اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے یہ صفت ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے حیی لا یموت کہ اللہ حیات ہی حیات ہے جس کے اوپر موت کا ورود نہیں ہوگا حیی لا یموت وہ ایسا زندہ ہے جو مرے گا نہیں، اس کے اوپر موت وارد نہیں ہوگی۔ اور اللہ کے علاوہ یہ جتنی چیزوں کو پوجتے ہیں یہ اموات غیر احیاء ہیں اموات غیر احیاء یہ حیی لا یموت کی ضد ہے اللہ تو زندہ ہے جس پر موت نہیں آئے گی اور یہ اموات ہیں جو کہ زندہ نہیں ہیں، کیا مطلب؟ کہ بے جان ہیں، ان میں جان نہیں، اگر تو والذین یدعون کا مصداق جمادات ہوں جیسے کہ مشرکین کے معبود پتھر کی تصویریں بھی تھیں، بے جان چیزیں مراد ہوں تو اموات غیر احیاء بالکل صحیح ہے کہ فی الحال

بھی میت ہیں اوران میں کوئی جان نہیں اور نہ ماضی میں حیات تھے اور نہ مستقبل میں ہوں گے، بے جان چیزوں پر تو یہ بات بالکل صحیح ہے۔

یاأموات غیر أحیاء کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ فی الحال وہ میت کا مصداق نہ ہوں بلکہ حیی کا مصداق ہوں تو ان کی حیات ذاتی نہیں، آنے والے وقت میں مرجائیں گے زندہ نہیں رہیں گے اس میں وہ جنات شامل ہوسکتے ہیں جن کو مشرکین پوجتے تھے، ملائکہ شامل ہوسکتے ہیں کیونکہ فناء ان پر بھی طاری ہونی ہے اور جو پہلے زندہ تھے اب وفات پاگئے وہ بھی اسی میں شامل ہوسکتے ہیں بہرحال مقصد یہ ہے کہ ان کی حیات ذاتی نہیں ہے یا اس وقت بے جان ہیں یا ہمیشہ بے جان تھے اور بے جان رہیں گے یا پہلے جاندار تھے اور اب بے جان ہوگئے یا اب جاندار ہیں اور پھر بے جان ہوجائیں گے تو اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پوجنے والے، ملائکہ کو پوجنے والے، حضرت عزیر علیہ السلام کو پوجنے والے، مرے ہوئے اولیاء کو پوجنے والے، زندہ اولیاء کو پوجنے والے، سب اس کی زد میں آجائیں گے کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ ان کی حیات ذاتی نہیں ہے حیی لا یموت یہ صرف اللہ کی شان ہے۔

وما یشعرون ایان یبعثون:۔ اور پھر جس کو پوجا جائے اس کا علم بھی کامل ہونا چاہیے اور ان کا علم بھی کامل نہیں، ان کو پتہ ہی نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے اور معبود تو ایک بہت بڑی بنیادی ضرورت ہے کہ ہم اس کا کہنا مانیں اور کل کو اس کی طرف سے بدلہ آئے، ہم عبادت کریں کل کو ہمارے سامنے اس کی جزا آئے اور جو نافرمانی کرے اس کے سامنے سزا آجائے تو جن کو یہ پوجتے ہیں ان کو پتہ ہی نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے، ان کا علم بھی ناقص تو جب علم بھی ناقص، قدرت بھی نہیں، حیات بھی نہیں، نہ حیات ہے، نہ علم ہے، نہ قدرت ہے تو پھر اللہ کے ساتھ ان کو شریک کس طرح بنا رہے ہیں؟

سبحانك اللّٰھم وبحمدك اشھد ان لا الٰه الا انت استغفرك واتوب الیك

اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ قُلُوۡبُهُمۡ مُّنۡكِرَةٌ وَّهُمۡ

تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر ان کے دل منکر ہو رہے ہیں اور وہ

مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ؕ

تکبر کرنے والے ہیں ﴿۲۲﴾ یہ بات یقینی ہے کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں،

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡتَكۡبِرِيۡنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ مَّاذَاۤ اَنۡزَلَ

بے شک وہ پسند نہیں کرتا تکبر کرنے والوں کو ﴿۲۳﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ کیا نازل کیا ہے

رَبُّكُمۡ ۙ قَالُوۡۤا اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۙ ﴿۲۴﴾ لِيَحۡمِلُوۡۤا اَوۡزَارَهُمۡ كَامِلَةً يَّوۡمَ

تمہارے رب نے تو وہ کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کی باتیں ہیں ﴿۲۴﴾ تاکہ وہ اٹھالیں اپنے بوجھ پورے پورے

الۡقِيٰمَةِ ۙ وَمِنۡ اَوۡزَارِ الَّذِيۡنَ يُضِلُّوۡنَهُمۡ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا

قیامت کے دن اور بوجھ ان لوگوں کے جنہیں گمراہ کرتے ہیں بغیر علم کے، خبردار! برا ہے

يَزِرُوۡنَ ﴿۲۵﴾ قَدۡ مَكَرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَاَتَى اللّٰهُ بُنۡيَانَهُمۡ مِّنَ

وہ بوجھ جو وہ اپنے اوپر لاد رہے ہیں ﴿۲۵﴾ تحقیق مکر کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے پس آیا اللہ ان کی تعمیر کو بنیادوں سے

الۡقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيۡهِمُ السَّقۡفُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَاَتٰٮهُمُ الۡعَذَابُ

پھر گر پڑی ان پر چھت ان کے اوپر سے اور آگیا ان پر عذاب اس طرح

مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُخۡزِيۡهِمۡ وَيَقُوۡلُ

کہ انہیں خبر بھی نہ تھی ﴿۲۶﴾ پھر قیامت کے دن وہ انہیں رسوا کرے گا اور کہے گا

اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تُشَآقُّوۡنَ فِيۡهِمۡ ؕ قَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا

کہاں ہیں میرے شرکاء جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے تھے، کہیں گے وہ لوگ جن

الۡعِلۡمَ اِنَّ الۡخِزۡىَ الۡيَوۡمَ وَالسُّوۡٓءَ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۙ ﴿۲۷﴾ الَّذِيۡنَ تَتَوَفّٰٮهُمُ

کو علم دیا گیا بے شک آج رسوائی اور بدحالی ہے کافروں پر ﴿۲۷﴾ جن کو وفات دیتے ہیں فرشتے

الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ

اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے ہوتے ہیں اپنی جانوں پر پس وہ لوگ صلح کا پیغام ڈالیں گے کہ نہیں کرتے تھے ہم کوئی

سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ

برا کام، کیوں نہیں، بے شک اللہ جاننے والا ہے ان کاموں کو جو تم کرتے تھے ﴿۲۸﴾ پس تم داخل ہو جاؤ

جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ

جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ رہو گے اس میں پس برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا ﴿۲۹﴾ اور کہا گیا

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

ان لوگوں سے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں کیا اتارا ہے تمہارے رب نے، انہوں نے کہا خیر ہی ہے، ان لوگوں کے لئے

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ

جو اچھائی کرتے ہیں اس دنیا میں اچھائی ہے اور آخرت کا گھر بہتر ہے

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور اچھا گھر ہے متقین کا ﴿۳۰﴾ ہمیشگی کے باغات ہیں ان میں وہ داخل ہوں گے جاری ہوں گے ان کے نیچے سے نہریں،

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ

ان کے لئے ہوگا اس میں وہ جو چاہیں گے اسی طرح اللہ بدلہ دیتا ہے متقین کو ﴿۳۱﴾ جن کو

تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا

وفات دیتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ پاک ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سلام ہو تم پر داخل ہو جاؤ

الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ

جنت میں ان کاموں کے سبب جو تم کرتے تھے ﴿۳۲﴾ یہ نہیں انتظار کرتے مگر اس بات کا کہ آجائیں ان کے پاس

الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

فرشتے یا آجائے تیرے رب کا حکم، اسی طرح کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے

وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۳۳

اور نہیں ظلم کیا ان پر اللہ نے لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے تھے ۝۳۳

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

پس پہنچ گئی ان کو برائی ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے اور گھیر لیا ان کو اس چیز نے

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۴ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا

جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ۝۳۴ اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے شرک کیا اگر چاہتا اللہ تو ہم نہ عبادت کرتے

مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ

اس کے علاوہ کسی چیز کی اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم حرام ٹھہراتے اس کے علاوہ

مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى

کسی چیز کو ایسا ہی کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے پس نہیں ہے

الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۳۵ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا

رسولوں کے ذمہ مگر واضح طور پر پہنچا دینا ۝۳۵ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے ہر امت میں ایک رسول

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى

کہ تم عبادت کرو اللہ کی اور بچتے رہو شیطان سے پس ان میں سے بعض کو

اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض پر ثابت ہوگئی گمراہی پس تم چلو زمین میں

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۶ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى

اور دیکھ لو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا ۝۳۶ اگر آپ حرص کریں

هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

ان کی ہدایت پر پس بے شک اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کردیتا ہے اور نہیں ہوگا

نّٰصِرِيۡنَ ۝٣٧ وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ ۙ لَا يَبۡعَثُ اللّٰهُ مَنۡ
ان کیلئے کوئی مددگار ۝٣٧ اور انہوں نے قسم کھائی اللہ کی خوب زور دار طریقہ سے کہ نہیں اٹھائے گا اللہ اسے
يَّمُوۡتُ ؕ بَلٰى وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝٣٨ ۙ
جو مر جاتا ہے، کیوں نہیں یہ وعدہ ہے اس پر لازمی طور پر لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں ۝٣٨
لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِىۡ يَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ وَلِيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا
تاکہ ظاہر کردے اللہ ان لوگوں کیلئے وہ جس میں اختلاف کرتے ہیں اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جنہوں نے
اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰذِبِيۡنَ ۝٣٩ اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَىۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰهُ اَنۡ نَّقُوۡلَ
کفر کیا کہ بے شک وہ جھوٹے تھے ۝٣٩ سوائے اس کے نہیں ہمارا قول کسی چیز کے لئے جب ہم ارادہ کریں اس کا
لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ۝٤٠ ع
تو ہم کہہ دیتے ہیں اس کے لئے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے ۝٤٠

تفسیر

ماقبل سے ربط:

پچھلے رکوع کے آخر میں رد شرک کا مضمون تھا کہ اللہ کے علاوہ جن چیزوں کو یہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں، جو مخلوق ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا اور خالق صرف اللہ ہے، مالک بھی وہی ہے اسی لئے اطاعت اور عبادت بھی اسی کی کرنی چاہیے، اموات غیر احیاء میں ذکر کیا گیا تھا کہ کمالات کا مرکز جو حیات ہے وہ بھی ان کو حاصل نہیں یعنی دائمی حیات حاصل نہیں یا حیات ان کی اپنی ذاتی نہیں، اپنی ذات کے لحاظ سے یہ اموات کا مصداق ہیں اگر ان میں حیات ہے تو عارضی ہے اور حی لا یموت یہ صرف اللہ کی شان ہے جو زندہ ہی زندہ ہے اس کو کبھی موت نہیں آئے گی تو اموات غیر احیاء یہ حی لا یموت کے مقابلہ میں ہے اس لئے اس وقت اگر کوئی شخص زندہ بھی ہو تو بھی اس کو اموات غیر احیاء کا مصداق بنا سکتے ہیں اور پھر دوسرے نمبر پر علم کی نفی تھی کہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اٹھائے کب جائیں گے تو جب بعث کے بارے میں ان کو کوئی علم نہیں تو اپنے پوجنے والوں کو یہ کیا جزا دے سکتے

ہیں اور کیا سزا دے سکتے ہیں؟ اور پھر ان کی عبادت کی ضرورت کیا ٹھہری؟ اس انداز کے ساتھ ردشرک کیا گیا تھا اور آگے انہی باتوں کے نتیجہ کے طور پر اثبات توحید ہے۔

منکرین توحید کے انکار کی وجہ:

کہا جا رہا ہے الٰھکم الله واحد تمہارا الله الله واحد ہے یعنی حقیقی الٰہ صرف ایک ہی ہے، انہوں نے تو اپنے لیے بہت سے الله بنائے ہوئے تھے، ان کے الٰہ تو کثیرہ تھے لیکن وہ تھے ان کے بنائے ہوئے، واقعہ کے لحاظ سے، حقیقت کے اعتبار سے تمہارا معبود ایک ہی ہے، فالذین لا یؤمنون بالآخرۃ پھر جو لوگ آخرت کے متعلق ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکار کرنے والے ہیں اور وہ متکبر ہیں، استکبار والے ہیں اس میں گویا کہ ان کے شرک پر اڑے رہنے کے منشاء کی طرف اشارہ کیا ہے کہ باتیں اتنی واضح کی جا چکی ہیں کہ جس میں تھوڑا سا غور وفکر کرنے والا انسان بھی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ شرک کا طریقہ غلط ہے اور صحیح طریقہ توحید کا ہے لیکن جن لوگوں کو اپنے انجام کی فکر نہیں وہ اپنے پرانے طریقہ کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں اور توحید کی جو شاہراہ ان کے سامنے پیش کی جا رہی ہے صاف راستہ جو واضح کیا جا رہا ہے اس سے وہ بدکتے ہیں، اس کا انکار کرتے ہیں، انکار کرنے کی وجہ کیا ہے؟ کیا ان کے پاس اپنے مسلک کی کوئی دلیل ہے یا ان کا یہ عقیدہ کسی صحیح بنیاد پر ہے؟ ایسی بات نہیں وھم مستکبرون اصل یہ ہے کہ تکبر ان کو صحیح بات قبول کرنے سے روکے ہوئے ہے، اب یہ سمجھتے ہیں کہ جب آباء واجداد سے ایک طریقہ چلا آ رہا ہے چاہے وہ باطل ہے اس کا چھوڑنا گویا کہ اپنی پچھلی نسل اور اپنی پچھلی زندگی کے باطل ہونے کا خود ہی فیصلہ کرنا ہے، اب وہ باطل پر جو چمٹے ہوئے ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے بلکہ اس تکبر کی بناء پر باطل کو نہیں چھوڑ رہے ہے کہ اپنے طریقہ کو چھوڑتے ہوئے انہیں عار آتی ہے، توحید کو اختیار نہیں کرتے باوجود اس بات کے کہ وہ حق ہے، یہ اس سے بدکتے ہیں تو اس لیے بدکتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم پرانے طریقہ پر چلے آ رہے ہیں اب ہم پہلا طریقہ چھوڑ کے دوسرے طریقہ کو جو اختیار کریں گے تو اس میں بظاہر ان کو پستی معلوم ہوتی ہے، ہم کسی کے سامنے کیوں جھکیں اور اپنی پچھلی غلطی یا اپنے آباء واجداد کے غلط ہونے کا اقرار کیوں کریں یہ جو تکبر اور بڑائی ہے یہ ان کو توحید کی دعوت قبول کرنے نہیں دیتی ورنہ الٰھکم الله واحد والی بات کو یہ کسی دلیل کے ساتھ رد نہیں کر سکتے، قبول نہ کرنے اور انکار کرنے کی وجہ تکبر ہے وھم مستکبرون کے اندر وجہ ذکر کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دھمکی:

لا جرم ان اللّٰہ یعلم ما یسرون: لاجرم یہ لفظ سورۂ ہود کے اندر بھی آیا تھا، یہ البتہ کے معنی میں ہوتا ہے کہ یہ پکی بات ہے، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس چیز کو جس کو یہ چھپاتے ہیں اور جس چیز کو یہ ظاہر کرتے ہیں، ان کے ظاہر کو بھی اللہ جانتا ہے اور شرک پر اڑے رہنے کے جو باطنی محرکات ہیں، باطنی جذبات ہیں وہ بھی اللہ کے سامنے ہیں اور ان کا ظاہری کردار بھی اللہ کے سامنے ہے، بے شک اللہ تعالیٰ کو متکبرین اچھے نہیں لگتے، انہٗ لا یحب المستکبرین اللہ محبت نہیں کرتا تکبر کرنے والوں سے، محبت نہیں کرتا کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اللہ کو ان سے نفرت ہے، مستکبر، استکبار سے ہے اکڑنے والا، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حق بات دلیل کے ساتھ سامنے آ بھی جائے پھر بھی اس کو نہ مانے وہ ہوتا ہے مستکبر جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے ایک شخص نے پوچھا تھا کہ یارسول اللہ! کسی شخص کو اچھا لباس پسند ہے، اچھا جوتا پسند ہے تو کیا یہ بھی تکبر میں داخل ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، یہ تو جمال ہے ان اللّٰہ جمیل یحب الجمال (مشکوٰۃ ۲/۴۳۳) یہ تو اچھی صفت ہے کہ انسان صاف ستھرا ہو، اچھا لباس پہنے، اچھا جوتا پہنے، تکبر تو یہ ہے کہ حق بات کے سامنے اڑ جانا، حق بات کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو نفرت اور حقارت کے ساتھ دیکھنا یہ تکبر ہے، یہاں متکبرین کا موقع محل یہی ہے کہ یہ صرف اپنی ذاتی طور پر ضد کی بناء پر اور اپنی بڑائی کا تصور کرتے ہوئے حق کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ورنہ اب ان کے نظریات ان کے سامنے بھی کسی صحیح دلیل پر مبنی نہیں ہیں تو ایسے لوگ اللہ کو اچھے نہیں لگتے، اللہ تعالیٰ انہی لوگوں سے محبت کرتا ہے جو حق واضح ہو جانے کے بعد اس کو قبول کر لیتے ہیں، مسئلہ کے اوپر اڑ نہیں جاتے۔

کلام الٰہی کے بارے میں رؤساءِ مشرکین کا نظریہ:

واذا قیل لھم ماذا انزل ربکم: اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے تمہارے رب نے کیا اتارا قالوا اساطیر الاوّلین وہ کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں، اساطیر یہ اُسطورہ کی جمع ہے ایسے قصے جو پہلے سے چلے آرہے ہیں، اذا قیل لھم جب ان سے پوچھا جاتا ہے، پوچھنے والے کون لوگ ہیں؟ اس کو آپ اس انداز میں سمجھ لیجئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جس وقت حق نازل کیا گیا اور یہ کتاب اتری تو جو سردار قسم کے لوگ ہوتے ہیں وہ تو حُبِّ جاہ کی بناء پر اس کے انکار کرنے پر اڑے ہوئے ہوتے ہیں تاکہ اپنی سرداری میں فرق نہ آئے

لیکن عوام الناس میں چونکہ یہ کبر اور غرور نہیں ہوتا اور وہ حب جاہ میں مبتلا نہیں ہوتے ان کے سامنے جب ایک حق بات آتی ہے تو وہ بسا اوقات اس کو سوچتے ہیں اور سوچنے کے بعد اس کو قبول کرنے کی کوشش کرتے ہیں اب مکہ معظمہ میں اور اس کے اردگرد ماحول میں جب قرآن کریم نے اپنی آواز بلند کی اور حق نمایاں ہوا تو نچلے طبقہ کے قلوب میں تردد کا پیدا ہو جانا یقینی بات تھی لیکن عملی زندگی کے اندر وہ اپنے سرداروں کے تابع ہوتے ہیں، اپنے لیڈروں کے تابع ہوتے ہیں تو پھر وہ تحقیق کرنے کے لئے کہ ہمارے بڑوں کا اس بارے میں کیا خیال ہے یعنی اپنے دل میں تو کلام الٰہی سے متاثر ہو رہے ہیں، ان کی سمجھ میں بات آ رہی ہے لیکن اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تاکہ ان کی رائے بھی معلوم کر لیں، تو یہ اپنے سرداروں سے جا کر پوچھتے ہیں کہ یہ آج کل جو پڑھا جا رہا ہے لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی کلام ہے اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ آگے سے کہتے ہیں کچھ نہیں یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں، یوں کہہ کے ان کو اس کتاب کے قبول کرنے سے روکتے ہیں۔ اذا قیل لھم کا یہی معنی ہے کہ جب ان کے نچلوں کی طرف سے، ان کے متبوعین کی طرف سے تحقیق حال کے لئے، ان کی رائے معلوم کرنے کیلئے پوچھا جاتا ہے کہ یہ جو اتارا گیا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ وہ کہتے ہیں یہ کچھ نہیں ہے، یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں، یہ اللہ کا اتارا ہوا نہیں ہے اگر وہ اس کو اللہ کا اتارا ہوا مانتے تو اس کو اساطیر الاوّلین کا مصداق قرار نہ دیتے۔

دوسروں کو گمراہ کرنے کا نتیجہ:

لیحملوا اوزارھم کاملۃ یوم القیامۃ: یہ لام، لام عاقبت ہے جیسے آپ نے شرح مأۃ عامل میں اس کی مثال پڑھی تھی لَزِمَ الشرَّ للشقاوۃِ اس نے برائی کو لازم پکڑا جس کا نتیجہ بدبختی ہے تو یہ لام بھی لام عاقبت ہے ماقبل والے عمل کا نتیجہ واضح کرتا ہے، ترجمہ اس کا اس طرح ہوگا کہ ان کے اس کہنے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اٹھائیں گے وہ اپنے بوجھ پورے پورے قیامت کے دن اور ان لوگوں کے بوجھوں سے بھی کچھ جن کو گمراہ کرتے ہیں بغیر علم کے الاساء مایزرون خبردار! بری وہ چیز ہے جس کو یہ اٹھائیں گے، وزر، یزر بوجھ اٹھانے کو کہتے ہیں خصوصیت کے ساتھ معصیت اور گناہوں کا بوجھ، ان کی اس گفتگو کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ قیامت کے دن اپنے بھی پورے پورے بوجھ اٹھائیں گے، ساری کی ساری گمراہی اور ضلالت ان کے سر پر بھی پڑے گی اور پھر یہ اساطیر الاوّلین کہہ کے بغیر علم کے، بغیر تحقیق کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں تو جو ان کے پیچھے لگ کے گمراہ ہوں گے ان کے بوجھوں میں سے بھی

کچھ بوجھ یہ اٹھائیں گے، کچھ بوجھ اس لئے کہا کہ وہ بھی سبکدوش نہیں ہوں گے، وہ اپنا بوجھ بھی اٹھائیں گے لیکن گمراہی کا سبب بننے کی بناء پر ان کے گناہ میں سے ان کو بھی حصہ ملے گا۔

جس طرح حدیث شریف میں بہت ساری روایات میں یہ بات واضح کر دی گئی من سنّ سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها کہ جو شخص بھی کوئی اچھا طریقہ جاری کرتا ہے تو اس کو اس طریقہ کا ثواب ملتا ہے اور جتنے لوگ بھی اس کے اوپر عمل کرتے جاتے ہیں ان کے اجر میں سے بھی اس کو اجر ملتا چلا جاتا ہے اور اس بانی کو، موجد کو، اس طریقہ کے چلانے والے کو جو ثواب ملے گا وہ عمل کرنے والوں کے عمل سے کاٹا نہیں جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے طور پر یہ دیں گے اور بالکل اسی طرح سے اس کے مقابلہ میں دوسرا فقرہ حدیث شریف میں آیا من سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها کہ جو کوئی برا طریقہ جاری کرے گا اس برے طریقے کے جاری کرنے کا بوجھ اس پر پڑے گا اور جو لوگ بھی اس برے طریقہ کے اوپر عمل کرنے والے ہوں گے ان کے گناہوں میں سے بھی اس کو حصہ ملے گا اور یہ سلسلہ الیٰ یوم القیامۃ ہے، قیامت تک اس کے طریقہ پر چلنے والے لوگوں کے گناہوں میں سے اس کو حصہ ملتا رہے گا جن کی گمراہی کا یہ سبب بنا ہے اسی لئے آپ کے سامنے وہ ذکر کیا گیا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا جس نے قتل کا طریقہ جاری کیا جہاں کہیں بھی کوئی شخص ظلماً قتل کیا جاتا ہے اس کے قتل کا گناہ اس قابیل کے پلڑے میں بھی ڈالا جاتا ہے جس نے ابتداءً اس قتل کی رسم کو جاری کیا تھا، یہاں وہی بات ہے کہ جن کو یہ بغیر تحقیق اور بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں ان کے گناہوں میں سے بھی کچھ گناہ یہ اٹھائیں گے، کچھ گناہوں کا بوجھ یہ اٹھائیں گے الاساء مایزرون خبردار! بری ہے وہ چیز جس کو یہ اٹھائیں گے یعنی یہ اس بوجھ کو جو اٹھا کے جائیں گے تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا بلکہ اس کے نتیجہ میں جہنم کے اندر ڈال دیے جائیں گے تو جو بوجھ ان کے اوپر لدا ہوا ہوگا بہت برا ہوگا۔

حق کے خلاف تدبیر کرنے کا انجام:

قد مكر الذين من قبلهم: مکر کا لفظ آپ کے سامنے بہت دفعہ گذر چکا کہ یہ خفیہ تدبیر کرنے کو کہتے ہیں اگر کسی اچھے کام کے لئے کی جائے تو وہ اچھی ہوتی ہے، برے کام کے لیے کی جائے تو بری ہوتی ہے جیسے مكروا ومكر الله میں مکر کی نسبت اللہ کی طرف بھی آئی اور دوسرے لوگوں کی طرف بھی آئی ہے، قد مكر الذين من قبلهم، حق سے روکنے کی جیسے یہ تدبیریں کر رہے ہیں ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی قسم کی بہت تدبیریں کی

تھیں فاتی اللّٰہ بنیانھم من القوعد، قواعد قاعدۃ کی جمع ہے اور قاعدہ بنیاد کو کہتے ہیں اور بنیان کا معنی عمارت ہے پھر آیا اللہ ان کی عمارت کے پاس اس کی بنیادوں کی طرف سے، لفظی معنی یوں ہوگا، فخر علیھم اسقف پھر گر گئی ان کے اوپر چھت من فوقھم اوپر سے واتاھم العذاب من حیث لا یشعرون اور ان کے پاس عذاب آ گیا ایسی جگہ سے کہ جہاں وہ شعور بھی نہیں رکھتے تھے، ان کو خیال بھی نہیں تھا کہ ادھر سے عذاب آ سکتا ہے وہاں سے ان کے پاس عذاب آ گیا، فاتی اللّٰہ بنیانھم کا محاورۃً ترجمہ ہوگا کہ اللہ نے ان کی عمارت گرادی، اللہ تعالیٰ نے ان کی عمارت کو اکھیڑ دیا انہوں نے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کیں، بڑے بڑے محل تعمیر کیے مکر وفریب کیے تا کہ لوگوں کو حق سے روک دیا جائے لیکن ان کی ساری تدبیریں انہی کے خلاف پڑیں اور ان تدبیروں کے نتیجہ میں دنیا و آخرت کو برباد کر بیٹھے، حق کی آواز کو دبا نہیں سکے، حق کی آواز تو نمایاں ہو کے رہتی ہے۔

اسی طرح یہ جتنی چاہے تدبیریں کرلیں اور جس قدر چاہیں زور لگالیں، حق کو روکنے کیلئے ان کی تدبیریں نتیجۃً انہی کے لئے نقصان کا باعث ہوں گی اور آج یہ سمجھتے ہیں کہ ہم قوت والے ہیں، جماعت والے ہیں، خوشحالی والے ہیں، ہمارے پاس عذاب کدھر سے آ سکتا ہے؟ پہلے لوگ بھی ایسے ہی سمجھا کرتے تھے لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو پھر ایسے طور پر آیا کہ ان کو شعور ہی نہیں تھا کہ یہ کدھر سے آ گیا۔

ثم یوم القیامۃ یخزیھم: یہ تو دنیا کے اندر بربادی آئی پھر قیامت کے دن اللہ انہیں رسوا کرے گا ویقول این شرکائی اور یہ بھی ایک رسوائی کی بات ہے کہ اس وقت ان کو ڈانٹتے ہوئے یوں کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ میرے شرکاء جن کے متعلق تم ضد کیا کرتے تھے، جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے تھے، جن کی حمایت میں تم ہمیشہ آستینیں چڑھائے رکھتے تھے، آج وہ کہاں چلے گئے، قال الذین اوتوا العلم، جن کو علم دیا گیا، یہ تو بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں جن کو علم دیا گیا، انبیاء علیہم السلام کے پاس صحیح علم ہے اور ان کے متبعین کے پاس صحیح علم ہے، یہ اہل علم کہیں گے ان الخزی الیوم والسوء علی الکافرین بے شک رسوائی آج کے دن اور برائی انہی لوگوں پر ہے جو انکار کرنے والے تھے یعنی ان کو دیکھ دیکھ کے اہل علم خوش ہوں گے کہ ہم جو باتیں کہتے تھے وہ صحیح نکلیں اور یہ ہمیں وہاں ذلیل کرنے کی کوشش کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہم عزت والے ہیں لیکن رسوائی اور برائی جتنی تھی آج وہ سب ان پر آ پڑی ہے۔

الکافرین کا مصداق اور ان کا انجام:

الکافرین سے کون لوگ مراد ہیں؟ آگے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وضاحت ہے کہ جن کے لئے یہ قیامت کے دن رسوائی اور برائی ہوگی ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو زندگی بھر کفر کرتے رہے حتیٰ کہ ان کی موت بھی کفر پر آئی کیونکہ اگر کوئی شخص کفر کا ارتکاب کرے لیکن مرنے سے پہلے مؤمن ہو جائے تو چاہے اس نے زندگی میں کتنی ہی برائیاں کیوں نہ کی ہوں سب مٹ جاتی ہیں تو یہ کافرین جو کہ رسواء ہوں گے اور برے حالات میں مبتلا ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں الذین تتوفّاھم الملائکۃ ظالمی انفسھم جن کو وفات دیتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں یعنی اپنے نفسوں پر ظالم ہوتے ہیں ایسی حالت میں فرشتے ان کو وفات دیتے ہیں، اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں یعنی کفر و شرک میں مبتلا ہوتے ہیں، کفر و شرک میں مبتلاء ہونے کی حالت میں جن کو فرشتے وفات دے دیتے ہیں ان کافروں سے وہ کافر مراد ہیں ورنہ زندگی کے اندر اگر کفر کیا اور مرنے سے پہلے ایمان لے آئے ہیں تو کفر کا اثر مٹ جاتا ہے، فالقوا السلم ماکنا نعمل من سوء آج تو یہ بڑا جوش و خروش دکھاتے ہیں لیکن جب اللہ کے عذاب کا ایک تھپڑ لگے گا تو اس وقت ساری اکڑ نکل جائے گی فالقوا السلم پھر یہ فرمانبرداری ڈالیں گے یعنی سپردگی اختیار کرلیں گے، شکست تسلیم کرلیں گے، اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کریں گے اور ساتھ یہ بھی کہیں گے ماکنا نعمل من سوء جان چھڑانے کے لئے یہ جھوٹ بولیں گے کہ ہم تو کوئی کسی قسم کا برا کام کرتے ہی نہیں تھے، تو جواب یہ ملے گا بلیٰ کیوں نہیں، ان اللّٰہ علیم بما کنتم تعملون بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے ان کاموں کو جو تم کیا کرتے تھے، سب کچھ اللہ کے علم میں ہے، اب عذر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ فادخلوا ابواب جھنم خالدین فیھا داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں اس حال میں کہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں فلبئس مثوی المتکبرین متکبرین کا ٹھکانہ بہت ہی برا ہے تو یہاں بھی ان کو متکبر کے لفظ سے ہی ذکر کیا گیا ہے جیسے پیچھے ان کو متکبر کے عنوان سے ذکر کیا گیا تھا کہ یہ کفر و شرک جو اختیار کیے بیٹھے ہیں یہ سب ان کے تکبر کا نتیجہ ہے، ایک بڑائی کے احساس کا نتیجہ ہے کہ ہم بڑے ہوکر ان کے پیچھے کیوں لگ جائیں، ان متکبروں کا ٹھکانہ برا ہوگا۔

کلام الٰہی کے بارے میں متقین کا نظریہ اور ان کا انجام:

وقیل للذین اتقوا ماذا انزل ربکم: جو لوگ تقویٰ اختیار کیے ہوئے ہیں، جو اللہ سے ڈرتے ہیں جو کفر وشرک سے باز آ گئے اگر ان سے پوچھ لیا جاتا ہے ماذا انزل ربکم یہ اس سوال کا مقابل آ گیا کہ اگر ان کافروں سے پوچھا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں اساطیر الاوّلین لیکن جن کو حقیقت تک رسائی ہو گئی وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں، کفر وشرک سے بچنے والے ہیں جب ان سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ ماذا انزل ربکم تمہارے رب نے کیا اتارا؟ قالوا خیراً وہ کہتے ہیں بھلائی ہی بھلائی ہے، یہ خیر ہی خیر ہے جو اللہ نے اتارا ہے قالوا خیراً یعنی انزل ربنا خیراً اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے خیر اتاری ہے یعنی جو کچھ اتارا ہے اس میں خیر ہی خیر ہے، اس لفظ کے اندر وہ قرآن کریم سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنة ان لوگوں کے لئے جو اس دنیا کے اندر بھلائی کرتے ہیں بھلائی ہے ولدار الآخرة خیر اور آخرت کا دار تو بہت ہی اچھا ہے، للذین احسنوا، وہ لوگ جو احسان کی صفت اپناتے ہیں، ہر کام کو ٹھیک کرتے ہیں، ہر وقت اللہ تعالیٰ کا استحضار رکھتے ہیں، تو جنہوں نے اس دنیا کے اندر صفت احسان کو اختیار کر لیا، ہر کام کو اچھی طرح سے کرنے لگ گئے ان کیلئے بھلائی ہے، فی ھذہ الدنیا کا تعلق احسنوا کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے کہ جنہوں نے دنیا میں صفت احسان کو اپنایا ان کے لئے بھلائی ہے پھر بھی بھلائی سے دنیوی بھلائی مراد ہے کیونکہ آخرت کا ذکر آگے مستقل آ گیا ولدار الآخرة خیر اور آخرت کا گھر بہت بہتر ہے ولنعم دار المتقین، متقین کا گھر بہت ہی اچھا ہے۔

جنت عدن یدخلونها تجری من تحتها الانهار: ہیشگی کے باغات ہیں داخل ہوں گے ان میں۔ جاری ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں لهم فیها مایشاؤن اس فقرہ میں سب کچھ آ گیا ان کے لئے ان باغات میں وہ چیز ہو گی جو وہ چاہیں گے، جو وہ چاہیں گے وہ ان کو ملے گا، انسان کی ہر خواہش پوری کر دی جائے گی کذلك یجزی الله المتقین اللہ تعالیٰ متقین کو اسی طرح جزا دیتا ہے۔

متقین کا مصداق:

اور یہ متقین کون لوگ ہیں؟ یہاں بھی اسی طرح وضاحت کر دی جیسے خراب انجام ان کافروں کا ہو گا جو موت تک کافر رہے اسی طرح اللہ تعالیٰ یہ جزاء ان متقین کو دے گا جو موت تک متقی رہے، اگر زندگی میں کوئی شخص

نیکیاں کرتا رہا لیکن موت سے قبل وہ برائی کی طرف آ گیا تو زندگی کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں، ان کے اوپر کوئی جزا مرتب نہیں ہوگی ہاں البتہ موت کے وقت جو شخص تقویٰ اختیار کیے ہوئے ہوگا اس کے لیے یہ جزا ہے، متقین سے مراد وہ لوگ ہیں الذین تتوفھم الملائکۃ طیبین جن کو وفات دیتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ لوگ پاکیزہ ہیں، ہر قسم کی نجاستوں سے بچے ہوئے ہیں، معصیت کی نجاست سے، بداعتقادی کی نجاست سے، بداخلاقی کی نجاست سے، بدکرداری کی نجاست سے، جو دنیا سے صاف ستھرے جاتے ہیں، جن کو وفات دیتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ پاکیزہ ہوتے ہیں یقولون فرشتے انہیں کہتے ہیں سلام علیکم تم پر سلامتی ہو ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون داخل ہو جاؤ تم جنت میں ان کاموں کی وجہ سے جو تم کیا کرتے تھے۔

کافروں کا حال:

هل ینظرون الا ان تاتیھم الملائکۃ: یہ کافر لوگ نہیں انتظار کرتے مگر اس بات کا کہ آ جائیں ان کے پاس فرشتے یا آ جائے تیرے رب کا حکم، ایسے ہی کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں اور ان کے اوپر اللہ نے ظلم نہیں کیا لیکن یہ اپنے نفسوں پر خود ہی ظلم کرتے تھے۔ فاصابھم سیئات ما عملوا پھر پہنچیں انہیں جو کچھ انہوں نے کیا اس کی سزائیں، سیئات سیئۃ کی جمع ہے اور اس سے سزائیں مراد ہیں جو کچھ انہوں نے کیا اس کی سزائیں انہیں پہنچیں اور گھیر لیا ان کو ان کاموں نے جن کے ساتھ یہ استہزاء کیا کرتے تھے مطلب یہ ہوا کہ جس طرح آج یہ لوگ سمجھانے سے نہیں سمجھتے پہلے لوگوں کا بھی یہی حال تھا، یہ اس بارے میں منتظر بیٹھے ہیں کہ یا تو ان کے پاس فرشتے آ جائیں یا براہِ راست تیرے رب کی طرف سے عذاب کا حکم آ جائے تب یہ سمجھیں گے یعنی ان کا حال اس بات کے اوپر دلالت کرتا ہے، جو شخص دلیل سے نہیں سمجھتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک عذاب کا ڈنڈا سامنے نہیں آئے گا اس وقت تک یہ نہیں سمجھے گا یا قیامت آ جائے اور فرشتے عذاب لے کے سامنے آ جائیں گے لیکن اس وقت سمجھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ایسے ہی کیا تھا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں پھر جب وہ دنیا و آخرت میں عذاب کے اندر مبتلاء ہوئے تو ان کو ملامت اپنے آپ کو کرنی چاہیے، اللہ نے تو ان پر کوئی زیادتی نہیں کی، جو انہوں نے کیا تھا اللہ نے تو اسی کا نتیجہ ان کے سامنے رکھ دیا اور جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے اس نے ان کو گھیر لیا، اس ما کانوا بہٖ یستھزءون سے عذاب مراد ہے کیونکہ انبیاء جب ان کو کوئی عذاب کی خبر دیتے تھے تو یہ

آ گے سے مذاق اڑاتے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وعید آتی ہے اس نے ان کو گھیر لیا۔

شرک کے بارے میں مشرکین کی دلیل اور اُس کا جواب:

وقال الذین اشرکوا: ان لوگوں نے کہا جنہوں نے شرک کیا اگر اللہ چاہتا تو ہم اللہ کے علاوہ کسی چیز کی پوجا نہ کرتے، نہ ہم کرتے اور نہ ہمارے آباء کرتے اور نہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے کذلک فعل الذین من قبلھم اسی طرح کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں فھل علی الرسل الا البلاغ المبین نہیں ہے رسول کے ذمہ مگر کھول کے پہنچا دینا، اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین کے پاس جب کوئی کسی قسم کی دلیل نہ رہتی تو پھر وہ یوں کہتے کہ اگر ہمارا یہ طریقہ برا ہے تو اللہ ہمیں روک کیوں نہیں دیتا، روکنے سے مراد یہ ہے کہ زبردستی روک دے جب وہ روکتا نہیں بلکہ اس نے ہمیں قدرت دے رکھی ہے کہ ہم یہ کام کرلیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب اللہ کی رضا کے مطابق ہے، اگر اللہ چاہتا تو ہم بھی شریک نہ ٹھہراتے، ہمارے آباء بھی شریک نہ ٹھہراتے، ہم اللہ کے حکم کے علاوہ کسی چیز کو حرام نہ ٹھہراتے لیکن جب اللہ نے ہماری رسی ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ راضی ہے، مقابلہ میں وہ یہ دلیل بیان کرتے ہیں لیکن یہ دلیل بالکل بدیہی البطلان ہے جیسے سورۂ انعام کے اندر آپ کے سامنے اس کی تفصیل آئی تھی اس لیے اللہ نے اجمالاً یہ کہا ہے کہ ایسی باتیں وہ بھی کیا کرتے تھے جو ان سے پہلے گزرے ہیں لیکن اللہ کا فیصلہ سامنے آ گیا، عذاب آ گیا تو پتہ چل گیا کہ ان کی یہ دلیل ٹھیک نہیں اور ان کا یہ طریقہ درست نہیں ہے۔

یہ مشرکین کی دلیل ذکر کی ہے یعنی انبیاء کے مقابلہ میں مشرک یوں کہتے تھے کہ جب ہم یہ کام کر رہے ہیں یا ہمارے آباء بھی کرتے رہے اللہ چاہتا تو ہمیں روک دیتا جب اللہ نے ہمیں چھٹی دے رکھی ہے کہ ہم یہ کام کرتے رہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ان کاموں پر راضی ہے۔ یہ جاہلانہ دلیل ہے کیونکہ اس دلیل کا حاصل یہ ٹھہرا کہ جس کام کے کرنے پر قدرت دے دی جائے اور اس کام کے کرنے پر فوراً پکڑا نہ جائے تو یہ اللہ کی رضا کی دلیل ہے، یہ حاصل ہے مشرکوں کی اس دلیل کا کہ ایک انسان ایک کام کرتا ہے اور اس کام کے کرنے پر اللہ کی طرف سے فوراً گرفت نہیں آتی، اللہ نے اس کام کے کرنے کی قدرت دے رکھی ہے تو یہ دلیل ہے کہ یہ کام درست ہے اور اللہ کی مرضی کے مطابق ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ اگر اس دلیل کو مان لیا جائے تو دنیا کے اندر کوئی کام بھی برا ثابت نہیں ہوسکتا، آخر آپ دیکھیں گے کہ ایسے کام بھی ہیں کہ جن کے برے ہونے پر پوری انسانیت متفق ہے اور وہ مشرک بھی بعض کاموں کو برا سمجھتے تھے اور ان کو اپنے خیال کے مطابق درست نہیں سمجھتے تھے لیکن لوگ اس کو بھی کرر ہے تھے، وہ کام بھی لوگ کرتے ہیں، چوریاں لوگ کرتے ہیں، ڈاکے لوگ مارتے ہیں، زنا کرتے ہیں، بدمعاشیاں کرتے ہیں، یتیموں کا مال لوٹتے ہیں، کونسی برائی ایسی ہے جو دنیا میں نہیں ہوتی اور کرنے والے ڈٹ کے کرر ہے ہیں، اس قسم کی برائیوں میں مبتلاء ہیں اور خوب عیاشیاں کرر ہے ہیں اللہ تعالیٰ زبردستی ان کو ان برائیوں سے روکتا نہیں اور برائی کرتے ہی فوراً اس کے اوپر اللہ کی طرف سے گرفت نہیں آتی تو مشرکوں کی دلیل کے مطابق یہ سارے کام ہی ٹھیک ہیں جو کچھ ہو رہا ہے سب اللہ کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے، اس دلیل کو مان لینے کے بعد برائی اور اچھائی کی تقسیم کیا رہ گئی؟ پھر تو جو دنیا میں ہوتا ہے، جس کے کرنے کا اختیار اللہ نے انسان کو دے دیا اور اس کے کرتے ہی اس پر گرفت نہیں آتی تو اس کا جواز ثابت ہو جائے گا اور سب کام اللہ کی رضا کے مطابق ہو جائیں گے، اس سے زیادہ بڑھ کے جہالت اور کیا ہوسکتی ہے؟

یہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کو سمجھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر انسان کو کسی درجہ میں مختار بنا کے بھیجا ہے اور اس کو کسی درجہ میں آزادی دی ہے جب آزادی دی ہے تو وہ ہر قسم کے کام کر سکے گا۔ جب کر سکے گا تو ان میں سے کون سا کام اللہ کی مرضی کے مطابق ہے اور کونسا کام اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں اس کا پتہ چلے گا اللہ کے قانون سے جو اللہ نے قانون اتارا ہے، اس میں بتا دیا کہ فلاں کام کرنے سے میں راضی ہوتا ہوں اور فلاں کام کرنے سے میں ناراض ہو جاتا ہوں تو اللہ کے قانون سے تقسیم ہو جائے گی کہ کونسے کام اچھے ہیں اور کونسے کام اچھے نہیں ہیں، تو اللہ نے کتابیں اتاریں، انبیاء کو بھیج کر یہ ظاہر کر دیا کہ یہ شرک کا طریقہ غلط ہے شرک کا طریقہ صحیح نہیں ہے تو اب صرف اس کے وقوع سے دلیل پکڑنا کہ یہ اللہ کی رضا کے مطابق ہے یہ بات صحیح نہیں ہے۔

آگے یہ بات کہی جائے گی کہ اگر یہ طریقہ صحیح ہوتا تو پھر اس قسم کی برائیاں کرنے والے لوگ اللہ کے عذاب میں گرفتار کیوں ہوتے؟ انبیاء نے ان کو خبر دی کہ اگر باز نہیں آؤ گے تو عذاب آئے گا اور انبیاء کی خبر کے مطابق ان کے اوپر عذاب آیا دوسرے الفاظ میں آپ اس کو اس طرح سمجھ لیجئے کہ آج ملک میں ایک قانون ہے

جس میں قتل کو، چوری کو، ڈکیتی کو جرم قرار دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود اس ملک کی رعایا میں سے اکثر لوگ اس قسم کے کام کرتے ہیں اب اگر آپ ان کو روکنا چاہیں اور یہ کہیں کہ یہ کام نہ کرو برے ہیں اور وہ کہیں کہ اگر یہ برے ہیں تو حکومت ہمیں روکتی کیوں نہیں؟ روکنے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ جب تم کام کرنے لگو تو ہاتھ پکڑ لے، حکومت نے تو قانون بنا دیا تمہیں روک دیا باقی اگر چند دن تم حکومت کے قبضہ میں نہیں آرہے تو یہ حکومت کی رضا کی دلیل تو نہیں ہے، جس دن پکڑے جاؤ گے لٹک جاؤ گے لیکن یہاں تو یہ ہے کہ ایک جگہ چوری ہوتی ہے اور ارباب حکومت کو پتہ نہیں چلتا، ان کا علم ناقص ہے لیکن اللہ کی حکومت میں جو کچھ ہو رہا ہے اللہ کے قانون کے مطابق اگر وہ ناجائز ہے تو وہ نہ کہیں چھپا رہ سکتا ہے اور نہ کہیں بھاگ کے چھوٹ سکتا ہے، اگر اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت اس نے کچھ دیر کے لیے مہلت دے رکھی ہے تو یہ اس کی رضا کی دلیل نہیں، تو ان کی اس جاہلانہ دلیل کو یہاں نقل کیا گیا ہے اور اس پر انکار اس طرح کر دیا کہ اس قسم کی باتیں پہلے لوگ بھی کرتے تھے لیکن یہ دلیل ان کے مسئلہ کو جائز ثابت نہیں کرتی جس کی وجہ سے یہ لوگ اللہ کے عذاب سے بچ سکتے، انبیاء زبردستی روکنے کیلئے نہیں آیا کرتے، ان کے ذمہ تو صرف اللہ کی طرف سے صاف صاف پہنچا دینا ہے انہوں نے پہنچا دیا کہ یہ کام اللہ کی مرضی کے مطابق ہے اور جائز ہے، یہ کام اللہ کی مرضی کے خلاف ہے اور ناجائز ہے، یہ کام دنیا و آخرت میں راحت کا باعث بنے گا، یہ کام دنیا و آخرت میں ذلت کا باعث بنے گا، انبیاء کے ذمہ تو صرف وضاحت ہے، انبیاء زبردستی روکنے کے لیے نہیں آیا کرتے۔

گذشتہ تاریخ کا حوالہ:

ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً: البتہ تحقیق بھیجا ہم نے ہر جماعت میں رسول، یہ پیغام دے کر، یہ اللہ کا قانون ہے جس میں وضاحت کر دی گئی کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں، اور شرک اللہ کو پسند نہیں ہے ہر نبی کے پیغام میں یہ چیز موجود ہے اور ہر نبی نے اس کا پرچار کیا ہے، البتہ تحقیق بھیجا ہم نے ہر جماعت کے اندر رسول یہ پیغام دے کر کہ عبادت کرو تم اللہ کی اور بچو تم طاغوت سے طاغوت کا لفظ پہلے بھی گذر چکا ہے اس کا معنی ہے سرکش، شیطان اس کا اعلیٰ مصداق ابلیس ہے اور اس کے نیچے جو بھی اس کے کارندے ہیں جو نیکی سے روکتے ہیں اور برائی کی طرف لے جاتے ہیں سب طاغوت کا مصداق ہیں، منھم من ھدی اللہ، جب اللہ کی طرف سے یہ اعلان ہوا تو ان میں سے بعض وہ تھے جن کو اللہ نے سیدھے راستہ پر چلنے کی توفیق دی ومنھم من حقت علیہ الضلالۃ اور ان میں سے

بعض وہ ہیں کہ جن کے اوپر گمراہی ثابت ہوگئی، فسیروا فی الارض اب اگر تم یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ کونسا طریقہ صحیح ہے اور کونسا طریقہ غلط ہے اگر تم انبیاء کی زبان سے نہیں سمجھتے، اللہ کی کتاب میں لکھے ہوئے کو دیکھ کر امتیاز نہیں کر سکتے تو زمین میں چلو پھرو اور کھنڈرات کی زبان سے قصے سن لو، زمین کے اوپر پھیلے ہوئے آثار تمہیں بتادیں گے کہ انبیاء کی مخالفت کرنے والوں کا انجام کیا ہوا، فسیروا فی الارض پھر تم چلو پھرو زمین میں فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟ جنہوں نے انبیاء کی اس تعلیم کو جھٹلایا تھا جو انبیاء نے پیش کی تھی اعبدوا اللّٰہ واجتنبوا الطاغوت کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچ کے رہو جنہوں نے اس بات کو قبول نہیں کیا بلکہ جھٹلایا ان کا انجام جا کے ان کھنڈرات کی زبان سے سن لو۔

سرورِ کائنات ﷺ کو تسلی:

ان تحرص علی ھدٰھم: یہ سرورِ کائنات ﷺ کے لئے تسلی کی بات ہے کہ اگر آپ ان کی ہدایت پر حرص کریں یعنی آپ کا جی کتنا ہی چاہے کہ یہ راہ پر آ جائیں فان اللّٰہ لایھدی من یضل پس بے شک اللہ تعالیٰ راستہ نہیں دکھاتا اس شخص کو جس کو اللہ بھٹکا دیتا ہے یعنی اس کی بدکرداری کی بناء پر جب اس کو ضلالت میں ڈال دیا اب اس کو اللہ سیدھے راستہ پر نہیں چلائے گا وما لھم من ناصرین اور نہ ہی ان کے لئے کوئی مددگار ہوگا۔

مشرکین کا انکار معاد اور اللہ کی طرف سے جواب:

یہ تو شرک کی بات تھی اور انبیاء کے انکار کی بات تھی اب آگے معاد کا تذکرہ آ گیا کہ جیسے شرک پر اڑے ہوئے ہیں، نبوت کے منکر ہیں اسی طرح یہ معاد کے بھی منکر ہیں واقسموا باللّٰہ جھد ایمانھم قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی پختہ قسمیں، جھد ایمانھم اس کی ترکیب ہوا کرتی ہے اقسموا باللّٰہ مجتھدین فی توکید ایمانھم اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں اور ان قسموں کے پکا کرنے میں خوب کوشش کرنے والے ہیں، بڑی پکی قسمیں کھاتے ہیں، قسمیں کھا کے کیا کہتے ہیں؟ لا یبعث اللّٰہ من یموت جو مر گیا اللہ اسے نہیں اٹھائے گا، کیونکہ وہ اللہ کے وجود کے قائل تھے، انکار ان الفاظ کے ساتھ کرتے تھے کہ جو مر جائے گا اللہ اسے دوبارہ نہیں اٹھائے گا، یہ بات غلط ہے جو کہتے ہیں کہ مر کے دوبارہ اٹھنا ہے بلٰی وعداً علیہ حقاً یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ہے کیوں نہیں اٹھائے گا اللہ کے ذمہ یہ سچا وعدہ ہے ولکن اکثر الناس لایعلمون لیکن اکثر لوگ اس بات کو جانتے نہیں ہیں۔

بعث بعد الموت کی حکمت:

لیبین اللہ تعالیٰ کیوں اٹھائے گا؟ اس کی حکمت یہ ہے تاکہ واضح کر دے ان لوگوں کے لئے وہ بات جس میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ وہ اس بات میں جھوٹے تھے، مطلب یہ ہے کہ یہ بعث اس لئے ضروری ہے کہ غلط غلط ہو کے سامنے آجائے، صحیح صحیح ہو کے سامنے آجائے، حق اور باطل کی کشمکش کا فیصلہ ہو جائے، جب تک آخرت نہیں آئے گی فیصلہ کیسے ہوگا، اللہ تعالیٰ اٹھائے گا تاکہ واضح کر دے لوگوں کے لئے اس بات کو جس میں یہ اختلاف کرتے تھے اور تاکہ جان لیں کافر لوگ کہ بے شک وہ جھوٹے تھے، جھوٹے اسی بات میں جس کا ذکر اوپر آیا ہوا ہے لایبعث اللّٰہ من یموت

اللہ تعالیٰ کی قدرت:

باقی تمہارا یہ کہنا کہ اٹھائے گا نہیں اس کا منشاء یہ ہے کہ اٹھا سکتا ہی نہیں، ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کیسے کیے جائیں گے تو اس بارے میں ہماری بات سن لو انما قولنا لشیٔ اذا اردنٰہ ان نقول لہٗ کن فیکون ہمیں کوئی اہتمام نہیں کرنا پڑتا، ہماری قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں ہے سوائے اس کے نہیں ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم اس کے متعلق ارادہ کر لیں کہ وہ ہو جائے، کسی چیز کے بارے میں جب ہم ارادہ کر لیتے ہیں کہ وہ ہو جائے تو ہمارا قول یہی ہوتا ہے کہ ہم اس کو کہہ دیتے ہیں کن ہو جا فیکون پس وہ ہو جاتی ہے، ہمیں کوئی اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں جب ہمارا ارادہ ہوگا اسی وقت وہ چیز وجود میں آجائے گی، ہماری قدرت اتنی بڑی ہے کہ ایک کلمہ کن کے ساتھ ہر چیز کو موجود کیا جا سکتا ہے تو تمہارا بعث کا انکار کرنا اس بناء پر کہ کون زندہ کرے گا یہ تو ہماری قدرت کا انکار ہے اور ہماری قدرت یہ ہے کہ ہمارے صرف کن کہنے کی دیر ہوتی ہے پس وہ چیز ہو جاتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ

اور جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کے راستہ میں بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا البتہ ہم

فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

ضرور ٹھکانہ دیں گے انہیں دنیا میں اچھا اور آخرت کا اجر بہت بڑا ہے کاش یہ لوگ جان لیں ﴿۴۱﴾

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے

قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ

آپ سے پہلے مگر مردوں کو ہی ہم وحی کرتے تھے ان کی طرف پس تم پوچھ لو

كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ

اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے ﴿۴۳﴾ واضح دلائل اور کتب کے ساتھ اور اتارا ہم نے آپ پر

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

قرآن تاکہ آپ بیان کریں لوگوں کے لئے وہ چیز جو اتاری گئی ان کی طرف اور تاکہ وہ لوگ فکر کریں ﴿۴۴﴾

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ

کیا بے خوف ہیں وہ لوگ جو بری تدبیر کرتے ہیں کہ دھنسادے اللہ انہیں زمین میں

اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ

یا آجائے ان پر عذاب ایسی جگہ سے کہ انہیں شعور بھی نہ ہو ﴿۴۵﴾ یا پکڑے

فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ

اللہ ان کو چلتے پھرتے پس یہ لوگ عاجز کرنے والے نہیں ہیں ﴿۴۶﴾ یا پکڑے ان کو کم کرتے کرتے

فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ

پس بے شک تمہارا رب مہربان رحم کرنے والا ہے ﴿۴۷﴾ کیا وہ نہیں دیکھتے ان چیزوں کی طرف جن کو پیدا کیا

شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ

اللہ نے کہ جھکتے ہیں ان کے سائے دائیں طرف اور بائیں طرف اس حال میں کہ سجدہ کرنے والے ہیں اللہ کے لئے

دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ

اور وہ عاجزی اختیار کرنے والے ہیں ﴿۴۸﴾ اور اللہ کیلئے سجدہ کرتی ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین

مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ

میں حیوانات ہیں اور فرشتے اور یہ تکبر نہیں کرتے ﴿۴۹﴾ اور وہ ڈرتے ہیں

رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ قَالَ

اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے اور وہ کرتے ہیں وہی جن کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ﴿۵۰﴾ اور کہا

اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ

اللہ نے کہ نہ بناؤ تم دو معبود، وہ صرف ایک ہی الٰہ ہے پس تم مجھ

فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَهُ الدِّيْنُ

ہی سے ڈرو ﴿۵۱﴾ اور اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور فرمانبرداری

وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ

کرنا صرف اسی کا حق ہے ہر حال میں کیا تم اللہ کے غیر سے ڈرتے ہو ﴿۵۲﴾ اور تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی

ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ

طرف سے ہے پھر جب پہنچ جاتی ہے تمہیں کوئی تکلیف تو تم اسی سے فریاد کرتے ہو ﴿۵۳﴾ پھر جب وہ ہٹا دیتا ہے

عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ

تکلیف کو تم سے تو اچانک ایک فریق تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شریک کرنے لگتا ہے ﴿۵۴﴾ تاکہ وہ انکار کریں

اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ٙ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ

اس نعمت کا جو ہم نے ان کو دی پس تم نفع حاصل کرلو پھر عنقریب تم جان لو گے ﴿۵۵﴾ اور وہ قرار دیتے ہیں ان کے لئے

نَصِيۡبًا مِّمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسۡـَٔـلُنَّ عَمَّا كُنۡتُمۡ تَفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۶﴾

جنہیں کچھ علم نہیں حصہ ان چیزوں سے جو ہم نے ان کو دیں اللہ کی قسم! البتہ ضرور تم سے سوال کیا جائے گا اس بارے میں جو تم گڑھتے ہو ﴿۵۶﴾

وَيَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰهِ الۡبَنٰتِ سُبۡحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمۡ مَّا يَشۡتَهُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا

اور وہ تجویز کرتے ہیں اللہ کیلئے بیٹیاں، وہ اللہ اس سے پاک ہے، اور اپنے لیے وہ چیز جو چاہتے ہیں ﴿۵۷﴾ اور

بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰى ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ ۚ ﴿۵۸﴾

جب خوشخبری دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی کی تو ہو جاتا ہے اس کا چہرہ سیاہ اور دل میں کڑھتا ہے ﴿۵۸﴾

يَتَوٰرٰى مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰى

چھپتا ہے قوم سے اس برائی کی وجہ سے جس کی اس کو خوشخبری دی گئی ہے کیا اسے روکے رکھے

هُوۡنٍ اَمۡ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ﴿۵۹﴾

ذلت پر یا اسے گاڑ دے مٹی میں خبردار! برا ہے وہ جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ﴿۵۹﴾

لِلَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوۡءِ ۚ وَلِلّٰهِ الۡمَثَلُ

ان لوگوں کیلئے جو یقین نہیں رکھتے آخرت پر بری حالت ہے اور اللہ کیلئے

الۡاَعۡلٰى ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۶۰﴾ ع

بلند صفات ہیں اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے ﴿۶۰﴾

تفسیر

آیت کا مفہوم:

والذین ھاجروا فی اللہ: اور وہ لوگ جنہوں نے گھربار چھوڑا اللہ کی رضا کے لئے، اللہ کے راستہ میں فی اللہ، فی سبیل اللہ کے معنی میں ہے اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے جنہوں نے اپنے گھر بار کو چھوڑا من بعدما ظلموا، ما مصدریہ ہے ظلم کیے جانے کے بعد، بعد اس کے کہ وہ ظلم کیے گئے، مظلوم ہونے کے بعد لنبئونھم البتہ ضرور ٹھکانہ دیں گے ہم انہیں دنیا میں اچھا، ولاجر الآخرۃ اکبر اور آخرت کا اجر بڑا ہے

لو کانوا یعلمون کیا ہی اچھا ہو کہ یہ لوگ جان لیں، کاش کہ یہ لوگ جانتے۔

ماقبل سے ربط:

پچھلے رکوع کے آخر میں معاد کا مسئلہ ذکر کیا گیا تھا اور کافروں کے اس عقیدہ کو ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ قسمیں کھا کے کہتے ہیں لایبعث اللہ من یموتہ مرنے والوں کو پھر اللہ اٹھائے گا نہیں، جو ایک دفعہ مرجائیں گے اللہ انہیں نہیں اٹھائے گا، ان کی اس بات کے اوپر بلی کے لفظ کے ساتھ انکار کیا گیا تھا کہ کیوں نہیں اٹھائے گا، یہ اٹھانا تو اللہ کے ذمہ واقعہ کے مطابق ایک وعدہ ہے لیکن اکثر لوگوں کو علم نہیں، بے علمی کی وجہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں، آگے اس اٹھانے کی حکمت بتائی کہ کیوں اٹھائے گا؟ لوگوں میں یہاں طریقے مختلف ہیں اور ان مختلف طریقوں میں حق کی تعیین دنیا میں رہتے ہوئے عملاً نہیں ہوتی۔ جو جس عقیدے کو اپنائے بیٹھا ہے اسی کو ہی حق سمجھتا ہے، ایک وقت کا آنا ضروری ہے کہ جس میں حق اور باطل کا عملاً فیصلہ ہو جائے اور وہاں ان الفاظ کے ساتھ اعلان کر دیا جائے وامتازوا الیوم ایھا المجرمون مجرم علیحدہ ہو جائیں اور فرمانبردار علیحدہ ہو جائیں، کھل کے لوگوں کے سامنے آجائے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس مختلف فیہ مسئلہ کو واضح کرنے کیلئے آخرت کا دن لائے گا، ورنہ اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے تو دلائل کا ایسا الجھاؤ ہے اور اس قسم کے شبہات اور اشتباہات پیدا ہو جاتے ہیں کہ حق اور باطل کے اندر نمایاں پہچان لوگوں کے لئے مشکل ہو جاتی ہے، امتیاز مشکل ہے اگرچہ نیک نیتی کے ساتھ، صاف دل سے، خلوص سے، طلب حق کے جذبہ کے ساتھ دلائل میں غور کیا جائے تو یہاں بھی حق متعین ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی بہت سارے شبہات لوگوں کے سامنے آجاتے ہیں، دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کو خلط ملط سا کیا ہوا ہے۔ ایک وقت آئے گا جب سب میں امتیاز کر دیا جائے گا اور ان کافروں کا جھوٹ ظاہر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ اس دن کو ضرور لائے گا۔

باقی اس دن کے لانے میں جو اشکال ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیسے ہوں گے، بوسیدہ ہڈیوں میں دوبارہ جان کیسے ڈالی جائے گی تو تمہیں اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیں کسی کام کے کرنے کیلئے کوئی اہتمام نہیں کرنا پڑتا بس ایک کن ہے جس کے ساتھ سب کچھ ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق ہوا، لفظ کن صادر ہوا تو وہ ہو جاتی ہے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک گروہ کا ذکر کیا ہے جس کو ماقبل کے ساتھ آپ یوں جوڑ سکتے ہیں کہ یہ بھی ضرورتِ آخرت کو نمایاں کرنے کیلئے ایک بات بتائی ہے کہ دیکھو! دنیا کے اندر دو قسم کے لوگ ہیں بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اور اپنے گھروں کے اندر بیٹھے ہوئے عیش وعشرت کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا کیلئے اپنے گھر یار تک کو چھوڑ دیتے ہیں، اپنے علاقہ کو چھوڑ دیتے ہیں، سفر کی مصیبتیں جھیلتے ہیں، ہر قسم کی عیش وعشرت کو قربان کر دیتے ہیں صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے اللہ کے راستہ میں سختیاں سہتے ہیں اگر ان کے سامنے کوئی اچھا انجام آنے والا نہیں تو پھر ان میں اور ان کافروں میں کیا فرق ہوا؟ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ جو شکر گزار ہیں اور جو ناشکرے ہیں جو فرمانبردار ہیں اور جو نافرمان ہیں انجام کے لحاظ سے سب برابر ہو گئے، اگر آخرت واقع نہ ہو تو پھر ان لوگوں کے درمیان میں امتیاز کیسے ہوگا؟ پھر تو وہ شخص زیادہ اچھا ہے جس نے اس دنیا میں آرام سے گزار لی چاہے لوگوں کا مال چھین کے کھا لیا، چاہے کسی سے زبردستی کر کے عیش وعشرت کر لی وہ لوگ زیادہ کامیاب ہیں کیونکہ مرنے کے بعد جب آگے کہیں جانا ہی نہیں ہے تو جو اس دنیا کے اندر لذات اٹھا لیتا ہے، عیش وعشرت کی زندگی گزار لیتا ہے وہ تو کامیاب ہے پھر اللہ کا نام لینے والے، اللہ کے راستہ میں لٹنے پٹنے والے، ماریں کھانے والے، مظلوم ہونے والے ان کا انجام کس طرح سامنے آئے گا تو جب لوگوں کے حالات مختلف ہیں تو اس کا نتیجہ بھی ضرور سامنے آئے گا جس میں فرمانبرداروں کے لئے راحت اور نافرمانوں کیلئے عذاب کی صورت بنے گی جس وقت تک آخرت کا تصور نہ ہو اس وقت تک اچھے اور برے کے درمیان امتیاز کا کوئی معیار ہی نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے۔

مہاجرین کے لئے بشارت:

اب یہ سورۃ چونکہ مکی ہے اس لئے والذین ھاجروا فی اللہ کا مصداق وہ لوگ ہیں جو سرورِ کائنات ﷺ کی مکی زندگی میں ہجرت کر کے حبشہ کی طرف گئے تھے، وہ اسی (۸۰) آدمی جن کی قیادت حضرت جعفر بن ابی طالب نے کی تھی اور حبشہ کے اندر جا کے وہ ٹھہرے تھے اس آیت کا اصل مصداق وہ ہیں اگرچہ عموم الفاظ کے ساتھ جس دور میں بھی لوگ اللہ کی رضا کیلئے اپنے گھر بار کو چھوڑیں گے وہ اس بشارت کا مصداق بن سکتے ہیں، ھاجروا جنہوں نے اپنے گھر بار کو چھوڑ دیا اور فی اللہ یہ ان کی نیت کا بیان ہے، گھر بار کا چھوڑنا مختلف وجہوں سے ہوتا ہے، دوسرے

لوگ بھی گھربار چھوڑ کے دوسری طرف سفر کر کے جاتے ہیں لیکن جن کے لئے بشارت ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رضا کیلئے اپنے گھربار کو چھوڑتے ہیں اور واقعہ بھی یہی تھا کہ اللہ کے راستہ میں بہت مظلوم تھے، لوگوں نے ان کے اوپر بہت زیادتیاں کی تھیں، ظلم کیے جانے کے بعد انہوں نے اللہ کی رضا کیلئے اپنے گھربار کو چھوڑا۔ البتہ ہم ضرور ٹھکانہ دیں گے انہیں دنیا میں اچھا، دنیا میں بھی اچھا ٹھکانہ دیں گے، ان ظالموں کے مقابلہ میں رحم دل ساتھی مل جائیں گے، اچھے پڑوسی مل جائیں گے، یہ جن کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دنیا کے اندر عزت دے گا، نیک نامی دے گا لوگ ان کا اچھے الفاظ میں تذکرہ کریں گے اور یہاں رزق کی تنگی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو رزق کی وسعت دے گا، امن وامان کی زندگی دے گا اور ان کے لئے بشارت یہ بھی ہے کہ ان میں سے جو زندہ رہ جائیں گے ان کو دنیا میں غلبہ ملے گا جیسا کہ بعد میں اسی طرح ہوا اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہے اس کا تو کیا ہی کہنا، کاش کہ لوگوں کو پتہ چل جائے اور اس آخرت کے اجر کو حاصل کرنے کیلئے اللہ کے راستہ میں سختیاں برداشت کریں۔

مہاجرین کی صفات:

اور یہ مہاجرین کی ہی صفت ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے صبر کیا، صبر کا معنی مشکلات کو برداشت کرنا، ناسازگار حالات کو برداشت کرنا یعنی انہوں نے دین کی ایسی قدر کی، دین کی دولت حاصل کر لینے کے بعد انہوں نے ہر زیادتی کو برداشت کر لیا لیکن دین چھوڑنا برداشت نہیں کیا جیسا کہ امم سابقہ کے اندر بھی ایسے لوگ گزرے ہیں جن کے بارے میں سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اس دین کی وجہ سے لوگوں کو گڑھے میں گاڑ کے ان کے سر پر آری رکھ کے ان کو چیر دیا جاتا تھا اتنی سختی بھی ان کو دین سے باز نہیں رکھتی تھی، دین چھوڑنے کے لئے وہ تیار نہیں ہوتے تھے، صبر کی حد یہی ہے کہ اللہ کے راستہ میں انسان اس طرح مشکلات برداشت کرنے کیلئے تیار ہو جائے کہ اس کو آگ میں چھلانگ لگانا تو گوارہ ہو لیکن دین کی نعمت ہاتھ سے دینا گوارہ نہ ہو، آری کے ساتھ چرجانا تو گوارہ ہو، اپنے ٹکڑے کروالینا تو گوارہ ہو لیکن انسان اس دین کو چھوڑنے کیلئے آمادہ نہ ہو یہ صفت جب پیدا ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامیابی کے وعدے ہی وعدے ہوتے ہیں اور پھر اللہ کے اوپر بھروسہ اور اللہ پر اعتماد ہوتا ہے ظاہری اسباب پر اعتماد نہیں ہوتا، ظاہری اسباب کتنے ہی خلاف کیوں نہ ہوں، کتنے ہی ناکامی کے اسباب انسان کے سامنے نمایاں ہوں لیکن اللہ کی ذات پر بھروسہ ہوتا ہے کہ ہمارا اللہ ہر قسم کی قدرتوں کا مالک ہے ہر قسم کے

خزانوں کا مالک ہے، اپنے علم وحکمت کے تحت ہمارے ساتھ تو جو معاملہ کرے گا ہمارے لیے وہی بہتر ہوگا، اسباب کی طرف نظر اٹھا کے وہ نہیں دیکھتے، اللہ کی ذات، قدرت اور اس کے علم وحکمت پر نظر رکھتے ہیں، جن لوگوں کے اندر یہ صفتیں پائی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لئے کامیابی کے وعدے کرتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام انسانوں میں سے ہی آئے ہیں:

اس معاد کے مسئلہ کے بعد اگلی آیت کے اندر نبوت ورسالت کا تذکرہ ہے، وہ لوگ آپ کی نبوت کا انکار کرنے کیلئے یہ بات بھی کہتے تھے کہ بشر اللہ کا رسول کیسے ہوسکتا ہے، اگر اللہ نے بھیجنا تھا تو کسی فرشتہ کو کیوں نہیں بھیج دیا؟ مشرکین نبوت کے انکار کے لیے یہ بات کرتے تھے تو فرمایا وما ارسلنا من قبلك الا رجالاً نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے مگر آدمیوں کو ہی، رجال کہہ کے اصل میں ملائکہ کی نفی کرنی مقصود ہے کہ اللہ نے ملائکہ کو نہیں بھیجا آدمی ہی بھیجے ہیں اگرچہ اس لفظ سے یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو پیغمبر نہیں بنایا، یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے جب بھیجا ہے مردوں کو ہی بھیجا ہے عورتوں کو نہیں بھیجا، جب بھیجا ہے انسانوں کو ہی بھیجا ہے فرشتوں کو نہیں بھیجا، نوحی الیھم ہم ان کی طرف وحی کرتے ہیں فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون یہ خطاب اہل مکہ کو ہے پوچھ لو اہل ذکر، ذکر سے یہاں علم مراد ہے، اہل ذکر سے پوچھ لو، اہل علم سے پوچھ لو اگر تمہیں پتہ نہیں ہے کیونکہ تم تو اس سلسلہ کو جانتے نہیں ہو، تم تو جاہل ہو اس دور میں جو اہل علم موجود ہیں ان سے پوچھ لو، اہل علم سے مراد اہل کتاب ہیں اور ذکر سے توراۃ بھی مراد لی گئی ہے یعنی توراۃ والے اور مطلق علم بھی مراد لیا گیا ہے کہ جو اللہ کی باتوں کو یاد رکھنے والے ہیں ان سے پوچھ لو اگر تمہیں پتہ نہیں، کیا پوچھ لو کہ پہلے کوئی رسول آئے ہیں؟ وہ تو تمہیں بتائیں گے کہ ہاں رسولوں کا سلسلہ جاری ہے پھر ان سے پوچھو کہ کیا وہ رسول جو آئے تھے وہ بنی آدم میں سے ہی تھے، اولادِ آدم میں سے تھے، انسان تھے، رجال تھے تو وہ تمہیں جواب دیں گے کہ ہاں ایسے ہی تھے تو پھر تمہیں یقین آجانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت کا سلسلہ جاری ہے اور اللہ جب بھی انسانوں کی طرف رسول بنا کے بھیجتا ہے تو انسانوں کو ہی بھیجتا ہے اگر تمہیں پتہ نہیں تو تم اہل علم سے پوچھ لو، اہل کتاب اور ہمارا اس مسئلہ میں چونکہ کوئی اختلاف نہیں، اہل کتاب جن پیغمبروں پر ایمان لائے ہوئے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہوئے تھے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہوئے تھے یا اس سے پہلے سب پیغمبروں کو وہ مانتے تھے تو اس لئے ان

سے اگر پوچھا جائے تو وہ یہی جواب دیں گے کہ واقعی اللہ کی طرف سے رسالت کا سلسلہ ہے اور انسان ہی ہوتے ہیں تو اہل کتاب کی طرف متوجہ اس لئے کیا گیا کہ یہ مسئلہ ہمارے اور ان کے درمیان میں کوئی مختلف فیہ نہیں ہے۔

مسئلہ تقلید کی بنیاد:

اس کا موقع محل تو یہی ہے کہ مسئلہ رسالت کی تحقیق کیلئے متوجہ کیا ہے کہ تم ان لوگوں سے پوچھ لو جو اہل علم ہیں یہ تمہیں بتادیں گے کہ یہ بات صحیح ہے ویسے عموم الفاظ سے یہیں سے لوگوں نے وہ مسئلہ نکالا کہ جس کے پاس علم نہ ہو اسے چاہیے کہ جب بھی کوئی کام کرنے لگے تو اہل علم سے پوچھ کے کرے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون پھر اسی پر ہی بنیاد رکھی تقلید کے مسئلہ کی کہ عام آدمی جو کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی صحیح مراد سمجھنے سے عاجز ہے وہ اس بات کا مکلف ہے کہ اپنی رائے پر عمل نہ کرے بلکہ اہل علم سے پوچھ کے کرے اسی آیت کو اس مسئلہ کے اندر بھی ذکر کیا جاتا ہے موقع محل اگرچہ مسئلہ رسالت ہے اور یہی بات ہے کہ رسول بشر ہے یا نہیں؟ نبی بشر ہوتا ہے یا فرشتہ ہوتا ہے؟ مسئلہ یہ مذکور ہے اور اہل علم سے اس جگہ وہی لوگ مراد ہیں جو اس زمانہ میں تاریخ دان تھے یا پہلی کتابوں کے عالم تھے لیکن عموم الفاظ سے یہ بات نکل آئی کہ بے علم کے لئے ضروری ہے کہ جب کوئی کام کرنا ہو تو علم والے سے پوچھ کے کرے جیسے مشکوٰۃ شریف میں باب التیمم میں یہ روایت ہے انما شفاء العیی السوال (مشکوٰۃ ۲/۴۳۳) بے شک جہالت کی شفاء سوال کرنے میں ہے، عیی اور جہالت بھی ایک بیماری ہے اس کی شفاء یہی ہے کہ دوسرے سے پوچھو اور اس کے مطابق عمل کرو تو جہالت کا علاج یہی ہے۔

اللہ کے رسول کی وضاحت کے بغیر قرآن کریم کی مراد کو نہیں سمجھا جا سکتا:

بالبینات والزبر: یہ ارسلنا کے متعلق ہے الا نے آ کے نفی توڑ دی، نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے مگر آدمیوں کو بینات اور زبر کے ساتھ یعنی بھیجا ہم نے **بینات اور زبر** کے ساتھ، آدمیوں کو بھیجا اور واضح دلائل اور کتابیں دے کے بھیجا، زبر زبور کی جمع ہے اس کا معنی ہے مطلق کتابیں، یعنی کتابیں اور صحیفے لے کے آئے وانزلنا الیک الذکر اور ہم نے آپ کی طرف بھی کتاب اتاری، ذکر سے یہاں قرآن کریم مراد ہے جیسے سورۂ حجر میں لفظ آیا تھا اِنّا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون تو ذکر اس کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ایک قسم کی یاد دہانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کے اندر اپنے ساتھ جو تعلق رکھا ہے، اپنے ساتھ محبت رکھی ہے، اطاعت اور عبادت کا

جذبہ ہے اس کی یاددہانی ان کتب کے ذریعہ سے کرائی جاتی ہے جو اللہ کی طرف سے اترتی ہیں، ہم نے آپ کی طرف بھی یہ ذکر اتار التبین للناس مانزل الیھم تاکہ تو واضح کرے لوگوں کیلئے اس بات کو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے، اس میں سرورِ کائنات ﷺ کا منصب تبیین ذکر کیا گیا ہے، مانزل الیھم کی تبیین یہ حضور ﷺ کے ذمہ ہے، تبیین سے وضاحت مراد ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ قرآن کریم جو کہ عربی زبان میں ہے اور مخاطب بھی اس کے عربی ہی تھے اور ایسا کوئی لفظ قرآن کریم میں نہیں ہوگا کہ جس کا ترجمہ وہ نہ جانتے ہوں فصیح و بلیغ لوگ تھے، بہت اعلیٰ درجہ کی زبان جاننے والے تھے اور یہ بھی بڑی فصیح عربی ہے جس کے اندر اس کتاب کو اتارا گیا ہے تو وہ آج کل کے علماء کے مقابلہ میں ان آیات کا ترجمہ خوب سمجھتے ہوں گے تو ترجمہ سمجھ لینا یا لغوی حیثیت سے کسی آیت کا ترجمہ کر لینا قرآن کریم کے سمجھنے کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے رسول کی تبیین ضروری ہے، جب تک اللہ کے رسول کی طرف سے تبیین نہیں ہوگی اس وقت تک اس سے اللہ کی مراد سمجھ میں نہیں آتی اور یہ آیت بہت واضح دلیل ہے حجیت حدیث کیلئے کہ قرآن کریم کو اگر سمجھنا ہے تو حدیث کی روشنی میں سمجھئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلم بنا کے بھیجا ہے اور مُبَیِّنْ بنا کے بھیجا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی مراد اس کتاب سے جو بھی ہے اس کی تبیین سرورِ کائنات ﷺ کریں گے۔

مثالوں سے وضاحت:

اب قرآن کریم میں ایک لفظ آ گیا اقیموا الصلوٰۃ: اقام یقیم لغت میں اس کا معنی ہے کھڑا کرنا، قائم کرنا اور الصلوٰۃ کا لفظ بھی پہلے استعمال ہوتا تھا دعا کے معنی میں تو اقیموا الصلوٰۃ کا لفظی ترجمہ ہوگا کہ دعا کو قائم کرو لیکن اب اس سے اللہ کی مراد کیا ہے یہ اللہ کے رسول نے بتائی کہ پانچ وقت میں ان شرطوں کے تحت اس انداز کے ساتھ یہ حرکات، یہ اقوال ان کا مجموعہ اقیموا الصلوٰۃ کا مصداق یہ ہے اب اگر کوئی شخص لغت کی کتاب اٹھا کے اقیموا الصلوٰۃ کا مطلب کوئی اور متعین کرتا ہے تو وہ اللہ کی مراد نہیں ہے اللہ کی مراد وہ ہے جو اللہ کے رسول نے ظاہر کردی۔

اسی طرح آتوا الزکوٰۃ ایک لفظ آ گیا، لغت میں اگر زکوٰۃ کا معنی دیکھو گے تو زکوٰۃ پاکیزگی کو بھی کہتے ہیں، زکوٰۃ کسی چیز کے بڑھنے کو بھی کہتے ہیں، یہ بڑھنے کے معنی میں بھی آتی ہے اور پاکیزگی کے معنی میں بھی آتی

ہے تو آتوا الزکوٰۃ کا معنی ہے زکوٰۃ دو، پاکیزگی دو، پاکیزگی ادا کرو یا یہ ہے کہ نما اور افزائش دو اب اس کا کیا مطلب؟ اس کی کیا مراد ہے؟ آج اگر کوئی شخص لغت میں دیکھ کے اس کی کوئی نئی صورت متعین کر لیتا ہے تو ہم کہیں گے یہ اللہ کی مراد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی مراد وہی ہے جو اللہ کے رسول نے واضح کی ہے جس میں آ گیا کہ فلاں فلاں مال میں سے اتنے وقت کے بعد اتنی اتنی چیز دو، اونٹوں میں سے یہ دو، گائیوں میں سے یہ دو، بکریوں میں سے یہ دو، سونے سے اتنا، چاندی سے اتنا، نباتات میں سے اتنا، غلہ جات سے اتنا وہ مراد جو اللہ کا رسول واضح کرے گا وہی مراد اللہ کی ہے کیونکہ اس کا منصب تبیین ہے، اس کے خلاف اگر کوئی شخص کہتا ہے تو وہ غلط ہے، یہ مراد کا واضح کرنا، لوگوں کی طرف جو کچھ اترا ہے اس کی حقیقت کو نمایاں کرنا یہ اللہ کے رسول کا منصب ہے اس لیے قرآن کریم کی مراد احادیث سے قطع نظر کر کے نہیں سمجھی جا سکتی اور جو سمجھی جائے گی غلط ہوگی اور صحیح مراد وہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول وہی ہے جو اللہ کا رسول بیان کرتا ہے۔

اس سے یہ بات بھی نکل آئی کہ صرف اردو ترجمہ دیکھ لینا یا لغات کے تحت کسی آیت کو حل کر لینا یہ اللہ کی مراد متعین کرنے کیلئے کافی نہیں، اگر ایسی بات ہوتی تو اللہ کے رسول کا یہ منصب نہ قرار دیا جاتا کیونکہ وہ سارے کے سارے لوگ عربی تھے اور کتاب لکھی لکھائی ان کی طرف اتار دی جاتی، وہ لوگ پڑھتے جاتے اور مطلب سمجھتے جاتے **لتبین للناس ما نزل الیھم تاکہ تو کھول کھول کے بیان کرے لوگوں کے لئے اس چیز کو جو ان کی طرف اتاری گئی** ہے ولعلھم یتفکرون اور تاکہ وہ سوچیں۔

صرف کتابیں پڑھ کر اپنے بیوی بچوں کا علاج خود کیوں نہیں کرتے؟:

دین چونکہ آج کل بیچارہ مظلوم ہے، کوئی سرپرستی کرنے والا نہیں ہے اس لئے سب لوگ اس کو تختۂ مشق بنائے ہوئے ہیں، جو اٹھتا ہے قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے لگ جاتا ہے، جو اٹھتا ہے دین کی باتوں میں دخل دینا شروع کر دیتا ہے ورنہ یہ تو فطرت انسانی کے تحت ایک اصول ہے کہ کوئی فن ہو جب تک اس کے ماہرین کی سرپرستی میں اس کو حاصل نہ کیا جائے اس کے اندر رائے دینا جائز ہی نہیں ہے، اب لوگ مشکوٰۃ شریف کا اُردو ترجمہ لے کے بیٹھے ہوئے ہیں اور اجتہاد کر رہے ہیں، بخاری شریف کا اردو ترجمہ لیے بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ مولویوں کی دین پر **اجارہ داری تو نہیں ہے کہ قرآن اور حدیث کو صرف وہی بیان کر سکتے ہیں، آخر ہم بھی تو عقل رکھتے ہیں۔ ہمارے**

لیے بھی یہ قرآن اور حدیث اترا ہے، ہم بھی تو اس کی مراد سمجھ سکتے ہیں تو اس میں غور کر کے الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں ضلوا فاضلوا کا مصداق بنتے ہیں کہ خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں اور میرے ساتھ اگر کبھی کسی آدمی کا واسطہ پڑ جائے تو میں تو اسے صرف یہی کہا کرتا ہوں کہ بھائی اپنی عقل کے اوپر اگر تمہیں اتنا ہی اعتماد ہے تو طب کی اُردو کی کتابیں خرید لو اور اپنے بیوی بچوں کا علاج ان کتابوں کو دیکھ کے کرنا شروع کر دو تو ہم سمجھیں گے واقعی تمہیں اپنی عقل پہ اعتماد ہے اور تم بہت سمجھدار آدمی ہو۔ اُردو کی کتابیں طب کی بھی ہیں اور ڈاکٹری کی بھی ہیں، کیا ضرورت ہے ڈاکٹروں کو فیس دینے کی؟ کیا ضرورت ہے ہسپتالوں میں دھکے کھانے کی؟ اوزار خرید لو، کتاب کھول کے سامنے رکھ لو اور اپنے بیوی بچوں کے اوپر اپنی عقل آزماؤ تو تمہیں پتہ چلے کہ تم کتنے سمجھدار ہو اور اگر یہاں اپنے بیوی بچوں کے بارے نزلہ زکام بھی اگر ہو جائے تو تم ڈاکٹر کے مشورہ کے بغیر دوائی دینے کیلئے تیار نہیں اور یہاں تم اپنی عقل پر اعتماد نہیں کرتے اور یہی کہتے ہو کہ بھائی جن کا فن ہے باریکیاں وہی جانتے ہیں، ٹھیک ہے دوائی لکھی ہوئی ہے کہ نزلہ کی یہ دوائی ہے، لیکن دس نسخے لکھے ہوئے ہوں گے ان میں سے کونسا اس موسم کے مطابق ہے، کونسا اس مزاج کے مطابق ہے، اس عمر میں کتنی تعداد چاہیے، اور عوارض کیا ہیں، یہ تو صاحب فن ہی پہچان سکتا ہے اس لئے اُردو کی کتاب دیکھ کے علاج نہیں کرنا چاہیے۔ اگر اس طرح علاج کرے گا تو اپنی بیوی، بچہ کو مار بیٹھے گا اور ہر شخص اسے ملامت کرے گا تو یہاں تمہاری عقل کو کیا ہو گیا، یہاں اپنی عقل سے کام کیوں نہیں لیتے تو تمہیں جان تو اتنی پیاری ہے کہ اُردو کی کتابیں دیکھ کے اپنی عقل کو آگے نہیں لاتے اور اپنی عقل کے تحت اپنے اوپر یا اپنے بیوی بچوں پر تجربے نہیں کرتے تو کیا ایمان کی اتنی فکر نہیں ہے کہ ایمانیات کے متعلق اُردو کی کتابیں دیکھ کے فیصلہ کرنے بیٹھ جاتے ہو کہ یہ بات کیسے ہے اور کیسے نہیں ہے۔

کسی بھی فن میں مہارت حاصل کیے بغیر رائے زنی درست نہیں:

صرف کتاب دیکھ کے انسان اس میں سے مطلب کی بات نہیں نکال سکتا جس وقت تک انسان نے اس فن کے ماہرین کے پاس بیٹھ کے اس فن میں مہارت حاصل نہ کی ہوئی ہو، ہر چیز تجربہ چاہتی ہے، ہر چیز کا ایک ذوق ہوتا ہے، حکومت کے قانون کی کاپی چھپی ہوئی ہے، اور اُردو میں ہے اب ایک آدمی اُردو کا ادیب ہے، لیکچرار ہے اور وہ قانون کی کاپی ہاتھ میں لے لے اور عدالت میں جا کے جج کے سامنے کسی قانون کی شق پر بحث کرنی شروع

کردے اور جج کہے کہ یہ مطلب نہیں ہے تو غلط سمجھ رہا ہے، وہ کہے گا کیوں غلط سمجھ رہا ہوں کیا اُردو کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی، کونسا لفظ اس میں مشکل ہے، میں پروفیسر ہوں، میں لیکچرار ہوں، ادیب ہوں، میں نے فلاں فلاں کتاب لکھی ہے، اور چار چار گھنٹے میں تقریر کرسکتا ہوں تو یہ کتاب میں کیوں نہیں سمجھ سکتا تو کان سے پکڑ کے اسے عدالت سے باہر نکال دیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ پہلے مہارتِ قانون کی سند دکھاؤ کہ تمہیں یہ وکالت کرنے کا حق ہے، تم نے کیا کسی لاء کالج کے اندر ڈگری حاصل کی ہے کہ تمہیں قانون کی تشریح کا حق ملے؟ مطلب وہی ٹھیک ہے جو جج بیان کررہا ہے، مطلب وہی ٹھیک ہے جو سند یافتہ وکیل بیان کررہا ہے چاہے تمہاری سمجھ میں نہیں آرہا، تمہیں اس میں دخل دینے کا حق نہیں ہے، یہ نہیں کہ یہ قانون تمہارے لئے نہیں، وکیلوں کی اجارہ داری ہے، وکیلوں کی اجارہ داری نہیں اور نہ ہی جج کی اجارہ داری ہے لیکن ہر چیز کا ایک طریقہ ہوتا ہے، تم بھی اس میں دخل دے سکتے ہو لیکن چار پانچ سال ماہرین قانون کے سامنے گھٹنے رگڑ کے آؤ، لاء کالج سے ڈگری لے کے آؤ جن کے اندر قانون کی تشریح بتائی جاتی ہے کہ قانون کی تشریح اس طرح کی جاتی ہے پھر آ کے تم تبصرہ کرنا پھر تمہیں تبصرہ کرنے کا حق ہے، اجارہ داری کسی کی نہیں لیکن ہر بات میں دخل دینے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔

اسی طرح قرآن پر کسی مولوی کی اجارہ داری نہیں ہے اور نہ ہی حدیث پر کسی مولوی کی اجارہ داری ہے، کسی قوم کی نہیں، کسی قبیلہ کی نہیں، کسی فرد کی نہیں، ہر قوم، ہر قبیلہ اور ہر فرد قرآن وحدیث میں دخل دے سکتا ہے لیکن دخل دینے کا ایک راستہ ہے کہ اس انداز کے ساتھ تم اس میں مہارت پیدا کرکے آؤ، مہارت پیدا کرنے کے بعد تمہیں حق پہنچتا ہے کہ دارالافتاء کھول کے بیٹھ جاؤ اور فتوے دو، قرآن اور حدیث کی تشریح کرو پھر تمہیں کون روکتا ہے، کسی قوم اور کسی مولوی کی اجارہ داری نہیں ہے کہ ہم کہیں کہ صرف ہم بات کرسکتے ہیں، کوئی دوسرا نہیں کرسکتا، ہر وہ شخص بات کرسکتا ہے جو قاعدہ کے ساتھ مہارت پیدا کرکے آئے تو جیسے ملکی قانون میں ہر اُردو خواں نہیں بول سکتا حالانکہ وہ عبارت بھی تو اُردو میں ہے اور اس کی تشریح کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ اس کی تشریح کرنے کیلئے ایک طبقہ متعین ہے اسی طرح قرآن وحدیث چاہے عربی میں ہو چاہے اُردو میں اس کا ترجمہ لکھا ہوا ہو اس میں بھی ہر شخص کو زبان کھولنے کی اجازت نہیں جب تک کہ قاعدہ کے مطابق اس میں مہارت پیدا کرکے نہ آئے، پابندی اس دلیل کے ساتھ لگاتے ہیں ورنہ ہم کوئی اجارہ داری قائم نہیں کرتے، اللہ کے رسول نے تبیین کی ہے تو اللہ کے رسول کی تبیین

کے تحت اس کو سمجھو اور اللہ کے رسول کے شاگردوں سے، ان کے شاگردوں سے، ان کے شاگردوں سے، یہ بات سامنے آئے گی کہ قرآن کریم کا صحیح مطلب کیا ہے، اس لئے امت جو مطلب سمجھتی آئی ہے وہی معتبر ہوگا اور اس کے خلاف آج اگر کوئی شخص نظریہ پیش کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آج تک کسی نے قرآن نہیں سمجھا وہ شخص غلط ہے اور باطل ہے تو کسی کو غلط اور باطل قرار دینے کیلئے سب سے واضح اور نمایاں بات یہ ہے کہ یہ دیکھو! کہ اس کے نظریات اسلاف کے مطابق ہیں یا نہیں؟ حدیث کے مطابق، صحابہ کے مطابق، صحابہ کے شاگردوں کے مطابق اس کی رائے ہے یا نہیں؟ جس کی رائے اسلاف کے مطابق ہوگی وہ صحیح ہے اور جس کی رائے اسلاف کے مطابق نہیں ہے وہ ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہے چاہے وہ کتنا ہی بڑا ڈاکٹر اور ڈگری یافتہ ہی کیوں نہ ہو، انزلنا الیك الذکر ہم نے تیری طرف ذکر اتارا، یہ کتاب اتاری تا کہ تو واضح کرے لوگوں کیلئے اس چیز کو جوان کی طرف اتاری گئی اور تا کہ وہ لوگ تفکر کریں۔

دین کو مٹانے کی تدبیریں کرنے والے کیا اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو گئے؟:

آگے وعید ہے عذاب دنیا کے ساتھ امامن الذین مکروا السیئات یہ مکرات کی صفت ہے جو لوگ بری بری تدبیریں کرتے ہیں اس دین کے خلاف اس کو مٹانے کیلئے، برے برے مکروفریب کرتے ہیں کیا وہ بے خوف ہو گئے ان یخسف اللّٰہ بھم الارض کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دے، ان کو اس بات سے ڈر نہیں لگتا، کیا وہ بے خوف ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ زمین میں دھنسا سکتا ہے جیسے پہلی قوموں کو دھنسایا تمہیں بھی دھنسا سکتا ہے، بے خوف نہیں ہونا چاہیے یا اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ ان کے پاس عذاب ایسی جگہ سے آجائے کہ جہاں سے ان کو شعور ہی نہیں، سوچ ہی نہیں سکتے، جیسے مختلف قوموں کے اوپر مختلف عذاب آئے جن کی طرف ان کا ذہن ہی نہیں جا سکتا تھا کہ ادھر سے بھی عذاب آ سکتا ہے یا پکڑ لے ان کو چلنے پھرنے میں ہی، کوئی عذاب کے آثار نہیں، چل پھر رہے ہیں اور دفعۃً عذاب آجائے اور یہ پکڑ لیے جائیں فماھم بمعجزین پھر یہ اللہ کو ہرانے والے نہیں ہوں گے، عاجز کرنے والے نہیں ہوں گے یا پکڑ لے ان کو علی تخوف تخوف کا یہاں ترجمہ کیا گیا ہے تنقص گھٹانا گھٹاتے گھٹاتے اللہ ان کو پکڑ لے یعنی دفعۃً کوئی عذاب نہ آئے بلکہ تدریجی طور پر ان کو فناء کر دیا جائے عام طور پر مفسرین نے اس کا ترجمہ تنقص کے ساتھ ہی کیا ہے اور کلام عرب میں تخوف تنقص کے

معنی میں آتا ہے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب یہ ترجمہ بیان فرمایا تو ساتھ یہ کہا کہ کلام عرب کو سیکھا کرو، دواوین عرب میں غور کیا کرو کہ کتاب کے حل کرنے کے لیے اس کا جاننا بہت ضروری ہے اس لیے یہاں حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پرانے شعراء جاہلیت کے زمانہ کے چاہے ان کی کلام کتنی ہی خرافات پر مبنی کیوں نہ ہو وہ اسی لیے پڑھی جاتی ہے تاکہ اس زمانہ کے محاورات سامنے رہیں کہ کونسا لفظ کس معنی میں کیسے استعمال ہوتا ہے تو جس زمانہ میں قرآن کریم اترا اس زمانہ کی زبان کو جاننا اور اس کے محاورات اور استعمال کے طریقہ کو جاننے کیلئے جاہلیت کی کلام پڑھنی ضروری ہے اور چونکہ اس میں مقصد ہی صرف زبان دانی اور زبان کے محاورے ہیں اس لیے ان کے مضامین کی طرف کوئی توجہ نہیں کہ ان میں مضامین اچھے ہیں یا برے ہیں، عشق بازی کے قصے ہیں، لغویات ہیں جیسے کیسے بھی ہیں ان کو محض زبان کی حیثیت سے دیکھنا ہے تو مدارس کے اندر زمانہ جاہلیت کے شعراء کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اس سے مقصود اس زمانہ کی کلام کو باقی رکھنا ہے، اس زمانہ کے محاورات کے دیکھنا ہے کہ اس زمانہ میں کونسا لفظ کس انداز کے ساتھ استعمال ہوتا تھا۔

اور بعض نے تخوف کا معنی یوں بھی کیا ہے کہ تخوف خوف سے لیا گیا ہے، خوف محسوس کرنا جس کا مطلب یہ ہے کہ تخوف کا معنی یہ ہے کہ کوئی ڈر کے آثار نمایاں ہو گئے، پہلے اس قسم کی چیزیں سامنے آ گئیں جس سے ڈر لگنے لگ گیا، خوف پیدا ہو گیا کہ کوئی عذاب آنے والا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح چاہے اللہ تمہیں عذاب دے سکتا ہے اللہ کو روکنے والا کوئی نہیں۔ چاہے زمین منہ کھول لے اور تمہیں اپنے اندر نگل لے ایسا بھی ہو سکتا ہے یا کوئی اور صورت عذاب کی آ جائے جو تمہارے عقل وفہم میں بھی نہیں ہے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر چیز پہ ہے اور چلتے پھرتے پکڑ لے کہ کوئی آثار نہیں تھے، یہ آئے دن آپ کے سامنے نمونے موجود ہیں ایک تو آدمی مرتا ہے، مرنے کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں تو تخوف پیدا ہو گیا، بیمار ہو گیا، چارپائی پر گھٹنے رگڑتے ہوئے مہینوں گذر گئے اور دن بدن اس کی حالت ایسی ہوتی جا رہی ہے کہ اس کے متعلقین کو اندیشہ ہو گیا کہ اب یہ بچے گا نہیں اور پھر وہ واقعی مر جاتا ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ بالکل تندرست ہیں اور گھر بتا کے جاتے ہیں کہ ہم شام کو واپس آ جائیں گے ہمارا کھانا پکا کے رکھنا اور دس میل کے فاصلہ پر جا کے اللہ کو پیارے ہو جاتے ہیں، ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے اور ایک ہی منٹ میں ختم ہو گئے، یہ تقلب کی حالت میں پکڑ لیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی گرفت آتی ہے کہ کوئی سوچ بھی

نہیں سکتا کہ ہمارے مرنے کا یہ وقت بھی تھا، چلتے پھرتے پکڑ لیا کوئی آثار ہی نہیں تھے، صبح وشام، رات دن اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر وقت تم پر محیط ہے تم تو بالکل اس طرح ہو جس طرح چکی کے دو پاٹوں کے درمیان میں دانہ ہوتا ہے یہ معلوم ہی نہیں کہ کب یہ پاٹ ہلیں گے اور پیس کے رکھ دیں گے تو زمین کے اوپر رہتے ہوئے اور آسمان کے نیچے رہتے ہوئے کیا کوئی آدمی بے خوف ہو سکتا ہے؟ زمین کی طرف سے ایسے عذاب آسکتے ہیں جو انسان کو بھسم کر کے رکھ دیں گے، آسمان کی طرف سے ایسے عذاب آسکتے ہیں جو انسان کو ایک ہی منٹ میں ختم کر دیں تو زمین و آسمان کے درمیان مین رہتے ہوئے انسان کسی وقت بھی بے خوف نہیں ہو سکتا، فان ربکم لرؤف رحیم پس بے شک تمہارا رب اللہ شفقت کرنے والا رحم کرنے والا ہے، اس کی شفقت اور رحمت کا تقاضا ہے کہ اس نے تمہیں ڈھیل دے رکھی ہے ورنہ یہ نہیں کہ تم اللہ کی قدرت سے باہر ہو اور پکڑ میں نہیں آسکتے۔

سایہ کے ظاہر ہونے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت:

آگے اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کا تصرف اور ساری کائنات کے اندر اس کے حکم کے چلنے کو نمایاں کیا گیا ہے کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں اس چیز کی طرف جو اللہ نے پیدا کیا، من شئ یہ ما کا بیان ہے، کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں اس چیز کی طرف جو اللہ نے پیدا کیا مائل ہوتے ہیں اس کے سائے دائیں طرف اور بائیں طرف اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے اور وہ اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں یا وہ اشیاء بھی اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والی ہیں، یہ سائے جھکتے ہیں کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف، اصل میں جب آپ سایہ دیکھیں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اس کے نمایاں ہونے کے اندر اللہ کی کتنی قدرت نمایاں ہے، سورج کی حرکت کے ساتھ اس کا تعلق ہے، زمین کے ساتھ اس کا تعلق ہے، ہر چیز کے وجود کے ساتھ اس کا تعلق ہے، سورج کا نمایاں ہونا، اس کی روشنی کا زمین پر پہنچنا، سورج کا حرکت کرنا اور اس کے اثرات کا اشیاء پر آنا، ان کے وجود کا کثیف ہونا کہ جو اس روشنی کو روکے اور روکنے کے ساتھ اس کا سایہ نمایاں ہو، پھر زمین کے اوپر اس کا پھیلنا یہ ایک سایہ کی حرکت آپ دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ اس میں اللہ کی کتنی قدرت نمایاں ہے، صرف یہ نہیں کہ آپ چلے اور سایہ ظاہر ہو گیا بلکہ یہ دیکھو کہ اس میں کتنی چیزوں کا عمل دخل ہے، اس کا تعلق سورج کے ساتھ بھی ہے، سورج کی روشنی کے زمین پر پہنچنے کے ساتھ بھی ہے، اس

وجود کے ساتھ بھی ہے کہ وجود ایسا بنایا کہ اس میں سے روشنی عبور نہیں کرتی کیونکہ جس میں سے روشنی عبور کرے اس کا سایہ نہیں ہوا کرتا اور آگے اس کا تعلق زمین کے ساتھ بھی ہے تو یہ سایہ کا ڈھلنا کبھی دائیں طرف کو جانا کبھی بائیں طرف کو جانا یہ علامت ہے اس بات کی کہ ہر چیز کے اوپر تصرف اللہ کا چلتا ہے۔

تمام مخلوقات کی عاجزی وانکساری کا بیان:

اور اللہ ہی کے لئے سجدہ کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے من دابۃ یہ ما کا بیان ہے، جتنی چیزیں بھی چلنے والی ہیں، حرکت کرنے والی ہیں وہ آسمان میں ہوں یا زمین میں سب اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور فرشتے بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے، فرشتوں کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر کر دیا کہ وہ لوگ فرشتوں کو بھی معبود بنائے بیٹھے تھے اور یہ ذکر کر دیا کہ جن کو تم معبود سمجھتے ہو، جن کو تم نے شرکاء اور شفعاء قرار دے رکھا ہے وہ بھی سارے کے سارے اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں، ان میں اللہ کی بات کے سامنے اکڑنے والا کوئی نہیں ہے، وہ ڈرتے ہیں اپنے رب سے اپنے اوپر سے یعنی وہ رب جو ان کے اوپر غلبہ پائے ہوئے ہے، اپنے اوپر سے اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اوپر ہونا یہ کوئی حسی طور پر ہونا ضروری نہیں ہوتا جیسے ایک حاکم کے اوپر دوسرا حاکم ہے، بالا دستی، حکمرانی من فوقھم میں اسی معنی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ایسا رب جس کو ان کے اوپر غلبہ حاصل ہے، جو ان کے اوپر فوقیت رکھتا ہے اس سے ڈرتے ہیں اور کرتے ہیں وہی کام جس کا وہ حکم دیے جاتے ہیں، اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔

معبود، مالک، محسن اور فریادرس ایک ہی ذات ہے:

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا لاتتخذوا الٰھین اثنین، یہ تثنیہ ہو گیا، الٰھین نہ بناؤ، دو خدا نہ بناؤ، دو خدا نہ بناؤ کا یہ معنی نہیں کہ تین بنا سکتے ہو، مطلب یہ ہے کہ تعدد نہیں، بس ایک پر ہی ٹھہرے رہو، الٰہ واحد ہی ہے، اس میں دوسرا شریک کرنا ٹھیک نہیں، تعدد کی نفی کرنی مقصود ہے کہ جب ایک سے تجاوز کر کے دو تک بھی پہنچنا ٹھیک نہیں ہے تو تین چار کی کیا گنجائش ہے، الٰھین کی گنجائش نہیں تو آلہ کی کیا گنجائش ہوگی، دو خدا نہ بناؤ انما ھو اللہ واحد وہ الٰہ ایک ہی ہے فایای فارھبون پس تم مجھ سے ہی ڈرو، کسی دوسرے سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، نفع نقصان میرے ہی ہاتھ میں ہے۔

ولہٗ مافی السمٰوٰت والارض اسی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے ولہٗ الدین واصبا دائمی طاعت اسی کیلئے ہے، ہمیشہ فرمانبرداری اسی کی ہونی چاہیے افغیر اللّٰہ تتقون کیا پھر تم اللہ کے غیر سے ڈرتے ہو؟

ومابکم من نعمۃ جونعمت بھی تمہارے پاس ہے فمن اللّٰہ پس وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے، یہ ماموصولہ ہے جس میں شرط والا معنیٰ آ گیا جونعمت بھی تمہارے پاس ہے پس وہ اللہ کی جانب سے ہی ہے تو منعم حقیقی بھی وہی ہے، محسن بھی وہی ہے اور معبود بھی وہی ہے، لہٗ مافی السمٰوٰت والارض مالک وہی، ولہٗ الدین واصبا مطاع وہی اور ومابکم من نعمۃ فمن اللّٰہ محسن وہی، ثم اذا مسکم الضر پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تم اسی کی طرف ہی چلاتے ہو تو فریادرس وہی کیونکہ مشرکین کی یہی عادت تھی کہ جب کوئی بڑی تکلیف پہنچتی تھی وہ سمجھتے تھے کہ یہ چھوٹے چھوٹے خداؤں کے قابو کی نہیں پھر وہ صرف ایک آسمان والے کو پکارتے تھے تو معلوم ہو گیا کہ مشکل وقت میں کام وہی آتا ہے پھر جب وہ تم سے اس تکلیف کو دور کر دیتا ہے اچانک ایک فریق تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگ جاتا ہے، تکلیف دور اللہ نے کر دی اور چڑھاوے چڑھائے جا رہے ہیں قبروں اور مزاروں پر نسبت کی جا رہی ہے دوسرے شرکاء کی طرف کہ فلاں نے شفاء دے دی، فلاں نے تکلیف دور کر دی نام ان کے لیے جا رہے ہیں۔

مشرکین کے شرک کا نتیجہ:

لیکفروا بما اٰتینٰھم یہ لام بھی لام عاقبت ہے، ان کے اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم نے دیا اس کی وہ ناشکری کرتے ہیں، اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ناشکری کرتے ہیں اس چیز کی جو ہم نے انہیں دی۔ دینے والے ہم اور پھر نسبت دوسروں کی طرف کر دیتے ہیں، بیٹا دیا ہم نے نام رکھ دیا پیراں دتہ، اور پھر کبھی کسی جگہ جا کے اس کا ماتھا ٹیکہ جاتا ہے اور کبھی کسی جگہ جا کے اس کی چوٹی منڈوائی جا رہی ہے اور کبھی کسی جگہ جا کے شکرانے کے چڑھاوے چڑھائے جا رہے ہیں، یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کی ناشکری ہیں، جب اللہ نے دیا ہے تو شکر اللہ کا ادا کرو، فتمتعوا یہ وعید ہے، کوئی بات نہیں مزے اڑالو، یہ خواہشات کا دور تھوڑا سا ہی ہے فتمتعوا مزے کرلو فسوف تعلمون عنقریب پتہ چل جائے گا۔

غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز دینے پر تنقید:

ویجعلون لمالا یعلمون نصیباً مما رزقنا ھم یہ ہے اس نذر و نیاز پر انکار جو غیر اللہ کے لئے مانتے ہیں، ما رزقناھم جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے ایک حصہ مقرر کر دیتے ہیں ان چیزوں کے لئے جن کے متعلق ان کو علم ہی کوئی نہیں ہے یعنی جن کے حقدار ہونے کی ان کے پاس کوئی علمی دلیل نہیں ہے، ان کے شریک ہونے کی، نفع نقصان کے مالک ہونے کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے ایک حصہ ان کے لئے متعین کر دیتے ہیں جیسے سورۂ انعام میں اس کی تفصیل آئی تھی کہ حصہ متعین کر کے کہتے ہیں ھذا للہ وھذا لشر کائنا، یہ تو اللہ کے نام کا ہے اور یہ شرکاء کے نام کا ہے اور اللہ کے نام پر گھٹیا چیز اور شرکاء کے لیے بڑھیا چیز دیتے ہیں، اللہ کے نام یہ کبھی کبھی اور شرکاء کے لئے ہر مہینے جیسے جاہلوں میں رواج ہے کہ گیارہویں کے دن پیر صاحب کو دودھ نہ دیں تو بھینس بیمار ہو جاتی ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ پیر صاحب انہی کے دودھ پر ہی پلتے ہیں اور وہ نظر لگائے بیٹھے ہیں کہ ایک کلو دودھ آئے گا تو ٹھیک ہے ورنہ بھینس بیمار کر دوں گا، یہ تو آج کل کے پولیس والوں سے بھی گئی گذری بات ہے کہ اگر ان کو ماہوار بھتہ نہ دیا جائے تو یہ چالان کرنے کیلئے آجاتے ہیں تو انہوں نے پیر صاحب کو بھی ایسے ہی سمجھ رکھا ہے کہ اگر ان کا متعین وظیفہ پہنچتا رہے، ایک کلو دودھ دے دیں تو ٹھیک ہے ورنہ بھینس بگڑ جائے گی اور اگر یہ فلاں موقع پر نذر و نیاز نہ دے گا تو مر جائے گا تو یہ جگا ٹیکس ہے تو یہ اللہ کے ان ایک بندوں کو بدنام کرتے ہیں، وہ اللہ کے ہاں نعمتوں سے فائدے اٹھا رہے ہیں، خوشحالی میں ہیں، جنت میں ہیں، تمہارے دودھ کے ایک کلو کے وہ محتاج نہیں ہیں کہ اگر یہ نہ دیا جائے تو وہ بھینس کو بگاڑ کے رکھ دیں گے ہاں البتہ ایصالِ ثواب کی نیت سے اگر دیا جائے تو ٹھیک ہے کہ دو اللہ کے نام پر اور یہ کہو کہ چونکہ انہوں نے ہمیں دینی فائدہ پہنچایا، ان کی تعلیمات سے ہم فائدہ اٹھا رہے ہیں اس لیے ان کو ثواب پہنچا دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

غیر اللہ کے نام پر نیاز دینے کا واقعہ:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات میں ایک واقعہ بیان کیا ہوا ہے کہ ایک مسجد میں دو طالب علم رہتے تھے، ایک طالب علم کہتا ہے کہ یہ جو گیارہویں کے نام پر دیتے ہیں اصل میں ان کا مقصد یہ ہوا کرتا ہے کہ دیتے اللہ

کے نام پر ہیں اور ثواب پیر جی کی روح کو پہنچانا مقصود ہوتا ہے اس لیے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں، دوسرا کہتا ہے یہ مااھل به لغیر اللّٰہ میں داخل ہے یہ براہِ راست پیر جی کو دیتے ہیں، درمیان میں اللہ کا واسطہ نہیں لاتے، یہ ایسے ہے گویا کہ انہی کو دے رہے ہیں، انہی کی طرف نسبت ہے، یہ بیٹھے ابھی آپس میں بحث ہی کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک بڑھیا جلیبیاں لے کے آ گئی اور آ کے کہتی ہے کہ یہ لو مولوی صاحب یہ پیر جی کی نیاز ہے، تو وہ جو کہتا تھا کہ دینا اللہ کو مقصود ہوتا ہے اور پیر جی کو تو صرف ثواب پہنچایا جاتا ہے اس نے پوچھا اماں! تیرا مقصد یہی ہے کہ تو اللہ واسطے دے رہی ہے اور ثواب پیر جی کو بھیجنا مقصود ہے وہ کہتی ہے نہیں نہیں اللہ واسطے تو دے آئی ہوں یہ تو پیر جی کی ہے، وہ کہنے لگا لو دیکھ لو، تو جن جاہلوں کا یہ عقیدہ ہو تو یہ ان کا دیا ہوا ماا ھل به لغیر اللّٰہ میں داخل ہے اور اگر وہ اپنے اس لفظ کو جاہلیت کے طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن ان سے مراد پوچھی جائے واضح کر کے کہ تمہارا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے نام پر خیرات دے رہے ہو اور اس کا ثواب پیر جی کو دینا مقصود ہے اگر وہ کہیں ہاں ہماری مراد یہی ہے پھر وہ صدقہ خیرات کے حکم میں ہے اور اگر وہ کہیں کہ نہیں اللہ تعالیٰ کیلئے اور حساب ہے، یہ تو گیارہویں تاریخ متعین ہے اس ٹیکس کے ادا کرنے کی کہ اگر پیر جی کو براہِ راست نہ دی تو مصیبت آ جائے گی، چور بھینس کھول کے لے جائیں گے یا بھینس مر جائے گی یا دودھ کی جگہ خون آنے لگ جائے گا تو یہ جو ان کا معاملہ ہے یہ ماا ھل به لغیر اللّٰہ میں داخل ہے، اس کے احکام وہی ہیں جو ما اھل به لغیر اللّٰہ کے ہیں جو آپ کے سامنے واضح کیے جا چکے ہیں۔

آیت کا دوسرا مفہوم:

یجعلون لما لا یعلمون نصیباً مما رزقناھم جو کچھ ہم نے ان کو دیا اس میں سے ایک حصہ متعین کر دیتے ہیں ان چیزوں کے لئے جن کے متعلق ان کو کوئی علم نہیں ہے یعنی ان کو یہ لوگ یہ منصب دیے بیٹھے ہیں بغیر علمی دلیل کے دیے بیٹھے ہیں اور ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لایعلمون سے وہی مراد ہیں جن کو دیا جا رہا ہے اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے ایک حصہ متعین کر دیتے ہیں ان کے لیے جن کو خود پتہ ہی نہیں ہے کہ لوگ ہمیں دے رہے ہیں، کیوں دے رہے ہیں، ان کی کیا ضرورت ہم سے متعلق ہے ان کو کوئی علم نہیں ہے، وہ اپنی جگہ ہیں جیسے کیسے ہیں، ان کو کوئی علم نہیں کہ یہ پیچھے والے ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں، کیا نہیں کرتے، وہ بے علمی کی کیفیت میں ہیں نیک ہیں یا برے برزخ میں ان کا اپنا اپنا حال ہے، ملائکہ ہیں تو اپنے اپنے کام پر متعین ہیں، بے جان

چیزوں کو تو کیا ہی پتہ ہوگا کہ ہمیں پوچنے والے ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں اور جو انبیاء و اولیاء وفات پا گئے ان کو کیا خبر کہ لوگ ہمارے متعلق کیا کیا نظریات رکھے ہوئے ہیں اور کیا کیا برتاؤ ہمارے ساتھ کرتے ہیں تو لایعلمون کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ ایسی چیزوں کے لئے حصہ متعین کر دیتے ہیں جن کو خود کچھ پتہ نہیں کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں اور ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے تو جس کی پوجا کی جا رہی ہے، جس کو نذر و نیاز دی جا رہی ہے اس کو پتہ ہی نہیں کہ مجھے دی جا رہی ہے اور یہ لوگ جہالت کی وجہ سے لگے ہوئے ہیں تاللہ لتسئلن عما کنتم تفترون اللہ کی قسم البتہ ضرور پوچھے جاؤ گے تم ان باتوں کے متعلق جو تم تراشا کرتے تھے، یہ تمہارے تراشی اور گھڑی ہوئی باتیں ہیں ان کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا کہ یہ نظریہ تم نے اپنایا تھا تو کس دلیل کی بناء پر اپنایا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹی کی نسبت کرنا:

یہ غیر اللہ کی نذر و نیاز پر تنقید تھی آگے ان کے اس نظریہ پر تنقید ہے جو وہ اللہ کے لیے بیٹیاں ثابت کرتے تھے، فرشتوں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور سورۂ صافات میں ایک لفظ آئے گا جعلوا بینہٗ وبین الجنۃ نسبا کہ ان مشرکوں نے اللہ اور جنوں کے درمیان میں رشتہ داریاں قائم کرلیں، وہ کہتے تھے جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور ان کی مائیں جنوں کے سرداروں کی لڑکیاں ہیں گویا کہ نعوذ باللہ اللہ جنوں کے سرداروں کی بیٹیوں کے ساتھ شادی کرتا ہے اور پیدا فرشتے ہوتے ہیں یجعلون للہ البنات اللہ کیلئے بیٹیاں قرار دیتے ہیں، سبحانہ اللہ اس عیب سے پاک ہے ولھم ما یشتھون اولاد کی نسبت اللہ کی طرف عیب ہے لیکن پھر لڑکیوں کی نسبت ان کے خیال کے مطابق بھی عیب ہے اور ان کے لئے وہ چیز ہے جو یہ چاہتے ہیں۔ اپنے لیے تو اپنی چاہی ہوئی چیز رکھی یعنی بیٹے، ان کو تو شوق ہے کہ ہماری طرف نسبت صرف بیٹوں کی ہی ہو، بیٹیوں کی نہ ہو تو جو نسبت اپنی طرف گوارہ نہیں کرتے اسی کی نسبت اللہ کی طرف کیے بیٹھے ہیں۔

اپنا حال یہ ہے کہ خود بیٹی سے نفرت کرتے ہو:

اور خود ان کا یہ حال ہے واذ بشر احدھم بالانثی یہ اس وقت کے معاشرہ کی ایک تصویر ہے کہ اولاد کے متعلق ان کے کیسے جذبات تھے کہ اگر کسی کے گھر لڑکی پیدا ہو جائے اور اس کو پتہ چلے کہ لڑکی پیدا ہوگئی تو منہ کالا ہو جاتا ہے، غم کے مارے کالا سیاہ ہو جاتا ہے کسی کو شکل دکھانے کے لئے تیار نہیں کہ لوگ کہیں گے اس کے گھر بیٹی

پیدا ہوگئی اور پھر بیٹھ کے سوچتا ہے کہ میں اس کو زندہ رکھوں یا اس کو ماردوں، زندہ درگور کردوں پھر اس قسم کی باتیں سوچنے لگ جاتا ہے، تو لڑکی کی نسبت ان کو اپنے لئے کتنی ناگوار گزرتی تھی اور جس کو اپنے لیے عیب سمجھتے ہیں اس کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس آیت کے تحت مفسرین لکھتے ہیں کہ لڑکی کی خبر مل جانے کے بعد غم کا طاری ہوجانا یہ وہی مشرکانہ جذبہ ہے مؤمنین کے لئے لڑکی کا پیدا ہونا تو اسی طرح خوشی کا باعث ہے جس طرح لڑکے کا پیدا ہونا بلکہ حدیث شریف میں لڑکی کی تربیت کے اوپر زیادہ ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے بمقابلہ لڑکوں کے اذا بشر احدھم بالانثی جب ان میں سے کسی کو خبر دی جاتی ہے لڑکی کے پیدا ہونے کی ظل وجھه مسوداً ظل افعال ناقصہ میں سے ہے، دن کے وقت کسی کام کا ہونا تو ظل وجھه مسوداً کا معنی ہوگیا کہ سارا دن اس کا چہرہ سیاہ ہوتا ہے، دن کے وقت اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے وھو کظیم اور وہ گھٹنے والا ہوتا ہے، دل میں کڑھتا ہے کہ یہ لڑکی کیوں پیدا ہوگئی یتواریٰ من القوم قوم سے چھپتا پھرتا ہے من سوء ما بشر به سوء سے یہاں عار مراد ہے مابشر به کی عار سے، جس چیز کی اس کو خبر دے دی گئی یعنی لڑکی کے پیدا ہونے کی اس شرم کے مارے، اس کی عار کے سبب سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے یعنی اپنے آپ کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں سمجھتا لڑکی کی نسبت اپنی طرف اتنی ناگوار ہے ایمسکه علی ھون یہ اس کا خیال مذکور ہے پھر اپنے دل میں سوچتا ہے کہ کیا اس کو روکے رکھے ذلت پر کہ میں ذلت قبول کروں اور اس کو گھر میں باقی رکھ لوں یا پھر اس کو مٹی میں دفن کردوں، سوچتا ہے اپنے نفس میں کہ روکے رکھے اس کو ذلت پر یا اس کو گھسیڑ دے مٹی میں یعنی اس قسم کے خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، ان باتوں کے ذکر کرنے سے بتانا یہ مقصود ہے کہ لڑکی کی نسبت اپنی طرف کتنی ناگوار ہے اور اس کو کتنا عیب سمجھتے ہیں تو جس کو اپنے لئے عیب سمجھتے ہیں اسی کو یہ بدبخت اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر اللہ کی طرف کسی چیز کی نسبت کرنی ہو تو کم از کم ایسی چیز کی نسبت تو کرو جو تمہارے خیال کے مطابق اچھا ہو اور جس چیز کی نسبت تمہارے نزدیک بھی عیب ہے اس کو اللہ کی طرف منسوب کرنے کا کیا مطلب؟ الا ساء ما یحکمون خبردار! یہ بہت ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔

للذین لایؤمنون بالآخرة مثل السوء ان لوگوں کے لئے جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر بری حالت ہے اور اللہ کیلئے تو اعلیٰ مثال ہے اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلۡمِهِمۡ مَّا تَرَكَ عَلَيۡهَا مِنۡ دَآبَّةٍ

اگر اللہ مواخذہ کرے لوگوں کا ان کے ظلم کی وجہ سے تو نہ چھوڑے اس زمین پر کسی چلنے والے کو

وَّلٰكِنۡ يُّؤَخِّرُهُمۡ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ

لیکن وہ انہیں مہلت دیتا ہے ایک مقررہ وقت تک پس جب آجائے گا ان کا وقت

لَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿۶۱﴾ وَيَجۡعَلُوۡنَ

تو نہیں مؤخر ہوں گے ایک گھڑی اور نہ آگے بڑھ سکیں گے ﴿۶۱﴾ اور وہ تجویز کرتے ہیں

لِلّٰهِ مَا يَكۡرَهُوۡنَ وَتَصِفُ اَلۡسِنَتُهُمُ الۡكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ

اللہ کیلئے وہ چیزیں جسے وہ ناپسند کرتے ہیں اور بیان کرتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ کہ ان کیلئے

الۡحُسۡنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمۡ مُّفۡرَطُوۡنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ

بھلائی ہے، یہ پکی بات ہے کہ ان کیلئے آگ ہے اور وہ سب سے پہلے بھیجے جائیں گے ﴿۶۲﴾ اللہ کی قسم!

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ

ہم نے رسول بھیجے امتوں کی طرف آپ سے پہلے پس مزین کیا ان کیلئے شیطان نے ان کے اعمال کو

فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الۡيَوۡمَ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ

پس وہ ان کا دوست ہے آج کے دن اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے ﴿۶۳﴾ اور نہیں اتاری ہم نے آپ پر

الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحۡمَةً

کتاب مگر تاکہ آپ بیان کریں ان کیلئے وہ چیز جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور ہدایت اور رحمت

لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶۴﴾ وَاللّٰهُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا بِهِ

ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں ﴿۶۴﴾ اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کیا اس کے ساتھ

الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۵﴾ ع

زمین کو اس کے بنجر ہونے کے بعد بے شک اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں ﴿۶۵﴾

وَ اِنَّ لَكُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً ؕ نُسۡقِیۡكُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِهٖ مِنۡۢ

اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں البتہ عبرت ہے، ہم پلاتے ہیں تمہیں اس چیز سے جو ان کے پیٹوں میں ہے

بَیۡنِ فَرۡثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیۡنَ ﴿۶۶﴾ وَ مِنۡ

گوبر اور خون کے درمیان سے ایسا دودھ جو خالص ہے خوش ذائقہ ہے پینے والوں کے لئے ﴿۶۶﴾ اور کھجور

ثَمَرٰتِ النَّخِیۡلِ وَ الۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡهُ سَكَرًا وَّ رِزۡقًا

اور انگور کے پھلوں سے بناتے ہو تم اس سے نشہ اور عمدہ کھانے کی چیز

حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَ اَوۡحٰی رَبُّكَ

بے شک اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں ﴿۶۷﴾ اور وحی کی تیرے رب نے

اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ

شہد کی مکھی کی طرف کہ بنا تو پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور ان چھپروں میں

وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِیۡ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُكِیۡ سُبُلَ

جو لوگ اونچے بناتے ہیں ﴿۶۸﴾ پھر کھا ہر قسم کے پھلوں سے اور تو چل اپنے رب کے

رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ فِیۡهِ

راستوں میں جو آسان کر دیے گئے ہیں، نکلتی ہے اس کے پیٹوں سے پینے کی چیز مختلف ہیں اس کے رنگ

شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ وَ اللّٰهُ

اس میں شفاء ہے لوگوں کے لئے بے شک اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو غور کرتے ہیں ﴿۶۹﴾ اور اللہ نے

خَلَقَكُمۡ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمۡ ۛ وَ مِنۡكُمۡ مَّنۡ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ

تمہیں پیدا کیا پھر وہ تمہیں وفات دیتا ہے اور تم میں سے بعض لوٹا دیے جاتے ہیں نکمی عمر کی طرف

لِكَیۡ لَا یَعۡلَمَ بَعۡدَ عِلۡمٍ شَیۡـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌ قَدِیۡرٌ ﴿۷۰﴾ ع

تاکہ وہ نہ جانیں علم کے بعد کچھ بھی بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا قدرت والا ہے ﴿۷۰﴾

تفسیر

غلطی پر فوراً پکڑ نہ ہونا اللہ کی حکمت اور رحمت کا تقاضا ہے:

توحید، رسالت اور معاد کے تذکرے کے ساتھ ساتھ یہ بات بار بار لوگوں کے سامنے واضح کی جارہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوری گرفت نہ ہو تو کسی دھوکہ میں پڑنا نہیں چاہیے، اس سورۃ میں پہلے بھی آپ کے سامنے یہ مضمون گذر چکا ہے، یہ تاخیر اور امہال اللہ کی رحمت کا تقاضا ہے اگر اللہ تعالیٰ فوری پکڑنا چاہے تو اس کو روکنے والا کوئی نہیں لیکن اپنی حکمت کے مطابق وہ کچھ مہلت دیتا ہے کہ اگر کوئی سمجھنا چاہے تو سمجھ سکتا ہے ورنہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوا گر اسی وقت ہی عذاب آجائے، اگر گرفت کا یہ اصول چالو کر دیا جائے تو دنیا کے اندر کوئی آبادی رہ ہی نہیں سکتی، کون انسان ایسا ہے کہ جس سے کچھ نہ کچھ کوتاہی نہیں ہوتی اور کسی درجہ کی کوئی نافرمانی اس سے صادر نہیں ہوتی، اور جب نافرمانی صادر ہو اسی وقت وہ عذاب کی گرفت میں آجائے تو انسانوں کا تو خاتمہ ہو جائے گا جب انسانوں کا ہی خاتمہ ہو جائے گا تو باقی چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی خدمت کیلئے ہی بنائی ہیں جب انسان باقی نہیں رہیں گے تو باقی چیزوں کو بھی باقی رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی پھر تو یہ جہان ہی ختم ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ کسی ظلم کے سبب سے، کسی جرم کے ارتکاب پر، کسی غلطی کے ارتکاب پر فوراً مواخذہ نہیں کرتا اگر کرے تو کوئی بھی نہ بچے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ پکڑے گا بھی نہیں، اگر تم اس دھوکہ میں ہو کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت نہیں ہو رہی تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہم پر خوش ہے ایسی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت لوگوں کو ایک وقت متعین تک مہلت دیتا ہے اور جب وہ وقت آجائے گا تو پھر یہ نہ آگے بڑھ سکیں گے اور نہ پیچھے ہٹ سکیں گے مطلب یہ ہے کہ پھر یہ عین اس وقت میں ہی گرفت میں آئیں گے اور اسی وقت ہی ان پر موت طاری کردی جائے گی یا ان پر عذاب آجائے گا، جو بھی ان کا وقت معین ہے پھر یہ اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔

ویجعلون للہ مایکرھون الخ کا مفہوم:

ویجعلون للہ مایکرھون یہ پھر رد شرک ہے، قرار دیتے ہیں اللہ کیلئے وہ چیز جس کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں، جس طرح پچھلے رکوع میں اللہ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کا ذکر تھا اور بیٹیوں کی نسبت کو خود پسند نہیں کرتے اور اللہ کی طرف ایسی چیز کو منسوب کرتے ہیں یا اپنی جائیداد اور اپنے مال میں تو کوئی شریک گوارہ نہیں، وہ تو

سمجھتے ہیں کہ ہم اکیلے ہی ہوں تو ٹھیک ہے اور اپنی مملوکہ چیز کے اندر کسی دوسرے کے تصرف کو گوارہ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف شرکاء کی نسبت کر رہے ہیں وتصف السنتھم الکذب ان لھم الحسنٰی اور ان کی زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ ان کے لئے بھلائی ہے یعنی اللہ کی طرف اس قسم کی نسبتیں بھی کرتے ہیں اور پھر زبان سے جھوٹ بھی بولتے ہیں کہ بالفرض اگر آخرت ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کیلئے حسنٰی ہوگی جیسے قرآن کریم میں دوسری جگہ آئے گا ولئن رددت الی ربی لاجدن خیرا منھا منقلبا اگر میں اللہ کی طرف لوٹا دیا گیا تو وہاں بھی میرے لئے اس سے بہتر ٹھکانا ہوگا تو اپنی زبانوں سے اپنے لئے حسنٰی بیان کرتے ہیں کہ ان کیلئے حسنی ہے، تصف السنتھم یہ ان کی زبانی باتیں ہیں، اپنی زبانوں سے جھوٹ بولتے ہیں، واقعہ تو کچھ نہیں، واقعہ تو یہ ہے کہ جو آگے ذکر کیا جا رہا ہے لاجرم ان لھم النار وانھم مفرطون یقینی بات ہے، اس میں کوئی کسی قسم کا شبہ نہیں کہ ان کے لئے جہنم ہے، بے شک ان کیلئے آگ ہے، وانھم مفرطون مفرطون کا معنی آگے بڑھائے ہوئے، لقدمون یعنی سب سے پہلے یہ ائمۃ الکفر دوزخ میں بھیجے جائیں گے اور اسی طرح مفرطون متروکون کے معنی میں بھی آتا ہے کہ یہ جہنم میں چھوڑ دیے جائیں گے پھر ان کی بات کوئی نہیں پوچھے گا، اس کا ترجمہ منسیون کے ساتھ بھی کیا گیا ہے کہ یہ بھلا دیے جائیں گے، جہنم میں پھینکنے کے بعد بھلا دیے جائیں گے جیسے دوسری جگہ آتا ہے انا نسینا کم کما نسیتم لقاء یومکم ھذا، جیسے تم نے ہماری ملاقات کو یاد نہیں رکھا اسی طرح ہم بھی تمہیں یاد نہیں رکھیں گے، جہنم میں ڈال کے پھر ان کی بات ہی کوئی نہیں پوچھے گا۔

تاللہ لقد ارسلنا الی امم من قبلک الخ کا مفہوم:

تاللہ لقد ارسلنا الی امم من قبلک: اللہ کی قسم البتہ تحقیق بھیجا ہم نے مختلف جماعتوں کی طرف آپ سے پہلے بھی، ارسلنا کا مفعول محذوف ہے یعنی رسولوں کو، ہم نے آپ سے پہلے بھی مختلف جماعتوں کی طرف رسولوں کو بھیجا فزین لھم الشیطان اعمالھم پھر شیطان نے ان کیلئے ان کے اعمال کو خوبصورت بنا دیا یعنی ان کی نظروں میں ان کی کارروائیاں مزین ہوگئیں۔ اپنے کاموں کو وہ اچھا سمجھنے لگ گئے، شیطان نے وہ کام ان کیلئے مزین کر دیے، جب مزین کر دیے تو وہ ان کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے فھو ولیھم الیوم پس وہ شیطان ہی ان کا ساتھی ہے آج ولھم عذاب الیم اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، اس آیت میں سرور کائنات ﷺ کے

لئے تسلی کا مضمون ہے کہ اگر یہ آپ کی بات کو نہیں مانتے تو کوئی بات نہیں، پہلے سے دستور ایسے ہی چلا آ رہا ہے کہ شیطان ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور ان کے اعمال کو ان کے سامنے مزین کر کے پیش کرتے ہیں تو یہ رسولوں کی تبلیغ کے مقابلہ میں شیطانوں کی تعلیم کو پسند کرتے ہیں۔

قرآنِ کریم کے نزول کا مقصد:

وما انزلنا علیك الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیه جیسے پہلے ہم نے رسول بھیجے تھے، نہیں اتاری ہم نے تیرے پر کتاب مگر اس لیے تاکہ تو بیان کرے ان کے لیے اس چیز کو جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں، جس میں توحید اور معاد کے مسئلے بھی آ گئے، توحید کے بارے میں ان کا اختلاف ہے، معاد کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں تو کتاب اس لئے اتاری تاکہ تو ان کے سامنے یہ مختلف فیہ باتیں واضح کر دے وھدیً ورحمة لقوم یؤمنون اور وہ کتاب ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں، ہدایت و رحمت کا فرق بارہا آپ کے سامنے ذکر کر دیا گیا کہ ھدیٰ راہنمائی کو کہتے ہیں یہ اوّل درجہ ہے کہ قرآن کریم سے ہدایت اور راہنمائی حاصل کرو اور رحمت اس کا نتیجہ ہے، نتیجہ کے اعتبار سے یہ کتاب رحمت ہے، جب اس راہنمائی کو قبول کرو گے اور اس کے مطابق چلو گے تو اللہ کی رحمت کے حقدار ہو جاؤ گے۔

چار انعامات کا ذکر:

واللہ انزل من السماء ماءً شروع سورۃ سے ہی امتنان کا پہلو اس میں غالب رہا ہے، احسانات کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا نعمتیں دی ہیں یہاں پھر اسی مضمون کی طرف عود ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ نعمتوں کا اظہار کیا جا رہا ہے چار چیزیں آنے والی آیات میں مذکور ہیں پانی، دودھ، شراب اور شہد، چاروں کا تذکرہ اس وقت آ رہا ہے جو اس وقت بہترین قسم کے مشروب تھے اور آج بھی شراب کے علاوہ تینوں چیزیں مشروب کے طور پر استعمال ہوتی ہیں بلکہ زندگی کا تو نظام ہی انہی چیزوں کے ساتھ قائم ہے۔ سب سے پہلے پانی کا تذکرہ ہے۔

پہلا انعام آسمان سے پانی کا اترنا ہے:

واللہ انزل من السماء ماءً اللہ نے آسمان سے پانی اتارا فاحیا به الارض بعد موتھا پھر آباد کیا اس پانی کے ذریعہ سے زمین کو اس کے بنجر اور ویران ہو جانے کے بعد کیونکہ زمین کی حیات اس کی آبادی ہے اور زمین

کی موت اس کا بنجر ہو جانا ہے زندہ کیا زمین کو اس کی موت کے بعد، ہر چیز کی موت اس کی شان کے لائق ہوا کرتی ہے، زمین کی موت اس کا بنجر ہو جانا ہے اور اس کی زندگی اس کا سرسبز ہو جانا ہے، آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ساتھ آباد کیا زمین کو اس کے ویران ہو جانے کے بعد بے شک اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں، یہاں کمال درجہ کا سننا مراد ہے کہ توجہ سے سنتے ہیں اور سن کر قبول کرتے ہیں کیونکہ جب کوئی شخص بات سن رہا ہو اور سن کر قبول نہ کرے تو اس کا سننا نہ سننا برابر ہوتا ہے تو سننے والے لوگوں سے مراد یہاں ماننے والے ہیں جو توجہ سے سنتے ہیں اور تسلیم کر لیتے ہیں، جو سن کے تسلیم نہ کرے وہ ایسے ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں جیسے ہم اپنے محاورہ میں کہا کرتے ہیں میں نے اس کو بارہا سمجھایا لیکن وہ میری سنتا ہی نہیں تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ توجہ سے نہیں سنتا اور مانتا نہیں ہے۔

دوسرا انعام خالص دودھ کا ملنا ہے:

وان لکم فی الانعام لعبرۃ اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں عبرت ہے، غور کا مقام ہے عبرت کا معنی ہوتا ہے کسی چیز میں غور کر کے اس سے کسی دوسرے مضمون کو سمجھ لینا، ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف عبور کر جانا جیسے فاعتبروا یا اولی الابصار کے تحت آیا کرتا ہے کہ اس واقعہ کو دیکھو، اس کا سبب تلاش کرو اور پھر اس سے آگے گزرو کہ جہاں بھی یہ بات پائی جائے گی اس سے یہی نتیجہ نکل سکتا ہے تو یہاں بھی یہی ہے کہ حیوانات کے اندر غور کرو، غور کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف عبور کرو، اللہ تعالیٰ کے احسانات کا جائزہ لو پھر اللہ تعالیٰ کے شکر کو اپناؤ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کرو، تمہارے لیے غور کا مقام ہے، سوچنے کی جگہ ہے۔

نسقیکم مما فی بطونہ بطونہ کی ضمیر انعام کی طرف لوٹ رہی ہے لفظوں کی طرف دیکھتے ہوئے مذکر ضمیر لوٹا دی اور اگر معنی جمع کی طرف دیکھیں تو مؤنث ضمیر بھی لوٹ سکتی ہے جیسے قرآن کریم میں دوسری جگہ مما فی بطونها بھی آیا ہوا ہے، نسقیکم پلاتے ہیں ہم، اس کا مفعول آئے گا لبناً خالصاً پلاتے ہیں ہم تمہیں دودھ خالص سائغاً للشاربین یہ بھی لبناً کی صفت ہے، سائغاً سوغ سے لیا گیا ہے، بہت آسانی کے ساتھ حلق سے اترنے والا، لذیذ بھی ہے اور حلق سے بہت آسانی کے ساتھ اترتا ہے۔ پینے والوں کے لئے حلق سے آسانی کے ساتھ اترنے والا ہے سورۂ رعد میں تھا یتجرعہ ولا یکاد یسیغہ وہ اس کے گھونٹ بھرے گا لیکن اس کو اپنے حلق سے اتار

نہیں سکے گا اور یہ سائغاً مجرد سے ہے کہ وہ بہت جلدی کے ساتھ آسانی سے حلق سے اترنے والا ہے، کوئی کسی قسم کی تکلیف کا باعث نہیں بنتا، پلاتے ہیں ہم تمہیں خالص دودھ جو پینے والوں کیلئے خوشگوار ہے، خالص اس میں کوئی کسی قسم کی ملاوٹ نہیں، گوبر کی، خون کی جس کے ساتھ اس میں تعفن پیدا ہو جائے، اس کی رنگت میں فرق آ جائے، اس کے ذائقہ میں فرق آ جائے ایسی کوئی بات نہیں ہے تو لبناً خالصاً سائغاً للشاربین یہ نسقیکم کا مفعول ہے مما فی بطونہ من بین فرث ودم یہ اس جگہ کا ذکر کر دیا جہاں دودھ کی تیاری ہوتی ہے پلاتے ہیں تمہیں اس چیز میں سے جو ان جانوروں کے پیٹ میں ہے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ جو پینے والوں کیلئے خوشگوار ہے، دیکھو متوجہ کر دیا کہ دودھ تیار کس طرح ہوتا ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ بھینس چارہ کھاتی ہے، بنولہ کھاتی ہے جو کچھ بھی وہ کھاتی ہے سب اس کے معدہ میں چلا جاتا ہے معدہ اس کو ہضم کرتا ہے ہضم کی صورت ایسی ہوتی ہے جیسے اس کو پیس کے باریک کر کے اس کا قوام تیار کر دیا، اب جس وقت اس کا قوام تیار ہوا تو یہی چیز ہے جس میں خون کے اجزاء بھی ہیں، یہی چیز ہے جس میں دودھ کے اجزاء بھی ہیں، یہی چیز ہے جس کے اندر فضلات بھی ہیں، گوبر، لید سب کچھ اسی میں ہے، جو جانور بھی جو کچھ کھاتا ہے معدہ میں سب کچھ خلط ملط ہے اب اس مخلوط اجزاء میں سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے تحت گوبر کو علیحدہ کر دیتا ہے، اور پھر غذا کا جو خلاصہ نکلتا ہے وہ جگر میں پہنچ جاتا ہے، اب جگر میں گوبر کے علاوہ سب اجزاء جمع ہیں اور پھر وہاں جا کے کچھ بلغم بن گئی، کچھ صفراء بن گیا، کچھ خون بن گیا، کچھ سوداء بن گیا پھر خون میں سے کچھ اجزاء منتخب کر کے پستانوں میں بھیجے جاتے ہیں، پستانوں میں پہنچنے تک ان کا رنگ خون جیسا ہی ہوتا ہے اور پستانوں میں جا کے ان میں تصرف ہوتا ہے کہ ان کا رنگ سفید ہو گیا، خوشگوار ہو گیا، خوش ذائقہ ہو گیا، غذا سے یہ چیز دودھ کی شکل میں نکلتی ہے تو وہ گوبر کے ساتھ بھی خلط ہوتی ہے، خون کے ساتھ بھی خلط ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے ساتھ کس طرح امتیاز کرتا چلا جاتا ہے کہ جب دودھ آپ کے سامنے آتا ہے تو ایسا خالص ہوتا ہے کہ نہ اس میں کوئی گوبر کا نشان ہے، نہ اس میں گوبر کی بو ہے اور نہ اس میں گوبر کی رنگت ہے نہ اس کے اندر خون کا ذائقہ ہے، نہ اس میں خون کی رنگت ہے تو کس طرح مخلوط اجزاء میں سے کیسا خالص اور خوشگوار مشروب اللہ نے آپ کے لئے تیار کر دیا اور اتنا اچھا مشروب کہ لذیذ بھی ہے اور مفید بھی ہے اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بھی تم کوئی کسی قسم کا کھانا کھاؤ تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو اور کہا کرو اَطْعِمْنَا خیراً منہ یا اللہ اس پر تو تیرا شکرا

ہے کہ تو نے ہمیں کھلا دیا ہے لیکن اس سے بھی اچھی چیزیں کھلا لیکن جب دودھ پیو تو اس کے بعد کہو اللهم بارك لنا فیه وزدنا منه (مشکوٰۃ ۲/۳۷۱) اے اللہ ہمارے لئے اس میں برکت دے اور ہمیں یہ زیادہ دے، یہاں خیراً منه کا مطالبہ نہیں ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انسان کو غذا اور مشروب دونوں کام دے دے سوائے دودھ کے، دودھ کو انسان کے ساتھ اتنی مناسبت ہے کہ پیدا ہونے کے بعد اس کی پہلی تربیت ہی دودھ کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور پھر قوت، تازگی اور نشوونما کا ذریعہ بھی زندگی کے آخر تک ہے چاہے آپ اس کو مختلف شکلوں کی صورت میں استعمال کرتے ہیں دودھ کی شکل میں استعمال کرو، لسی کی شکل میں استعمال کرلو، اسی سے آپ مکھن نکالتے ہیں اور پھر اسی سے آپ گھی نکال لیتے ہیں اور پھر اس گھی سے کتنی چیزیں تیار کرتے ہیں یعنی اللہ نے ایک دودھ کی نعمت دی اور آگے یہ نعمت ہزار ہا نعمتوں کا ذریعہ بن گئی، اس میں غور کرو کہ یہ جانور اللہ نے کیسی مشین بنادیے کہ یہ سبز چارہ کھاتے ہیں اور ان کے پیٹوں سے اللہ تعالیٰ کس طرح صاف ستھرا دودھ نکالتے ہیں جو تمہارے لیے بیسیوں نعمتوں کا ذریعہ بن جاتا ہے، آگے ہم اس سے کتنا کام لیتے ہیں، چائے آپ اس سے بناتے ہیں، لسی اس سے مہیا کرتے ہیں، دہی اس سے تیار کرتے ہیں، مکھن اس سے نکلتا ہے، گھی اسی سے تیار ہوتا ہے اور گھی اور مکھن کے ساتھ آگے کتنے مرکبات تیار کرلیتے ہو، یہ سب وہی چیز ہے جو خون اور گوبر میں سے نکل کے آئی ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی نمایاں ہے اور احسان کا پہلو بھی ہے۔

تیسرا انعام پھلوں سے شراب کا حاصل ہونا ہے:

ومن ثمرات النخيل، نخیل کھجور کا درخت ہو گیا، اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے بناتے ہو تم اس سے سکر اور رزق حسن، رزق حسن کا معنی کہ عمدہ رزق اور روزی تیار کرتے ہو اور سکر کہتے ہیں نشہ دینے والی چیز کو، کھجوروں سے بھی نشہ کی چیز تیار ہوتی ہے انگوروں سے بھی نشہ کی چیز تیار ہوتی ہے۔ اب یہاں سکر کو جوذکر کردیا اور ہے یہ انعامات کی فہرست جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی نمایاں ہے تو یہ سورۃ مکی ہے اور مکہ معظمہ کے اندر شراب حلال تھی اور لوگ اس کو مقویات کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے، مدینہ منورہ میں جانے کے بعد بھی کتنی مدت تک شراب حلال رہی ہے، آہستہ آہستہ پھر اس کے اندر حرمت آئی، غزوہ اُحد کے بعد اس میں حرمت آئی ہے۔ غزوہ اُحد میں یہ حلال تھی بعض لوگ غزوہ اُحد میں شراب پی کے گئے تھے اور اسی حالت میں شہید ہوگئے لیکن حلال ہونے

کے باوجود چونکہ اس میں خبث کا پہلو تھا اور اللہ کے علم میں تھا کہ عنقریب یہ حرام کی جائے گی تو دیکھو! یہاں رزقاً کے ساتھ جو حسناً کا لفظ بڑھایا ہے سکراً کے ساتھ اس قسم کا لفظ نہیں ہے، یہاں تو اللہ تعالیٰ محض اپنی ایک قدرت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کھجور اور انگور اللہ نے تمہیں دیے اور اس میں سے تم کیسا مشروب نکال لیتے ہو کہ جو تمہارے لئے مقوی ہے اور تم اس کو استعمال کرتے ہو قطع نظر اس کے کہ وہ اچھا بھی ہے یا نہیں لیکن تم اس کو استعمال کرتے ہو مقوی ہونے کی حیثیت سے اور تمہارے لئے وہ باعث سکون بنتا ہے تو قدرت تو بہر حال نمایاں ہے کہ کھجوروں اور انگوروں میں سے ایسی چیز نکل آئی، مشروب نکل آیا جس کو تم سکون کے لئے استعمال کرتے ہو، تقویت کیلئے استعمال کرتے ہو یہ علیحدہ بات ہے کہ تمہارے لئے مفید ہے یا نقصان دہ، اور اگر یہ امتنان کے درجہ میں ہو تو یہ اس وقت کی بات ہے جب یہ مشروب حلال تھا اور بعد میں اس کو حرام ٹھہرادیا گیا تو چاہے اس میں کچھ فوائد بھی ہیں اس میں کوئی شک نہیں لیکن اس میں نقصان بھی ہے اور اس کا نقصان اس کے نفع کے مقابلہ میں زیادہ ہے جس کی وجہ سے شریعت نے روک دیا۔

بہر حال رزق کے ساتھ حسناً کا لفظ بڑھایا کہ تم اس سے بہترین روزی تیار کرتے ہو، ان سے آگے جو چیزیں بنتی ہیں وہ بہترین روزی ہے بے شک اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو عقل رکھتے ہیں، جو عقل سے کام لیتے ہیں تو اس سے اللہ کے احسان کو بھی سمجھ سکتے ہیں اور اس کی قدرت کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔

چوتھا انعام چھوٹی سی مکھی سے شہد کا ملنا ہے:

واوحیٰ ربك الی النحل، اوحٰی، وحی کی، وحی کا معنی ہوتا ہے کہ آہستہ، خفیہ طور پر کسی تک کوئی بات پہنچادی، دل کے اندر القاء کرنے کیلئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے تو فطری طور پر اللہ نے قلب میں جو صلاحیت رکھی ہے گویا کہ وہ اللہ کی وحی ہے، وحی کی تیرے رب نے نحل کی طرف، نحل شہد کی مکھی کو کہتے ہیں، کیا وحی کی؟ اس کی فطرت میں یہ بات ڈال دی ان اتخذی من الجبال بیوتا یہ اس وحی کی تفسیر ہے کہ اس وحی کے ساتھ ہم نے اسے یہ کہا کہ بنا تو پہاڑوں سے گھروں کو اور درختوں سے اور اس چیز سے جس کو وہ بطور چھپر کے ڈالتے ہیں، جو چھپر یہ بناتے ہیں ان سے، درختوں سے، پہاڑوں سے تو گھر بنا اور یہ مکھیاں اسی طرح عموماً اونچی جگہ پر ہی چھتہ لگائی ہیں، پہاڑوں کی چٹانوں پر لگاتی ہیں، درختوں کی شاخوں پر لگاتی ہیں، چھپروں پر لگاتی ہیں ثم کلی من کل الثمرات

پھر کھا تو ہر قسم کے پھلوں سے، جو پھل وہاں میسر ہیں ان پھلوں سے تو کھا فاسلکی سبل ربك ذللاً پھر چل تو اپنے رب کے راستوں پر اس حال میں کہ وہ راستے تیرے لئے آسان کیے ہوئے ہیں، کہتے ہیں کہ شہد کی مکھی جس وقت اپنے کام کے لئے نکلتی ہے پھلوں سے رس چوسنے کیلئے تو دور دور تک چلی جاتی ہے اور سیدھی اپنے چھتے تک پہنچ جاتی ہے، جہاں بھی گھومتی رہے اپنے چھتہ میں آ جائے گی، یہ اللہ تعالیٰ نے فضا کے اندر راستے اس کیلئے ہموار کر دیے، اللہ تعالیٰ نے یہ مکھی کو وحی کی یعنی اس کی فطرت ایسی بنائی اور اس کے اندر یہ استعداد رکھی، ہر قسم کے پھلوں کو وہ چوستی ہے اور چھتہ میں لاتی ہے یخرج من بطونها شراب مخلف الوانهٗ نکلتا ہے ان کے پیٹوں سے مشروب جس کے رنگ مختلف ہیں، فیه شفاء للناس اور اس میں لوگوں کیلئے شفاء ہے، اب بذات خود مکھی تو ایک زہریلی چیز ہے، لڑ جائے تو تکلیف ہوتی ہے، اس میں زہر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس زہریلے جانور کو کچھ اس قسم کا بنا دیا کہ یہ ہر چیز کے نباتات کے رس کو چوس کے لاتی ہے اور وہی چوسی ہوئی چیز اس کے پیٹ میں مٹھاس اختیار کر جاتی ہے، اور پھر نکلتا ہے تو لوگ اس کو لیتے ہیں، استعمال کرتے ہیں، شربت بنا کے پیتے ہیں اور مختلف طریقوں سے استعمال کرتے ہیں اور اس میں اللہ نے شفاء بھی رکھی ہے، شہد میں شفاء ہے، اطباء کے ہاں شہد بہت ساری بیماریوں میں استعمال ہوتا ہے اور یہ معجون اور خمیرے جتنے بنتے ہیں شہد ان سب کا جزء ہے اور بعض بیماریوں میں براہِ راست اس کو کھایا جاتا ہے اور بعض بیماریوں میں اس کو دوسری چیز کے ساتھ ملا کے کھایا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں بھی اس کے استعمال کرنے کی ترغیب آئی ہے اور اس کو شفاء قرار دیا گیا ہے مشکوۃ شریف میں باب الطب میں واقعہ آئے گا کہ ایک شخص آیا اور اس نے آ کے ذکر کیا کہ میرے بھائی کے پیٹ میں تکلیف ہے کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پاخانہ آ رہا ہے، آپ نے کہا کہ اسے شہد پلاؤ، اس نے جا کے شہد پلایا تو معاملہ پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا پھر وہ آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! وہ تو پہلے سے بھی بڑھ گیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اور پلاؤ، اس نے جا کے اور پلایا پھر آیا اور کہنے لگا کہ پہلے سے بھی اضافہ ہو گیا ہے، تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ آپ نے فرمایا صدق الله و کذب بطن اخیك اسقه عسلاً اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے کہ شہد میں شفاء ہے، تیرے بھائی کے پیٹ میں خرابی معلوم ہوتی ہے جاؤ جا کے اور شہد پلاؤ، جب جا کے اور شہد پلایا تو اس کو شفاء ہو گئی۔

(مشکوۃ ۲/۳۸۷)

مختلف الوانہٗ شہد کے متعلق کہا کہ اس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں تو یہ مشاہدہ ہے، کہتے ہیں کہ موسم کے لحاظ سے بھی اس کی رنگت میں فرق آتا ہے اور بعض مکھیوں کی عمر کے لحاظ سے بھی فرق آجاتا ہے، علاقوں کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے، ان کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ نے شفاء رکھی ہے ان فی ذلك لآیة لقوم یتفکرون بے شک اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو کہ غور کرتے ہیں۔

انعامات ذکر کرنے کا مقصد:

یہ چار مشروب آگئے پانی، دودھ، شراب اور شہد ان سب کو اللہ نے بطور احسان کے بھی ذکر فرمایا ہے اور جس انداز کے ساتھ یہ تیار ہوتے ہیں اور ہمیں مہیا ہوتے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی نمایاں ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بھی سمجھنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا احسان بھی ماننا چاہیے اور پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، اس کی اطاعت کی جائے، جب نعمتیں وہ دیتا ہے تو عبادت بھی اسی کی کرنی چاہیے۔

انسان کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ:

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ کا تصرف انسان کے اپنے وجود میں ذکر کیا ہے جس کو آپ دلیل نفسی کے ساتھ بھی تعبیر کرسکتے ہیں کہ نفس سے دلیل لی، واللّٰہ خلقکم اللہ نے تمہیں پیدا کیا ثم یتوفاکم پھر وہی اللہ تمہیں وفات دیتا ہے، پیدا کرنا بھی اسی کی طرف سے ہے اور وفات دینا بھی اسی کی طرف سے ہے ومنکم من یرد الی ارذل العمر اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو لوٹا دیے جاتے ہیں ردی عمر کی طرف، جس کا مضمون یوں ہوگا کہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور پھر وہ تمہیں وفات دیتا ہے، کسی کی بچپن میں وفات ہوجاتی ہے کسی کی جوانی میں ہوجاتی ہے، اور کسی کی عمر لمبی کی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کو ارذل العمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، ردی عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، ردی عمر کونسی ہوا کرتی ہے؟ ردی عمر وہ ہوتی ہے کہ جس میں انسان کی صلاحیتوں میں زوال آجائے اور وہ اپنی ضرورتیں پوری کرنے پر قادر نہ ہو، جیسے آپ بچپن میں محتاج تھے کہ اپنے ہاتھ سے کھا نہیں سکتے تھے، دوسرے کی اعانت کی ضرورت ہوتی ہے جو اٹھائے، بٹھائے، کھلائے، پلائے، نہلائے اس قسم کی ضرورتیں دوسرے کے تعاون سے پوری ہوتی ہیں، جوانی میں انسان ہر کام خود کرنے پر قادر ہوجاتا ہے اور بوڑھا ہوجانے کے بعد نہ ہاتھوں میں طاقت رہی، نہ ٹانگوں میں طاقت رہی، کان آنکھ بھی جواب دے دیتے ہیں تو ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ دوسرا ہی اٹھاتا ہے، بٹھاتا ہے،

دوسرے کے سہارے کے ساتھ ہی سارے کام ہوتے ہیں یہ ارذل العمر ہے کہ جس میں ساری صلاحیتیں زائل ہوگئیں اور اپنی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے انسان اسی طرح محتاج ہوگیا جس طرح ابتداءِ زندگی میں محتاج تھا اور اس کا معیار جس طرح آگے ذکر کیا گیا لکی لایعلم بعد علم شیئاً جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جاننے کے بعد کسی چیز کو نہیں جانتا یعنی جو چیزیں پہلے اس کی معلومات میں ہوتی ہیں وہ ساری بھلا بیٹھتا ہے، جیسے بڑھاپے میں حافظہ خراب ہوگیا، کوئی بات یاد نہیں رہتی، پچھلی باتیں بھی بھول جاتی ہیں اور تازہ بتازہ بھی کوئی بات بتاؤ تو تھوڑی دیر کے بعد بھول جاتی ہے، یہ کیفیت جب ہوجائے کہ جانی ہوئی چیزوں کو بھی انسان بھول جائے، جانی ہوئی چیزوں سے بھی انسان انجان ہوجائے تو یہ ارذل العمر ہے جس میں انسان کی صلاحیتیں تلف ہوجاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نمونہ دکھاتا ہے کہ پیدا کرتا ہے، آہستہ آہستہ بڑھاتا ہے اور پھر کس طرح زوال کی طرف لے آتا ہے تو انسان کے وجود میں اللہ تعالیٰ کا کتنا تصرف چلتا ہے ان اللہ علیم قدیر بے شک اللہ تعالیٰ علم والا ہے اور قدرت والا ہے یعنی ان تصرفات کو دیکھ کے اللہ کے علم وقدرت کا ہی عقیدہ اختیار کرنا چاہیے اور علم وقدرت کے عقیدہ پر ہی آگے بہت ساری باتوں کی بنیاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کو محیط سمجھو اور اس کی قدرت کو بھی محیط سمجھو کہ تمہارا کوئی حال اور کوئی عمل مخفی نہیں ہوگا تو اس کے ساتھ بھی اللہ کی اطاعت کی ترغیب ہوگی اور جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سمجھو گے تو جس قسم کے اشکالات مشرکین کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد کیسے اٹھیں گے، مرنے کے بعد زندہ کیسے کئے جائیں گے ان تصرفات سے اللہ کی قدرت سمجھ میں آجانے کے بعد اس قسم کے اشکالات خود بخود ختم ہوجاتے ہیں۔

سبحانك اللّٰھم وبحمدك اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرك واتوب الیك

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا

اور اللہ نے فضیلت دی تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں پس جن لوگوں کو فضیلت دی گئی

بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ

وہ لوٹانے والے نہیں اپنا رزق اپنے غلاموں کی طرف کہ وہ اس میں برابر ہوجائیں،

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

کیا وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں﴿۷۱﴾ اور اللہ نے بنائیں تمہارے لیے تم میں سے

اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً

بیویاں اور بنائے تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے

وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ

اور تمہیں رزق دیا عمدہ چیزوں سے کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی

هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ

وہ ناشکری کرتے ہیں﴿۷۲﴾ اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے علاوہ ان چیزوں کی جو نہیں مالک

لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ ۚ

ان کیلئے رزق کے آسمانوں میں اور نہ زمین میں کچھ بھی اور نہ ہی وہ طاقت رکھتے ہیں﴿۷۳﴾

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ

پس نہ بیان کرو تم اللہ کیلئے مثالیں بے شک اللہ جانتا ہے اور تم

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى

نہیں جانتے﴿۷۴﴾ بیان کی اللہ نے ایک مثال کہ ایک غلام مملوک ہے جو نہیں قادر کسی چیز پر

شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا

اور ایک وہ جس کو ہم نے رزق دیا اپنی طرف سے اچھا رزق پھر وہ خرچ کرتا ہے اس میں سے پوشیدہ

وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور ظاہری طور پر، کیا یہ برابر ہو سکتے ہیں؟ سب تعریف اللہ کیلئے ہے بلکہ ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں ﴿۷۵﴾

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى

اور بیان کی اللہ نے ایک مثال دو آدمیوں کی کہ ان میں سے ایک گونگا ہے جو نہیں قادر کسی چیز پر

شَیْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ

اور وہ مصیبت ہے اپنے مولیٰ پر جہاں بھی متوجہ ہوتا ہے نہیں آتا کوئی خیر لے کر

هَلْ يَسْتَوِیْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ

کیا یہ شخص برابر ہے اس کے جو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہو اور وہ سیدھے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ

راستہ پر ہو ﴿۷۶﴾ اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اور نہیں ہے

السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

قیامت کا معاملہ مگر آنکھ کے جھپکنے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ قریب بے شک اللہ

كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ

ہر چیز پر قادر ہے ﴿۷۷﴾ اور اللہ نے نکالا تمہیں ماؤں کے پیٹوں سے

لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۙ

نہیں جانتے تھے تم کچھ بھی اور بنائے تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ

تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۷۸﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا پرندوں کی طرف جو مسخر ہیں

السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

آسمان کی فضا میں، نہیں روکتا ان کو مگر اللہ، بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے

یُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُیُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ

جو ایمان لاتے ہیں ﴿۷۹﴾ اور اللہ نے بنائی تمہارے لیے تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ اور بنائے

لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِكُمْ

تمہارے لیے جانوروں کی کھالوں سے گھر جن کو تم ہلکا پاتے ہو سفر کرنے کے دن

وَ یَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَاۤ

اور قیام کرنے کے دن اور اونوں، اونٹوں کے بالوں اور دیگر بالوں سے

اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِیْنٍ ﴿۸۰﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا

گھر کا سامان اور نفع کی چیزیں ایک مدت تک ﴿۸۰﴾ اور اللہ نے جو چیزیں پیدا کیں بنائی ان میں تمہارے لیے

وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِیْلَ

سایہ والی چیزیں اور بنائیں تمہارے لیے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں اور بنائے تمہارے لیے کرتے

تَقِیْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ

جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے کرتے جو حفاظت کرتے ہیں تمہاری لڑائی سے ایسے ہی اللہ پوری کرتا ہے

عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ

اپنی نعمت تم پر تاکہ تم فرمانبردار بنو ﴿۸۱﴾ پس اگر یہ لوگ اعراض کریں تو سوائے اس کے نہیں آپ کے ذمہ

الْمُبِیْنُ ﴿۸۲﴾ یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾

تو واضح طور پر پہنچا دینا ہے ﴿۸۲﴾ یہ لوگ پہچانتے ہیں اللہ کی نعمت کو پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں ﴿۸۳﴾

تفسیر

آیت کا مفہوم:

واللہ فضل بعضکم علی بعض: اللہ نے بڑھائی دیا تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں، فَضَّل، فضیلت دی، ایک کو دوسرے کے مقابلہ میں بڑھایا، اللہ نے فضیلت دی تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں، فما

الذین فضلوا برادی رزقھم، رادی رزقھم یہ ما کی خبر ہے جس کے اوپر باء زائدہ ہے اصل میں رَادِّیْنَ تھا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، نہیں ہیں وہ لوگ جو فضیلت دیے گئے رد کرنے والے اپنے رزق کو، لوٹانے والے اپنے رزق کو علی ماملکت ایمانھم ان پر جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ یعنی اپنے غلاموں پر فھم فیہ سواء کہ وہ اس میں برابر ہو جائیں، افنعمۃ اللّٰہ یجحدون کیا پھر یہ لوگ اللہ کے احسان کا انکار کرتے ہیں۔

مالک و مملوک میں فرق:

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے شرک کی قباحت کی ایک مثال دی ہے جس کو انسانوں کے حالات سے ہی ماخوذ کیا ہے، اس زمانہ میں جب یہ قرآن کریم اتر رہا تھا غلام بھی پائے جاتے تھے، جنہیں زرخرید غلام کہا جاتا ہے اور آپ فقہ کے اندر اس کی تفصیل پڑھ چکے ہیں کہ جو شخص غلام ہو وہ کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا اگر آقا اس کو کوئی چیز سپرد کر بھی دے تو بھی ملکیت آقا کی ہی رہتی ہے، کوئی صورت ایسی نہیں کہ غلام آقا کے برابر آ جائے، آقا کی اجازت کے بغیر اس کے تصرفات نافذ نہیں ہوتے، آقا کی اجازت کے بغیر کوئی معاملہ نہیں کر سکتا، اس مالک اور مملوک کا فرق اس دور میں بچہ بچہ جانتا تھا، آج تو چونکہ غلام موجود نہیں اس لیے سمجھانے کی ضرورت پیش آ رہی ہے لیکن اس دور میں یہ بات بالکل واضح تھی کہ مالک کیا ہوتا ہے، مملوک کیا ہوتا ہے اور دونوں کی حیثیت میں کتنا فرق ہے باوجود اس بات کے کہ دونوں انسان تھے اور ان میں سے کوئی دوسرے کا خالق نہیں، کوئی دوسرے کی موت و حیات کا مالک نہیں لیکن اس کے باوجود اتنا فرق تھا کہ مالک کسی اور درجہ کا ہے اور مملوک کسی اور درجہ کا ہے کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا کہ مملوک مالک کے برابر آ جائے۔

اللہ کا مملوک و مخلوق اللہ کے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ معاشرہ میں بعض لوگوں کے پاس رزق زیادہ ہوتا ہے اور بعض کے پاس کم ہوتا ہے، اللہ نے یہ تقسیم کی ہے، اپنی حکمت کے تحت کسی کو زیادہ دیا ہے اور کسی کو کم دیا ہے، جس کو زیادہ دیا ہے وہ مالک ہے اور اس کے بعض مملوک بھی ہو سکتے ہیں تو کیا ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مالک اپنے رزق کو اپنے غلام پر لوٹا دے اور لوٹانے کے بعد دونوں آپس میں برابر ہو جائیں، کیا مملوک کبھی مالک کے برابر ہو سکتا ہے۔ یہ اس معاشرہ کے اعتبار سے ایک سوال ہے جس کا جواب بغیر سوچے سمجھے یہی ہے کہ یہ برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر مالک اس کو کچھ رزق دے

بھی دے گا تو مملوک تو مالک ہوتا ہی نہیں ہے تو مالک کے برابر ہونے کا کیا سوال، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم پھر یہ سوچتے نہیں کہ اگر تمہارا مملوک باوجود اس بات کے کہ تم اس کے خالق نہیں ہو تم رزق دے کے اس کو اپنے برابر نہیں کر سکتے، وہ تمہارے برابر نہیں آ سکتا تو جب ساری کائنات میں جو کچھ ہے میرا مملوک ہے تو تم ان کو میرے برابر کس طرح ٹھہراتے ہو، اگر تمہارا مملوک کسی وجہ سے تمہارے برابر نہیں آ سکتا حالانکہ تم اس کے خالق نہیں اور یہ ملکیت مجازی ہے، عارضی طور پر وہ تمہارے زیر دست ہو گئے اور ان کو کسی صورت میں تم اپنے برابر نہیں لا سکتے حتیٰ کہ اگر تم اپنی جائیداد بانٹ کے ان کے سپرد کر دو تب بھی وہ تمہارے برابر نہیں آ سکتے کیونکہ مملوک مملوک رہتے ہوئے مالک ہی نہیں بن سکتا، اس کے حقوق تمہارے برابر نہیں آ سکتے تو پھر اللہ کے مملوک کو جو اللہ کی مخلوق بھی ہے اور ہر ہر چیز میں اللہ کے محتاج بھی ہیں ان کی بقاء، ان کی موت، ان کی حیات سب اللہ کے قبضہ میں ہے ان کو تم اللہ کے برابر کس طرح ٹھہراتے ہو کہ جس طرح اللہ عبادت کا حقدار ہے یہ بھی عبادت کے حقدار ہیں، جس طرح اللہ کو ہم پر اختیارات حاصل ہیں ان کو بھی ہم پر اختیارات حاصل ہیں، ان کو تم کس طرح برابر ٹھہرا سکتے ہو، گویا کہ انہی میں سے ایک مثال بنا کر ان کے ذہن میں ایک بات ڈالی جا رہی ہے کہ شرک بری بات ہے، اللہ کے مملوک کو اللہ کے برابر نہ ٹھہراؤ، کیا پھر تم اللہ کے احسان کا انکار کرتے ہو، اللہ محسن ہے اس کے مملوکوں کو اٹھا اٹھا کر اسی کے برابر ٹھہراتے ہو، شرک کرنا گویا کہ اللہ کے احسان کا انکار ہے۔

رزق میں مساوات اللہ کے علم، حکمت اور قدرت کے منافی ہے:

اس جگہ اس عبارت کے پیش کرنے سے مقصود تو عبارۃ النص کے درجہ میں یہی ہے کہ شرک کی تردید کرنا مقصود ہے اس مثال کے ذریعہ سے لیکن ایک بات جس کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اشارۃ النص سے ثابت ہے اگرچہ یہاں وہ مقصودِ متکلم نہیں، ان الفاظ سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے علم، حکمت اور قدرت کا یہ تقاضا ہے کہ سب کو روزی برابر نہیں دیتا بلکہ بعض کو زیادہ دیتا ہے اور بعض کو کم دیتا ہے، معلوم ہو گیا کہ مساوات کا نظریہ، یہ کوشش کرنا کہ سب برابر ہی ہوں اور سب کو جائیداد ایک جیسی ہی ملے اور سب کی زندگی ایک جیسی ہی ہو یہ اللہ تعالیٰ کے علم، حکمت اور قدرت کے منافی ہے، اللہ نے یہ عادت نہیں رکھی، مخلوق کے اندر یہ تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے مقابلہ میں فضیلت دیتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں، اس سے ابتلائی زندگی بنتی ہے، اس میں

اونچے طبقہ کا بھی امتحان ہے اور نچلے طبقہ کا بھی امتحان ہے، کسی کے پاس روزی کے اسباب زیادہ ہیں اور کسی کے پاس روزی کے اسباب کم ہیں یہ تفریق ایک حکمت کے تقاضے سے ہے اور واقعہ ہے، جب سے دنیا بنی ہے اس وقت سے ہے اور جب تک دنیا رہے گی اسی طرح یہ تفصیل بھی رہے گی اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ ان سب کو برابر کر دیا جائے تو یہ ممکن نہیں اور نہ ہی یہ حکمت کا تقاضا ہے۔

دنیا میں مساوات نہ ہونے میں حکمت:

حدیث شریف میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد جب ان کے سامنے ان کی اولاد کو موجود کیا تھا تو حضرت آدم علیہ السلام نے جب اپنی اولاد کو دیکھا فرأى فيه الغني والفقير تو اس میں کسی کو غنی دیکھا، کسی کو فقیر دیکھا یعنی آنے والے حالات منکشف ہوئے، کسی کو تندرست دیکھا، کسی کو بیمار دیکھا، کوئی سالم الاعضاء تھا اور کسی کا کوئی عضو نہیں تھا انہوں نے اپنی اولاد کے مختلف احوال دیکھے تو آدم علیہ السلام نے اسی وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی اولاد کے محبت کے تقاضہ سے یہ بات رکھی تھی کہ یا رَبِّ! لولا سويت بين عبادك تو نے اپنے بندوں کے درمیان برابری کیوں نہیں کر دی؟ سب کو ایک جیسا ہی کیوں نہیں بنا دیا، یہ کیا کوئی دو ٹانگوں والا ہے کوئی ایک ٹانگ والا ہے، کوئی دو بازوں والا ہے، کوئی ایک بازو والا ہے، کوئی اندھا ہے، کوئی بینا ہے، کوئی کانا ہے، کوئی بہرہ ہے، کوئی گونگا ہے، اس قسم کے مختلف حالات جو کر دیے ہیں تو تو نے سب کو ایک جیسا ہی کیوں نہیں کر دیا؟

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا تھا إني احببت ان أُشْكَرَ مجھے یہ بات پسند ہے کہ میرا شکر ادا کیا جائے، یہ حضرت آدم علیہ السلام کے سوال کا جواب ہے گویا کہ تسویہ کے نتیجہ میں شکر نہیں آ سکتا، شکر تب ہی پیدا ہوگا کہ جب تفاوت ہو، اس کا کیا مطلب؟ کہ اگر سارے ایک جیسے ہی ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کا احساس نہ ہوتا، سارے ہی آنکھوں والے ہوتے تو کسی کے سامنے قدر و قیمت نہ ہوتی کہ آنکھ کتنی قیمتی چیز ہے، اس نعمت کا احساس نہ ہوتا، اب جس وقت کوئی اندھا سامنے آتا ہے تو آنکھوں والوں کو احساس ہوتا ہے کہ آنکھ کتنی بڑی نعمت ہے تو اللہ کا شکر ادا کریں گے، آپ کے پاس ٹانگیں ہیں آپ کو کوئی پتہ نہیں کہ اس کی کیا قدر و قیمت ہے جس وقت کوئی کٹی ہوئی ٹانگ والا آپ کے سامنے آئے گا اور اس کی زندگی کی تکلیف آپ دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ٹانگ کتنی بڑی نعمت ہے تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو ایسا نہیں بنایا کہ اس کے پاس کوئی نعمت نہ ہو، ہر شخص کے پاس کوئی نہ کوئی

چیز ایسی ہے جو دوسرے کے پاس نہیں ہے، جب وہ اس کا احساس کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہتا ہے، جب بھی اس کی طرف اس کی توجہ جائے گی تو فوراً کہے گا اللہ تیرا شکر ہے فلاں کے پاس یہ چیز نہیں ہے اور مجھے تو نے یہ نعمت دے رکھی ہے یہ تو ایک روحانی حکمت ہے کہ مخلوق شکر گزار رہے۔

معاشرتی تنظیم کا تقاضا بھی عدم مساوات ہے:

اور معاشرہ کی تنظیم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایک شخص کا دوسرے کی طرف احتیاج ہو اس سے تم ایک دوسرے کے کام آتے ہو اور اگر یہ احتیاج نہ ہوتا ہر شخص کی ضرورتیں مکمل پوری ہوتیں تو ایک دوسرے کے کام کون آتا، دنیا کا نظم کیسے درست رہتا؟ ایک آدمی کے پاس بدنی قوت ہے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں، ایک آدمی کے پاس پیسے ہیں بدنی قوت نہیں ہے دونوں مل کے کام کریں گے بدنی قوت والا اپنی بدنی قوت صرف کرے گا، پیسے والا پیسہ خرچ کرے گا تو کام ہو جائے گا، اس کو پیسے کی ضرورت ہے اس لئے وہ اس کے کام آئے گا اور اس کو بدنی منافع کی ضرورت ہے وہ مزدور کا محتاج ہے اس طرح آپس میں ملیں جلیں گے، ایک چیز ایک کے پاس ہے دوسری چیز دوسرے کے پاس ہے، یہ اس میں اس کا محتاج ہے وہ اس میں اس کا محتاج ہے اس احتیاج نے دنیا کو آپس میں جوڑ رکھا ہے تو درجات کے اندر ایک حکمت آپ کے سامنے یہ بھی آئے گی کہ تم میں سے بعض بعض سے کام لے سکیں اور اگر سب ایک جیسے کر دیے جائیں اور رزق میں مساوات کا درجہ حاصل ہو جائے تو کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا یہ ایک غیر فطری کوشش ہے جس میں کوئی کامیاب ہو ہی نہیں سکتا اور آپ کے سامنے مساوات کے نعرے جو لگائے جاتے ہیں یہ محض ایک فریب ہے جو دنیا کو دیا جاتا ہے ورنہ ان نعرے لگانے والوں کو اگر آپ دیکھیں کہ اپنے نوکروں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ یہ کہتے کچھ ہیں اور ان کا حال کچھ ہے، ان کے گھر میں نوکروں سے وہی برتاؤ ہے جو عام گھروں میں ہوتا ہے بلکہ شاید ان کے گھروں میں تشدد زیادہ ہو، اور جن ملکوں کے اندر غریبوں کی ہمدردی کے نعرے لگائے جاتے ہیں وہاں جا کے دیکھیں گے تو شاید غریب پہلے سے بھی زیادہ شکنجہ میں کسا ہوا ہو، اور حکمران طبقہ جن کو کسی درجہ میں اقتدار حاصل ہو جاتا ہے ان کو بہر حال فوقیت حاصل ہے وہاں بھی آپ کو ہوائی جہازوں میں اڑنے والے اور گدھوں پر سفر کرنے والے ملیں گے، فٹ پاتھوں پر پیدل چلنے والے بھی آپ کو نظر آئیں گے، کوٹھیوں میں رہنے والے اور دکانوں میں کام کرنے والے بھی آپ کو نظر آئیں گے،

نالیاں صاف کرنے والے، سڑکوں پر جھاڑو دینے والے اور ہر وقت قالینوں پر بیٹھنے والے آپ کو وہاں بھی نظر آئیں گے، بس یہ ایک نعرہ ہی نعرہ ہے جو انسان لگاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فطری طور پر انسانوں کی صلاحیت میں فرق رکھا ہے، اس میں تو کوئی شک نہیں کہ زمین اللہ نے سب کے لئے بنائی ہے اور سب اس کے اوپر بستے ہیں، آسمان اللہ نے سب کیلئے بنایا ہے، سورج اور چاند سے اللہ نے سب کے لئے برابر استفادہ کرنے کا حق رکھا ہے، ہوائیں سب کیلئے چلائی ہیں لیکن انسان کے باطنی حالات اتنے مختلف ہیں کہ جس کے نتائج کسی صورت میں ایک نہیں ہو سکتے، چھوٹی سے چھوٹی مثال لے لیں، بڑی سے بڑی مثال لے لیں بات اپنی جگہ واضح ہے۔

مثال سے وضاحت:

ایک جگہ خودرَو گھاس ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں سب کا حق برابر رکھا ہے، کوئی اس کے اوپر قبضہ نہیں جما سکتا، آپ جائیں وہاں سے گھاس کاٹ کر لا سکتے ہیں، میں جاؤں وہاں سے گھاس کاٹ کر لا سکتا ہوں، اب دو آدمی وہاں گھاس کاٹنے کیلئے جاتے ہیں ایک باہمت ہے وہ کوشش کرتا ہے اور ایک بے ہمت سستی کا مارا ہوا ہے کبھی کاٹ لیا کبھی بیٹھ گیا دو گھنٹے کے بعد دونوں وہاں سے نکلتے ہیں ایک کا وزن کتنا ہوگا، دوسرے کا وزن کتنا ہوگا جب بازار میں آئیں گے ایک پانچ روپے کا بیچے گا دوسرا دو روپے کا بیچے گا، اب آپ یہ کہیں کہ نہیں نہیں دونوں انسان ہیں مساوات چاہیے اس لئے پانچ اور تین کو اکٹھا کر کے آٹھ روپے بنا کے دونوں کو چار چار روپے تقسیم کر دیں تو یہ کم کمانے والے پر رحم نہیں زیادہ کمانے والے پر ظلم ہے، جس نے تھوڑا کمایا ہے یہ اس پر رحم نہیں ہے بلکہ جس نے محنت کر کے زیادہ کمایا ہے یہ اس پر ظلم ہے، جب دونوں نے اپنی استعداد دو طرح سے استعمال کی ہے تو دونوں کا نتیجہ مختلف ہوگا اب ایک تو آرام کے ساتھ پڑا رہے، عیاشی کرے، کوئی کام نہ کرے اور شام کو روٹی اس کو بھی ویسی ہی ملے جیسی صبح سے لے کر شام تک محنت کرنے والے کو ملتی ہے تو کیا اگلے دن اس کا کمانے کو جی چاہے گا؟ پھر ہر کوئی یہ ہی کہے گا کہ جب شام کو دسترخوان ایک ہی بچھے گا تو کیا ضرورت ہے دھوپ میں جلنے کی آرام سے بیٹھ کے کھاؤ، استعداد میں اللہ تعالیٰ نے جو فرق رکھا ہے اس سے نتیجہ کے اندر فرق ضرور آئے گا۔

امتیاز ختم کرنے کا اسلامی طریقہ:

لیکن اس فرق کو مٹانے کیلئے اسلام نے جو طریقہ وضع کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے انسان کے حقوق متعین کر دیے پہلے تو سب کو مکلف کیا کہ اپنی استعداد کے مطابق خوب محنت کرو اور کماؤ، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھنا اور نہ کمانا یہ ناجائز ہے، اللہ نے جو استعداد دی ہے اسے کام میں لاؤ لیکن پھر بھی اگر کوئی شخص معذور ہو جاتا ہے، حوادثات کا شکار ہو جاتا ہے، کوشش کرنے کے باوجود اپنی معاشی زندگی میں کامیاب نہیں ہوتا تو اس کو مرنے دینا یہ باقی معاشرہ کا جرم ہے، اس کو سہارا دینا باقی معاشرہ کے ذمہ ہے اور وہ معاشرہ کے ذمہ ہے ترغیب کے طور پر، اللہ کی طرف سے فرض ہونے کے طور پر، غریب کو حق نہیں پہنچتا کہ سرمایہ دار سے چھین لے، یہ کہنا کہ یہ تیرا حق ہے جو اس کے گھر میں پڑا ہوا ہے اس کو چھین لے یہ سوشلزم ہے، غریب اور امیر کی لڑائی کرا کے رکھ دی آج ساری دنیا جہنم بنی پڑی ہے یہ اس اختلاف کا نتیجہ ہے کہ سرمایہ دار غریب کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اور غریب سرمایہ دار کو ڈاکو سمجھتا ہے کہ اس نے سرمایہ کے اوپر قبضہ کر رکھا ہے حالانکہ اس کے کھانے کا میں بھی حقدار ہوں، دونوں دست وگریبان ہیں، مزدور کو کارخانہ دار سے لڑا دیا، کارخانہ دار کو مزدور کے خلاف کر دیا، کاشتکار کو زمیندار سے لڑا دیا اور زمیندار کو کاشتکار کے خلاف کر دیا اور یہ مساوات کا دماغ اتنا ابھارا کہ سکولوں اور کالجوں میں کیا اب تو عربی مدارس کے طلباء بھی سمجھتے ہیں کہ ہم میں اور استاد میں کیا فرق ہے، ہم بھی انسان ہیں، وہ بھی انسان ہیں جس طرح ان کے حقوق ہیں ہمارے بھی حقوق ہیں، جا کے دیکھ لو ذرا ذرا سی بات پر استاذ و شاگرد باہم دست وگریباں ہیں، کوئی امتیاز ہی نہیں رہا، انسان کے دماغ کو یہ اتنی غلط اور غیر فطری ہوا دی کہ سارا نظام ہی درہم برہم کر کے رکھ دیا، کیا جرأت ہے کسی پروفیسر کی کہ کسی بچہ کو تیز نگاہ سے دیکھ لے یا اس کو کسی غلطی پر تنبیہ ہی کر دے، وہ برابر سامنے اکڑ کے کھڑا ہو جاتا ہے کہ تو بھی انسان میں بھی انسان، میرے میں اور تیرے میں کیا فرق ہے؟

اور یہاں ہے کہ جس کو اللہ نے گنجائش دی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرائض بتائے جاتے ہیں، کچھ ترغیبات دی جاتی ہیں وہ اپنی خوشی کے ساتھ چپ کر کے، چھپ چھپا کے بغیر احسان جتلانے کے ان لوگوں کی طرف اپنی دولت کو لوٹائے جو کسی وجہ سے محتاج ہیں یا حادثات کا شکار ہو گئے اور ان کے گھر میں فقر و فاقہ ہے تو جب مالدار آدمی اپنی خوشی کے ساتھ دے گا تو اس کے اندر بھی شفقت و محبت کے جذبات ابھریں گے اور محتاج آدمی کے

گھر میں جب اس کے بغیر ذلیل ہونے اور سوال کرنے کے روزی پہنچے گی تو اس کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگی تو دونوں طبقے آپس میں محبت کے طور پر جڑ جائیں گے، اسلامی معاشرہ میں عزت زیادہ اس کو حاصل ہوگی جو خیرات زیادہ کرتا ہے، جو زیردستوں کے اوپر شفقت زیادہ کرتا ہے اس طرح کماؤ، زور لگا کر کماؤ، جتنا کما سکتے ہو کماؤ لیکن اس میں سے محتاجوں کی امداد کرتے چلے جاؤ تو آخرت کے درجات بھی ملتے چلے جائیں گے اور دنیا کے اندر بھی عزت حاصل ہوتی چلی جائے گی اس انداز کے ساتھ جب دولت کو تقسیم کیا جاتا ہے تو پھر امیر اور غریب ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہوتے بلکہ ایک دوسرے کے محبّ ہوتے ہیں۔

مہاجرین وانصار کا جذبہ اخوت وہمدردی:

مدینہ منورہ میں یہی دو طبقے اکٹھے ہوگئے تھے، جب مہاجرین گئے ہیں تو یہ طبقہ ایسا تھا کہ ان کے پلے کچھ نہیں تھا یعنی اسباب رزق میں سے ان کے پاس کوئی سبب نہیں تھا جس کے ذریعہ سے یہ کمائیں اور کھائیں اور وہاں کے جو باشندے تھے انصار وہ جائیداد اور زمین والے تھے ان کے پاس رزق کے حاصل ہونے کا ذریعہ تھا تو سرورِ کائنات ﷺ نے جا کے جس طرح جوڑا اور انصار کے اوپر مہاجرین کا دباؤ ڈالا اور مہاجرین کی قوت اخلاقی کو بڑھایا تو پھر یہ تھا کہ انصار اپنے بچوں کو بھوکا رکھ رکھ کے بھی آنے والوں کو کھلاتے تھے اور آنے والوں کے احساسات کیا تھے، حدیث شریف میں آپ پڑھیں گے کہ مہاجرین ان کے سامنے احسان کی وجہ سے اس طرح دبے جاتے تھے کہ حضور ﷺ کے سامنے جا کے تذکرے کرتے تھے کہ یا رسول اللہ! ہم نے تو ایسی قوم دیکھی ہی نہیں جو اتنا زیادہ احسان کرنے والی ہو کسی کے پاس تھوڑا ہے تو احسان کرتے ہیں، کسی کے پاس زیادہ ہے تو احسان کرتے ہیں، ہمیں تو ڈر ہے کہ ساری نیکیاں یہی لے جائیں گے ہمارے پلے کیا رہ جائے گا آپ فرماتے کہ نہیں نہیں، جب تک تم ان کی تعریف کرتے رہو اور ان کا شکریہ ادا کرتے رہو تم بھی ساتھ شریک ہو، تو ان کو شکریہ ادا کرنے کی تلقین کی کہ جو تمہیں محنت کر کے کھلاتے ہیں، اپنی جائیدادوں میں سے حصہ دیتے ہیں تم ان کی تعریف کرو، ان کیلئے دعائیں کرو، ان کا شکریہ ادا کرو، اب ان کی طرف سے اگر احسانات ہیں تو ان کی طرف سے شکر گزاری ہے تو آپس میں کس طرح شیر وشکر ہوگئے اور کس طرح آپس میں محبت پیدا ہوگئی، یہ نمونہ ہے دونوں طبقوں کو جوڑنے کیلئے جو سرورِ کائنات ﷺ نے مدینہ منورہ کے اندر قائم کیا کہ جن کو اسباب حاصل ہیں ان کا ذہن ایسا بناؤ آخرت کی ترغیب

کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے وہ اپنی کمائی دوسروں کو دیں جن کے پاس نہیں ہے اور جن کو دی جارہی ہے انہیں کہو کہ یہ تمہارے لئے رزق کا وسیلہ بنے ہیں تم ان کا شکریہ ادا کرو اور ان کی تعریف کرو اور ان کے ساتھ محبت رکھو، اس طرح دونوں طبقے آپس میں محبت کے طور پر جڑ جائیں گے اور جو طریقہ یہ لوگ تجویز کرتے ہیں کہ چھین لو اس طرح کی جب تعلیم دی جاتی ہے تو یہ طبقاتی جنگ آپ کے سامنے ہے جس نے آج ساری دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے، یہ مساوات کے تو صرف نعرے ہی نعرے ہیں، یہ بات اللہ کی بنائی ہوئی فطرت اور حکمت کے خلاف ہے، ایسا ہو نہیں سکتا اگر ایسا کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اچھی استعداد والوں پر ظلم کر کے بے استعدادوں کو تم دیتے ہو، یہ طریقہ غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ کا احسان نوعی اور شخصی بقاء کیلئے:

آگے پھر وہی احسانات کا تذکرہ شروع ہو گیا جیسا کہ شروع سورۃ سے چلا آ رہا ہے واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجاً اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے بیویاں بنائیں یعنی تمہاری ہم جنس اور تمہاری ہم نوع، تم جیسی، وجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدۃ اور بنایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹوں کو اور پوتوں کو یعنی بیٹے اور پوتے حاصل ہونے کا ذریعہ بیویاں ہی بنیں، اللہ تعالیٰ اسی طرح جوڑتا ہے اور آگے نسل چلتی ہے تو یہ نوعی بقا ہوگئی کہ جس سے انسان کی نوع آگے ترقی کرتی ہے اور نسل چلتی ہے ورزقکم من الطیبات اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پاکیزہ روزی دی، یہ شخصی بقا ہے، شخصی بقا کیلئے اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ چیزوں سے روزی دی اور نوعی بقا کیلئے یہ سلسلہ بنایا کہ تمہیں بیویاں دیں اور بیویوں سے آگے نسل چلائی افبالباطل یؤمنون کیا پھر یہ لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں وبنعمۃ اللہ ھم یکفرون اور اللہ کے احسان کی ناشکری کرتے ہیں، جو یہ سب کچھ دیتا ہے، جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا اس کے تو شکر گزار نہیں اور بے کار، بے دلیل چیزیں بنا کے ان کی طرف نسبت کرتے ہیں، ان کے سامنے جھکتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔

معبودان باطلہ کی تردید:

ویعبدون من دون اللہ اور عبادت کرتے ہیں اللہ کے علاوہ ایسی چیز کی کہ نہیں اختیار رکھتے وہ ان کے لئے آسمان اور زمین سے رزق دینے کا کچھ بھی، ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ اب مالک نہیں اور

ایک یہ ہے کہ ان کو طاقت ہی نہیں کہ اس قسم کا کام کرلیں، منطق میں آپ دولفظ استعمال کیا کرتے ہیں ایک بالفعل اور ایک بالقوۃ، نہ تو بالفعل روزی دینے کا اختیار ہے اور نہ ہی وہ یہ اختیار حاصل کر ہی سکتے ہیں، ان میں طاقت ہی نہیں ہے ولا یستطعیون اور وہ نہیں قدرت رکھتے۔

اللہ کیلئے مثالیں بیان کرنے کی ممانعت:

فلا تضربوا للّٰہ الامثال پس تم اللہ کیلئے مثالیں نہ بیان کیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے کہ کونسا حال صحیح ہے اور کونسا صحیح نہیں ہے، کیا واقعہ ہے کیا واقعہ نہیں ہے حقیقت حال اللہ جانتے ہیں اس لیے جو وہ بتائیں ٹھیک ہے، اس میں شرک کی جڑ کو کاٹا ہے کہ شرک جتنا آتا ہے مثالوں کے ذریعہ سے ہی آتا ہے، مشرکین اپنے سارے کے سارے نظریہ کی بنیاد اس مثال پر رکھے ہوئے تھے کہ جیسے دنیا کے اندر ایک بادشاہ ہوتا ہے، ٹھیک ہے کہ ملک کے اندر سب سے بڑا وہی ہے لیکن اس کو اس سلطنت کے چلانے کیلئے کچھ وزیر بنانے پڑتے ہیں، پھر وہ وزیر اپنے علاقوں میں اپنے ماتحت افسر بناتے ہیں تو عوام کا تعلق اصل کے اعتبار سے علاقائی افسروں سے ہوتا ہے، انہی کو خوش رکھنا ضروری ہے، درخواست انہی کو دی جاتی ہے اور یہ اوپر والوں سے کام کراتے ہیں، ہمارا واسطہ عملاً ان نیچے والوں سے ہی ہے جو بڑا ہے وہاں تک براہِ راست رسائی نہیں ہے جیسے آج اگر آپ حکومت سے کوئی کام کروانا چاہتے ہیں تو آپ براہِ راست ضیاء الحق کے پاس نہیں جائیں گے، تحصیلدار کے پاس جائیں گے، پولیس والوں سے ملیں گے اگر یہ عملہ اور یہاں کی پولیس ہم پر خوش ہے، یہاں کا تحصیلدار اگر ہم سے راضی ہے تو ہمارا کام یہ صحیح کردیں گے، جب یہ ہماری درخواست کو منظور کرلیں گے تو اوپر والی سرکار تو خود ہی منظور کرتی چلی جائے گی، ایسا نہیں ہوگا کہ مقامی افسر سفارش لکھے اور اوپر والا اس کو رد کردے جب یہ ہمارے حق میں ہوں گے تو اوپر سے تو کام ہو ہی جائے گا اور اگر یہ ناراض رہے انہوں نے ہی ہماری سفارش نہ کی یا ہمارے خلاف رپورٹ لکھ دی تو اوپر والے کچھ نہیں کرسکتے، ظاہری حکومت کے متعلق یہ ذہن ہے یا نہیں؟

وہ اسی ظاہری حکومت کے اوپر اللہ کی حکومت کو قیاس کرتے تھے کہ اللہ تو اپنی جگہ بڑا ہے، ہم جیسے گناہ گاروں کی وہاں تک رسائی کہاں، ہمارا واسطہ تو انہی سے ہے جو علاقوں میں بنادیے لہٰذا ہم تو انہی کے پاس ہی جائیں گے، انہی کو نذر و نیاز دیں گے تاکہ یہ خوش رہیں، جب یہ خوش رہیں گے تو پھر یہ ہماری سفارشیں کریں گے یہ

خوش ہیں تو اوپر والا بھی خوش ہی ہے اور اگر ہم نے ان کو ناراض کر لیا تو اوپر والا کچھ نہیں کرے گا، یہ مثال بیان کر کے انہوں نے سارے کا سارا شرک کا تانا بانا بنایا ہوا تھا، شرک سارے کا سارا یہیں سے چلتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم بے سوچے سمجھے بے علمی کے ساتھ اللہ کے لئے مثالیں نہ بیان کرو، اللہ کی مثال ایسے نہیں ہے جس طرح تم بیان کرتے ہو، یہاں تو حاکم اختیار دے کہ فارغ ہو جاتا ہے اس کو پتہ ہی نہیں کہ نیچے والا کیا کرتا ہے کیا نہیں کرتا، وہ اپنی مرضی پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ کا علم ذرہ ذرہ کو محیط ہے، اس کی قدرت ہے اگر اس نے اپنی حکمت کے تحت فرشتوں کو یا کسی اور کو اپنے کاموں میں لگایا بھی ہے تو ان کی حیثیت یہ ہے کہ ایک ذرہ برابر حرکت نہیں کر سکتے اللہ کی اجازت کے بغیر، ہر چیز کے اوپر براہِ راست اللہ کا کنٹرول ہے قہار وہ ہے جو سب کو سنبھالے ہوئے ہے، یہ نہیں کہ دنیا کے بادشاہوں کی طرح وہ تو رہ گیا عیاشی کے لئے اور کام سارے کا سارا نیچے والوں نے کرنا ہے ایسی بات نہیں ہے، یہ شرک جو آتا ہے اسی قسم کی مثالوں سے آتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بے علمی کے ساتھ مثالیں نہ بیان کرو، حقیقت حال اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے اس لیے جو بات اللہ بیان کرے بس وہی صحیح ہے۔

جب مالک اور مملوک برابر نہیں تو اللہ اور بندہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں:

ضرب اللّٰہ مثلاً اب اسی طرح شرک کی مذمت کیلئے ایک دوسری مثال دے دی، اللہ تعالیٰ مثال بیان کرتا ہے ایک عبد مملوک کی، عبد کے ساتھ مملوک کی قید لگا دی کیونکہ عبد سب انسانوں پر بھی بولا جا سکتا ہے چاہے وہ اصطلاحاً آزاد ہیں چاہے غلام ہیں لیکن یہاں مثال میں چونکہ غلام بیان کرنا مقصود ہے اس لیے عبد کے ساتھ مملوک کی قید لگائی ہے ورنہ کلکم عباد اللّٰہ (مشکوٰۃ ۲/ ۴۰۷) اللہ کی طرف دیکھتے ہوئے تو ہم سب ہی عبد ہیں، بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثال ایک غلام کی جو نہیں قادر کسی چیز پر بھی، وہ خود کوئی کام نہیں کر سکتا، اس کو کچھ اختیار حاصل نہیں اور وہ شخص جس کو ہم نے اپنی جانب سے رزق حسن دیا ہے پھر وہ خرچ کرتا ہے اس رزق سے پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہر انسان جانتا ہے کہ کیسے برابر ہو جائیں گے، ایک مملوک ہے اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے اور ایک رزق حسن کا مالک ہے چاہے پوشیدہ طور پر کسی کو دے چاہے ظاہری طور پر کسی کو دے اس کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں دونوں آپس میں برابر کیسے ہو سکتے ہیں، اسی سے سمجھ لیجئے کہ اللہ اور اللہ کا بندہ کس طرح برابر ہو سکتے ہیں، بندہ کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے اور اللہ ہر چیز کا اختیار رکھتا ہے، جس کو چاہے دے، جتنا

چاہے دے، سراً دے، علانیہ دے سب اختیار اس کے پاس ہیں یہ دونوں برابر کیسے ہوگئے؟ الحمد للہ سب اچھی صفات اللہ کیلئے ثابت ہیں بل اکثرھم لایعلمون بلکہ ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں، بے علم ان باتوں کو سمجھتے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور مشرکین کے تراشے ہوئے بت ہرگز برابر نہیں ہو سکتے:

وضرب اللہ مثلاً رجلین: اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے مثال دو آدمیوں کی احدھما ابکم ان میں سے ایک تو گونگا ہے، زبان سے کچھ بول نہیں سکتا اور اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو گونگا ہوتا ہے وہ بہرہ بھی ہوتا ہے بلکہ بہرہ ہونا ہی گونگا بننے کا سبب بنتا ہے کہ پیدائشی طور پر اگر کوئی بہرہ ہو تو وہ گونگا ضرور ہوتا ہے کیونکہ جب اس کے کان سنتے ہی نہیں تو وہ لفظ کی بناوٹ سیکھ ہی نہیں سکتا اس لیے اس کی آواز تو آتی ہے لیکن اس آواز کو کسی لفظ کی شکل دے دینا یہ تو بچہ سیکھتا ہے تو جب اس کے کان میں آواز ہی نہیں جاتی تو وہ اپنے اندر سے نکلنے والی آواز کو مختلف حروف کی شکل نہیں دے سکتا، آپ جو بولنا سیکھتے ہیں اس میں واسطہ آپ کے کان بنتے ہیں، تو لفظ کی بناوٹ بچہ کان سے سننے کے بعد بناتا ہے تو جب وہ خلقی طور پر بہرہ ہو اور اس کے کان میں کوئی بات جاتی ہی نہیں تو اس کی زبان کسی لفظ کا خاکہ نہیں بنا سکتی تو گونگا بھی ہو گیا اور بہرہ بھی ہو گیا لایقدر علی شئی کسی چیز پر وہ قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے مولیٰ پر بوجھ ہی بوجھ ہے اینما یوجھہ جہاں بھی اس کا مولیٰ اس کو متوجہ کرتا ہے لایات بخیر وہ کوئی بھلا کام کر کے نہیں آتا، ایسا بے کار ہے ھل یستوی ھو کیا برابر ہے یہ اور وہ شخص جو حکم دیتا ہے انصاف کا اور وہ سیدھے راستہ پر قائم ہے، کیا یہ دونوں آپس میں برابر ہو سکتے ہیں؟ تم نے جن کو تراش کے معبود بنا لیا یہ تو گونگے بہرے ہیں اللہ کے مقابلہ میں ان کی حیثیت کیا ہے اور تم ان کو اللہ کے برابر ٹھہرائے بیٹھے ہو کہ سجدہ جس طرح اللہ کو کرتے ہو اسی طرح ان کو بھی کرتے ہو تو عملاً تم نے دونوں کو برابر ٹھہرا دیا، کتنا واضح اور نمایاں فرق ہے جس کو تم محسوس ہی نہیں کرتے، اس طرف توجہ ہی نہیں دیتے، یہ آپس میں کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز یہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے۔

قیامت کا معاملہ تو آنکھ جھپکنے سے بھی زیادہ قریب ہے:

وللہ غیب السمٰوٰت والارض: اللہ ہی کے لئے زمین و آسمان کا غیب یعنی زمین و آسمان کی پوشیدہ چیزیں، یہ علم کا احاطہ ہے جیسا کہ کلام میں توحید کا تذکرہ آ رہا ہے، رسالت کی بات آ رہی ہے، رد شرک آ رہا ہے،

معاد کا مسئلہ آ رہا ہے تو اس کا تعلق معاد کے ساتھ ہے وما امر الساعۃ الا کلمح البصر نہیں ہے قیامت کا معاملہ مگر آنکھ کے جھپکنے کی طرح او ھو اقرب بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہے، تم کہتے ہو قیامت کیسے آئے گی ہم کہتے ہیں آنکھ جھپکنے میں آ جائے گی، بس اللہ کا ارادہ متعلق ہوا، اللہ کی طرف سے کن ہوا اور سب کچھ ہو گیا، آنکھ جھپکنے میں تو پھر بھی کچھ دیر لگ سکتی ہے لیکن اللہ کے ارادہ کے متعلق ہونے میں کیا دیر ہے؟ نہیں ہے قیامت کا معاملہ مگر آنکھ کے جھپکنے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ان اللہ علی کل شئ قدیر بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قادر ہے، تم اس کو بہت بڑا حادثہ سمجھتے ہو، واقعہ کے لحاظ سے بہت بڑا حادثہ ہے لیکن اللہ کی قدرت کے ہاں تو کچھ بھی نہیں ہے، جتنی دیر میں آنکھ جھپکتی ہے اس سے بھی جلدی واقع ہو جائے گی، اللہ کی قدرت کے سامنے کوئی واقعہ بڑا واقعہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور احسانات کا ذکر:

آگے پھر وہی قدرت اور احسان کا تذکرہ ہے واللہ اخرجکم من بطون امھاتکم اللہ تعالیٰ نے نکالا تمہیں تمہارے ماؤں کے پیٹوں سے لاتعلمون شیئاً ایسے حال میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، ایسے تھے جیسے گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے، کوئی طاقت اور قوت حاصل نہیں تھی وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ اور بنائے اللہ نے تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل، یہ اعضاء بنائے، ان کے اندر استعداد پیدا کی اور ان کا استعمال کرنا تمہیں سکھایا لعلکم تشکرون تاکہ تم شکر گزار رہو۔

الم یروا الی الطیر کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں پرندوں کی طرف جو مسخر کیے ہوئے ہیں آسمان کی فضاء میں، نہیں روکے ہوئے انہیں مگر اللہ، فضاء کے اندر ان کو اللہ ہی روکے ہوئے ہے، یہ بھی اللہ کی قدرت ہے، پرندوں کی ساخت ایسی کر دی کہ وہ ہوا میں اڑ سکتے ہیں اور فضاء کو ایسا بنا دیا کہ اس میں اڑنے کی گنجائش ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ ایک بوجھل چیز ہے لیکن اس کی بناوٹ ایسی کر دی کہ ہوا میں اڑتے ہیں تو پرندوں کو پیدا کرنے والا، فضاء کو بنانے والا سب اللہ کی قدرت کی نشانی ہے، بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

واللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا اور اللہ بنایا اس نے تمہارے لیے تمہارے گھروں سے سکون

حاصل کرنے کی چیز، تو گھر انسان کیلئے سکون کا باعث ہیں اس سے معلوم ہوگیا کہ گھر سکون کے لئے ہیں تو گھر ایسا ہونا چاہیے جس میں سکون ہو، اگر ظاہری طور پر جھونپڑی ہے لیکن وہاں سکون کے اسباب حاصل ہیں تو یہ جھونپڑی نعمت ہے اور اگر ہیں تو بہت بڑے بڑے محلات لیکن اندر پریشانی ہی پریشانی ہے کہ اندر جانے کے بعد بھی سکون حاصل نہیں ہوتا تو یہ بے کار ہے، تو بیوت کی حقیقت بھی اصل میں سکون حاصل کرنا ہی ہے جس گھر میں سکون ہو وہی حقیقت میں گھر ہے چاہے وہ کچی اینٹوں اور کانوں کا بنا ہوا ہی ہو، گھر کی حقیقت اس میں موجود ہے جس میں پہنچنے کے بعد انسان کو سکون حاصل ہوتا ہے وجعل لکم من جلود الانعام بیوتا، عرب کے معاشرہ میں اس وقت زیادہ تر آبادی چونکہ دیہاتیوں میں رہتی تھی اور خیمے لگا کے رہتے تھے اور خیمے چمڑے کے بناتے تھے اور اپنے پہننے اور استعمال کرنے کی چیزیں بھی جانوروں کی اون اور ان کے بالوں سے ہی بناتے تھے، بھیڑوں کے بال، بکریوں کے بال، اونٹوں کے بال ان سے مختلف چیزیں بناتے تھے تو اب ان چیزوں کو ذکر کیا جارہا ہے کہ بنایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے چوپایوں کے چمڑوں سے گھر، اس سے خیمے مراد ہیں ان کا فائدہ یہ ہے کہ تم ان کو ہلکا پاتے ہو اپنے سفر کے دن اور اپنے ٹھہرنے کے دن یعنی وہ ایسے گھر ہیں کہ جن کو تم اٹھا کے کندھے پر رکھ کے چل پڑتے ہو، جہاں گئے وہاں جا کے پھر بنالیا اور اگر ان پتھروں اور اینٹوں کے بنے ہوئے مکانات ہوتے تو کہاں اٹھا کے لے جاتے تو اللہ کا احسان ہے کہ اس نے چمڑوں سے تمہیں اس قسم کا گھر بنانے کی توفیق دے دی جن کو تم ہلکا محسوس کرتے ہو اپنے سفر کے دن اور اپنے ٹھہرنے کے دن ومن اصوافها اور ان چوپایوں کی اونوں سے یہ بھیڑوں کی ہوتی ہے واوبارها دبر سے یہ اونٹوں کی ہوتی ہے واشعارها شعر بال ہو گئے جیسے بکریوں کے ہوتے ہیں، ان کی صوفوں سے ان کے دبروں سے اور ان کے بالوں سے تم سامان بناتے ہو اور استعمال کی چیزیں بناتے ہو ایک وقت تک ان سے کتنی چیزیں بناتے ہو جن کو تم گھروں کے اندر استعمال کرتے ہو اور ان سے راحت حاصل کرتے ہو۔

واللہ جعل لکم مما خلق ظلالاً: اللہ نے بنائے تمہارے لئے ان چیزوں سے جو اللہ نے پیدا کیں سائے، اللہ نے سائے پیدا کیے ان چیزوں سے جو اللہ نے بنائیں، سایہ میں تمہیں کس قسم کی راحت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پہاڑوں سے بھی چھپنے کی چیزیں بنائیں جیسے غاریں ہیں۔ پہاڑوں میں رہنے والوں کے لئے غاریں بھی بہت بڑی نعمت ہیں وجعل لکم سرابیل اور بنائے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لباس جو تمہیں

گرمی سے بچاتا ہے اور ایسی قمیصیں اللہ نے بنائیں جو تمہیں لڑائی کے وقت بچاتی ہیں اس سے زرہیں مراد ہیں جو لوہے کی بنا کے انسان پہنتا ہے اور گرمی سے بچانے والے یہی کپڑے ہیں، اب یہی کپڑے سردی سے بچنے کے لئے بھی بنتے ہیں اور گرمی سے بچنے کیلئے بھی بنتے ہیں، سردی میں اگر آپ ننگے بدن ہوں تو سردی تکلیف دیتی ہے۔ دھوپ میں ننگے بدن ہوں تو یہی دھوپ تکلیف دیتی ہے، سردی سے بچنے کا یہاں ذکر نہیں ہے وہ شروع میں ہی آ گیا تھا کذلك یتم نعمتہٗ علیکم اسی طرح اللہ تعالیٰ پورا کرتا ہے اپنا احسان تم پر تا کہ تم اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردو، کسی اور کے دروازے پر نہ ڈالو، لعلکمتسلمون تا کہ تم اسلام لے آؤ، اسلام کا معنی یہی ہے کہ تم اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردو کہ جو ہماری اس قسم کی ضرورتیں پوری کرتا ہے بس ہم تو اسی کے ہی ہیں۔

حضور ﷺ کو تسلی:

فان تولوا پھر اگر یہ لوگ پیٹھ پھیریں فانما علیك البلاغ المبین پس آپ کے ذمہ تو صریح طور پر پہنچادینا ہی ہے، زبردستی ان کو کسی راستہ پر لانا آپ کے ذمہ نہیں ہے، یعرفون نعمة اللّٰه ثم ینکرونها پہچانتے ہیں یہ اللہ کے احسان کو پھر اس کا انکار کرتے ہیں واکثرهم الکافرون اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔

سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب الیك

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر امت سے ایک گواہ پھر اجازت نہیں دی جائے گی ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۸۴﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ

اور نہ ان کو راضی کرنے کی مہلت دی جائے گی ﴿۸۴﴾ اور جب دیکھیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا عذاب کو

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۵﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ

تو وہ ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت دیے جائیں گے ﴿۸۵﴾ اور جب دیکھیں گے وہ لوگ

أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ

جنہوں نے شرک کیا اپنے شرکاء کو تو کہیں گے اے ہمارے رب! یہ ہمارے شرکاء ہیں جن کو

كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ

ہم پکارتے تھے تجھے چھوڑ کر پس وہ ڈالیں گے ان کی طرف بات

لَكَاذِبُونَ ﴿۸۶﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ

کہ بے شک یہ جھوٹے ہیں ﴿۸۶﴾ اور ڈالیں گے اس دن اللہ کی طرف فرمانبرداری اور گم ہو جائیں گی

مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۸۷﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ

ان سے وہ چیزیں جو وہ گھڑتے تھے ﴿۸۷﴾ جن لوگوں نے کفر کیا اور انہوں نے روکا اللہ کے راستہ سے

اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿۸۸﴾

ہم زیادہ کریں گے ان کو ازروئے عذاب کے عذاب پر بسبب اس کے کہ وہ فساد کرتے تھے ﴿۸۸﴾

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ

اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر امت میں ایک گواہ ان کے خلاف انہی میں سے اور ہم آپ کو

وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ

لائیں گے گواہ بنا کر ان کے خلاف اور نازل کی ہم نے آپ پر کتاب

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع

جو بیان کرنے والی ہے ہر چیز کو اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے فرمانبرداروں کے لئے ﴿۸۹﴾

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى

بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل کا اور احسان کا اور رشتہ داروں کو دینے کا

وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ

اور منع کرتا ہے فحش کاموں سے اور برائیوں سے اور ظلم کرنے سے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا

نصیحت قبول کرو ﴿۹۰﴾ اور پورا کرو تم اللہ کے عہد کو جبکہ تم عہد کرلو اور نہ توڑو اپنی

الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ

قسموں کو ان کو پکا کرنے کے بعد اور تحقیق بنا چکے ہو تم اللہ کو اپنے اوپر کارساز

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا

بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ﴿۹۱﴾ اور نہ ہو جاؤ تم اس عورت کی طرح جس نے توڑ دیا اپنے کاتے

مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ

ہوئے سوت کو محنت کے بعد ذرہ ذرہ کر کے تم بناتے ہو اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا ذریعہ کہ ہو جائے ایک جماعت

تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ

بڑھی ہوئی دوسری جماعت سے، سوائے اس کے نہیں اللہ تمہیں آزماتا ہے اس کے ذریعہ سے اور البتہ ضرور بیان کرے گا

لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

اللہ تمہارے لیے قیامت کے دن ان چیزوں کو جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿۹۲﴾ اور اگر اللہ چاہتا

لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ

تو بنا دیتا تم سب کو ایک ہی جماعت لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا

اور البتہ ضرور تم سے پوچھا جائے گا ان کاموں کے بارے میں جو تم کرتے تھے ﴿۹۳﴾ اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو

اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَ تَذُوْقُوا

آپس میں فساد کا ذریعہ کہ پھسل جائیں قدم جمنے کے بعد اور تم چکھو

السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾

عذاب بسبب تمہارے روکنے کے اللہ کے راستہ سے اور تمہارے لیے بڑا عذاب ہے ﴿۹۴﴾

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ

اور نہ بیچو اللہ کے عہد کو ثمن قلیل کے بدلہ میں، سوائے اس کے نہیں جو کچھ اللہ کے پاس ہے

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا

وہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو ﴿۹۵﴾ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہوجائے گا

عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا

اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور البتہ ہم ضرور بدلہ دیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے صبر کیا ان کا اجر ان

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

اچھے کاموں کا جو وہ کرتے تھے ﴿۹۶﴾ جس نے نیک کام کیا وہ مرد ہو یا عورت اس حال میں کہ وہ مومن ہے

فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

ہم ضرور اسے اچھی زندگی دیں گے اور ہم ضرور دیں گے ان کو ان کا اجر ان اچھے کاموں

يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ

کا جو وہ کرتے تھے ﴿۹۷﴾ پس جب آپ پڑھنے لگیں قرآن تو پناہ مانگ لیا کریں اللہ کی

الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى

شیطان مردود سے ﴿۹۸﴾ بے شک نہیں ہے اس کیلئے کوئی زور ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور وہ

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ

اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں ﴿٩٩﴾ سوائے اس کے نہیں اس کا زور ان لوگوں پر ہے جو اس سے

هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع

دوستی رکھتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ہیں ﴿١٠٠﴾

تفسیر

احوال آخرت اور مشرکین کو تنبیہ:

ویوم نبعث من کل امة شهیداً: اور جس دن اٹھائیں گے ہم ہر جماعت میں سے گواہ، حالات کی گواہی دینے والا، ثم لا یؤذن للذین کفروا پھر نہیں اجازت دی جائے گی ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا یعنی عذر اور معذرت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی ولاهم یستعتبون اور نہ ان کافروں سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ ناراضگی کو زائل کر لیں، اب اپنے رب کو راضی کر لیں یہ مطالبہ بھی نہیں کیا جائے گا کیونکہ اب ناراضگی کو زائل کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔

ان آیات میں آخرت کے احوال کو ذکر کر کے مشرکین کے لئے وعید ہے۔ ہر امت سے شہید اٹھایا جائے گا، گواہی دے گا کہ میں نے ان تک تیرا دین صحیح صحیح پہنچا دیا تھا لیکن انہوں نے نہیں مانا۔

واذا رأى الذین ظلموا العذاب فلا یخفف عنهم اور جس وقت ظالم عذاب کو دیکھیں گے یعنی عذاب میں واقع ہو جائیں گے پس نہ وہ عذاب ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت دیے جائیں گے جتنا عذاب اللہ کی طرف سے تجویز ہو گیا اس میں کمی نہیں ہو گی بعض وجوہ سے اس میں اضافہ تو ہو سکتا ہے اور ان کو مہلت بھی نہیں دی جائے گی بلکہ جب ان کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا اس وقت ہی اس عذاب کو چالو کر دیا جائے گا، سزا جاری ہو جائے گی۔

واذا رأى الذین اشركوا شركائهم اور جس وقت دیکھیں گے وہ لوگ جنہوں نے شریک ٹھہرائے تھے، جنہوں نے شرک کیا تھا اپنے شرکاء کو تو مشرکین دیکھ کے بول پڑیں گے قالوا ربنا هؤلاء شركاءنا کہیں گے اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں ہمارے شرکاء جن کو ہم شریک بنایا کرتے تھے، تجھے چھوڑ کے ہم جن کو پکارا کرتے تھے وہ یہ لوگ ہیں، مقصد یہ ہو گا کہ ہماری گمراہی کا باعث یہ بنے ہیں اس لیے تو ان کو پکڑ، جن کو دنیا کے اندر پکارا کرتے

تھے۔ جن کو پوجا کرتے تھے انہی کو پکڑوانا چاہیں گے فالقوا الیهم القول انکم لکاذبون شرکاء کو ڈر لگے گا کہ کہیں ان کے کہنے کی وجہ سے ہم بھی گرفت میں نہ آ جائیں تو فوراً ان کی طرف بات کو لوٹا دیں گے، القوا الیهم القول ان کی بات انہی کی طرف لوٹا دیں گے، انہی کے منہ پر ماریں گے کہ بے شک تم جھوٹے ہو، ہم کہاں شرکاء ہیں اور یہ کہنے والے کون ہوں گے؟ شرکاء کے اندر جس طرح تعمیم ہے اسی طرح ان کا یہ القاءِ قول ہے جیسے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جن چیزوں کو مشرکین نے معبود بنا رکھا تھا سب اپنی علیحدگی اور بیزاری کا اظہار کریں گے، کوئی سچ اور کوئی جھوٹ، پتھر کے بتوں کو تو سرے سے کچھ خبر ہی نہ تھی کہ ہمیں بھی لوگوں نے شریک ٹھہرایا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی بولنے کی طاقت دے گا وہ تو کہیں گے ہی کہ تم جھوٹے ہو، ہم کب شرکاء تھے، پتھر کے بتوں کو تو سرے سے کچھ خبر ہی نہ تھی ملائکہ، انبیاء اور بعض صالحین ہمیشہ شرک سے سخت نفرت اور بیزاری اور اپنی خالص مندی کا اظہار کرتے رہے۔ فرشتے بھی اللہ کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کرتے ہیں، نیازمندی کا اظہار کرتے ہیں، انبیاء وصالحین بھی ہمیشہ شرک سے روکتے رہے تو وہ شرکاء کس طرح ہو گئے وہ کہیں گے تم جھوٹ بولتے ہو ہم کب شرکاء تھے، ہم نے تمہیں کب کہا تھا کہ ہمیں شرکاء سمجھو یا ہمیں شرکاء قرار دو اور ہم کب تمہاری ان کارروائیوں کے اوپر خوش تھے، رہ گئے شیاطین تو ان کا قول جھوٹ ہوگا تاہم اس سے مشرکین کو کلی طور پر مایوسی ہو جائے گی کہ آج بڑے سے بڑا رفیق بھی کام آنے والا نہیں، تو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اپنی تقریر میں شرکاء عام رکھے ہیں اور ان کا انکم لکاذبون کہنا ان مختلف صورتوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ پتھروں کو، بے جان چیزوں کو جن کو یہ لوگ پکارتے تھے ان کو بھی بولنے کی طاقت دے گا، ان کو تو چونکہ خبر ہی نہیں تھی کہ کیا شرک اور کیا شرکاء اس لیے وہ بھی اپنے ان پکارنے والوں کو کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو، ملائکہ، انبیاء اور صالحین بھی تردید کریں گے اور شیطان اگر کسی درجہ میں شرک کی ترغیب بھی دیتے رہے اور ان کی کارروائیوں پر خوش بھی تھے تو اپنی جان بچانے کیلئے وہ بھی یہ کہہ دیں گے کہ ہم کب شرکاء تھے جس طرح سورۂ ابراہیم میں ابلیس اعظم کی تقریر گذر چکی ہے۔

والقوا الی اللہ یومئذ السلم: القوا کی ضمیر مشرکین کی طرف لوٹ رہی ہے، مشرکین اللہ کی طرف اس دن صلح ڈالیں گے، سلم یہ استسلام کا اسم ہے، فرمانبرداری کا اظہار کریں گے، اب مقابلے کی قوت نہیں، طاقت نہیں اپنے دعویٰ کو کسی طرح ثابت نہیں کرسکیں گے، اللہ تعالیٰ کی طرف سلم ڈالیں گے، اپنی اطاعت کا اظہار کریں گے،

وضل عنھم ماکانوا یفترون جتنی باتیں وہ گھڑا کرتے تھے،وہ سب ان سے گم ہو جائیں گی، جو یہ باتیں بناتے تھے کہ اوّل تو آخرت ہوگی ہی نہیں اگر ہوگی تو فلاں کام آجائے گا یہ سب باتیں ان سے گم ہو جائیں گی۔

الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللّٰہ: وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور انہوں نے اللہ کے راستہ سے روکا،اور الذین کے بعد جو ماضی آئے نحو میں آپ پڑھتے رہتے ہیں کہ اس کا ترجمہ مضارع کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے کہ جو کفر کرتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں زدناھم عذاباً فوق العذاب ہم ان کو عذاب پر عذاب بڑھائیں گے یعنی عذاب میں ان کے درجات بڑھیں گے،ایک عذاب تو ہوا کفر کی بناء پر، کفر کی وجہ سے جہنم میں چلے گئے،اس کے اوپر اضافہ ہوگا کہ یہ صرف کافر ہی نہیں تھے بلکہ دوسروں کو کافر بنانے والے بھی تھے،اللہ کے راستہ سے روکتے تھے تو ضلال کے ساتھ ساتھ اضلال کا فعل جو تھا اس کی وجہ سے ان کا عذاب خالص کافروں کے مقابلہ میں جنہوں نے اضلال نہیں کیا ان کے مقابلہ میں ان کا عذاب بڑھا ہوا ہوگا،ایک صرف کافر ہے، دوسرے کو کفر کی ترغیب نہیں دیتا اور ایک کافر بھی ہے حق سے روکتا بھی ہے جس طرح رؤساءِ مشرکین تھے تو ان حق سے روکنے والوں کو عذاب دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ ہوگا بما کانوا یفسدون بسبب اس کے کہ یہ فساد مچایا کرتے تھے، حق کو قبول نہیں کرنے دیتے تھے۔

ویوم نبعث فی کل امۃ شھیداً: اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر جماعت کے اندر ایک حالات بتانے والا ان لوگوں پر انہی میں سے ہی کیونکہ کسی جماعت میں جو بھی نبی آیا انہی میں سے ہی آیا، اسی کو اللہ تعالیٰ شہید بنا کے کھڑا کریں گے وجئنابك شھیداً علی ھؤلاء جس دن باقی جماعتوں میں ان کا شہید اور گواہ لایا جائے گا تو ہم آپ کو بھی ان پر گواہ بنا کے لائیں گے،ھؤلاء سے مراد یہ لوگ ہیں جو حضور ﷺ کے زمانہ کے ہیں جن کو حضور ﷺ دین سمجھانے کیلئے اور حق بتانے کیلئے آئے تھے،ونزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شیئ اور ہم نے اتارا آپ پر کتاب کو جو ہر چیز کی وضاحت ہے، جو ہر چیز کو واضح کرنے والی ہے،جس میں ضروریات دین بیان کر دی گئی ہیں، یوں کہہ لیجئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سرورِ کائنات ﷺ کو بطور شہید کے اٹھانے کا جو ذکر کیا کہ ان لوگوں کے خلاف آپ کو بطور شہید کے لایا جائے گا۔بطور گواہ کے لایا جائے گا اس میں گویا کہ آپ کی نبوت کا اظہار ہے تو جس طرح باقی امتوں کے نبیوں کو امتوں کے خلاف گواہی کے لئے پیش کیا جائے گا آپ بھی آئیں گے اور نزلنا علیك

الکتاب یہ آپ کی نبوت کی دلیل کے طور پر ذکر کر دیا تبیاناً لکل شئ اس کا ذکر آپ کے سامنے کئی دفعہ ہو چکا ہے کہ کتاب ہر چیز کی وضاحت دینی اعتبار سے ہے، کتاب اللہ نے دین کی ہر بات کو واضح کر دیا، کسی کو جزوی رنگ میں اور کسی کو اصول کلی کے طور پر، کتاب اللہ سے کلیات معلوم ہو گئے اور ان سے باقی احکام نکلتے چلے گئے یعنی سرورِ کائنات ﷺ کی حدیث سے استدلال کر کے ہم جو احکام کو ثابت کرتے ہیں وہ بھی کتاب اللہ ہی کی تشریح ہے، اس کے لئے بھی کتاب اللہ نے اصول قائم کر دیے ما اتاکم الرسول فخذوہٗ جو کچھ تمہیں رسول دیتا ہے وہ لو، اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول، اسی طرح اجماع اور قیاس جو بھی اصول قائم کیے گئے ہیں تو جب ان کے ذریعہ سے آگے جزئیات نکالی جائیں گی تو وہ گویا کہ درجہ بدرجہ کتاب اللہ کے ہی احکام ہیں تو تبیاناً لکل شئ کا مطلب یہ ہوا کہ دین کیلئے جن باتوں کی ضرورت تھی اس کتاب نے ان کو واضح کر دیا بعض کو جزئیات کے طور پر اور بعض کو کلیات کے طور پر باقی آگے سارا دین انہی باتوں کی تشریح ہے وھدیً ورحمۃ وبشریٰ للمسلمین اتارا ہم نے آپ پر کتاب کو جو ہر چیز کیلئے وضاحت ہے، ہر چیز کا کھلا بیان ہے اور ہدایت ورحمت ہے اور بشریٰ ہے مسلمین کیلئے، مسلمین کا تذکرہ ہو گیا کیونکہ فائدہ اٹھانے والے یہی لوگ ہیں، ہدایت ورحمت کے اندر فرق آپ کے سامنے بارہا آ چکا کہ ابتداء کے اعتبار سے یہ راہنمائی ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے اللہ کی رحمت کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے کہ جو اس کی راہنمائی کو قبول کریں گے انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت حاصل ہو گی اور فرمانبرداروں کے لئے بشارت ہے کہ جو فرمانبرداری اختیار کریں، اسلام لے آئیں، کفر کو چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ کے احکام مان لیں ان لوگوں کو اچھے انجام کی بشارت دیتی ہے۔

تعلیمات الٰہیہ کا خلاصہ:

ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربٰی: اب یہ تبیاناً لکل شیئ کا ایک قسم کا نمونہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر جو تعلیمات دی ہیں ان کا خلاصہ اس آیت کے اندر جمع کر دیا گیا ہے اس لیے اصولی طور پر یہ آیت تمام احکام پر جاری ہے، اس کی جامعیت کی طرف دیکھتے ہوئے ہی اسلاف سے معمول چلا آ رہا ہے کہ اس کو خطبۂ جمعہ کے اندر پڑھا جاتا ہے، ان اللّٰہ یامر بالعدل بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کا اور احسان کا اور اہل قرابت کو دینے کا اور روکتا ہے بے حیائی سے اور بری چیز سے اور سرکشی وظلم سے اللہ تمہیں نصیحت کرتا

ہے تا کہ تم یاد رکھو۔

عدل کا معنی ومفہوم:

اس میں تین چیزیں مامور بہ کے درجہ میں ذکر کی گئی ہیں اور تین چیزیں منہی عنہ کے درجہ میں ذکر کی گئی ہیں، مامور کے درجہ میں جو چیز ذکر کی گئی ان میں ایک تو عدل ہے، عدل ایک بہت جامع لفظ ہے، اس کا لفظی معنی ہوتا ہے برابری کرنا اور عام محاورہ کے طور پر آپ اس کا ترجمہ کر دیتے ہیں انصاف کرنا، برابری اور انصاف ایک ہی چیز ہے تو عدل کا مطلب یہ ہوا کہ جو حقوق آپ کے ذمہ لگے ہوئے ہیں آپ برابر سرابر ان کو ادا کر دیں اور یہ سمجھ کر ہی ادا کریں کہ یہ دوسرے کا حق ہے، اس کے اوپر نہ تو محبت اثر انداز ہو، اپنے معاملہ میں بھی عدل کیجئے، اپنے اور اللہ کے احکام کے درمیان میں بھی عدل کیجئے، لوگوں کے نزاعات کے درمیان بھی عدل کیجئے، انصاف کے ساتھ ہر کسی سے پیش آیئے، دوسرے کے حقوق کی تعیین انصاف کے ساتھ کیجئے کہ دوسرے کا کتنا حق ہمارے ذمہ لگتا ہے اور اس کو برابر سرابر ادا کرنا ہے، آپ جانتے ہیں کہ اس کے اندر بہت سارے احکام آ گئے اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ کہ ہمیشہ انصاف کیا کرو اور اس انصاف والے جذبہ کو محبت یا عداوت سے متاثر نہ ہونے دو، جو جس کا حق ہے اس کو پوری طرح سے ادا کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

احسان کا معنی ومفہوم:

اس سے آگے بڑھ کے احسان کا تذکرہ آ گیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف حقوق کے ادا کرنے پر ہی کفایت نہ کرو بلکہ آگے احسان کی صفت بھی ہونی چاہیے، حق سے بھی زیادہ دوسرے کے ساتھ بھلائی کرو، احسان کا مفہوم دو طرح سے ذکر کیا جاتا ہے، اس کا ایک مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ جو کام بھی کرو اچھی طرح سے کرو اس میں حسن ہونا چاہیے، اس میں قبح نہ ہو، تمہارا ہر کام حسن کو لیے ہوئے ہو، توجہ کے ساتھ اس کے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے اس کو سرانجام دو اور اسی طرح احسان کا خاص مفہوم یہ بھی ہوتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا یعنی پہلا مفہوم عام ہے کہ جو کام بھی کیا جائے اچھی طرح سے کیا جائے اور دوسرا مفہوم خاص ہے کہ دوسرے انسان کے ساتھ اچھائی والا معاملہ کیا جائے، پہلے مفہوم کی طرف اشارہ اسی حدیث جبرئیل میں ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا ما الاحسان؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم

تکن تراہ فانہٗ یراك کہ اللہ کی عبادت ایسے طور پر کرو (عبادت میں تمام احکام شامل ہیں) گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو کیونکہ تم اگر نہیں دیکھ رہے وہ تو دیکھ ہی رہا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے سمجھو اور اس طرح کام کرو گویا کہ تم اللہ کے سامنے ہو اور اللہ تمہارے سامنے ہے تو جس وقت اپنے معاملات میں، عبادات میں، ہر چیز میں اس بات کا استحضار رکھا جائے گا کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے، ہم اللہ کے سامنے ہیں تو پھر اس کام میں کسی طرف سے بھی خرابی نہیں آسکتی پھر خلوص ہی خلوص ہوگا تو احسان کا یہ مفہوم ہوا اور مخلوق کے ساتھ احسان کرنا اسی کا ایک فرد ہے کہ جب کسی کے ساتھ برتاؤ کرو تو اس کے اندر اچھائی کا پہلو ہونا چاہیے، صرف حقوق پر اکتفاء نہ کرو بلکہ حقوق سے بڑھ کر دوسرے کے ساتھ مروت کرو۔

ایتاءِ ذی القربیٰ کا معنیٰ ومفہوم:

اور پھر عام مخلوق کے ساتھ بھلائی کے تذکرے کے بعد خصوصیت کے ساتھ اہل قرابت کا ذکر کردیا، یہاں ایتاء کا لفظ آیا ہے جس کا مفعول ذکر نہیں کیا گیا کہ اہل قرابت کو دو، کیا دو؟ یہاں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کیا دینا چاہیے؟ اور کتنا دینا چاہیے یہ موقع محل کے مطابق ہے، آپ کے رشتہ دار، آپ کی قرابت والے آپ کی جس قسم کی امداد کے مستحق ہیں، جس قسم کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ تعاون کریں تو آپ ان کے ساتھ اسی قسم کا تعاون کریں، ان کی خوشی میں شریک ہوں، ان کی غمی میں شریک ہوں، مصیبت کے وقت ان کی امداد کریں، ان کے ساتھ تعاون کریں، خیر خواہی کا معاملہ کریں اور جہاں تک مال خرچ کرنے کا تعلق ہے وہ باقی مخلوق کے مقابلہ میں اہل قرابت کا زیادہ حق ہے اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس کو ذکر کردیا۔

مذکورہ تین صفتوں کو اپنانے کا فائدہ:

ان تین صفتوں کو اگر ہر شخص اپنا لے، عدل کی صفت کو اپنا لے، احسان کا جذبہ پیدا کرلے، احسان میں یہ بھی آجائے گا کہ اگر دوسرے کی طرف سے تکلیف پہنچی ہے تو اس کو تکلیف پہنچانے کی کوشش نہ کرو بلکہ احسان کرو اور اچھا برتاؤ کرو اور اہل قرابت کا خیال کرو تو ان تینوں جذبوں کو اپنا لینے کے بعد آپ دیکھ سکتے ہیں کہ زندگی بھی خوش گوار ہوسکتی ہے اور دنیا کے اندر امن وامان بھی قائم ہوسکتا ہے۔

فحشاء، منکر اور بغی کا معنیٰ و مفہوم:

اور اس کے مقابلہ میں تین چیزوں سے روکا گیا، بے حیائی کی حرکتوں سے جس میں خصوصیت کے ساتھ زنا، لواطت اور اس قسم کی کھلی بے حیائیاں آ گئیں اور آج فساد سارے کا سارا اسی جذبہ کے طور پر ہی لوگوں میں آتا ہے، اکثر و بیشتر فساد اور لڑائیاں اسی بات پر ہوتی ہیں کہ فلاں کی لڑکی کو اغوا کر کے لے گیا، فلاں کے فلاں کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے اسی قسم کے جذبات کے تحت اکثر و بیشتر فساد ہوتا ہے جیسے بعض بزرگوں سے یہ سنا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر غور کرو گے تو دنیا کے اندر شرارت جتنی بھی ہے اس کے دو ہی شعبے ہیں یا یہ فساد جاہی ہے یا یہ فساد باہی ہے، یا تو جاہ کی بناء پر لوگ لڑتے ہیں کہ ایک دوسرے سے بڑا بننا چاہتے ہیں، یہ الیکشنوں کے مقابلے یہ سب جاہی فساد ہے حُبّ جاہ کے طور پر مقابلہ ہوتا ہے، ہر شخص چاہتا ہے کہ میں دوسرے سے آگے نکل جاؤں یا پھر یہ باہ کا فساد ہے، شہوانی جذبہ کے ساتھ اپنے مفاد کو حاصل کرنے کیلئے دوسرے کے ساتھ فساد کرتے ہیں تو فحشاء کے اندر ہر قسم کی بے حیائی آ گئی۔

اور المنکر یہ لفظ عام ہے، وہ کام جس کے اوپر انکار کیا گیا ہو، عقلاً، شرعاً، عرفاً جس کو اچھا نہیں سمجھا جاتا وہ منکر کا مصداق ہے جیسے معروف اسے کہتے ہیں جو عقل کے نزدیک، دین کے نزدیک اور اچھے معاشرے میں جانی پہچانی چیز ہو اسے معروف کہتے ہیں، نیکی کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے اور منکر کا لفظ برائی کیلئے بولا جاتا ہے، ہر وہ چیز جس کے اوپر عقل انکار کرے، جس کے اوپر شریعت انکار کرے، جس کے اوپر اچھا معاشرہ انکار کرے، شرافت کے ماحول میں جس کو اچھا نہ سمجھا جائے وہ سب منکر ہے تو یہ عام ہے اس میں خصوصیت کے ساتھ فحشاء کو پہلے ذکر کر دیا۔

اور ایسے ہی بغی، بغی کا معنی سرکشی، دوسرے کے اوپر ظلم کرنا جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ طاقت کے بل بوتے پر اپنے مفاد کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا یہ نہ دیکھنا کہ یہ ہمارا حق بھی بنتا ہے یا نہیں اس کو بغی اور شرارت کہتے ہیں، زور کے ساتھ اور قدرت کے ساتھ اپنے مفاد کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا اور دوسرے کے حق کا خیال نہ کرنا یہ بغی ہے، یہ ظلم اور فساد جتنا ہے یہ سب اس بغی کا نتیجہ ہے، ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ روکتے ہیں یعظکم تمہیں نصیحت کرتے ہیں لعلکم تذکرون تاکہ تم یاد رکھو، یہ بات بطور نصیحت کے ہے اگر ان باتوں کو یاد رکھو گے اور ان کے مطابق عمل کرو گے تو دنیا و آخرت آباد ہو جائے گی اور اگر اس کے خلاف چلو گے تو دنیا و آخرت برباد ہو گی اللہ کی

طرف سے یہ نصیحت ہے، زبردستی نہیں ہے، اللہ نے تمہیں اختیار دے کے یہ نصیحت کی ہے یاد رکھو گے تو فائدہ اٹھالو گے، نہیں یاد رکھو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔

واوفوا بعهد الله اذا عاهدتم کا مفہوم:

واوفوا بعهد الله اذا عاهدتم اور اللہ کے عہد کو پورا کیا کرو جبکہ تم عہد کرلو، اللہ سے عہد کرلو جس طرح نذر مان لی جاتی ہے یا کلمہ پڑھ کے جب اللہ سے عہد کرلیا کہ ہم مطیع اور فرمانبردار رہوں گے تو شریعت کے سارے کے سارے احکام اس میں آ گئے، یہ خصوصیت کے ساتھ تاکید کی جا رہی ہے کیونکہ جس وقت یہ آیات اتر رہی تھیں اس وقت مسلمان کمزور تھے، ان کو برانگیختہ کیا جا رہا ہے کہ جو عہد اللہ سے ہو گیا اب اس کے اوپر پکا رہنا چاہیے، یہ نہیں کہ کسی مفاد کو نقصان پہنچ رہا ہو تو کلمہ چھوڑ کے کفر کی طرف چلے جاؤ اور بعض مفسرین کے نزدیک اس میں ضمناً یہود کے لئے تنبیہ ہے کہ اگرچہ آیات مکہ معظّمہ کے اندر اتری تھیں لیکن اس وقت یہود بھی اسلام کے خلاف سازشوں میں مشرکین کے ساتھ شریک ہو گئے تھے کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ نیا دین جو ابھر رہا ہے یہ ایک دن ہمارے لیے خطرہ بن جائے گا تو وہ مشرکین کے ساتھ دلچسپی رکھتے تھے اور اسلام کے خلاف ان کو بہکاتے رہتے تھے حالانکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی کتابوں کے اندر عہد کیا ہوا تھا کہ ہم تیرے احکام پر عمل کریں گے ان احکام کے اندر یہ بات بھی تھی کہ آنے والے پیغمبر پر ایمان لائیں اور آنے والے پیغمبر پر ایمان لانے کی لوگوں کو ترغیب دیں تو توراۃ و انجیل وغیرہ یہ سب اللہ کی طرف سے عہد نامے ہیں جو ان قوموں کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلط کئے گئے اس لیے آج بھی ان کتابوں کو عہد نامہ جدید اور عہد نامہ قدیم کے ساتھ ہی تعبیر کیا جاتا ہے، توراۃ کو عہد نامہ قدیم کہتے ہیں اور انجیل کو عہد نامہ جدید کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر یہ کتابیں بطور عہد کے اتری تھیں، ان کو چاہیے کہ اس عہد کو پورا کریں، جو باتیں اس کے اندر لکھی ہوئی ہیں ان کو مانیں اور جو پیش گوئیاں ذکر کی گئی ہیں ان کو پھیلائیں اور عام تاکید بھی ہو گئی تاکہ ایمان لانے والے بھی اس پر پختہ ہو جائیں، ایک دفعہ جو عہد کرلیا اس پر جم جائیں تاکہ کسی کا غلبہ دیکھ کے پھر اپنے عہد سے پھر نہ جائیں، پورا کرو تم اللہ کے عہد کو جس وقت کہ تم عہد کرتے ہو اور توڑا نہ کرو قسموں کو ان کے پکا کرنے کے بعد، قسموں کو پختہ کرنے کے بعد ان کو توڑا نہ کرو حالانکہ اللہ تعالیٰ کو تم اپنے اوپر ضامن بنا چکے، جب قسم کھالی اور اللہ کو اپنے اوپر ضامن بنا لیا تو پھر ایسی قسموں کا توڑنا یا ایسے عہد کی خلاف

ورزی کرنا مناسب نہیں ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کاموں کو جو تم کرتے ہو۔

عہد کرنے کے بعد اس کو توڑنے کی مذمت:

ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا: غزل سوت کو کہتے ہیں جو کاتا جایا کرتا ہے، غزالی سوت بنانے والوں کو کہا کرتے ہیں، نہ ہو جاؤ تم اس عورت کی طرح جس نے توڑ دیا اپنے سوت کو اس کی قوت کے بعد ٹکڑے ٹکڑے یعنی ایک عورت سوت کاتتی ہے اور کات کے اس کو مضبوط کرتی ہے اور جس وقت کام سے فارغ ہوتی ہے تو بیٹھ کے اس کو توڑنے لگ جاتی ہے تو جیسے تم اس عورت کو پاگل سمجھو گے، بے عقل سمجھو گے تو تم بھی پہلے اگر عہد کرلو، قسمیں کھالو اور معاملات کا ایک تانا بانا بنالیا اور بعد میں اپنے مفاد کی خاطر اس کے خلاف کرنے لگ جاؤ گے تو تم اس پاگل عورت کی طرح ہو جو سوت کاتنے کے بعد میں اس کو توڑنے لگ جاتی ہے، چاہے متعین طور پر ایسی عورت ہو یا نہ ہو، بطور مثال کے یہ کہا جا رہا ہے لیکن اگر کوئی ایسی پاگل عورت ہوگی تو بات سمجھنی اور بھی آسان ہے کہ مکہ معظمہ میں کوئی ایسی عورت تھی جس کی عقل میں خرابی تھی، وہ سارا دن کاتتی رہتی تھی اور کات کے جب فارغ ہوتی تو شام کو اسی کو توڑنے لگ جاتی، یہ اپنے کیے ہوئے کو برباد کرنے کی ایک مثال ہے کہ اپنے کاتے ہوئے کو خود ہی توڑ لیا تو عہد و پیمان کر کے تم ایک بات جو بناتے ہو اور بعد میں اس کی خلاف ورزی کرتے ہو تو اس کو خود ہی برباد کرتے ہو اپنی کوشش پر پانی پھیر لیتے ہو، ایسے نہ کیا کرو، جو تم نے عہد کیا ہے، قسمیں کھائیں ہیں پھر ان پر پکے رہا کرو، نہ ہو جاؤ اس عورت کی طرح جو توڑتی ہے اپنے سوت کو اس کی قوت کے بعد ٹکڑے ٹکڑے۔

تتخذون ایمانکم دخلاً بینکم: بناتے ہو تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا ذریعہ اس سبب سے کہ ایک جماعت زیادہ بڑھنے والی ہے دوسری جماعت سے، ایک جماعت کے ساتھ تم نے عہد کیا لیکن دیکھا کہ دوسری جماعت زور آور ہے تو در پردہ ان کے ساتھ مل گئے اور ان کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے توڑ دیے، تم اس طرح کرتے ہو تو تمہاری یہ قسمیں تمہارے لیے فساد کا باعث بن جاتی ہیں، جماعتوں کے بڑھنے کو فساد کا ذریعہ بنانا مناسب نہیں ہے، جماعتوں کا بڑھنا گھٹنا یہ اللہ کی طرف سے ایک ابتلاء ہے اللہ تعالیٰ کبھی کسی جماعت کو غلبہ دے دیتے ہیں، کبھی کسی جماعت کو غلبہ دے دیتے ہیں تو اگر اسی بات کی بناء پر تم آپس میں عہد کو توڑو گے کہ کبھی کسی سے مل گئے، کبھی کسی سے مل گئی، دیکھا کہ اب یہ جماعت اقتدار پر آ رہی ہے تو اس کے ساتھ مل گئے، کل کو وہ کسی دباؤ

کے اندر آ گئی دوسری جماعت ابھرتی جا رہی ہے تو اِدھر کو ہو گئے تو ایسے لوگ دنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں، کوئی شخص ان پر اعتماد کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا، یوں اپنی وفاداریاں بدلنا دنیا میں عزت حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں اس طرح انسان لوگوں کی نظر میں بھی ذلیل ہوتا ہے اس لیے جس کے ساتھ عہد و پیمان کرلو حتی الوسع اسے نبھاؤ انما یبلو کم اللہ بہ ان جماعتوں کے بڑے چھوٹے ہونے کے ساتھ، قوی اور ضعیف ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ تمہیں آزماتا ہے ولیبینن لکم یوم القیامۃ البتہ اللہ ضرور واضح کرے گا تمہارے لیے قیامت کے دن ما کنتم فیہ تختلفون ان چیزوں کو جس میں تم اختلاف کیا کرتے ہو۔

ولوشاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ کا مفہوم:

ولوشاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ: یہ مضمون بہت دفعہ گذر چکا ہے، اس میں بھی اصل میں عمل کی ترغیب دینی مقصود ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زبردستی نہیں، اگر اللہ تعالیٰ زبردستی کرتا تو سب کو ہی ایک راستہ پر چلا دیتا لیکن تمہیں اختیار دے کے جو چھوڑا ہے، اپنے اختیار کے ساتھ نیکی کرو گے تو اللہ سے اجر پاؤ گے، اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی جماعت بنا دیتا لیکن وہ بھٹکاتا ہے جس کو چاہتا ہے اور سیدھے راستہ پر چلاتا ہے جس کو چاہتا ہے، اللہ کا چاہنا اس کی حکمت کے مطابق ہے اور البتہ ضرور پوچھے گا ان کاموں کے متعلق جو تم کیا کرتے تھے۔

ولا تتخذوا ایمانکم دخلاً بینکم کا مفہوم:

ولا تتخذوا ایمانکم دخلاً بینکم: نہ بنایا کرو اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا ذریعہ فتزل قدم بعد ثبوتھا پھر پھسل جائے گا کوئی قدم اس کے ثابت ہونے کے بعد اور چکھو گے تم برائی کو بسبب اس کے کہ تم نے اللہ کے راستہ سے روکا اور تمہارے لیے عذاب عظیم ہے، مطلب یہ ہوا کہ اگر تم قسمیں توڑو گے تو بری رسم پڑ جائے گی، کسی کا قدم اگر پہلے ثابت ہوگا تو تمہارے کردار کو دیکھ کے وہ بھی پھسل جائے گا، جس طرح ایک شخص ایمان لاتا ہے گویا کہ اس نے ہدایت کے راستہ پر قدم جما لیا، اب یہودی قسمیں کھا کھا کے کہیں کہ یہ وہ دین نہیں ہے جس کی پیش گوئی کی گئی ہے، یہ وہ کتاب نہیں جس کا ذکر ہماری کتابوں میں ہے یا یہ رسول سچا رسول نہیں ہے تو ان کی قسموں کی بناء پر یہ جما ہوا قدم پھسل جائے گا اگر اس طرح کوئی جما ہوا قدم پھسل گیا تو تمہارے اوپر گمراہ کرنے کا وبال بھی آئے گا، ایک تو اپنی بدکرداری کا وبال ہے اور ایک تم جو دوسروں کو حق سے روکنے کا ذریعہ بنے تو اس کا وبال بھی آئے گا۔

اس بات کو یادرکھیے، کہ جاہل آدمی کی غلطی اس کی اپنی غلطی ہوتی ہے اور اس کا نقصان صرف اسی کو پہنچتا ہے، وہ متعدی نہیں ہوتا اور اہل علم اگر کسی معاملہ کے اندر غلطی کرتے ہیں، غلط بیانی کرتے ہیں یا غلط کردار اختیار کرتے ہیں تو ان کی طرف دیکھ کے کئی ثابت قدم لوگ پھسل جاتے ہیں تو پھر ان پر صرف اپنے کردار کی ذمہ داری نہیں ہوتی بلکہ جب یہ دوسروں کے گمراہ ہونے کا باعث بنے ہیں تو وہ ذمہ داری بھی ان پر ہی آتی ہے، اس لئے یہ صرف گمراہ ہونے کے مجرم نہیں ہوتے بلکہ گمراہ کرنے کے مجرم بھی ہوتے ہیں، اسی طرح یہود اگر انکار کرتے تھے کہ یہ اللہ کی کتاب صحیح نہیں یا یہ وہ اللہ کے رسول نہیں جن کی پیش گوئی کی ہوئی ہے تو کئی ثابت قدم پھسل جائیں گے تو اللہ کے راستہ سے روکنے کا وبال بھی آئے گا۔

ثمن قلیل کے بدلہ میں اللہ کے عہد کو نہ توڑنے کا حکم:

ولا تشتروا بعهد الله ثمنا قليلاً: اوپر تو ذکر کیا تھا کہ جماعتوں کی قوت اور ضعف کی بناء پر وفاداریاں تبدیل نہ کیا کرو، قسمیں توڑا نہ کرو، اب مالی مفاد آ گیا کہ مالی مفاد حاصل کرنے کے لیے بھی قسموں کے خلاف نہ کیا کرو، نہ خریدو تم اللہ کے عہد کے خلاف ثمن قلیل۔ ثمن قلیل سے دنیا کا سامان مراد ہے، اللہ کے عہد کے مقابلہ میں ثمن قلیل نہ لیا کرو، جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانو۔

تمہاری ہر چیز فانی اور اللہ کی ہر چیز باقی ہے:

ماعندكم ينفد: یہ بہتر ہونے کی دلیل دے دی، جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے، وہ ختم ہو جائے گا وماعندالله باق اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے تو اگر تم دنیاوی مفاد کے پیچھے لگ جاؤ گے تو ایک فانی چیز کو لے لو گے۔ فانی کو لے لینا اور باقی کو چھوڑ دینا یہ کوئی نفع کی تجارت نہیں ہے، ماعندکم میں ما عام ذکر کر دیا کہ دنیا کی جو چیز بھی ہمارے پاس ہے وہ فانی ہے، یہاں کی کوئی چیز باقی رہنے والی نہیں ہے، مال و دولت باقی رہنے والی چیز نہیں، اور اسی طرح انسان کے اپنے حالات بھی باقی رہنے والے نہیں، یہاں کی بھوک باقی رہنے والی نہیں، بھوک لگی ہے روٹی کھالی تو بھوک ختم ہوگئی، پیٹ بھر لیا تو یہ بھی باقی رہنے والی چیز نہیں تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی ختم ہو جائے گا، دوستی ہو دشمنی ہو، صحت ہو، جوانی ہو، دنیا کی ہر چیز جو انسان کو حاصل ہے وہ زوال پذیر ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ ملے گا وہ باقی رہنے والا ہے ولنجزين الذين صبروا اجرهم البتہ ضرور دیں

گے ہم ان لوگوں کو جنہوں نے صبر کیا ان کا اجر باحسن ما کانوا یعملون ان کے بہترین عملوں کے عوض میں، ان کے بہترین عملوں کی وجہ سے ہم ان کو ضرور جزا دیں گے جنہوں نے صبر کیا، صبر کرنے والے وہی ہیں جو اللہ کے راستہ میں مشکلات برداشت کرتے ہیں۔

ایمان اور عمل صالح کا فائدہ:

من عمل صالحاً: جو کوئی نیک عمل کرتا ہے مذکر ہو یا مؤنث، آدمی ہو یا عورت جو بھی نیک عمل کرتا ہے بشرطیکہ مؤمن ہو، وھو مؤمن یہ حال ہے اور حال مقام شرط میں ہے بشرطیکہ مؤمن ہو یعنی اس کا عقیدہ صحیح ہو، عقیدہ صحیح ہوگا تو نیک عمل کی قدر ہے اگر عقیدہ صحیح نہیں تو نیک عمل کی قدر نہیں، جو بھی نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت حالانکہ وہ مؤمن ہے تو ہم ضرور عطا کریں گے اس کو حیاتِ طیبہ، زندہ رکھیں گے ہم اس کو زندہ رکھنا عمدہ، اس کو حیاتِ طیبہ عطا کریں گے عمدہ زندگی کا مطلب یہ ہے کہ اطمینان کی زندگی عطا کریں گے، دنیا کے اندر رہتے ہوئے حالات سخت تو ہوتے ہیں، تکلیفیں بھی پہنچتی رہتی ہیں لیکن اگر ایمان صحیح ہے اور عمل صالح ہے تو اللہ تعالیٰ قلب کے اندر ایک ایسی قوت پیدا فرما دیتے ہیں کہ اس میں حرص نہیں ہوتا، اس میں بے صبری نہیں ہوتی تو یہ دنیا کے مصائب بھی اس کے حق میں آسان ہو جاتے ہیں، لذیذ ہو جاتے ہیں، زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے، اطمینان کی زندگی اگر نصیب ہو سکتی ہے تو ایمان اور عمل صالح کے نتیجہ میں ہی ہو سکتی ہے اور جو ایمان و عمل صالح سے محروم ہے اگر وہ دنیا کے اندر بادشاہ بھی بن جائے، کروڑ پتی بھی ہو جائے، ہر قسم کے اسباب راحت حاصل بھی ہو جائیں پھر بھی ان کے دلوں میں چین نہیں ہوا کرتا۔ ان کی زندگی پریشانی کی زندگی ہوتی ہے، وہ مزیدار زندگی نہیں ہے ولنجزیھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون اور البتہ ضرور دیں گے ہم ان کو ان کا اجر ان بہترین کاموں کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔

قرأت قرآن سے پہلے استعاذہ کا حکم:

فاذا قرأت القرآن: اب یہ جو نیکیوں کی ترغیب دی گئی تو نیکیوں سے روکنے کیلئے شیطانی قوتیں آتی ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے بچنے کا ذریعہ بتاتے ہیں کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے استعاذہ کیا کرو کیونکہ شیطان ایک ایسی چیز ہے، ایک ایسا دشمن ہے جو تمہیں نظر نہیں آتا اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ کی پناہ میں آؤ، ہر قسم کے نیک کام کرتے وقت اللہ کی پناہ پکڑو تا کہ شیطان اس میں اثر انداز نہ ہو خصوصیت کے ساتھ قرأت قرآن کو ذکر کیا جا رہا ہے، جس

وقت آپ قرآن کریم پڑھنے لگیں تو استعاذہ کیجئے، لفظی معنی تو یہ بنے گا کہ جب آپ قرآن کریم پڑھیں تو اللہ کی پناہ پکڑیں بظاہر معلوم ہو گیا کہ قرأت قرآن پہلے ہونا چاہیے اور استعاذہ باللہ بعد میں ہونا چاہیے لیکن ایسا نہیں، جس وقت آپ قرآن کریم پڑھنے لگیں تو اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑا کریں شیطان رجیم سے، فاستعذ، عاذ یعوذ مجرد سے ہو یا استعاذ باب استفعال سے ہو دونوں کا معنی ایک ہی ہے اس لئے اعوذ باللہ کہہ لیا جائے تو ٹھیک ہے، استعیذ باللہ کہہ لیا جائے تو ٹھیک ہے، ہدایہ میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ صاحب ہدایہ نے استعیذ باللہ کو ترجیح دی ہے تا کہ قرآن کریم کے ظاہری الفاظ کے ساتھ بھی مطابقت ہو جائے، دونوں باتیں ایک ہی طرح ہیں، مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے، زبان سے پڑھنا مستحب ہے یا سنت ہے قلب کے اندر اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھنا اور شیطان سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ اختیار کرنا یہ فرض ہے۔

حدیث شریف میں سرورِ کائنات ﷺ کا بعض مواقع پر آیات قرآن پڑھنا ثابت ہے اور اس سے پہلے استعاذہ نہیں جیسے آپ نے مشکوۃ شریف میں پڑھا ہوگا یا باب صلوٰۃ اللیل میں پڑھیں گے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو اٹھا کرتے تھے تو سورۃ آل عمران کا آخری رکوع تلاوت فرمایا کرتے تھے اور وہاں کسی روایت کے اندر بھی شروع میں تعوذ کا ذکر نہیں ہے جس کی بناء پر محدثین کہتے ہیں کہ زبان سے تعوذ ادا کرنا واجب نہیں ہے کہ جب بھی قرآن پڑھیں تو استعاذہ ضرور کریں زبان سے پڑھنا واجب نہیں ہے۔ سنت اور مستحب ہے باقی دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف خیال رکھنا اور شیطان سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا یہ ضروری ہے۔

شیطان کا زور کن پر چلتا ہے اور کن پر نہیں:

انہ لیس لہٗ سلطان علی الذین آمنوا: بے شک اس کے لئے کوئی زور نہیں ان لوگوں پر جو ایمان لے آتے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں گویا کہ شیطان سے بچنے کا ذریعہ یہی ہے کہ ایمان لاؤ اور اللہ کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کرو تو تم شیطان کے حملوں سے بچ جاؤ گے پھر نیکی کے کرنے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوگی، انما سلطانہٗ سوائے اس کے نہیں اس کا زور تو انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کے ساتھ دوستی لگاتے ہیں والذین ھم بہ مشرکون اور اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، مشرکوں پر، قبر پرستوں پر، بت پرستوں پر اس کا زور بہت چلتا ہے، ان کو کسی نیکی کی طرف نہیں آنے دیتا، ہر قسم کی برائی ان کے لئے آسان ہو جاتی ہے اور ان کو بہکا بہکا کے برائی

میں مبتلا کر دیتا ہے تو شرک ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ سے شیطان اوپر مسلط ہو جاتا ہے اور شیطانی کاموں کو اچھا سمجھنے کے ساتھ شیطان کا حوصلہ بلند ہوتا ہے باقی اللہ کے ساتھ ایمان لاؤ، اللہ پر بھروسہ رکھو تو شیطان سے تحفظ ہو جاتا ہے، ایسے لوگوں پر شیطان کا کوئی زور نہیں چلتا۔

سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك

وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْۤا

اور جب ہم بدل دیتے ہیں ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے

اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ

تو یہ کہتے ہیں کہ تو افتراء کرنے والا ہے بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے ﴿۱۰۱﴾ آپ کہہ دیجئے اس کو اتارا

رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

روح القدس نے اپنے رب کی طرف سے حق کے ساتھ تاکہ مضبوط کرے ان لوگوں کو جو ایمان لائے

وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ

اور یہ ہدایت ہے اور خوشخبری ہے مسلمانوں کیلئے ﴿۱۰۲﴾ اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں

یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ

کہ یہ کہتے ہیں کہ اس کو سکھاتا ہے ایک آدمی، زبان اس شخص کی جس کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں

اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ

عجمی ہے اور یہ واضح طور پر عربی ہے ﴿۱۰۳﴾ بے شک جو لوگ ایمان نہیں لاتے

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا

اللہ کی آیات پر اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۰۴﴾ سوائے اس کے نہیں

یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ

وہی لوگ جھوٹ گھڑتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے اللہ کی آیات پر اور یہ لوگ

هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ

واقعی جھوٹے ہیں ﴿۱۰۵﴾ جس شخص نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اس پر ایمان لانے کے بعد مگر وہ جس

اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ

کو مجبور کیا گیا اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان کے ساتھ لیکن جس نے کفر اختیار کیا

صَدۡرًا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۰۶﴾

شرح صدر کے ساتھ پس ان پر اللہ کا غصہ ہے اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے﴿۱۰۶﴾

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ

یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے پسند کیا دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں اور بے شک اللہ

لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰۤئِكَ الَّذِيۡنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى

ہدایت نہیں دیتا کافر لوگوں کو﴿۱۰۷﴾ یہی لوگ ہیں مہرلگادی اللہ نے جن کے

قُلُوۡبِهِمۡ وَسَمۡعِهِمۡ وَاَبۡصَارِهِمۡ ۚ وَاُولٰۤئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾

دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اور یہی لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں﴿۱۰۸﴾

لَا جَرَمَ اَنَّهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيۡنَ

پکی بات ہے کہ یہ لوگ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے﴿۱۰۹﴾ پھر بے شک تیرا رب ان لوگوں

هَاجَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا فُتِنُوۡا ثُمَّ جٰهَدُوۡا وَصَبَرُوۡۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ

خوب جانتا ہے قالوا یہ اذا کا جواب ہے کہ جب ہم بدلتے ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں انما انت مفتر، اس کے سوا کچھ نہیں کہ تو جھوٹی باتیں گھڑنے والا ہے بل اکثرهم لایعلمون، یہ اللہ کا رسول تو مفتری نہیں، جھوٹ گھڑنے والا نہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں بے علم ہیں۔

ماقبل سے ربط:

پچھلے رکوع کے آخر میں شیطان رجیم سے بچنے کیلئے اللہ کے ساتھ پناہ پکڑنے کا تذکرہ تھا، شیطان مختلف قسم کے وسوسے لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے اور ان کو گمراہی کی طرف لاتا ہے ان میں سے ایک وسوسہ یہاں مذکور ہے۔

یہود اور مشرکین کی طرف سے نسخ کی وجہ سے کلام اللہ پر اعتراض:

حاصل اس کا یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت کے ساتھ انسانوں کو مکلف بنایا ہے اور ان کے اوپر کچھ احکام اتارے ہیں، وقت کے ساتھ ساتھ اللہ کی مصلحت اور حکمت کے تحت ان احکام میں کچھ تبدیلی بھی ہوتی ہے، حضرت آدم علیہ السلام کا دور ابتدائی دور تھا اس میں اس وقت کے مناسب احکام دیے گئے بعد میں جیسے جیسے انبیاء علیہم السلام آئے پچھلے احکام میں سے کچھ باقی رہے اور کچھ بدلتے چلے گئے اس کو نسخ کہتے ہیں اور اس نسخ کا مفصل تذکرہ آپ کے سامنے سورۂ بقرہ میں آچکا ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ کتاب اتری تو اس میں یہی بات تھی جو کچھ پہلی شریعتوں کے احکام کو منسوخ کیا گیا اور ایسا بھی ہوا کہ اس کتاب کے اندر کچھ احکام اترے بعد میں انہی کو ہی منسوخ کر دیا گیا، یہود نے یہ وسوسہ پھیلایا اور مشرکین نے اس وسوسہ کو قبول کیا، بات اصل میں اہل کتاب کی طرف سے چلتی تھی اور مشرکین آگے اس بات کو مشہور کرتے تھے تو یہ وسوسہ انہوں نے پھیلایا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی کلام ہوتی تو پھر اس میں یہ تبدیلی کیوں ہوتی ہے کہ پہلے کچھ کہہ دیا اور بعد میں اس کو تبدیل کر دیا اور اس حکم کو بدل دیا یا یوں کہہ لیجئے کہ ایک طرف تو یہ اعلان کرتی ہے کہ توراۃ وانجیل بھی اللہ کی کتابیں ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعتیں بھی منجانب اللہ تھیں اور دوسری طرف اس میں تغیر وتبدل بھی کیا جا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بعض احکام چھوڑے جا رہے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بعض احکام چھوڑے جا رہے ہیں ان کے خلاف دوسری باتیں آ رہی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص جھوٹ بولتا ہے اگر یہ اللہ کی باتیں ہوتیں تو یہ اٹل ہوتیں، ایک دفعہ جو بات کہہ دی جاتی اس میں تبدیلی نہ آتی، اس وسوسہ کا حاصل یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب اور مثال سے وضاحت:

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس وسوسہ کا ازالہ کیا گیا واللہ اعلم بما ینزل جو کچھ اللہ اتارتا ہے اس کی حکمت اور مصلحت کو اللہ خوب جانتا ہے اور اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق ہی اپنی اتاری ہوئی چیز کا ایک وقت متعین کرتا ہے چاہے وہ انسانوں کو نہ بتائے اس کے علم میں ہوتا ہے کہ اتنے وقت کے لئے حکم دیا جارہا ہے، جب وہ وقت پورا ہو جائے گا اس کے بعد نیا حکم دے دیا جاتا ہے تو یہ اللہ کے علم کے مطابق ہے، یہ تبدیلی کسی عجز کی وجہ سے یا علم کی کمی کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ علم وحکمت کا تقاضا ہے اس کو سمجھانے کیلئے ہمیشہ آپ کے سامنے مثال بیان کی جاتی ہے کہ جیسے طبیب ایک مریض کیلئے نسخہ تجویز کرتا ہے اور ایک ہفتہ کے بعد مریض کی حالت کو دیکھ کر نسخہ تبدیل کر دیتا ہے اب یہ نسخہ کی تبدیلی طبیب کی جہالت کی علامت نہیں کہ اس کو پہلے پتہ نہیں چلا کہ کیا مرض تھی اور کیا دواء ہونی چاہیے تھی بلکہ یہ نسخہ کی تبدیلی اس کے علم وفن کا تقاضا ہے کہ پہلے مریض کی جو حالت تھی اس کے مطابق نسخہ دیا اب اگر یہ شخص ماہر نہ ہوتا تو آخر تک اسی کو رگڑے جاتا لیکن اگر یہ شخص اپنے فن کے اندر ماہر ہے، مریض کی حالت کو سمجھتا ہے، ادویات کی خاصیات کو جانتا ہے تو جیسے جیسے مریض کے حال میں تغیر آتا چلا جائے گا ویسے ویسے یہ اپنے نسخہ کو بدلتا چلا جائے گا، یہ نسخہ کی تبدیلی علم طب کا تقاضا ہے اسی طرح انسانوں کے احوال کے ساتھ ساتھ شرائع کی تبدیلی، احکام کے اندر نسخ اور نئے احکام کا آنا یہ بھی علم وحکمت کا تقاضا ہے نہ کہ اس کو جہالت کی دلیل بنا لیا جائے، یہ اعتراض جاہلانہ ہے ورنہ نسخ اور نئے احکام کا آنا، پچھلے احکام کا منسوخ ہونا یہ سب علم وحکمت کا تقاضا ہے جیسے جیسے دنیا کے حالات بدلے، جیسے جیسے انسانیت نے ترقی کی اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے مطابق احکام اتارتے چلے گئے واللہ اعلم بما ینزل کے اندر یہی بات ہے۔

کلام اللہ کی حقیقت اور اس کے نزول کا مقصد:

آپ انہیں کہہ دیجئے نزلہ روح القدس من ربك، میرا یہ افتراء کیا ہوا نہیں ہے، میرا یہ بنایا ہوا نہیں بلکہ اس کلام کو اتارا روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ، مصلحت کے ساتھ، حکمت کے ساتھ، اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اتارا کس لئے؟ لیثبت الذین آمنوا تاکہ ثابت کرے ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے اور تاکہ ان کو ہدایت دے اور تاکہ ان کو بشارت دے، تو مسلمانوں کیلئے ہدایت کے واسطے، بشارت کے

واسطے اور مؤمنوں کو جمانے کے واسطے اس کلام کو روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے اتارا ہے، للمسلمین کی قید کا ذکر آپ کے سامنے ہوتا رہتا ہے کہ چونکہ انتفاع اسی قسم کے لوگ کرتے ہیں جو مطیع اور فرمانبردار ہیں اس لیے عنوان میں ان کو لے لیا جاتا ہے۔

قرآن کریم کے بارے میں شیطانی پروپیگنڈا:

ولقد نعلم انهم يقولون انما يعلمه بشر: ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ مشرکین کہتے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ اس کو ایک انسان سکھاتا ہے کوئی بشر سکھاتا ہے، بشر نکرہ ہے، لسان الذين يلحدون اليه اعجمي زبان اس شخص کی جس کی طرف منسوب کرتے ہیں عجمی ہے، غیر عربی ہے وهذا لسان عربي مبين اور یہ زبان واضح عربی ہے۔ اس میں بھی ایک شیطانی پروپیگنڈے کا ازالہ کیا گیا ہے، مکہ معظمہ میں بعض حضرات ایمان لے آئے تھے اور ان میں بعض غلام ایسے بھی تھے جو غیر عربی تھی، سرورِ کائنات ﷺ ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، ان کے ساتھ محبت والا معاملہ کرتے تو بات بنانے والوں نے بات بنالی کہ فلاں غلام چونکہ دوسرے ملک کا رہنے والا ہے اور اس کو کچھ علمی باتوں کے ساتھ مناسبت ہے تو یہ جو ان کے پاس اٹھتے بیٹھتے ہیں تو یہ باتیں ان کو وہ سکھاتا ہے نکرہ کے طور پر اس کو ذکر کر دیا اور یہ بات میں نے بہت دفعہ آپ کے سامنے ذکر کی ہے کہ جس ماحول میں بات ہورہی ہوتی ہے اس قسم کے اشارے وہ لوگ سمجھا کرتے ہیں، جب مکہ معظمہ کی گلیوں میں پروپیگنڈہ ہی ہوگا کہ یہ فلاں کے پاس بیٹھتے ہیں اور وہ اس قسم کی باتیں ان کو سکھاتا ہے تو جب قرآن کریم اس کو بشر کے عنوان کے ساتھ ذکر کرے گا تو فوراً لوگ سمجھ جائیں گے کہ اشارہ اسی طرف ہے، اب ہمارے لیے تو اس میں اجمال آ گیا کہ اس بشر سے کون مراد ہے؟ لیکن جن کے ساتھ بات کی جارہی ہے ان کیلئے اس میں کوئی وہم نہیں ہے، اسی طرح یہاں بشر کی تعیین ہمارے سامنے نہیں کہ اس بشر سے کون بشر مراد ہے اور تعیین کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے کوئی ہو لیکن وہ لوگ سمجھتے تھے کہ اس کا مصداق کون ہے؟ جدھر انگلی اٹھاتے تھے کہ فلاں شخص اس کو سکھاتا ہے جس کی وجہ سے یہ اس قسم کی باتیں کرتا ہے یعنی اتنا تو وہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جس قسم کی باتیں ہمارے سامنے نقل کر رہے ہیں، گزری ہوئی اقوام کے حالات ہمیں سنا رہے ہیں تو یہ پڑھے ہوئے تو نہیں ہیں، انہوں نے کسی کتاب میں نہیں پڑھا، کسی مدرسہ میں داخل نہیں رہے، اہل علم کی مجلس میں نہیں بیٹھے اتنا تو وہ جانتے تھے کہ از خود یہ شخص یہ باتیں نہیں کرسکتا۔

اب سیدھی بات تو یہ تھی کہ وہ مان لیتے کہ یہ تعلیم ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جارہی ہے تو بات ہی ٹھیک ہو جاتی لیکن وہ یہ ماننے کیلئے بھی تیار نہیں تھے کہ اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب اترتی ہے تو اب دو باتوں میں جوڑ کس طرح لگائیں کہ یہ باتیں جو کرتے ہیں از خود تو کر نہیں سکتے، کتابیں انہوں نے نہیں پڑھیں اور یہ ماننے کیلئے تیار نہیں کہ اللہ کی طرف سے اترتی ہے، بس بات بنانے کیلئے کہہ دیا کہ فلاں شخص کے پاس جو بیٹھتے ہیں اور وہ کہانیوں کی کتابیں پڑھتا رہتا ہے یا پرانی کتابوں سے واقفیت رکھتا ہے یا وہ دوسرے ملک کا رہنے والا ہے اس لیے وہاں کے حالات ان کو بتاتا رہتا ہے، وہ انہیں سکھاتا ہے اور یہ آگے اس کو بیان کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب:

یہ ایک شیطانی پروپیگنڈہ تھا جو انہوں نے کیا اور سرورِ کائنات ﷺ کو اس قسم کی بات سے یقیناً تکلیف ہوتی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کا ازالہ کرتے ہیں کہ ہمیں پتہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس کو فلاں شخص پڑھاتا ہے لیکن ان لوگوں کو اتنی عقل نہیں، یہ اتنی سمجھ سے کام نہیں لیتے کہ قرآن کریم کی دو حیثیتیں ہیں، ایک اس کی معنوی حیثیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت کے خزانے بھر دیے اور ایک اس کی لفظی حیثیت ہے اگر یہ معنوی مضامین کا ادراک نہیں کر سکتے کہ اس قسم کا ایک مزدور غلام اس قسم کے علم و حکمت کے خزانے کیسے لوٹا سکتا ہے، اگر یہ معنوی ادراک نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ جس شخص کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں اس کو تو سیدھی طرح عربی بولنی بھی نہیں آتی، وہ تو ایک عجمی آدمی ہے جو سیدھی طرح عربی بولنی بھی نہیں جانتا اور یہ قرآن کریم واضح عربی اور فصاحت و بلاغت کی انتہاء کو پہنچا ہوا کہ جس کا مقابلہ کرنے کیلئے ان کے بڑے بڑے فصحاء، بلغاء، خطباء عاجز آگئے تو کیا یہ لفظی حیثیت میں بھی فرق نہیں کر سکتے کہ ایک عجمی آدمی اس قسم کی کلام کیسے سکھا سکتا ہے کہ جس کے سامنے سارے کے سارے عربی عاجز آجائیں، اگر یہ معنوی حیثیت کا ادراک نہیں کر سکتے تو کیا اس لفظی حیثیت کو دیکھ کے بھی نہیں سمجھ سکتے تو یہ کتنی غلط بات ہے جو یہ کر رہے ہیں۔

لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی: جس کی طرف نسبت کر رہے ہیں وہ تو عجمی ہے، عربی بولنا ہی نہیں جانتا، اگر عربی بولے بھی سہی تو پتہ نہیں کتنی جگہ غلطی کرتا ہوگا جیسے جب عجمی لوگ عربی بولتے ہیں تو ایسے ہی ہوتا ہے جیسے پٹھان اُردو بولتے ہیں، پٹھان پنجاب میں بیس سال بھی گزار لیں جب بھی وہ اُردو بولیں گے تو فوراً پہچانا جاتا

ہے کہ یہ پٹھان ہے، مذکر مؤنث کی تمیز نہیں ہوتی اور اسی طرح جب غیر عربی عربی بولتے ہیں تو وہاں بھی اسی طرح گڑبڑ ہوتی ہے، تو یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جیسے ہمارے ایک بزرگ نے لکھا کہ جو شخص منہ سے تھوک کی اڑائی ہوئی چھینٹوں میں اور بارش میں فرق نہ کر سکے وہ تو یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کلام فلاں کی سکھائی ہوئی ہے، کہاں منہ سے تھوک کی اڑائی ہوئی چھینٹیں اور کہاں آسمان کی طرف سے برسنے والی بارش، دونوں کے درمیان میں اتنا فرق ہے کہ ایک عجمی کی کلام تو ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص منہ سے تھوک کی چھینٹیں اڑاتا ہے اور یہ قرآن کریم ایسے ہے جیسے آسمان سے موسلا دھار بارش ہوتی ہے، جو شخص منہ سے تھوک کی اڑائی ہوئی چھینٹوں اور بارش کے درمیان فرق نہ کر سکے وہی شخص اس قسم کی بات کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی عجمی کا پڑھایا ہوا سبق ہے ورنہ دونوں میں کیا نسبت ہے؟ تو لفظی حیثیت کو سامنے رکھ کر ہی گویا کہ اس شیطانی پروپیگنڈہ کا ازالہ کر دیا گیا۔

ان الذین لا یؤمنون بایات اللّٰہ لایھدیھم اللّٰہ کا مفہوم:

ان الذین لا یؤمنون بایات اللّٰہ لا یھدیھم اللّٰہ: بے شک جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا، ان کا ایمان نہ لانا، ایمان لانے کا قصد نہ کرنا یہ سبب بن جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سلب ہدایت کرتا ہے چنانچہ ایسے شخص کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی ولھم عذاب الیم اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے کیونکہ انہوں نے ارادہ ہی کر رکھا ہے کہ ہم نے ماننا نہیں ہے تو کتنے ہی واضح دلائل کیوں نہ آجائیں وہ مانتے نہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارادہ پر فعل کی تخلیق ہو جاتی ہے اور جس قسم کا ارادہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ویسی کیفیت اور ایسا ہی فعل پیدا ہو جاتا ہے، جب ہدایت حاصل کرنا تمہارا مقصود ہی نہیں تو اللہ تعالیٰ زبردستی ہدایت دیتا بھی نہیں ہے۔

انما یفتری الکذب الذین لایؤمنون بایات اللّٰہ: یہ اللہ کا رسول جھوٹ نہیں بولتا، سوائے اس کے نہیں جھوٹ بولتے ہیں وہی لوگ جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ کامل درجہ کے جھوٹے ہیں۔

ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرنے کا عذاب اور استثنائی صورت:

من کفر باللّٰہ من بعد ایمانہٖ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان: اس میں ایمان اختیار کر لینے کے بعد کفر اختیار کرنا یعنی مرتد ہو جانے پر وعید ہے اور اس موقع محل میں اس کو اس لیے ذکر کیا جا رہا ہے کہ پچھلی

آیات میں شیطانی باتوں کا ذکر تھا کبھی وہ نسخ کو قرآن کریم کے خلاف دلیل بناتے اور کبھی اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ فلاں کا سکھایا ہوا ہے، فلاں سے پڑھ پڑھ کے آتا ہے تو ان باتوں سے کوئی شخص کسی شبہ میں مبتلاء نہ ہو جائے تو اہل ایمان کو خاص طور پر یہ تاکید کی جارہی ہے کہ دیکھو! روشنی قبول کر کے پھر اندھیرے کی طرف بھاگنا یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت شدید جرم ہے، ایک شخص ابتداء سے کافر ہو اور وہ کفر پر ہی رہے یہ بھی برا ہے لیکن اگر کوئی شخص ایمان لے آئے اور ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی طرف چلا جائے تو یہ پہلے سے بھی زیادہ برا ہے اس لیے اس قسم کی باتوں سے متاثر نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی کسی کے زور اور زبردستی کے ساتھ متاثر ہونا چاہیے اگر کوئی ایسا کرے گا اور دل سے مرتد ہو گیا، دل میں کفر آ گیا تو ایسے شخص کے لئے سخت عذاب ہے ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی نے کوئی دھمکی دی، شدید قسم کی دھمکی دی جیسے یہ ہے کہ کفر کرو ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے جس کو ہم اکراہ ملجی کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں کہ کسی کو اتنا مجبور کر دیا گیا کہ جس کے بعد انسان مسلوب الاختیار ہو گیا اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی دھمکی دینے والے نے ایسی دھمکی دے دی کہ یا تجھے ہم قتل کر دیں گے یا تیرا کوئی عضو کاٹ دیں گے اور وہ دھمکی دینے والا ایسا کرنے پر قادر بھی ہے اور وہ انسان سمجھتا ہے کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو یہ مجھے قتل کر دے گا یا میرا کوئی عضو کاٹ دے گا تو اس کو اکراہ ملجی کہتے ہیں، اس میں ایک درجہ میں انسان کا اختیار سلب ہو جاتا ہے، رضا تو بالکل نہیں رہتی تو ایسی صورت میں اگر کوئی شخص اپنی زبان سے اپنی جان بچانے کیلئے کلمۂ کفر کہہ دے تو اجازت ہے، نہ کہنا عزیمت ہے، نہ کہے اور اسی طرح مر جائے تو شہید ہے لیکن اگر دل میں عقیدہ ٹھیک ہو اور اپنی جان بچانے کیلئے کفر کا لفظ اپنی زبان سے بول دیتا ہے تو ایسی صورت میں شریعت نے اجازت دی ہے، اکراہ کی صورت میں زبان سے کلمۂ شرک ادا کر دیا جائے تو اس کی اجازت ہے بشرطیکہ دل مطمئن رہے اور اگر اس قسم کے حالات میں آ کے دل بھی بدل گیا، عقیدہ بھی بدل گیا تو یہ صریح ارتداد ہے پھر اس کی سخت وعید ہے یہاں یہی بات ذکر کی جارہی ہے من کفر باللّٰہ من بعد ایمانہ جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اپنے ایمان لے آنے کے بعد، جواب آگے آئے گا، درمیان میں یہ استثناء ہے الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان مگر وہ شخص جو مجبور کر دیا جائے اور حال یہ ہے کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے، اس کی یہ سزا نہیں جو آگے ذکر کی جارہی ہے ولکن من شرح بالکفر صدرا لیکن جو شخص کھل گیا کفر کے ساتھ از روئے سینہ کے یعنی جس نے دل کھول کے کفر کر لیا تو گویا کہ من کفر باللّٰہ کا معنی ہے شرح

بالکفر صدراً جو شخص دل کھول کے کفر کرے فعلیھم غضب من اللّٰہ ان پر اللہ کا غضب ہے ولھم عذاب عظیم اوران کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔

مرتد ہونے پر عذاب کی وجہ:

ذلك بانھم استحبوا الحیٰوۃ الدنیا علی الآخرۃ: یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے پسند کیا دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں کہ دنیا کا فائدہ دیکھ کے آخرت کو چھوڑ دیا کہ دل سے کفر کی طرف چلے گئے اور یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کافرلوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ جولوگ کفر اختیار کر لیتے ہیں ان کو پھر سیدھی راہ نہیں ملتی۔

اولئك الذین طبع اللّٰہ علی قلوبھم: یہی لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی اوران کے کانوں پر مہر لگادی اوران کی آنکھوں پر مہر لگادی واولئك ھم الغافلون اور یہی لوگ بے خبر ہیں یعنی جولوگ دنیا کی محبت میں مبتلاء ہو کے کفر کو ترجیح دے دیں ان کی آنکھ، کان، دل وغیرہ پھر سب استعداد سے خالی ہو جاتے ہیں اوران کو حق سمجھنے کی توفیق نہیں ہوتی گویا کہ دنیا کی محبت تمام فسادات کی جڑ ہو جاتی ہے، جس طرح حدیث شریف کے اندر بھی آتا ہے حب الدنیا رأس کل خطیئۃ (مشکوٰۃ ۲/۴۴۴) کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے تو یہاں بھی اسی پر ہی بنیاد رکھی گئی ہے کہ ایمان کو چھوڑ کے کفر کا اختیار کرنا یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی سے محبت کرلی ہے آخرت کے مقابلہ میں اوراللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جو کفر کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پھر سیدھے راستہ پر چلنے کی توفیق نہیں دیتا تو دنیا کی محبت کے اندر مبتلاء ہو جانا یہی انسان کو حق سمجھنے کی استعداد سے محروم کر دیتا ہے جیسا کہ اگلی آیت میں ذکر کر دیا کہ یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر، ان کے کانوں پر، ان کی آنکھوں پر مہر لگادی ہے اور یہی لوگ بے خبر ہیں لاجرم انھم فی الآخرۃ ھم الخاسرون پکی بات ہے کہ یہی لوگ آخرت میں خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔

ہجرت، جہاد اور صبر کی جزا:

ثم ان ربك للذین ھاجروا: اب یہ ان کی تعریف آ گئی جو ہر قسم کی سختیاں برداشت کر لیتے ہیں، ہر چیز کی قربانی دے دیتے ہیں لیکن ایمان پر جمے رہتے ہیں حتیٰ کہ گھر بار بھی چھوڑنا پڑ جائے تو گھر بار بھی چھوڑ دیتے ہیں، جان و مال کی قربانی دینی پڑ جائے تو وہ بھی دے دیتے ہیں، ایمان پر جمے رہتے ہیں تو ان کی یہ فضیلت بیان کر دی، ثم

تاخیر ذکری کیلئے ہے، پھر بے شک تیرا رب ان لوگوں کے لئے جو ہجرت کرتے ہیں، جو گھر بار چھوڑ دیتے ہیں من بعدما فتنوا بعد اس کے کہ وہ تکلیف میں مبتلا کر دیے گئے، مصیبتوں میں مبتلاء کر دیے گئے، فتنہ میں ڈال دیے گئے، فتنہ کا لفظ آپ کے سامنے کئی دفعہ گذر چکا ہے، فتن اصل کے اعتبار سے سونا چاندی کو آگ میں ڈالنے کو کہتے ہیں تاکہ اس کا کھوٹ نمایاں ہو جائے اور اس میں خالص علیحدہ ہو جائے اس کو فتنہ کہتے ہیں اسی طرح انسان پر جب مصیبتیں آتی ہیں تو ان مصیبتوں کے آنے کے بعد جب اس کے باطنی احوال کھلتے ہیں تو وہ بھی انسان کے لیے فتنہ کہلاتی ہیں بعد اس کے کہ وہ مصیبتوں میں ڈال دیے گئے ثم جاهدوا و صبروا پھر انہوں نے جہاد کیا اور ہر مصیبت کو برداشت کیا بے شک تیرا رب ان اعمال کے بعد، یہ جہاد، یہ ہجرت، یہ صبر بے شک تیرا رب ان کے بعد یعنی ان کے اختیار کر لینے کے بعد لغفور رحیم بے شک بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك

يَوْمَ تَأْتِىْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ

جس دن آئے گا ہر نفس جھگڑا کرتا ہوا اپنے نفس کی طرف سے

عَنْ نَّفْسِهَا وَ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اور پورا دیا جائے گا ہر نفس کو بدلہ ان کاموں کا جو اس نے کیے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۱۱۱﴾

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا

اور بیان کرتا ہے اللہ مثال ایک بستی کی جو امن والی تھی اطمینان والی تھی آتا تھا

رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا

اس کا رزق بڑی کشادگی کے ساتھ ہر جگہ سے پس اس نے ناشکری کی اللہ کی نعمتوں کی پس چکھا دیا انہیں

اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ لَقَدْ

اللہ نے بھوک اور خوف کا مزہ بسبب ان کاموں کے جو وہ کرتے تھے ﴿۱۱۲﴾ اور البتہ آیا

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَ هُمْ

ان کے پاس ایک رسول انہی میں سے پس انہوں نے اس کو جھٹلا دیا تو پکڑ لیا ان کو عذاب نے اس حال میں

ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ

کہ وہ ظلم کرنے والے تھے ﴿۱۱۳﴾ پس کھاؤ تم ان چیزوں میں سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا حلال اور پاکیزہ اور تم شکر ادا کرو

اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ

اللہ کی نعمت کا اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو ﴿۱۱۴﴾ سوائے اس کے نہیں اس نے حرام کیا تم پر مردار

وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ

اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو ذبح کیا گیا غیر اللہ کے لیے پس جو شخص مجبور کر دیا گیا اس حال میں کہ باغی نہ ہو

بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ

اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو پس بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ﴿۱۱۵﴾ اور نہ کہو تم ان چیزوں کے بارے میں

اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ

جن کیلئے تمہاری زبانیں جھوٹا دعویٰ کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم گھڑو اللہ پر

الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ﴿۱۱۶﴾

جھوٹ بے شک جو لوگ گھڑتے ہیں اللہ پر جھوٹ وہ کامیاب نہیں ہوں گے ﴿۱۱۶﴾

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا

تھوڑا سا نفع ہے اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۱۷﴾ اور ان لوگوں پر جو یہودی ہوئے

حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ

ہم نے حرام قرار دیا ان چیزوں کو جو ہم نے بیان کیں آپ پر اس سے پہلے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ

لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ﴿۱۱۸﴾ پھر بے شک تیرا رب ان لوگوں کیلئے جنہوں نے برے کام کیے

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ

جہالت کے ساتھ پھر انہوں نے توبہ کرلی اس کے بعد اور اپنے حال کی اصلاح کرلی بے شک تیرا رب

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ

اس کے بعد البتہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ﴿۱۱۹﴾ بے شک ابراہیم ایک بڑے مقتدیٰ تھے اللہ کے فرمانبردار تھے

حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ

اور اس کی طرف یکسوئی اختیار کرنے والے تھے اور نہ تھے مشرکین میں سے ﴿۱۲۰﴾ شکر کرنے والے تھے اللہ کی نعمتوں کا

وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ

اللہ نے انہیں چن لیا اور ان کو ہدایت دی سیدھے راستہ کی طرف ﴿۱۲۱﴾ اور دی ہم نے انہیں دنیا میں اچھائی اور بے شک وہ

فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؕ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ

آخرت میں صالحین میں سے ہوں گے ﴿۱۲۲﴾ پھر ہم نے وحی کی تیری طرف کہ تو اتباع کر ابراہیم کی ملت کی

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ

جو کہ حنیف ہے اور نہیں تھا وہ مشرکین میں سے ﴿۱۲۳﴾ سوائے اس کے نہیں

السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

قرار دیا گیا ہفتہ کے دن کو معظم ان لوگوں پر جنہوں نے اس میں اختلاف کیا اور بے شک تیرا رب البتہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ

قیامت کے دن ان چیزوں میں جن میں یہ اختلاف کرتے تھے ﴿۱۲۴﴾ تو بلا اپنے رب کے راستہ کی طرف

رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ

حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان سے جھگڑا کر اس طریقہ سے جو

اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ

اچھا ہے، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے ان کو جو بھٹک گئے اس کے راستہ سے اور وہ خوب جانتا ہے

بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ

ہدایت پر چلنے والوں کو ﴿۱۲۵﴾ اور اگر تم سزا دو تو سزا دو مثل اس کے جو تمہیں سزا دی گئی

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا

اور اگر تم صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کیلئے ﴿۱۲۶﴾ اور آپ صبر کیجئے اور نہیں ہے آپ کا صبر

بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

مگر اللہ کی توفیق سے ہی اور آپ غم نہ کیجئے ان پر اور آپ تنگ دل نہ ہوں اس بارے میں جو یہ تدبیریں کرتے ہیں ﴿۱۲۷﴾

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ ع

بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو اچھا طریقہ اختیار کرنے والے ہیں ﴿۱۲۸﴾

تفسیر

ماقبل سے ربط وخلاصہ مضامین:

پچھلے رکوع کی آخری آیات میں کفار کے متعلق ذکر کیا گیا تھاانھم فی الآخرۃ ھم الخاسرون اوراس کے بعدوالی آیت میں اللہ کے راستہ میں قربانی دینے والوں کی کامیابی کا ذکر تھا کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ غفوررحیم ہے اگلی آیت میں روزجزا کا ذکر ہے کہ اس دن کافروں کا خسارہ نمایاں ہوگا اور مؤمنین کی کامیابی نمایاں ہوگی اور ضرب اللہ مثلاً قریۃ میں ایک مثال کے ذریعہ سے دنیوی عذاب کے ساتھ وعید کی گئی ہے اور فکلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً یہاں سے کچھ رسوم شرکیہ کی تردید کی گئی ہے اور اگلے رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہوگا اور اس کے بعد کچھ آداب تبلیغ ذکر کیے جائیں گے۔

احوال روزِ جزا:

یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسھا: جس دن آئے گا ہر نفس جھگڑا کرتا ہوا اپنے آپ کی طرف سے یعنی ہر نفس کو اپنی طرف سے جواب دہی کرنی ہوگی، جس دن آئے گا ہر نفس جھگڑا کرتا ہوا اپنی طرف سے وتوفیٰ کل نفس ماعملت اور پورا پورا دے دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کیا ہے وھم لایظلمون اور لوگ ظلم نہیں کیے جائیں گے بلکہ ان کا حق پورا پورا ان کو ادا کردیا جائے گا، لایظلمون کے اندر دونوں صورتیں ہوتی ہیں کہ کسی کی نیکی ضائع نہیں کی جائے گی اور کسی کو ناکردہ گناہ کی سزا نہیں دی جائے گی۔

ناشکری اور انبیاء کی تکذیب کا انجام:

وضرب اللہ مثلاً قریۃ: بیان کی اللہ تعالیٰ نے مثال ایک بستی کی جو آمنہ تھی اور مطمئنہ تھی، امن والی تھی اور اطمینان والی تھی، باہر سے بھی کوئی خوف اور خطرہ نہیں تھا اور اپنے اندرونی حالات کے اعتبار سے بھی ٹھیک ٹھاک تھے یاتیھا رزقھا رغداً آتا تھا ان کے پاس ان کا رزق کھلم کھلا، وسعت کے ساتھ من کل مکان ہر طرف سے یعنی جدھر جدھر سے کسی چیز کے درآمد کرنے کی ضرورت تھی اُدھر سے ہی وہ چیزیں اس قریہ میں پہنچتی تھیں، ہر جگہ سے ان کے پاس رزق آتا تھا فکفرت بانعم اللہ کفرت کی ضمیر قریہ کی طرف لوٹ رہی ہے اور مراد اہل قریہ

ہیں اس قریہ نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی فاذاقها اللّٰه لباس الجوع والخوف لباس الجوع کا معنی ہے بھوک کا لباس، بھوک کو لباس کے ساتھ تعبیر کیا گیا یہ اس کے محیط ہونے کی طرف اشارہ کرنے کیلئے ہے کہ لباس جس طرح انسان کے بدن پر محیط ہوتا ہے اسی طرح وہ قحط بھی محیط ہو گیا اور خوف پیدا ہو گیا، امن ختم ہو گیا، دشمنوں کے خطرے پیدا ہو گئے، آفات آنے لگ گئیں پھر مزہ چکھایا اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک محیط قحط کا اور خوف کا بما کانوا یصنعون بسبب ان کاموں کے جو وہ کیا کرتے تھے، جو وہ کیا کرتے تھے ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا، جب وہ محیط قحط کے اندر مبتلاء ہو گئے تو یہ اطمینان والی جو نعمت تھی جس کی وجہ اتیان رزق تھا کہ ہر طرف سے ان کو روزی حاصل تھی، اسباب رزق حاصل تھے جس کی بناء پر وہ اطمینان کی زندگی گزار رہے تھے وہ بھی ختم ہو گیا اور خوف جب طاری ہوا تو آمنۃ والی بات بھی ختم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نعمتیں دی تھیں جب وہ ان نعمتوں کے شکر گزار نہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے وہ نعمتیں چھین لیں۔

ولقد جاءهم رسول منهم: اور البتہ تحقیق ان کے پاس انہی میں سے ایک رسول آیا فکذبوهُ پھر اہل قریہ نے اس رسول کی تکذیب کی فاخذهم العذاب پھر پکڑ لیا ان کو عذاب نے وهم ظالمون اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔

قریہ کا مصداق:

اس قریہ سے کونسی قریہ مراد ہے؟ ویسے تو آپ جانتے ہیں کہ جن بستیوں کی طرف بھی اللہ کے رسول آئے پہلے تو ان کے حالات ایسے ہی تھے کہ وہ خوشحال تھے، رزق کی وسعت تھی، امن واطمینان تھا پھر اللہ کے رسول نے آ کے اللہ کی نعمتوں کی یاد دہانی کرا کے شکر کا مطالبہ کیا، اللہ کے اوپر ایمان لانے کا مطالبہ کیا، کفر وشرک اختیار کر کے وہ لوگ اللہ کی نافرمانی اور ناشکری کے اندر جو مبتلاء تھے اس سے روکا، جب وہ باز نہ آئے بہت ساری بستیوں کی مثالیں آپ کے سامنے گذر چکیں جن کے اوپر پھر عذاب آیا اور ان کی خوشحالی ختم ہو گئی، وہ دنیاوی عذاب کے اندر مبتلاء ہو گئے، اس لیے اگر کوئی قریہ متعین نہ کی جائے لاعلی التعیین مثال کے طور پر ایک بستی ہے تو اس کا انطباق کئی بستیوں پر ہو سکتا ہے اور بعض حضرات نے اس سے خود مکہ معظمہ کی ہی بستی مراد لی ہے اور یہ سنانا مقصود ہے اہل مدینہ کو پھر ان اہل تفسیر کے نزدیک یہ آیات مدنی ہیں، مقصد یہ ہے کہ اہل مدینہ کو یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ تمہارے

سامنے یہ مکہ والے کس طرح امن واطمینان کے ساتھ وقت گزارتے تھے، اللہ کا رزق ان کے پاس ہر طرف سے آتا تھا لیکن وہ ناشکرے ثابت ہوئے، کفر وشرک میں مبتلاء رہے، اللہ کے رسول کے سمجھانے کے باوجود وہ نہ سمجھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا امن واطمینان بھی ختم ہوا، باہر کے راستے بھی ان کے لئے پرامن تھے جس کی وجہ سے وہ تجارت کرتے تھے اب وہ راستے بھی پرخطر ہوگئے، آپ جانتے ہی ہیں کہ ان کی تجارتی راہیں جتنی بھی تھیں سب کے اوپر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور ان راستوں کے اوپر چلنا اب ان کیلئے ممکن نہیں رہا تھا، جگہ بجگہ مزاحمت ہوتی تھی اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کی بدعاء کی وجہ سے وہ لوگ محیط قحط میں مبتلاء کردیے گئے تو قحط کے اندر بھی ان کا ابتلاء ہوا اور ان کا امن بھی فوت ہوا یہ اہل مکہ پر واقعہ پیش آیا تو اہل مدینہ کو یہ سنایا جارہا ہے کہ تم لوگ اللہ کی شکرگزاری کرنا، نافرمانی نہ کرنا اور اس بستی کی مثال سامنے رکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو، مکہ معظمہ کو بھی اس کا مصداق ٹھہرایا گیا ہے، لاعلی التعیین کوئی بستی بھی مراد لی جاسکتی ہے اور ایسی کئی بستیوں کا ذکر آپ کے سامنے انبیاء کے تذکروں میں آگیا ہے ان میں سے کسی بستی کو بھی لے لیا جائے تو بھی بات اپنی جگہ صحیح ہے۔

اصل بات یہی کہنی مقصود ہے کہ جب رسول آجائے اور رسول کی ہدایات کو نہ مانا جائے، اس کی تکذیب کی جائے تو پھر اللہ تعالیٰ امن وامان چھین لیتے ہیں، دی ہوئی نعمتیں چھن جاتی ہیں اور انسان عذاب میں مبتلاء ہوجاتا ہے، اس پر تنبیہ کرنی مقصود ہے۔

حلال اور پاکیزہ رزق کے کھانے اور شکرادا کرنے کا حکم:

فکلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً: پس کھاؤ تم حلال پاکیزہ اس چیز میں سے جو اللہ نے تمہیں دی ہے، اللہ نے تمہیں نعمتیں دی ہیں تو تم مختلف بتوں کی طرف نسبتیں کرکے، غیر اللہ کی طرف منسوب کرکے ان کو حرام نہ ٹھہرایا کرو جیسے سورۂ انعام میں آپ کے سامنے تفصیل آئی تھی بحیرہ، سائبہ، حام وغیرہ کی کہ وہ لوگ اس قسم کے جانوروں کو بتوں کی طرف منسوب کرکے اپنے اوپر حرام کرلیتے تھے، ان کے دودھ سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے، ان پر سواری نہیں کرتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرا دیا ہوا رزق حلال اور طیب جو بھی ہے اس کو کھاؤ اپنی طرف سے اس کو حرام نہ ٹھہرایا کرو اور شکر کرو اللہ کے احسان کا، اللہ کی نعمت کے شکرگزار رہو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو، اگر تمہارا عبادت کا تعلق اللہ کے ساتھ ہی ہے تو عبارت کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام نہ

ٹھہراؤ، جو اس نے حلال ٹھہرایا ہے اسے حلال ہی جانو، حلال جان کے استعمال کرو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حرام کی ہوئی چیزیں:

انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر: یہ آیت پہلے تین دفعہ آپ کے سامنے گذر چکی ہے اس کے تمام احکام سورۂ بقرہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کردیے گئے تھے، سوائے اس کے نہیں کہ حرام ٹھہرایا اللہ نے تمہارے اوپر مردار کو اور دم کو، دم سے بہنے والا خون مراد ہے جو ذبح کرتے وقت رگوں سے نکلتا ہے یا شکار کی صورت میں جانور کے زخمی ہوجانے کے بعد اس کے عضو سے بہتا ہے، دم مسفوح مراد ہے اس کی قید سورۂ انعام میں آئی تھی ولحم الخنزیر اور خنزیر کا گوشت وما اھل لغیر اللّٰہ بہ اور وہ چیز جس پر اللہ کے غیر کیلئے آواز بلند کردی گئی ہو، یہ چیزیں اللہ نے تم پر حرام ٹھہرائی ہیں اور حصر کا معنی یہ ہے کہ جن کو تم حرام ٹھہراتے ہو وہ نہیں، ان کے مقابلہ میں ان میں حصر کیا جارہا ہے، یہ نہیں کہ کلیۃً ساری حرام چیزیں یہی ہیں، حرام چیزیں ان کے علاوہ اور بھی بہت زیادہ ہیں سرورِ کائنات ﷺ نے جن کی تفصیل بیان فرمائی اور یہ اعلان کرکے بیان فرمائی کہ خبردار! یہ خیال نہ کرنا کہ حرام وہی ہے جو اللہ نے کیا اور اللہ کے رسول نے بہت ساری چیزیں واضح کی ہیں جن میں اللہ کی تحریمات کو واضح کیا ہے یعنی اس میں تحریم کی نسبت اگرچہ اللہ کے رسول کی طرف ہے لیکن اللہ کی اطاعت چونکہ رسول کی اطاعت سے ہی متحقق ہوتی ہے تو اس لیے اللہ کے رسول نے جن چیزوں کی تحریم واضح کی ہے وہ بھی اللہ کی جانب سے ہی حرام ہیں، صرف حرام انہی چیزوں کو نہیں سمجھا جاتا جن کو اللہ نے براہِ راست کتاب اللہ میں حرام ٹھہرایا ہے، احادیث کے اندر یہ مضمون کثرت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، حضور ﷺ کی زبان سے جن کی حرمت ظاہر ہوئی وہ بھی حقیقت کے اعتبار سے اللہ کی جانب سے ہی ہے اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول کے اندر اطاعت رسول کو قرآن کریم نے مستقل اصول کے طور پر ذکر کیا ہے لہٰذا حصر کا یہ معنی نہیں کہ صرف یہی چار چیزیں حرام ہیں، وہ اپنے طور پر جو بہت ساری چیزوں کو حرام ٹھہرائے ہوئے تھے اس کے مقابلہ میں اس کو ذکر کیا جارہا ہے اور ان میں سے بعض کو مشرکین اپنے طور پر حلال ٹھہرائے ہوئے تھے۔

استثنائی صورت:

فمن اضطر غیر باغ ولا عاد: پھر جو شخص مضطر اور مجبور ہوجائے اس حال میں کہ طالب لذت نہ ہو اور نہ

ضرورت سے زیادہ تجاوز کرنے والا ہو، غیر باغ طالب لذت نہ ہو، طالب لذت وہ ہوتا ہے کہ ابھی اضطرار کی کیفیت پیدا نہیں ہوئی اور صرف اپنے منہ کے ذائقہ کو ٹھیک کرنے کیلئے کھانا شروع کر دیا اور عادی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جتنا کھا کر وہ اپنی جان بچا سکتا تھا اس سے زائد کھانے لگ جائے تو مجبوری کی حالت میں ان کی اجازت جو دی گئی ہے تو ان دو قیدوں کے ساتھ دی گئی ہے ایک قبل از ضرورت نہ کھائے یہ غیر باغ کا مفہوم ہے اگر اضطرار متحقق ہونے سے پہلے کھانے لگ گیا تو باغی سمجھا جائے گا اور زائد از ضرورت نہ کھائے یہ ولا عاد کا مفہوم ہے اگر ضرورت پوری ہونے سے زائد کھائے گا وہ عادی بن جائے گا پھر دونوں صورتوں میں گناہ گار ہے اور اگر بقدر ضرورت کھاتا ہے اور ضرورت متحقق ہونے پر کھاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے جس میں اشارہ کر دیا کہ اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائیں گے۔

اپنی طرف سے چیزوں کو حلال اور حرام نہ ٹھہرایا کرو:

یہ تو اللہ کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزیں ہیں اور بعض چیزیں ایسی تھیں جن کو مشرک اپنے طور پر حرام ٹھہراتے تھے ان کے اوپر انکار کیا جا رہا ہے ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام، نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے بسبب تمہاری زبانوں کے جھوٹ بیان کرنے کے یعنی اپنی زبانوں کے ساتھ جھوٹ بیان کرتے ہوئے اپنی طرف سے نہ کہا کرو ھذا حلال و ھذا حرام، یہ حلال اور حرام کی تقسیم اللہ سے پوچھو، اللہ کے رسول سے پوچھو وہ تمہیں بتائے گا کہ کونسی چیز حلال ہے اور کونسی چیز حرام ہے، اپنی زبانوں سے جھوٹ بیان کرنے کی وجہ سے یہ نہ کہا کرو ھذا حلال و ھذا حرام، لتفتروا علی اللہ الکذب یہ لام، لام عاقبت ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم اللہ کے اوپر جھوٹ گھڑتے ہو، افتراء کرتے ہو تم اللہ کے اوپر کذب کا، ان الذین یفترون علی اللہ الکذب بے شک وہ لوگ جو اللہ کے اوپر جھوٹ گھڑتے ہیں لایفلحون وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

متاع قلیل: باقی اگر کہو کہ وہ تو دنیا کے اندر بڑے کامیاب ہیں، وہ تو ٹھاٹھ باٹ کے ساتھ رہتے ہیں، اچھا کھاتے ہیں اور اچھا پہنتے ہیں، دنیا کی تمام سہولتیں ان کو حاصل ہیں یعنی وہ لوگ جو اپنی مرضی کے ساتھ حلال حرام متعین کیے بیٹھے ہیں وہ تو دنیا میں بڑی عیش کے ساتھ رہتے ہیں اور یہاں آ گیا لایفلحون کہ کامیاب نہیں ہوں

گے تو اس شبہ کو ان لفظوں کے ساتھ دور کر دیا گیا متاع قلیل جو کچھ ان کے پاس موجود ہے یہ تو بہت تھوڑا برتنے کا سامان ہے، یہ تھوڑا سا نفع اٹھانا ہے ولھم عذاب الیم اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

یہود پر مخصوص چیزوں کو حرام ٹھہرانا بطور سزا کے تھا:

وعلی الذین ھادوا حرمنا: پہلے مشرکین کا تذکرہ تھا اب آگے یہود کا تذکرہ آ گیا جو اہل کتاب ہیں اور ان لوگوں پر جو یہودی ہوئے ہم نے حرام ٹھہرایا ان پر ان چیزوں کو جو ہم نے تیرے اوپر اس سے قبل بیان کی ہیں، وما ظلمناھم ہم نے ان کے اوپر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے نفسوں کے اوپر خود ظلم کرتے تھے یعنی شریعت ابراہیمی کے اندر تو حرام صرف یہی چیزیں ہیں جن کا بیان پہلے آیا، اللہ تعالیٰ نے قطعی طور پر ان کو حرام ٹھہرایا تھا اور بعض چیزیں ایسی تھیں جن کو یہود نے اپنے رسوم بد کے طور پر حرام ٹھہرالیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کے اوپر وہ حرام قرار دے دیں جیسے اونٹ کا گوشت حضرت یعقوب علیہ السلام کی نذر کی وجہ سے حرام ہوا اور پھر یہ بات ان کی اولاد میں بھی چلتی آئی بہرحال زائد چیزیں جن کو یہود کے اوپر حرام ٹھہرایا گیا تھا وہ ملت ابراہیمی میں داخل نہیں ہیں اس لیے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جو ملت ابراہیمی پر مبعوث ہوئے ہیں ان چیزوں کو اگر حلال ٹھہرا دیں جو خصوصیت کے ساتھ یہود پر ان کی شرارتوں کی وجہ سے، ان کی کج روی کی وجہ سے بطور سزا کے حرام ٹھہرائی گئیں تھیں تو یہ بات ملت ابراہیمی کے منافی نہیں ہے یعنی وہ لوگ اعتراض کرتے تھے کہ آپ اپنے آپ کے ملت ابراہیمی پر قرار دیتے ہیں اور یہ چیزیں جو تورات میں حرام ٹھہرائی گئی ہیں یہ ملت ابراہیمی میں حرام ہیں تو پھر آپ ان کو حلال کیسے قرار دیتے ہیں تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ چیزیں ملت ابراہیمی میں حرام نہیں ہیں بلکہ یہود پر خصوصیت کے ساتھ حرام ٹھہرائی گئی تھیں یہ اسی ملت کی خصوصیت ہے اس لیے اس آنے والے دین میں اگر ان کو منسوخ کر دیا گیا اور ان کو حلال ٹھہرا دیا گیا تو یہ بات ملت ابراہیمی کے منافی نہیں ہے، ان لوگوں پر جو یہودی ہوئے ہم نے حرام ٹھہرایا ان چیزوں کو جو ہم نے تجھ پر اس سے قبل بیان کی ہیں، اس سے اشارہ سورۂ انعام کی طرف بھی ہوسکتا ہے وما ظلمناھم اور ان کے اوپر ہم نے ظلم نہیں کیا ولکن کانوا انفسھم یظلمون وہ اپنے نفسوں پر خود ہی ظلم کرتے تھے یعنی ان کے ظلم اور شرارت کی بناء پر ان پر دیگر چیزوں کو حرام ٹھہرا دیا گیا تو یہ ہماری طرف سے سزا تھی، وہ ملت ابراہیمی کا حصہ نہیں ہے۔

ارتکاب سوء کے بعد توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں:

ثم ان ربك للذين عملوا السوء: لیکن ان یہود کے لئے، مشرکین کے لئے جنہوں نے اپنی طرف سے تحریم کی اور بعض حلال چیزوں کو حرام ٹھہرایا، اللہ کی طرف سے سزا کا نشانہ بنے، اللہ کی طرف سے ان کے اوپر سختی آئی ان کیلئے بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے، اس وقت بھی اگر توبہ کر لیں اور اس پیغمبر کے اوپر ایمان لے آئیں، اپنی عملی اصلاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا، یہ ثم تاخیر ذکری کیلئے ہے ان ربك للذين عملوا السوء بجهالة بے شک تیرا رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے برا کام کیا جہالت کے سبب سے، نادانی اور جذبات سے مغلوبیت کی بناء پر جنہوں نے برا کام کر لیا پھر انہوں نے توبہ کر لی اس کے بعد اور اپنے حالات کو درست کر لیا بے شک تیرا رب توبہ کے بعد البتہ غفور رحیم ہے، بجهالة کی قید کی تفصیل آپ کے سامنے چوتھے پارہ کے آخر میں آ گئی تھی انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب وہاں دو قیدیں لگی ہوئی تھیں جو جہالت کی وجہ سے برا کام کر بیٹھتے ہیں اور پھر جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں تو وہاں ساری تفصیل ذکر کر دی گئی تھی کہ یہ دونوں قیدیں اتفاقی ہیں یا احترازی ہیں، راجح قول یہی نقل کیا تھا کہ یہ اتفاقی ہیں کیونکہ جو گناہ بھی ہوتا ہے وہ جہالت کی بناء پر ہی ہوتا ہے، نادانی کی بناء پر ہی ہوتا ہے اگر انسان عقل مند ہو، ہوش میں ہو، جذبات سے مغلوب نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتا، سزا سے غافل ہوتا ہے، سزا مستحضر نہیں رہتی، عقل جذبات سے مغلوب ہو جاتی ہے تب ہی انسان گناہ کرتا ہے اس لیے جو گناہ ہے وہ جہالت کے ساتھ ہی ہے اور من قریب میں راجح قول یہی نقل کیا تھا کہ اگر موت کی کیفیت پیدا ہونے سے پہلے پہلے توبہ کرے تو یہ من قریب ہی ہے اور جب موت کی کیفیت طاری ہو جائے گی، غرغرہ کی کیفیت طاری ہو جائے گی، سانس اکھڑ جائے اور عالم آخرت منکشف ہو جائے تو پھر توبہ کی گنجائش نہیں ہے اسی کے مطابق یہاں بجهالة کی قید کو سمجھ لیجئے کہ راجح قول کے مطابق یہ قید بھی اتفاقی ہے کہ ہر ارتکاب سوء کرنے والا جہالت میں مبتلاء ہوتا ہے، گناہ کا ارتکاب کرنا یہ جہالت ہی ہے اور اس سوء کے ارتکاب کے بعد اگر توبہ کرے اور اپنے حالات کو درست کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ کے بعد غفور رحیم ہے۔

مشرکین، یہود اور نصاریٰ سب اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے تھے:

ان ابراهيم كان امة قانتاً لله حنيفاً: یہ بات بھی آپ کے سامنے کئی دفعہ ذکر کی جا چکی کہ اللہ تعالیٰ

نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقتداءِ خلق بنایا اور بعد میں آنے والی امتیں اپنی نسبت انہی کی طرف ہی کرتی تھیں، انبیاء علیہم السلام بعد میں انہی کی اولاد میں سے ہوئے، انی جاعلك للناس اماماً کے تحت اس مضمون کو ذکر کیا تھا، اس وقت تین بڑی بڑی جماعتیں موجود تھیں، مشرکین مکہ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور اپنی نسبت انہی کی طرف کرتے تھے، یہود اور نصاریٰ بھی اپنی نسبت انہی کی طرف کرتے تھے اور اپنے آپ کو ملت ابراہیمی پر قرار دیتے تھے، ابراہیمی طریقہ پر قرار دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر یہ واضح کیا ہے کہ ان تینوں گروہوں میں سے کوئی گروہ بھی ملت ابراہیمی پر نہیں ہے، انہوں نے تحریف کر کے سارے کے سارے معاملہ کو مسخ کر لیا ہے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر جو شریعت اتاری جا رہی تھی اسی کو ملت ابراہیمی قرار دیا گیا تھا اس لئے اگر کوئی شخص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ اس رسول پر ایمان لائے اور اس کی ہدایات کے مطابق چلے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقتداءِ خلق ہونا تو اتنا واضح ہے کہ ہندوستان کے مشرک ہندو ان کا جو سب سے بڑا بت ہے اس کو یہ برہمہ کہتے ہیں جس کی طرف نسبت کی بناء پر ان کا مذہبی طبقہ براہمن کہلاتا ہے تو براہمن کہنے کی وجہ ان کی نسبت اس بڑے بت برہمہ کی طرف ہے اس کے متعلق بھی بعض علماء نے لکھا ہے کہ اصل کے اعتبار سے ان لوگوں نے یہ بت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے گویا کہ یہ بھی ابتدائے بت پرستی کے طور پر اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہی کرتے ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ جہالت کے پردے پڑ جانے کی وجہ سے اب ان لوگوں کے سامنے وہ حقائق نہ رہے ہوں ورنہ ہندوستان کی قومیں بھی اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہی کرتی ہیں، ''گلدستۂ توحید'' حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی جو کتاب ہے اس کے اندر یہ ذکر کیا ہوا ہے کہ برہمہ بعض لوگوں کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی بت ہے جس طرح مشرکین نے تراشے ہوئے تھے ہندوستان کے مشرکوں نے بھی اسی طرح کیا ہوا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات اور ان پر اللہ کے انعامات:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان ابراھیم بے شک ابراہیم کان امة قانتاً للّٰہ حنیفاً امت جماعت کو بھی کہتے ہیں، جماعت والا معنی کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بے شک ابراہیم ایک مستقل جماعت تھے یعنی وہ نہ تو امت یہود پر تھے، نہ امت نصاریٰ پر تھے اور نہ امت مشرکین پر تھے بلکہ وہ مستقل ایک امت تھے، ایک جدا جماعت تھے،

وہ اوران کے ماننے والے ان میں سے کسی کے ساتھ بھی مناسبت نہیں رکھتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امت کہنا ان کے طریقہ کے اعتبار سے ہے کہ وہ ایک مستقل جماعت تھے یعنی وہ اوران کے ماننے والے ایک مستقل جماعت تھے نہ تو وہ امت مشرکہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، نہ امت یہودیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ امت نصرانیہ سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ وہ تو مستقل ایک علیحدہ جماعت تھے اور امت کا لفظ مقتداء کے لئے بھی بولا جاتا ہے کہ وہ مقتداء تھے، متبوع الخلق تھے، لوگ ان کی اتباع کرتے تھے، قانتاً للّٰہ اللہ کے فرمانبردار تھے، حنیفاً خالص طور پر اللہ کی طرف توجہ کرنے والے تھے، یا غلط طریقہ سے ہٹ کر صحیح طریقہ کی طرف متوجہ تھے، حنیف اسے کہتے ہیں جو ادیانِ باطلہ سے ہٹ کر حق کی طرف متوجہ ہو گیا ہو اس لیے دین حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے ولم یك من المشرکین اور خصوصیت ان کی یہ تھی کہ مشرکوں میں سے نہیں تھے، ان کے طور طریقہ میں بالکل بھی شرک کی بات نہیں پائی جاتی تھی بلکہ توحید کے علمبردار تھے، موحد اعظم تھے، مشرک قوموں کے ساتھ انہوں نے ٹکر لی اور واضح الفاظ میں لوگوں کے سامنے اعلان کیا ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین کہ غیر اختیاری امور ہوں یا اختیاری امور ہوں سب اللہ ہی کے لئے ہیں، موت وحیات پر تصرف اسی کا ہے، بدنی عبادت، مالی عبادت سب اللہ ہی کے لئے ہے، واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا، مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

شاکراً لانعمہ: اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اجتباہ اللہ نے ان کو چن لیا وھداہ الی صراط مستقیم اور صراط مستقیم کی ان کو ہدایت دی، وآتیناہ فی الدنیا حسنة ہم نے ان کو دنیا کے اندر بھی بھلائی دی، نیک نامی دی، شہرت دی، عزت دی، وانہٗ فی الآخرة لمن الصالحین اور بے شک آخرت میں بھی البتہ وہ اچھے لوگوں میں سے ہیں، اعلیٰ درجہ کے لوگوں میں سے ہیں، صالحین سے اعلیٰ درجہ کے لوگ مراد ہیں تو جب حضرت ابراہیم کا یہ مقام تھا کہ دنیا میں بھی ان کو بھلائی ملی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو اچھے لوگوں میں شمار کر رہے ہیں تو جو شخص بھی ملت ابراہیمی پر چلے گا، ابراہیم کا طریقہ اپنائے گا اسے دنیا وآخرت کی کامیابی ملے گی اس لیے ہم نے آپ کی طرف یہ وحی بھیجی ہے ثم اوحینا الیك ان اتبع ملة ابراھیم حنیفاً پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم کے طریقہ کی اتباع کریں ایسے ابراہیم جو کہ حنیف تھے، مخلص تھے، تمام ادیانِ باطلہ سے ہٹ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے تھے اور یہ ان کا خصوصی نشان ہے وما کان من المشرکین کہ وہ مشرکین میں سے نہیں تھے اس لئے جن

کے طریقہ کے اندر کچھ بھی شرک آ گیا، کسی اعتبار سے آ گیا ان کا ملت ابراہیمی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ملت ابراہیمی پر ہونے کیلئے یہود کے طریقہ کی اتباع لازم نہیں:

انما جعل السبت علی الذین اختلفوا فیه: سبت کا لفظ مصدر کے طور پر بھی آتا ہے ہفتہ کے دن کی تعظیم کرنا اور سبت ایک متعین دن کے نام کے طور پر بھی آتا ہے، جمعہ گذرنے کے بعد جو اگلا دن ہوتا ہے اس کو سبت کہتے ہیں، یہود پر اس دن کی تعظیم فرض تھی اور اس میں ان کیلئے شکار وغیرہ کرنا درست نہیں تھا اور اس معاملہ میں انہوں نے گڑبڑ کی تھی جس کی بناء پر یہ بندر بنا دیے گئے تھے، سورۂ اعراف کے اندر یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے، اجمال کے ساتھ تذکرہ سورۂ بقرہ میں بھی آیا تھا، یہاں یہ ذکر کرنا مقصود ہے کہ ہفتہ کے دن کی تعظیم یہ بھی ملت ابراہیمی کا حصہ نہیں ہے اس لیے سرورِ کائنات ﷺ نے اگر ہفتہ کے دن کو نہیں اختیار کیا بلکہ جمعہ کے دن کو اختیار کرلیا تو یہ ملت ابراہیمی کے منافی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عین منشاء کے مطابق ہے جیسا کہ حدیث شریف کے اندر تفصیل آئی ہے، سوائے اس کے نہیں کہ ہفتہ کی تعظیم متعین کی گئی تھی ان لوگوں پر ہی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا یعنی بعد میں کسی نے تعظیم کی اور کسی نے تعظیم نہ کی اور یہ اشارہ یہود کی طرف ہے جنہوں نے اس کو نبھایا نہیں، اور اگر سبت سے متعین طور پر ہفتہ کا دن مراد لیا جائے تو پھر تعظیم کا لفظ محذوف نکالیں گے انما جعل تعظیم السبت علی الذین اختلفوا فیه وان ربك لیحکم بینهم اور بے شک تیرا رب البتہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اس چیز میں جس میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے تو اس آیت میں بھی یہ ذکر کر دیا گیا کہ یہود کا طریقہ ملت ابراہیمی کے لئے لازم نہیں، کہ ملت ابراہیمی پر وہی ہوگا جو یہود کے اس طریقہ کو اپنائے گا، اس میں ہفتہ کے دن کی تعظیم بھی آ گئی اور پیچھے محرکات کا ذکر کیا گیا تھا تو گویا کہ در پردہ یہود کی طرف سے جو اعتراض تھا کہ یہ ملت ابراہیمی پر نہیں ہے ان الفاظ میں اس اعتراض کو اٹھا دیا گیا ہے۔

آدابِ تبلیغ:

ادع الی سبیل ربك بالحکمة: دعوت دے اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت کے ساتھ اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ اور جھگڑا کر ان کے ساتھ اس طریقہ سے جو کہ اچھا ہے، جو طریقہ اچھا ہے اس طریقہ کے ساتھ ان کے ساتھ جھگڑا کریں، اس میں تین باتیں آ گئیں اللہ کے راستہ کی طرف دعوت دیجئے، اللہ کے راستہ کی طرف

بلایئے، اللہ کا راستہ یہی ہے جس کی قرآن کریم تفصیل کرتا ہے، اللہ کی طرف بلاؤ توحید کی دعوت دو، شرک سے روکو، اللہ کے رسول پر ایمان لانے کی دعوت ہے، آخرت پر ایمان لانے کی دعوت ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی دعوت ہے سب ادع الی سبیل ربك میں داخل ہے۔

حکمت کا معنی ومفہوم:

دو طریقے ذکر کیے کہ حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ بلاؤ، حکمت سے مراد یہ ہے دانشمندی، بصیرت، سوچ سمجھ کے، اچھے طریقہ سے، عقلمندی کے ساتھ بلاؤ، بیوقوفوں کی طرح نہیں کہ ایسی باتیں کہہ دو جس سے مدمقابل اور چڑ جائے، عقلمندی کے ساتھ، بصیرت کے ساتھ سوچ سمجھ کے لوگوں کو دعوت دو اور پھر حکمت کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ دلائل محکمہ کے ساتھ دعوت دو کہ ہر عقل مند آدمی تمہارے دلائل سے مرعوب ہو جائے، تمہارے دلائل کا اس کے اوپر رعب پڑے، بے بنیاد باتیں نہ کہو، دلائل بیان کرو، براہین بیان کرو، دلائل محکمہ کے ساتھ دعوت دو، سمجھداری کے ساتھ بلاؤ، موقع محل دیکھ کے دعوت دو یہ سب حکمت میں داخل ہے کیونکہ دعوت دینے میں صرف یہی داخل نہیں کہ ایک شخص کو صرف یہی جا کے کہہ دو کہ تو یہ کام کر بسا اوقات خاموشی اختیار کرنا بہتر ہوتا ہے کہ کسی دوسرے موقع پر اچھے طریقہ سے سمجھا سکتے ہو، کبھی بالواسطہ کہنا مناسب ہوتا ہے، کبھی اشارے اور کنایہ سے سمجھانا مناسب ہوتا ہے، موقع محل کے مطابق انسان طرز اپناتا ہے کہ جس کے ساتھ دوسرا شخص متاثر ہو۔ حکمت کے اندر یہ سب باتیں شامل ہیں۔

موعظۂ حسنہ کا معنی ومفہوم:

موعظۂ حسنہ اس سے مراد یہ ہوا کرتا ہے کہ آپ اپنے دعویٰ کو دلیل کے ساتھ ثابت کرتے ہیں یہ تو حکمت کا تحقق ہو گیا، موقع محل کے مطابق بات کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ اس کام کے نفع ونقصان سے آگاہ کرو، مثالوں اور واقعات کے ساتھ تا کہ دوسرا سننے والا اس سے متاثر ہو، لب ولہجہ نرم ہو اور خیر خواہی پر مشتمل ہو کہ سننے والے کو یقین آ جائے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے واقعی میرے فائدے کے لئے ہی کہا جا رہا ہے، اس میں ان کا اپنا کوئی ذاتی مقصد نہیں ہے اور پھر مثالوں اور واقعات کے ساتھ اس چیز کے منافع اور نقصانات واضح کرو کیونکہ صرف ایک حکم کو ذکر کر دینا کافی نہیں ہوتا، انسان کو متاثر کرنے کیلئے اولاً سلسلہ بھی چلانا پڑتا ہے، اس کے فوائد اور نقصان بھی

بتانے پڑتے ہیں اس طرح مثالوں اور واقعات کے ساتھ انسان کے ذہن کو متاثر کرنا یہ موعظۂ حسنہ ہے پھر اس میں لب ولہجہ بھی خیر خواہوں والا ضروری ہے کہ اگر انسان سخت زبان استعمال کرے تو اس سے بسا اوقات انسان متنفر ہو جاتا ہے اور اس سے متاثر نہیں ہوتا جیسا کہ قرآن کریم میں سورۂ آل عمران میں آپ کے سامنے آیا تھا فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظًا غليظ القلب لانفضوا من حولك یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تو ان کیلئے نرم ہو گیا، نرمی کے ساتھ آپ ان صحابہ کو سمجھاتے ہیں اور اگر آپ فظ اور غلیظ القلب ہوتے، ترش رو اور سخت دل ہوتے، قلب کے اندر محبت اور شفقت نہ ہوتی تو یہ مجمع جو آپ کے ارد گرد اکٹھا ہو یا ہوا ہے، آپ سے مانوس ہے یہ آپ کے ساتھ منسلک نہ رہتا، آپ کے ساتھ جڑا نہ رہتا بلکہ آپ سے بھاگ جاتے، سرورِ کائنات ﷺ کے متعلق یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر آپ فظ اور غلیظ القلب ہوتے تو یہ آپ کے ارد گرد اکٹھے نہ ہوتے آپ اس سے اندازہ کر لیجئے کہ اگر مبلغ کے اندر فظ اور غلیظ القلب والی صفت پائی جائے تو وہ کیسے توقع رکھ سکتا ہے کہ میں اپنے ماحول کو متاثر کر سکتا ہوں، مبلغ کو ہنس مکھ ہونا چاہیے، مسکرا کے بات کرے، دوسرے کی طرف سے کتنی ہی سختی کیوں نہ ہو اور کتنی ہی احمقانہ حرکتیں نہ ہوں ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی اشتعال انگیز حرکتوں سے غصہ میں نہ آئے بلکہ یوں سمجھے کہ جس طرح ایک مریض ہوتا ہے، ڈاکٹر اس کے پٹی کرنے لگا ہے تو اس کو تکلیف محسوس ہوتی ہے اکثر و بیشتر آپ نے دیکھا ہوگا کہ بے عقل یا کم عمر مریض ڈاکٹر کو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں، اب اگر نادان قسم کا ڈاکٹر ہو تو وہ کہے گا کہ اگر تو گالیاں دیتا ہے تو میں تیرا زخم اور گہرا کر دیتا ہوں تو وہ اپنے فن کا ماہر نہیں ہے، ڈاکٹر کا کام یہ ہوتا ہے کہ مریض کو مریض سمجھے اور اگر وہ گالیاں بھی دیتا ہے تو اس کی گالیوں کو ہنس کے برداشت کرے اور اپنے قاعدے اور فن کے مطابق مریض کا علاج کرے، انبیاء کا جو طریقہ ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے وہ یہی ہے۔

جادلهم بالتي هي احسن کا معنی ومفہوم:

اور اچھے طریقہ کے ساتھ ان سے جھگڑا کرو، جھگڑنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم نے ایک دفعہ پیش کیا اور اس کے اوپر دلائل دے دیے، اس کا نفع ونقصان سمجھا دیا، ہمدردی اور خیر خواہی کا اظہار کر دیا لیکن وہ آگے سے بدتمیزیاں کرتا ہے یا آگے سے بے ڈھنگے سے اشکالات پیش کرتا ہے، کوئی ایسا اشکال پیش کرے جو دلیل سے ناشی ہے وہ بھی اور کوئی ایسا اشکال پیش کرے جو محض بے عقلی کی بات ہو یا آگے سے تمسخر اور استہزاء کرے تو اس کو اچھے

طریقہ سے جواب دو، جدال حسن کا مطلب یہ ہے کہ تم مقابلہ میں مشتعل نہ ہو جاؤ، انبیاء کی زندگی اس آیت کی مکمل تفسیر ہے، انبیاء کے مدمقابل استہزاء بھی کرتے تھے، گالیاں بھی دیتے تھے، حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر آپ کے سامنے متعدد آیات میں آیا کہ ساڑھے نوسو سال انہوں نے قوم کو تبلیغ کی، کتنا صبر آزما زمانہ ہے، قوم آگے سے کہتی ہے انا لنراك فی ضلال، انا لنراك فی سفاهة انا لنظنك من الكاذبين ہم تجھے جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں، تو تو گمراہی میں ہے، تو تو بے عقلی میں ہے، یہ لفظ عام طور پر قوم کی طرف سے نقل کیے گئے ہیں، انبیاء الٹ کے جو جواب دیتے ہیں وہ کتنا پیارا ہے لیس بی ضلالة لیس بی سفاهة میں اللہ کا رسول ہوں میرے اندر کوئی نادانی کی بات نہیں، میرے اندر کوئی گمراہی کی بات نہیں، میں تمہارے ساتھ خیر خواہی کرتا ہوں، تمہارے نفع کی بات تمہیں بتاتا ہوں تو انبیاء کی طرف سے اشتعال انگیزی بالکل نہیں ہوتی ہے اور نہ ان کی اشتعال انگیزی کے مقابلہ میں یہ تیز ہوتے ہیں کہ سخت قسم کی باتیں کرنے لگ جائیں، انبیاء کے جو واقعات نقل کئے گئے ہیں وہ کھلے لفظوں میں اس آیت کی تفسیر ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ آپ کے سامنے سب سے زیادہ مفصل آیا، ان کو اس زمانہ کے ایک بدترین شخص کی طرف بھیجا گیا جو خود خدائی کا مدعی تھا اس سے زیادہ اخبث اس دور میں اور کون ہو سکتا تھا، اب حضرت موسیٰ علیہ السلام جا رہے ہیں تو ان کو ہدایات دی جا رہی ہیں قولا لہٗ قولاً لینا، دونوں بھائیوں کو کہا جا رہا ہے کہ وہاں جا کے نرم لب ولہجہ سے بات کرنا، اب مخاطب فرعون ہے اور خطاب کرنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ہیں ان دونوں سے کہا جا رہا ہے قولا له قولاً لینا اور اگر اس کے سامنے سختی سے بات کرنی شروع کر دو گے تو وہ سننے کیلئے تیار ہی نہیں ہوگا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ آج کل ہمارے مبلغین اس بات کو بھول گئے کہ جن لوگوں کو وہ سمجھانا چاہتے ہیں ان کے ساتھ طرزِ کلام ایسا اختیار کرتے ہیں کہ وہ پہلے ہی اپنے دل کے دروازے بند کر کے بیٹھ جاتے ہیں، انبیاء کے طریقہ میں یہ بات نہیں ہے، نادان لوگ نادانیاں کرتے ہیں، پتھر مارتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں لیکن انبیاء ہمدردی کے لب ولہجہ کے ساتھ ہی ان کے اشکالات کو دور کرتے ہیں اور بار بار ایک بات کو بیان کرتے ہیں تو جادلهم بالتی هی احسن کے اندر یہ بات ہو گئی کہ اگر ان کی طرف سے کوئی نادانی ہو تو تم اس کے مقابلہ میں نادانی نہ کرو، اگر وہ کوئی اعتراض کرتے ہیں تو اس کو اچھی طرح سمجھانے کی کوشش کی جائے جس میں نفع کی توقع ہو، نقصان کا اندیشہ نہ ہو، تو یہ تین باتیں جو ذکر کی گئی ہیں سارے آدابِ تبلیغ

انہی کے اندر ہی آ جاتے ہیں۔

ان ربك هو اعلم بمن ضل عن سبیله: بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو اس کے راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو یعنی اپنی طرف سے کوشش تم کرو باقی کسی کو زبردستی ہدایت پر لے آنا، گمراہی سے نکال دینا یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے، یہ بات براہِ راست اللہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

بدلہ لینے میں برابری کا حکم اور صبر کی ترغیب:

وان عاقبتم: اور اگر تم اپنے مدمقابل کو کوئی سزا ہی دو، اس سے کوئی انتقام لو، عقاب کا معنی ہوتا ہے سزا دینا اور یہاں بدلہ لینے کے معنی میں ہے اور اگر تم اس سے کوئی بدلہ لینا چاہتے ہو اور موقع محل کے مطابق تم ضروری سمجھتے ہو کہ اس کی برائی کا جواب برائی کے ساتھ ہی دیا جائے تو فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به تو سزا دیا کرو اس کی مثل جو تم سے معاملہ کیا گیا، عوقبتم به کے اندر جو عقاب کا لفظ استعمال کیا گیا یہ مشاکلۃً ہے جو معاملہ تمہارے ساتھ کیا گیا ہے اس کی مثلیت کے ساتھ ہی تم ان کو سزا دے سکتے ہو، اس میں برابری کی رعایت رکھو لیکن یہ مثلیت مقدار کے لحاظ سے انفرادی واقعات میں ہوتی ہے اور جہاں قومی سطح پر جہاد ہو وہاں مثلیت کی رعایت نہیں رکھی جاتی کہ انہوں نے جتنے ہمارے آدمی مارے ہیں ہم بھی اتنے ہی ماریں اور جتنا نقصان انہوں نے ہمیں پہنچایا ہے ہم بھی اتنا ہی پہنچائیں وہاں یہ بات نہیں، یہ مثلیت کی رعایت شخصی واقعات میں رکھی جاتی ہے ولئن صبرتم لیکن اگر تم برداشت کر جاؤ لهو خير للصابرين تو پھر صبر کرنے والوں کیلئے یہ بہتر ہے، صبر کرنا بہر حال بہتر ہے۔

حضور ﷺ کو صبر کرنے اور غمگین و تنگ دل نہ ہونے کا حکم:

واصبرو ما صبرك الا بالله: یہ خصوصیت کے ساتھ سرورِ کائنات ﷺ کو خطاب ہے کہ آپ برداشت کریں، صبر کیجئے اور نہیں ہے آپ کا صبر مگر اللہ کی توفیق کے ساتھ ولا تحزن علیهم اور ان کے اوپر غم نہ کریں ولاتك في ضيق اور کسی تنگ دلی میں واقع نہ ہوں مما یمکرون ان کے مکر و فریب کے سبب سے، جو یہ مکر و فریب کر رہے ہیں ان کی وجہ سے آپ تنگ دل نہ ہوں اور نہ ان کے اس برے طریقہ کے اختیار کرنے پر آپ حزن ہی کریں، غم بھی نہ کریں کہ میں انہیں کتنا سمجھاتا ہوں یہ پھر بھی سیدھا راستہ کیوں نہیں اختیار کرتے ان باتوں میں

آپ نہ پڑیں بس اللہ کی توفیق کے ساتھ صبر کرتے رہیے ان اللہ مع الذین اتقوا بے شک اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں والذین ھم محسنون اور جو کہ محسن ہوتے ہیں یعنی ہر کام کو اچھی طرح کرتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی معیت انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك اتوب اليك

اٰیاتھا ۱۱۱ | ۱۷ سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَکِّیَّةٌ ۵۰ | رکوعاتھا ۱۲

سورۃ بنی اسرائیل مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو گیارہ آیات اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

پاک ہے وہ ذات جس نے چلایا اپنے بندہ کو رات کے ایک حصہ میں مسجد حرام سے

اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ

مسجد اقصیٰ تک جس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم دکھائیں اسے اپنی آیات،

هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ① وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًی

بے شک وہ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے ① اور ہم نے دی موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور ہم نے بنایا اسے ہدایت

لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ؕ ② ذُرِّیَّةَ مَنْ

بنی اسرائیل کے لیے کہ نہ بناؤ تم لوگ میرے علاوہ کسی کو کارساز ② اے ان کی نسل! جن کو

حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③ وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ

ہم نے سوار کیا نوح علیہ السلام کے ساتھ بے شک وہ شکر گذار بندے تھے ③ اور ہم نے فیصلہ کیا بنی اسرائیل

اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ

کی طرف کتاب میں کہ البتہ تم ضرور فساد کرو گے زمین میں دو مرتبہ اور تم بلندی تک پہنچ جاؤ گے

عُلُوًّا كَبِیْرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ

بہت بلندی تک پہنچنا ④ پس جب آ گیا ان دونوں میں سے پہلا وعدہ تو بھیج دیں گے ہم تم پر اپنے

اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤

ایسے بندے جو سخت لڑائی والے ہوں گے پھر وہ گھس جائیں گے گھروں کے اندر یہ وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا ⑤

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنٰكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ

پھر ہم لوٹادیں گے تمہارے لیے غلبہ ان پر اور ہم مدد کریں گے تمہاری مالوں اور بیٹوں کے ساتھ

وَجَعَلْنٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝٦ إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ

اور ہم کردیں گے تمہیں زیادہ از روئے جماعت کے ⑥ اگر تم اچھے کام کروگے تو اچھائی کروگے اپنی جانوں

وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ

کے لئے اور اگر تم برے کام کروگے تو وہ تمہارے لیے ہی ہے پھر جب آجائے گا دوسرے وعدہ کا وقت تاکہ وہ بگاڑدیں

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا

تمہارے مونہوں کو اور تاکہ وہ داخل ہوجائیں مسجد میں جیسا کہ وہ داخل ہوئے اس میں پہلی مرتبہ اور تاکہ وہ ہلاک کردیں جن کو

تَتْبِيْرًا ۝٧ عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا

وہ قابو کریں ہلاک کرنا ⑦ قریب ہے کہ تمہارا رب رحم کرے تم پر اور اگر تم لوٹو گے تو ہم بھی لوٹے گیں اور ہم نے بنایا

جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝٨

جہنم کو کافروں کیلئے جیل خانہ ⑧

تفسیر

ماقبل سے ربط:۔

سورۂ نحل کے اختتام پر ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون ذکر کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی معیت متقین کے ساتھ ہے اور محسنین کے ساتھ ہے اس سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سرورِ کائنات ﷺ کو جو ایک معجزہ دیا گیا جس کو معراج یا اسراء کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں یہ مذکور ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و معیت اچھی طرح نمایاں ہے۔

پچھلی سورتوں میں بنی اسرائیل کا ذکر اجمالاً آیا تھا جیسے قریب کی آیات میں گذرا تھا علی الذین ھادوا حرمنا ما قصصنا علیك من قبل اور اسی طرح آگے آیا تھا انما جعل السبت علی الذین اختلفوا فیہ، اس

میں بھی انہی اہل کتاب کا تذکرہ تھا آنے والی سورۃ میں ان کے حالات کو کچھ زیادہ کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

پہلی آیت کا معنی ومفہوم :۔

سب سے پہلی آیت میں سرور کائنات ﷺ کے واقعہ اسراء کا ذکر ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الیٰ المسجد الاقصیٰ ، پاک ہے وہ جس نے چلایا اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں لیلاً اسریٰ کا مفعول فیہ ہے، اسریٰ کے اندر خود بھی رات کو چلانے والا معنی ہے لیکن لیلاً کو چونکہ آگے ذکر کر دیا ہے اس لئے اسریٰ کو رات کے معنی سے مجرد اور خالی کر لیا جائے گا اور لیلاً گو صریح طور پر اس لئے ذکر کر دیا کہ نکرہ تقلیل کے لئے ہے جس کا معنی ہوگا کہ رات کے کچھ حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ مسجد حرام سے تو وہ مسجد مراد ہوئی جو مکہ معظمہ میں بیت اللہ کے اردگرد ہے اور مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے جو پرانے جغرافیہ کے اعتبار سے شام میں ہے اور موجودہ جغرافیہ کے اعتبار سے پہلے اردن میں تھا اور اس وقت اسرائیل کے قبضہ میں ہے، جغرافیائی حیثیت سے اب چونکہ اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ بیت المقدس اسرائیل میں ہے یا اس سے پہلے اردن میں تھا اور اس سے پہلے اس کی نسبت شام کی طرف تھی کیونکہ یہ سارے کا سارا علاقہ شام کہلاتا تھا، الذی بارکنا حولہ ایسی مسجد اقصیٰ، اقصیٰ کا لفظی معنی ہوتا ہے بعید تو یہ مسجد چونکہ اہل مکہ سے بہت دور تھی، چالیس دن کا سفر لکھا ہے مکہ سے مسجد اقصیٰ کا اس وقت جب کہ قافلے پیدل جایا کرتے تھے، اس کا لفظی معنی بنتا ہے دور والی مسجد، الذی بارکنا حولہ ایسی مسجد جس کے اردگرد ہم نے برکت دی ہے لنریہ من آیاتنا یہ اسریٰ کی غایت آ گئی، اپنے بندہ کو چلایا رات کے ایک تاریک حصہ میں تاکہ ہم دکھائیں اس کو اپنی بعض نشانیاں انہ ھوالسمیع البصیر بے شک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

واقعہ معراج کی تفصیلات وتفسیری نکات :۔

سرور کائنات کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ جو دیا تھا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ یہ واقعہ مکہ معظمہ میں پیش آیا، باقی مکہ معظمہ میں کون سے سن نبوت میں پیش آیا اس میں اختلاف ہے، اسی طرح مہینہ میں بھی اختلاف ہے کسی نے ربیع الثانی لکھا ہے، کسی نے رجب لکھا ہے چونکہ اس وقت تاریخ نویسی کا رواج نہیں تھا تو یہ باتیں تاریخ اور دن کے تعین کے ساتھ تو ہمارے سامنے واضح نہیں ہیں، محدثین نے بھی اس بارے میں کوئی خاص فیصلہ نہیں کیا اور عام طور

پر مشہور ایسے ہی ہے جس کی کوئی پختہ بنیاد نہیں کہ ستائیس رجب کو یہ واقعہ پیش آیا، جس طرح ستائیس رجب کی روایت عوام میں مشہور ہے اسی طرح کتاب کے اندر اور روائتیں بھی نقل کی گئی ہیں اس لئے ہم قطعی طور اور یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ واقعہ رجب میں پیش آیا اور ستائیس رجب کو پیش آیا اور نہ اس قسم کی تاریخوں کی صحابہ کے دور میں کوئی خاص اہمیت تھی کہ واقعہ کی تحقیق کریں کہ کون سے دن میں پیش آیا نہ وہ دن مناتے تھے، اور نہ وہ تاریخ مناتے تھے جس کی بناء پر ان چیزوں کا اہتمام نہیں کیا گیا، یہ رسوم اور یہ بدعات بہت بعد میں شروع ہوئیں اس لئے لوگوں نے ظن اور گمان کے ساتھ اوقات متعین کر کے اپنی طرف سے کچھ رسوم متعین کر لیں، صحابہ کے دور میں یہ بات نہیں تھی، بہر حال ہجرت سے پہلے پیش آیا، ایک سال پہلے پیش آیا، تین سال پہلے پیش آیا، یا پانچ سال پہلے پیش آیا مختلف اقوال ہیں۔

اس سفر کے دو حصے ہیں ایک مکہ معظمہ سے لے کے بیت المقدس تک ہے جس کا ذکر یہاں صراحتاً ہے اس کو اسراء سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ایک بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں کے اوپر جہاں تک اللہ کو منظور تھا سرور کائنات کو لے جایا گیا اس کو معراج کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے پھر توسعاً سارے سفر پر بھی اسراء کا لفظ بول دیتے ہیں اور اسی طرح سارے سفر کے اوپر معراج کا لفظ بھی بول دیتے ہیں، یہ سفر جو اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ نے کروا دیا اس میں دو مرتبہ حضور ﷺ کی حاضری ہوئی، مسجد الحرام میں تو پہلے سے موجود ہی تھے یہاں سے آپ کو لے جایا گیا مسجد اقصیٰ میں جو انبیاء سابقین کا قبلہ تھا اور اس وقت اہل کتاب کے تسلط میں تھا وہاں انبیاء کے مجمع میں سرور کائنات ﷺ تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے امامت کروائی اور سارے نبی آپ کے مقتدی ہوئے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے غالباً اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اب جو نبی آنے والا ہے یہ دونوں قبلوں کا جامع ہے اور دونوں قبلوں کی برکات اس کو حاصل ہوں گی اور یہ امامت وقیادت اب بیت المقدس کے متولیوں سے مسجد حرام کی طرف منتقل ہو جائے گی اس بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا جس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ پہلے عام طور پر جو قیادت وسیادت یہود ونصاریٰ کو حاصل ہے اب ان کو منسوخ کیا جا رہا ہے اور یہ قیادت اب بنی اسماعیل کی طرف منتقل کی جارہی ہے اور اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جب سارے نبی آپ کے مقتدی بن گئے تو اب ان کے ماننے والوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ آپ کی امامت کو قبول کریں اس طرح

حضور ﷺ کی جامعیت اور عموم بعثت نمایاں ہوگئی۔

سبحان کے لفظ کے ساتھ اس کو جو شروع کیا گیا تو اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اسکو اللہ کی قدرت سے بعید نہ سمجھو، اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عجز اور کمزوری سے پاک ہے، اس کو ہر قسم کی قدرتیں حاصل ہیں، وہ جو کچھ کرنا چاہے کر سکتا ہے اور اس تیز رفتاری کے ساتھ لے جانا، تیز رفتاری کے ساتھ آنا اس زمانہ میں اگر قابل تعجب ہو تو ہو آج یہ بات کوئی قابل تعجب نہیں کیونکہ آج سائنسی تحقیق کے ساتھ یہ بات ہوگئی کہ تیز رفتاری کی حد ہی کوئی نہیں ہے جتنی تیز رفتاری یہ تجویز کرتے ہیں اگلی دفعہ اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری تجویز ہو جاتی ہے تو اللہ کی قدرت جو کہ ان سب چیزوں کا خالق ہے اس سے بہت زیادہ وسیع ہے وہ اگر ایک لحہ کے اندر بھی ساری دنیا کا چکر لگوا دے تو اس میں کوئی بعید نہیں ہے اور امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ سرور کائنات ﷺ کو بیداری میں پیش آیا، یہ خواب کی بات نہیں ہے اور اگر یہ خواب کی بات ہوتی تو اس کو اتنی اہمیت سے نقل نہ کیا جاتا، اس قسم کے خواب تو اکثر و پیشتر لوگ دیکھتے ہی رہتے ہیں کہ بیٹھے یہاں ہیں اور رات کو دہلی پہنچ گئے اور مختلف قسم کے تماشے دیکھ کر واپس آگئے اور انسان کی روح خواب کی حالت میں کہاں کہاں پھرتی رہتی ہے پھر آپ عجیب وغریب قسم کا خواب بیان کر دیں، ساتوں سمندروں کو تیر کر عبور کر لیں، ساتوں آسمانوں کی سیر کر لیں جس کے سامنے بھی آپ بیان کریں گے کوئی شخص آپ کی تکذیب نہیں کرے گا، وہ کہے گا کہ خواب میں اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں تو سرور کائنات ﷺ نے اس واقعہ کو جو نمایاں کیا اور قوم تکذیب کرنے لگی، استہزاء اور تمسخر کرنے لگ گئے یہ خود دلیل ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے اس واقعہ کو بیداری کا واقعہ بنا کر بیان کیا ہے، یہ خواب کا واقعہ نہیں تھا، باقی اس کا مفصل تذکرہ احادیث کے اندر مذکور ہے یہاں اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے الذی بارکنا حولہ اس برکت سے برکت ظاہری بھی مراد ہے اور برکت باطنی بھی، برکت ظاہری تو یہ ہے کہ وہ علاقہ بہت آباد ہے، ہر قسم کی نعمتیں اس کے اندر موجود ہیں، بہت پیداوار ہے، وہاں کے لوگ خوشحال ہیں جیسا کہ اسرائیلی روایات میں اس کو دودھ اور شہد کی سرزمین ذکر کیا گیا ہے جس سے اس کے رہنے والوں کی خوشحالی کی طرف اشارہ ہے اور باطنی برکت یہ ہے کہ وہ انبیاء کا مسکن اور مدفن ہے کہ جتنی کثرت کے ساتھ انبیاء اس علاقہ کے اندر آئے ہیں اتنی کثرت کے ساتھ کسی اور علاقہ میں نہیں آئے، ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا علاقہ یہی ہے اور آپ کی اولاد اسی سے پھیلی اور بہت کثرت

کے ساتھ اللہ کی وحی اسی علاقہ میں اترتی رہی اسلیئے اس کو باطنی برکت بھی حاصل ہے، برکت کا مفہوم ہوتا ہے نفع اور خیر کثیر یعنی باطنی طور پر بھی اللہ نے یہاں بہت منافع رکھے ہیں اور ظاہری طور پر بھی اس میں اللہ بہت خیر اس میں رکھی ہے، لنریہٗ من آیاتنا یہ غایت ذکر کردی کہ اپنے بندہ کو کیوں چلایا اس لئے چلایا کہ تا کہ ہم اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں، یہ سیر کرادی اللہ تعالیٰ نے زمین کی نشانیاں بھی دکھائیں اور آسمان کی نشانیاں بھی دکھائیں، روایات میں تفصیل موجود ہے برزخ کے واقعات بھی اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے دکھائے کہ منکرین زکوۃ کا یہ انجام تھا، عہد کی خلاف ورزی کرنے والوں کا یہ انجام تھا، جھوٹ بولنے والوں کا یہ انجام تھا، برزخ کے واقعات بھی دکھائے اور اس طرح آسمان پر جنت و دوزخ کے نمونے دیکھے، بیت المعمور اور اللہ کی قدرت کی بہت ساری نشانیاں سامنے آئیں گی، انہٗ ھو السمیع البصیر وہ سننے والا دیکھنے والا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ مسجد حرام ہو یا مسجد اقصیٰ یہ دونوں اللہ کے گھر ہیں، اللہ کی طرف منسوب ہیں اور ان دونوں گھروں کے اندر بسنے والوں نے ان گھروں کو جس مقصد کے لئے بنایا تھا اس کے الٹ کر دیا، مشرکین مکہ بھی اس خانہ خدا کو جو کہ توحید کو نمایاں کرنے کیلئے بنایا گیا تھا اس کو شرک کا گڑھ بنادیا اور اس طرح مسجد اقصیٰ کے اندر بسنے والے بھی خائن ہو گئے، بددیانت ہو گئے، انہوں نے دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا، اپنی طرف سے من گھڑت قصے بنا کے لوگوں کو گمراہ کرنے لگ گئے، تو ان گھروں کا مالک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے ایسا نہیں کہ اس کو خبر ہی نہیں کہ نہ وہ کوئی حال سن رہا ہے اور نہ کوئی حال دیکھ رہا ہے اس لئے اب وقت آ گیا ہے کہ ان دونوں گھروں کو بددیانتوں سے، خائنوں سے، بددینوں سے، مشرکین سے پاک کروائے گا اور ایک ایسی ہستی کو ان کے اوپر تسلط دے گا جو کہ ان گھروں کو ان مقصد کے مطابق آباد کرے گی اور اللہ تعالیٰ کا نام اجاگر ہوگا اور یہ عبادت خانے اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے استعمال ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے سامنے سارے حالات ہیں وہ سب کی باتیں سن رہا ہے اور سب کے حالات کو دیکھ رہا ہے، بہرحال اس قسم کی حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت اللہ تبارو تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ سفر کروادیا اور اس کا مقصد حضور ﷺ کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھانا تھا۔

گذشتہ تاریخ کا حوالہ دے کر بنی اسرائیل کو تنبیہ:۔

اب چونکہ اس میں مسجد اقصیٰ کا ذکر آیا اور مسجد اقصیٰ بنی اسرائیل کے تسلط میں تھی اس لئے یہاں سے کلام

بنی اسرائیل کی طرف منتقل ہورہی ہے واتینا موسیٰ الکتاب وجعلناہ ھدی لبنی اسرائیل اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور اس کتاب کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت بنایا اور راہنمائی کا ذریعہ بنایا الاتتخذوامن دونی وکیلاً اس کتاب کے اندر یہ بات اچھی طرح سے نمایاں کی گئی کہ میرے علاوہ کسی دوسرے کو کارساز نہ بناؤ، یہ کتاب اور ہدایت کی بنیادی تعلیم ہے جو بنی اسرائیل کو دی گئی تھی کہ نہ بناؤ تم میرے علاوہ کسی کو کارساز، ذریۃ من حملنا مع نوح، یہ منادیٰ ہے، اے اولاد ان لوگوں کی جن کو ہم نے نوح کے ساتھ اٹھایا، نوح کے ساتھ جن کو ہم نے کشتی میں اٹھایا اے ان لوگوں کی اولاد! ان کو خطاب کر کے کہا جارہا ہے کہ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ اٹھایا تھا تمہیں یہ بات کہی جارہی ہے لاتتخذوامن دونی وکیلاً میرے علاوہ کسی دوسرے کو کارساز نہ بناؤ، اس میں اشارہ کردیا حضرت نوح علیہ السلام کی تاریخ کی طرف کہ نوح کے مخالفین بھی شرک کے اندر مبتلاء تھے اور نوح علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا لیکن وہ نہیں سمجھے تو ان کو ڈبو دیا گیا، ہلاک کردیا گیا اور جو نوح کو ماننے والے تھے ان کو کشتی میں سوار کرا کے نجات دلوادی گئی یہ سارا واقعہ من حملنا مع نوح کے لفظ کے اندر سمیٹ دیا گیا، ظاہر کردیا گیا کہ انبیاء کی تعلیم کی مخالفت کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے اور انبیاء کی تعلیم کو قبول کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے اور تم اس واقعہ کو یاد کرو تم انہی لوگوں کی اولاد ہو جو حق کو قبول کرنے کی بناء پر بچے تھے اور ان کو ڈبویا نہیں گیا تو اب تمہیں وہ بات یاد دلائی جارہی ہے کہ میرے علاوہ کسی دوسرے کو کارساز نہ بناؤ کان عبدا شکورا نوح علیہ السلام بہت شکرگزار بندہ تھا اور تم بھی ان کی اولاد میں ہو تو تمہیں بھی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور یہ جو تم نے ناشکری اختیار کرلی ہے کہ کھاتے اللہ کا ہو اور گاتے دوسرے کا ہو یہ مناسب نہیں ہے۔

آیات کا معنیٰ ومفہوم:۔

وقضینا الیٰ بنی اسرائیل، قضیٰ فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں اور جب اس کا صلہ الی آجائے تو اس کے اندر ابلاغ والا معنیٰ ہوتا ہے تو قضینا الیٰ بنی اسرائیل کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے فیصلہ کر کے بنی اسرائیل کو اس بارے میں اطلاع دے دی، ہم نے بنی اسرائیل کی طرف اپنا فیصلہ پہنچادیا کتاب میں۔ کتاب سے توراۃ بھی مراد ہوسکتی ہے اور دیگر صحیفے جو ان کے انبیاء پر اترتے تھے وہ بھی مراد ہوسکتے ہیں اللہ کی طرف سے جو کتاب بھی اتری چاہے وہ مستقل کتاب کی شکل میں آئے جیسے توراۃ وانجیل اور زبور ہیں یا مختلف صحیفوں کی شکل میں آئی جو لکھی ہوئی باتیں اللہ کی

طرف سے آئی ہیں ان کے اندر یہ بات واضح کردی گئی تھی اور فیصلہ کر کے ان تک پہنچادی گئی تھی لتفسدن فی الارض مرتین ،وہ بات یہ تھی کہ البتہ ضرور فساد کرو گے تم زمین میں دو مرتبہ و لتعلن علوا کبیراً اور تم سرکشی اختیار کرو گے بہت زیادہ علو اختیار کرو گے بہت بڑا علو یعنی بہت سرکشی کرو گے،فاذا جاء وعد اُولھما،اب یہ دو دفعہ فساد کرنے کی پیش گوئی کی گئی اور اس پیش گوئی کے مطابق قرآن کریم اترنے سے پہلے پہلے فساد ہوا اور دونوں دفعہ بنی اسرائیل کو سزا ہوئی اس لئے آگے جو آیات آرہی ہیں مترجمین نے اس میں دونوں طریقے اختیار کیے ہیں بعض نے مستقبل کے طور پر ترجمہ کیا ہے گویا کہ پچھلا مضمون نقل کیا گیا کہ یہ بات ان کو بتائی گئی تھی اور بعض نے اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کیا کہ چونکہ واقعہ آچکا تھا اس لئے قرآن کریم میں ان میں واقعات کی یاددہانی کرائی جارہی ہے ترجمہ دونوں طرح ٹھیک ہے کیونکہ اول پیش گوئی کی گئی تھی اور بعد میں یہ واقعات قرآن کریم اترنے سے پہلے پیش بھی آگئے اسلئے ماضی کے واقعات کی یاددہانی کے طور پر یہ آیات ہوں تو بھی ٹھیک ہے اور پہلا مضمون نقل کیا جارہا ہو پیش گوئی کے طور پر تو بھی ٹھیک ہے، مستقبل کے طور پر ترجمہ کریں گے تو یوں گا جس وقت ان دونوں مرتبوں میں پہلی مرتبہ کا وعدہ آجائے گا تو ہم مسلط کردیں گے تمہارے اوپر اپنے بندے جو سخت لڑائی والے ہوں گے پھر وہ گھروں کے درمیان میں گھس جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہو کر رہے گا یعنی جو اللہ کی طرف سے وعدہ ہوجائے پھر اس کے مطابق کام ہو کے رہتا ہے، یہ تو مستقبل کے طور پر ترجمہ ہوجائے گا اور ماضی کے طور پر کریں گے تو یوں ہوگا کہ جب آیا ان دونوں مرتبوں میں سے پہلی مرتبہ کا وعدہ تو مسلط کردیے ہم نے تمہارے اوپر اپنے بندے لڑائی والے جو گھس گئے گھروں کے درمیان میں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا کیا ہوا ہے۔

ثم رددنا لکم الکرۃ یہاں بھی اسی طرح مستقبل کے طور پر ترجمہ کرو گے تو یوں ہوگا پھر لوٹائیں گے ہم تمہارے لئے غلبہ تمہارے مخالفین پر اور امداد دیں گے تمہیں مالوں کے ساتھ اور بیٹوں کے ساتھ اور ہم کردیں گے تمہیں اکثر از روئے جماعت کے یا از روئے افراد کے،تمہارے افراد بڑھادیں گے اور تمہاری تعداد بہت زیادہ ہوجائے گی اور ماضی کے طور پر ترجمہ یوں ہوگا کہ لوٹا دیا ہم نے تمہارے لئے غلبہ تمہارے مخالفین پر اور مدد دی ہم نے تمہیں مالوں کے ساتھ اور بیٹوں کے ساتھ اور بنایا ہم نے تمہیں اکثر از روئے افراد کے،تمہاری تعداد اور تمہاری نفری بڑھادی۔

ان احسنتم احسنتم لا نفسکم اور ہم نے تمہیں یہ بھی کہہ دیا کہ اگر تم اچھا کام کرو گے تو اچھا کام کرو گے اپنے فائدہ کیلئے وان اسأتم فلھا اور اگر تم نے برا کام کیا تو اپنے لئے کیا، فاذاجاء وعد الآخرۃ جب آجائے گا دوسری مرتبہ کا وعدہ، یہ مستقبل کے طور پر ترجمہ ہے لیسوؤا وجوھکم، لام کا متعلق یہاں محذوف ہے کہ ہم نے پھر تم پر اپنے بندے مسلط کردیئے، یا جب دوسری مرتبہ کا وعدہ آجائے گا تو ہم پھر تم پر اپنے بندے مسلط کریں گے تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں، مار مار کے تمہاری شکلیں ہی بگاڑ دیں ولیدخلوا المسجد اور تاکہ داخل ہو جائیں وہ مسجد میں کما دخلوہ اول مرۃ جیسا کہ داخل ہوئے تھے پہلی مرتبہ، یہاں داخل ہونا بطور فساد کے ہے ولیتبروا ماعلوا تتبیراً اور تاکہ وہ تباہ کردیں ہر اس چیز کو جس پر وہ غلبہ پائیں اچھی طرح تباہ کرنا،

عسیٰ ربکم ان یرحمکم قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے وان عدتم اور اگر تم پھر لوٹے پہلی حالت کی طرف عدنا تو ہم بھی لوٹ آئیں گے، اگر پہلی قسم کی شرارتیں تم نے پھر شروع کیں تو ہم بھی لوٹ آئیں گے، اسی قسم کی پٹائی ہم پھر کروادیں گے، وجعلنا جھنم للکافرین حصیراً اور ہم نے آخرت کو کافروں کے لئے حصیر بنایا، حصیر محصور کرنے کی جگہ، جس طرح بھیڑ بکریوں کیلئے باڑہ ہوتا ہے جس میں بھیڑ بکریوں کو بند کردیا جاتا ہے اسی طرح سب کافروں کو اکٹھا کر کے جہنم میں بند کردیا جائے گا، یہ ان کے لئے باڑہ ہے، محصور کرنے کی جگہ اور قید خانہ ہے۔

بنی اسرائیل پر پیش آنے والے واقعات کی تفصیلات:۔

ان آیات میں بنی اسرائیل کے سامنے چند واقعات کی پیش گوئی کی گئی جو قرآن کریم کے اترنے سے پہلے اسی طرح ہوئے، تاریخی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سرور کائنات ﷺ تک بنی اسرائیل پر تقریباً چھ بڑے بڑے حادثے آئے ہیں، جن کے اندر قومی سطح پر ان کے اوپر بربادی آئی ہے لیکن ان میں سے دو ایسے تباہ کن ہیں کہ جس میں ان اسرائیلیوں کو بالکل ذلیل ورسواء کر کے رکھ دیا گیا، ایک واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے پیش آیا تقریباً پانچ سو چھیاسی سال پہلے، اس وقت عراق کے علاقہ میں جو نینوا اور بابل شہر ہیں ان کا حاکم بخت نصر تھا، وہ شام کے علاقہ پر چڑھ آیا تھا یہ بخت نصر خود کافر ہے، اب یہ اسرائیلی جن کے اوپر وہ چڑھ آیا ہے یہ وہ ہیں جو دعویٰ کرتے تھے نحن ابناء اللہ واحباءہ کہ ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، اللہ کی کتاب کے حامل

کہلاتے تھے، اللہ کے نبیوں اور رسولوں پر ایمان کا اظہار کرتے تھے لیکن یہ جب شرارتوں پر آئے تو جوان کے اوپر مسلط کیے گئے تو وہ مشرک اور کافر ہیں اور مشرکوں اور کافروں کے ہاتھ سے ان کی پٹائی کروادی اور پٹائی کرنے والوں کو عباداً لنا کے ساتھ تعبیر کیا کہ ہم نے اپنے بندے مسلط کردیے، تو یہ عباداً لنا ان کے مقبول ہونے کی علامت نہیں لیکن اللہ نے چونکہ اپنی تقدیر ان کے ذریعہ سے ظاہر کروائی اور وہ اللہ تعالیٰ کیلئے آلۂ کار بنے اس لئے ان کو عباداً لنا کے ساتھ تعبیر کیا کہ مخلوق ہونے کے اعتبار سے ہمارے بندے ہیں جس میں بنی اسرائیل کو یہ بتایا جارہا ہے کہ تم اپنے آپ کو شہزادے بنائے بیٹھے ہو، اللہ تعالیٰ کے محبوب بنائے بیٹھے ہو لیکن تم یہ دیکھو! جس وقت شرارت کروگے تو جن جوتوں کے ساتھ تمہاری پٹائی کروائی جائے گی ان جوتوں کی تو ہمارے ہاں کچھ قدر ہوگی اور تمہاری اتنی قدر بھی نہیں ہوگی جتنی ان جوتوں کی ہے، مشرکوں اور کافروں کے ہاتھ سے ان شہزادوں کو پٹوادیا جو اپنے آپ کو نحن ابناء الله واحباء ہٗ سمجھتے تھے اس سے زیادہ بڑھ کے دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو اعمال کی قدر ہے، نسبوں اور نسبتوں کو اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتے اور نسبوں اور نسبتوں کی بناء پر دنیا وآخرت میں غلبہ حاصل نہیں ہوتا یہاں تو دیکھنا یہ ہے کہ تم اللہ کے قاعدے اور قانون کے مطابق چلتے ہو یا نہیں، پھر ان کے ہاتھوں سے پٹائی جو کروائی تو یہ ان کی مقبولیت کی کوئی علامت نہیں اس کو بالکل اس طرح سمجھئے جس طرح دنیا کے اندر ایک بادشاہ ہے، بڑا آدمی ہے، اس کا بیٹا نافرمان ہوجائے، باغی اور سرکش ہوجائے تو اس کو بھنگیوں اور چوڑھوں سے جوتے لگوادیئے جاتے ہیں، تو جب بھنگی اس کو جوتے لگا رہا ہوتا ہے تو یہ اس بھنگی کے افضل ہونے کی علامت نہیں ہوتی لیکن اس بیٹے کے لئے بہر حال ذلت ہے کہ اس کو پٹوایا جارہا ہے، تو ان واقعات کے اظہار کے ساتھ ان کے اس غرور کو توڑا جارہا ہے جو سمجھتے تھے کہ ہم تو اللہ کے محبوب ہیں، کوئی ہم سے پوچھنے والا نہیں، ہم جو چاہیں کریں ہمیں تو بخش دیا جائے گا، تو ان واقعات کو اس لئے یاد دلایا جارہا ہے۔

پہلا واقعہ تو پانچ سو چھیاسی سال قبل از مسیح کا ہے اور پھر پانچ سو انتالیس سال قبل ذوالقرنین یہ بادشاہ ایران میں ہوا اور پھر اس نے بخت نصر کے سپاہیوں کو شکست دی اور یہ بنی اسرائیل کے لئے آزادی کا باعث بنا اور پھر انہوں نے آ کے دوبارہ بیت المقدس کو آباد کیا اور شہر آباد ہوا، یہ بہت بڑا واقعہ تھا کہ جس میں قومی سطح پر ان لوگوں کے اوپر بربادی آئی تھی اور جماعت کی جماعت ہی ذلیل ہوگئی۔

اور ایک واقعہ پیش آیا تھا عیسیٰ علیہ السلام کے مرفوع ہونے کے بعد تقریباً ستر عیسوی میں اس وقت شاہِ روم ان پر چڑھ آیا تھا اور یہ بھی بت پرست تھا، اس وقت تک ابھی انہوں نے عیسائیت قبول نہیں کی تھی، روم کے بادشاہوں نے عیسائیت بہت بعد میں قبول کی ہے، اس وقت یہ بیت المقدس پر چڑھ آئے، مسجد کو ویران کر دیا اور یہود کو بہت کثرت کے ساتھ قتل کیا، یہ بھی قومی سطح کے اوپر ان پر بربادی آئی تھی اور یہ مسجد جو ویران ہوئی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہ مسجد ویران رہی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پھر اس کو آباد کیا گیا تو یہ دو واقعے بہت نمایاں ہیں فساد کرنے کے ذکر میں مرتین جو آیا تو اکثر مفسرین نے انہی دونوں واقعوں کو اس کا مصداق بنایا اگر چہ چھوٹے موٹے واقعات اور بھی پیش آئے ہیں بقول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کہ اگر ان واقعات کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا جائے کہ ایک شریعت موسوی کی مخالفت کی بناء پر بربادی کا ذکر اور ایک شریعت عیسویٰ کی مخالفت کی بناء پر بربادی کا ذکر تو پھر یہ سارے واقعات ان دو مرتبوں کے اندر ہو سکتے ہیں کہ دو مرتبہ فساد کرو گے ایک مرتبہ شریعت موسوی کی مخالفت کے طور پر اور ایک مرتبہ عیسویٰ کی مخالفت کے طور پر، پھر تمہارے اوپر عذاب آئے گا تھوڑے تھوڑے عذاب بھی آئیں گے اور فیصلہ کن عذاب بھی آئیں گے جس میں تم قومی سطح پر ذلیل ہو جاؤ گے تو پھر ان سارے واقعات کو مرتین کے اندر یوں بھی سمیٹا جا سکتا ہے۔

اور مسجد اقصیٰ جس کا ذکر آیا اس کی ظاہری طور پر تعمیر کی نسبت حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف ہے جس طرح مسجد حرام کی تعمیر کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہے مشکوۃ شریف میں باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ کے اندر ایک روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے پہلی کونسی مسجد بنائی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد حرام اور کہا کہ اس کے بعد کونسی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد اقصیٰ، کہا کہ ان دونوں کے درمیان میں فاصلہ کتنا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چالیس سال، اس روایت کی طرف دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب ہے یہ پہلی تعمیر نہیں اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف جو تعمیر منسوب ہے یہ بھی پہلی تعمیر نہیں ہے، حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں مسجد حرام کی نشاندہی موجود ہوئی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو فرشتوں کے ہاتھوں آباد کروایا گیا ہو سکتا ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بیت اللہ کو تعمیر کیا اسی طرح اپنے دوسرے بیٹے کیلئے دوسرے مرکز بیت المقدس کو بھی تعمیر کیا ہو، بنی اسماعیل کو یہاں آباد کیا اور

بنی اسحاق کو یہاں آباد کیا، دو مرکز تعمیر ہو گئے ان تعمیروں کے درمیان میں چالیس سال کا فاصلہ ہو سکتا ہے ورنہ جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بناء کا ذکر ہے جو مشہور ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بناء کا ذکر ہے جو مشہور ہے ان کے درمیان میں تو ہزروں سال کا فاصلہ ہے۔

سبحانك اللّٰھم و بحمدك اشھد ان لااله الاانت استغفرك و اتوب الیك

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

بے شک یہ قرآن ہدایت دیتا ہے ایسے طریقہ کی جو سیدھا ہے اور خوشخبری دیتا ہے مؤمنین کو

الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ﴿٩﴾ وَّاَنَّ

جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بے شک ان کیلئے بڑا اجر ہے ﴿٩﴾ اور بے شک

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٠﴾

وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر تیار کررکھا ہے ہم نے ان کیلئے دردناک عذاب ﴿١٠﴾

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ

اور مانگتا ہے انسان برائی کو مثل مانگنے اس کے اچھائی کو اور انسان

عَجُوْلًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ

بہت جلد باز ہے ﴿١١﴾ اور ہم نے بنایا رات اور دن کو دو نشانیاں پھر ہم نے مٹا دیا رات کی نشانی کو

اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا

اور ہم نے کردیا دن کی نشانی کو روشن تاکہ تلاش کرو تم اپنے رب کا فضل

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ

اور تاکہ تم جان لو سالوں کی گنتی کو اور حساب کو اور ہر چیز کو ہم نے خوب اچھی

فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿١٢﴾ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ

طرح تفصیل سے بیان کردیا ﴿١٢﴾ اور ہر انسان ڈال دیں گے ہم اس کا اعمال نامہ اس کی گردن میں

وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ﴿١٣﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ

اور ہم نکالیں گے اس کیلئے قیامت کے دن ایک کتاب وہ اس کو کھلی ہوئی دیکھ لے گا ﴿١٣﴾ تو پڑھ لے اپنی کتاب

كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿١٤﴾ؕ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا

کافی ہے تو آج اپنا حساب کرنے کیلئے ﴿١٤﴾ جس نے ہدایت حاصل کرلی پس اس نے

يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ

ہدایت حاصل کی اپنے نفع کیلئے، اور جو شخص گمراہ ہوا پس اس کی گمراہی اسی پر ہی ہے اور نہیں اٹھائے گا

وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ اور نہیں ہم عذاب دیتے جب تک ہم بھیج نہ دیں رسول ﴿۱۵﴾

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا

اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہم ہلاک کریں کسی بستی کو تو ہم حکم دیتے ہیں اس کے عیش کرنے والے لوگوں کو پھر وہ نافرمانی کرتے ہیں اس میں

فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ

پس ثابت ہو جاتی ہے اس پر ہماری بات پھر ہم اس کو ہلاک کر دیتے ہیں اچھی طرح ہلاک کرنا ﴿۱۶﴾ اور کتنے ہی

الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا

قرنوں کو ہم نے ہلاک کیا نوح کے بعد اور کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کیلئے

بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ

دیکھنے کیلئے ﴿۱۷﴾ جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیا کے نفع کا ہم جلدی دیتے ہیں اسے اس دنیا میں جو ہم چاہیں

لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا

جس کیلئے ہم چاہیں پھر ہم بنا دیتے ہیں اس کیلئے جہنم وہ داخل ہوگا اس میں اس حال کہ مذمت کیا ہوا ہوگا

مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ

دھتکارا ہوا ہوگا ﴿۱۸﴾ اور جو شخص ارادہ کرتا ہے آخرت کا اور کوشش کرتا ہے اس کیلئے اس کے مناسب کوشش

مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ

اس حال میں کہ وہ مومن ہے پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر دانی ہوگی ﴿۱۹﴾ ہم دیتے ہیں ان کو بھی

وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾

اور اُن کو بھی تیرے رب کی عطا سے اور نہیں ہے تیرے رب کی عطا روکی ہوئی ﴿۲۰﴾

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۗ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ
تو دیکھ کیسے ہم نے فضیلت دی بعض کو بعض پر اور آخرت بڑی ہے
دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿٢١﴾
از روئے درجات کے اور بڑی ہے از روئے فضیلت کے ﴿٢١﴾

تفسیر

پہلی دو آیات کا مفہوم:۔

ان هذا القرآن يهدى للتى هى اقوم: بے شک یہ قرآن راہنمائی کرتا ہے للتی ھی اقوم کا معنیٰ ہے للطریقة التی هی اقوم ،اقوم اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اس کا صلہ محذوف ہے اور یهدی کا ایک مفعول بھی محذوف ہے، راہنمائی کرتا ہے لوگوں کی ایسے طریقہ کی طرف جو تمام طریقوں سے زیادہ درست اور سیدھا ہے، تمام طریقوں سے زیادہ ،تمام راستوں سے زیادہ سیدھا اور تمام راستوں سے زیادہ بے خطر اقوم کے مفہوم، کے اندر یہ ساری باتیں شامل ہیں جیسا کہ صراط مستقیم کے مفہوم میں نقل کیا جاتا ہے کہ جو کسی منزل تک پہنچانے کا سیدھا راستہ ہوتا ہے وہی تمام راستوں کے مقابلہ میں چھوٹا ہوتا ہے، جتنا راستہ ٹیڑھا ہوگا اتنا لمبا ہوگا تو صراط مستقیم کے مفہوم میں جہاں یہ بات آتی ہے کہ یہ راستہ سیدھا ہے وہاں یہ بات بھی ہوتی ہے کہ سب سے چھوٹا ہے جس پر چلنے میں زیادہ مشقت نہیں ہے اور اسی طرح سیدھا راستہ کامل طریقہ سے ہی ہوا کرتا ہے جو بے خطر بھی ہو ورنہ اگر کوئی راستہ مختصر اور سیدھا ہے لیکن اس میں خطرات ہی خطرات ہیں تو وہ اقوم نہیں قرآن ایسا راستہ بتاتا ہے جو راستہ بے خطر ہے اور راہنمائی کس کی کرتا ہے؟ تمام لوگوں کی و بشر المؤمنين الذين يعملون الصالحات اور بشارت دیتا ہے نیک لوگوں کو کہ ان کے لئے اجر کبیر ہے اور یہ کہ دردناک عذاب تیار کیا ہے منکرین آخرت کیلئے۔

ماقبل سے ربط:۔

شروع سورۃ میں سرور کائنات ﷺ کا معراج والا معجزہ منقول تھا جس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا کہ اب تمام امتوں کی قیادت و سیادت آپ کو ملنے والی ہے اور آپ دونوں قبلوں کے کمالات کے جامع ہوں گے اور اس کے بعد اہل کتاب کو خصوصیت کے ساتھ تنبیہ کی گئی تھی اور ان کے کچھ حالات کی خبر دی گئی تھی بنی اسرائیل

کا ذکر کرنے کے بعد پھر یہ دعوت الیٰ الایمان ہے کہ اس قرآن کو مانو۔

حضور ﷺ کی دلیل رسالت:۔

اور یہ سرور کائنات ﷺ کا مستقل معجزہ بھی ہے جو آپ کی حقانیت کی دلیل ہے اس لئے اس کو آپ دلیل رسالت کے طور پر بھی ذکر کر سکتے ہیں جس طرح پہلا واقعہ دلیل رسالت کے طور پر آیا اور اہل کتاب کے لئے دعوتِ ایمان کا عنوان بھی دے سکتے ہیں کہ ان کو جو بار بار کہا گیا تھا کہ اگر اچھے ہو جاؤ گے تو اپنے فائدہ کیلئے ہو جاؤ گے اور برائی کرو گے تو اپنے نقصان کیلئے کرو گے اگر تم سابقہ حالات کی طرف لوٹو گے تو ہم بھی اسی طرح سزا دینے کی طرف لوٹ آئیں گے، یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں ان کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم انسان بن جاؤ اور راہ راست پر چلو، اب اس دور میں اگر راہ راست معلوم کرنا چاہتے ہو تو یہ قرآن بتاتا ہے، اس قرآن کریم کو مانو اور اس قرآن کی اتباع کرو تو یہ سیدھا راستہ ہے جو بہت جلدی تمہیں منزل تک پہنچادے گا، اس قرآن کریم کے اترنے کے بعد جو دو طبقے پیدا ہو گئے مؤمنین صالحین اور کافرین بالآخرۃ دونوں کا ذکر کر دیا ایک کے لئے بشارت اور دوسرے کیلئے وعید ہے۔

انسان کی جلد بازی کی شکایت:۔

ویدع الانسان بالشر دعاءہٗ دعا یدعو، مانگنا بلانا، رسم الخط کے طور پر یدعُ کے بعد واؤ محذوف ہے اصل میں یدعو ہوتا ہے، قرآن کریم کے رسم الخط کے طور پر یہاں واؤ منقول نہیں ہے، انسان مانگتا ہے شر مثل مانگنے اس کے بھلائی کو و کان الانسان عجولاً اور انسان جلد باز ہے، عجول مبالغہ کا صیغہ ہے، اس کا تعلق ماقبل کے ساتھ یہ ہے کہ انسان کی سعادت تو یہ ہے کہ قرآن کریم کو مان لے، جو راستہ دکھاتا ہے اس راستہ پر چلنا شروع کردے لیکن قرآن کریم کے جو مخالفین تھے وہ قرآن کریم جیسے معجزہ کو کافی نہیں سمجھتے تھے، سرور کائنات ﷺ پر ایمان لانے کی بجائے وہ اپنے لئے اس قسم کے مطالبے کرتے تھے کہ جن چیزوں سے تو ہمیں ڈراتا ہے وہ ہمارے پاس لے آ، وہ عذاب ہمارے اوپر اتار دے، آسمان کے ٹکڑے ہمارے اوپر گرادے ہمارے اوپر دردناک عذاب لے آ اور سورت انفال میں آپ کے سامنے مشرکین مکہ کی دعا گذری تھی اللّٰھم ان کان ھذا ھوا الحق من عندك فامطر علینا حجارۃ من السماء اوأتنا بعذاب الیم اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہمارے اوپر پتھروں کی بارش برسا یا دردناک عذاب ہمارے پاس لے آ تو انسان کی یہ جو جلد بازی کی عادت ہے کہ نتیجہ نہیں سوچتا، انجام میں غور نہیں

کرتا، ناعاقبت اندیشی کے ساتھ اس طرح برائی طلب کرنے لگ جاتا ہے کہ جس طرح اس کو بھلائی مانگنی چاہئے، یہ اس جلد بازی کا نتیجہ ہے، یہ انسان کی شکوہ شکایت ہے کہ اس طرح ہونا نہیں چاہیے، انسان سے یہاں وہی کافر انسان مراد ہے اور شر سے وہی عذاب کا مانگنا مراد ہے جو سرور کائنات ﷺ کی صداقت کے نشان کے طور پر کہتے تھے کہ ہمارے پاس عذاب لے آؤ اس کے اوپر انسان کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اللہ سے جب مانگو بھلائی ہی مانگو جیسے بھلائی طلب کرنی چاہیے اس طرح شر طلب نہ کرو، یہ تمہاری جلد بازی ہے پھر بعد میں پچھتاؤ گے لیکن اس پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

رات اور دن کی تخلیق میں اللہ کی قدرت اور اس کے انعامات:۔

اور اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی طرف متوجہ کررہے ہیں کہ اگر تم معجزہ ہی دیکھنا چاہتے ہو، اللہ تعالیٰ کی قدرت کو ہی دیکھنا چاہتے ہو تو اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی ہے، ان کے لئے ایمان کی دعوت بھی ہے اور کفر بالآخرۃ کی بنیاد کو بھی محو اور ختم کیا جارہا ہے وجعلنا الیل والنھار آیتین بنایا ہم نے رات کو اور دن کو دو نشانیاں فمحونا آیۃ اللیل، آیۃ اللیل کے اندر اضافت بیانی ہے یعنی آیۃ کا مصداق ہی خود رات ہے پھر ہم نے مٹادیا رات کی نشانی کو یعنی جو نشانی رات ہے ہم نے اس کو دھندلا کردیا کہ اس میں وہ چمک اور روشنی نہیں وجعلنا آیۃ النھار مبصرۃ اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن بنادیا لتبتغوا فضلاً من ربکم تاکہ تم طلب کرو اللہ کے فضل کو، ان کی روشنی میں کام کرو، معاش تلاش کرو، رزق تلاش کرو، اللہ کا فضل تلاش کرو، فضل رب سے یہاں رزق مراد ہے، دن کو روشن بنانے کا مقصد تو ذکر کردیا کہ تم اس میں اللہ کا فضل تلاش کرو مقابلۃً فمحونا آیۃ اللیل کا مقصد یہاں محذوف ہے جس طرح بارہا آپ کے سامنے واضح کیا جاچکا ہے کہ قرآن کریم کی آیات میں لفظ کے قرینہ سے تقابل کے طور پر دوسری طرف محذوف نکال لیا جاتا ہے فمحونا آیۃ اللیل لتستریحوا ہم نے رات کی نشانی کی دھندلا کردیا تاکہ تم اس میں آرام کرسکو اور سکون حاصل کرسکو، رات کی تاریکی اور اس میں چمک کا موجود نہ ہونا یہ انسان کیلئے راحت اور سکون کا باعث ہے اس لئے جملہ حیوانات رات کو آرام کرتے ہیں اور دن کی تھکاوٹ دور کرلیتے ہیں، اصل فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ رات آرام کیلئے ہے اور سورج کی گرمی میں آدمی چست ہوتا ہے اور اپنے کام کاج میں لگتا ہے، رزق تلاش کرتا ہے اور جیسے ہی سورج غروب ہوا رات کی تاریکی آئی تو اس کو سکون اور

راحت حاصل ہوتا ہے اسلئے جتنی آسانی کے ساتھ آپ دن کو جاگ سکتے ہیں اتنی آسانی کے ساتھ رات کو نہیں جاگ سکتے اور سارے کے سارے حیوانات رات کو سکون کی طرف مائل ہوجاتے ہیں ولتعلموا عدد السنین والحساب یہ مجموعہ سے تعلق ہے کہ تاکہ جان لوتم سالوں کی گنتی اور حساب کو یعنی یہ دن اور رات کی دو نشانیاں کہ دن آتا ہے رات جاتی ہے، رات جاتی ہے تو دن آتا ہے یہ اوقات جو ادل بدل ہوتے ہیں اس مجموعہ سے مقصد یہ بھی ہے کہ تاکہ تم سالوں کی گنتی معلوم کرلو اور دوسرے چھوٹے موٹے حساب معلوم کرلو اگر وقت ایک ہی جیسا رہتا تو اوقات اور لین دین کا کوئی حساب نہ رہتا تو یہ دن رات جو آپس میں بدلتے ہیں ان کے ساتھ آپ کے لئے تمام حساب بھی آسان ہوگیا اور سالوں کی گنتی بھی آسان ہوگئی، جان لیتے ہیں کہ اتنی دفعہ رات آئی تو ایک ہفتہ ہوگیا اور پھر چار ہفتے گذر گئے تو ایک مہینہ ہوگیا اور بارہ مہینے گذرے تو ایک سال ہوگیا اس قسم کے تمہارے سارے حسابات دن رات کے آنے جانے کے ساتھ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر یہ حکمتیں رکھی ہیں اور یہ مضمون آپ کے سامنے سورہ یونس میں تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے۔

وکل شئ فصلناہ تفصیلا اور ہر چیز کو ہم نے کھول کھول کے بیان کردیا، وہ آفاقی علامت تھی اور یہ ہر چیز کو کھول کھول کے بیان کردیا یعنی اس کتاب میں، دینی ضرورتیں اس میں پوری کردیں جس طرح مادی اور دنیا کی ضرورتیں ان نشانیوں کے ساتھ پوری کی ہیں اس طرح دینی ضرورتیں ان آیات کے ساتھ پوری کردیں جو اللہ تبارک تعالیٰ نے کتاب کے اندر اتاری ہیں۔

ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا طوق ہوگا:۔

وکل انسان الزمنہ طائرہ فی عنقہ: ہر انسان چمٹا دیا ہم نے اس کو اس کا طائر، طائر کا لفظی معنیٰ پرندہ، اڑنے والا، عرب کے اندر چونکہ رواج تھا کہ پرندوں کو اڑا کے یہ لوگ فال لیا کرتے تھے، جس وقت گھر سے کسی کام کے لئے نکلتے تھے کوئی پرندہ سامنے آجاتا کسی پرندہ کو باعث برکت سمجھتے تھے اور کسی کو منحوس سمجھتے تھے اور اگر پرندہ دائیں طرف کو اڑ گیا تو سمجھتے تھے کہ ہمارا مقصد حاصل ہوجائے گا اور اگر بائیں طرف کو اڑ گیا تو سمجھتے تھے کہ یہ کام نہیں ہوگا جس کو حدیث شریف کی کتابوں میں تطیر کی ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، تطیر کا لفظ بھی طائر سے ہی لیا گیا ہے اس لئے طائر کا لفظ مطلق عمل کے ساتھ بھی اس کا ترجمہ کیا گیا ہے کہ انسان کا عمل ہم نے اس کی گردن میں لٹکا رکھا ہے

یعنی ہر شخص پر اس کے کیئے کی ذمہ داری ہے، جو کام وہ کرے گا اس کے گلے میں اسی کا ہار ہے، وہ اس کے ساتھ چمٹا ہوا ہے نہ اس کے کردار کی ذمہ داری کسی دوسرے پر آتی ہے اور نہ اپنے کردار کی ذمہ داری سے بچ سکتا ہے، ہر شخص کے عمل کو ہم نے اس کے گلے کا ہی ہار بنا دیا، وہ عمل اس کی گردن میں لٹکا ہوا ہے۔

اور اسی طرح طائر کا معنیٰ قسمت اور نصیب کیا گیا ہے کہ ہر انسان کے لئے لازم کر دیا ہم نے اس کا نصیب اس کی گردن میں، ونخرج له یوم القیامة کتابا اور نکالیں گے ہم اس انسان کے لئے قیامت کے دن ایک تحریر کتاب سے کتاب اعمال مراد ہے جس کو ہم نامہ اعمال کہتے ہیں، ہم اس کے لئے قیامت کے دن ایک تحریر نکالیں گے یلقاہ منشورا ملاقات کرے گا انسان اس کتاب کے ساتھ اس حال میں کہ وہ کھلی ہوئی ہوگی، کھلا ہوا نامہ اعمال اس کے سامنے آ جائے گا، جو کچھ اس نے زندگی میں کیا ہے اس کی گردن پر لٹکا ہوا ہے اور اس کیلئے لازم ہے، اس کی تفصیل قیامت کے دن کھلی ہوئی سامنے آ جائے گی، اس دن پتہ چل جائے گا کہ کیا کیا اور کیا نہیں کیا۔

جس وقت کھلی کتاب اور نامہ اعمال واضح طور پر سامنے آ جائے گا تو کہا جائے گا اقرأ کتابك اپنی کتاب کو پڑھ لے، اپنے نامہ اعمال کو پڑھ لے تجھے پتہ چل جائے گا کہ زندگی میں کیا کر کے آیا ہے کفیٰ بنفسك الیوم علیك حسیباً کافی ہے تیرا نفس ہی تجھ پر آج کے دن حساب لینے والا، ہمیں تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ تو اچھا ہے یا برا، تیرے سامنے اچھا نتیجہ آنے والا ہے یا برا نتیجہ آنے والا ہے، ہمیں حساب لینے کی ضرورت ہی نہیں اس اپنی تحریر کو پڑھ کے خود ہی سوچ کہ تو کیسا تھا؟ کیسا نہیں تھا اور تیرے ساتھ کیا ہونا چاہیے اور کیا نہیں ہونا چاہیے، آج خود ہی تو اپنے نفس کے اوپر حساب لینے والا کافی ہے۔

بغیر تنبیہ کے اور بغیر رسول کے مبعوث ہونے کے کسی کو عذاب نہیں دیا جائے گا:۔

من اهتدیٰ فانما یهتدی لنفسه: دنیا کے اندر رہتے ہوئے جو شخص سیدھا راستہ اختیار کرتا ہے، سیدھا راستہ وہی ہے جس کی طرف راہنمائی قرآن کریم کرتا ہے تو اس کے ماسواء کچھ نہیں کہ وہ سیدھا راستہ اختیار کرتا ہے اپنے ہی فائدہ کیلئے ومن ضل اور جو شخص سیدھے راستہ سے بھٹکتا ہے فانما یضل علیها تو اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہ وہ بھٹکتا ہے اپنے ہی نقصان پر۔ ہدایت ضلالت ان دونوں کی ذمہ داری انسان پر ہے اگر وہ ہدایت اور سیدھا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کا فائدہ ہے اور اگر وہ بھٹکتا ہے تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑتا اس کا وبال اسی پر ہی آئے گا

ولا تزر وازرة وزر اخرىٰ، یہ اس مضمون کی تفصیل ہے جو الزمناه طاهرهٗ في عنقه کے اندر آیا کہ ہر انسان اپنے عمل کا خود ہی ذمہ دار ہے، نہیں اٹھائے گا، کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے نفس کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، ہر شخص نے اپنے عملوں کا بوجھ خود ہی اٹھانا ہے اور اس کے کیئے کا جو انجام ہوگا خود اس کے سامنے آئے گا، وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً اور نہیں ہیں ہم عذاب دینے والے جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں، ہم نے عادت یہی بنا رکھی ہے کہ بغیر تنبیہ کرنے کے، بغیر سمجھانے کے ہم کسی کو سزا نہیں دیا کرتے، اس میں بھی ان کو کہا جا رہا ہے کہ اب کان کھول لو، تمہارے پاس بھی رسول آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی سے اتمام حجت ہوگئی، جس وقت تک کوئی سمجھانے والا نہ آئے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی کا معاملہ رہتا ہے، عذاب نہیں آتا لیکن جب سمجھانے والا آجائے اور آ کے ساری بات سمجھا دے پھر اگر لوگ بغاوت اور سرکشی پر اتر آئیں اور اللہ کے احکام کو نہ مانیں تو پھر ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہوتا پھر ہم انہیں ہلاک کر دیتے ہیں اور جب تک ہم رسول نہ بھیجیں اس وقت تک ہم عذاب دینے والے نہیں یہی وجہ ہے کہ فترت کا زمانہ جس میں رسول نہ آئے یا ایسے لوگ جو پہاڑوں اور جنگلات میں موجود ہوں اور جن تک رسول کی رسائی نہیں ہے وہ کسی درجہ میں معذور ہیں لیکن عقیدہ توحید کے بارے میں معذور نہیں کیونکہ یہ عقل کے تقاضہ سے سمجھنے کی بات ہے کہ ہمارا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہ پیدا کرنے والا ایک ہے، یہ عقیدہ عقل ہے ہاں علماء نے اتنا لکھا ہے کہ اس عقیدہ کے بارے میں بھی اس بات کی رعایت رکھی جائے گی کہ اس کی عقل کامل ہو، اس لئے اگر اس کی عقل میں نقص ہے تو پھر وہ اس عقیدہ کو بھی اختیار کرنے کا مکلّف نہیں یہی وجہ ہے کہ نابالغی کے زمانہ میں بچہ جس کی عقل ناقص ہوتی ہے وہ مکلّف نہیں ہے، مشرکین وکافرین کے بچے جو نابالغی کے زمانہ میں مرجاتے ہیں وہ اس لئے مکلّف نہیں کہ اس وقت تک ان کی عقل بھی کامل نہیں ہوتی اس لئے وہ مکلّف نہیں اور مخاطب بھی نہیں ہیں، عقل مل جائے اور پھر اس کو سوچنے کا موقعہ مل جائے تو پھر عقیدہ توحید کے بارے میں انسان معذور نہیں اور اس کے علاوہ عملی زندگی کا مکلّف نہیں کیونکہ احکام اپنی عقل کے ساتھ معلوم نہیں کیے جاسکتے کہ اللہ تعالیٰ کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا، یہ اللہ کا رسول ہی بتائے گا یا اللہ کے رسول کے نمائندے بتائیں گے، اور اس کے بعد پھر انسان کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہتا اگر پھر بھی وہ بدعملی اور بدکرداری کو اختیار کرتا ہے تو وہ ہلاک کر دیا جاتا ہے، سرور کائنات ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے عرب کا علاقہ

رسول سے خالی ہے، وہاں کوئی اور رسول نہیں آیا کیونکہ بنی اسرائیل کے تمام رسول شام میں رہے، بنی اسرائیل کو سمجھانے میں مشغول رہے، مشرکین مکہ کے پاس کوئی رسول نہیں آیا، جیسا کہ قرآن کریم میں خود مذکور ہے لتنذر قوماً ماانذر آباءھم تا کہ تو ایسے لوگوں کو ڈرائے جن کے آباء کو ڈرایا نہیں گیا اس لئے سرور کائنات ﷺ کے تشریف لانے سے قبل جو لوگ وہاں موجود تھے اگر وہ شرک کے مرتکب نہ ہوں، توحید کا عقیدہ رکھتے ہوں باقی عملی زندگی کیسی ہی کیوں نہ ہو تو ان کے لئے مغفرت کی توقع ہے تو مکہ معظمہ میں بعض حضرات ایسے تھے کہ وہ عقیدہ توحید پر قائم تھے اور شرک میں مبتلاء نہیں تھے جیسا کہ ورقہ بن نوفل کا ذکر حدیث میں موجود ہے اور اسی طرح بعض دوسرے حضرات بھی تھے تو ان کے لئے مغفرت کی توقع ہے اور البتہ جو شرک کا ارتکاب کرے یہ چونکہ خلاف عقل ہے اس بات کے اوپر پکڑے جائیں گے چاہے اللہ کا رسول نہ ہی آیا ہو اور پھر یہ معقول چیز ہے کہ اس عقیدہ کے سمجھنے کیلئے عقل کافی ہے اور کتنا تجربہ کافی ہے وہ اللہ کے علم میں ہے کہ ان کو تجربہ کا موقع ملا یا نہیں ملا، ان کی عقل اس کیلئے کامل تھی یا نہیں، یہ تفصیل اللہ کے سامنے اور اسی علم کی بناء پر اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے برتاؤ فرمائیں گے جن کے پاس کوئی نہیں آیا تھا، گویا کہ اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ اپنے اعمال کا جائزہ لو اور یہ نہ سمجھنا کہ ہمیں فلاں چھڑا لے گا یا ہمارے کردار و عمل کی ذمہ داری فلاں پر ہے ہر کسی کی قسمت، ہر کسی کا نصیب اسی کے گلے کا ہار ہے اور اس کی تفصیل قیامت کے دن اس کے سامنے رکھ دی جائے گی اور اس دن کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دیتے جب تک کوئی رسول نہ آئے اور جب اللہ کا رسول آجاتا ہے پھر اگر کوئی نہیں سمجھتا تو پھر اس کو عذاب دے دیا کرتے ہیں

اللہ کے احکام کے سب سے پہلے مخاطب حکام اور مقتداء ہوتے ہیں:۔

اور اسی مضمون کے ساتھ تعلق ہے اگلی آیات کا واذا اردنا ان نهلك قرية، یہ ایک عادت ذکر کی جا رہی ہے جب ہم ارادہ کرتے ہیں کسی بستی کو ہلاک کرنے کا یعنی بستی بدکرداری میں مبتلا ہے اور ہم اس کو تباہ کرنا چاہیں تو ہم پہلے ان کے اوپر اتمام حجت کرتے ہیں، امرنا مترفیها، مترفیها یہ مضاف مضاف الیہ ہے فی جارہ نہیں ہے، مترفین اتراف سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اور پھر اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، مترف خوشحال آدمی کو کہتے ہیں جس کو راحت اور آرام دیا گیا ہو خوشحالی دی گئی ہو، حکم بھیجتے ہیں ہم اس بستی کے خوشحال لوگوں کے پاس، وہاں جو سرمایہ

داراور خوشحال قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں کیونکہ بستی کی قیادت انہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور غریب طبقہ عموماً امیر لوگوں کے تابع ہوتا ہے، اسلئے اللہ کے احکام میں مخاطب سب سے پہلے انہی لوگوں کو کیا جاتا ہے جن کو قیادت و سیادت حاصل ہوتی ہے، جن کے اثرات دوسروں پر واقع ہوتے ہیں، انبیاء سب سے پہلے آ کے انہی کو ہی خطاب کرتے ہیں، ان بڑے لوگوں کو ہی سمجھاتے ہیں جن کو اپنی بستی کے اندر قیادت حاصل ہوتی ہے، جو دوسروں کے اوپر انداز ہوتے ہیں، اگر یہ سمجھ جائیں تو پھر چھوٹوں کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور بڑی رکاوٹ انہی کی طرف سے ہی ہوتی ہے اور جب یہ فسق و فجور میں مبتلاء ہو جائیں، عیش آرام میں مبتلاء ہو جائیں، اللہ کے احکام کی پروانہیں کرتے تو اکثر و بیشتر نچلے طبقہ کے لوگ بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو جاتے ہیں تو حکام اور مقتداء قسم کے لوگ یہی صلاح کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور یہی فساد کے ذمہ دار ہوتے ہیں، اگر یہ اچھے ہو جائیں تو عوامی آبادی کے اندر اچھائی پھیلتی ہے اور اگر یہ بدمعاش ہوں، برائیوں کا ارتکاب کرنے والے ہوں تو آبادیوں کے اندر برائیاں پھیلتی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ اپنی کلام میں سب سے پہلے ان کے پاس اپنے احکام بھیجتے ہیں **ففسقوا فیہا** پھر وہ اس بستی میں نافرمانی کرنے لگ جاتے ہیں، فسق و فجور میں مبتلاء ہو جاتے ہیں، **فحق علیہا القول** پھر اس بستی پر ہماری بات ثابت ہو جاتی ہے، اتمام حجت ہو گیا **فدمرنا ھا تدمیرا** پھر ہم اس کو تہس نہس کر دیتے ہیں، پھر ہم اس کو نیست نابود کر دیتے ہیں اچھی طرح نیست نابود کرنا جب وہاں خوشحال طبقہ فسق و فجور میں مبتلاء ہو جاتا ہے اور ہمارے احکام کی رعایت نہیں رکھتا اور ان سے نچلے طبقہ کے لوگ بھی فسق و فجور میں ان کے معاون بن جاتے ہیں تو ایسی صورت میں ہم اس بستی کو ہی برباد کر دیتے ہیں۔

نمونہ دکھانے کے لئے گذشتہ تاریخ کا حوالہ:۔

اگر نمونہ دیکھنا ہے تو پچھلی تاریخ کا مطالعہ کرو **وکم اھلکنا من القرون من بعد نوح**، کتنی ہی جماعتیں ہم نے ہلاک کیں نوح کے بعد یعنی نوح علیہ السلام کے زمانہ میں مخالفین کا ہلاک ہونا یہ تو بہت نمایاں ہے، ایک طوفان آیا جس نے سب کو ڈبو کے مار دیا اور نوح علیہ السلام کے بعد کتنی جماعتیں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا **وکفی بربک بذنوب عبادہ خبیراً بصیراً**، کفی کا فاعل ربک ہے اور اس کے اوپر باجارہ زائدہ ہے کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا، خبیر و بصیر ہونے کے اعتبار سے، اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے اعتبار سے اور ان کے احوال کو

دیکھنے کے اعتبار سے تیرا رب کافی ہے، اس کو کسی اور کی ضرورت نہیں وہ خود خبیر بصیر ہے جس کے سامنے ہر حال ہے،

دنیا کی تقسیم کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ضابطہ:۔

من کان یرید العاجلة عجلنا له فیها مانشاء لمن نرید ، جو شخص ارادہ کرتا ہے عاجلۃ کا، عاجلۃ دنیا کا نام کیونکہ دنیا کا لفظ بھی دنا یدنو سے قریب ہونے کے معنیٰ میں ہے، آخرت کے مقابلہ میں دنیا کا لفظ وہ ہماری زندگی کے اعتبار سے قریب ہے جس سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں یہ دنیا ہے اور جو اس سے پیچھے آنے والی ہے وہ آخرت ہے، اسی طرح یہاں رہتے ہوئے جو چیز ہمیں جلد حاصل ہوتی ہے اس کو عاجلۃ کے ساتھ بھی تعبیر کر دیتے ہیں تو یہاں عاجلۃ سے دنیا مراد ہے، جو شخص ارادہ کرتا ہے عاجلۃ کا یعنی اس دنیا کی عیش وعشرت کا، عزت کا جاہ کا عجلناله فیها ہم جلدی دے دیتے ہیں اس کو اس دنیا میں، کیا دے دیتے ہیں؟ مانشاء جو ہم چاہتے ہیں، کس کو دے دیتے ہیں؟ لمن نرید جس کے متعلق ارادہ کرتے ہیں، ذرا اچھی طرح دیکھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں دنیا کی تقسیم کا کیا ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ دنیا کے بارے میں ہم نے یہ عادت بنا رکھی ہے کہ اگر کسی شخص کی ساری کوشش کا حاصل یہی ہے کہ دنیا کمالے، اس کا اُٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، کام کرنا، حرکت کرنا سب اسی عاجلۃ کے ارادہ سے ہے، وہ اپنی دنیا کو آباد کرنا چاہتا ہے تو ہم اس دنیا میں دیتے ہیں لیکن اتنا دیتے ہیں، جتنا ہم چاہتے ہیں، اتنا نہیں دیتے جتنا انسان چاہتا ہے اور یہ ایک بین حقیقت ہے کہ انسان اپنے لئے جو چاہئے وہ نہیں ملتا، ملتا اتنا ہی ہے جتنا اللہ چاہتا ہے ہر شخص کامیاب نہیں ہوتا، دیتے ہم اس کو ہیں جس کو ہم چاہتے ہیں، مانشاء لمن نرید یہ قیدیں ہوگئیں، اس لئے دنیا کے بارے میں کوشش کرنے کے نتیجہ میں انسان کی کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں ہے، انسان کمانے کے لئے ساری زندگی سر کھپاتا ہے تو بھی اس کو پیٹ بھر کے روٹی نصیب نہیں ہوتی ایک جاہ اور مرتبہ حاصل کرنے کیلئے ساری زندگی الیکشن لڑتا رہتا ہے لیکن اس کو کرسی نہیں ملتی، جتنا انسان چاہتا ہے اتنا اس کو نہیں ملتا، جو چاہتا ہے وہ نہیں ملتا، بلکہ جتنا اللہ چاہتے ہیں اتنا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں اس کو دیتے ہیں ورنہ اگر انسان اپنی خواہش کے مطابق حاصل کرسکتا تو دنیا کے اندر کوئی غریب نہ رہتا اور ہر شخص اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا سرمایہ دار بننے کی کوشش کرتا لیکن یہاں ساری زندگی کھپا دیتے ہیں، ہر تدبیر اختیار کرتے ہیں لیکن پھر بھی رہتے اس ٹھکانہ پر ہیں جہاں اللہ رکھتا ہے، دنیا کے بارے میں تو ہمارا ضابطہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص صرف دنیا کا ارداہ کرے اور اس کے

لئے اپنی پوری کوشش صرف کرتا ہے تو ہم اس کو دنیا میں دیتے ہیں جلدی لیکن یہ تو دنیا کا تھا، آخرت کا ارادہ اس نے کیا ہی نہیں، آخرت پر تو وہ ایمان ہی نہیں لایا تو آخرت کا معاملہ صفر ہے پھر ہم اس کے لئے جہنم بنادیں گے یصلھا مذموماً مدحوراً وہ داخل ہوگا اس جہنم میں اس حال میں کہ برائی کیا ہوا ہوگا اور دھتکارا ہوا ہوگا، اس کو برا قرار دے کے، دھتکارا ہوا قرار دے کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا،

آخرت چاہنے والوں کا بدلہ:۔

ومن اراد الآخرۃ: اور اس کے مقابلہ میں جو شخص ارادہ کرے آخرت کا، اپنی کوشش میں اس کی نیت آخرت حاصل کرنے کی ہے، اراد الآخرۃ کے اندر حسن نیت ہے کہ عمل جو کرتا ہے تو آخرت کے ارادہ سے کرتا ہے اور صرف ارادہ ہی کافی نہیں وسعیٰ لھا اور پھر آخرت کو حاصل کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے یہ عملی زندگی آ گئی اور پھر عمل اپنی تجویز کے مطابق نہیں سعیھا جس قسم کی کوشش آخرت کے لائق ہے، کوشش کرتا ہے آخرت کے لئے آخرت کے لائق، آخرت کے مناسب کوشش کرتا ہے، آخرت کے مناسب کوشش وہ ہے جس کی راہنمائی قرآن اور سنت نے کی ہے یعنی دنیا کے اندر تو آپ سمجھتے ہیں کہ ہل چلانا، فصل بونا یہ غلہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہے لیکن آخرت میں کامیابی کن اصولوں سے ہوگی ان کو آپ اپنے طور پر نہیں سمجھ سکتے، ان کو اللہ اور اللہ کا رسول ہی بتائے گا کہ اس کام کو اس طرح کرو گے تو آخرت میں اس کا ثمرہ اچھا نکلے گا تو سعیٰ لھا سعیھا کا یہ مطلب ہوا کہ وہ عملی زندگی آخرت کے مناسب ہو یعنی اس طریقہ پر ہو کو طریقہ اللہ اور اللہ کے رسول نے واضح کیا ہے اس لئے سعیھا کا مناسب ترجمہ اگر آپ کر سکتے ہیں تو اتباع سنت کے ساتھ کر سکتے ہیں کہ اس کی کوشش سنت کے مطابق ہو، عمل اگر آخرت کے ارادہ سے کرے لیکن اپنی تجویز کے ساتھ کرتا ہے جس طرح بدعتی کرتے ہیں کہ اپنے طور پر ایک کام تجویز کر لیا اور اس کے مطابق کوشش شروع کر دی تو وہ کوشش اس کو آخرت کی طرف نہیں لے جائے گی بلکہ اس کی منزل دوسری طرف قرار دیدی جائے گی، جتنی ہمت اور کوشش کرے گا اپنی منزل سے دور ہٹتا چلا جائے گا، غلط راستہ اختیار کر لینے کی صورت میں انسان جتنا دوڑتا ہے اتنا اپنے گھر سے دور جاتا ہے، اب ایک شخص ارادہ تو آخرت کا کرتا ہے کہ اللہ کی رضا حاصل ہو اور آخرت کی نجات حاصل ہو جائے لیکن طریقہ اللہ کی ناراضگی کا اپنالیا، اپنے متعلق چاہے اس نے کتنا ہی اچھا خیال کیوں نہ رکھا ہو لیکن جب طریقہ غلط ہے تو وہ منزل تک نہیں پہنچے گا بلکہ دور ہوتا

چلا جائے گا تو بدعت جو ہے جو انسان اپنی طرف سے تجویز کر کے بعض اعمال کو اختیار کر لیتا ہے چاہے وہ نیکی کے جذبہ کے ساتھ ہی کیوں نہ کرے، اللہ کی رضا حاصل کرنے کے جذبہ کے ساتھ ہی کیوں نہ کرے لیکن وہ راستہ غلط ہے اس لئے جتنا اس کے اوپر چلے گا آخرت حاصل ہونے کی بجائے آخرت سے دور چلا جائے گا،

توسعیھا کے لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس آخرت کے لئے آخرت کے مناسب کوشش کرے جو اللہ اور اللہ کے رسول نے بتائی ہے کہ یوں کرو گے تو آخرت میں یہ ثواب ملے گا، یوں کرو گے تو یہ ثواب ملے گا، اپنے طور پر اگر کام تجویز کر لئے توسعیھا کا مصداق نہیں ہے، تو اراد الآخرۃ میں حسن نیت آ گئی، سعیٰ لھا سعیھا کے اندر عملی زندگی آ گئی وہ بھی اتباع سنت کے ساتھ، وھو مؤمن یہ عقیدہ کی اصلاح آ گئی شرط یہ ہے کہ مؤمن بھی ہو، اگر ایمان نہیں تو عملی زندگی کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو وہ آخرت کے لئے کوشش نہیں ہے، اس کا کوئی عمل قبول نہیں تو تین باتیں آ گئیں حسن نیت، حسن عمل اور صحت عقیدہ جب کوئی شخص یہ تین چیزیں اختیار کرے تو فاولئك کان سعیھم شکوراً یہاں پھر یہ نہیں ہے کہ اللہ جس کو چاہے گا دے گا، جتنا چاہے گا دے گا نہیں، بلکہ اس کی کوشش کی قدر کی جائے گی، یہی لوگ ہیں کہ جن کی کوشش کی قدر کی جائے گی، ان کی سعی مشکور ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اوپر اجر و ثواب دیں گے،

دنیا کی نعمتیں ہر کسی کو ملتی ہیں:۔

کلا نمد ھؤلاء وھؤلاءِ یہ دو گروہ بن گئے ایک آخرت کے چاہنے والے اور ایک دنیا کے چاہنے والے، جہاں تک دنیا کے رزق اور دنیا کی ضرورت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہمارے ہاں کوئی فرق نہیں ہم ان کو بھی دیتے ہیں، ان کو بھی دیتے ہیں، وقت نیکوں کا بھی گزرتا ہے، وقت بروں کا بھی گزرتا ہے، مؤمنوں کا بھی گزرتا ہے، کافروں کا بھی گزرتا ہے، جو آخرت کو چاہتے ہیں ان کو بھی گزرتا ہے، جو دنیا چاہتے ہیں ان کا بھی گزرتا ہے، ہر کسی کو دیتے ہیں ہم ان کو بھی اور ان کو بھی تیرے رب کی عطاء سے، تیرے رب کی عطا ان کو بھی ملتی ہے اور ان کو بھی ملتی ہے، اس عطا سے مراد دنیا کا رزق ہے، دنیا کے اندر رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ دونوں فریقوں کو دیتے ہیں وما کان عطاء ربك محظوراً تیرے رب کی عطا دنیا کے اندر روکی ہوئی نہیں ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جس نے دنیا کا ارادہ کر لیا اس کو آخرت سے تو صاف جواب مل گیا، اس کے لئے تو آخرت میں سوائے جہنم کے کچھ نہیں

ہے لیکن جو کوئی آخرت کا ارادہ کئے ہوئے ہے اس کو دنیا میں جواب نہیں دیا کہ جو آخرت کے لئے کوشش کرے اس کو صرف آخرت میں دیں گے، دنیا میں نہیں دیں گے یہاں یہ بات نہیں ہے اگر کوئی شخص ارادہ آخرت کئے ہوئے ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے، عقیدہ اس کا صحیح ہے تو اس کو یہ جواب نہیں کہ اس کو دنیا میں کچھ نہیں ملے گا، اس کے سارے عمل کا نتیجہ آخرت میں ہوگا ایسی بات نہیں، دنیا میں اللہ ان کو بھی دیں گے، اور ان کو بھی دیں گے، جو دنیا چاہتے ہیں اللہ ان کو بھی دیتے ہیں اور جو آخرت چاہتے ہیں ان کو بھی دیں اور ان کو بھی دیتے ہیں، دنیا کے اندر رہتے ہوئے اللہ کی عطا ممنوع نہیں ہے، نہ نیکوں سے رکی ہوئی ہے اور نہ بروں سے، رزق دونوں کو ملتا ہے، دنیا کی ضرورتیں دونوں کی پوری کی جاتی ہیں، ہاں البتہ آخرت کے اعتبار سے تقسیم ہوگی دنیا چاہنے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور آخرت چاہنے والوں کو اس کا بدلہ آخرت میں دیا جائے گا،

گذشتہ دعویٰ کی دلیل:۔

انظر کیف فضلنا بعضھم علیٰ بعض، خیال کرتو کیسے ہم نے فضیلت دی بعض کو بعض پر، پیچھے جو آیا تھا مانشاء لمن نرید کہ ہم جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں، جو چاہتے ہیں دیتے ہیں یہ درجات کا تفاوت ہمارے اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ ہم نے کسی کو بڑھا دیا اور کسی کو گھٹا دیا، کسی کے پاس زیادہ ہے، کسی پاس تھوڑا ہے ورنہ ارادہ کے اعتبار سے کون ہے جو کم پر اکتفاء کرے اگر انسان کے ارادہ پر ہی دنیا کی کامیابی ہوتی تو سارے ہی آگے بڑھ جاتے لیکن دیکھو ہم نے کس طرح درجات کا فرق رکھا ہے کہ کسی کے پاس زیادہ ہے، مال میں فرق ہے، جاہ میں فرق ہے صحت کے اعتبار سے فرق ہے، صلاحیتوں کے اعتبار سے فرق ہے، باقی جہاں تک آخرت کی بات ہے وللاخرۃ اکبر درجات، آخرت درجات کے اعتبار سے بہت بڑی ہے واکبر تفضیلاً اور فضیلت کے اعتبار سے بہت بڑی ہے، دنیا و آخرت کا کوئی مقابلہ نہیں، آخرت کے درجات بھی بڑے اور آخرت کی فضیلت بھی زیادہ ہے، اسلئے آخرت حاصل کرنے کی کوشش کرو، اپنی ساری صلاحیتیں دنیاوی مفاد کے لئے صرف نہ کرو، اس میں تمہارا خسارا ہے ،ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آخرت پر ایمان لانے کی ترغیب دی ہے، اور جو اپنی ساری توجہ دنیا کی طرف ہی کئے ہوئے ہیں اور دنیا کو ہی اپنا قبلہ بنائے ہوئے ہیں ان کے لئے خسارا کی نشاندہی کی ہے۔

سبحانك اللھم و بحمدك اشھد ان لااله الا انت استغفرك و اتوب الیك

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع

تو نہ بنا اللہ کے ساتھ دوسرا معبود پس تو بیٹھ رہے گا مذمت کیا ہوا بے یارو مددگار ﴿۲۲﴾

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ

اور حکم دیا تیرے رب نے کہ نہ عبادت کرو تم مگر اسی کی اور والدین کے ساتھ

اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا

اچھا سلوک کرو اگر پہنچ جائیں تیرے پاس بڑھاپے کو ان میں سے ایک یا دونوں

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا

پس تو نہ کہا کر ان کو اُف بھی اور نہ ان کو جھڑکا کر اور کہا کر ان

كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ

کو نرم بات ﴿۲۳﴾ اور جھکا دے ان کیلئے شفقت کے بازو رحمت سے اور کہا کر اے میرے رب! تو ان دونوں

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ؕ

پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے پالا بچپن میں ﴿۲۴﴾ تمہارا رب خوب جانتا ہے ان چیزوں کو جو تمہارے دلوں میں ہیں

اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَ اٰتِ

اگر ہوئے تم نیک تو بے شک وہ رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے ﴿۲۵﴾ اور دے تو

ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾

رشتہ دار کو اس کا حق اور مسکین کو اور مسافر کو اور فضول خرچی بہت مت کر ﴿۲۶﴾

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ

بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان

لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ

اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے ﴿۲۷﴾ اگر تو اعراض کرے ان سے اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں

تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً

جس کی تو امید رکھتا ہے تو کہا کر ان کو نرم بات ﴿۲۸﴾ اور نہ بنا اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن کی طرف

اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

اور نہ اس کو بالکل ہی کھول دے پس تو بیٹھ رہے گا ملامت کیا ہوا خالی ہاتھ ﴿۲۹﴾

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

بے شک تیرا رب فراخ کرتا ہے رزق کو جس کیلئے چاہتا ہے اور تنگ بھی کرتا ہے بے شک وہ اپنے بندوں کی

خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ

خبر رکھنے والا ہے دیکھنے والا ہے ﴿۳۰﴾ اور نہ قتل کرو تم اپنی اولاد کو تنگ دستی کے خوف سے، ہم

نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا

رزق دیتے ہیں انہیں اور تمہیں بھی بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے ﴿۳۱﴾ اور نہ قریب جاؤ

الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

زنا کے بے شک وہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے ﴿۳۲﴾ اور نہ قتل کرو کسی نفس کو

الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا

جس کو حرام قرار دیا ہے اللہ نے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص قتل کیا گیا مظلوم ہونے کی حالت میں

لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

تو ہم نے بنا دیا اس کے ولی کیلئے تسلط پس وہ حد سے تجاوز نہ کرے قتل کرنے میں بے شک اس کی مدد کی جائے گی ﴿۳۳﴾

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ

اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقہ کے ساتھ جو اچھا ہے جب تک وہ پہنچ نہ جائے

اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْــُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا

اپنی جوانی کو اور تم پورا کرو عہد کو بے شک وعدہ کے متعلق پوچھا جائے گا ﴿۳۴﴾ اور تم پورا کرو

الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ

کیل کو جب تم کیل کرو اور وزن کرو صحیح انصاف کے ساتھ، یہ بہتر ہے

وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ

اور اچھا ہے ازروئے انجام کے ﴿۳۵﴾ اور تو پیچھے نہ پڑ اس چیز کے جس کا تجھے علم نہیں ہے بے شک کان

وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـــُٔوْلًا ﴿۳۶﴾

اور آنکھ اور دل ہر ایک کے بارے میں سوال ہوگا ﴿۳۶﴾

تفسیر

شرک کی مذمت:۔

لا تجعل مع الله الٰهاً آخر، نہ بنا تو یہ خطاب ہر مخاطب کو ہے نہ بنا تو اللہ کے ساتھ اور معبود، اللہ کے ساتھ اور معبود قرار نہ دے فتقعد مذموماً مخذولاً مذموم بمعنی برائی کیا ہوا، مخذول بمعنی جس کی مدد چھوڑ دی گئی ہو، تو بیٹھ رہے گا برائی بیان کیا ہوا اور مدد چھوڑا ہوا، نہ تیرا کوئی مددگار ہوگا اور نہ تجھے کوئی اچھا کہے گا، اگر تو نے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود قرار دے لیا تو ایک وقت آجائے گا خصوصیت کے ساتھ آخرت میں کہ ہر کوئی تیری برائی کرے گا اور کسی طرف سے تیری مدد نہیں ہوگی۔

ماقبل سے ربط:۔

یہاں سے احکام کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے، سورۃ نحل میں اجمالی طور پر آیا تھا ان الله یامر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربیٰ الخ منکرات کی فہرست بھی دی گئی تھی، مأمورات کی بھی دی گئی تھی تو وہاں جو اجمال تھا اب اگلے احکام میں اس کی تفصیل ہے، اللہ تعالیٰ عدل کی، احسان کی، ایتاء ذی القربیٰ کی تعلیم دیتے ہیں اور فحشاء، منکر اور بدی سے روکتے ہیں اس کی کچھ جزئیات ان آیات میں مفصل ذکر کی جا رہی ہیں اور اس سورۃ کے پہلے رکوع کے آخر میں یہ لفظ آئے تھے ان هذا القرآن یهدی للتی هی اقوم یہاں التی هی اقوم میں صراط مستقیم کا تذکرہ تھا کہ قرآن ایسا راستہ دکھاتا ہے جو بہت سیدھا ہے اب اس طریق اقوم کی تفصیل کی جا رہی ہے کہ

قرآن کریم جو راستہ دکھاتا ہے وہ عدل کا راستہ، احسان کا راستہ اور فحشاء، منکر اور بدی سے انسان کو جو بچاتا ہو اسے جاتا ہے یہی طریق اقوم ہے اور ایسے ہی پچھلے رکوع کے اندر آیا تھا وسعی لھا سعیھا کہ جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور پھر اس کے مناسب کوشش کرے اور وہ مؤمن بھی ہو تو اس کی کوشش کی قدر کی جائے گی تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آخرت کے مناسب کوشش کی تفصیل اس میں بتائی جارہی ہے کہ وہ کونسی کوشش ہے جس کی آخرت میں قدر کی جائے گی اور کس طریقہ کا عمل، کس طریقہ کا عقیدہ اور کیسے کیسے معاملات اختیار کئے جائیں تو اللہ تعالیٰ انسان کو آخرت میں کامیاب قرار دیں گے تو یہاں مناسب سعی جو آخرت کے مناسب ہے اس کی تفصیل ذکر کی رہی ہے۔

ابتداء بھی توحید سے اور اختتام بھی توحید پر:۔

سب سے پہلے بنیادی کام جو ذکر کیا گیا ہے وہ ہے شرک سے بچنا، توحید پر عدل وانصاف کی بنیاد ہے اس لئے شرک کو ظلم عظیم کہا گیا تھا تو ان اللہ یامر بالعدل کا بڑا فرد توحید کا اختیار کرنا ہے، شرک سے بچنا ہے، اس کا یہاں ذکر آ گیا ہے، ابتداء بھی اسی سے ہو رہی ہے اور جہاں یہ احکام کا سلسلہ ختم ہوگا آخر آخر میں جا کے پھر اسی چیز کو ذکر کیا جائے گا ولا تجعل مع اللہ الٰھاً آخر فتلقیٰ فی جھنم ملوماً مدحوراً، تو اختتام بھی اسی مضمون پر ہی ہوگا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک سے بچنا ہر کام سے زیادہ اہم ہے اور توحید کو اختیار کرنا تمام فرائض میں سب سے زیادہ اہم ہے، اللہ کے ساتھ اور معبود قرار نہ دے پھر بیٹھ رہے گا تو اس حال میں کہ برائی کیا ہوگا، اس حال میں کہ تو مدد چھوڑا ہوا ہوگا، کسی کی طرف سے تعریف نہیں کی جائے گی کوئی تجھے اچھا نہیں کہے گا اور کسی طرف سے تیری مدد نہیں کی جائے گی۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم:۔

وقضیٰ ربك الاتعبدوا الاایاہ: قضیٰ کا لفظ پہلے بھی آپ کے سامنے آیا کہ فیصلہ کر کے اطلاع دینے دینا، جب ایسے موقع پر قضیٰ کا لفظ آ جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرے رب نے فیصلہ کر کے اطلاع دے دی، تیرے رب نے فیصلہ کیا ہے، تیرے رب نے یہ حکم دیا ہے جواب عام لوگوں تک پہنچایا جارہا ہے کہ نہ عبادت کرو تم مگر اسی کی، عبادت صرف اسی کی کرو، وبالوالدین احساناً تو جیسے وہاں یامر بالعدل کے بعد احسان کا ذکر تھا تو اب احسان کے ایک بڑے فرد کی تفصیل بتائی جارہی ہے بالوالدین احساناً، احسان مصدر ہے اور مفعول مطلق

ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اوراس کا فعل محذوف ہے احسنوا بالوالدین احساناً والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد اس دنیا کے اندر سب سے زیادہ حقوق جس کے انسان کے اوپر عائد ہوا کرتے ہیں وہ والدین ہی ہیں اس لئے ان کو رب مجازی کہا جاتا ہے، پیدا کرنے والا اصل کے اعتبار سے اللہ ہے لیکن پیدا ہونے کا ذریعہ والدین بنتے ہیں اور مربی اصل کے اعتبار سے اللہ ہے پیدا ہونے کے بعد انسان کی ضرورتیں پوری کرنے والا اللہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی اس ربوبیت کا مظہر والدین ہوتے ہیں، والدین بچہ کو پالتے ہیں، اپنے آرام کو قربان کرتے ہیں، تکلیفیں اُٹھاتے ہیں، بچہ کے راحت اور آرام کا خیال کرتے ہیں تو جب آپ پر اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ احسان والدین کا ہے تو تمہیں بھی یہی حکم دیا جارہا ہے کہ تم بھی اللہ کی عبادت کے بعد اچھا برتاؤ سب سے زیادہ والدین کے ساتھ ہی کیا کرو، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، ان کی دنیوی ضرورتوں کا خیال کرو، ادب و احترام کرو، بدنی خدمت کرو، مالی خدمت کرو، جس قسم کا احتیاج ان کو ہوان کا خیال رکھواور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کیلئے والدین کا مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں، اگر وہ کافر بھی ہوں تب بھی دنیا کے اندر ان سے اچھا برتاؤ کیا جاتا ہے، غالباً سورۃ عنکبوت کے اندر یہ لفظ آئیں گے وان جاھداك علیٰ ان تشرك بی مالیس لك به علم فلا تطعھا و صاحبھمافی الدنیا معروفاً کہ اگر وہ تجھے شرک پر مجبور کریں تو ان کا کہنا نہیں ماننا یعنی نہ صرف یہ کہ مشرک ہیں بلکہ شرک پر مجبور کریں تو ان کا کہنا نہیں ماننا لیکن صاحبھما فی الدنیا معروفاً دنیا کے اندر پھر بھی ان کے ساتھ اچھی طرح ہی رہنا ہے تو مشرک ہونے کے باجود اگر وہ آپ کو مجبور بھی کرتے ہیں تو بھی ان سے قطع تعلق جائز نہیں ہے ہاں البتہ ایسے معاملات میں ان کا کہنا نہیں مانا جائے گا، وہ شریعت نے ہمارے سامنے ایک اصول واضح کردیا ہے لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق جہاں اللہ کی نافرمانی لازم آتی ہو، خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو وہاں مخلوق میں سے کسی کا کہنا نہیں مانا جاتا لیکن دنیا کے اندر پھر بھی ان کے ساتھ اچھا برتاؤ ہی کیا جائے گا، ان کی ضروریات کا خیال کیا جائیگا، ان کی بدنی خدمت کی جائے گی۔

بڑھاپے میں والدین کے ساتھ برتاؤ کے احکامات:۔

اما یبلغن عندك الكبر احد هما اوكلاهما: اگر پہنچ جائے تیرے سامنے، تیری زندگی میں، تیرے پاس بڑھاپے کو ان دونوں میں سے کوئی ایک یا وہ دونوں فلا تقل لهما اف پھر انہیں اف نہ کہا کرو ولا تنهر هما

اور نہ ان دونوں کو ڈانٹا کر وقل لھما قولاً کریماً اور ان دونوں کو ادب کی بات کہا کر یعنی والدین کے ساتھ احسان تو ہر دور میں، ہر زمانہ میں، ہر عمر میں کرنا ضروری ہے لیکن ان آیات کے اندر خصوصیت کے ساتھ بڑھاپے کا ذکر کیا جارہا ہے کیونکہ بڑھاپے کا زمانہ ایک ایسا زمانہ ہے جس میں والدین اولاد کی خدمت کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں، جب وہ اپنی ضروریات پوری کرنے پر قادر نہیں ہوتے، جب آپ بچہ ہیں اور والدین جوان ہیں، اس وقت آپ کا اطاعت کرنا، فرمانبرداری کرنا، ان کی خدمت کرنا آسان ہے اس لئے کہ آپ کی ضروریات خود ان سے متعلق ہیں، وہ بظاہر آپ کو کھانے کے لئے دیتے ہیں، پیسے دیتے ہیں، آپ کی خدمت کرتے ہیں تو ایسے وقت میں اگر آپ ان کا کہنا مانیں گے تو یہ کوئی زیادہ مشکل بات نہیں ہے لیکن جب وہ بوڑھے ہو جائیں تو پھر وہ ہر ہر چیز میں محتاج ہو جاتے ہیں تو ان کی عادات میں چڑچڑا پن پیدا ہو جاتا ہے پھر وہ ایک بوجھ محسوس ہوتے ہیں، تو یہ زمانہ یاد دلایا جارہا ہے کہ جیسے بچپن میں تم ایک گوشت کا لوتھڑا تھے جب والدین کے سپرد کئے گئے اور والدین نے تمہیں پال پوس کے اتنے بڑے کر دیا، تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھا اور تمہاری راحت کیلئے ہر تکلیف برداشت کی تو بڑھاپے کا زمانہ ایک ایسا زمانہ ہوتا ہے کہ جس وقت ماں باپ ہڈیوں کی مٹھی کی شکل میں اولاد کے سپرد ہو جاتے ہیں، وہ صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوتے ہیں اب ایسے وقت میں پتہ چلتا ہے کہ جیسے انہوں نے احسان کیا تھا آپ ان کے اوپر کتنا احسان کرتے ہیں، اس وقت سعادت مند بیٹے کا پتہ چلتا ہے کہ کتنی خدمت کرتا ہے اور کتنی نہیں کرتا اس لئے خصوصیت کے ساتھ یہاں بڑھاپے کا ذکر کر دیا جیسے سرور کائنات ﷺ نے روایات کے اندر بہت کثرت کے ساتھ والدین کی خدمت کی ترغیب دی ہے کہ انسان کی جنت اور دوزخ یہی ہیں، والدین اگر راضی ہوں گے تو اللہ راضی ہے، والدین اگر راضی نہیں تو اللہ راضی نہیں، والدین جنت کے دروازے ہیں انہیں محفوظ رکھو، انہیں ضائع نہ کرو اس قسم کی روایات مشکوٰۃ شریف میں آپ کے سامنے بہت ساری گذر چکی ہیں، اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ان دونوں میں سے ایک یا وہ دونوں تو انہیں اف نہ کہا کر۔ اف کہنا یہ ایک قسم کی بیزاری کا اظہار ہوتا ہے جیسے کوئی شخص بات کرتا ہے تو ہم اف کہہ کے اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں کہ تیری یہ بات مجھے پسند نہیں ہے، اس سے دل کی تنگی کا اظہار ہوتا ہے تو یہاں اف کلمہ ہی مقصود نہیں بلکہ ہر وہ بات جو ان کیلئے باعث تکلیف ہو، جس زبان میں بھی ہو، جس انداز سے بھی ہو اس بات ان کے سامنے نہ کہو، مطلب یہ کہ ان کے سامنے ایسی بات نہ کہو جس سے

انہیں محسوس ہو کہ تم ان کی وجہ سے تکلیف محسوس کر رہے ہو یا ان کی کوئی بات تمہیں پسند نہیں ہے اور لاتنھر ھما یہ تو اس سے بھی بڑھ کے ہے کہ کسی معاملہ میں انہیں ڈانٹو نہیں، جھڑکو نہیں اور جب بھی ان کے ساتھ بات کرنے کی ضرورت پیش آئے تو ان کے ساتھ باادب بات کرو، ادب کے ساتھ بات کرو اور ہر وقت ان کی عظمت کو محسوس کرو۔

والدین کے لئے بازوؤں کو پست کرنے اور دعا کرنے کا حکم:۔

واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ رحمت سے شفقت مراد ہوگئی، ذل سے اطاعت اور فرمانبرداری مراد ہے اور جناح کہتے ہیں بازو کو جس طرح پرندہ کا پر ہوا کرتا ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ مرغی ہو یا دوسرے پرندے ہوں اپنے بچوں کو ہمیشہ اپنے پروں کے نیچے محفوظ رکھتے ہیں، کہیں بھی کوئی خطرہ پیش آجاتا ہے تو فوراً اپنے پروں کے نیچے لے لیتے ہیں گویا کہ اپنے بچوں کے اوپر ہمیشہ اپنے پروں کو جھکائے رکھتے ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں، ان کے ساتھ محبت کا یہی اظہار ہوا کرتا ہے بالکل والدین کی اپنی اولاد کے ساتھ یہی کیفیت ہوتی ہے، کہ بچوں کو کس طرح وہ گود میں لیتے ہیں، کس طرح بازوؤں میں سمیٹتے ہیں، کس طرح اپنے بدن کے ساتھ لگاتے ہیں، کیسے محبت کا اظہار کرتے ہیں تو جب تم جوان ہو گئے اور وہ بوڑھے ہو گئے تو ایسی صورت میں تمہیں بھی چاہیے کہ شفقت کے سبب سے اطاعت کا بازو ان کے لئے پست رکھا کرو اخفض لھما جناح الذل پست کرلے تو ان کیلئے اطاعت کے بازوؤ کو شفقت کی وجہ سے وقل رب ارحمھما اور خود اپنے طور پر بھی ان کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کر لیکن ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کر رب ارحمھما اے اللہ! ان دونوں کے اوپر رحم فرما کما ربیانی صغیرا جس طرح ان دونوں نے مجھے پالا اس حال میں کہ میں بچہ تھا، بچہ ہونے کی حالت میں جس طرح انہوں نے مجھے پالا ہے اے اللہ! تو ان کے اوپر رحم فرما، مطلب یہ ہے کہ خدمت کر کے ان کا حق ادا ہی نہیں کر سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں کہ اے اللہ! تو ان کے اوپر رحم فرما، والدین کیلئے دعا کرنا یہ مستقل ایک حق کی ادائیگی ہے جیسا کہ آپ کے سامنے حدیث شریف میں آیا، سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ایک بچہ بسا اوقات اپنے والدین کا نافرمان ہوتا ہے، عاق ہوتا ہے اور والدین ایسی حالت میں فوت ہو جاتے ہیں بعد میں ان کے لئے دعا کرتا رہتا ہے، دعا کرتا رہتا ہے اور اس دعا کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اس کے والدین کے درجات بلند کرتے ہیں، نیکیاں دیتے ہیں حتیٰ کہ اس بچہ کو والدین کیلئے بار لکھ دیا جاتا ہے یعنی حقوق والدین کی عدم ادائیگی والا جو جرم تھا وہ

ان کے لئے دعا کرنے کے ساتھ اس کی تلافی ہو جاتی ہے، کسی کے حق کے ادا کرنے کا یہ طریقہ بھی ہے کہ اس کے لئے دعا کرو، دعا کر کے اس کو اتنا نفع پہنچادو کہ جتنی تم نے تکلیف پہنچائی ہے اس کا تدراک ہو جائے تو والدین کے لئے دعا بھی کرتے رہو۔

صرف ظاہری برتاؤ پر اکتفاء نہ کرو دل میں بھی محبت ہونی چاہیے:۔

ربکم اعلم بمافی نفوسکم ، اس میں اس بات پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ صرف ظاہری برتاؤ اچھا نہیں ہونا چاہیے بلکہ دل میں بھی محبت اور عظمت ہونی چاہیے، جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی خوب جانتا ہے، تمہارا رب خوب جانتا ہے اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے ان تکونوا صالحین اگر تم نیک ہو، اگر تمہارے دلوں کے اندر نیکی کا جذبہ ہے، صلاحیت ہے پھر اگر ظاہری طور پر خدمت میں کوتاہی ہو جائے تو تم اللہ کے سامنے توبہ واستغفار کرو گے اللہ معاف کردے گا، تمہارے دلوں کی حالت اللہ کو معلوم ہے کیونکہ انسان ہے آخر سب کچھ سوچنے اور سمجھنے کے باجود بھی کوتاہی ہو جاتی ہے، اگر تم نیک ہوئے فانہ کان للاوابین غفوراً پس بے شک اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں کیلئے بخشنے والا ہے، پھر تم اللہ کی طرف رجوع کرو، اپنی کوتاہی کا اقرار کرو اور توبہ واستغفار کرو تو اللہ تعالیٰ معاف کردے گا۔

رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دینے کا حکم:۔

وہاں تیسرے درجے میں ذکر آیا تھا ایتاءِ ذی القربیٰ کا اب آگے اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جارہی ہے وآتِ ذی القربیٰ حق والدین کے بعد عام رشتہ داروں کو بھی ان کا حق دیا کرو اور مسکین کو اس کا حق دیا کرو اور مسافروں کو اس کا حق دیا کرو جس سے معلوم ہو گیا کہ مسافر کا حق بھی ہے، عام محتاج اور مساکین کا بھی انسان کے ذمہ حق ہے اور رشتہ داروں کا بھی حق ہے، رشتہ دار تو رشتہ دار ہونے کی وجہ سے حق دار ہیں چاہے وہ مسکین اور محتاج نہ بھی ہوں تو بھی ان کے ساتھ گاہے گاہے اچھا برتاؤ کرو، بیمار ہو جائیں تو عیادت کے لئے جاؤ، ان کے ساتھ خوش اسلوبی سے پیش آؤ، یہ ساری کی ساری چیزیں رشتہ داروں کا حق ہے ان کا محتاج ہونا ضروری نہیں ہے۔

اور پھر عام انسان جن کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں اگر وہ محتاج ہو جائیں تو پھر تمہارے ذمہ حق ہے کہ اس کے احتیاج کی بقدر اس کی امداد کرو، آپ کے پاس وسعت اور گنجائش ہے تو آپ کے ذمہ ہے کہ آپ اردگرد بسنے

والے چاہے رشتہ دار نہ ہوں ان کی ضروریات کا خیال رکھا جائے اور مسافر چاہے اپنے علاقہ میں خوشحال ہی ہو لیکن کسی وجہ سے آپ کے علاقہ کے اندر ہو تو ایسے مسافر کی رہائش کا انتظام کرو، اس کے کھانے کا خیال رکھو اور اس کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو اس کی امداد بھی کرو، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے ساتھ معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے، جب ہر شخص اس جذبہ کے ساتھ چلے گا کہ رشتہ دار کا حق ادا کرنا ہے، محتاجوں کا حق ادا کرنا ہے، مسافر کا حق ادا کرنا ہے، تو پھر آپ دیکھیں گے کہ امن وسلامتی عام ہو جائے گی، ہر طرف راحت اور آرام کا دور دورہ ہو جائے گا، جتنی پریشانیاں ہیں ان پریشانیوں کی بنیاد اس پر ہے کہ ہر شخص دوسرے سے اپنے حقوق کا مطالبہ تو کرتا ہے اور خود حق ادا کرنے کی کوشش نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ ہر شخص دوسرے کے حق میں ظالم بنا ہوا ہے، ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں فائدہ اٹھالوں، دوسرا آدمی مجھے فائدہ پہنچائے اور خود یہ ذمہ داری محسوس نہیں کرتا کہ میرے ذمہ بھی دوسرے کا حق ہے میں اس کو ادا کرنے کی کوشش کروں، قرآن کریم ہمارے سامنے جو طریقہ ذکر کرتا ہے وہ یہ ہے کہ تمہارے اندر حق کی ادائیگی کا جذبہ ہونا چاہیے، ہر شخص یہ چاہے کہ میں دوسرے کے حقوق ادا کروں جب یہ جذبہ پیدا ہو جائے گا تو سب کے حقوق ادا ہونے لگ جائیں گے کیونکہ آپ دوسروں کا خیال رکھیں گے تو دوسرے آپ کا خیال رکھیں گے تو اصل کے اعتبار سے کمال یہی ہے کہ اداءِ حقوق کا جذبہ ہو، امن اور سکون اگر دنیا کے اندر پیدا ہوسکتا ہے تو صرف اداءِ حقوق کے جذبہ سے پیدا ہوسکتا ہے۔

فضول خرچی اور بے موقع خرچ کرنے سے بچنے کا حکم:۔

ولا تبذر تبذیراً بے موقع نہ اڑایا کر، تبذیر اور اسراف یہ دو لفظ آتے ہیں، لاتسرفوا، اسراف نہ کیا کرو، لاتُبَذِّرْ بے موقع نہ اڑایا کرو، معصیت میں خرچ کیا جائے، بلاضرورت خرچ کیا جائے تو تبذیر ہے اور ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے تو یہ اسراف ہے، دونوں آپس میں قریب قریب ہی ہیں اور ان کو یہاں جو ذکر کیا جارہا ہے اصل میں یہ بھی اداء حقوق کے ساتھ تعلق رکھنے والی بات ہے، ایک شخص جس کو فضول خرچی کی عادت ہو، بے موقع مال اڑانے کی عادت ہو وہ کبھی دوسرے کا حق نہیں ادا کرسکتا، اب آپ دیکھتے ہیں کہ ایک سرمایہ دار آدمی ہے، وہ اب ایک دن شادی کے اندر لاکھوں روپے اڑا دے گا، جب اس قسم کی چیزوں پر لاکھوں روپے اڑائے جاتے ہیں، زبان کے چسکے پورے کرنے کیلئے یا شہرت حاصل کرنے کے لئے جب مال اس طرح اڑایا جاتا ہے، تو اس شخص کو کہو فضول

خرچیوں پر تو تم لاکھوں روپے خرچ کر رہے ہو، مسجد کے لئے پچاس ہزار روپے دو، پانچ سو دے دو تو کہیں گے کہ گنجائش ہی نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ مجھے کارِ خیر میں خرچ کرنے کی توفیق ہو تو اس سب سے پہلے چاہیے کہ تبذیر اور اسراف کی عادت چھوڑے، فضول خرچی نہ کرے، بے موقع خرچ نہ کرے، ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کرے، بقدرِ ضرورت خرچ کرے، جب بقدرِ ضرورت خرچ کرے گا تو پھر اس کے پاس بچت بھی ہوگی جب بچت ہوگی تو اس کے لئے کارِ خیر میں خرچ کرنا آسان ہو جائے گا اور جو آمدنی سے زیادہ اپنے اخراجات بڑھائے ہوئے ہے اس کو کب توفیق ہو سکتی ہے کہ وہ کسی رشتہ دار کے ساتھ مروت کرے یا کسی مسکین کی اعانت کرے یا کسی دوسرے کارِ خیر میں خرچ کرے؟ بے موقع مال خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اس لئے یہ شیطان کی رفاقت ہے، شیطان اکساتا، بہکاتا ہے، انسان کو نیکی کے راستہ میں خرچ کرنے سے روکنے کے لئے اس کے سامنے فضول دروازے کھول دیتا ہے، فضول اخراجات شروع ہو جاتے ہیں فضول اخراجات شروع ہو جاتے ہیں تو انسان نیکی کے کاموں سے محروم ہو گیا، اللہ کی رفاقت سے محروم ہوا اور شیطان کا بھائی بن گیا ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین بے شک بے موقع اڑانے والے تو شیطانوں کے بھائی ہیں، ان کا اللہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اللہ والے تو وہی سمجھے جائیں گے جو بقدرِ ضرورت اپنے اوپر خرچ کرتے ہیں، اور پھر مال کو بچا کے زیادہ سے زیادہ آخرت میں ذخیرہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو دوسری طرف کو جانے والے ہیں، حرام حلال کماتے ہیں، کمانے میں خیال نہیں کرتے یا کمانے بعد وہ مناسب اخراجات نہیں رکھتے، فضول اڑاتے ہیں، معصیت میں اڑاتے ہیں تو یہ شیطانوں کے ساتھی تو ہو سکتے ہیں، یہ اللہ والے نہیں ہو سکتے اور معاشرہ کی بربادی زیادہ تر اس طرح ہوتی ہے کہ جن کے پاس مال آجاتا ہے تو وہ موقع پر خرچ کرنے کی بجائے بے موقع خرچ کرنے لگ جاتے ہیں تو اعتدال ختم ہو جاتا ہے، توازن بگڑ جاتا ہے، جس طرح بدن کے اندر جو خون ہے یہ صحت کا باعث تب ہی ہوگا کہ جب عضو کی طرف مناسب مقدار کے ساتھ حرکت کرے اور اگر ایک عضو کی طرف زیادہ بڑھنا شروع ہو جائے اور دوسرے عضو میں کمی آنی شروع ہو جائے تو صحت بگڑ جائے گی، مال کی تقسیم بھی اس طرح صحیح انداز کے ساتھ رہے تو معاشرہ صحیح رہتا ہے اور جہاں اس قسم کی بے اعتدالیاں شروع ہو جائیں کہ ایک طرف ایک شخص فضول خرچیوں میں مصروف ہے اور دوسرا شخص ایک روٹی کے لئے بھی ترس رہا ہے، وہ اپنی فضول خرچیوں پر تو پانی کی طرح پیسہ بہا رہا ہے لیکن

ضرورت مند پر خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں تو توازن بگڑ گیا اور معاشرہ برباد ہو گیا، ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں و کان الشیطان لربہٖ کفوراً اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے تو جو بھی اس کے طریقے اپنائے گا اور اس کے ساتھ اخوت و دوستی لگائے گا وہ بھی اللہ کا ناشکرا سمجھا جائے گا، شکر گزاری تو اس میں ہے کہ اللہ کی نعمت کی قدردانی کی جائے اور اس کے خلاف جو کام کیا جائے گا وہ ناشکری ہے تو شیطان بھی ناشکرا اور جو شیطان کے ساتھ اخوت قائم کریں گے اور اس کے ساتھ اپنی دوستی لگائیں گے وہ بھی سارے کے سارے ناشکرے ہوں گے۔

جب دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو نرم بات کہہ کے ٹالا کرو:۔

واما تعرضن عنھم ابتغاء رحمة من ربك اور اگر اعراض کرے تو ان سے اپنے رب کی رحمت کو طلب کرتا ہوا جس کی تو امید رکھتا ہے تو کہا کر انہیں نرم بات، مطلب یہ ہے کہ کوئی رشتہ دار آپ کے پاس آ گیا جو امداد کا طالب ہے یا کوئی مسکین یا کوئی مسافر آ گیا لیکن وقت ایسا ہے کہ تیرے پاس ان کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہے لیکن تجھے امید ہے کہ دوسرے وقت میں اللہ کی رحمت حاصل ہو جائے گی، پیسے مل جائیں گے، تنخواہ ملنے والی ہے، فصل آنے والی ہے، مال بیچا ہوا ہے اس کی رقم وصول ہونے والی ہے یہی طریقے ہوتے ہیں جب امید ہو آمدنی کی تو ان کو ٹالتے وقت ان کو نرم بات کہہ، ڈانٹ نہ اور ان سے نفرت نہ کر، ان کو ذلیل کرنے کی کوشش نہ کر، نرم طریقہ کے ساتھ ان کو سمجھا دے کہ بھائی اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ کسی وقت پیسے مل جائیں گے جب پیسے ملیں گے تو ہم انشاء اللہ ضرور حسب توفیق تمہاری خدمت کر دیں گے، نرمی کے ساتھ کہہ کے ان کو ٹال دو اور سختی کے ساتھ یا تحقیر کے لب و لہجہ کے ساتھ ان کو جواب نہ دو، اگر اعراض کرے تو ان سے یعنی مساکین اقرباء اور مسافر جو تجھ سے امداد کے طالب ہو جائیں اگر تو ان سے اعراض کرے اپنے رب کی رحمت کی طلب کیلئے یا اپنے رب کی رحمت کو طلب کرتا ہوا یعنی حال یہ ہے کہ تجھے امید ہے کہ تجھے تیرے رب کی رحمت حاصل ہو جائے گی، جس کی تو امید رکھتا ہے، تجھے اس کا انتظار ہے تو کہا کر ان کو نرم بات۔

بخل اور حد سے زیادہ خرچ کرنے کی مذمت:۔

ولا تجعل یدك مغلولة الیٰ عنقك نہ کیا کر تو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن کی طرف، یہ بخل سے

کنایہ ہے، تیرا ہاتھ ایسا نہ ہو کسی وقت بھی جیب میں پڑتا ہی نہیں ہے، ہر وقت ایسے ہے جیسے گردن سے بندھا ہوا ہے، یہ خرچ نہ کرنے سے کنایہ ہے، ایسے بخل نہ کیا کرو ولا تسبطها کل السبط اور نہ بالکل ہی اس کو کھلا چھوڑ دیا کرو کہ اندازہ ہی نہ ہو، بس جو آیا اس کر بکھیر دیا ایسے بھی نہ کیا کرو جس کا نتیجہ یہ ہوگا فتقعد ملوما محسورا کہ بیٹھ رہے گا اس حال میں کہ الزام دیا ہوا ہوگا تھکا ہارا ہوا ہوگا، محسور حسرت میں ڈالا ہوا، تھکا ہوا یعنی اگر ضرورت سے زیادہ خرچ کرو گے تو خود محتاج ہو جاؤ گے پھر دوسرے وقت میں لوگ الزام بھی دیں گے اور تم بھی حسرت زدہ ہو کے بیٹھ جاؤ گے کہ ہم نے ایسے ہی مال ضائع کر دیا، ضائع نہیں کرنا چاہیے تھا ہماری اپنی ضرورت اٹکی ہوئی ہے اس لئے اعتدال کی تعلیم دی گئی ہے کہ پہلے اپنی ضروریات کا خیال کرو پھر اللہ کے راستہ میں دو ایسا نہ ہو اللہ کے راستہ میں کیوں دے دیا، نیکی کر کے پچھتانا یہ اچھی بات نہیں ہے اس لئے ابتداء سے ہی اچھے انداز کے ساتھ خرچ کیا کرو۔

رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے:۔

ان ربك يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر، اس کا تعلق دونوں کے ساتھ ہی ہے، خرچ کرتے ہوئے ڈرو نہیں کہ ہم محتاج ہو جائیں گے، نہیں تیرا رب کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے، خرچ کرنے کے ساتھ روزی میں تنگی نہیں آیا کرتی، اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے بسا اوقات بخل کر کے آدمی جوڑتا چلا جاتا ہے، خرچ بالکل نہیں کرتا، اپنے اوپر ہی اس کو خرچ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی تو کوئی ایسا حادثہ آ جاتا ہے کہ جمع کیا ہوا سارا ہی گیا تو باوجود اس بات کے کہ اس کو مال بہت زیادہ ملا تھا لیکن اس کے رزق میں تنگی ہی رہی اور ایک ایسا آدمی ہے کہ وہ حقوق ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اتنی آمدنی بڑھا دیتا ہے، تو دوسری طرف سے آنا شروع ہو جاتا ہے تو نہ دینے کے ساتھ محتاجی آتی ہے اور نہ روکے رکھنے کے ساتھ کشادگی آتی ہے، بسط اور قدر اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کیلئے چاہے رزق کو کشادہ کرتا ہے اور جس کیلئے چاہے تنگ کر دیتا ہے۔

اور اس کو آخری الفاظ کے ساتھ بھی لگایا گیا ہے کہ کوئی محتاج سامنے آ جائے تو تم اتنا متاثر نہ ہوا کرو کہ تم یہ کہو میں اس کا احتیاج ہی دور کر دوں گا، ایسی بات نہیں بلکہ اپنی ہمت کے مطابق اس کے اوپر خرچ کرو، کسی کی تنگی دوسرا انسان دور نہیں کر سکتا اس لئے اگر اپنی ہمت سے زیادہ چھلانگ لگا کے اس کے اوپر خرچ کرنے کی کوشش کرو

گے تو نتیجۃً تم محتاج ہو کے بیٹھ جاؤ گے بس یہ سوچا کرو اللہ تعالیٰ تنگ کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ کشادہ کرنے والا ہے، جس کیلئے چاہے رزق تنگ کردے، جس کیلئے چاہے رزق کشادہ کردے، ہمیں اپنی ہمت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور اپنے طور پر بخل نہیں کرنا چاہیے باقی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت اگر کسی کو تنگی میں رکھتا ہے تو کوئی انسان اسکی تنگی دور نہیں کرسکتا انہٗ کان بعبادہٖ خبیراً بصیراً بے شک وہ اپنے بندوں کے ساتھ خبر رکھنے والا ہے اور بندوں کے احوال کو دیکھنے والا ہے، ہر بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس کے حال کے مطابق برتاؤ فرماتے ہیں، جس کو تنگی دیتے ہیں وہ بھی اس کی حکمت کے مطابق ہوتا ہے اور جس کو کشادگی دیتے ہیں وہ بھی اس کی حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔

تنگ دستی کے خوف سے اولاد کو قتل کرنے کی ممانعت:۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق، املق املاق تنگ دستی میں مبتلا ہونا، قتل نہ کیا کرو اپنے بچوں کو تنگ دستی کے اندیشہ سے یعنی اس اندیشہ سے کہ اگر بچے زیادہ ہوجائیں گے، تو ہم تنگ دست ہوجائیں گے، عرب کے اندر یہ رواج تھا خصوصیت کے ساتھ لڑکیوں کے متعلق جب وہ بچیاں پیدا ہوجائیں یہ سوچتے کہ لڑکی کما تو سکتی نہیں، ہماری معاشی زندگی کے اندر تو ہمارے لئے مفید بنے گی نہیں اس کا تو بوجھ ہی بوجھ ہے پہلے کھائے گی بعد میں شادی کرنی پڑے گی تو اس کے اوپر خرچ ہوگا اس قسم کے اندیشے ہوجانے کی وجہ سے بچیوں کو پیدا ہوجانے کے بعد وہ قتل کردیتے تھے اور ہوسکتا ہے کہ بعض سنگ دل ایسے بھی ہوں کہ جو لڑکے کو بھی قتل کرتے تھے اور لڑکی کی بھی قتل کرتے تھے پیدا ہونے کے بعد ان کو ماردیتے تھے کیونکہ ان کے پاس اس قسم کی تدبیریں اتنی ترقی یافتہ نہیں تھیں کی حمل نہ ٹھہرنے دیتے جیسا کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں ضبطِ ولادت شروع ہوگیا اور اس قسم کی ادویات آگئیں جو حمل نہیں ٹھہرنے دیتیں، اس وقت یہ چیزیں نہیں تھیں جس کی بنیاد پر وہ بچہ جننے کے بعد پھر اس کو قتل کرتے تھے اس اندیشہ سے کہ ہم خوشحال ہیں، ہم تو کھاتے پیتے ہیں لیکن اگر اولاد زیادہ ہوگئی تو ہم تنگی کے اندر مبتلاء ہوجائیں گے تو اس طرح بچوں کو قتل کردیتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے نہ کیا کرو نحن نرزقھم ہم انہیں بھی رزق دیں گے وایاکم اور تمہیں بھی دیں گے رزق ہمارے ذمہ ہے، جو خالق ہے رازق وہی ہے، یہ جذبہ تو جب ہونا چاہیے جب تم یہ سمجھو کہ خالق تو پیدا کرتا جارہا ہے اور رزق تمہارے ذمہ ہے، جس کا تم انتظام نہیں کرسکتے تب تو اس قسم کی تدبیریں کرو اگر خالق اور رازق دونوں ایک ہی ہستی کے نام ہیں، پیدا کرنے والا بھی وہ ہے، رازق بھی وہ ہے تو وہ خود اس

تناسب کا خیال رکھے گا جیسے اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ آیا ہے لاتقتلو ااولاد کم من املاق ، وہاں خشیة املاق نہیں ہے اصل میں دو قسم کے لوگ تھے بعض تو خود تنگ دستی میں مبتلاء تھے ان کے پاس بچہ پیدا ہوتا تو ان کو فکر ہوتا کہ ہمیں روٹی نہیں ملتی تو ہم ان کو کہاں سے کھلائیں گے، پہلے اپنی روٹی کا فکر بعد میں اولاد کی روٹی کا فکر وہاں آیا نحن نرزقکم وایاھم اللہ تعالی نے وہاں پہلے والدین کی روٹی کا ذکر کیا ہے، کہ ہم تمہیں بھی دیں گے اور انہیں بھی دیں گے اور خشیة املاق کا مطلب یہ ہے کہ والدین تو خوشحال ہیں، اس وقت تو اتنی آمدنی ہے جس سے گزارہ ہو رہا ہے لیکن اندیشہ ہے کہ اگر زیادہ بچے پیدا ہو گئے تو تنگ دستی میں مبتلاء ہو جائیں گے، اپنی روٹی کی فکر نہیں ہوتی، بچوں کی روٹی کی فکر ہوتی ہے تو یہاں نرزقھم وایاکم ہے کہ ہم ان کو بھی دیں گیا ور تمہیں بھی دیں گے اس لئے فکر کرنے کی کونسی بات ہے۔

جدید دور کے پڑھے لکھے جاہل اس بات کو نہیں سمجھ سکتے:۔

قرآن کریم نے جب یہ اعلان کیا تو قرآن کریم کے اس اعلان کی وجہ سے وہاں قتل اولاد کا سلسلہ ختم ہو گیا، لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ پیدا ہونے والوں کے رزق کی فکر ہمیں نہیں ہے جو پیدا کرنے والا ہے وہ خود روزی دے گا تو یہ رسم بد مٹ گئی اور وہ بدو اور وحشی لوگ اس مسئلہ کو سمجھ گئے لیکن آج جو یہ ضبط ولادت کی تحریک ہے جس کو آپ برتھ کنٹرول کہتے ہیں اگر چہ یہ اس درجہ کا جرم تو نہیں ہے کیوں کہ اس میں پیدا ہونے کے بعد قتل کرنے کی تحریک نہیں، یہ ہے کہ ان کو پیدا ہی نہ ہونے دیا جائے، ان کا راستہ روک لیا جائے اگر دیکھا جائے تو جذبہ وہی ہے جو ان وحشی اور جاہل لوگوں کے اندر تھا، یہ بھی رزق کی تنگی کی بناء پر ہی اس قسم کی باتیں کرتے ہیں کہ آبادی زیادہ ہو جائے گی، وسائل ہمارے تھوڑے ہیں، پھر یہ پیدا ہونے والے کھائیں گے کہاں سے؟ یعنی اگر چہ اس وقت ملک میں رزق کی اتنی وسعت ہے کہ اگر دیکھا جائے تو فضول خرچی میں اتنا مال جا رہا ہے کہ جس کا کوئی حساب ہی نہیں ہے، ایک سگریٹ کا ہی آپ حساب لگالیں جس کو لوگ فیشن کے طور پر پیتے ہیں اور پھر اس کے عادی ہو جاتے ہیں، پھر اس کو اڑاتے ہیں ایک دن میں ایک آدمی کا سگریٹ کا خرچہ کتنا ہے آپ کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جو کہ دس دس روپے کی ڈبی پیتے ہیں اور دن میں پانچ پانچ ڈبیاں پی جاتے ہیں، ایک ایک دم میں چالیس پچاس

روپے کی سگریٹ پی جاتے ہیں یہ متوسط طبقہ ہے اور جو اس سے بھی اعلیٰ طبقہ ہے وہ تو انگریزی سگریٹ پیتے ہیں، ان کے اخراجات تو اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں اور عام مزدور آدمی ایک دو ڈبیاں تو وہ بھی پی لیتا ہے اور اگر کل ملک کی آبادی کا حساب لگایا جائے تو کروڑ ہا روپیہ اس طرح دھوئیں کی شکل میں اڑایا جاتا ہے جب کہ قاعدے اور قانون کے مطابق ہر ڈبی کے اوپر لکھا بھی ہوگا کہ سگریٹ تمہاری صحت کے لئے نقصان دہ ہے، مطلب یہ ہے کہ قومی سطح پر ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق اس کا فائدہ کوئی نہیں، نقصان ہی نقصان ہے لیکن قوم ہے کہ اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے، یہ تو ایک بات ہے، سینمابینی پر کتنا خرچ ہوتا ہے، نشہ خوری پر کتنا خرچ ہوتا ہے، کتنے لوگ بھنگ، چرس، اور شراب استعمال کرتے ہیں اور اس قسم کی فضولیات ہیں جن کے اوپر روزانہ کروڑ ہا روپیہ برباد ہوتا ہے اس پر تو پابندی لگانے کی کبھی سوجھتی ہی نہیں اور ایسے ہی عیاشی کا سامان، سرخی، پاؤڈر کتنا باہر سے آتا ہے اور کتنا اس کو فضول خرچ کیا جاتا ہے، اگر اس قسم کی چیزوں کے اوپر پابندی لگائی جائے اور قومی سرمایہ کو ضرورت کے اوپر خرچ کیا جائے تو اللہ کا دیا ہوا بہت ہے کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہے لیکن اب فضول اخراجات پر تو پابندی لگاتے نہیں اور کوشش یہ کرتے ہیں کہ اور پیدا نہ ہوں تاکہ ہمارے رزق کے اندر کسی قسم کی کمی نہ آجائے، اب آپ ان پڑھے لکھے جاہلوں کو سمجھانے کی کوشش کریں کہ رزق اللہ کے ذمہ ہے، خالق وہ ہے، رازق وہ ہے، رزق بھی اس نے دینا ہے، پیدا بھی اس نے کرنا ہے، تو وہ کیسے تناسب بگڑنے دے گا، وہ تو اپنی حکمت کے تحت اگر ایک طرف پیدا کرتا ہے تو دوسری طرف اٹھاتا بھی جاتا ہے اور جیسے آبادی بڑھتی جارہی ہے ویسے رزق کے وسائل بھی بڑھتے جارہے ہیں، یہ بات ان وحشیوں کو، جاہلوں کو، بدو لوگوں یعنی جو پہلے وحشی جاہل اور بدو تھے ان کو تو سمجھ میں آگئی اور قرآن کریم کے اس اعلان کے بعد وہ تو اس عادت بد سے باز آگئے، لیکن جو پڑھے لکھے جاہل ہیں وہ کبھی اس بات کو نہیں سمجھیں گے، آپ ہزار کوشش کریں ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی، اتنا فرق ہے ان جاہلوں میں اور ان جاہلوں میں، ان قتلهم كان خطئاً كبيراً بے شک ان کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

زنا کی مذمت اور اس سے بچنے کا حکم:۔

ولا تقربوا الزنىٰ انه كان فاحشة، زنا کے قریب نہ پھٹکا کرو، زنا کے قریب نہ جاؤ جس کا مطلب یہ ہے کہ زنا کا ارتکاب تو کیا کرنا ہے جو زنا کے محرکات ہیں ان سے بھی بچو، نگاہ غلط طور پر نہ اٹھے، کان غلط طور پر کسی کی

طرف متوجہ نہ ہوں، اس قسم کا لٹریچر نہ پڑھو جو کہ گناہ کے اوپر برانگیختہ کرنے والا ہے، اس قسم کی باتیں نہ سنو جن کے ساتھ فحش جذبات بڑھتے ہیں لا تقربوا الزنیٰ کے اندر سب کچھ آ گیا، کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرو، کسی عورت کے ساتھ محبت کے جذبات پیدا نہ کرو جس کے نتیجہ میں تم اس فعل کے اندر مبتلاء ہو سکتے ہو، زنا کے قریب بھی نہ جاؤ اس کی اتنی شدت کے ساتھ ممانعت آ گئی اور اس کے اوپر سزا بھی سب سے زیادہ سخت رکھی گئی جیسا کہ آپ پڑھتے رہتے ہیں کہ اگر کنوارے ہوں تو ان کو درے لگاؤ اور شادی شدہ ہوں تو ان کو سنگسار کر دو، سنگسار کرنا اسلام میں قطعی طور پر سزا ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اتنی سختی اس کے اوپر کیوں کی گئی؟ اس لئے کہ ایک تو یہ بے حیائی ہے، جب سے دنیا آباد ہوئی ہے اس وقت سے ہر سمجھدار آدمی اس بات کا قائل ہے کہ مرد اور عورت کا تعلق کسی قاعدے اور قانون کے تحت ہونا چاہیے بغیر کسی قاعدے اور قانون کے ان کے ملنے کو ہمیشہ دنیا کے اندر مذمت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے، ہاں کچھ پاگل اور سر پھرے پیدا ہو جائیں جنہوں نے زمین، زر اور ران کو مشترک قرار دے دیا کہ یہ مشترکہ متاع ہے جو چاہے اس سے فائدہ اٹھائے، اس قسم کے سر پھروں کا کوئی علاج نہیں ہے، یہ انسان نہیں، یہ تو جانور ہیں جن کے متعلق کوئی بات نہیں کی جا سکتی، انسانیت اگر ہے، فطرت اگر صحیح ہے تو کسی زمانہ میں بھی عورت میں اشتراکیت کو گوارہ نہیں کیا گیا اور ہر قوم میں، ہر مسلک میں اس کے اوپر پابندی لگائی گئی ہے کہ عورت و مرد کا آپس میں اختلاط کسی شرافت کے دائرے کے اندر ہونا چاہیے اور کسی ضابطہ اور قانون کے تحت ہونا چاہیے، اس بے حیائی کو کبھی برداشت نہیں کیا گیا، یہ بہت برا راستہ ہے اس راستہ پر چلنے کے نتیجہ میں معاشرہ برباد ہو جاتا ہے۔

زنا کے عام ہو جانے سے انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا:۔

معاشرہ کی صالحیت اور صلاحیت اس سے نمایاں ہوتی ہے کہ لوگوں کی آپس میں رشتہ داریاں قائم ہوں اور لوگ آپس میں رشتہ داریوں کا خیال رکھیں، بھائی چارہ ہو، انسان سمجھے کہ میں فلاں خاندان کا فرد ہوں اور خاندان والے بھی سمجھیں کہ یہ ہمارا بچہ ہے، اس طرح ایک دوسرے کی سرپرستی کریں، ایک دوسرے کے ساتھ مروت کریں، احسان کریں تو دنیا آباد ہوتی چلی جائے گی اور سارے آپس میں جڑتے جائیں گے لیکن جو زنا کی پیداوار ہوتی ہے کیا وہ کسی خاندان میں شامل ہوتا ہے؟ کیا اس کو کوئی اپنا سمجھتا ہے؟ کیا وہ کسی کو اپنا خیال کرتا ہے؟ سوائے اس کے کہ اس کی نسبت اپنی ماں کی طرف واضح ہوتی ہے کوئی دوسرا شخص اس کی نسبت اپنی طرف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تو

یہ خاندان کہاں سے بنیں گے؟ رشتہ داریاں کیسے قائم ہوں گی؟ اور ایک دوسرے کے ساتھ مروت واخوت کا سلسلہ کس طرح چلے گا؟ یورپ نے زنا کا طریقہ اختیار کیا آپ سمجھتے نہیں کہ وہ آج اس معاشرہ سے کتنا تنگ ہے کہ وہاں حرامزادوں کی کثرت ہے، کوئی کسی کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کرنے کے لئے تیار نہیں، ان کے اندر زیادہ بے چینی اس وجہ سے ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کی محبت سے محروم ہیں یعنی آج سے تقریباً دس سال پہلے (یہ بات حضرت الشیخ مدظلہ ۱۴۰۱ھ میں ذکر کر رہے ہیں) کی رپورٹ ہے کہ امریکہ کے اندر پیدا ہونے والے بچے تقریباً ساٹھ فی صد حرامزادے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے اب ان ترقی یافتہ ملکوں کے اندر ولدیت کا اصول ختم ہوتا جا رہا ہے وہ کہتے ہیں ولدیت لکھنا تو دقیانوسی خیال ہے، پرانے زمانہ کی بات ہے کہ اپنا تعارف باپ کی نسبت سے کرواؤ، بس نام اور فوٹو لگا دو یہی کافی ہے، اب باپ دادوں کی نسبتوں سے اپنا تعارف کروانا اس کو دقیانوسیت کہتے ہیں، دقیانوسیت تو خود ہو گئی کہ یہ ترقی یافتہ دور تو ایسا ہے کہ کتیا بچے جنتی پھرتی ہے اور بچوں کو کچھ نہیں کہ کس کتے کی نسل ہے اور گدھیاں گھوڑیاں بچے جنتی ہیں ان کو کچھ پتہ نہیں کہ کس کی نسل ہیں، کون بیٹی، کون باپ اور کون ماں؟ کل کو وہی باپ اور بیٹی جس کے نطفہ سے پیدا ہوئی تھی باپ اس کے اوپر چڑھا ہوا ہوگا اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والے کل کو جوان ہو جائیں گے تو اسی سے منہ کالا کریں گے جو حال جانوروں کا ہے وہی حال ان کا ہے تو جس طرح جانور کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ میں اپنا تعارف اپنے باپ کی نسبت سے کرواؤں، اس کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ میرا باپ کون ہے؟ تو یہی حال اب اس معاشرہ کا ہو گیا یعنی یہ انسانیت کو حیوانیت کے دائرہ میں لے جانے کا ایک بہت ہی برا راستہ ہے جس میں انسانی خاندان کی شرافت ہی ختم ہو جاتی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اب وہاں ماں بیٹی کا کوئی امتیاز نہیں رہا جیسے جانور عیاشی کرتے پھرتے ہیں اسی قسم کی عیاشی انسانوں نے شروع کر دی۔

روسی انقلاب کا سچا واقعہ اور ہمارے لئے لمحہ فکریہ:۔

روس کا انقلاب جس وقت افغانستان میں آیا ہے تو مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر میں ایک واقعہ بیان کیا تھا روس کی سرپرستی میں کس قسم کے اثرات پھیلے ہیں، کہتے ہیں کہ افغانستان میں ایک اچھا بھلا عالم تھا اس نے اپنے ایک بیٹے کو یہ دنیوی تعلیم دلوائی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے اس کو روس بھیج دیا، جب وہ روس سے فارغ ہو کے آیا باپ کو خوشی ہوئی کہ بیٹا ڈاکٹر بن کے آ گیا یا انجینئر بن کے آ گیا تو اپنے بیٹے سے کہتا ہے کہ بیٹا باقی تو میں نے اپنے

سارے فرائض ادا کردیئے اب تیرا ایک فرض میرے ذمہ ہے اب میں چاہتا ہوں کہ تیری جلد از جلد شادی کردوں، وہ بیٹا آگے سے کہتا ہے کہ ابا جی یہ فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے، میری یہ جو چھ سات بہنیں ہیں ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرلوں گا، باہر کسی اور کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے، (نعوذ باللہ) باپ نے اس کے منہ سے سن لی اور خاموش ہوگیا، وہ سمجھ گیا کہ بیٹا کس ذہن کا ہوکے آ گیا ہے کہ جب اللہ نہیں، اللہ کا رسول نہیں، آخرت نہیں تو پھر کون سی چیز تمہیں پابند کرے گی کہ اس کو لینا ہے اور اس کو نہیں لینا یہ پابندیاں تو تب ہی لگتی ہیں کہ جب اللہ ہو، اللہ کا رسول ہو، آخرت کا عقیدہ ہو اور جب یہ کوئی چیز ہی نہیں ہے تو پھر جہاں دل آجائے ٹھیک ہے، کہتا ہے کہ کیا ضرورت ہے اتنی ساری بہنیں جو ہیں ان میں سے کسی ایک کو رکھ لوں گا، کہتے ہیں کہ اس باپ نے معززین شہر کی دعوت کی بظاہر عنوان یہ رکھا کہ بیٹا پڑھ کہ جو آیا ہے تو خوشی کے اندر دعوت کی جارہی ہے، علماء فضلاء اور سب بڑے لوگ دعوت میں جمع ہوگئے، جب سارے آ کے بیٹھ گئے تو باپ نے بیٹے پر پھر وہی سوال کیا اور بیٹے نے جواب دیا تو سب لوگوں کے سامنے اس کو گولی نشانہ بنادیا، جن لوگوں نے آخرت کے عقیدہ کو اپنی زندگی سے نکال دیا، اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کردیا ان کی سرپرستی میں معاشرہ اس طرح کا ہورہا ہے کہ نہ ماں کا امتیاز اور نہ بہن کا امتیاز، بس جانوروں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں اس لئے لاتقربوا الزنیٰ کو آپ معمولی نہ سمجھیں، پچھلے رکوع کے اندر جو کچھ رشتہ داروں کے بارے میں کہا گیا تھا، رشتہ داروں کی اہمیت بتائی گئی تھی، ماں باپ کا ادب سکھایا گیا تھا یہ چیزیں باقی تب ہی رہیں گی اگر معاشرہ کے اندر زنا کا رواج نہ ہو، اور اگر دنیا کے اندر زنا کی پیداوار شروع ہوجائے تو نہ کوئی ماں باپ کا خیال کرے گا اور نہ ہی ایک دوسرے کے ساتھ مروت اور احسان ہوگا پھر تو اپنا اپنا پھرنا جو بوڑھا ہوتا جائے گا اس کو اولڈ ہاؤس میں داخل کرواتے چلے جائیں گے جہاں حکومت ان کی کفالت کرے گی، بھنگی ان کو سنبھالیں گے اور اس طرح وقت گزرتا رہے گا تو اس طرح صالح معاشرہ کی صورت میں قائم نہیں ہوسکتا اگر یہ زنا کا رواج کسی معاشرہ کے اندر ہوجائے۔ اس لئے اس کو بے حیائی اور بہت برا طریقہ قرار دیا گیا ہے۔

قتل بالنفس کی مذمت اور اس کے احکام:۔

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق، پہلے عزت کی حفاظت کی تھی اور اب یہ جان کی حفاظت ہوگئی قتل نہ کیا کرو ایسے نفس کو جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ، حق کے ساتھ قتل کرنا یہ ہے کہ

ایک آدمی نے زیادتی کی دوسرے کو قتل کر دیا تو قصاصاً اسے قتل کر دو، اگر کوئی مرتد ہو گیا تو ارتداد کی سزا میں قتل کیا جا سکتا ہے، زنا کیا ہے تو زنا کی سزا میں اس کو مارا جا سکتا ہے یہ ہیں قتل بالحق اس کے علاوہ کسی کو قتل نہ کرو، ومن قتل مظلوما جو شخص قتل کر دیا گیا مظلوم ہونے کی حالت میں فقد جعلنا لولیه سلطانا پس تحقیق ہم نے اس کے سرپرست کے لئے تسلط اور زور قائم کر دیا ہے، اس کو غلبہ دے دیا ہے کہ اس کا ولی اور اس کا سرپرست اس قتل کا بدلہ لے سکتا ہے فلا یسرف فی القتل اور اس ولی کو چاہیے کہ وہ بھی قتل کرنے میں حد سے نہ گزرے، قاتل کو قتل نہ کرے اگر معافی ہو گئی یا دیت لے لی گئی۔ ایک آدمی قاتل ہے تو ایک کو ہی قتل کرے زیادہ کو قتل نہ کرے اور اگر معافی ہو گئی دیت کا فیصلہ ہو گیا تو اس کے بعد قتل نہ کرے یہ سب اسراف کی صورتیں ہیں قرآن کریم کے اس لفظ سے معلوم ہو گیا کہ قتل کے بعد سارے اختیارات ولی کو ہوتے ہیں، حکومت ولی کی معاون ہوتی ہے، حکومت خود دعوے دار نہیں ہوتی اور یہ کہ کوئی مقتول ایسا ہو کہ اس کا کوئی وارث نہیں ہے تو پھر حکومت دعوے دار ہوتی ہے اس لئے اگر ولی معاف کر دے تو حکومت انتقام نہیں لے سکتی، ولی پیسے لے کر معاف کرنے پر راضی ہو جائے حکومت مداخلت نہیں کر سکتی اور آج کے معاشرہ میں معاملہ اس کے برعکس ہے کہ یہاں مقتول کے اولیاء کا کوئی اختیار نہیں، اختیار سارے کا سارا حکومت کا ہے اس لئے آپس میں مصالحت کی کوئی صورت نہیں، آپس میں ایک دوسرے کو معاف کرنے کی کوئی صورت میں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ برسہا برس مقدمات چلتے ہیں، دونوں خاندان برباد ہو جاتے ہیں، جیل میں چلا گیا، سزا ہو گئی جس کا مر گیا ان کے لئے کچھ بھی نہیں، بخلاف اس کے کہ اسلامی اصول جو ہے کہ اگر ولی قتل کا قصاص لینا چاہے تو اس کا دل فوراً ٹھنڈا ہو جائے گا کہ اگر اس نے قتل کیا ہے تو ہم بھی قتل کریں اور دیت لے کے معاف کرنا چاہیے تو یہ ہے کہ چلو اگر ایک آدمی چلا گیا تو اس کے بچوں کو پیسے مل گئے جن سے ان کا گزارہ ہو جائے گا، آئندہ کے لئے عداوتیں ختم ہو جائیں گی تو اس طرح کچہریوں کے دھکوں اور اس قسم کی ذلت سے جان چھوٹ جائے گی تو یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اختیار سارے کا سارا ولی کو ہے، ولی کی موجودگی میں کوئی دوسرا دعوے دار نہیں ہے اس لئے ولی اگر معاف کرنا چاہیے تو حکومت کچھ نہیں کہہ سکتی، ولی صلح کرے تو حکومت کوئی مداخلت نہیں کر سکتی، انه کان منصوراً بے شک یہ ولی مدد دیا ہوا ہے یعنی اللہ کی طرف سے، حکومت کی طرف سے اس ولی کی مدد کی جاتی ہے اس لئے اس کو قتل میں اسراف نہیں کرنا چاہیے۔

یتیم کے مال کی حفاظت اور عہد کو پورا کرنے کا حکم:۔

ولا تقربوامال الیتیم، یہ مال یتیم کو خصوصیت سے ذکر کردیا ورنہ آگے سارے مالی نظام کا ذکر آرہا ہے، یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جایا کرو مگر ایسے طریقہ کے ساتھ جو کہ بہتر ہے، اگر کسی یتیم کی سرپرستی تمہیں حاصل ہے تو اس کے مال میں ناجائز تصرف نہ کرو اس میں تصرف وہی کرو جو یتیم کے حق میں بہتر ہے، تجارت میں لگاؤ، اس کے اندر کوئی بڑھنے کی صورت پیدا کرو حتی یبلغ اشدہ حتی کہ وہ یتیم اپنی جوانی کو پہنچ جائے، جب جوانی کو پہنچ جائے تو اس کا مال اس کے سپرد کردو اور عہد پورے کیا کرو بے شک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ تم نے عہد پورا کیا تھا یا نہیں؟ اللہ کے ساتھ عہد کیا جیسے کلمہ پڑھ کے تمام احکام ہم نے مان لئے یا کوئی نذر مان لی یا ہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ عہد کرتے ہیں تو معاملات کی صحت عہد کی پابندی سے ہوتی ہے، جو زبان کرلی اس کو پورا کرو تب جا کے معاملات درست ہوسکتے ہیں، صحیح اور صالح معاشرہ پرامن اور اطمینان والا معاشرہ وہ ہوا کرتا ہے کہ جس میں انسان کو جان، مال اور عزت کا تحفظ حاصل ہو، جس معاشرہ میں جان، مال اور عزت محفوظ نہیں اس کو کوئی بھی اطمینان والا معاشرہ نہیں کہتا اور اسلام ان تینوں چیزوں کو تحفظ دیتا ہے، کہ ایک دوسرے کی عزت کا بھی خیال کرو ایک دوسرے کی جان کا خیال بھی کرو اور ایک دوسرے کے مال کا خیال بھی کرو، کسی کے مال کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرو، کسی کی عزت کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرو، اور نہ ہی کسی کی جان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرو۔

کیل اور وزن پورا پورا کرنے کا حکم:۔

واوفوا الکیل اذا کلتم: اور پورا کیا کرو تم کیل کو جب کہ تم کیل کرو، ماپتے وقت ٹھیک ماپو، وزنوا بالقسطاس المستقیم اور صحیح ترازو کے ساتھ وزن کیا کرو، تمہاری ترازو صحیح ہونی چاہیے غلط نہ ہو اس لئے جتنا کسی کے ساتھ دینے کا عہد کیا ہے تو ٹھیک ہے دو اور ایک کلو کی بجائے تین پاؤ دو گے، ایک پاؤ کی بجائے تین چھٹانک دیں گے تو یہ اس عہد کے خلاف ہے جو تم نے کیا ہے اور یہ مالی بد دیانتی ہے، ذلك خیر، یہ بہتر ہے تجارت کے اصول سے بہتر، معاشیات کے اصول سے بہتر و احسن تاویلاً اور انجام کے اعتبار سے بڑا اچھا ہے، آپس میں ایک دوسرے کے اوپر اعتماد پیدا ہوتا ہے، ایک دوسرے کے ساتھ محبت ہوتی ہے آپ مجھ پر اعتماد کریں گے میں آپ پر اعتماد کروں گا ہر کسی کے حقوق ادا ہوتے چلے جائیں گے۔

بدگمانیوں میں مبتلاء ہونے سے بچنے کا حکم:۔

ولاتقف مالیس لك به علم ، پیچھے نہ لگا کر اس بات کے جس کا تجھے علم نہیں، بے علمی کی صورت میں محض بدگمانیوں کے طور پر محض باتیں نہ لے اڑا کر، ایک دوسرے کے متعلق ایسے خیال جما لینا جس سے بداعتمادی ہوتی ہے کوئی واضح دلیل نہیں ہے، کسی کو چور سمجھ لیں، کسی کو بدمعاش سمجھ لیں، یہ مناسب نہیں ہے، جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ لگا کر، ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئك کان عنه مسؤلاً، بے شک کان، آنکھ اور دل ہر کسی کے متعلق سوال ہوگا کہ آنکھ کے ساتھ کیا دیکھتا تھا، کان کے ساتھ کیا سنا تھا، دل کے ساتھ کیا سچا تھا ان سب باتوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال ہوگا اور گرفت ہوگی اس لئے سوچ سمجھ کر چلا کرو، نہ آنکھ غلط استعمال کرا اور نہ دل غلط استعمال کرو۔

سبحانك اللهم و بحمدك اشهد ان لااله الا انت استغفرك و اتوب اليك۔

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ

اور تو نہ چل زمین میں اکڑ کر بے شک تو ہرگز نہیں پھاڑ سکتا زمین کو اور ہرگز نہیں پہنچ سکتا پہاڑوں کو

طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ

ازروئے لمبائی کے ﴿۳۷﴾ یہ سب برے کام تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں ﴿۳۸﴾ یہ باتیں

اَوْحٰۤی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا

اسی حکمت میں سے ہیں جو وحی کیں تیری طرف تیرے رب نے اور تو نہ بنا اللہ کے ساتھ دوسرا الہ

اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ

پس تو ڈال دیا جائے گا جہنم میں ملامت کیا ہوا دھتکارا ہوا ﴿۳۹﴾ کیا مخصوص کردیا تمہیں

بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا

تمہارے رب نے بیٹوں کے ساتھ اور بنالیا فرشتوں کو بیٹیاں بے شک تم البتہ کہتے ہو

عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ

بہت بڑی بات ﴿۴۰﴾ البتہ تحقیق ہم نے پھیر پھیر کر بیان کیا اس قرآن میں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور یہ

اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا

نہیں زیادہ کرتا ان کو مگر ازروئے نفرت کے ہی ﴿۴۱﴾ آپ کہہ دیجئے اگر ہوتے اس کے ساتھ اور معبود جیسا کہ

اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا

یہ کہتے ہیں تو وہ تلاش کرتے عرش والے کی طرف راستہ ﴿۴۲﴾ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے ان باتوں

كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ

سے جو یہ کہتے ہیں ﴿۴۳﴾ تسبیح بیان کرتے ہیں اس کیلئے ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ

اور نہیں کوئی چیز مگر وہ تسبیح بیان کرتی ہے اس کی حمد کے ساتھ لیکن تم سمجھتے نہیں ہو ان کی تسبیح کو

اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ

بے شک وہ بردبار ہے بخشنے والا ہے ﴿۴۴﴾ اور جب آپ پڑھتے ہیں قرآن تو ہم کردیتے ہیں آپ کے درمیان

وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ جَعَلْنَا

اور ان لوگوں کے درمیان جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر ایک پردہ چھپا ہوا ﴿۴۵﴾ اور ہم ڈال دیتے ہیں

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِذَا

ان کے دلوں پر پردے اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ، اور جب

ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

تو ذکر کرتا ہے اپنے رب کا قرآن میں جو اکیلا ہے تو پھر جاتے ہیں پشتوں کی طرف از روئے نفرت کے ﴿۴۶﴾

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَ اِذْ هُمْ

ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کیوں کان لگاتے ہیں آپ کی طرف جب وہ کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور جب

نَجْوٰۤى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

یہ سرگوشیاں کرتے ہیں، جبکہ کہتے ہیں ظالم لوگ تم نہیں اتباع کرتے مگر ایسے شخص کا جس پر جادو کیا گیا ہے ﴿۴۷﴾

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

تو دیکھ کیسے وہ بیان کرتے ہیں تیرے لیے القاب پس یہ لوگ گمراہ ہو گئے پس یہ نہیں طاقت

سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا

رکھیں گے راستہ کی ﴿۴۸﴾ اور انہوں نے کہا جب ہو جائیں گے ہم ہڈیاں اور چورا تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے نئے

جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ

سرے سے پیدا کر کے ﴿۴۹﴾ آپ کہہ دیجئے تم ہو جاؤ پتھر یا لوہا ﴿۵۰﴾ یا کوئی اور مخلوق ان چیزوں میں سے

فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ

جو بڑی معلوم ہو تمہارے سینوں میں، وہ کہیں گے کون ہے جو ہمیں دوبارہ لوٹائے گا آپ کہہ دیجئے جس نے

اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ

تمہیں پیدا کیا پہلی مرتبہ پھر وہ ہلائیں گے آپ کی طرف اپنے سروں کو اور کہیں گے کہ یہ کب ہوگا؟

قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝۵۱ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ

آپ کہہ دیجئے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ قریب ہی ہو ۝۵۱ جس دن وہ تمہیں بلائے گا پس تم اس کو جواب دو گے اس

وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۵۲

کی تعریف کے ساتھ اور تم گمان کرو گے کہ نہیں ٹھہرے تم مگر تھوڑا سا وقت ۝۵۲

تفسیر

زمین میں اکڑ کر چلنے کی ممانعت:۔

ولا تمش فی الارض مرحاً ، نہ چلا کر زمین میں اکڑتا ہوا، بے شک تو ہرگز نہیں پھاڑ سکے گا زمین کو اور ہرگز نہیں پہنچے گا، پہاڑوں کو از روئے لمبائی کے، جو شخص زمین پر اکڑ کر چلتا ہے وہ زمین پر پاؤں مارتا ہوا اور گردن اٹھا کر چلتا ہے یہ متکبرین اور مغروروں کی چال ہے فرمایا کہ متکبرین اور مغروروں کی چال نہ چلا کر، احکام کے سلسلہ میں ایک حکم یہ بھی دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ تواضع اختیار کرنی چاہیے، تکبر اچھا نہیں ہے، تواضع اور تکبر یہ دونوں اصل کے اعتبار سے تو قلب کی صفتیں ہیں دل کی ایک کیفیت ہے، جس کو تکبر کہتے ہیں کہ ایک انسان اپنے آپ کو بڑا جانتا ہے، دوسرے کو حقیر جانتا ہے کیونکہ تکبر کی تعریف حدیث شریف میں یہی ذکر کی گئی ہے بطر الحق و غمط الناس (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۳۳) حق بات کے سامنے اکڑ جانا، حق بات کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا اور تواضع کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کے سامنے اپنے آپ کو پست رکھا جائے، یہ دل کی کیفیتیں ہیں لیکن ان کے ظاہر میں آثار اسی قسم کے ہوتے ہیں کہ جن کے دل میں تکبر ہوتا ہے وہ اکڑتے ہیں، اکڑ کے چلتے ہیں، زمین کے اوپر زور زور سے پاؤں مارتے ہیں یہاں یہی منع کرنا مقصود ہے کہ تمہاری چال متواضعانہ ہونی چاہیے متکبرانہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو بچھایا، اس میں اس کی قدرت بھی نمایاں ہے اور انجام بھی نمایاں ہے تو تم اگر اس طرح پاؤں مار مار کے چلنے کی کوشش کرو تو تم اس زمین کو پھاڑ تو سکتے نہیں اور اس طرح تم کتنے ہی اپنے آپ کو گردنیں اٹھا

اٹھا کر بلند کرنے کی کوشش کرو لیکن اللہ تعالیٰ نے جس قسم کے پہاڑ پیدا کر دیے تم ان سے بلند نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ان کی طرح لمبے ہو سکتے ہو، رہو گے تم اتنے جتنے کہ تم ہو لیکن آپ کے اس طرح اکڑنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دل میں اللہ کی عظمت نہیں ہے اگر آپ کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ہوتی اور اللہ کا خوف آپ پر مسلط ہوتا، اللہ کے انعامات کا احساس ہوتا تو پھر اس طرح گردنیں اٹھا اٹھا کر چلنے کی بات نہ ہوتی بلکہ وہ کیفیت ہوتی جس کا ذکر سورۃ فرقان میں ہے وعبادالرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا، اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو زمین کے اوپر بڑی نرم رفتار چلتے ہیں، جب وہ چل رہے ہوتے ہیں تو ان کے بدن کی کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ دیکھ کے انسان محسوس کر لیتا ہے کہ واقعی ان کے دل میں اللہ کی عظمت ہے اور ہر وقت یہ اللہ کے انعامات کا استحضار کر کے اس کے سامنے دبے دبے سے رہتے ہیں، یہ آپ کے اوپر تواضع کی علامات نمایاں ہونی چاہئیں، تکبر کی علامات نمایاں نہیں ہونی چاہئیں۔

کل ذلك کان سنیه عند ربك کرھاً، یہ جو ذکر کیا گیا، ذلك کا اشارہ مذکور کی طرف ہے، یہ جو کچھ ذکر کیا گیا اس کی برائی تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، اور سنیه کی ضمیر کل ذلک کی طرف لوٹ رہی ہے گویا کہ آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ کان سیئی کل ذلك عندربك کرھاً اور سیئی کل ذلك یہ اضافت بیانی ہے جس کے مطابق بیان القرآن میں ترجمہ یوں کیا گیا ہے، کہ بے شک یہ سارے برے کام تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں اور مکروہ کا لفظ جو یہاں استعمال کیا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو ان کاموں سے نفرت ہے، یہ جو برے کام ذکر کیے گئے ہیں ان سب کاموں سے اللہ کو نفرت ہے، یہ مکروہ فقہی مکروہ نہیں ہے بلکہ لغوی مکروہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کام پسند نہیں، اللہ تعالیٰ کو ان کاموں سے نفرت ہے تو فقہی طور پر وہ کام حرام ہیں، وہ فقہی مکروہ نہیں کہ جس میں صرف خلاف اولیٰ ہونے والی بات ہوتی ہے، اور کرنے کی گنجائش ہوتی ہے یہ فقہی مکروہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سارے کے سارے کام ناپسندیدہ ہیں۔

توحید کی عظمت اور شرک کی مذمت:۔

ذلك مما اوحیٰ الیك ربك من الحکمة اب یہ ان احکام کی عظمت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ جو کچھ آپ کے سامنے بیان کیا گیا یہ اسی حکمت سے ہے جو تیرے رب نے تیری طرف وحی کی، من الحکمة ما کا بیان ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ساری کی ساری باتیں پر حکمت ہیں، دلائل محکمہ کے ساتھ ثابت ہیں اور

ان کے اندر فائدہ ہی فائدہ ہے، ان کے اندر کوئی نقصان کا پہلو نہیں ہے، دانشمندی کی باتیں ہیں، فطرت کا تقاضہ ہے، یہ وہ باتیں ہیں، یہ اس حکمت میں سے ہیں جو تیرے رب نے تیری طرف وحی کی ولا تجعل مع اللہ الٰھاً آخر فتلقیٰ فی جھنم ملوماً مدحوراً، آپ کے سامنے آچکا کہ ان احکام کی ابتداء بھی اثباتِ توحید اور ردِ شرک سے تھی اور اب ان احکام کے سلسلہ کو ختم کیا جا رہا ہے تو یہ بھی ردِ شرک پر ہے جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ اسلامی زندگی کی ابتداء اور انتہاء توحید پر ہی ہے، اور توحید میں اگر خلل پڑ جائے تو کسی صورت میں بھی اسلامی زندگی باقی نہیں رہ سکتی، اس عقیدہ توحید کی عظمت اور شرک کی مذمت کو اجاگر کرنے کیلئے آخر میں پھر اسی کو ذکر کر دیا ولا تجعل مع اللہ الٰھاً آخر اللہ کے ساتھ الٰہ آخر نہ بنا، اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود قرار نہ دے فتلقیٰ فی جھنم پھر تو ڈال دیا جائے گا جہنم میں ملوماً مدحوراً اس حال میں کہ الزام دیا ہوا ہوگا، ملامت کیا ہوا ہوگا، دھتکارا ہوا ہوگا، اسی حالت میں تو جہنم میں پھینک دیا جائیگا اگر اللہ کے ساتھ تو نے کسی دوسرے کو الٰہ قرار دیا یعنی پھر کسی دوسری چیز کا اعتبار نہیں، شرک کے نتیجہ میں انسان ذلیل ہو کر جہنم میں جا گرے گا۔

اللہ کی طرف بیٹوں کی نسبت عقل کے بھی خلاف ہے:۔

افاصفاکم ربکم بالبنین، کیا تمہارے رب نے خاص کر دیا تمہیں بیٹوں کے ساتھ واتخذ من الملائکۃ اناثاً اور اختیار کیں فرشتوں سے لڑکیاں، یعنی تم نے جو عقیدہ اختیار کر رکھا ہے شرک ہونے کے ساتھ ساتھ یہ خلاف عقل بھی ہے کہ اپنے لئے تو تم نے لڑکے تجویز کیے، لڑکی کی نسبت تم اپنی طرف گوارہ نہیں کرتے اور اللہ کی طرف اولاد کی نسبت اول تو یہی بری پھر اولاد کی نسبت کی بھی اس قسم کی جس کو تم اپنے لیے بھی عیب سمجھتے ہو، اس کو تم اللہ کی طرف منسوب کرتے ہو کیونکہ مشرکین کے عقیدہ میں فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں تھیں انکم تقولون قولاً عظیماً بے شک تم البتہ بہت بڑی بات کہتے ہو یعنی قباحت میں یہ بہت بڑی ہے، خلاف دلیل ہونے کے اعتبار سے بہت بڑی ہے، مذمت کے اعتبار سے بہت بڑی بات اپنے منہ سے بولتے ہو۔

قرآن کریم میں اثبات توحید اور ردشرک کا بیان اور اس کا مقصد:۔

ولقد صرفنا فی ھذا القرآن لیذکروا، صرف تصریف کسی چیز کو بار بار مختلف انداز سے بیان کرنا اور یہاں صرفنا کا مفعول یہی مضمون توحید ہے اور ردشرک کا مضمون ہے جس کا ذکر اوپر کی آیت میں آیا ہے البتہ تحقیق ہم

نے اثبات توحید اور رد شرک کو مختلف انداز کے ساتھ، مختلف پہلوؤں سے قرآن کریم میں بار بار بیان کیا ہے، تو صرفنا کا مفعول نکال لیا جائے گا مضمون توحید، یا رد شرک کا مضمون، ہم نے اس کو بار بار پھیر پھیر کے، مختلف انداز سے، مختلف اسلوبوں سے قرآن کریم کے اندر واضح کیا ہے تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں وما یزید ھم الانفورا لیکن یہ ایسے بدبخت ہیں کہ ان کو جتنا سمجھانے کی کوشش کی جارہی ہے یہ الٹا اور بدکتے ہی چلے جاتے ہیں، نہیں زیادہ کرتا ان کو ہمارا یہ بیان کرنا مگر از روئے بدکنے کے، ہمارا یہ بیان کرنا ان کی نفرت ہی بڑھاتا ہے، جتنا ہم ان کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اتنا ہی یہ بدکتے ہیں۔

رد شرک کا ایک اور انداز:۔

قل لو کان معه الٰهة کما یقولون آپ کہہ دیجئے اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور الٰہ ہوتے جیسے کہ یہ لوگ کہتے ہیں تب البتہ تلاش کر لیتے وہ عرش والے کی طرف راستہ، ان لفظوں میں رد شرک کو ایک اور انداز سے ذکر کیا گیا ہے، آپ کی خدمت میں بارہا بات آچکی کہ مشرکین نے اپنے شرک کا فلسفہ جو مرتب کیا تھا وہ اس انداز سے کیا تھا کہ دنیا کے اندر جس طرح ایک بادشاہ ہوتا ہے اور اس کو کام چلانے کے لئے معاونین کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اپنے ماتحت حکام بناتا ہے اور ان حکام کے ذریعہ سے وہ کام لیتا ہے تو نچلی آبادی کا تعلق ان نچلے حکام کے ساتھ ہوا کرتا ہے، نچلے حکام خوش رہیں تو بڑے سے کام کروا دیتے ہیں اور اگر نچلے حکام ناراض ہو جائیں تو پھر بڑے سے کام نہیں کروا کر دیتے ہیں اور اس طرح زندگی میں مشکلات پیش آتی ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم چھوٹوں کو خوش رکھیں، یہ مثال ہے جس سے انہوں نے شرک کی بنیاد اٹھائی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انہوں نے یہ پہلو تو دیکھا کہ بادشاہ کو معاونین کی ضرورت ہوتی ہے، وہ معاونین کے ذریعہ سے کام لیتا ہے کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ یہ معاونین جو ہوتے ہیں یہ گاہے گاہے ان بادشاہوں کے تختے بھی الٹتے رہتے ہیں، ایک کو گرایا اور دوسرا بادشاہ بن گیا، جب دیکھا اس کی ٹانگ کھینچی اور دوسرا تخت پر چڑھ بیٹھا، دنیا کے بادشاہوں میں یہ مثال کیا ان کے سامنے نہیں ہے؟ اس طرح اللہ تعالیٰ اگر ایک بادشاہ ہوتا اور اس کے ساتھ اس کی حکومت میں اور الٰہ بھی شریک ہوتے تو کبھی تو ایسی نوبت آتی کہ نچلے بغاوت کر کے اس کی حکومت ہی ختم کر دیتے اور اس کو گرا کے خود بادشاہ بننے کی کوشش کرتے، دنیا کے اندر یہ عام تاریخ کا ایک پہلو ہے کہ بادشاہوں کے معاونین بادشاہوں کے تختے الٹتے رہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے

اقتدار میں دوسرے لوگ شریک ہوتے تو وہ بھی عرش والے کی طرف راستہ تلاش کر لیتے اور اس کو شکست دینے کی کوشش کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان الٰہ کی آپس میں لڑائی ہوتی، ان کا آپس میں اختلاف ہوتا اور یہ نظام عالم کا سارا برباد ہو جاتا جس کو قرآن کریم میں دوسری جگہ ان الفاظ سے ادا کیا گیا ہے لو کان فیھما آلھة الاالله لفسدتا کہ اگر اس زمین و آسمان کے اندر اللہ کے علاوہ اور آلہٰ ہوتے تو ان کا نظم کبھی بھی قرار نہ رہتا، آخر یہ حکام کی فطرت ہے کہ آپس میں اختلاف بھی کرتے ہیں اور دنیا کے اندر اگر تم بادشاہوں کی مثال دیتے ہو تو بادشاہوں کی لڑائیاں بھی تمہارے سامنے ہوں گی کہ کس طرح ایک دوسرے کے اوپر غلبہ پانے کی کوشش کرتے ہیں تو اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اقتدار میں کوئی اور بھی شریک ہوتے تو کبھی کا فساد ہو چکا ہوتا اور زمین و آسمان کسی صورت میں قائم نہیں رہ سکتے تھے۔

سبحانه وہ عرش والا پاک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں و تعالیٰ عما یقولون علوا کبیراً اور وہ بلند ہے ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں بلند ہونا بہت زیادہ، وہ ان باتوں سے بہت بلند ہے، بالا و برتر جو یہ بولتے ہیں، اس کی حکومت میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔

کائنات کا ہر ذرہ اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے:۔

تسبح له السموٰت السبع، تسبیح بیان کرتے اس کے لئے ساتوں آسمان اور زمین اور سب وہ چیزیں جو ان میں ہیں وان من شئی الایسبح بحمدہ نہیں ہے کوئی چیز مگر وہ تسبیح بیان کرتی ہے اللہ کی حمد کے ساتھ ولکن لا تفقھون تسبیحھم لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو، انه کان حلیماً غفوراً بے شک وہ اللہ تعالیٰ حلیم ہے غفور ہے، بردبار ہے بخشنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے متعلق جو کہا گیا تھا سبحانہ کہ اللہ ہر عیب سے پاک ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بات کہ اللہ ہر عیب سے پاک ہے کائنات کے ذرہ ذرہ سے نمایاں ہے، زمین و آسمان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتی ہو، جو اس بات کے اوپر دلالت نہ کرتی ہو کہ اس کا خالق ہر عیب سے پاک ہے، تمام چیزیں اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں اور پھر ساتھ ساتھ حمد بھی کرتی ہیں، تسبیح اور حمد کے درمیان فرق آپ سمجھتے ہی ہیں کہ تسبیح میں سلبی پہلو ہے کہ اللہ کے اندر کوئی نقص موجود نہیں، حمد کے اندر اثباتی پہلو ہے جتنی صفات کمال ہیں وہ ساری کے ساری اللہ کے اندر موجود ہیں۔

اب یہ تسبیح کیسی ہے؟ ایک تسبیح تو یہ ہے جو جنات، انسان اور ملائکہ اپنی زبان کے ساتھ اختیار کرتے ہیں

جس طرح ہم سبحان اللہ، الحمد اللہ کہتے ہیں، یہ تو ایسی ہے جس میں الفاظ ادا ہوتے ہیں اور عام طور پر ایک دوسرے کی تسبیح کو سنا بھی جا سکتا ہے ایک تسبیح تو یہ ہے اور یہ دوسری چیزیں جو کہ نباتات کی شکل میں ہیں یا جمادات کی شکل میں ہیں واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں، ان کا تسبیح بیان کرنا ایک تو یہ ہے کہ یہ اپنے حال کے اعتبار سے دلالت کریں کہ ہمارا خالق اور ہمارا مالک بے عیب ہے اور اس میں ساری خوبیاں پائی جاتی ہیں، حال سے دلالت کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ غور کریں تو وہاں سے استدلال کر کے یہ بات سمجھ سکتے ہیں یعنی ان سے کسی چیز کا مسرور نہیں ہے کہ وہ سبحان اللہ کہتی ہوں، الحمد اللہ کہتی ہوں بلکہ ان کا حال ایسا ہے جو اس پر دلالت کر رہا ہے جس کو آپ کہتے ہیں کہ بزبان حال کہہ رہی ہیں یعنی اگر عقل مند آدمی ان کو دیکھے تو وہاں سے استدلال کر سکتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا بے عیب ہے اور اس کا پیدا کرنے والا تمام خوبیوں کا مالک ہے اور یہ جو فرمایا کہ لا تفقھون تسبیحھم یہ شکوہ ہے کافروں اور مشرکوں پر کہ وہ اس قسم کا استدلال کرتے نہیں، اس لئے وہ ان کی تسبیح کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اگر وہ استدلال کریں تو ان کی تسبیح کو سمجھ سکتے ہیں،

لیکن اس سے بھی بڑھ کے اگر شریعت کے دلائل کی طرف دیکھا جائے قرآن اور حدیث میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ اپنے اپنے درجہ کے مطابق ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، نباتات بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں، پرندے بھی اپنی زبان میں اللہ ذکر کرتے ہیں، جمادات بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں، ان کے اندر بھی اللہ نے اتنا شعور رکھا ہے کہ جس کی بناء پر یہ اپنے خالق اور مالک کو پہچانتے ہیں مشکوۃ شریف میں آپ کے سامنے باب علامات النبوۃ کے اندر ایک روایت آئی تھی جس میں سرور کائنات ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو زمانہ نبوت سے پہلے ہی مجھے سلام کیا کرتا تھا (مشکوۃ ج۲ص۵۲۴) اور ایک روایت میں آپ نے پڑھا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ تھے تو حضور ﷺ جدھر جاتے تو حجر شجر سے یہ آواز آتی تھی السلام علیك یا رسول الله، (ترمذی ۲/۲۰۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے یہ آواز تو آتی ہے، باقی اللہ تعالیٰ کبھی کسی انسان کو ظاہری طور پر سنوا دیتے ہیں اور کبھی نہیں سنواتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ کرامت میں سے ہو گیا کہ انہوں نے سن لیا اور کنکریوں کا حضور ﷺ کی ہتھیلی میں تسبیح پڑھنا اور لوگوں کا سننا یہ مشہور بات ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھ کے جب کھانا کھایا کرتے تھے تو ہم کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے کہ کھانا

سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھ رہا ہے، (مشکوۃ ۲/ ۵۳۸) یہ سب علامت ہیں اس بات کی کہ یہ تسبیح پڑھتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم سے ان کو ذرا پردے میں رکھا اور ان کی آواز کو ہم سن نہیں سکتے کسی کو اللہ تعالیٰ بطور کشف اور کرامت کے سنا بھی دیتے ہیں، حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ شامل ہو کے پرندوں اور پہاڑوں کا تسبیح پڑھنا قرآن کریم میں مذکور ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باقاعدہ یہ چیزیں تسبیح پڑھتی ہیں لیکن ان کے سمجھنے کیلئے جس قوت اور استعداد کی ضرورت ہے وہ کسی میں ہوتی ہے اور کسی میں نہیں ہوتی تو کائنات کا ذرہ ذرہ چاہے وہ آسمان میں ہے چاہے وہ زمین میں ہے یا ان کے درمیان میں ہے یہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں لیکن انسان اور جن چونکہ مختار ہیں اس لئے بعض ان میں سے سرکش ہیں جو زبان سے اللہ کی تسبیح بیان نہیں کرتے تو ایسی صورت میں یہ ان کا جرم ہے ورنہ باقی ساری کائنات اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، تحمید کرتی ہے اور اس بات کو اچھی طرح اپنے قال اور حال کے ساتھ واضح کرتی ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا بے عیب ہے اور سب خوبیوں کا مالک ہے، ایسی کسی دوسرے کی شان نہیں اس لئے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی شان گھٹاتے ہیں اور اس ذات کے اوپر عیب لگاتے ہیں تو ساری کائنات کی تسبیح اس بات پر شہادت دیتی ہے کہ شرک غلط ہے اور توحید صحیح ہے،

مشرکین کے قرآن کریم سے متاثر نہ ہونے کی وجہ:۔

واذا قرأت القرآن، اب ان لوگوں کا قرآن کریم سے متاثر نہ ہونا اس کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ آخرت کے قائل نہیں، انجام کا فکر نہیں، اگر آخرت کا قائل ہوتے، انجام کا فکر ہوتا تو پھر یہ ان باتوں سے متاثر ہوتے، انکارِ آخرت یہ فساد کی جڑ ہے بارہا آپ کے سامنے اس بات کو واضح کیا جاچکا ہے اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں یعنی ان کو سنانے کے لئے بطور تبلیغ کے جعلنا بینك وبین الذین لایؤمنون بالاخرہ تو ہم کر دیتے ہیں آپ کے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جو کہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے حجاباً مستوراً ایک چھپا ہوا پردہ درمیان میں حائل ہو جاتا ہے جس کی بناء پر یہ اس سے متاثر نہیں ہوتے اور کر دیتے ہیں ہم ان کے دلوں کے اوپر پردے تا کہ یہ اس کو نہ سمجھیں اور کر دیتے ہیں ہم ان کے کانوں کے اندر بوجھ تا کہ یہ اس کو نہ سنیں یعنی یہ کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتے ہیں، پیدا کرنے کی وجہ ان کی اپنی کوتاہیاں اور ضد ہے، ان کی اپنی نیت کا فساد ہے تو اس قسم کی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں کہ دل سمجھتے نہیں، کان سنتے نہیں واذا ذکرت ربك فی القرآن اور جس

وقت آپ اپنے رب کا ذکر قرآن میں کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ رب اکیلا ہے، اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھہراتے ولو اعلیٰ ادبار ھم نفورا تو اپنی پیٹھوں کے بل بھاگ جاتے ہیں نفرت کرتے ہوئے، قرآن کریم کے سمجھنے کی ان میں صلاحیت نہیں اور سمجھنے کی نیت سے یہ سنتے نہیں جیسا کہ آگے الفاظ آ رہے ہیں نحن اعلم بما یستمعون به اذیستمعون الیك، جس وقت یہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں اس بات کو جس کی وجہ سے یہ کان لگاتے ہیں یعنی بظاہر آپ کو معلوم ہوگا کہ بڑی توجہ سے سن رہے ہیں لیکن یہ کیوں سن رہے ہیں اس کی وجہ ہم جانتے ہیں، یہ سمجھنے کے لئے نہیں سن رہے، عیب نکالنے کیلئے، اعتراض کی بات پکڑنے کیلئے یہ سن رہے ہیں اور جب کوئی آدمی کسی کی بات کی طرف اس لئے کان لگاتا ہے کہ کوئی نقص کی بات ملے اور میں پکڑ کر اعتراض کروں تو پھر وہ ان باتوں سے فائدہ نہیں اٹھایا کرتا اور کوئی بات اس کے دل میں اترا نہیں کرتی کیونکہ اپنے سمجھنے کا تو ارادہ ہی نہیں ہے، دلوں کے تو دروازے ہی بند کیے ہوئے ہیں اور کلام کی طرف اگر توجہ ہے بھی تو صرف نقص نکالنے کیلئے ہے، ہم خوب جانتے ہیں اس بات کو جس کے سبب سے یہ کان لگاتے ہیں، جس وقت یہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جب کہ وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے والے ہوتے ہیں اذیقول الظالمون جس وقت کہ ظالم کہتے ہیں ان تتبعون الا رجلاً مسحوراً نہیں پیروی کرتے تم مگر ایسے شخص کی جس پر جادو ہویا ہوا ہے، ان سب حالات کو ہم جانتے ہیں۔

یہ سورۃ مکی ہے اور مکہ معظمہ کے اندر رہتے ہوئے سرور کائنات ﷺ نے جب قرآن کریم کی آواز بلند کی ہے تو وہ لوگ آپ کے اوپر مختلف مثالیں چسپاں کرتے تھے کبھی کہتے تھے کہ یہ ساحر ہے، اس کی باتوں میں ایسا اثر ہے جیسا جادو میں ہوتا ہے، کبھی کہتے تھے کہ شاعر ہے اس کی کلام اس طرح ہے جس طرح شاعروں کی ہوتی ہے، اور اس طرح دوسرے کے اوپر اثر انداز ہوتی ہے جس طرح شاعر جذبات بھڑکا دیتے ہیں، کبھی مجنون کہتے تھے تو انہی الفاظ میں سے ایک رجل مسحور بھی ہے اور رجل مسحور بول کر یہاں مجنون ہی مراد ہے کہ جس کی عقل ماری گئی، کسی نے جادو کر کے اس کی عقل ماردی اس لئے تم ایسے شخص کی پیروی کی رہے ہو جس کی عقل ٹھکانہ پر نہیں ہے، مسحور کہہ کر مجنون مراد ہے۔

کیا نبی پر جادو ہو سکتا ہے؟:۔

باقی یہ مسئلہ ہے کہ کیا نبی پر جادو ہو سکتا ہے؟ ایک علیحدہ مسئلہ اور صحیح روایات کے اندر موجود ہے کہ سرور کائنات ﷺ پر مدنی زندگی میں جادو کر دیا گیا تھا اور آپ پر جادو اثر انداز ہوا تھا کیونکہ جادو ایک مخفی تدبیر ہے دوسرے کو نقصان پہنچانے کی تو جس طرح ظاہری تدبیر نبی کے خلاف چل سکتی ہے کہ کسی کافر نے پتھر مارا اور آپ کا دانت ٹوٹ گیا، چہرہ زخمی ہو گیا، کسی نے آپ پر ایسی چیز ڈال دی جس کے ساتھ ظاہری طور پر آلودگی ہو گئی، کانٹے بچھا دیے جو آپ کے پاؤں میں چبھ گئے اور باعث تکلیف ہو گئے حتی کہ نبی دوسرے کے ہاتھ سے قتل بھی ہو سکتا ہے جیسے ظاہری تدبیر اگر دشمن اختیار کرتا ہے اور نقصان پہنچ جاتا ہے اسی طرح جادو ایک باطنی تدبیر ہے کہ اس کے اختیار کرنے کے ساتھ بھی نقصان پہنچایا جا سکتا ہے، یہ کسی دلیل شرعی کے خلاف نہیں ہے لیکن جادو کے ساتھ ایسا اثر ڈالا جا سکتا ہے کہ مقصد نبوت میں فرق آ جائے، تعلیم خلط ملط ہو جائے، حق اور باطل کے اندر التباس پیدا ہو جائے اس طرح نہیں کیا جا سکتا، سرور کائنات ﷺ پر جو جادو کیا گیا تھا اس میں آپ کی صحت پر اثر پڑ گیا تھا کہ آپ بیمار ہو گئے تھے، بسا اوقات ایک کام کرنے کا خیال ہوتا لیکن اس کام کے کرنے پر قادر نہ ہوتے، کام نہ کیا ہوتا ایسا خیال آتا کہ جیسے کر لیا ہے اس قسم کے خیالات کے اندر تصرف ہو گیا تھا اور سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فیض الباری کے اندر اس مضمون کو بہت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اوپر جو جادو کیا گیا تھا اس کا اتنا سا اثر تھا کہ آپ بیویوں کے پاس جانے پر قادر نہیں رہے تھے، وہ کہتے ہیں کہ جو آج کل کے لوگوں میں چلتا ہے جس کو مرد باندھ دینا کہتے ہیں، اس قسم کا وہ جادو کر دیتے ہیں کہ جس میں مرد کو باندھ دیا جاتا ہے، پہلے انسان سمجھتا ہے کہ میرے اندر خواہش ہے کہ میں بیوی کے پاس جاؤں لیکن جب بیوی کے پاس جاتا ہے تو خواہش ختم ہو جاتی ہے، بیوی کے پاس جانے پر قادر نہیں رہتا، تو حضرت نے روایات سے مختلف قرینے تلاش کر کے مضمون ذکر کیا ہے کہ یہ وہی جادو تھا جس کو مرد باندھ دینا کہتے ہیں تو یہ ایک جسمانی بیماری ہے جو حضور ﷺ کے اوپر اثر انداز ہو گئی تھی باقی ایسا جادو کہ جس کے ساتھ حق اور باطل کو خلط ملط کر دیا جائے یا نبوت کے دل اور دماغ پر اس قسم کا تصرف ہو جائے ایسا جادو نبی کے اوپر نہیں ہو سکتا۔

تطبیق:۔

چونکہ دونوں باتوں میں فرق ہے مشرکین جو رجل مسحور کہتے تھے تو یہ کہہ کے وہ مجنون قرار دیتے تھے، بے عقل آدمی، جس کی عقل ماری گئی اور جو مجنون ہے اور جو سرور کائنات ﷺ پر جادو ہوا جس کے ازالہ کیلئے آخری دونوں سورتیں اتریں اس کا تعلق ایک بدنی بیماری کے ساتھ ہے، اس کا ذہن، دل اور دماغ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے دونوں باتوں میں کوئی کسی قسم کا تعارض نہیں ہے۔

نبی پر جادو کے متعلق تفصیل کی غرض:۔

یہ بات میں آپ کی خدمت میں اس لے عرض کر رہا ہوں کہ چونکہ منکرین حدیث مختلف بہانوں کے ساتھ قرآن اور حدیث میں تعارض پیدا کرتے ہیں اور تعارض پیدا کرنے کے بعد حدیث کی وقعت ختم کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دیکھو! فلاں حدیث قرآن کریم کی فلاں آیت کے خلاف ہے لہٰذا غلط ہے فلاں حدیث فلاں آیت کے خلاف ہے لہٰذا غلط ہے، تو ان باتوں کے بارے میں بھی وہ کہتے ہیں کہ اگر حدیث کی یہ روایتیں جو کہ بخاری اور مسلم میں آئی ہوئی ہیں صحیح مان لی جائیں کہ حضور ﷺ پر جادو ہوا تھا تو پھر تو مشرکوں کی یہ بات صحیح نکلتی ہے کہ ان تتبعون الا رجلا مسحوراً کہ آپ تو پھر رجل مسحور کا مصداق ہو گئے، مشرکین جو کہ لوگوں کو کہتے تھے کہ تم رجل مسحور کے پیچھے لگے ہوئے ہو پھر تو مشرکین کی بات صحیح ہو جائے گی، اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ رجل مسحور نہیں تھے اور وہ روایتیں کہتی ہیں کہ جادو ہو گیا تھا اور رجل مسحور بن گئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم اور بخاری کی یہ سب روایتیں جھوٹی ہیں، یوں کر کے وہ احادیث کی وقعت کو ختم کرتے ہیں حالانکہ دونوں کا مطلب بالکل علیحدہ علیحدہ، مفہوم علیحدہ علیحدہ ہے، یہ بات مکہ معظمہ کی ہے اور مکہ میں مشرک لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ یہ تو دیوانہ ہے، اس کی عقل ماری گئی، کسی نے جادو کر دیا ہے جس کی بناء پر اس قسم کی باتیں کرتا ہے، جو ہماری عقل میں نہیں آتی اور یہ رجل مسحور کہنا ان کا اتہام تھا، تہمت تھی، حضور ﷺ مجنون نہیں تھی اور جادو کے ذریعہ سے آپ کی عقل پر کوئی کسی قسم کا تعلق نہیں تھا وہ جادو اگر مان لیا جائے تو اس سے مشرکین کی بات غلط تھی، دونوں باتوں میں تعارض پیدا کر کے حدیث کو جھوٹا قرار دینا یہ بے ایمانی ہے، علمی تحقیق نہیں ہے اس لئے یہ بات میں آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں کہ یہاں رجل مسحور کا کیا مطلب ہے اور سرور کائنات ﷺ پر جو جادو ہوا تھا اس کی کیا کیفیت تھی اور اس کا کیا مطلب ہے۔

انظر کیف ضربوالك الامثال کا مفہوم:۔

انظر کیف ضربوا لك الامثال دیکھ تو یہ تیرے لئے کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں، کیسے کیسے فقرے آپ پر لگاتے ہیں، کس قسم کے لفظ آپ کے اوپر منطبق کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں مجنون، کبھی کہتے ہیں مسحور، کبھی کہتے ہیں شاعر، کبھی کہتے ہیں کاہن، دیکھ تو کیسے کیسے فقرے تیرے اوپر فٹ کرتے ہیں، کیسی کیسی مثالیں تیرے لئے بیان کرتے ہیں فضلوا پس یہ لوگ بھٹکے ہوئے پھر رہے ہیں فلا یستطیعون سبیلا یہ لوگ راستہ پانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

ایک تو بھٹکنے کی وجہ یہ ہوگئی کہ جب نبی کے متعلق اعتقاد ہی نہیں کرتے تو راستہ کیسے پالیں اور ایک مطلب یہ بھی ہے کہ یہ مثالیں دینے میں بھی بھٹکے پھر رہے ہیں ان کو کوئی صحیح مثال نہیں ملتی جو کہ آپ کے اوپر منطبق کردیں، جو منطبق کرتے ہیں آپ کا حال اس کی تکذیب کردیتا ہے، پھر کوئی اور تجویز کرتے ہیں، وہ بھی صحیح منطبق نہیں ہوتی تو کوئی اور نکالتے ہیں تو یہ بھٹکے پھرتے ہیں ان کو پوری مثال چسپاں کرنے کے لئے بھی کوئی صحیح راستہ نہیں ملتا۔

بعث بعد الموت کا ثبوت:۔

قالوا، پیچھے آیا تھا کہ یہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، جب آخرت پر ایمان نہیں لاتے تو نبی پر طنز کرتے ہوئے اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، وقالواء اذا کنا عظاماً ورفاتا اور یہ کہتے ہیں کہ کیا جس وقت ہم ہڈیاں ہوجائیں گے اور چورا چورا ہوجائیں گے کیا ہم البتہ اٹھائے ہوئے ہوں گے نئے سرے سے پیدا کر کے؟ گویا کہ ان کے نزدیک عظام (ہڈیاں) اور ان کا چورا ہوجانا یہ ایک ایسی چیز ہے جس میں اللہ تعالیٰ کو حیات پیدا کرنے پر قادر نہیں سمجھتے، ان کے انکار کا یہ حاصل ہے تو آپ انہیں کہہ دیجئے کہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا ہوجاؤ یا کوئی اور مخلوق بن جاؤ اس چیز میں سے جو تمہارے سینوں کے اندر بہت بڑی ہے یعنی اس اعتبار سے بہت بڑی ہے کہ تم اس کو بہت بڑا سمجھو اور تمہاری سمجھ میں اللہ اس میں حیات پیدا کرنے پر قادر نہ ہو، وہ حیات کو قبول نہیں کرسکتی، ہڈیوں کا حیات کو قبول کرلینا اتنا بعید نہیں کیونکہ ایک دفعہ وہ محل حیات رہ چکی ہے، تم پتھر بن جاؤ جو بظاہر حیات قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا یا لوہا اور اسٹیل بن جاؤ جس کے متعلق تم سمجھتے ہو کہ ان میں زندگی پیدا ہونا ناممکن ہے یا کوئی اور سخت مخلوق بن جاؤ جو اس اعتبار سے بہت بڑی ہو کہ اس کی حیات سے کوئی مناسبت نہیں ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ تمہیں پیدا کرے کے دوبارہ لے آئے گا اور تمہارے اندر حیات پیدا کردے گا، زندگی تمہیں دے دے گا، اللہ تعالیٰ

پتھر میں حیات ڈال سکتا ہے، لوہے میں ڈال سکتا ہے اور کوئی سخت سے سخت چیز جو تم تجویز کرلو اس میں بھی ڈال سکتا ہے تو ہڈیوں کے اندر حیات ڈالنا کون سا مشکل کام ہے، یہ تو پہلے بھی محل حیات رہ چکی ہیں جب یہ بات آپ کہیں تو فسیقولون من یعیدنا پھر وہ سوال کریں گے کہ ہمیں کون لوٹائے گا؟ پہلی حالت کی طرف ہمیں دوبارہ کون لے آئے گا قل الذی فطر کم اول مرۃ آپ جواب دے دیجئے کہ وہی جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا، پہلی مرتبہ پیدا کرنے کو اگر تم مانتے ہو تو اعادہ کیا مشکل ہے، فسینغضون الیك رؤسھم و یقولون متی ھو، جب کوئی شخص دوسرے کا مذاق اڑاتا ہے تو استہزاء کرتے ہوئے سر کو بھی حرکت دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ اچھا جی پھر یہ وقت کب آئے گا؟ سر بھی ہلاتا ہے اور ساتھ مذاق بھی اڑاتا ہے یہاں وہی کیفیت ہے کہ جب آپ ان کو یہ جواب دے دیں گے کہ تمہیں وہی لوٹائے گا جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تو وہ عنقریب آپ کی طرف سر ہلائیں گے اور کہیں گے کہ کب ہوگا یہ لوٹانا یہ وقت کب آئے گا، سر ہلا ہلا کے آپ کے سامنے یہ سوال کریں گے، قل عسیٰ ان یکون قریباً آپ کہہ دیجئے کہ ہو سکتا ہے کہ قریب ہی ہو، جب اس وقت کا پتہ نہیں تو ہر وقت احتمال ہے کہ ابھی آ جائے اور پھر ابھی آ جائے یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے یعنی آنے والی چیز قریب ہی ہوتی ہے چاہے اس میں بظاہر کتنا ہی وقت کیوں نہ ہو۔

ایک تو قیامت کبریٰ ہے اور ایک قیامت صغریٰ ہے، ایک عالمی قیامت ہے اور ایک شخصی قیامت ہے شخصی قیامت تو تمہارے سر پر ہر وقت کھڑی ہے من مات فقد قامت قیامتہ جو مر گیا اس کی قیامت تو آ گئی تو جس طرح موت ایک یقینی چیز ہے لیکن وقت کسی کو معلوم نہیں کہ کب آئے گی، وقت معلوم نہ ہونے سے حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا، آپ جانتے ہیں کہ موت یقیناً آئے گی لیکن وقت نہیں بتایا جا سکتا اب وقت کے معلوم نہ ہونے سے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا آپ جانتے ہیں کہ موت یقیناً آئے گی لیکن اس کا وقت نہیں بتایا جا سکتا اب اگر کوئی احمق کہے کہ بتاؤ میں نے کب مرنا ہے تو جیسے یہ حماقت ہے اسی طرح تم قیامت کے متعلق حماقت کرتے ہو کہ اگر وقت نہیں بتایا جا سکتا تو تم کہتے ہو کہ آئے گی ہی نہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے شخصی موت کا وقت مبہم رکھا ہے اس کی تعیین نہیں بتائی یہ بھی اس کی حکمت کا تقاضا ہے لیکن جس طرح شخصی موت کے وقت کا مبہم ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ موت آئے گی ہی نہیں اسی طرح عالمی موت کے وقت کے مبہم رکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قیامت آئے گی ہی نہیں

جس طرح شخصی موت سر پر کھڑی ہے اسی طرح اس دنیا کے اوپر قیامت بھی سر پر کھڑی ہے، پتہ نہیں کب آ جائے گی تو اس کو قریب ہی سمجھنا چاہیے یہ کوئی دور نہیں ہے۔

قبروں سے اٹھنے کا حال:۔

یوم یدعوکم فتستجیبون بحمدہ، آج تو تم اس قسم کا استہزاء کر کے انکار کرتے ہو جس دن وہ اللہ تمہیں بلائے گا کہ قبروں سے نکل کے آ جاؤ، جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں دعوت دے گا تو تم اللہ کی دعوت کو قبول کرو گے اس کی تعریف کرتے ہوئے تم قبروں سے سبحان اللہ، الحمد اللہ کہتے ہوئے، اٹھو گے اور یہ کہنا اضطراری ہوگا جس کے اوپر اللہ کی طرف سے کسی قسم کا انعام نہیں ہوگا، اس وقت یہ اقرار کرتے ہوئے اٹھو گے کہ واقعی اللہ کے اندر سب صفات حمد پائی جاتی ہیں، سب صفات کمال پائی جاتی ہیں، کوئی نقص کی صفت نہیں ہے، پھر تم قبول کرو گے اللہ کے اس پکارنے کو اللہ کی تعریف کرتے ہوئے، وتظنون اور تم اس وقت یہ سمجھو گے کہ تم نہیں ٹھہرے مگر بہت تھوڑا وقت، اس وقت میں جس کو تم کہتے ہو کہ ہماری عمریں گذر رہی ہیں، اپنے آپ کو سمجھتے ہو کہ تم بڑا طویل زمانہ زندہ ہو اس وقت تمہیں ایسے لگے گا ایک ہی لمحہ میں سب کچھ ہو گیا۔

سبحانك اللهم و بحمدك اشهد ان لااله الا انت استغفرك و اتوب اليك۔

وَ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ

اور آپ کہہ دیجئے میرے بندوں کو کہ وہ کہیں ایسی بات جو بہتر ہو بے شک شیطان فساد ڈالتا ہے

بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ

ان کے درمیان بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ﴿۵۳﴾ تمہارا رب

اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ وَ مَاۤ

خوب جانتا ہے تمہیں اگر چاہے تو رحم فرمائے تم پر یا اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے دے اور نہیں بھیجا

اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿۵۴﴾ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ

ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر ﴿۵۴﴾ اور تیرا رب خوب جانتا ہے ان چیزوں کو جو آسمانوں

وَ الْاَرْضِ ؕ وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّ اٰتَیْنَا

اور زمین میں ہیں البتہ ہم نے فضیلت دی بعض نبیوں کو بعض پر اور دی ہم نے

دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

داؤد علیہ السلام کو زبور ﴿۵۵﴾ آپ کہہ دیجئے تم بلالو ان کو جن کو تم معبود خیال کرتے ہو اس کے علاوہ

فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ

پس وہ نہیں اختیار رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے کا اور نہ اس کو بدلنے کا ﴿۵۶﴾ یہ لوگ

الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ

جنہیں یہ مشرک پکارتے ہیں یہ تلاش کرتے ہیں اپنے رب کی طرف ذریعہ کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے

وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ

اور وہ امید رکھتے ہیں اس کی رحمت کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے بے شک تیرے

مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَ اِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ

رب کا عذاب ایسا ہے کہ اس سے ڈرا جائے ﴿۵۷﴾ اور نہیں ہے کوئی بستی مگر ہم اس کو ہلاک کرنے والے ہیں قیامت

اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۵۸

کے دن سے پہلے یا ہم اس کو عذاب دینے والے ہیں سخت عذاب یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے ۝۵۸

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ

اور نہیں روکا ہمیں اس بات سے کہ بھیجیں ہم آیات مگر اس بات نے کہ تکذیب کی ان آیات کی پہلے لوگوں نے

وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ

اور دی ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی جو بصیرت کا ذریعہ تھی پس انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا اور ہم نہیں بھیجتے آیات

اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝۵۹ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا

مگر ڈرانے کیلئے ۝۵۹ اور جب ہم نے کہا تجھے کہ بے شک تیرا رب احاطہ کرنے والا ہے لوگوں کا اور نہیں بنایا ہم نے

الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي

رؤیا کو جو آپ کو ہم نے دکھایا مگر آزمائش لوگوں کیلئے اور وہ درخت جسے ملعون قرار دیا گیا ہے

الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝۶۰ؑ

قرآن میں، اور ہم انہیں ڈراتے ہیں اور یہ ڈرانا نہیں زیادہ کرتا ان کو مگر بڑی سرکشی میں ۝۶۰

تفسیر

ماقبل سے ربط:۔

پچھلی آیات میں ردشرک کے ساتھ ساتھ اثباتِ معاد اور معاد کے بارے میں ان کے اشکالات ذکر کیے گئے تھے اور یہ سورۃ آپس میں ایک قسم کی مجادلہ اور مباحثہ کی ہے، ان کی طرف سے اعتراضات اس طرح ہیں جس طرح کسی کا مذاق اڑایا جاتا ہے، استہزاء کیا جاتا ہے اور مقابلہ میں جواب کی کوشش کی گئی ہے ایسے موقع پر اندیشہ ہوتا ہے کہ حق کی تبلیغ کرنے والے، حق کو پھیلانے والے جوش اور غصہ میں نہ آ جائیں اور مخالفین کی اوچھی حرکتوں کے مقابلہ میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑ بیٹھیں، اس سے نتیجۃً نقصان ہوتا ہے اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ آگے تبلیغ کے معاملہ میں ترک خصومت کی تعلیم دیتے ہیں، کہ گفتگو میں اور آپس میں بحث مباحثہ کرتے ہوئے نرم زبان استعمال

کریں، سخت قسم کی بات نہ کہیں کیونکہ اس سے پھر زیادہ بگاڑ ہوتا ہے، اس سے پھر اصلاح کی توقع نہیں ہوتی، سورۃ نحل کے آخر میں بھی اسی قسم کی تعلیم دی گئی تھی ادع الیٰ سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن تو یہ آیت بھی اسی قسم کے مفہوم پر مشتمل ہے۔

پہلی آیت کا مفہوم:۔

وقل لعبادی اور آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے یقولو االتی هی احسن کہیں وہی بات جو بہتر ہے بہتر بات کہیں، اچھی بات کہیں ان الشیطان ینزغ بینهم بے شک شیطان انسانوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے ایک دوسرے کے خلاف مشتعل کر کے تیز باتیں کہلوا کہ آپس میں فساد کرواتا ہے، بے شک شیطان انسان کیلئے کھلا دشمن ہے۔

دوسری آیت کا مفہوم:۔

ربکم اعلم بکم تمہارا رب خوب جانتا ہے تمہیں، تمہارے کیا حالات ہیں، موافقین ومخالفین سب کے حالات کو جانتا ہے کم کا خطاب مجموعہ انسان کے اعتبار سے ہوگیا، تمہارا رب تمہارے حالات کو خوب جانتا ہے اگر چاہے تو تم سب پر رحم کرے اور رحم کا تقاضہ ہے کہ سب کو سیدھے راستہ پر چلا دے، سب کو ہدایت دے دے اور اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے دے یعنی تم سب کو ہدایت سے محروم کردے، اس کی اپنی مشیت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جب اختیار دے کے انسان کو چھوڑا ہے تو کوئی اچھا ہوگا، کوئی برا ہوگا، کوئی اچھائی اختیار کرے گا، کوئی برائی اختیار کرے گا تو اسلئے زیادہ سختی کرنے کی ضرورت نہیں، ہم نے آپ کو ان پر کوئی وکیل بنا کر نہیں بھیجا کہ اگر یہ سیدھے راستہ پر نہ آئے تو آپ سے سوال ہو کہ یہ سیدھے راستہ پر کیوں نہیں آیا، انہوں نے ہدایت کو حاصل کیوں نہیں کیا، تو جب آپ کے ذمہ صرف یہ لگایا گیا ہے کہ احکام کو پہنچادیں تو پھر اس میں سختی اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، وماارسلناك علیهم وکیلاً ارسلناك یہاں خطاب حضور ﷺ کو کیا گیا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں ترجمہ کے اندر اس کی حکمت کو واضح فرمایا ہم نے آپ کو ان کے اوپر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا، متعین کر کے نہیں بھیجا باوجود اس بات کے کہ آپ رسول ہیں، رسول ہونے کے باوجود جب آپ کو بھی ذمہ دار نہیں ٹھہرایا گیا تو باقی مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے کہ ان کو سیدھے راستہ پر ضرور لائیں یعنی پیچھے تو عبادی کے لفظ سے عام لوگوں کو

خطاب کیا گیا کہ آپ کو ہم نے ان پر وکیل بنا کر نہیں بھیجا، آپ ان پر کوئی داروغہ نہیں ہیں، آپ کی ذمہ داری نہیں تو پہلے یہ بات مجموعہ کے متعلق اور اب مفرد کے متعلق آ گئی گویا اس میں یہ آ گیا کہ جب آپ باوجود رسول ہونے کے ذمہ دار نہیں تو جو رسول بھی نہیں ہیں ان سے کیا پوچھا جائے گا کہ یہ کیوں نہیں مانے؟ اس لئے سختی کرنے کی، خصومت اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

تیسری آیت کا مفہوم:۔

وربك اعلم بمن في السموات والارض، اور تیرا رب خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں ولقد فضلنا بعض النبيين علي بعض، البتہ تحقیق ہم نے فضیلت دی بعض نبیوں کو بعض پر، یہ مضمون پہلے آپ کے سامنے تلك الرسل فضلنا بعضهم علىٰ بعض کے تحت گذر چکا ہے، نبوت کے اندر سب نبی آپس میں برابر ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے مختلف وجوہ سے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی، اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور دی، یہ بھی ان کے لئے ایک وجہ فضیلت ہے خصوصیت کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور کا ذکر اس لئے آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کا اس میں بہت واضح الفاظ میں ذکر ہے جیسا کہ سورۃ انبیاء کے آخر میں آئے گا ولقد كتبنا في الزبور من بعد الذكر ان الارض يرثها عبادي الصالحون تو اس آیت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی فضیلت کی طرف اشارہ کر دیا۔

چوتھی آیت کا مفہوم:۔

آگے پھر رد شرک کا مضمون ہے قل ادعوا الذين زعمتم من دونه آپ کہہ دیجئے کہ بلاؤ تم ان کو جن کو تم اللہ کے علاوہ اپنا کارساز سمجھتے ہو فلا يملكون كشف کا معنی ہو گیا کہ بالکل ہی زائل کرا دیں، ہٹا دیں، تحویل کا مطلب یہ ہے کہ سختی سے نرمی کی طرف ہی تبدیل کر دیں، بڑی مصیبت کو چھوٹی کی طرف ہی بدل دیں، مطلب یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں کر سکتے، نہ بالکل دور ہٹا سکتے ہیں اور نہ اس میں کوئی کسی قسم کی تبدیلی لا سکتے ہیں۔

پانچویں آیت کا مفہوم:۔

اولئك الذين يدعون يبتغون الىٰ ربهم الوسيلة جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں وہ لوگ طلب کرتے ہیں اپنے رب کی طرف قرب، وسیلہ کہتے ہیں ذریعہ کو یعنی قرب کا ذریعہ، طلب کرتے ہیں اپنے رب کی طرف قرب

کہ ان میں سے کون زیادہ اقرب ہے اور وہ امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تیرے رب کا عذاب محذور ہے یعنی ڈرنے کے قابل ہے، اس سے ڈرنا چاہیے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ مشرکین بعض جنات کو معبود اور فریادرس قرار دے کے پکارا کرتے تھے اور وہ جن مسلمان ہوگئے، جب وہ جن مسلمان ہوگئے تو وہ خود اللہ کے قرب کے متلاشی ہیں اور وہ اس کوشش میں گئے ہوئے ہیں کہ کون زیادہ سے زیادہ اللہ کا قرب تلاش کرے، کون زیادہ سے زیادہ اللہ کے قریب ہوجائے اور وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں تو جب ان جنات کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کا ہوگیا تو یہ جاہل کس طرح ان کو معبود قرار دے کے ان کے سامنے فریادیں کررہے ہیں، جن کو یہ پکاررہے ہیں وہ تو خود اللہ کے قرب کے متلاشی ہیں کہ ہمیں کوئی ذریعہ ملے تو ہم اللہ کے قریب بن جائیں اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کا قرب زیادہ سے زیادہ کون حاصل کرتا ہے، یرجون رحمته ویخافون عذابه یہ ایمان کا کمال ہے الایمان بین الخوف والرجاء ایمان خوف اور رجاء کے درمیان میں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے امید بھی رکھنی چاہیے اور ڈرتے رہنا چاہیے جس کو یہ دو کیفیتیں حاصل ہوجائیں وہ نہ کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتا ہے اور نہ کبھی گناہوں کے اوپر دلیر ہوتا ہے اور ایمان کا کمال یہی ہے کہ اللہ سے رحمت کی امید بھی رکھو اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے بھی رہو، مطلب یہ ہوا کہ وہ تو مؤمن بن گئے تو جب وہ ایمان لے آئے، اللہ کے ساتھ انہوں نے بندگی کا تعلق لگالیا اور یہ اس طرح ان کو معبود قرار دے کے پکارتے تھے، فرشتے تو ہیں ہی اللہ کو پکارنے والے، اللہ کا قرب تلاش کرنے والے، اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے ڈرنے والے مطلب یہ ہے کہ مشرک ان کو سمجھتے ہیں کہ اللہ کے شریک ہیں حالانکہ وہ سارے کے سارے اللہ کے ساتھ عبدیت کا تعلق رکھتے ہیں اور انبیاء واولیاء کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ وہ تو خود اللہ کے ہاں قرب کے متلاشی ہیں، اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ قرب چاہتے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں تو ایسے لوگوں کو اللہ کا شریک کیسے ٹھہرایا جاسکتا۔

چھٹی آیت کا مفہوم:۔

آگے عذاب کے ذکر کرنے کے ساتھ کفار کو تنبیہ ہے وان من قریة الانحن مھلکو ھا کوئی بستی نہیں مگر ہم اس کو ہلاک کرنے والے ہیں قبل یوم القیامة قیامت کے دن سے پہلے او معذبوھا عذاباً شدیداً یا اس کو

عذاب دینے والے ہیں سخت عذاب، پہلے مھلکوھا کے ساتھ جب قبل یوم القیامۃ آ گیا تو معذبوھا کا مطلب ہوگا کہ اس کو قیامت کے دن سخت عذاب دینے والے ہیں کان ذلك في الکتاب مسطوراً اور یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے، مطلب یہ ہے کہ کافروں کی جو بھی بستی ہے وہ چھوٹ نہیں سکتی یا تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں ہلاک کریں گے کوئی عذاب بھیج دیں گے اور اگر اللہ کی کسی حکمت کے تحت دنیا میں اس کو ہلاک نہ بھی کیا گیا تو قیامت کے دن سخت عذاب دیں گے، یہ بچ نہیں سکتے، قریۃ سے کافروں کی بستی مراد ہے یہ گرفت میں ضرور آئیگی دنیا میں یا آخرت میں اس لئے اگر کچھ دیر کے لئے مہلت دے دی جائے تو ان لوگوں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اب سزا ہوگی ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت ہر معاملہ کو کتاب میں لکھ رکھا ہے، جب وقت آ جائے گا اس کے مطابق سزا کا فیصلہ ہو جائے گا، کسی کو قیامت سے پہلے دنیا میں برباد کریں گے اور کسی کو قیامت کے دن سخت سزا دیں گے۔

ساتویں آیت کا مفہوم:۔

وما منعنا ان نرسل بالآیات نہیں روکا ہمیں اس بات سے کہ بھیجیں ہم آیات کو الا ان کذب بھا الاولون، یہ منع کا فاعل ہے، ہمیں آیات بھیجنے سے کسی چیز نے نہیں روکا سوائے اس کے کہ ان آیات کو پہلے لوگوں نے جھٹلایا ہے، پہلے لوگوں کا آیات کو جھٹلانا یہ باعث بن گیا کہ ہم اس وقت ان کی مانگی ہوئی نشانی ان کے سامنے واضح نہیں کرتے کیونکہ ان کافروں کی عادت ہمیں پہلے سے معلوم ہے کہ منہ مانگی نشانی ان کو دکھا دی جائے پھر بھی یہ ماننے نہیں ہیں، جب مانتے نہیں ہیں پھر اللہ دکھاتا ہے تو اپنی عادت کے مطابق اس قوم کو برباد کر دیتا ہے، جو اپنے منہ سے مانگ کر معجزہ دیکھ کر مؤمن نہیں ہوتے پھر وہ باقی نہیں رکھے جاتے اور ان کو ابھی ہلاک کرنا اللہ کی حکمت نہیں اس لئے ان کو منہ مانگی نشانیاں دکھائی نہیں جاتیں کیونکہ ہمیں پہلے سے معلوم ہے کہ یہ لوگ منہ مانگی نشانیاں دیکھ کر بھی نہیں مانیں گے اور پھر ان سب کو ہلاک کرنا پڑے گا اور ابھی ان کو ہلاک کرنا حکمت نہیں ہے جس کی بناء پر ان کی منہ مانگی نشانیاں ان کے سامنے واضح نہیں کرتے۔

آگے کذب بھا الاولون کا ایک نمونہ دکھا دیا واتینا ثمود الناقۃ مبصرۃ ہم نے ثمود کو ناقہ دی تھی جو ایک واضح نشانی تھی، مبصرۃ جو کہ آنکھیں کھولنے والی تھی، بصیرت کا باعث تھی فظلموا بھا انہوں نے اس ناقہ پر ظلم کیا، اس کی حق تلفی کی وما نرسل بالآیات الا تخویفا اور نہیں بھیجا کرتے ہم نشانیاں مگر ڈرانے کیلئے ہی، ڈرانے سے وہ

آخری ڈرانا مراد ہے جس کے بعد پھر ہلاکت آجاتی ہے یعنی ہم ان کے اوپر شفقت اور رحمت کرتے ہوئے ان کی منہ مانگی نشانیاں نہیں بھیجتے ورنہ پچھلی تاریخ کی طرف اگر یہ نظر اٹھا کر دیکھیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جن لوگوں نے نشانیاں مانگی تھیں اور ان کو نشانیاں دے دی گئیں پھر نہ ماننے کی صورت میں وہ بچے نہیں اور ان سے بھی ہمیں یہی توقع ہے کہ یہ مانیں گے تو نہیں اس لئے ان کو اگر منہ مانگی نشانیاں نہ دی جائیں تو یہ ہماری رحمت کا تقاضہ ہے۔

آٹھویں آیت کا مفہوم:۔

واذقلنالك ان ربك احاط بالناس اور یاد کیجئے جس وقت ہم نے تجھے کہا کہ بے شک تیرا رب سب لوگوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے، سب لوگ اس کی قدرت میں ہیں، اس کی گرفت میں ہیں، کوئی اس سے باہر نہیں جا سکتا وماجعلنا الرؤیاالتی اریناك الافتنةللناس اور نہیں بنایا ہم نے اس رؤیا کو، رؤیا اگرچہ عام طور پر خواب کے لئے بولا جاتا ہے لیکن یہ خواب کے واقعات کے ساتھ خاص نہیں مطلقاً دیکھی ہوئی چیز کیلئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے چاہے بیداری میں ہی دیکھی گئی ہو اس لئے رؤیا کا مصداق یہاں عام مفسرین نے چونکہ واقعہ معراج کو بنایا ہے اور باجماع امت وہ بیداری کا واقعہ ہے اس لئے رؤیا سے صرف دکھائی ہوئی چیز مراد ہے کہ ہم نے جو چیز آپ کو دکھائی تھی، ہم نے جو نظارہ آپ کو دکھایا تھا، نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے آپ کو دکھایا تھا مگر لوگوں کے لئے فتنہ، مگر لوگوں کے لئے گمراہی کا باعث، اور وہ درخت جس کی برائی بیان کی گئی ہے قرآن کریم میں، ملعونۃ یہ مبارکۃ کے مقابلہ میں ہے ایک شجرہ مبارکۃ ہوتا ہے جس کا ہر ہر جزء انسان کے لئے نفع بخش، راحت رساں، مفید، زبان کے لئے لذت کا باعث اور بدن کے لئے صحت کا ذریعہ ہے تو یہ شجرہ مبارکۃ ہوتا ہے اور شجرۃ ملعونۃ وہ ہوگا کہ جس میں نفع کا کائی پہلو نہ ہو، نہ اس میں کوئی ذائقہ ہے، نہ اس میں کوئی بھوک کو دور کرنے کی قوت ہے، نہ وہ صحت بخش ہے بلکہ کڑوا ہے، کانٹے دار ہے، ہر طرح سے تکلیف دہ ہے، تو شجرۃ ملعونۃ کا مصداق یہاں شجرۃ زقوم ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے، نہیں بنایا ہم نے اس رؤیا جو ہم نے آپ کو دکھایا مگر لوگوں کے لئے فتنہ اور اس درخت کو جس کی قرآن کریم میں برائی بیان کی گئی ہے یعنی اس کو بھی ہم نے لوگوں کے لئے فتنہ بنا دیا، لوگوں نے اس کو بھی اپنے لئے گمراہی کا باعث ٹھہرا لیا اور ہم ان کو ڈراتے ہیں فمایزیدھم الاطغیاناً کبیراً اور ہماری تخویف نہیں بڑھاتی ان کو مگر بڑی سرکشی کے اعتبار سے یعنی آئے دن جس طرح ہم ان کو دھمکاتے ہیں اور اس قسم کے واقعات ذکر کر کے تنبیہ کرتے ہیں تو اس طرح ان کی سرکشی بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔

سبحانك اللهم و بحمدك اشهد ان لااله الا انت استغفرك و اتوب اليك۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ

اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو کہ تم سجدہ کرو آدم کو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اس نے کہا کیا میں

خَلَقْتَ طِیْنًا ۚ ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ؗ لَىِٕنْ

اسے سجدہ کروں جسے آپ نے بنایا ہے مٹی سے ﴿۶۱﴾ اس نے کہا آپ ہی بتائیے یہ جسے آپ نے فوقیت دی مجھ پر

اَخَّرْتَنِ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ

اگر تو نے مجھے مہلت دی قیامت کے دن تک تو میں قابو میں کرلوں گا اس کی اولاد کو سوائے تھوڑے سے لوگوں کے ﴿۶۲﴾ اللہ نے کہا

اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾

جا تو جو شخص تیرے پیچھے لگے گا ان میں سے پس بے شک جہنم تم سب کی جزا ہے جو پوری سزا ہوگی ﴿۶۳﴾

وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَیْهِمْ

تو اکھاڑ دے ان کے قدم جس کی تو طاقت رکھتا ہے ان میں سے اپنی آواز کے ساتھ اور تو چڑھا دے ان پر

بِخَیْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ ؕ

اپنے سوار اور پیادے اور تو شریک کرلے ان کو مال میں اور اولاد میں اور ان سے وعدہ کرلے

وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ

اور نہیں ہے ان سے شیطان کا وعدہ مگر دھوکہ کا ﴿۶۴﴾ بے شک جو میرے بندے ہیں نہیں ہے تیرے لیے ان پر

سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ﴿۶۵﴾ رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ

کوئی زور اور کافی ہے تیرا رب کارساز ہونے کے اعتبار سے ﴿۶۵﴾ تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لیے

فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿۶۶﴾ وَ اِذَا

کشتیاں دریا میں تاکہ تم تلاش کرو اس کے فضل کو بے شک وہ تم پر رحم کرنے والا ہے ﴿۶۶﴾ اور جب

مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ

پہنچ جاتی ہے تمہیں کوئی تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ سب جن کو تم پکارتے ہو اس کے علاوہ پھر جب وہ تمہیں

إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ

نجات دیتا ہے خشکی کی طرف تو تم اعراض کر جاتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ﴿۶۷﴾ کیا تم بے خوف ہو گئے

بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ

اس بات سے کہ وہ تمہیں دھنسا دے خشکی کی جانب میں یا بھیجے تم پر سخت آندھی پھر نہ پاؤ تم اپنے لیے

وَكِيلًا ﴿٦٨﴾ أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ

کوئی کارساز ﴿۶۸﴾ کیا تم بے خوف ہو گئے اس بات سے کہ وہ لوٹا دے تمہیں اس دریا میں دوسری مرتبہ پھر بھیج دے

عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوا

تم پر ہوا کا سخت طوفان پھر وہ تمہیں غرق کر دے بسبب تمہارے کفر کرنے کے پھر نہ پاؤ تم جو تمہارے لیے

لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ

ہمارا پیچھا کرنے والا ہو ﴿۶۹﴾ البتہ تحقیق ہم نے عزت دی بنی آدم کو اور ہم نے انہیں سوار کیا خشکی میں اور سمندر میں

وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ

اور ہم نے انہیں رزق دیا پاکیزہ چیزوں سے اور ہم نے انہیں فضیلت دی بہت ساری چیزوں پر

خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾ يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ

جو ہم نے پیدا کیں فضیلت دینا ﴿۷۰﴾ جس دن ہم بلائیں گے سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ پھر جس شخص کو دیا

أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ

گیا اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں پس یہ لوگ پڑھیں گے اپنا اعمال نامہ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا

فَتِيلًا ﴿٧١﴾ وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ

دھاگہ کے برابر بھی ﴿۷۱﴾ جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے پس وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور زیادہ گمراہ ہوگا

وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٧٢﴾ وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا

از روئے راستہ کے ﴿۷۲﴾ اور یہ لوگ قریب تھا کہ آپ کو ہٹا دیتے اس چیز سے جو ہم نے وحی کی آپ کی طرف تاکہ

اِلَیۡكَ لِتَفۡتَرِیَ عَلَیۡنَا غَیۡرَهٗ ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوۡكَ خَلِیۡلًا ﴿۷۳﴾ وَ لَوۡ لَاۤ

آپ منسوب کریں ہماری طرف اس کے علاوہ دوسری بات اور تب یہ لوگ بنا لیتے آپ کو اپنا دوست ﴿۷۳﴾ اور اگر

اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدۡتَّ تَرۡكَنُ اِلَیۡهِمۡ شَیۡـًٔا قَلِیۡلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ

ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ مائل ہو جاتے ان کی طرف تھوڑا سا ﴿۷۴﴾ تب ہم چکھاتے

ضِعۡفَ الۡحَیٰوةِ وَ ضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَیۡنَا نَصِیۡرًا ﴿۷۵﴾

آپ کو زندگی میں دوہرا عذاب اور موت کے بعد دوہرا عذاب پھر تو نہ پاتا اپنے لیے ہمارے مقابلہ کوئی مددگار ﴿۷۵﴾

وَ اِنۡ كَادُوۡا لَیَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِیُخۡرِجُوۡكَ مِنۡهَا وَ اِذًا

اور قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کے قدم اکھاڑ دیتے اس زمین سے تاکہ نکال دیں آپ کو اس سے تب یہ

لَّا یَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ

لوگ نہ ٹھہرتے آپ کے بعد مگر تھوڑا وقت ﴿۷۶﴾ یہ طریقہ ہے ان رسولوں کا جن کو ہم نے بھیجا ہے آپ سے پہلے

مِنۡ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِیۡلًا ﴿۷۷﴾

اور تو نہیں پائے گا ہمارے طریقہ میں کوئی تغیر ﴿۷۷﴾

تفسیر

ابلیس کے انکار سجدہ کا واقعہ:۔

واذقلنا للملائكة اسجدو الادم فسجدو الا ابليس، یاد کیجئے جب ہم نے کہا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو تم آدم کے لئے، آدم کو سجدہ کرو، پھر انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، قال ابلیس نے کہا، اسجد لمن خلقت طیناً کیا میں سجدہ کروں اس شخص کو جس کو پیدا کیا تو نے مٹی سے، قال ارأیتك هذاالذی کرمت علیَّ، اس قال کی ضمیر بھی ابلیس کی طرف ہی لوٹ رہی ہے، اس ارأیتك اس میں شروع میں جو ہمزہ ہے یہ محض تنبیہ کے لئے ہے اس میں استفہام والا معنی نہیں ہے، محاورۃً یہ لفظ اخبرنی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، ابلیس نے کہا کہ تو بتلا مجھے کہ یہ شخص جس کو تو نے میرے اوپر بزرگی دی ہے، بیان القرآن کے بیان کے مطابق آگے لفظ محذوف ہیں لما کرمت

علی کیوں تو نے اس کو مجھ پر بزرگی دی ہے؟ اس کی بزرگی کی کیا وجہ ہے؟ میں آگ سے پیدا ہوا اور یہ مٹی سے پیدا ہوا، یہ تو اصل کے اعتبار سے مجھے اس پر بڑائی حاصل ہے اور آئندہ کے لئے مجھے مہلت دے کے دیکھ لے، اس کی اولاد کے ساتھ میرا مقابلہ ہوگا تو دیکھنا کہ اس کی اولاد کو میں کس طرح قابو میں لے آتا ہوں، یہ اپنی بڑائی کو واضح کررہا ہے، آگے احتناك کا لفظ آرہا ہے جس کا مفہوم ہوتا ہے، حنك دابة یہ لفظ کلام عرب میں کسی کو قابو میں لانے کیلئے بولا جاتا ہے اور قابو میں لانا بھی ایسے طور پر کہ جیسے کوئی جانور سرکش ہوتا ہے تو جانور کا مالک اس کے نچلے جبڑے میں رسی ڈال کے اس کو باندھ لیتا ہے جس کو وہ ڈانٹی مارنا کہتے ہیں اور جس کسی جانور کے نچلے جبڑے میں رسی ڈال کے اس کو باندھ لیا جائے تو پھر وہ بالکل قابو میں آجاتا ہے، پھر وہ سرکشی نہیں کرسکتا کیونکہ اگر وہ زور مارتا ہے تو اس کے جبڑے کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے، اسی طرح وہ اچھی طرح قابو میں آجاتا ہے تو یہاں لاحتنکن ذریته، کا یہ معنی ہے کہ اس طرح قابو میں کرلوں گا میں اس کی اولاد کو جس طرح کسی جانور کے جبڑے پر رسی باندھ کے اس کو قابو میں کرلیا جاتا ہے یعنی مکمل طرح سے میں ان کو اپنے قابو میں کرلوں گا اور بعض تفسیروں میں اس کا مفہوم یوں بھی ذکر کیا گیا ہے کہ احتنك الجراد الزرع یہ محاورہ بھی آتا ہے کہ ٹڈی کھیتی کو چٹ کرگئی، یہ ٹڈی دل جو آتا ہے اور آ کے سارے کھیت کو ویران کرجاتا ہے تو اس کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ میں اس کی اولاد کو چٹ کرجاؤں گا، اس کے اوپر غلبہ حاصل کرلوں گا لئن اخرتن الیٰ یوم القیامة اگر تو نے مجھے مہلت دے دی قیامت کے دن تک لاحتنکن ذریته الاقلیلاً کچھ لوگوں کو چھوڑ کر میں اس کی ساری اولاد کو اپنے قابو میں کرلوں گا، ان کے اوپر ہر طرح سے غلبہ حاصل کرلوں گا، ان کو چٹ کرجاؤں گا ان کو قابو میں لے آؤں گا سوائے کچھ لوگوں کے۔

قال اذهب اللہ تعالیٰ فرمایا کہ جا، یہ جانا اس طرح ہے جیسے کہتے ہیں جا دفع ہو جا جو چاہے کر پھر جو شخص تیرے پیچھے لگ جائے گا ان میں سے فان جهنم جزاء کم جزاء موفوراً بے شک جہنم سزا ہے تم سب کی پوری پوری سزا، جزاء کم کے اندر جمع کا خطاب ہوگیا جس کے اندر ابلیس اور اس کے متبعین سارے کے سارے آگئے۔

واستفزز من استطعت منهم، استفزاز، اس کا مادہ فزز ہے اور یہ قطع کے معنی میں آتا ہے اور استفزز کا معنی ہوتا ہے کسی کو گھبراہٹ میں ڈال کر اس کو اس کے موقف سے ہلا دینا، واستفزز من استطعت منهم جن کی تو طاقت رکھتا ہے ان میں سے ان کو تو گھبراہٹ میں ڈال لے، ان کے قدم اکھیڑ دے بصوتک اپنی آواز کے ذریعہ سے

واجلب علیهم بخیلك و رجلك اور کھینچ لا تو ان کے اوپر اپنے شاہسوار اور پیادے وشارکهم فی الاموال والاولاد اور شریک ہو جا تو ان کے ساتھ مالوں میں اولادوں میں وعدهم اور ان کے ساتھ تو وعدے کر ومایعدهم الشیطان الاغرورًا اور نہیں وعدے کرتا ان کے ساتھ مکر دھوکے کے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا کہ میری طرف سے تجھے چھٹی ہے تو جو کر سکتا ہے کر لے اور اگر اولادِ آدم کو تو گمراہ کرے گا تو یہ جو تیرے پیچھے لگ جائیں تو میرا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے اس میں تو تم سب کو اکھٹا کر کے جہنم بھر دوں گا، جہنم تمہاری پوری پوری سزا ہے۔

ان عبادی لیس لك علیهم سلطان، جو میرے خاص بندے ہیں، جن کا میرے ساتھ تعلق اور ربط ہوگا، تیرا ان پر کوئی زور نہیں چلے گا، بے شک میرے بندے نہیں ہے تیرے لئے ان کے اوپر کوئی کسی قسم کا زور و کفیٰ بربك و کیلاً اور تیرا رب کارساز کافی ہے، جو رب کو کارساز سمجھیں گے اور اپنا وکیل بنالیں گے شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔

پچھلے رکوع میں مشرکین کی جو حرکتیں نقل کی گئی تھیں آخرت کے انکار کی بناء پر اور انبیاء کے ساتھ استہزاء کا ذکر کیا گیا تھا ان آیات میں واضح کر دیا گیا کہ یہ سارے کا سارا ابلیسی طریقہ ہے اور جو بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول نہیں کرتے وہ سب ابلیس کے بہکاوے میں آئے ہوئے ہیں اور یہ تاریخ واضح کی گئی کہ وہ جب آدمی کی وجہ سے دھتکارا گیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اس قسم کی باتیں کہی تھیں اور یہ نادان جو اللہ تعالیٰ کی باتیں نہیں مانتے، اللہ کے رسول کی اتباع نہیں کرتے یہ سارے کے سارے اپنے اس قدیم دشمن کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور وہ آدم کی اولاد کو اپنے پیچھے لگا کے اسی طرح جہنم میں جھونک دے گا، یہاں یہی بات ان کو یاد دلائی جا رہی ہے اور یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے سورۃ اعراف میں گذر گیا اور سورۃ بقرہ کے اندر بھی اس کے اکثر اجزاء آ گئے۔

اثبات توحید ترغیب وترہیب کے ساتھ:۔

آگے اثبات توحید ہے، اللہ تعالیٰ اس میں کچھ انعامات ذکر فرماتے ہیں اور کچھ اس میں ترغیب بھی ہے ربکم الذی یزجی لکم الفلك تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لئے کشتیاں سمندر میں، فلک کا لفظ واحد اور جمع دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اور بحر کا لفظ سمندر اور بڑے دریاؤں کیلئے بولا جاتا ہے، لتبتغوامن فضله تا کہ تم

طلب کرو اللہ کا رزق، فضل سے مراد رزق ہے، کشتیوں پر سفر ہوتے ہیں، تجارتی سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے، کشتیاں اللہ نے چلادیں تاکہ تم رزق طلب کرو انه کان بکم رحیماً، بے شک وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ رحم کرنے والا ہے، شفقت کرنے والا ہے، مہربان ہے۔

واذا مسکم الضرفی البحر اور جس وقت سمندر میں تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے، ضر تکلیف کو کہتے ہیں، کوئی آفت آجاتی ہے، جس وقت سمندر میں تمہیں کوئی آفت چھولیتی ہے ضل من تدعون گم ہوجاتے ہیں وہ سب جن کو تم پکارا کرتے ہو الا ایاہ سوائے اس اللہ کے، پھر تمہاری امیدیں بھی اللہ کے ساتھ ہی لگ جاتی ہیں، اس وقت اصل فطرت سامنے آجاتی ہے کہ انسان کا دل گواہی دیتا ہے کہ اتنی بڑی بڑی آفات سے بچالینا، اتنی بڑی بڑی مصیبتوں سے بچالینا یہ صرف آسمان والے اللہ ہی کا کام ہے اور یہ زمین میں جولو ہے، پتھر اور لکڑی کے خدا بنا رکھے ہیں، یہ ایسے وقت میں کام نہیں آتے، فلما نجّاکم پھر جس وقت اللہ تمہیں نجات دے دیتا ہے الی البر خشکی کی طرف دریا اور سمندر سے تم صحیح سالم بچ کے آگئے، اعرضتم تم تو پھر منہ موڑ جاتے ہو، اعراض کرجاتے ہو وکان الانسان کفوراً اور انسان انتہائی ناشکرا ہے۔

افامنتم ان یخسف بکم جانب البر، سمندر میں تم اس کو پکارتے تھے، خشکی میں آکے پھر غافل ہوگئے اللہ تعالیٰ کے احکام سے اعراض کرگئے تو کیا پھر تم بے فکر ہوگئے ہو اس بات سے، افامنتم کیا تم بے خوف اور نڈر ہوگئے ہو اس بات سے کہ دھنسادے تمہیں وہ خشکی کی جانب میں ہی، جو اللہ تمہیں سمندر میں ڈبو سکتا ہے وہ خشکی میں بھی دھنسا سکتا ہے اور ایسے واقعات تاریخ میں پیش آچکے ہیں، شہروں کے شہر ہی زمین اتر جاتے ہیں، کیا تم اس بات سے بے فکر ہوگئے کہ دھنسادے وہ تمہیں خشکی کی جانب میں ہی اوْ یرسل علیکم حاصبا یا بھیج دے تمہارے اوپر ایسی آندھی جو کنکریاں برسانے والی ہو، طوفانی ہوا تمہارے اوپر بھیج دے ثم لاتجد والکم وکیلاً پھر تم کسی کو اپنا کارساز نہیں پاؤ گے، کوئی تمہارا وکیل نہیں کہ جس کے سپرد تم اپنا معاملہ کرسکو۔

ام امنتم یا تم بے فکر ہوگئے ہو اس بات سے کہ لوٹا دے وہ تمہیں پھر دوبارہ سمندر میں ہی، ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ پھر کوئی کام پیش آئے گا اور پھر سمندر میں چلے جاؤ گے اور وہاں پھر اللہ تعالیٰ کا انتقام سر پر کھڑا ہے، کیا تم بے خوف اور نڈر ہوگئے ہو اس بات سے کہ لوٹا دے وہ تمہیں اس سمندر میں دوبارہ فیرسل علیکم قاصفامن

الریح پھر بھیج دے تمہارے اوپر وہ توڑ پھوڑ کرنے والی ہوا فیغرقکم پھر وہ تمہیں ڈبودے بما کفرتم تمہارے کفر کرنے کی وجہ سے ثم لا تجدوالکم علینا به تبیعا پھر نہیں پاؤ گے تم اپنے لئے ہمارے خلاف اس غرق کرنے کی وجہ سے کوئی پیچھا کرنے والا یعنی اس بات پر کہ ہم نے تمہیں غرق کر دیا ہمارا پیچھا کوئی نہیں کر سکتا، ہمیں کوئی آ کے پوچھ بھی نہیں سکتا کہ ایسا کیوں کیا؟ اور اس کا حاصل یہی ہے کہ تمہارا کوئی مددگار نہیں، تمہاری کوئی حمایت کرنے والا نہیں، تمہارے اس غرق ہونے کے اوپر کوئی آنسو بہانے والا بھی نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا، اللہ کے مقابلہ میں تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا، ان الفاظ کا یہی مفہوم ہے۔

بنی آدم کے اعزاز واکرام اور ان پر خصوصی انعامات کا ذکر:۔

ولقد کرمنا بنی آدم، البتہ تحقیق ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی ہے، کرامت اور فضیلت دی ہے عزت دی ہے، اور اس عزت کا تعلق دوسری مخلوقات کے ساتھ ہے کہ دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں عزت دی ہے، مثلاً جمادات، نباتات بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں ان کے مقابلہ میں انسان کو شرف حاصل ہے، حیوانات کے مقابلہ میں انسان کو شرف حاصل ہے، قد وقامت کے لحاظ سے اس کو خوبصورت بنایا، عقل، فہم اور شعور اس کو دیا جو دوسروں کو نہیں ہے، باقی کائنات سے جس طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے کوئی دوسری چیز اس طرح فائدہ نہیں اٹھا سکتی، لباس حسب منشا پہنتا ہے، خوراک حسب منشا کھاتا ہے، باقی سب حیوانات مفردات پر گذارہ کرتے ہیں اور انسان اپنی غذا میں کیسے کیسے مرکبات شامل کر کے کیسی لذیذ اور عمدہ غذائیں تیار کر لیتا ہے یہ سب عقل وشعور کی وجہ سے ہے اور اسی طرح جنات کے مقابلہ میں بھی انسان کو شرف حاصل ہے کہ اگرچہ عقل وشعور ان کو بھی حاصل ہے، شہوات ان میں بھی ہیں لیکن ان میں یہ اعتدال نہیں جو انسان مین رکھا گیا، ان میں شر اور شرارت کا مادہ غالب ہے، اور فرشتے اس قسم کے کمالات کے حامل نہیں جس قسم کے کمالات انسان کو دیے گئے ہیں کیونکہ فرشتے ابتلاء میں نہیں آ سکتے، وہ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری پر ہی پیدا کیئے گئے ہیں، ان میں معصیت کا مادہ ہی نہیں کہ وہ کسی امتحان میں آئیں اس اعتبار سے انسان کو شرف حاصل ہے کہ اس کیلئے ہر قسم کا میدان کھلا چھوڑ دیا گیا ہے اور جس وقت یہ اپنے اختیار کے ساتھ اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں فرشتوں سے بھی زیادہ اس کی قدر کی جاتی ہے، باقی نتیجۂ آخرت کے اعتبار سے اگر انسان اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار ہو تو پھر یہ خیر البریه ہے، ساری مخلوق سے بہتر ہے، اولیاء

اور صالحین عام فرشتوں سے بہتر ہیں، انبیاء یہ خواص فرشتوں سے بہتر ہیں اور خواص فرشتے یہ عام مؤمنین کے مقابلہ میں افضل ہیں بہر حال فی الجملہ انسان کی افضلیت کا قول کیا جاسکتا ہے اور اگر یہ اللہ کا نافرمان ہوجائے، باغی ہوجائے، کفر وشرک کے اندر مبتلاء ہوجائے تو پھر اسی کیلئے شر البریہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، پھر یہ کتوں اور بلوں سے بھی بدتر ہوجاتا ہے، ہر قسم کی ذلیل سے ذلیل مخلوق سے بھی ارذل بن جاتا ہے کیونکہ جو اچھی ہوا کرتی ہے جب تک وہ اچھی رہے تو سب سے اچھی ہوتی ہے اور جب بگڑ جائے تو سب سے زیادہ بگڑ جاتی ہے نتیجۂ اللہ کے ہاں جا کے یہ خیر البریہ بھی ہوسکتا ہے اور شر البریہ بھی ہوسکتا ہے لیکن اصل خلقت کے اعتبار سے اگر مقابلہ کریں تو مخلوق کے مقابلہ میں اللہ نے انسان کو اچھا بنایا ہے، اس کو فضیلت دی ہے۔

وحملنا هم في البر والبحر اور ہم نے اس کو سوار کیا دریا میں بھی اور خشکی میں بھی، خشکی میں بھی اس کے لئے سواریوں کا انتظام کیا اور دریا میں بھی اس کے لئے سواریوں کا انتظام کیا ورزقناهم من الطيبات اور ہم نے ان کو پاکیزہ چیزوں سے روزی دی وفضلنا هم علىٰ كثير ممن خلقنا تفضيلاً جن کو ہم نے پیدا کیا ان میں سے بہت ساری مخلوق پر انسان کو فضیلت دی۔

آخرت میں نیک لوگوں کا حال:۔

يوم ندعو كل اناس بامامهم، جس دن ہم بلائیں گے سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ، امام کا مصداق دو چیزیں ذکر گئی ہیں یا تو اس سے نامہ اعمال مراد ہیں، امام کتاب کے معنی میں ہے اور قرآن کریم میں یہ لفظ اسی طرح استعمال کیا گیا ہے، جیسے سورۃ یٰسین میں ہے، وكل شئي احصيناه في امام مبين تو امام کا مصداق نامہ اعمال بھی ہوسکتا ہے کہ ہر شخص اپنے نامہ اعمال کے ساتھ آئیگا اور اس کا مصداق مقتداء اور پیشواء کو بھی بنایا گیا ہے کہ ہر شخص کو اس کے مقتداء اور پیشواء کے ساتھ لائیں گے، جن کے پیچھے چلنے والے ہوں گے وہاں بھی انہی کے پیچھے ہی چلتے ہوئے آئیں گے تو امام کا مصداق لیڈر، پیشواء اور راہنماء بھی ہوسکتا ہے، جس دن کہ بلائیں گے ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ، ان کے نامہ اعمال کے ساتھ یا ان کے سردار اور مقتداء کے ساتھ فمن اوتي كتابه بيمينه جس شخص کو دے دیا گیا اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں فاولئك يقرؤن كتابهم یہ پڑھیں گے اپنے نامہ اعمال کو یعنی خوشی کے ساتھ ولا يظلمون فتيلاً اور ان کے اوپر دھاگہ کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا

فتیل بٹی ہوئی رسی کو کہتے ہیں اوراس سے شئی قلیل مراد ہوتی ہے کہ ان کے اوپر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائیگا، دھاگہ کے برابر بھی ان کی حق تلفی نہیں کی جائے گی، کوئی نیکی انہوں نے کی ہو چاہے ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہو یہ اس کو بھی اپنے نامہ اعمال کے اندر لکھی ہوئی پائیں گے، ایسا نہیں ہوگا کہ کوئی نیکی بلاوجہ ضائع کردی جائے اور یہ خوش ہو کے پڑھیں گے بلکہ دوسروں کو بھی پڑھاتے پھریں گے کہ لو یہ میرا نامہ اعمال پڑھو، دیکھو اس میں کتنی اچھی اچھی باتیں ہیں۔

آخرت میں برے لوگوں کا حال:۔

ومن کان فی ھذہٖ اعمی، یہ مقابلہ میں دوسروں کا ذکر کردیا یعنی جن کو ان کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ان کے حالات یہ نہیں ہوں گے کہ وہ خوش ہوں، آیات میں واضح کیا گیا کہ وہ سارے غمزدہ ہوں گے، روئیں گے اور کہیں گے اے کاش! موت سے ہمارا خاتمہ ہوگیا ہوتا دوبارہ اٹھنا نصیب نہ ہوتا اور میرا اعمال نامہ میرے ہاتھ میں نہ دیا جاتا، میرے سامنے یہ نہ آتا کہ میں نے زندگی میں کیا کچھ کیا ہے، وہ اس قسم کی باتیں کرے گا ومن کان فی ھذہ اعمی جو شخص اس دنیا کے اندر اندھا ہے، اللہ تعالیٰ کی آیات کو دیکھتا نہیں نشانیاں دیکھتا نہیں، ان سے ہدایت حاصل نہیں کرتا، یہاں اندھے سے یہی عقل کا اندھا مراد ہے، جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر صحیح راستہ اختیار نہیں کرتا فھو فی الاخرۃ اعمی وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا، کامیابی کی منزل نہیں پاسکے گا، آخرت میں وہ ایسا راستہ نہیں دیکھ سکے گا جو اس کو کامیابی کی طرف لے جائے واضل سبیلاً اور زیادہ بھٹکا ہوا ہوگا از روئے راستہ کے، دنیا کے اندر بھی بھٹکا ہوا ہے لیکن اس میں پھر سیدھے راستہ کی طرف آنے کا امکان ہوتا ہے لیکن آخرت میں جو بھٹک گیا وہ تو ایسا بھٹکے گا کہ سیدھے راستہ پر پھر اس کے آنے کا کوئی امکان نہیں ہے اس لئے اس کو اضل قرار دیا گیا ہے۔

وان کادوا لیفتنو نک عن الذی اوحینا الیک کا شان نزول:۔

وان کادو الیفتنونک عن الذی اوحینا الیک آنے والی آیات میں دو واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اوراس میں بھی اصل میں کافروں کو ہی تنبیہ کرنی مقصود ہے تاکہ وہ اللہ کے نبی کو یوں بہکانے کی کوشش نہ کریں کیونکہ اللہ کا نبی ان کے بہکاوے میں نہیں آسکتا، مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکین نے سرور کائنات ﷺ سے مطالبہ کیا تھا جس کا ذکر پہلے آپ کے سامنے آیا خاص طور پر سورۃ انعام میں کہ ان مساکین کو اپنی مجلس سے اٹھا دو تب ہم

آپ کے پاس آ کے بیٹھ سکتے ہیں، کئی آیتوں کے اندر اس کا ذکر آیا ہے چونکہ سرور کائنات ﷺ کے دل میں بہت خواہش تھی کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں تو اس لئے ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے جیسے بعض روایات میں ہے صحابہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول کے دل میں واقع ہوا جو کچھ واقع ہوا لیکن اللہ کی طرف سے فوراً ممانعت آ گئی اور نبی کا ہر قول اور فعل چونکہ اللہ کے نمائندہ ہونے کے طور پر ہوتا ہے اس لئے آپ جو بات بھی کرتے ہیں منسوب اللہ کی طرف ہوتی ہے، نبی کوئی عمل اختیار کریں تو ایسے ہوتا ہے کہ گویا کہ اللہ کے کہنے سے کیا ہے، کوئی بات کرتے ہیں تو ایسے ہوتا ہے گویا کہ اللہ کے کہنے سے کی ہے تو اگر آپ ان کا مطالبہ مان لیتے اور ان لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیتے تو گویا ایسے ہی ہوتا دیکھنے والے کہتے کہ شاید یہ بھی اللہ نے کہا ہے اور یہ اللہ پر افتراء ہوتا، اللہ کی طرف یہ بات غلط منسوب ہوتی کیونکہ اللہ نے تو کہا نہیں ہے تو اگر ایسا واقعہ پیش آ جاتا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کو دنیا و آخرت میں دگنی سزا ہوتی کیونکہ انسان جتنا مقرب ہوتا ہے، جتنا بڑا ہوتا ہے، اس کی لغزش کے اوپر گرفت بھی اتنی زیادہ ہوتی ہے صحیح طریقہ یہی ہے اور غلط طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مقربین کی غلطیوں سے درگذر کر لیا، کوئی تنبیہ نہ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں جو مقرب ہے اس کی غلطی پر گرفت زیادہ ہے، مواخذہ زیادہ ہوگا چاہے بعد میں درجات کتنے ہی بلند کیوں نہ ملیں، ایک تو اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر ہم آپ کو نہ سنبھالتے تو شاید آپ ان کی طرف کچھ مائل ہو جاتے اور اگر مائل ہو جاتے تو پھر دنیا و آخرت میں آپ کو یوں سزا ہوتی۔

شانِ نزول کا دوسرا واقعہ:۔

اور بعض روایات کے اندر یہ ذکر کیا گیا ہے کہ بنو ثقیف وغیرہ نے حضور ﷺ کے سامنے یہ پیش کیا تھا کہ اگر آپ فلاں فلاں حکم تبدیل کر دیں تو ہم ایمان لا سکتے ہیں اس طرح جیسے مصالحانہ گفتگو ہوا کرتی ہے، آج کی سیاست میں جیسے کچھ لو اور کچھ دو کا اصول چلتا ہے، کہ کچھ آپ ہماری مان لیں، کچھ ہم آپ کی مان لیں گے اس طرح درمیان میں کوئی بات بنالی جائے، سورۃ یونس میں آیا تھا کہ انہوں نے کہا تھا اس قرآن میں کچھ تبدیلی کر دے اور چونکہ وہ ایمان لانے کی طمع دلاتے تھے اور اپنی قوم کا ایمان نبی کو سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے تو کسی درجہ میں کوئی خیال آ سکتا تھا کہ اگر ان کی یہ خواہش پوری کر دی جائے تو شاید یہ سیدھے راستے پر آ ہی جائیں، آہستہ آہستہ ان کو پھر ٹھیک راستہ پر لے آئیں گے، پہلے ان کو ذرا قریب کر لو، ان کی اتنی سی بات مان لو لیکن آپ جانتے ہیں کہ نبی اگر

کوئی غلط بات تسلیم کرلے تو یہ اللہ پر صراحتاً افتراء ہے،اس لئے نبی کو تو ہر لحاظ سے کھرا ہی رہنا چاہیے تاکہ آنے والے وقت میں کوئی نہ کہہ سکے کہ دیکھو! فلاں وقت میں نبی نے اللہ کی فلاں معصیت اختیار کرلی تھی تو یہ اگرچہ تیز کلام بظاہر رسول اللہ ﷺ کی طرف توجہ کر کے کہی جارہی ہے لیکن اصل کے اعتبار سے ان مشرکین کو روکنا مقصود ہے اور ان کی حوصلہ شکنی کرنی مقصود ہے کہ ہمارا نبی تمہارا کوئی ایسا مطالبہ نہیں مان سکتا جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہے یا قرآن کی ہدایات کے خلاف ہے وہ کیسے مان سکتا ہے، جب کہ اسے اللہ کی طرف سے ایسے دھمکایا جارہا ہے کہ اگر تو ایسا کرے گا تو ہم تجھے دگنی سزادیں گے،اس میں ان کی حوصلہ شکنی ہو جائے گی جو انبیاء کے اوپر اس قسم کا اثر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وان کادوالیستفزونک من الارض کا شان نزول:۔

اور دوسرا واقعہ وہی ہے وہ جو آپ کو مکہ معظمہ سے نکالنے کیلئے کوشاں تھے تو اللہ نے فرمایا کہ یہ کوشش انہی کے لئے نقصان دہ ہے اگر تو یہاں سے نکل گیا تو تیرے بعد یہ زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکیں گے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا انبیاء کے ساتھ طریقہ یہی چلا آرہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی آخری حجت ہوتے ہیں اگر قوم تنگ کر کے ان کو نکال دیتی ہے تو اس کے بعد پھر قوم تباہی کا نشانہ بن جاتی ہے،ان پر اللہ کا عذاب آجاتا ہے چاہے جس صورت میں آئے کہ براہ راست عذاب آیا اور اس ڈھیر کو صاف کر گیا کیونکہ نبی کے نکل جانے کے بعد ایسے ہوتا ہے جیسے حقیقت نکل گئی اور جسم بلا روح رہ گیا اور جب روح نکل جاتی ہے تو پھر وہ بدن بکھرنے کیلئے ہی ہوتا ہے پھر وہ محفوظ نہیں رہ سکتا تو ایسا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تنگ ہو کے نکل جائیں تو قوم کی قوم ہی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہو جاتی ہے یا پھر ایسا ہوتا ہے کہ نبی کو قوت دی جاتی ہے اور اس کے متبعین کے ذریعہ سے ان کا سر کٹوادیا جاتا ہے چنانچہ یہاں بھی ایسے ہی ہوا کہ جب حضور ﷺ کو مکہ معظمہ سے نکال دیا گیا یا آپ اللہ کے اذن سے مکہ معظمہ سے چلے گئے تو اس کے بعد کوئی زیادہ دیر نہیں لگی اور اہل مکہ بہت جلد برباد ہوگئے،آٹھ سال کے اندر اندر ہی ان کا سارا مرکز ختم ہوگیا، پہلے بدر میں پٹائی ہوگئی، پھر احد میں پریشان ہوئے، پھر غزوہ احزاب میں ہوئے اور ایک وقت آیا کہ پھر ساری کی ساری قوم ہی ہاتھ باندھ کے سامنے کھڑی ہوگئی اور زیر ہوگئی،اس میں بھی انہی کو تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ تم جو نبی کو یہاں سے نکالنا چاہتے ہو یاد رکھو! یہ تو تم اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہو۔

آیات کا مفہوم:۔

وان کادوالیفتنونك عن الذی اوحینا الیك ان یہ مخففه من المثقله ہے، بے شک بات یہ ہے کہ قریب ہے کہ یہ لوگ پھسلا دیں تجھے اس چیز سے جو ہم نے تیری طرف وحی کی ہے یعنی تجھے کسی فتنہ میں ڈال دیں اور آپ کو اس چیز سے ہٹا دیں جو ہم نے تیری طرف وحی کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ ہمارے اوپر وحی کے علاوہ کوئی اور بات گھڑ دیں گے، جب آپ ایسا کرلیں ان کے کہنے کے مطابق احکام وحی شدہ میں سے کسی بات کو چھوڑ دیں تب یہ لوگ تجھے اپنا دوست بنالیں گے، ان کی اس قسم کی کوشش ہے کہ آپ کو بعض احکام سے پھسلا دیں اوراس کے نتیجہ میں یہ آپ سے دوستی لگالیں گے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم نے تجھ ثابت قدم رکھا، اگر ہمارا ثابت قدم رکھنا نہ ہوتا تجھ کو تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف کچھ تھوڑا سا مائل ہو جاتے اور اگر آپ کی طرف سے یہ رکون پایا جاتا آپ ان کی طرف مائل ہو جاتے تو تب البتہ ہم چکھاتے آپ کو ضعف عذاب الحیات وضعف عذاب الممات ۔حیات سے حیات دنیوی مراد ہے، ہم دنیا کی زندگی کا بھی دگنا آپ کو چکھاتے اور موت کے عذاب کا بھی دگنا آپ کو چکھاتے یعنی باقیوں کے مقابلہ میں پھر سزا آپ کو زیادہ ہوتی، اسی قسم کا عنوان اختیار کیا گیا سرور کائنات ﷺ کی بیویوں کے متعلق جیسے اکیسویں پارہ میں آئے گا من یات منکن بفاحشة مبینة یضاعف لها العذاب ضعفین کہ اگر تم میں سے کسی نے ایسی حرکت کی تو اسے دگنی سزا دی جائے گی یہ علامت ہے اس بات کی کہ جو جتنا مقرب ہوا کرتا ہے اس کی لغزش کے اوپر گرفت اتنی ہی زیادہ ہوا کرتی ہے، ثم لاتجدلك علینا نصیراً پھر آپ اپنے لیے ہمارے خلاف کوئی مددگار نہ پاتے، یہ کلام کی تیزی اگرچہ بظاہر حضور ﷺ کی طرف ہے لیکن حقیقت میں انہی کو ڈانٹنا مقصود ہے جو غلط مطالبے کرتے ہیں کہ تمہارے مطالبے کیسے پورے کیے جاسکتے ہیں اگر ہمارا نبی ایسا کرے تو عتاب میں آجائے گا اور قریب ہے کہ یہ لوگ اکھاڑ دیتے آپ کو زمین سے تاکہ نکال دیں تجھے اس زمین سے اور تب یعنی جس وقت کہ آپ کو نکالنے میں کامیاب ہو جائیں تب یہ نہیں ٹھہریں گے آپ کے پیچھے مگر بہت کم تو گویا کہ مکہ معظمہ میں ہی کہا جا رہا ہے کہ اگر انہوں نے اسی طرح تنگ کر کے نکال دیا تو پھر یہ سمجھ لیں کہ ان کا وقت بھی بہت قریب ہے، پھر یہ نہیں ٹھہر سکتے، مثل طریقے ان لوگوں کے جن کو ہم نے پہلے بھیجا ہے یعنی پہلے رسولوں کی سیرت یہی بتاتی ہے، ہمارا طریقہ ان میں یہی تھا کہ اگر انبیاء علیہم السلام کو قوم نے تنگ کر کے نکال دیا تو اس کے بعد پھر وہ

قوم زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتی، مثل طریقے ان لوگوں کے جو ہم نے بھیجے آپ سے قبل اپنے رسول، اپنے رسولوں میں سے جن رسولوں کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ان کے طریقہ کی طرح اور نہیں پائیں گے آپ ہمارے طریقہ کیلئے کوئی کسی قسم کی تبدیلی، جو طریقہ ہم نے ان کے لئے جاری کیا تھا وہ آج بھی باقی ہے کہ انبیاء کے نکل جانے کے بعد پھر باقی لوگوں کو زیادہ دیر تک باقی نہیں رکھا جاتا۔

سبحانك اللھم و بحمدك اشھد ان لااله الا انت استغفرك و اتوب اليك۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ

آپ قائم کیجئے نماز سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور فجر کی نماز بھی بے شک فجر کی

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ

نماز حاضر ہونے کا وقت ہے﴿۷۸﴾ اور رات کے حصہ میں تہجد پڑھیے جو آپ کیلئے

نَافِلَةً لَّكَ ۖۗ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾

زائد چیز ہے قریب ہے کہ جگہ دے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود میں﴿۷۹﴾

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ

اور آپ کہئے اے میرے رب! تو داخل کر مجھے اچھی داخل ہونے کی جگہ میں اور تو مجھے نکال

مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾

اچھے طریقے سے اور تو بنا میرے لیے اپنی طرف سے غلبہ جس کے ساتھ مدد ہو﴿۸۰﴾

وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

اور آپ کہہ دیجئے حق آگیا اور باطل چلا گیا بے شک باطل تو جانے ہی والا ہے﴿۸۱﴾

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَ لَا یَزِیْدُ

اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں ایسی چیز جو کہ شفاء ہے اور رحمت ہے مؤمنین کیلئے اور نہیں زیادہ کرتا

الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ

ظالموں کو مگر خسارہ میں﴿۸۲﴾ اور جب ہم انعام کرتے ہیں انسان پر تو وہ اعراض کرجاتا ہے

وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰى

اور دور ہو جاتا ہے رخ بدل کر اور جب پہنچتی ہے اسے تکلیف تو مایوس ہو جاتا ہے﴿۸۳﴾ آپ کہہ دیجئے ہر شخص عمل کرتا ہے

شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِیْلًا ﴿۸۴﴾ وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

اپنے طریقہ پر پس تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ ہدایت یافتہ ہے از روئے راستہ کے﴿۸۴﴾ اور یہ لوگ آپ

الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا

سے سوال کرتے ہیں روح کے متعلق آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور نہیں دیے گئے

قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ

تم علم میں سے مگر تھوڑا سا حصہ ﴿۸۵﴾ اگر ہم چاہیں تو ہم لے جائیں اس وحی کو جو بھیجی ہے ہم نے آپ کی طرف پھر تو

لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ

نہیں پائے گا اپنے لیے اس بارے میں کوئی حمایتی ﴿۸۶﴾ مگر یہ کہ رحمت ہو تیرے رب کی طرف سے، بے شک اس کا

عَلَیْكَ كَبِیْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا

فضل آپ پر بڑا ہے ﴿۸۷﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اگر جمع ہو جائیں انسان اور جن اس بات پر کہ وہ لے

بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

آئیں اس قرآن کی مثل تو وہ نہیں لا سکتے اس کی مثل اگرچہ ہو ان میں سے بعض

ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫

بعض کا مددگار ﴿۸۸﴾ البتہ تحقیق ہم نے پھیر پھیر کر بیان کی لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال

فَاَبٰٓی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی تَفْجُرَ

پھر اکثر لوگوں نے اس کے ماننے سے انکار ہی کیا ﴿۸۹﴾ اور کہا لوگوں نے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک

لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ ۙ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ

کہ آپ جاری نہ کر دیں ہمارے لیے زمین میں چشمہ ﴿۹۰﴾ یا ہو جائے آپ کے لیے باغ کھجوروں اور انگوروں

وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًا ﴿۹۱﴾ ۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا

کا پھر جاری کر دی جائیں نہریں اس باغ کے درمیان میں ﴿۹۱﴾ یا گرا دیں آپ آسمان کو جیسا کہ

زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِیْلًا ﴿۹۲﴾ ۙ اَوْ یَكُوْنَ

تیرا خیال ہے ہم پر ٹکڑوں کی صورت میں یا لے آئے تو اللہ اور فرشتوں کو آمنے سامنے ﴿۹۲﴾ یا ہو جائے

لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ

تیرا گھر جو خوب زینت والا ہو یا آپ چڑھ جائیں آسمان میں اور ہم ہرگز یقین نہیں کریں گے

حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّىْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا

آپ کے چڑھنے کا جب تک تو اتار نہ دے ہم پر کتاب جسے ہم پڑھیں، آپ کہہ دیجئے پاک ہے میرا رب نہیں ہوں

بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى

میں مگر ایک بشر رسول ﴿۹۳﴾ اور نہیں روکا لوگوں کو اس بات سے کہ وہ ایمان لائیں جب آ گئی ان کے پاس ہدایت

اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ

مگر اس بات نے کہ انہوں نے کہا کیا بھیجا ہے اللہ نے بشر کو رسول بنا کر ﴿۹۴﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اگر ہوتے زمین میں

مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا

فرشتے جو چلتے پھرتے اطمینان کے ساتھ تو ہم اتارتے ان پر آسمان سے فرشتہ

رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

کو رسول بنا کر ﴿۹۵﴾ آپ کہہ دیجئے کافی ہے اللہ از روئے گواہ ہونے کے میرے درمیان اور تمہارے درمیان بے شک

خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ

وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا ہے ﴿۹۶﴾ اور جس کو ہدایت دے اللہ پس وہی ہدایت یافتہ ہے، اور وہ جسے گمراہ کر دے

تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى

پس تو نہیں پائے گا ان کے لئے کوئی دوست اس کے علاوہ اور ہم جمع کریں گے ان کو قیامت کے دن ان کے چہروں کے بل

وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ

اس حال میں کہ وہ اندھے اور گونگے اور بہرے ہوں گے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، جب کبھی وہ بجھنے لگے گی ہم ان کو اور زیادہ کر دیں گے

سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا

از روئے بھڑکنے کے ﴿۹۷﴾ یہ ان کی سزا ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے انکار کیا ہماری آیات کا اور انہوں نے کہا

عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿٩٨﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ

کہ کیا جب ہم ہوجائیں گے ہڈیاں اور ریزہ ریزہ کیا ہم اٹھائے جائیں گے نئے سرے سے پیدا کر کے ﴿٩٨﴾ کیا انہوں نے

اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ

دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو وہ قادر ہے اس بات پر کہ پیدا کرے ان جیسا

وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٩٩﴾ قُلْ

اور اس نے مقرر کی ان کیلئے ایک مدت جس میں کوئی شک نہیں پس ظالم لوگ صرف انکار ہی کرتے ہیں ﴿٩٩﴾ آپ کہہ دیجئے

لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَاۗىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ

اگر تم مالک ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے تب تم روک لیتے خرچ ہوجانے کے خوف سے

الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿١٠٠﴾ ع

اور انسان بڑا ہی تنگ دل ہے ﴿١٠٠﴾

تفسیر

اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الیٰ غسق اللیل کا مفہوم:۔

اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس، قائم کر تو نماز کو سورج کے ڈھل جانے کے وقت رات کی تاریکی تک، غسق کا معنی ہے رات کا تاریک ہونا، رات کا تاریک ہونا اس وقت ہوتا ہے جب سورج کے غروب ہونے کے بعد سرخی ختم ہوجائے اور سرخی کے بعد پھر افق کے اوپر سفیدی ختم ہوجائے اور کنارہ خالص سیاہ ہوجائے تو یہ غسق اللیل ہوجائے گا، زوال شمس سے لے کر غسق اللیل تک اس دوران میں شریعت نے چار نمازیں متعین کی ہیں، سورج کے ڈھلتے ہی ظہر کی نماز پڑھی جاتی ہے، اور پھر اس کے بعد عصر کا وقت آتا ہے، پھر غروب شمس کے وقت مغرب کا وقت آتا ہے، پھر جس وقت رات کی تاریکی آجاتی ہے تو اس وقت عشاء کا وقت آتا ہے، چار نمازوں کے اوقات اس میں آگئے و قرآن الفجر، اس کا عطف الصلوٰۃ پر ہے مطلب ہوگا اقم قرآن الفجر اور قرآن کا لفظ بول کر صلوٰۃ ہی مراد ہے کیونکہ نماز میں قرآن کریم بھی پڑھا جاتا ہے اس لئے ذکر الجزء وارادۃ الکل، جزء کا ذکر کر کے کل کا ارادہ

کیا جاتا ہے جیسے سجدہ کا حکم آتا ہے تو اس سے مراد بھی نماز پڑھنا ہوتا ہے، اللہ کے سامنے رکوع کرنے کا ذکر آجائے تو اس سے مراد بھی نماز پڑھنا ہوتا ہے اس طرح قرآن کریم کے تذکرہ سے بھی نماز ہی مراد ہے البتہ صلوٰۃ الفجر کو قرآن الفجر کے ساتھ تعبیر کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے کہ باقی نمازوں کے مقابلہ میں اس نماز میں قرآن کریم زیادہ پڑھا جاتا ہے، تو فجر کی نماز کو بھی قائم کیجئے، یہ بھی اقم کا مفعول ہوگیا اور اقامتِ صلوۃ کا ذکر آپ کے سامنے بارہا ہوگیا کہ اقامت نماز کے اہتمام کرنے کو کہتے ہیں، صرف پڑھنا نہیں بلکہ آداب کی رعایت رکھتے ہوئے، اس کی شرائط کی رعایت رکھے ہوئے کامل اور مکمل طریقہ سے نماز کو ادا کیا جائے تو یہ اقامتِ صلوٰۃ ہے۔

ماقبل سے ربط:۔

پچھلی آیات میں دشمنوں کی کاروائیوں کا ذکر تھا کہ وہ سرور کائنات ﷺ کو کس طرح شریعت کے احکام سے پھسلانے کی کوشش کرتے ہیں اور آپ کو اپنے علاقہ سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ بات مذکور ہے کہ جہاں بھی دشمنوں کی طرف سے پریشان کرنے کا ذکر آتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے سرور کائنات ﷺ کو نماز اور تسبیح کی طرف متوجہ ہونے کیلئے کہا جاتا ہے کیونکہ جب اللہ کی طرف متوجہ ہوجائیں تو دل کو قوت حاصل ہوتی ہے اور دشمنوں کی کارروائیوں کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے اور ویسے بھی نماز اور ذکر اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اعانت کے حاصل کرنے کا بھی ذریعہ بنتا ہے، اس سے بھی دشمنوں کے مقابلہ میں غلبہ پانے کے اسباب حاصل ہوتے ہیں۔

فجر کی نماز کی خصوصیت:۔

تو یہ پانچ نمازوں کے اوقات اس آیت کے اندر مذکور ہوگئے کہ قائم کیجئے نماز کو سورج کے ڈھلنے کے وقت سے رات کی تاریکی تک اور فجر کی نماز کو ان قرآن الفجر کان مشھوداً یہ فجر کی نماز کی خصوصیت کی طرف اشارہ کردیا کہ بے شک فجر کی نماز مشہود ہے، مشہود شہد سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، شھد یعنی حاضر ہونا، مشھود جس میں حاضری ہوتی ہے تو کان مشھوداً کا معنی ہوگا کہ فجر کی نماز ایک ایسی نماز ہے کہ جس میں حاضری ہوتی ہے، اس حاضری کا کیا مطلب؟ دو طرح سے اس کے مفہوم کو ذکر کیا جاتا ہے، ایک تو یہ کہ باقی نمازوں کے مقابلہ میں پڑھنے والے کا دل اس میں حاضر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ دوسری جتنی بھی نمازیں ہیں وہ کسی نہ کسی کاروبار میں مشغولیت یا دیگر

کاموں میں مصروفیت کے وقت میں ہوتی ہے اور فجر کا وقت ایک ایسا وقت ہے، کہ انسان پوری طرح سے آرام کر کے اگلے دن کے لئے اٹھتا ہے، تھکاوٹ کوئی نہیں ہوتی، دن کی ابتداء ہو رہی ہوتی ہے، اور اس طرح معدہ کی کیفیت بھی اس وقت ایسی ہوتی ہے کہ اس وقت انسان نہ زیادہ رجا ہوا ہوتا ہے اور نہ ہی بھوکا ہوتا ہے، تو ایسے وقت میں دل زیادہ لگتا ہے اور طبیعت زیادہ متوجہ ہوتی ہے تو مشھود ہونے کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے۔

اور مشھود ہونے کا یہ معنی بھی ہے کہ اس میں فرشتوں کی حاضری ہوتی ہے اور یہ بات صحیح روایات میں آئی ہوئی ہے سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے متعین ہیں انسانوں کے اعمال لکھنے پر اور دیگر امور کی نگرانی پر اور ان کی باریاں بدلتی ہیں، جن فرشتوں نے رات یہاں گذاری ہوتی ہے وہ بھی فجر کے وقت میں موجود ہوتے ہیں اور جنہوں نے دن گزارنا ہوتا ہے وہ بھی آ جاتے ہیں تو فجر کے وقت میں دونوں جماعتیں جمع ہوتی ہیں اور فجر کی نماز سے فارغ ہو کر رات والے واپس چلے جاتے ہیں اور دن والے اپنے کام سنبھال لیتے ہیں اور اسی طرح شام کو عصر کے وقت میں دونوں جماعتیں اکٹھی ہوتی ہیں، دن والے فرشتے بھی موجود ہوتے ہیں اور رات والے بھی آ جاتے ہیں اور عصر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد دن والے واپس چلے جاتے ہیں اور رات والے رہ جاتے ہیں تو ان دو نمازوں میں بمقابلہ دوسری نمازوں کے فرشتوں کا حضور زیادہ ہوتا ہے اس لئے روایات میں فضیلت بھی انہی دو نمازوں کی زیادہ ہے اور تاکید بھی انہی نمازوں کی زیادہ ہے تو کان مشھوداً کا مطلب یہ ہو گیا کہ فجر کی نماز ایک ایسی نماز ہے کہ جس میں فرشتوں کی حاضری کثرت سے ہوتی ہے اور فرشتوں کی حاضری کثرت سے ہونا یہ باعث برکت ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے پاس جاتے ہیں، تو اپنے دیکھے ہوئے حالات کی اللہ کے سامنے شہادت دیتے ہیں تو انسان اللہ کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک کا مفہوم:۔

یہ چھٹی نماز کا ذکر آ گیا، ومن اللیل میں من تبعیضیہ ہے یعنی بعض اللیل اور فتھجد امر کا صیغہ ہے مصدر اس کا تہجد ہے اور یہ لفظ ہجود سے لیا گیا ہے اور ہجود کا معنی ہوتا ہے سونا، اور تہجد باب تفعل میں سلب ماخذ ہے کہ نیند کو چھوڑنا، جاگنا، بہ کی ضمیر میں دونوں احتمال ذکر کیے گئے ہیں کہ یہ رات کی طرف لوٹ رہی ہے یا قرآن کریم کی طرف لوٹ رہی ہے دونوں طرح سے مفہوم واضح ہے اور رات کے کچھ حصہ میں بھی نماز قائم کیجئے، اور فتھجد بہ یہ

اسی کا بیان آ گیا یعنی رات کے کچھ حصہ میں بھی بیدار رہا کرو، اگر بہ کی ضمیر رات کی طرف لوٹائیں گے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ رات کے کچھ حصہ میں بیدار رہا کریں، ساری رات سو کر نہ گزار دیا کرو اور اگر یہ ضمیر قرآن کریم کی طرف لوٹائیں تو پھر معنی یہ ہوگا کہ رات کو قرآن کریم کے ساتھ بیدار رہئے تو قرآن کریم کے ساتھ بیدار رہنے کا یہی مطلب ہے کہ نماز پڑھو اور اس کے اندر قرآن کریم پڑھو، نافلۃ لک، نافلۃ زائدۃ کے معنی میں ہے اس حال میں کہ یہ آپ کے لئے ایک زائد چیز ہے یعنی فرضوں سے اللہ نے اس کو زائد بنایا ہے تو یہ تہجد سرور کائنات ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے نافلۃ قرار دی جا رہی ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ سرور کائنات ﷺ پر تہجد فرض نہیں تھی لیکن آپ نے پابندی اس کی ساری زندگی کی ہے، اور اگر کسی رات آپ کسی وجہ سے اٹھ نہیں سکے تو دن کو نوافل پڑھے ہیں جیسا کہ روایات صحیحہ میں آتا ہے، جس وقت پانچ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں تو سب سے پہلے یہ تہجد کی نماز فرض تھی جیسے اس کی تفصیل آپ کے سامنے سورۃ مزمل میں آئے گی، سرور کائنات ﷺ پر بھی یہ فرض تھی اور صحابہ کرام پر بھی فرض تھی بعد میں دوسرا رکوع جو ایک سال بعد اترا اس کے اندر پھر اس کی فرضیت کو منسوخ کر دیا گیا اور اختیار دے دیا گیا کہ جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھ لیا کرو اور جتنی نماز پڑھ سکو پڑھ لیا کرو تو اللہ تعالیٰ نے آسانی کر دی کہ بعض تم میں سے بیمار ہوتے ہیں، بعض سفر میں ہوتے، بعض اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں تو ایسے حالات میں رات کا اندازہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے، تو اس لئے آسانی پیدا کر دی گئی اور فرضیت منسوخ ہو گئی، اور یہ فرضیت جو منسوخ ہوئی تو یہ صحابہ سے بھی ہو گئی اور حضور ﷺ سے بھی ہو گئی ایک قول یہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ صحابہ کرام سے تو فرضیت منسوخ ہو گئی تھی سرور کائنات ﷺ پر فرضیت باقی رہی تھی اس قول کے مطابق نافلۃ لک کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کے لئے یہ فرضوں سے ایک زائد فرض ہے تو نافلۃ کا معنی تو وہی زائدۃ ہی ہے لیکن مطلب یہ ہوگا کہ فرضوں سے ایک زائد فرض ہے جو آپ کے لئے ہے لیکن اس قول کو مرجوح قرار دیا گیا ہے راجح قول یہی ہے کہ تہجد سرور کائنات ﷺ پر بھی فرض نہیں رہی تھی۔

تہجد کی شرعی حیثیت:۔

جب یہ حضور ﷺ پر بھی فرض نہیں رہی اور صحابہ پر بھی فرض نہیں رہی تو پھر شریعت میں اس نماز کا درجہ کیا ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ سے جو چیز عملاً ثابت ہو اور پھر اس کے کرنے کی ترغیب بھی دی گئی ہو

اور چھوڑنے پر کسی درجہ میں انکار بھی کیا گیا ہو اور چھوڑنے والوں کا تذکرہ اچھے الفاظ میں نہ کیا گیا ہو، عملاً حضور ﷺ نے اس کے اوپر دوام کیا ہو یہ ساری کی ساری چیزیں ایسی ہیں جو اصل کے اعتبار سے تو وجوب کا تقاضا کرتی ہیں لیکن اگر اس کو واجب قرار دیتے ہیں تو وہی تنگی پھر لازم آتی ہے جس کی بناء پر اس کو منسوخ کیا گیا تھا اس لئے علماء کے نزدیک تہجد کو سنت مؤکدہ کے درجہ میں رکھا گیا ہے اور سنت مؤکدہ کی تعریف پوری پوری اس کے اوپر صادق آتی ہے کہ حضور ﷺ نے اس پر دوام بھی فرمایا اور اس کے پڑھنے کی ترغیب بھی دی اور جو صبح نہیں اٹھتے ان کا تذکرہ سرور کائنات ﷺ نے اچھے الفاظ میں نہیں فرمایا جیسا کہ مشکوۃ شریف میں ایک روایت صلوٰۃ اللیل کے باب میں ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ ایک شخص صبح ہونے تک سویا رہتا ہے ما زال نائماً حتی اصبح، (مشکوۃ ۱/۱۰۹) طلوع صبح تک وہ سویا رہتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص تو ایسا ہے کہ اس کے کان میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے، یہ اس کیلئے ایک مذمت کا عنوان ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو سے آپ نے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اے عبداللہ! فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا کہ جو رات کو اٹھا کرتا تھا اور تہجد پڑھا کرتا تھا اور پھر اس نے چھوڑ دی تو یہ چھوڑنا بھی گویا کہ حضور ﷺ نے پسند نہیں فرمایا اور ترغیب تو بہت ساری روایات میں دی گئی ہے اور اولیاء اللہ کے نزدیک باطنی کمال حاصل کرنے کے لئے تو تقریباً یہ شرط اول کے طور پر ہے کہ جس شخص کو رات کو اٹھنے کی عادت نہ ہو اور رات کو اٹھ کے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتا نہیں ہے، ذکر اذکار نہیں کرتا تو باطنی کمالات حاصل کرنے میں بہت پیچھے رہ جاتا ہے تو مستحب اعلیٰ درجہ کی ہے اس میں تو کوئی شک کیا ہی نہیں جا سکتا اور تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سنت مؤکدہ قرار دیا ہے کہ راجح یہی ہے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے اور جو تعریف سنت مؤکدہ کی ہے، وہ کامل اور مکمل طریقہ سے تہجد پر صادق آتی ہے۔

مقام محمود کی تفصیل:۔

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودا، عسیٰ افعال مقاربہ میں سے ہے، امید ہے کہ یعنی آپ کو امید رکھنے چاہیے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں اٹھائے گا، مقام محمود کیا چیز ہے؟ یہ حدیث شفاعت کے اندر آپ کے سامنے تفصیل سے گذر گیا کہ جب ساری کی ساری مخلوق قیامت کے میدان میں جمع ہوگی اور کسی کو اللہ تعالیٰ کے سامنے دم مارنے کی طاقت نہیں ہوگی تو مخلوق سرور کائنات ﷺ کے پاس آئے گی کہ اللہ سے سفارش کر کے ہمارا

حساب وکتاب شروع کروادیجئے تو آپ کو جو شفاعت کرنے کی اجازت ملے گی جس کو شفاعت کبریٰ کہتے ہیں جس کا فائدہ ساری مخلوق کو پہنچتا ہے اور یہ مقام ساری کائنات میں سے صرف سرور کائنات ﷺ کو حاصل ہوگا حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہی مقام محمود ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ شفاعت کبریٰ عطا فرمائیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ میرے لئے وسیلہ کی دعا کیا کرو، پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! وسیلہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جنت میں وہ ایک اعلیٰ مقام ہے جو ساری مخلوق میں سے صرف ایک کو ہی ملتا ہے، اور میں امید رکھتا ہوں کہ مجھے مل جائے گا اس لئے اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ مانگا کرو جو میرے لئے وسیلہ مانگے گا میں اس کے لئے قیامت کے دن سفارش کروں گا تو یہ مقام محمود شفاعت کبریٰ کا مقام ہے، حضرت مجدد الف ثانی ؒ کی طرف سے اس آیت پر نقل کیا گیا ہے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ مقام شفاعت یہ مقام محمود ہے جو شفاعت کبریٰ حضور ﷺ کیلئے ہے اور شفاعت صغریٰ تو دوسرے لوگوں نے بھی کرنی ہے تو آپ فرماتے تھے کہ تہجد کی پابندی کا خاص اثر ہے مقام شفاعت کے حاصل ہونے میں اس لئے اگر کوئی شخص خود اچھا ہے لیکن تہجد پڑھنے کی عادت نہیں تو اس کے لئے مقام شفاعت کے حاصل ہونے کا یقین نہیں کیا جا سکتا، ان دونوں آیتوں کا تناسب یہ بتاتا ہے کہ مقام شفاعت حاصل کرنے کیلئے تہجد کا پڑھنا بہت مؤثر ہے۔

دعا کے انداز میں پیش گوئی:۔

وقل رب ادخلنی مدخل صدق، یہ سرور کائنات ﷺ کو بظاہر دعا سکھائی گئی ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ ایک پیش گوئی بھی ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مکی زندگی کی مشکلات اب ختم ہونے والی ہیں اور آپ کو یہاں سے نکالا جائے گا، ہجرت کا موقع آئیگا، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو غلبہ دیں گے، حق غالب آئے گا اور باطل مٹ جائے گا، دعا کے رنگ میں یہ پیش گوئی کی گئی ہے، آپ کہئے یعنی دعا کیجئے رب ادخلنی مدخل صدق، مدخل صدق اور مخرج صدق میں یہ اضافت موصوف کی صفت کی طرف ہے اور مصدر میمی کے طور پر بھی اس کا ترجمہ ہوسکتا ہے اور ظرف کے طور پر بھی ہوسکتا ہے۔ آپ کہیے کہ اے میرے رب! داخل کر مجھ کو اچھی داخل کرنے کی جگہ میں، ایسی جگہ میں جو اچھی ہے یا یہ ہے کہ داخل کر مجھ کو اچھی طرح سے داخل کرنا یعنی میں جدھر جاؤں خیر وعافیت کے ساتھ جاؤں اور نکالئے مجھ کو اچھی طرح سے نکالنا، میرا نکلنا بھی عافیت کے ساتھ ہو،

تیری رضا کے مطابق ہواور میرا جانا بھی عافیت کے ساتھ ہو، تیری رضا کے مطابق ہو، نکلنا بھی میرے لئے ہر لحاظ سے مفید ہواور جہاں میں جاؤں وہاں جانا بھی میرے لئے ہر لحاظ سے مفید ہو واجعل لی من لدنك سلطانا نصیراً اور میرے لئے کر دیجئے اپنے پاس سے ایسا غلبہ جس میں تیری نصرت شامل ہو کیونکہ غلبہ تو بسا اوقات عارضی طور پر کافروں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس میں اللہ کی طرف سے نصرت شامل نہیں ہوتی جس کی وجہ سے وہ غلبہ ان کے لئے انجام کار فتنہ بنتا ہے، چاہے دنیا میں چاہے آخرت میں لیکن جس غلبہ کے ساتھ اللہ کی نصرت ہوگی اس غلبہ کا دنیا میں بھی فائدہ ہوگا، آخرت میں بھی فائدہ ہوگا۔

حق کے غلبہ اور باطل کے مٹنے کا اعلان:۔

اور آپ یہ بھی کہہ دیجئے یعنی اعلان کر دیجئے، اب اس کے اعلان کرنے کا وقت آ گیا ہے، پیش گوئی کے طور پر یہ آیات پہلے اتریں اور فتح مکہ کے موقع پر جب سرور کائنات ﷺ کا داخلہ بیت اللہ میں ہوا اور آپ اپنی چھڑی کے ساتھ بتوں کو گراتے جا رہے تھے تو اس وقت آپ یہی آیات پڑھتے تھے جس سے معلوم ہو گیا کہ اس سے اشارہ اسی قسم کی فتح کی طرف ہی تھا جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً یہی آیت پڑھتے جاتے تھے اور بتوں کو اپنی چھڑی کے ساتھ گراتے جا رہے تھے، آپ کہہ دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل چلا گیا بے شک باطل جانے والی ہی چیز ہے، باطل باقی رہنے والی چیز نہیں ہے۔

قرآن کریم مؤمنین کے لئے باعث شفا اور رحمت:۔

وننزل من القرآن، ہم اتارتے ہیں ایسی چیز جو کہ شفاء ہے اور رحمت ہے مؤمنین کیلئے اور وہ چیز قرآن ہے یعنی قرآن کریم کو ہی شفاء اور رحمت کہا جا رہا ہے یعنی قرآن کریم سے فائدہ اٹھائیں یہ مؤمنین کیلئے شفاء ہے، اصل شفاء تو سینہ کی بیماریوں کیلئے ہے، یہ کفر، شرک، کینہ، بغض حسد اس قسم کی بیماریاں جو روحانیت کو نقصان پہنچاتی ہیں قرآن کریم ان کیلئے نسخہ شفاء ہے اور جب اس کو اپنایا جاتا ہے تو روحانی صحت حاصل ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں رحمت حاصل ہوتی ہے، اور مؤمنین کے اوپر لام انتفاع کے لئے جس سے معلوم ہو گیا کہ اس سے فائدہ مؤمنین ہی اٹھا سکتے ہیں، جو ایمان نہیں لائیں گے ان کو یہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا اور باقی بدنی شفاء بھی اللہ نے اس میں رکھی ہے، اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا روایات صحیحہ کے اندر موجود ہے کہ صحابہ کرام قرآن کریم کی آیات پڑھ کر دم کرتے

تھے تو شفاء ہو جاتی تھی اور اس وقت سے لے کر اس وقت تک اولیاء امت کے اندر تعویز کا جو سلسلہ چلا ہوا ہے، تو اس کے ساتھ ظاہری بیماریوں کا ازالہ بھی ہوتا ہے، قرآن کریم کی آیات پڑھنے سے، قرآن کریم کی آیت لکھ کر گلے میں لٹکانے سے ظاہری شفاء بھی حاصل ہوتی ہے تو بدنی شفاء بھی ہے اور اصل موضوع اس کا وہی باطنی شفاء ہے۔

ظالم لوگ تو خسارہ میں ہی بڑھتے ہیں:۔

ولا یزید الظالمین الا خسارا: اور نہیں بڑھاتا یہ قرآن ظالموں کو مگر خسارہ کے اعتبار سے ظالموں کا آئے دن خسارہ بڑھتا ہے کیونکہ جتنا جتنا قرآن کریم اترتا ہے اور وہ لوگ انکار کرتے چلے جارہے ہیں تو اتنا ہی خسارہ میں جارہے ہیں، سمجھنے کیلئے آپ اس کو اس طرح لیجئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعض غذائیں پیدا کی ہیں جو انتہائی درجہ کی مقوی ہیں جیسے دودھ، مکھن، گھی، گوشت وغیرہ صحت مند انسان اگر ان کو مناسب طریقہ کے ساتھ کھاتا ہے تو یہ صحت میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں، بدن میں قوت کے حاصل ہونے کا ذریعہ بنتی ہیں لیکن اگر کسی شخص کے معدہ میں نقص ہے اور وہ بیمار ہے اور وہ ان چیزوں کو کھانا شروع کر دے تو اس میں فائدہ کی بجائے الٹا نقصان ہی ہوتا ہے تو جب یہ نقصان نمایاں ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ چیز بری ہے، یہ چیز بری نہیں یہ تو اچھی ہے اگر یہ چیز بری ہوتی تو صحت مند انسان کیلئے مزید صحت کا باعث کیسے بنتی؟ اس کے لئے قوت کا باعث کیسے بنتی؟ اسی طرح کسی شخص نے ایمان لاکر اگر اپنی روحانیت کا رخ سیدھا کر لیا تو قرآن کریم کی تعلیمات آئے دن اس کیلئے ترقی کا باعث ہیں لیکن اگر کسی شخص نے تکذیب والی بیماری اختیار کر لی تو جتنا قرآن کریم اترتا آئے گا مؤمن لوگوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے لیکن اس کیلئے مزید خرابیوں اور بربادیوں کا سبب بنے گا۔

انسان کی ناشکری، بے صبری اور مایوسی کا شکوہ:۔

واذا انعمنا علی الانسان اعرض: یہ شکوہ ہے جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی نعمتوں کے تذکرے کے بعد عموماً انسان کی اس قسم کی شکایت کرتے ہیں کہ کیسے کیسے ہم نے انعام دیے ہیں ان میں سے خصوصیت کے ساتھ یہ روحانی انعام ہے جو قرآن کریم کی شکل میں آیا لیکن انسان اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں، اس کو آرام پہنچاتے ہیں، خوشحالی کے حالات دے دیتے ہیں اعرض تو یہ اعراض کر جاتا ہے ونأی بجانبہ اور اپنا پہلو پھیر لیتا ہے پہلو تہی کر جاتا ہے، اپنے پہلو کے ساتھ دور ہٹ جاتا ہے واذا مسہ الشر کان یؤساً

اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو بالکل ہی مایوس ہو جاتا ہے، یہ ہے تھوڑے دل والے انسان کا کام، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اگر انسان کے دل کا تعلق ہو تو دونوں حالتوں میں وہ ثابت قدم رہتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشحالی کے حالات آتے ہیں، انعام ہوتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے اور شکر کے جذبہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت کا ذریعہ نہیں بناتا اور اگر کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مرضی کے خلاف حالات پیش آجاتے ہیں تو پھر مایوس نہیں ہوتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ بندہ کی طرف سے اللہ کے اوپر ایک امتحان ہے جو گذر جائے گا تو صبر کرتا ہے، اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے، استغفار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے اور اس کی رحمت کو طلب کرتا ہے تو قلبی تعلق اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو تو پھر دونوں حالتوں میں حال یہ ہوتا ہے اور یہ لاتعلقی کی بات ہے کہ جہاں ذرا کھانے کو مل گیا اور اچھے حالات ہو گئے تو انسان پہلوتہی کرتا ہے، احکام کی پروا نہیں کرتا فخر کرتا ہے، اتراتا ہے، یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اپنے کمال کے ساتھ یہ نعمت حاصل کر لی اور جہاں ذرا تکلیف آئی تو پھر بالکل ہی مایوس ہو جاتا ہے، پچھلا بھی کھایا پیا یاد نہیں رہتا اور آئندہ بھی کسی نعمت کے حاصل ہونے کی توقع نہیں رکھتا یہ بے صبری اور ناشکری کے حالات ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہ ہونے کی بات ہے۔

قل کل یعمل علی شاکلتہٖ کا مفہوم:۔

قل آپ کہہ دیجئے کل یعمل علی شاکلتہٖ ہر کوئی اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے جو طریقہ کسی نے اپنا لیا اعراض کا، پہلوتہی کا اور بے صبری کا یہ بھی ایک طریقہ ہے اور دوسرا طریقہ شکر گزاری کا ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ہے، صبر و استقامت کا ہے، ہر کوئی اپنے اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے فربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلاً تمہارا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو جو کہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے از روئے راستہ کے، جو زیادہ سیدھا راستہ پانے والا ہے، جو زیادہ ہدایت یافتہ ہے تمہارا رب ان کو خوب جانتا ہے جس کی وجہ سے پھر آخرت میں نتیجہ سامنے آجائے گا کہ کونسا طریقہ ایسا تھا کہ جس کے اپنانے کے ساتھ اچھے نتائج نکلے اور کونسا طریقہ ایسا تھا کہ جس کے اپنانے والے آخر کار برباد ہو گئے۔

سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك

ویسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی الخ کی تفسیر:۔

شانِ نزول کا پہلا واقعہ:۔

ویسئلونك عن الروح: اور آپ سے سوال کرتے ہیں روح کے متعلق، قل الروح من امر ربی، آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے، وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً اور نہیں دیے گئے تم علم سے مگر تھوڑا سا، اس رکوع میں کافروں کی طرف سے کچھ معاندانہ سوالات مذکور ہیں اور قرآن کریم نے اپنے انداز کے مطابق ان کا جواب دیا ہے، پہلا سوال جو یہاں ذکر کیا گیا وہ روح کے متعلق ہے، یہ سوال کرنے والے کون تھے؟ روایات میں دو باتوں کا ذکر آتا ہے کہ مشرکین مکہ جب کسی طرح بھی قرآن کریم کا مقابلہ نہ کر سکے تو انہوں نے مدینہ کے یہود سے رابطہ قائم کیا چونکہ وہ اہل علم تھے تو یہ خیال کیا کہ اہل علم سے کچھ سوالات پوچھ کر ان پر کیے جائیں اور یہ جواب نہیں دیں سکیں گے تو ہم ان کو رد کر دیں گے تو یہود مدینہ سے جب رابطہ قائم کیا گیا تو انہوں نے ان کو تین باتیں کہیں کہ یہ ان سے پوچھو جن میں سے ایک روح کے متعلق ہے اور ایک ذوالقرنین کے متعلق ہے اور ایک اصحاب کہف کے متعلق ہے یہ تین سوال انہوں نے تلقین کیے، دو سوالوں کا جواب اگلی سورۃ میں آ رہا ہے اور روح کا تذکرہ یہاں ہے، پھر یسئلونك کا فاعل مشرکین مکہ ہیں۔

شانِ نزول کا دوسرا واقعہ:۔

اور بعض روایات میں یوں بھی آتا ہے کہ مدینہ منورہ میں سرور کائنات ﷺ باہر تشریف لے جا رہے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی ساتھ تھا اور آپ کے ہاتھ میں کھجور کی چھڑی تھی جس کو ٹیکتے ہوئے جا رہے تھے کیونکہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ اکثر اوقات عصا مبارک ہاتھ میں رکھتے تھے تو اس دن کھجور کی چھڑی تھی جس کو ٹیکتے ہوئے آپ چلے جا رہے تھے، کھیتوں میں سے گذرے تو کچھ یہود کام کر رہے تھے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس سے کوئی بات پوچھو، بعض نے کہا کہ رہنے دو کوئی ایسا جواب دے دیں گے، جو تمہیں پسند نہیں ہوگا، کیا فائدہ؟ بعض نے کہا کہ نہیں ضرور پوچھنا چاہیے تو انہوں نے پھر سوال کیا کہ روح کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ روح کیا چیز ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے سوال کیا تو سرور کائنات ﷺ کے اوپر وحی کے آثار نمایاں ہوئے اور جب آثارِ وحی ختم ہوئے تو آپ نے یہ آیت پڑھی جس میں ان کے سوال کا

قرآن کریم نے اپنے انداز کے مطابق جواب دیا ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ یہ سوال کرنے والے یہودی تھے تو پھر یہ آیت مدنی ہوگی باوجود اس بات کے کہ ساری سورۃ مکہ ہے کیونکہ قرآن کریم کی نزولی ترتیب اور ہے ورجمع کی ترتیب اور ہے تو مکی سورتوں کے اندر بسا اوقات مدنی آیات بھی آجاتی ہیں اور مدنی سورتوں کے اندر مکی آیات بھی آجاتی ہیں تو پھر یہ سورۃ اگرچہ مکی ہے لیکن اس آیت کو مدنی کہنا پڑے گا۔

تطبیق:۔

اور بعض حضرات نے دونوں کے درمیان میں تطبیق بھی دی ہے کہ بعض آیات بار بار بھی نازل ہو جاتی تھیں جن کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نئے سرے سے یاددہانی کروائی جارہی ہے کہ اس سوال کا جواب ان آیات میں ہے تو پہلے مشرکین مکہ نے یہود کی تلقین سے یہ سوال کیا تو ان آیات کا نزول ہوا یعنی اس بات کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کہ ان کے سوال کا جواب یہی ہے، یہی ان کو بتاؤ تو دو دفعہ نزول ہو گیا ہو کہ مکہ میں بھی ہوا اور مدینہ میں ہو گیا ہو تو پھر دونوں روایتیں آپس میں جمع ہو سکتی ہیں۔

بعض حضرات کے نزدیک روح سے قرآن کریم مراد ہے:۔

پھر یہ روح جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے اس روح سے کونسی روح مراد ہے؟ کیونکہ قرآن کریم میں یہ جو اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے اس کو بھی روح کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، خود یہ کتاب اللہ بھی روح کا مصداق ہے جیسے بعض آیات میں ہے وکذلك اوحینا الیك روحاً من امرنا یہاں روح سے وہی تعلیم مراد ہے جو وحی کے ذریعہ سے سرور کائنات ﷺ کو دی جارہی تھی اور اسی طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام کے لئے بھی روح القدس کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی روح کہا گیا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے اندر جو چیز ڈالی گئی تھی اس کو بھی روح کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے تو یہاں جس روح کے متعلق سوال کیا جارہا ہے اس سے کونسی روح مراد ہے؟ بعض حضرات نے تو سیاق وسباق کی طرف دیکھتے ہوئے یہ کہا کہ یہاں روح سے قرآن کریم مراد ہے، اس کے متعلق آپ سے سوال کرتے ہیں کہ یہ کیا ہے تیرا بنایا ہوا ہے، یا اللہ کی طرف سے آیا ہوا ہے؟ کون اس کو لاتا ہے؟ اس قسم کے سوالات وہ اٹھاتے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اگلی آیات میں ان کا جواب دیا کہ یہ جو کچھ ہے یہ خود ساختہ نہیں، یہ کسی بشر کا بنایا ہوا نہیں بلکہ آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرے رب کے امر سے ہے، میرے رب کے امر سے یہ آنے والی

چیز ہے، باقی تم اس کو نہیں پہچان سکتے کیونکہ تم قلیل العلم ہو، جاہل ہو، اس کو پہچاننے کے لئے، اس کی خوبیاں جاننے کے لئے جس قسم کے علم کی ضرورت ہے وہ تم اپنی ضد ار عناد کے طور پر تم اس استعداد کو ختم کر چکے ہو، اور تمہیں وہ علم حاصل نہیں اس لئے تم اس کی خوبیوں کو پہچان نہیں سکتے اور طرح طرح کے اشکالات اٹھاتے ہو، باقی یہ قرآن رسول اللہ ﷺ کا اپنا بنایا ہوا نہیں بلکہ آپ پر آپ کے اختیار سے نہیں اترا، اللہ کے حکم سے آیا اور یہ علم اگر باقی ہے تو اللہ کی اجازت کے تحت ہی باقی ہے، جیسا کہ اگلی آیت کے اندر ذکر کر دیا گیا کہ جو کچھ آپ کو دیا گیا ہے یہ منجانب اللہ دیا گیا ہے، من امر ربی حاصل ہوا ہے اور حاصل ہونے کے بعد اس کا باقی رہنا بھی آپ کے اختیار میں نہیں ہے، اگر ہم چاہیں تو اس کو واپس بھی لے جا سکتے ہیں، اور اگر ہم اس علم کو واپس لے لیں جو ہم نے آپ کی طرف بھیجا ہے تو دنیا کے اندر کوئی شخص یہ قوت اور طاقت نہیں رکھتا کہ جو تیرے ساتھ اس معاملہ میں تعاون کرے اور کارسازی کر کے دوبارہ آپ کے یہ علوم حاصل کروادے ایسا نہیں ہو سکتا گویا کہ قرآن کریم کی حقانیت کو واضح کیا جا رہا ہے کہ آیا بھی حضور ﷺ کے اختیار کے بغیر محض اللہ کے حکم سے ہے اور اگر یہ باقی ہے تو بھی محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مہربانی سے باقی ہے، ورنہ اگر اللہ چاہے تو اس علم کو اٹھا لے وراس کے اٹھ جانے کے بعد پھر کوئی اس کو واپس لانے والا نہیں ہے اور پھر یہ جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا ان کے اختیار کے بغیر آیا اور باقی ہے تو ان کے اختیار کے بغیر باقی ہے اور معجزہ اس کا اتنا نمایاں ہے کہ اس کی مثل لانے سے ساری کائنات عاجز ہے اس لئے صرف انسان ہی نہیں بلکہ انسان اور جن سارے کے سارے اکٹھے ہو جائیں اور اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو اس کی مثل نہیں لا سکتے اگر چہ ایک دوسرے کے لئے معاون اور مددگار ہی بن جائیں یعنی سارے آپس میں تعاون کر کے بھی اس کی مثل نہیں لا سکتے، کتنا بھرپور چیلنج کر دیا گیا اور چودہ سو سال اس بات کے اوپر گواہ ہیں کہ اس قرآن کریم کی مثل لانے کی کسی کو جرات نہیں ہوئی تو پھر روح سے وحی مراد ہو گی جو کہ سرور کائنات ﷺ پر اتری اور اس کے تناسب کے ساتھ ہی اگلی آیات اس طرح جڑ گئیں جس طرح میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا اور ماقبل میں قرینہ ان آیات کو پیش کیا ہے کہ پیچھے بھی قرآن کریم کے نزول کا ہی ذکر آیا ہوا ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک روح سے روح حیوانی مراد ہے:۔

اور بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس روح سے وہی روح مراد ہے جس کے ذریعہ سے حیوان کو حیات

ملتی ہے، حضرت آدم علیہ السلام کو بنانے کے بعد جو چیز اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام میں ڈالی تھی اس کی حقیقت پوچھنا مقصود ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟ اس حقیقت پر مطلع ہونے کیلئے جس قسم کے علوم کی ضرورت ہے وہ ان لوگوں کو حاصل نہیں تھے جو مخاطب ہیں اور اس قسم کے مسائل کے اندر الجھنا یہ قرآن کریم کا موضوع بھی نہیں ہے، اگر اس قسم کی بڑی بڑی چیزیں جس کو بڑے بڑے فلاسفر آج تک حل کرنے سے عاجز ہیں اگر اس قسم کی چیزوں کی طرف اس وقت ان کو الجھا دیا جاتا تو قرآن کریم کا جو مقصد ہے وہ فوت ہو جاتا، قرآن کریم کا مقصد تو ہے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے طریقہ بتانا اور ان کے عقیدوں کی صحت اور ان کی ابتدا اور انتہاء واضح کرنا کہ تو آیا کدھر سے ہے اور جا کدھر رہا ہے اور تیرا انجام کیا ہونے والا ہے، زندگی کیسے گزرانی چاہیے، اللہ کی مرضیات کیا ہیں، نامرضیات کیا ہیں، قرآن کریم کا موضوع یہ ہے تاکہ انسان اس دنیا میں بھی اللہ کی رحمت سے فائدہ اٹھائے اور مرنے کے بعد والی زندگی کو سنوار لے، یہ ہے قرآن کریم کا موضوع، اور اگر کوئی شخص اس قسم کے سوالات اٹھانے شروع کر دے جو اس کے موضوع سے ہی خارج ہیں تو مختصر سا جواب دے کے اس دروازے کو بند کر دیا گیا اور اگر اس مسئلہ میں الجھ جائے کہ اس کی حقیقت کیا ہے، فلاں چیز کی حقیقت کیا ہے، یہ حقائق اگر واضح کرنے شروع کر دیے جائیں تو وہ ماحول اس قابل کہاں تھا کہ ان پیچیدگیوں اور باریکیوں کو سمجھتا، وہ تو موٹی موٹی باتیں، اخذ کرنے سے بھی عاجز تھے تو اس قسم کی باریکیوں کو وہ نہ سمجھ سکتے اور مسئلہ الجھ جاتا اور قرآن کریم کے موضوع سے بات ہٹ جاتی اس لئے قرآن کریم نے اپنی شان کے مطابق یہ جواب دیا کہ اس کو اتنا سمجھ لو کہ یہ اللہ کے امر سے آتی ہے، حادث ہے، اللہ کی مخلوق ہے، اللہ کے امر سے یہ آتی ہے، باقی اس کے حقائق پہچاننے کے لئے تمہارے پاس اتنا علم نہیں ہے کہ اچھی طرح تم اس کی حقیقت کو جان سکو، اپنے کام کی باتوں کی طرف توجہ رکھو، فائدہ اٹھاؤ، آخرت میں کام آنے والے اعمال کو اختیار کرو اور اس قسم کے فضول سوالات میں الجھ کر اپنا وقت ضائع نہ کرو، قرآن کریم نے اپنے انداز کے ساتھ اس طرح ان کو ٹال دیا۔

باقی دوسری روح کی طرف متوجہ کر دیا کہ جس روح کے ساتھ ان کو ایمانی حیات حاصل ہو سکتی ہے اگلی آیات کے اندر بالیقین قرآن کریم کا تذکرہ ہے، تو یہ حضرات اس طرح فرماتے ہیں۔

روح کے متعلق حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ کی کلام:۔

اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ نے اس بات کے اوپر بحث کی ہے کہ یہ روح حیوانی کی حقیقت کیا ہے، یہ کیا چیز ہے، آج تک سائنسدان اور فلاسفر اس کو حل نہیں کر سکے لیکن قرآن کریم نے اپنے اعجاز کے طور پر جیسا یہاں تذکرہ کیا اس قسم کے اشارات اس میں دے دیے ہیں کہ جس سے بہت حد تک روح کے اوپر روشنی پڑتی ہے، قرآن کریم میں جس وقت ہم دیکھتے ہیں معلوم یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دو شعبے ہیں ایک خلق اور ایک امر، له الخلق والامر جس طرح قرآن کریم میں ہے، ایک خلق کا شعبہ ہے اور ایک امر کا شعبہ ہے اور یہ روح عالم امر سے تعلق رکھتی ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء ذکر کئے گئے ہیں اس میں خالق بھی ہے، مصور بھی ہے اور باری بھی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی کام کو کرنا چاہتے ہیں انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون، یہ امر کا شعبہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہو گیا کہ روح کا تعلق خلق والے شعبہ سے نہیں بلکہ امر والے شعبہ سے ہے، سمجھانے کے لئے وہ ایک مثال دیتے ہیں کہ جیسے کاریگر ایک مشین بنانا چاہتا ہے تو پہلے اس کیلئے مادہ اور میٹریل اکٹھا کرتا ہے مثلاً لوہے سے پرزے بنانے ہیں تو لوہا آ گیا اور اگلہ درجہ یہ ہے کہ پھر اس کے پرزوں کو ڈھالتا ہے اور پھر تیسرا درجہ یہ ہے کہ ان کو جوڑتا ہے، اب جوڑنے کے بعد مشین کا ڈھانچہ بن گیا اور پھر اس سے اگلا درجہ یہ ہے کہ اس کے اندر بجلی کا کرنٹ چھوڑا جاتا ہے جس کے ساتھ وہ مشین حرکت میں آ جاتی ہے، اب یہ کرنٹ ایک خارج سے آنے والی چیز ہے، جو اس مشین کے ساتھ آ کے تعلق پکڑتی ہے اور اس کے تعلق پکڑنے کے ساتھ ساری مشین اپنی ساخت کے مطابق حرکت میں آ جاتی ہے تو اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ خالق ہے جس چیز سے انسان یا حیوان بنتا ہے جس کو آج کل کی اصطلاح میں ہم میٹریل یا مادہ کہتے ہیں وہ بھی اللہ کا پیدا کیا ہوا اس اعتبار سے اللہ خالق ہے، پھر اس کے اعضاء بنائے جیسے مشین کے پرزے ہوتے ہیں تو انسان کے اعضاء ہیں اور پھر ان سب کو جوڑ کے اس کی صورت بنائی تو یہ خالق، باری اور مصور تینوں درجے ہو گئے پھر عالم امر سے اس کے ساتھ روح کا تعلق لگایا اور وہ مشین متحرک ہو گئی اب اس کی حقیقت کہ وہ کیا ہے کس طرح آتی ہے، اس کا مرکز کیا ہے، ان چیزوں کو پہچاننا انسان کے بس میں نہیں ہے، ہاں البتہ آنے والی آیات میں یہ اشارہ کر دیا گیا ہے کہ روح اگرچہ آتی اللہ کے امر سے ہے لیکن ہر روح کا درجہ ایک نہیں ہے بعض روح اس قسم کی ہوتی ہے کہ اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی

طرف سے علوم کا فیضان ہوتا ہے اور وہ بھی اس کے اختیاری نہیں ہوتے جتنا چاہے کمالات کو پہنچ جائے لیکن وہ کمالات اس کے اختیاری نہیں ہوتے، نہ حاصل کرنا اس کے اختیار میں ہے اور نہ ان کمالات کا باقی رکھنا اس کے اختیار میں ہے، اور بعض روحوں کو اللہ تعالیٰ اتنا کمال دے دیتا ہے، کہ دوسری ساری مخلوق مل کے بھی اس کے کمال جیسا کمال پیدا نہیں کر سکتی تو اس طرح یہ اشارات اگلی آیت سے نکل آئے تو پھر روح سے روح حیوانی مرد لی جائے جس کے ساتھ انسان زندہ ہوتا ہے اور اگلی آیات میں قرآن مجید کے تذکرہ کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یوں ہوگئی کہ اس روح کے کمالات کا تذکرہ ہو گیا۔

قرآن کریم کا کھلا چیلنج:۔

باقی قرآن کریم کا یہ اعجاز آپ کے سامنے کئی دفعہ آ گیا، سورۃ بقرہ میں بھی اس کا تذکرہ آیا تھا، سورۃ یونس میں بھی آیا تھا اور اس طرح سورۃ ہود میں بھی آیا تھا مختلف انداز کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی مثل لانے سے انسانوں کا عجز نمایاں کیا ہے اور یہ قرآن کریم کا بہت واضح معجزہ ہے جس کا چیلنج اس وقت سے لے کر آج تک باقی ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک باقی رہے گا۔

ولقد صرفنا للناس فی ھذاالقرآن من کل مثل، البتہ تحقیق اس قرآن میں ہم نے لوگوں کے لئے اس مضمون کو مختلف طریقوں کے ساتھ پھیر پھیر کے بیان کیا ہے لوگ اچھی طرح سے اس کو سمجھ جائیں، فابیٰ اکثر الناس الا کفوراً اس کا لفظی معنی ہے انکار کیا اکثر لوگوں نے مگر ناشکری کا یعنی کفر کا انکار نہ کیا باقی ہر چیز کا انکار کر دیا، محاورہ کے مطابق اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ لوگوں کی اکثریت انکار کیے بغیر نہ رہی، لوگوں کی اکثریت ناشکری اختیار کیے بغیر نہ رہی یعنی جو اختیار کرتے ہیں ناشکری ہی اختیار کرتے ہیں، کفر ہی اختیار کرتے ہیں، اس کے بغیر ان کا گزارہ نہیں ہے، ہر کام سے یہ اڑ جاتے ہیں سوائے اس کام کے اس کام کو کرتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے۔

مشرکین کے مطالبات اور اللہ کی طرف سے جواب:۔

آگے کچھ اور سوالات ذکر کیے گئے ہیں اور یہ سوالات کرنے والے مشرکین مکہ ہی ہیں وقالوا اور یہ لوگ کہتے ہیں لن نؤمن لک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے ہم تیرے لئے یعنی تیری بات نہیں مانیں گے حتی تفجر لنا من الارض ینبوعاً حتی کہ جاری کر دے تو ہمارے لئے زمین سے چشمے اور حتی کے بعد مضارع آ جائے تو عادۃً ترجمہ

نفی کے ساتھ کیا جاتا ہے اس لئے ترجمہ یوں بھی کر سکتے کہ ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے، تیری بات نہیں مانیں گے جب تک تو جاری نہ کردے ہمارے لئے زمین سے چشمہ، اوتکون لك جنة من نخیل اسی طرح مثبت ترجمہ کرنا چاہو تو معنی ہوگا ہرگز نہیں مانیں گے ہم تیری بات حتی کہ تو کردے ہمارے لئے ایک باغ کھجوروں کا اور انگوروں کا پھر جاری کردے تو نہریں اس کے درمیان میں خوب اچھی طرح سے جاری کرنا یا گرادے تو آسمان سے جیسا کہ تیرا خیال ہے کہ تو گرادے ہمارے اوپر ٹکڑے ٹکڑے کر کے یا لے آئے تو اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے، یا ہو تیرے لئے ایک گھر سونے کا یا چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہرگز ہم نہیں ایمان لائیں گے تیرے چڑھنے کے متعلق حتی کہ اتارے تو ہمارے اوپر ایک کتاب جس کو ہم پڑھیں، آپ کہہ دیجئے سبحان ربی هل کنت الابشراً رسولاً میرا رب پاک ہے نہیں ہوں میں مگر بشر رسول اور اگر نفی طور پر ترجمہ کرنا ہو تو اس طرح ہو جائے گا جس طرح پہلے عرض کیا ہے، ایسی باتیں وہ پہلے بھی کرتے رہتے تھے اس کے پس منظر میں ان کا خیال یہ تھا کہ جب یہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اور اپنے آپ کو اللہ کا نمائندہ کہتا ہے، تو پھر اس کے پاس اس قسم کی قدرتیں ہونے چاہیں، وہ ایسے ایسے عجیب کارنامے سرانجام دے تو جواب یہ دیا گیا هل کنت لابشراً رسولاً نہیں ہوں میں مگر ایک بشر رسول، جب رسول کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو پہنچانا ہے جو اللہ کی طرف سے دیا جاتا ہے، اس کو آگے ذکر کر دیتا ہوں باقی اس قسم کی قدرتوں کا مالک ہونا رسول کے ذمہ نہیں ہے، تم ایسے سوالات کرنے لگ جاتے ہو گویا کہ میں نے دعویٰ کر دیا کہ مجھے خدائی اختیارات حاصل ہو گئے، جو چاہو گے میں کر کے دکھا دوں گا، جس چیز کا مطالبہ کرو گے میں اس کو پورا کر دوں گا، ایسی بات نہیں ہے تو هل کنت الابشرا رسولاً کے اندر منصب رسالت کو واضح کیا گیا ہے کہ رسول بشر ہی ہوتا ہے اور اس کے ذمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے دین کو لوگوں تک پہنچانا ہوتا ہے اور ایسی قدرت یا ایسے اختیارات کا دعویٰ اس کا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کو حاصل ہوتے ہیں۔

بشریت انبیاء کے متعلق مشرکین کا نظریہ:۔

وما منع الناس ان یؤمنوا، لوگوں کو نہیں روکا ایمان لانے سے جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اس بات نے کہ یہ کہتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کے بھیجا ہے یعنی انکے ذہن کے اندر بشر اور رسالت کے درمیان منافات ہے، یہ کانٹا ان کے ذہنوں کے اندر اڑا ہوا ہے جس کی بناء پر جب ہدایت ان کے پاس آتی ہے تو

اس خیال سے وہ رک جاتے ہیں کہ بھلا ایک بشر رسول کیسے ہوسکتا ہے بشر اور رسالت کے درمیان منافات ان کے ذہن کے اندر پڑی ہوئی ہے جیسا کہ سورۃ التغابن میں بھی ایک آیت آئے گی قالوا أبشر يهدوننا فكفروا یہ کہنے لگے گئے کہ کیا ہمارے ہادی بن کے آئے ہیں فکفروا پھر انہوں نے انکار کر دیا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنے جیسے ایک بشر کو اللہ کا نمائندہ مان لیں اور اللہ کی طرف سے آیا ہوا مان لیں ایسا نہیں ہوسکتا تو اس بناء پر انہوں نے انکار کر دیا کہ ابشر يهدوننا اور آج کل آپ کے سامنے یہ جو بشریت انبیاء کا اختلاف چلتا رہتا ہے اس میں اگر آپ غور کریں، اختلاف کی نوعیت کوئی ہو لیکن ذہنیت ایک ہے وہ یہ کہ نبوت اور بشریت میں منافات ہے وہ کہتے تھے کہ بشر یقینی ہیں، ہمارے سامنے پیدا ہوئے، ہمارے سامنے چلتے پھرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، بیوی بچوں والے ہیں، ان کا باپ معلوم ہے، ان کی ماں معلوم ہے اور نبوت کا اظہار کرنے سے پہلے ہمارے ساتھ ہی رہتے تھے، انسان ہونا تو یقیناً ان کو معلوم تھا، بشر ہونا یقینی طور پر معلوم تھا البتہ یہ معنوی کمال رسالت والا ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ ہم سے ممتاز کیسے ہوگئے، جب دنیا کی نعمتیں ہمارے پاس ہیں اور ہر قسم کے خوشحال ہم ہیں تو یہ باطنی دولت اگر ہے تو ہمیں کیوں نہیں ملی اس لئے وہ کہتے تھے کہ تمہارے پاس سونے کے مکانات ہونے چاہیں، تمہارے پاس باغات ہونے چاہیں، جب تم اتنی بڑی سرکار کے نمائندے بن کے آئے ہو جو ساری زمین اور آسمان کا مالک ہے پھر یہ کیا ہے کہ بدن پر کپڑا نہیں، پاؤں میں جوتی نہیں اور کہتے ہو کہ میں اس خدا کا رسول اور نمائندہ ہوں یہ انسان ہو کے نمائندہ کس طرح بن گئے، ان کو اشکال اس طرح تھا۔

بشریت انبیاء کے متعلق موجودہ دور کے مبتدعین کا نظریہ:۔

اور آج کے یہ موجودہ دور کے مبتدعین چونکہ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں اس لئے رسول اللہ تو ان کے نزدیک یقینی ہے، اللہ کا رسول تو یقیناً مانتے ہیں لیکن اللہ کا رسول ماننے کے ساتھ ساتھ اس کے کمالات کو جب دیکھتے ہیں تو پھر ان کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ ایسے کمالات بھلا کسی بشر میں کیسے ہوسکتے ہیں یعنی کمالات کو مان لیا، رسول اللہ کو مانتے ہیں لیکن ان کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ اتنے کمالات ایک بشر میں کیسے ہوسکتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ بشر تو ہم ہیں، اصل معیار ٹھہرالیا اپنے آپ کو کہ بشر تو ہم ہیں تو جب بشر ہم ہوئے تو ہمارے اندر تو ان میں سے کوئی چیز بھی نظر نہیں آتی تو جن کے اندر یہ چیزیں پائی جاتی ہیں جن کو ہم کمالات نبوت کہتے ہیں یا کمالات رسالت کہتے

ہیں معلوم ہوتا ہے، کہ وہ بشر نہیں اس لئے ان کو بشر کہنا ناگوار گزرتا ہے کیونکہ اپنے آپ کو بشر سمجھ بیٹھے اور معیار بنا لیا اپنی حالت کو اور انبیاء کو جب ایسا نہیں دیکھتے تو کہتے ہیں کہ وہ بشر نہیں ہیں، کمالات کو چونکہ مانتے ہیں اس لئے بشریت کا عقیدہ ان جاہلوں کی سمجھ نہیں آتا حالانکہ بنیادی طور پر غلطی یہاں بھی یہی ہے کہ اپنے آپ کو سمجھ لیا کہ صحیح بشر وہ ہے جو ہمارے جیسا ہو۔

بشریت انبیاء کے متعلق اہل سنت والجماعت کا نظریہ:۔

اور ہم کہتے ہیں کہ تمہاری صورت بشر جیسی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بشر کو جس قسم کے ظاہری اور باطنی کمال دیے ہیں ان میں سے ہمیں کچھ بھی حاصل نہیں ہے اس لئے بشر کا صحیح معیار بھی انبیاء علیہم السلام ہی ہیں، صحیح انسان کہلانے کا حق بھی وہی رکھتے ہیں، انبیاء بشر ہی ہیں اور ان کے کمالات کا عقیدہ رکھا جائے گا لیکن ہم انسانیت کے معیار سے گرے ہوئے ہیں، نقص ہمارے اندر ہے اور یہ کوئی بعید بات نہیں ہے ایک ہی نوع یا جنس کے افراد میں اتنا فرق ہوسکتا ہے کہ اگر اعلیٰ معیار کو دیکھا جائے تو ادنیٰ معیار اس کے مقابلہ میں ایسے معلوم ہوگا جیسے وہ اس نوع کا ہی نہیں ہے مثلاً آپ منطقی طور پر پڑھتے ہیں انسان کی جنس حیوان ہے اور گدھے کی جنس بھی حیوان ہے کتے کی جنس بھی حیوان ہے، تو منطقی اصطلاح کے اعتبار سے آپ گدھے اور کتے کے ہم جنس ہیں یا کتا اور گدھا آپ کا ہم جنس ہے لیکن ایک جنس کے افراد ہونے کے ساتھ کیا گدھے میں اور انسان میں کوئی مناسبت ہے تو ہم جنس ہونے کے ساتھ مساوات کلی کس طرح لازم آگئی، ایک جنس کے افراد کے اندر اتنا فرق ہوتا ہے کہ ایک کی طرف دیکھ کر دوسرے سے کوئی مشابہت ہی معلوم نہیں ہوتی لیکن آپ جس وقت منطق پڑھنا شروع کرتے ہیں تو آپ کا پہلا سبق ہی یہی ہوتا ہے کہ انسان کی جنس بھی حیوان ہے، گدھے کی جنس بھی حیوان ہے، بندر اور سور کی جنس بھی حیوان ہے گویا کہ یہ سارے کے سارے آپ کے ہم جنس ہیں تو ہم جنس ہونے کے باوجود کتنا تفاوت ہے؟ اسی طرح سے ایک نوع کے افراد میں بھی ہوسکتا ہے کہ ایک نوع کے افراد میں اتنا تفاوت ہو کہ اگر اعلیٰ معیار کو دیکھا جائے تو ادنیٰ اس کے ساتھ کسی قسم کا جوڑ ہی نہیں کھاتا حالانکہ ایک ہی نوع کے فرد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے انسان ایک نوع ہے اس کے سارے افراد ہیں ایک فرد ہے جس کو ہم ولی اللہ کہتے ہیں اور ایک فرد کو ہم چور اور ڈاکو کہتے ہیں، ایک فرد ہے جو تخت شاہی پر بیٹھا ہوا ہے، اور ایک فرد جو سڑک پر پڑا ہوا ہے ہاتھ پھیلا پھیلا کر بھیک مانگتا ہے، اب ان دونوں میں کتنا

تفاوت ہے تو کیا یہ دونوں ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ ایک نوع کے ہونے کے باوجود بے انتہاء فرق ہے تو پھر صرف انسان کہنے کے ساتھ مساوات کس طرح لازم آئیگی، باپ اور بیٹا درجہ کے اعتبار سے برابر نہیں ہوتے حالانکہ دونوں انسان ہیں، بادشاہ اور فقیر ظاہر کے اعتبار سے برابر نہیں ہوتے حالانکہ دونوں انسان ہیں، عالم اور جاہل برابر نہیں ہوتے، باوجود اس بات کے کہ دونوں انسان ہیں اس طرح انبیاء علیہم السلام انسانیت کے اعلیٰ درجہ کے پھول ہیں جن کے ساتھ انسانیت مزین ہے اور اس انسانیت کے افراد ہم جیسے اور تم جیسے بھی ہیں تو ان کے ساتھ مساوات لازم نہیں آتی یہ بات مشاہدے اور دلائل کے خلاف ہے، ایک ہی نوع کے افراد کے درمیان میں بے انتہاء تفاوت ہو سکتا ہے جس طرح زمین و آسمان کے درمیان فرق ہے، نور اور ظلمت کے درمیان فرق ہے اس طرح ایک نوع کے مختلف افراد کے درمیان میں فرق ہو سکتا ہے ایک ہی نوع قرار دینے کے ساتھ مساوات لازم نہیں آتی۔

جیسے ایک بزرگ کا قول ہے محمد بشر لا كالبشر بل هو ياقوت بين الحجر کہتے ہیں کہ محمد ﷺ بشر تو ہیں لیکن عام بشر کی طرح نہیں ہیں، بلکہ اس طرح ہیں جس طرح پہاڑوں اور پتھروں میں سے یاقوت نکلتا ہے، اب یاقوت بھی پتھر ہی ہوتا ہے ایک پتھر تو وہ ہے جو ٹرکوں کے ٹرک آتے ہیں اور سڑکوں پر پاؤں کے نیچے روندے جاتے ہیں یہ بھی تو پتھر ہی ہے اور ایک پتھر یاقوت ہے جو پہاڑوں میں سے کبھی قسمت سے نکل آتا ہے اور یہ منوں پتھر مل کر بھی اس کے ایک ماشہ کی قیمت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور دونوں کو رکھ دیں تو ہر شخص ان میں سے ایک کو پتھر قرار دے گا کہ اگر یہ پتھر ہے تو وہ پتھر نہیں ہیں لیکن جو شخص حالات جانتا ہے وہ کہے گا ہیں دونوں پتھر لیکن اللہ تعالیٰ نے نوع کے افراد کے درمیان میں فرق اتنا رکھا ہوا ہے کہ دونوں کی آپس میں مناسبت ہی کوئی نہیں ہے تو یہ ذہن کہ ایک نوع قرار دینے کے ساتھ مساوات لازم آتی ہے یہ جاہلانہ ذہن ہے۔

بشریت انبیاء کے منکر کا شرعی حکم:۔

اور باقی رہی یہ بات کہ جو کہتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بشر نہیں ہیں ان کا شرعی طور پر حکم کیا ہے؟ اگرچہ فتوے لگانا ہمارا منصب نہیں ہے لیکن آپ حضرات کی واقفیت کیلئے ایک بات عرض کر دوں کہ صرف اتنے الفاظ کہ انبیاء بشر نہیں یا حضور ﷺ بشر نہیں اتنے کلمہ کے اوپر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا جب تک کہ مراد واضح نہ کر دی جائے کیونکہ جیسے میں نے عرض کیا کہ دو افراد کے درمیان میں جب تفاوت ہوتا ہے، تو تفاوت کی وجہ سے کمال اور نقص کے اعتبار سے اس

نوع کی نفی کی جا سکتی ہے جیسے کہ آپ ایک آدمی کو گھٹیا کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو آپ کہتے ہیں کہ یہ انسان نہیں ہے، انسانوں کے کام ایسے نہیں ہوتے اور جب آپ کو تنبیہ کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ انسان ہو یا گدھے، اور کبھی کمال کے اعتبار سے بھی نفی کر دی جاتی ہے کہ اس میں تو اتنے کمالات ہیں جو عام افراد کے اندر نہیں پائے جاتے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسان نہیں ہے ماھذا البشرا جس طرح مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کے کہا تھا یہ تو بشر نہیں ہے، ہم بھی جب کسی بزرگ کو دیکھتے ہیں تو ہم بھی کہتے ہیں کہ یہ انسان نہیں، یہ تو کوئی فرشتہ ہے وہ تو فرشتہ ہے جو انسان کی شکل میں آ گیا ہے اولیاء اللہ اور بڑے لوگوں کیلئے ہم بھی یہ لفظ بولتے ہیں تو وہاں حقیقت کے اعتبار سے نوع کی نفی کرنی مقصود نہیں ہوتی، محاورات کے اندر بسا اوقات ناقص چیز کو بھی نوع سے خارج کر دیا جاتا ہے اور کامل چیز کو بھی دوسرے افراد کی طرف دیکھتے ہوئے بسا اوقات اس نوع سے خارج کر دیا جاتا ہے تو صرف اتنا عنوان دیکھنے کے ساتھ یہ لازم نہیں آتا کہ سرے سے اس حقیقت کا ہی انکار ہو جائے اس لئے اس کی وضاحت طلب کی جائے گی کہ اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ انبیاء بشر نہیں ہیں تو ان کی کیا مراد ہے؟ کیا وہ اللہ کی مخلوق ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ ہاں جی اللہ کی مخلوق ہیں، کیا یہ آدم کی اولاد ہیں؟ وہ کہیں کہ ہاں جی آدم کی اولاد ہیں کیا یہ بھی ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں جس طرح عام آدمی پیدا ہوتے ہیں؟ وہ کہیں کہ ہاں جی اس طرح پیدا ہوتے ہیں تو پھر انہیں کہو کہ جب یہ آدم کی اولاد ہیں، اللہ کی مخلوق ہیں، اسی طرح ماں باپ سے پیدا ہوتے ہیں تو پھر تو وہ انسان ہی ہوئے، بشر ہی ہوئے، وہ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے لیکن کہنا نہیں چاہیے کیونکہ بشر تو ہم ہیں، انسان تو ہم ہیں اور ایسا کہنے کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ شاید انبیاء بھی ہمارے جیسے ہی تھے اگر آپ ان میں سے سمجھدار طبقہ کے ساتھ بات کریں گے تو وہ نتیجہ یہاں لائیں گے اور ضد بازی میں آ کے پھر اس عنوان کے اوپر جو اڑ گئے تو اڑنے کے ساتھ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سرے سے بشر ہی نہیں ہیں، اگر وہ یہ کہیں کہ ہم ان کو اولاد آدم نہیں مانتے ایسی صورت میں پھر یقیناً وہ کافر ہیں اس میں پھر کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

ملائکہ کو رسول بنا کر نہ بھیجنے کی وجہ:۔

قل آپ کہہ دیجئے لو کان فی الارض ملائکۃ کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو زمین میں چلتے پھرتے، یہیں رہنے اور بسنے والے ہوتے کیونکہ ویسے تو فرشتے زمین پر آتے بھی ہیں اور چلتے پھرتے بھی ہیں اگر

یہاں رہنے بسنے والے ہوتے تو ہم ان کے اوپر آسمان سے ایک فرشتہ رسول بنا کر اتار دیتے کیونکہ رسول تو راہنمائی کیلئے آئے گا جب راہنمائی کیلئے آئے گا تو اس کو اس نوع میں سے آنا چاہیے جن کی طرف رسول بنا کے بھیجا ہے تا کہ ان کے جذبات کو پہچانے ان کے رسم و رواج کو جانے اور اس کے مطابق ان کی راہنمائی کرے اگر یہاں زمین پر فرشتے رہنے والے ہوتے تو ہم ان کی طرف فرشتہ کو رسول بنا کر بھیج دیتے، اتنی وضاحت کے بعد بھی اگر یہ نہیں سمجھتے تو آخری بات یہ ہے قل کفیٰ بالله شهيدا بيني و بينكم آپ کہہ دیجئے کہ اللہ گواہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان انه كان بعباده خبيرا بصيراً بے شک وہ اپنے بندوں کے متعلق خبر رکھنے والا ہے دیکھنے والا ہے، اللہ جانتا ہے، اللہ گواہ ہے کہ میں بشر ہونے کے باجود اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کی طرف سے صحیح طور پر یہ تعلیمات لاتا ہوں، تم نہیں مانتے تو نہ مانو اللہ گواہ کافی ہے۔

ہدایت اور گمراہی اللہ کے قبضہ میں ہے اور گمراہوں کا انجام:۔

اور ان کے اس طرز عمل سے یہ بات بھی بالکل واضح ہوگئی کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ومن يهد الله فهو المهتد جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو اللہ بھٹکا دے نہیں پائے گا تو اس کے لئے کوئی دوست اللہ کے علاوہ، پھر اس کو کوئی سیدھے راستہ پر نہیں لا سکتا یعنی ان کے حالات سے یہ بات بھی سامنے آ گئی کہ اللہ کی طرف سے ہدایت کی توفیق ہو تو کوئی ہدایت یافتہ ہو سکتا ہے، باقی اللہ کس کے متعلق یہ چاہتا ہے، کس کے متعلق اس کی توفیق ہوتی ہے وہ بار بار واضح کر دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمت کے مطابق بنائے ہوئے ضابطے ہیں، قاعدے ہیں جو بندہ ان قاعدوں کے مطابق ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہے اللہ کی طرف سے اذن ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ اللہ کی مشیت متعلق ہو جاتی ہے اور جو ان قاعدوں کے خلاف چلتا ہے اللہ کی طرف سے ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے ونحشرهم يوم القيامة على وجوههم جس طرح آج یہ الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں، سیدھا راستہ اختیار نہیں کرتے اور حق دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے، سننے کی کوشش نہیں کرتے قیامت کے دن ان کا انجام بھی ایسے ہی سامنے آئے گا جمع کریں گے ہم ان کو قیامت کے دن ان کے چہروں کے بل، چہروں کے بل ان کو گھسیٹ کے لائیں گے، اندھے ہوں گے، گونگے ہوں گے، بہرے ہوں گے وہاں بھی ان کی ساری کی ساری استعداد ختم ہوگی بایں معنی کہ اگر وہاں سوچنا اور سمجھنا چاہیں گے تو موقع ہی نہیں ہوگا منہ کے بل ان کو گھسیٹ کے

لایا جائے گا ماْوا ھم جھنم جہنم ان کا ٹھکانہ ہے، صحابہ کرام نے سرور کائنات ﷺ سے سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ! قیامت کے دن کافر اپنے چہروں کے بل چلتے ہوئے آئیں گے تو یہ کیسے ہوگا، چہرہ کے بل کوئی کیسے چل سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس نے قدموں کے بل چلا دیا وہ چہرہ کے بل بھی چلانے پر قادر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حقیقت اور واقعہ ہے کہ ان کی ٹانگیں اوپر کو ہوں گی اور سر نیچے کو ہوگا، کلما خبت زدناھم سعیرا جب کبھی وہ آگ بجھنے لگے گی، بجھے گی نہیں، یہ نوبت ہی نہیں آئیگی کہ وہ بجھ جائے، جس طرح بھڑکایا جاتا ہے تو آہستہ آہستہ اس آگ کی تیزی میں کمی آتی ہے تو دوبارہ پھر اس میں ایندھن ڈال کے اس کو بھڑکا دیا جاتا ہے وہی صورت یہاں ہوگی جب وہ آگ بجھنے لگے گی حاصل یہ ہے کہ دیر تک جلنے کی بناء پر آگ کی تپش میں کمی نہیں آنے دی جائیگی۔

کفار کے برے انجام کی وجوہات:۔

ذلك جزاءو ھم بانھم کفروا، یہ بدلہ ہے انکا اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا ہماری آیات کا اور یہ آخرت کا انکار ہی ان کے کفر کی بنیاد ہے، انہوں نے کہا کیا جب ہم ہڈیاں ہو جائیں گے اور چورا چورا ہو جائیں گے کیا ہم اٹھائے جائیں گے نئے سرے سے پیدا کر کے؟ یہ وہی قدرت کا انکار ہے اور یہ بات آگے آپ کے سامنے متعدد بار ذکر کی جا چکی ہے کہ ان کا آخرت کا انکار اسی پر ہی مبنی تھا کہ ان کو اللہ کی قدرت سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ مرنے کے بعد زندگی دوبارہ کیسے دی جائے گی، ان ریزہ ریزہ ہونے والی ہڈیوں کے اندر حیات دوبارہ کس طرح ڈالی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر:۔

اللہ تعالیٰ انہیں اپنی اسی قدرت کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ جس نے پہلی دفعہ پیدا کر دیا وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے، جو زمین و آسمان جیسی مخلوق بنا سکتا ہے تو اس کیلئے ان ہڈیوں کو جمع کر کے دوبارہ ان میں حیات ڈالنا کیا مشکل ہے اولم یروا کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں ان اللہ الذی خلق السموات والارض کہ بے شک وہ اللہ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو قادر علیٰ ان یخلق مثلھم وہ قدرت رکھنے والا ہے اس بات پر کہ ان جیسوں کو پیدا کر دے اور ان کے دوبارہ پیدا کرنے کے لئے اللہ نے ایک وقت متعین کیا ہے کہ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، اس میں اس شبہ کو رد کر دیا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ پیدا کر سکتا ہے اور پیدا کرے گا تو ہم نے تو ایسی کوئی مثال دیکھی

ہی نہیں تو اس کا جواب گویا کہ ان الفاظ میں آ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دوبارہ اٹھنے کے لئے ایک وقت متعین کیا ہے جس کے آنے میں کوئی کسی قسم کا شک نہیں ہے فابیٰ الظالمون الا کفوراً یہ بھی اس طرح محاورہ کے مطابق ترجمہ ہوگیا کہ ظالم بے مانے نہ رہے، ظالم کفر کیے بغیر نہ رہے، انکار کیا ظالم لوگوں نے مگر کفر سے یعنی باقی ہر چیز سے انکار کر دیتے ہیں سوائے کفر کے۔ اڑ جاتے ہیں ہر چیز کے مقابلہ میں لیکن کفر کرنے میں نہیں اڑتے، کفر کو اختیار کر لیتے ہیں تو محاورہ کے مطابق ترجمہ یوں ہوگا کہ ظالم ناشکری اختیار کیے بغیر نہ رہے۔

کفار سے شکوہ:۔

قل لو انتم تملکون خزائن رحمة ربی، آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم مالک ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے تب ان کو روک رکھتے خرچ کرنے کے اندیشہ سے یعنی خرچ کرنے کے انجام کے اندیشہ سے، خرچ کرنے کے انجام کا اندیشہ ہوتا ہے، بظاہر ختم ہو جانا یعنی تمہیں جو میری نبوت پر اعتراض ہے کہ اس کو نبی کیوں بنا دیا گیا تو کیا اللہ کی رحمت کے خزانے تمہارے پاس ہیں؟ اگر یہ رحمت کے خزانے تمہارے پاس ہوتے تو تم تو ان کو روک رکھتے اس خیال سے کہ اگر ہم خرچ کریں گے تو ختم ہو جائیں گے، انسان بہت تنگ دل ہے کسی دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی یہ سوچتا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ اپنے مفاد کو سامنے رکھتا ہے۔

سبحانك اللهم و بحمدك اشهد ان لااله الا انت استغفرك و اتوب اليك۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

البتہ تحقیق دیں ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلی ہوئی نو نشانیاں تو پوچھ بنی اسرائیل سے

اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی

جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے تو کہا ان سے فرعون نے میں خیال کرتا ہوں تجھے اے موسیٰ!

مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ

جادو کیا ہوا ﴿۱۰۱﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تو ضرور جانتا ہے کہ نہیں نازل کیا ان چیزوں کو مگر

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآىٕرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾

آسمانوں اور زمین کے رب نے جو بصائر ہیں اور میں خیال کرتا ہوں تجھے اے فرعون ہلاک ہوجانے والا ﴿۱۰۲﴾

فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ

پھر اس نے چاہا کہ اکھاڑدے ان کو زمین سے پس ہم نے غرق کردیا اس کو اور جو

مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا

اس کے ساتھ تھے سب کو ﴿۱۰۳﴾ اور ہم نے کہا اس کے بعد بنی اسرائیل کو تم سکونت اختیار کرو

الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ

زمین میں پھر جب آجائے گا آخرت کا وعدہ تو ہم تمہیں لے آئیں گے لپیٹ کر ﴿۱۰۴﴾ اور حق کے ساتھ

اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۱۰۵﴾

ہی ہم نے اس کو اتارا ہے اور یہ حق کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر ﴿۱۰۵﴾

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا ﴿۱۰۶﴾

اور قرآن، ہم نے اس میں فصل رکھا ہے تاکہ پڑھیں آپ اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے ہی اتارا ہے ﴿۱۰۶﴾

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا

آپ کہہ دیجئے تم اس کے ساتھ ایمان لاؤ یا نہ لاؤ بے شک وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا اس سے پہلے جب

يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ

تلاوت کی جاتی ہے ان پر تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے ﴿۱۰۷﴾ اور وہ کہتے ہیں پاک ہے

اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ

ہمارا رب اور بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر ہی رہے گا ﴿۱۰۸﴾ اور وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل اس حال میں کہ

وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّامَّا

روتے ہیں اور یہ قرآن بڑھاتا ہے ان کو ازروئے خشوع کے ﴿۱۰۹﴾ آپ کہہ دیجئے کہ پکارو تم اللہ کہہ کر یا پکارو تم رحمٰن کہہ کر

تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ

جس نام سے بھی پکارو پس اس کے لیے اچھے اچھے نام ہیں اور نہ تو جہر کر اپنی نماز میں

وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

اور نہ ہی تو چپکے چپکے پڑھ اور تو اختیار کر دونوں کے درمیان راستہ ﴿۱۱۰﴾ آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ

جس نے نہیں اختیار کی کوئی اولاد اور نہیں ہے اس کا کوئی شریک سلطنت میں اور نہیں ہے

لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع

اس کا کوئی ولی کمزوری کی وجہ سے اور تو اس کی بڑائی بیان کر خوب اچھی طرح بڑائی بیان کرنا ﴿۱۱۱﴾

تفسیر

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:۔

ولقد آتینا موسیٰ تسع آیات بینات لقد تاکید کیلئے آتا ہے، البتہ تحقیق ہم نے دیے موسیٰ علیہ السلام کو نو معجزات، ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں دیں بینات یعنی واضح، فاسئل بنی اسرائیل آپ پوچھ لیجئے بنی اسرائیل سے اذا جاء ھم جب کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے فقال له فرعون فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا انی لاظنك یا موسیٰ مسحوراً بے شک میں البتہ سمجھتا ہوں تجھے اے موسیٰ! جادوزدہ، مسحور جس کے اوپر کسی نے جادو کر دیا ہو اور

اس کی عقل ٹھکانے نہ رہی ہو ایسے موقع پر مسحور مجنون کے معنی میں ہوتا ہے، قال لقد علمت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تجھے ضرور معلوم ہے، تو ضرور جانتا ہے ماانزل ھؤ لاء الارب السموات والارض بصائر نہیں اتارا ان آیات بینات کو مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے اس حال میں کہ یہ بصائر ہیں، بصائر بصیرت کی جمع ہے یعنی دل کی روشنی کا ذریعہ، سمجھ بوجھ کی باتیں، اس حال میں کہ یہ واضح دلائل ہیں جن کے ذریعہ سے عقل کو روشنی حاصل ہوتی ہے، دل کو بصیرت حاصل ہوتی، وانی لاظنك یا فرعون مثبوراً اور بے شک میں البتہ سمجھتا ہوں تجھے اے فرعون! ہلاکت میں ڈالا ہوا۔

فاراد ان یستفزھم: استفزاز یہ لفظ اس سورۃ میں تیسری دفعہ آ رہا ہے یہ اصل میں گھبراہٹ میں ڈالنے کیلئے بھی آتا ہے، اکھیڑ دینا، ارادہ کیا اس فرعون نے کہ قدم اکھیڑ دے ان اسرائیلیوں کے اس علاقہ سے، یہاں ارض سے ارض مصر مراد ہے، گھبراہٹ اور بے چینی میں ڈال کے ان کو یہاں سے اکھیڑ دے فاغرقناہ پھر ہم نے اس فرعون کو ڈبو دیا اور ان لوگوں کو بھی جو فرعون کے ساتھ تھے سب کو فرعون اور اس کے سب ساتھیوں کو ہم نے ڈبو دیا وقلنا من بعدہٖ اور کہا ہم نے اس فرعون کے غرق ہوجانے کے بعد بنی اسرائیل کو علاقہ میں سکونت اختیار کرو فاذاجاء وعدالاخرۃ جس وقت آخرت کا وعدہ آجائے گا تو لے آئیں گے ہم تم سب کو اکٹھا کر کے، تم سب کو لپیٹ کر ہم لے آئیں گے وبالحق انزلناہ اور حق کے ساتھ ہم نے اس قرآن کو اتارا وبالحق نزل اور حق کے ساتھ ہی یہ اترا ہے یعنی یہ ہماری طرف سے اتارا گیا اور اس کا اول سے لے کر آخر تک اترنا حق کے ساتھ ہی ہے یعنی اس کے اندر باطل کی آمیزش ابتداء اور انتہاء کے اعتبار سے کہیں نہیں ہے وماارسلناك الا مبشراً و نذیراً اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر مبشر اور نذیر بنا کر۔

وقرآنا فرقناہ، یہ قرآنا منصوب ہے علیٰ شریطۃ التفسیر، ہم نے اس قرآن کو جدا جدا، ٹکڑے ٹکڑے، علیحدہ علیحدہ رکھا لتقراٗہ علی الناس تاکہ تو پڑھتا رہے اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر ونزلناہ تنزیلاً، تنزیل اور انزال کے درمیان فرق آپ کتابوں میں پڑھ چکے ہیں کہ انزال دفعۃً اتارنے کو کہتے ہیں اور تنزیل تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنے کو کہتے ہیں تو اس کا معنی ہوگا کہ ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا، قل آمنو به اولاتؤ منوا، آپ کہہ دیجئے کہ تم اس قرآن پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، ان الذین اوتوا العلم من قبلهٖ، قبلہ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف لوٹ رہی

ہے، بے شک وہ لوگ جو علم دیے گئے اس قرآن کریم کے نازل ہونے سے پہلے جب ان پر یہ قرآن پڑھا جاتا ہے، تو وہ گر جاتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل اس حال میں کہ سجدہ کرنے والے ہوتے ہیں اور ذقن بول کر یہاں وجہ ہی مراد ہے اور سجدہ پیشانی پر ہوتا ہے، ٹھوڑی پر نہیں ہوتا یہ مبالغہ ہے کہ ایسے طور پر گرتے ہیں گویا کہ ان کے منہ زمین پر اس طرح لگتے ہیں کہ ان کی ٹھوڑی بھی زمین پر لگ جاتی ہیں، بہت زاری اور خشوع کے ساتھ اللہ کے سامنے گر جاتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے بے شک ہمارے رب کا وعدہ البتہ پورا کیا ہوا ہے اور گر جاتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کو زیادہ کرتا ہے از روئے خشوع کے یعنی یہ قرآن ان کا خشوع بڑھاتا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ کو پکارو یا تم رحمٰن کو پکارو، جس کسی کو پکارو گے یعنی اللہ کو یا رحمٰن کو پس اچھے اچھے نام اسی کیلئے ہی ہیں، اللہ جس کا نام ہے رحمٰن بھی اسی کا نام ہے ولا تجهر بصلاتك، صلوۃ سے یہاں قرات مراد ہے، ظاہر نہ کیا کر اپنی نماز کی قرات کو اور نہ اس کو مخفی کیا کر اور طلب کر تو اس مذکور کے درمیان راستہ یعنی زیادہ جہر بھی نہ ہو اور زیادہ مخافت بھی نہ ہو اس کے درمیان درمیان راستہ طلب کر لیجئے، اور آپ کہہ دیجئے کہ سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے نہیں اختیار کی اولاد اور نہیں اس کیلئے کوئی شریک سلطنت میں اور کمزور ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار بھی نہیں یعنی کمزور ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی ولی بھی نہیں، کوئی اس کا کارساز اور مددگار بھی نہیں اور اس کی بڑائی بیان کر بڑائی بیان کرنا۔

ماقبل سے ربط:۔

پچھلا رکوع جو آپ کے سامنے گزرا ہے اور اس کے متصل آیات میں، مشرکین اور منکرین کی طرف سے معجزات کے مطالبات تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کہا گیا کہ بقدر ضرورت معجزات نمایاں کر دیے گئے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ یہ کتاب والا معجزہ تو اتنا واضح ہے کہ اس میں کوئی کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں ہے لیکن جب لوگوں کا سمجھنے کا ارادہ نہیں ہوتا ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی اسی مضمون کی تائید کے طور پر آگے ذکر کیا جا رہا ہے کہ اگر صرف معجزات سے ہی ہدایت نصیب ہوتی، تو کیا فرعون ہدایت یافتہ نہ ہو جاتا، موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتنے واضح واضح معجزات دیے تھے لیکن جب اس فرعون نے ماننے کا ارادہ نہیں کیا تو یہ معجزات اس کو ایمان نہ بخش سکے بلکہ ان کی مخالفت کی بناء پر آخر وہ تباہ ہوا تو اسی طرح اگر تم نیک نیت نہیں ہو، ارادہ تمہارا صحیح نہیں ہے اور ایمان تم لانا نہیں

چاہتے تو معجزات جتنے مرضی طلب کرلو، ایمان نصیب نہیں ہوگا تو نتیجۃً برباد کردیے جاؤ گے۔

تسع آیات کا مصداق:۔

یہاں جو تسع آیات کا ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے واضح آیات دی تھیں اس سے مراد نو معجزات ہیں جس کا ذکر آپ کے سامنے سورہ اعراف میں گذر چکا ہے، ید بیضاء عصا، نقص ثمرات، سنین، طوفان، جراد، قمل، ضفادع، دم۔ اکثر مفسرین نے تسع آیات کا اسی کو ہی مصداق بنایا ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تسع آیات بینات سے واضح احکام مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے عطا فرمائے تھے وہ مشکوٰۃ شریف میں کتاب الایمان میں مذکور ہیں، جہاں دو یہودیوں کا ذکر ہے کہ وہ حضور ﷺ کے پاس آئے تھے اور انہوں نے حضور ﷺ سے آیات بینات کا سوال کیا تھا تو آپ نے جواب میں ان احکام کو بیان فرمایا تھا جس میں یہ تھا کہ شرک نہ کرو، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، ناحق خون مت کرو، جادو نہ کرو، سود مت کھاؤ، بے گناہ کو مت پکڑو کہ حاکم اسے قتل کردے، عفیف عورتوں پر تہمت مت لگاؤ، جہاد سے نہ بھاگو اور آگے خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا تھا کہ ہفتہ کے بارے میں کوتاہی نہ کرو تو بعض نے اس کا مصداق ان کو بنایا ہے۔ (مشکوٰۃ ۱/۱۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرعون کا نظریہ:۔

فسئل بنی اسرائیل اذجاء ھم یہ گویا کہ اس کی سند بیان کردی کہ یہ جو کہا جارہا کہ نو معجزے دیے ہیں یہ اتنی واضح بات ہے کہ اس کے بارے میں آج بھی اگر بنی اسرائیل سے پوچھو گے تو وہ تمہیں بتادیں، فسئل یہ امر کا صیغہ ہے لیکن یہ ایجاب کیلئے نہیں کہ آپ ضرور سوال کریں اس لئے ترجمہ کرتے وقت بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لفظ بڑھایا جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس امر سے ایجاب مقصود نہیں ہے، انہوں نے ترجمہ کیا ہے کہ آپ چاہیں تو بنی اسرائیل سے پوچھ لیں یہ اپنی تائید کے لئے بولا جاتا ہے، میں ایک بات کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اگر آپ چاہیں تو فلاں سے پوچھ لیں، اس سے صرف اپنی بات کو قوت پہنچانی مقصود ہوتی ہے، ضروری نہیں ہوتا کہ وہ ضرور پوچھے تو یہ لفظ بڑھا کے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ امر ایجاب کے لئے نہیں ہے، آپ چاہیں تو بنی اسرائیل سے پوچھ لیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے تھے تو کیا ہم نے ان کو یہ معجزات نہیں دیے تھے یا یہ واضح احکام نہیں دیے تھے اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام! میں تجھے مجنون

سمجھتا ہوں دیوانہ سمجھتا ہوں، تجھے اپنی جان کی فکر نہیں کہ اگر میرے ہاتھ میں آ گیا تو میں تیرے ساتھ کیا کروں گا، جیل میں ڈال دوں گا، یہ کردوں گا، وہ کردوں گا، جس طرح دھمکاتا تھا اور اگر تو عقل و ہوش میں ہوتا تو میرے ساتھ اس انداز میں بات نہ کرتا جس طرح تو اب کررہا ہے، یہ بہکی بہکی باتیں جو کررہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تجھ پر کسی نے جادو کردیا ہے کیونکہ وہ دور جادو کا ہی تھا اس لئے اس کا ذہن اس طرف ہی منتقل ہوا اور قوم کو پاگل بنانے کے لئے وہ اس قسم کے لفظ بول رہا ہے، واقعات کی تفصیل متعدد بار گذر چکی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جواب:۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی وقت جواب دیا کہ فرعون! تو جانتا تو ہے کہ یہ جو کچھ میں کررہا ہوں، جو کچھ میں دکھارہا ہوں یہ جادو کے کرشمے نہیں ہیں اور نہ یہ بہکی ہوئی عقل کی باتیں ہیں، تجھے پتہ تو ہے کہ یہ ساری کی ساری چیزیں رب السموات والارض نے اتاری ہیں، تو ان کا مقابلہ نہیں کرسکا، تیری سلطنت میں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کرسکا، اگر یہ جادو کی بات ہوتی تو جادوگر اس کا مقابلہ کرلیتے، تجھے دلی طور پر یقین ہے کہ نہیں اتارا ان کو مگر رب السموات والارض نے اور یہ سارے کے سارے بصائر ہیں بصیرت کی جمع ہے دل کی روشنی کو کہتے ہیں اور ان کو بصائر اس لئے کہا جارہا ہے کہ یہ دل کی روشنی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ تو ہلاکت میں ڈالا ہوا ہے، جو اتنا سمجھانے کے باوجود سمجھتا نہیں تو تیرا مقدر یہی ہے کہ تو آخر ہلاکت میں جائے گا۔

انجام:۔

فرعون نے پھر چاہا کہ ان کو گھبراہٹ میں ڈال دے، اس علاقہ سے گھبراہٹ میں ڈال کے ان کو کسی طرح اکھیڑ دے تو ہم نے اس کو بھی غرق کردیا اور ان کے ساتھیوں کو بھی غرق کردیا یہ واقعہ آپ کے سامنے آ چکا ہے، اور آگے اس کی کچھ تفصیل سورہ طٰہٰ اور سورہ قصص میں آئے گی۔

اور ہم نے اس کے غرق ہوجانے کے بعد بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ اب تمہیں اجازت ہے تم اس علاقہ میں رہو یہاں امر وجوب کے لئے نہیں کیونکہ اس وقت فرعون کے غرق ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام ان کو لے کر واپس مصر میں نہیں آئے گویا کہ اب دشمن مرگیا اور میدان صاف ہوگیا اب چاہو تو اسی علاقہ میں سکونت اختیار کرسکتے ہو، یہ دنیا کی بات ہے لیکن اس علاقہ کے اندر سکونت عارضی ہے ورنہ موت آنے کے بعد اللہ نے تمہیں پھر اکھٹا کرنا ہے

جیسا کہ کتاب اللہ کی عادت ہے کہ چلتے چلتے آخرت کی یاد دہانی کثرت سے ہوتی ہے، کوئی بھی واقعہ ہو اس میں آخرت کی طرف اشارہ دے دیا جاتا ہے کیونکہ آخرت کا عقیدہ ہی تمام قسم کی نیکیوں اور حسنات کی بنیاد ہے تو پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم سب کو اکٹھا کر کے لے آئیں گے،

قرآن کریم کا ذکر اور حضور ﷺ کا منصب:۔

جیسے پہلے کتاب اللہ کا ذکر وقفہ وقفہ کے ساتھ آیا آگے پھر اسی معجزہ کو نمایاں کر دیا گیا کہ یہ کتاب اللہ جو اس موجودہ پیغمبر کو دی گئی ہے اس میں کوئی کسی قسم کی باطل کی آمیزش نہیں ہم نے اس کو حق کے ساتھ ہی اتارا ہے اور یہ حق کے ساتھ ہی اتری ہے باقی ان کا نہ ماننا اس کی ذمہ داری، آپ کہیں کہ یہ ضرور مانیں اور آپ انہیں ضرور ایمان کی دولت سے مالا مال کریں، ہم نے تو آپ کو صرف مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے، آپ کا کام تو یہ ہے کہ ماننے والوں کو بشارت دے دو اور نہ ماننے والوں کو ان کے برے انجام سے ڈرا دو باقی ان کے ایمان لانے نہ لانے کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔

قرآن کریم کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنے کی حکمت:۔

اب اس کتاب کی خصوصیت کو واضح کی جا رہا ہے کیونکہ بسا اوقات مشرکین کی طرف سے یا مشرکین کو یہود تلقین کرتے کہ اس قسم کی بات کریں کہ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام ساری کتاب یکبارگی اکٹھی لے کر آگئے تھے تو آپ پر یہ قرآن یکبارگی کیوں نہیں اتارا گیا، وہ کہتے تھے کہ پوری کی پوری کتاب ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اترتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم سوچتے رہتے ہو اور جب باتیں بنا لیتے ہو تو آ کے نقل کر دیتے ہو اگر اللہ کی طرف سے یہ آتی ہے تو پھر ساری اکٹھی ہی کیوں نہیں آجاتی؟ تو ذکر کیا جا رہا ہے کہ یہ جو تھوڑا تھوڑا کر کے اترتا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے اوپر شفقت ہے، مہربانی ہے کہ یاد کرنا آسان، سمجھنا آسان اور پھر ایک یہ ہے کتاب ہاتھ میں دے دی اور اس میں سے ہدایات موقع کی مناسبت سے تلاش کرنی پڑیں کہ اس موقع کے متعلق اس کتاب میں کیا ہدایات ہیں اور ایک ہے کہ واقعہ پیش آیا اور تازہ بتازہ ہدایات اللہ کی طرف سے آجائیں، دونوں کے درمیان میں کتنا فرق ہے، تو موقع محل کے مطابق سمجھنا آسان، یاد کرنا آسان، تبلیغ آسان اور پھر جب ہر موقع پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر وقت اللہ کی نصرت اور اللہ کی مدد متوجہ ہے اور پھر موقع محل کے مطابق آیات

اتریں گی تو ان کا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے یہ تو اس کتاب کی خوبی ہے اور جو خوبی ہے وہی دشمن کو نقص نظر آ رہا ہے تو یہ حکمت واضح کی کہ ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں اتارا یہ قرآن ہم نے اس کو جدا جدا کیا، اس کے حصے بنائے اس کی سورتیں ہیں، آیات ہیں یہ حصے بنا دیے تا کہ آپ اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کے پڑھتے رہیں اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے ہی اتارا ہے اور اس میں حکمت ہے اور آنے والی امت کی شان کے یہی لائق ہے۔

قرآن کریم کو ماننے کے لئے اہل علم کی شہادت ہی کافی ہے:۔

باقی انہیں کہہ دیجئے کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، یہ ایمان نہ لانے کی اجازت نہیں ہے، یہ بھی ایمان نہ لانے پر ایک قسم کی تہدید ہوتی، مانو یا نہ مانو، تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے اس کی حقانیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا، اہل علم جن کو اللہ تعالیٰ نے صحیح علم دیا ہے وہ جانتے ہیں کہ ایک پیغمبر ایسا آنے والا ہے، ایسی کتاب اترنے والی ہے جب ان کے سامنے یہ قرآن پڑھا جاتا ہے تو فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ اللہ نے وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو رہا ہے تو اس کتاب کی عظمت کو محسوس کرتے ہوئے، اللہ کی عظمت کو محسوس کرتے ہوئے ان کے خشوع میں اضافہ ہوتا ہے، اور اس قرآن کو سن سن کے وہ روتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اور اللہ کے خوف کی بناء پر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں تو اہل علم کی شہادت کافی ہے، کہ جن کو حقیقی علم نصیب ہوا ہے، وہ اہل علم ہیں شہوات کے متبع نہیں ہیں تو تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس بارے میں اہل علم کی شہادت کافی ہے، جن کو اللہ نے علم دیا ہے، اس نعمت کے حاصل ہونے پر خوشی کی بناء پر وہ روتے ہیں۔

اوتوا العلم کا اعلیٰ درجے کا مصداق:۔

بعض تفسیروں میں اس آیت کے اوپر لکھا ہے کہ یہاں چونکہ اوتوا العلم کا عنوان ذکر کیا گیا تو اہل علم کو چاہیے کہ کتاب اللہ کو جس وقت سنیں، جس وقت اس کی ان کے سامنے تلاوت کی جائے تو ان کے اوپر خشوع کے آثار نمایاں ہوں اور اگر رقت طاری ہو کے رونا آ جائے تو یہ بہت ہی اچھی علامت ہے کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اوتوا العلم کا یہی حال ذکر کیا ہے کہ جن کو علم دیا اور وہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور رونے لگ جاتے ہیں اللہ کی عظمت کو محسوس کرتے ہوئے، قرآن کریم کی نعمت کے اوپر شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں تو اگر کسی کے اوپر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو یوں سمجھو کہ وہ اوتوا العلم کا اعلیٰ درجہ کا

مصداق ہے تو اہل علم کی شان ایسی ہونی چاہیے کہ قرآن کریم کو عظمت کے ساتھ سنیں اور ان کے اوپر اس قسم کے آثار نمایاں ہوں یہی وجہ ہے کہ ان آیات کو پڑھتے وقت سجدہ کیا جاتا ہے صرف ان کے ساتھ ظاہری مشابہت پیدا کرنے کے لئے ، جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے اس سے قبل جب ان کے اوپر قرآن پڑھا جاتا ہے تو اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب ہر عیب سے پاک ہے بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا کیا ہوا ہے یعنی اس کی طرف اس کتاب کے ملنے کا جو وعدہ تھا وہ پورا ہو گیا اور ٹھوڑیوں کے بل وہ گر جاتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے خشوع کو بڑھاتا ہے۔

مشرکین کے اعتراض کا جواب:۔

مشرکین کبھی کبھی شرارت کرتے تھے کہ جب حضور ﷺ یا اللہ ، یا رحمٰن کہتے تو مشرکین کہتے تھے کہ دیکھو! ہمیں تو کہتا ہے کہ ایک کو پکارو اور خود دو کو پکار رہا ہے کیونکہ رحمٰن کا لفظ مشرکین کے اندر معروف نہیں تھا ، رحمٰن کا لفظ اہل کتاب میں معروف تھا اور جب یہ اسماء الیہ میں سے ہے تو آپ جانتے ہیں کہ جب ایک چیز کے متعدد نام رکھ لئے جائیں تو اس کے ساتھ تعدد لازم نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ کے لفظ کو استعمال کرو ، یا اللہ کہو یا رحمٰن کہو جو لفظ بھی تم بولو ، اچھے اچھے نام سب اس کے لئے ہیں ، یہ بھی اسی کا نام ہے اور آگے قرآن کریم کا ایک ادب بایں معنی ذکر کیا کہ سرور کائنات ﷺ جب جہری نمازوں میں جہراً قرات کرتے تو مشرکین شور کرتے ، اتارنے والے کو گالیاں دیتے ، لانے والے کو گالیاں دیتے اس طرح نماز میں تشویش لازم آتی تھی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نماز کی قرات میں نہ تو زیادہ جہر کیا کرو اور نہ بالکل ہی آہستہ پڑھا کرو کہ پچھلے بھی نہ سنیں بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرو تا کہ پچھلے سن بھی لیں اور زیادہ دور تک آواز بھی نہ جائے کیونکہ اس وقت اس کی تلاوت بطور عبادت کے ہے اور جب بطور تبلیغ کے ہو پھر تو اونچی آواز سے پڑھنی چاہیے تا کہ لوگوں تک پہنچے وہاں تو مقصد ہی لوگوں تک پہنچانا ہے لیکن جب یکسوئی کے ساتھ عبادت کرنی مقصود ہو تو ایسے وقت میں نہ زیادہ جہر کرو اور نہ بالکل ہی آہستہ پڑھو بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرو ، یہ تو ہے کہ جہری نمازوں میں یہ ادب سکھایا گیا ہے اور مفسرین نے یہی بات لکھی ہے اور اگر یوں کہہ دیا جائے کہ بعض نمازوں میں جہر اور بعض میں مخافت یہ بھی درمیانہ راستہ ہے تو یہ بھی صحیح ہے کہ دن کی نمازوں میں آہستہ پڑھو اور رات کی نمازوں میں جہر کرو کیونکہ دن میں مشرکین آمدورفت ہوتی تھی اور رات کے وقت وہ غفلت

میں ہوتے تھے اور رات کے وقت ان کے مخل ہونے کا احتمال دن کے مقابلہ میں کم ہے اس لئے جہری قرات رات کو کرو اور سراً قرات دن کی نمازوں میں کرو، دونوں صحیح ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر:۔

اور آگے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کر کے اس کی صفات کا ذکر کر کے اس سورۃ کو ختم کو دیا کہ آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اولاد اختیار نہیں کی، اس کی کوئی اولاد نہیں ہے، وہ اللہ اولاد سے پاک ہے کیونکہ اللہ کی طرف اولاد کی نسبت عیب ہے اور اللہ عیب سے پاک ہے اور اس بادشاہت اور سلطنت میں، اس زمین وآسمان کے نظام کو قائم کرنے اور چلانے میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس کو کسی شریک کی ضرورت بھی نہیں ہے، وہ ہر شریک سے پاک ہے، وہ تن تنہا اور اکیلا اس نظام کو سنبھالے ہوئے ہے اور وہ اتنا طاقتور وتوانا ہے کہ کمزور ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی معین اور مددگار بھی نہیں ہے کوئی اس کا مددگار اور سازگار بھی نہیں ہے، اور تو اس کی بڑائی بیان کر بڑائی بیان کرنا،

فائدہ:۔

اس سورۃ کی ابتداء لفظ سبحان سے ہوئی اور آخر میں الحمد اللہ اور تکبیر کا لفظ آ گیا گویا کہ یہ سورۃ سبحان اللہ والحمد اللہ واللہ اکبر کے درمیان سمٹی ہوئی ہے،

سبحانك اللهم و بحمدك اشهد ان لااله الا انت استغفرك و اتوب اليك

جمع الفوائد

من جامع الأصول ومجمع الزوائد

محمد بن محمد بن سليمان

الروداني المغربي المالكي

المتوفى ١٠٩٤هـ

تحقيق وتعليق وتخريج

محمد معاوية سعدي　　محمد طارق السهارنفوري

الإشراف

فضيلة الشيخ زين العابدين الأعظمي　　الأستاذ محمد عبد الله المعروفي

تقريظ

الشيخ محمد بن محمد عوامة
تلميذ فضيلة الشيخ عبد الفتاح أبو غدة

تقديم

الشيخ محمد شاهد السهارنفوري
الأمين العام بجامعة مظاهر علوم

التقرير الرفيع لمشكاة المصابيح

للإمام المحدث ريحانة الهند

الشيخ محمد زكريا الكاندهلوي المهاجر المدني

المتوفى: ١٤٠٢هـ

المجلد الثالث

قام بتقديمه وإشرافه

فضيلة الشيخ السيد محمد شاهد السهارنفوري

الأمين العام لجامعة مظاهر علوم سهارنفور، الهند

حققه وعلق عليه

رضوان الله النعماني البنارسي

المتخصص في الحديث النبوي الشريف

من جامعة مظاهر علوم